سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف
علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی
انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون کا اردو ترجمہ

# سیرۃ حلبیہ اردو




مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند
زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب


اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

www.KitaboSunnat.com

## نعتِ رسولِ عربی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھر پیشِ نظر گنبدِ خضرا ہے، حرم ہے — پھر نامِ خدا روضۂ جنت میں قدم ہے

پھر شکرِ خدا سامنے محرابِ نبیؐ ہے — پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے

محرابِ نبیؐ ہے کہ کوئی طورِ تجلّی — دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے

پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے — اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے

پھر بارگہِ سیدِ کونینؐ میں پہنچا — یہ اُن کا کرم، اُن کا کرم، اُن کا کرم ہے

یہ ذرّۂ ناچیز ہے خورشید بداماں — دیکھ اُن کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے

ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر — کم ہے بخدا اُن کی عنایات سے کم ہے

رگ رگ میں محبت ہو رسولؐ عربی کی — جنت کے خزائن کی یہی بیعِ سلم ہے

وہ رحمتِ عالم ہے شہِ اسود و احمر — وہ سیدِ کونین ہے، آقائے اُمم ہے

وہ عالمِ توحید کا مظہر ہے کہ جس میں — مشرق ہے نہ مغرب ہے، عرب ہے نہ عجم ہے

دل نعتِ رسولِ عربیؐ کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیّر کا، زباں ہے نہ قلم ہے!

از کلامِ حضرت مفتی اعظمؒ

سیرۃ حلبیہ اردو

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی مایہ ناز عربی تصنیف کا اردو ترجمہ



اُمّ السِّیَر

# سیرۃ حلبیہ اردو

مع اضافات

۱
جلد اول
نصف اول

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

## کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : 3240 صفحات در ۶ جلد




معاہدہ مابین مولانا محمد اسلم قاسمی ساکن دیوبند و مولانا خلیل اشرف عثمانی مالک
دارالاشاعت کراچی برائے ملکیت حقوق ترجمہ اردو سیرت حلبیہ

میں محمد اسلم قاسمی ولد مرحوم حضرت مولانا محمد طیب صاحب ساکن محلہ دیوان دیوبند۔ مترجم عربی تصنیف سیرۃ الحلبیہ جس کا اردو نام "سیرت حلبیہ اردو" ہے اور عربی نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے جس کے مصنف علامہ علی ابن برہان الدین حلبی ہیں، اس ترجمہ کے تمام تر حقوق میرے پاس ہیں اور اب میں جناب خلیل اشرف عثمانی ولد الحاج محمد رضی عثمانی، مالک دارالاشاعت اردو بازار کراچی کو اس ترجمہ کے حقوق ملکیت پاکستان میں دے رہا ہوں وہ چاہیں تو کاپی رائٹ آفس میں اپنے نام رجسٹر کرا لیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اور وہ اس کتاب کو کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کرکے طبع کرا لیں گے۔ میں خود اس سے پہلے پاکستان میں کسی کو اس کتاب کی طباعت کی اجازت یا حقوق نہیں دئے اور نہ آئندہ دوں گا۔ اب جناب خلیل اشرف عثمانی کو حقوق ملکیت (پاکستان میں) دینے کے بعد تحریر لکھدی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

مترجم
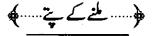
بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلوم 26۔نابھہ روڈ لاہور

کشمیر بکڈپو۔چنیوٹ بازار فیصل آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔انار کلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔اردو بازار لاہور

# فہرست عنوانات سیرت حلبیہ اردو جلد اول

**تمت بالخیر**

# عرض ناشر

سیرت نبوت ﷺ نہایت پاکیزہ موضوع ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین کن مراحل سے گذرا اور پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام نے اس کی حفاظت میں کیا اہتمام اور تکلیفیں اٹھا کر اسے باقی رکھا اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح مدد فرمائی۔

ضروری ہے کہ اس موضوع کی اہمیت کو سمجھا جائے۔ اور اس کے مطالعہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے کہ جس سے ہمیں دین کا علم اور اس پر عمل کی توفیق ہو اور ہمارے اعمال و اخلاق کی اصلاح ہو سکے۔

"حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے والد ہمیں رسول اکرم ﷺ کے غزوات و سرایا کے متعلق تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹے! یہ تمہارے بزرگوں کا شرف ہے اسے بھلا مت دینا"۔

اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کہ "دارالاشاعت کراچی" کو جہاں متعدد موضوعات پر علمی کتب کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ وہاں "سیرت النبی ﷺ" کے موضوع پر پہلے بھی بڑی مستند کتب شائع کی گئی ہیں جو عوام و خواص میں مستند و مقبول ہیں۔ زیر نظر کتاب علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی مستند کتاب "انسان العیون فی سیرة الامین المامون" ۳ جلد کا اردو ترجمہ "سیرت حلبیہ اردو" ۶ جلد میں طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے اردو زبان میں تاحال اتنی تفصیلی سیرت النبی ﷺ دستیاب نہیں یہ کتاب عربی میں بھی نہایت مستند اور اہم سمجھی جاتی ہے اس کی سند کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے مقدمہ میں اسے "اُمّ السّیر" قرار دیا ہے۔

بہت پہلے یہ کتاب دیوبند سے اقساط میں شائع ہو کر نایاب ہو گئی تھی الحمدللہ باقاعدہ قانونی معاہدہ کے بعد ہم اسے شایان شان انداز سے شائع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کام میں خلوص عطا

فرمائے اور اسے دنیاو آخرت کے لئے قبول فرمائے آمین۔ امید ہے اہل علم اور عوام اس کی پذیرائی کریں گے۔

# خصوصیات

۱..... آسان اور عام فہم ترجمہ

۲..... مصنفؒ شافعی تھے اس لئے ایسے کسی مقام پر جہاں فقہی اختلاف تھا اسے قوسین میں علیحدہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔

۳..... خوبصورت کمپیوٹر کتابت

۴..... تصحیح کا اہتمام

۵..... اعلیٰ کاغذ و طباعت

۶..... پائیدار و حسین جلد

۷..... مناسب قیمت

# ناشر

خلیل اشرف عثمانی

ولد الحاج محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## ﴿...... پیش لفظ ......﴾

### از مترجم : مولانا محمد اسلم قاسمی

### نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم

آج سے تقریباً پانچ سال قبل کی بات ہے احقر صبح کے وقت دار العلوم میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک مصری استاذ شیخ محمود عبدالوہاب محمود دفتر میں داخل ہوئے اور ان کے پیچھے پیچھے ایک دوسرے عرب چق اٹھا کر اندر تشریف لائے خشخشی ڈاڑھی، لانبا قد اور کھلتے ہوئے گندمی رنگ کے ساتھ عربی لباس میں وہ خاصے وجیہہ نظر آرہے تھے انہوں نے بلند آواز کے ساتھ مترنم اور پُر محبت لہجہ میں سلام کیا۔ شیخ محمود نے تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ یہ شیخ عبدالتواب مصری ہیں جو مؤتمر اسلامی کی طرف سے بریلی کے مدرسے میں عربی زبان کے استاد کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔ اس زمانے میں راقم الحروف مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب میں مشغول تھا اور شیخ محمود عبدالوہاب اس سلسلے میں بطور خاص میری رہنمائی فرمارہے تھے، موصوف نے دوران گفتگو میں شیخ سے مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب کے متعلق بتلایا۔ انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ اس سلسلہ میں کون کون سی کتابیں میرے زیر مطالعہ ہیں؟ احقر نے متعدد کتابوں کے نام بتلائے اور وہ ہر ایک کے بعد کچھ ایسے انداز میں مزید کتابوں کے متعلق پوچھتے جیسے انہیں کسی خاص کتاب کا نام سننے کا انتظار ہو۔ آخر انہوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ سیرت حلبیہ کا مطالعہ نہیں کررہے ہیں۔ میرا ذہن اس اہم کتاب کی طرف ان کے کہنے کے بعد ہی منتقل ہوا مگر چونکہ اس وقت تک یہ کتاب میرے مطالعہ میں نہیں تھی اس لئے میں نے نفی میں جواب دیا، اور پھر انہوں نے اس کتاب کی اہمیت اور انفرادی حیثیت کے متعلق ایک مختصر سی تقریر کرنے کے بعد مجھے مشورہ دیا کہ میں اس سلسلے میں اس کا مطالعہ ضرور کرتا رہوں۔

یہ پہلا دن تھا جب میں نے یہ کتاب نکالی۔ اور پھر تو، جوں جوں میں اس کا مطالعہ کرتا گیا یہ احساس اور

افسوس شدید تر ہوتا گیا کہ میں نے اب تک اس کو زیر مطالعہ کیوں نہیں رکھا۔ اسی مطالعہ کے دوران یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا گیا کہ یہ اہم کتاب اپنی ترتیبی افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کو نئے اور مفصّل انداز میں اردو ترجمہ کر کے پیش کیا جائے کیونکہ واقعات کی جو مستند تفصیلات ایک مربوط اور مسلسل انداز کے ساتھ اس میں ملیں وہ اپنی کوتاہ نظری کے اعتراف کے ساتھ، میں کہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔

سیرت پیغمبر ﷺ کا موضوع دراصل دینی اور اعتقادی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ یہ اسلام کے دور اول کی صرف تاریخ، واقعات پارینہ کی حکایت اور ایک عظیم انسان کی سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام مسلمان کے لئے اس کے ہادیٔ اعظم اور امام امت کی پاکیزہ زندگی کے وہ نقوش اور وہ اُسوہ ہے جو امت کے ہر ہر فرد کی زندگی کے لئے ایک مکمل ترین اور آخری نمونہ ہے، یہ ہمارے لئے ایک ایسا خوبصورت گلدستۂ حیات ہے جس کی نقل اور پیروی کر کے ہم اسلام کی صحیح معنیٰ میں پیروی کر سکتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ الخ الآيۃ (پ ۲۱ سورۂ احزاب)

(ترجمہ) تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

اس اُسوہ اور نمونہ سے مراد آنحضرت ﷺ کی مذہبی، تبلیغی، سماجی، سیاسی، خانگی اور تمدنی حیات پاک اور اس کے وہ شب و روز ہیں جو اسلامی تعلیمات کا صحیح ترین اور مکمل ترین مظہر ہیں۔ یہ عظیم نمونہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں کے سامنے ہر وقت تھا اور وہ سب سے زیادہ اپنی زندگیوں میں وہ روح پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جو آنحضرت ﷺ کا نصب العین تھا چنانچہ سنت کے سب سے بڑے پیرو اور متبع وہی قرار پائے۔ ان کی زندگیوں میں یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور سنت کا ہی عکس تھا جس نے انہیں ذرّے سے آفتاب بنا دیا اور آج وہ کروڑوں انسانوں کے لئے مشعل ہدایت اور محترم بن گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۔ الآيۃ (پ ۲۶ ۔ سورۂ فتح)

(ترجمہ) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۔ الآيہ ۲۲

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ اللہ کا گروہ ہے۔ (پ ۲۸ سورۂ مجادلہ)

پھر خود رسول اللہ ﷺ ان حضرات کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (حدیث)

میرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

آج رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہماری نظروں کے سامنے نہیں لیکن آپ ﷺ کا چھوڑا ہوا اسوہ و نمونہ اور آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے وہ تمام نقوش جو ہماری ہدایت کا سر چشمہ ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ثبت ہیں۔ یہ ہمارے لئے سب سے عظیم تہذیبی خزانہ، سب سے مکمل ثقافتی ورثہ اور سب سے قیمتی تاریخی سرمایہ ہے، ایک بھٹکے ہوئے مسافر کو اس مشعل سے زندگی کے ہر موڑ پر، ہر شعبے میں اور ہر مرحلے میں روشنی اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور ہر تشنہ کام اس سر چشمۂ فیض سے اپنی روح کی پیاس بجھا سکتا ہے، اس رسول برحق اور انسان کامل کی کتاب زندگی کے یہ اوراق ایک ایسی امانت ہیں جس کو ہر دور میں زبان و قلم کے ذریعہ اس تسلسل کے ساتھ آپ کی امت تک پہنچایا جاتا رہا ہے کہ آج تک اس چشمہ فیض کی روانی میں فرق نہ آیا۔

عام طور پر تمام انسان اور خاص طور پر ہر مسلمان اس اُسوے اور نمونے کا ہر دور میں محتاج رہا ہے اور اس سے ہدایت پاتا رہا ہے مگر شاید آج کا انسان اور آج کا مسلمان ہمیشہ سے زیادہ اس دستور حیات کا ضرورت مند ہے کیونکہ اس دور نے انسان کو زندگی کا ہر آرام اور عیش بہم پہنچانے کے ساتھ اس کی روح کو ہمیشہ سے زیادہ تشنگی دی ہے اور اسے زندگی کے اس نصب العین سے بہت دور پہنچادیا ہے جو ہر زمانے میں اس کا سب سے بڑا ہمدم و رفیق رہا ہے۔ آج انسان زندگی کی ان لذتوں سے ہمکنار ہے جن کا اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا، زمینوں اور فضاؤں میں اس کی ترقیات اور عروج کے نشان ثبت ہیں اور اس کا ہر قدم مادّے کی کھوج اور جستجو میں آگے اور آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مگر ان تمام لذتوں کے ساتھ آج جب وہ اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا کی ہماہمی سے نجات پاکر جب وہ چند لمحے اپنے مطالعہ میں صرف کرتا ہے تو اس کو اس عیش و لذت کے ساتھ ایک ایسی کسک کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس پُر رونق ماحول میں ایک ایسا خلا نظر آتا ہے جو اس کی روح کو مضمحل کئے دیتا ہے، وہ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ان خوبصورت راستوں کے آگے کسی منزل کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک ایسی سڑک جو آگے جاکر ایک ویرانے اور ایک ریگزار میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس وقت اسے یہ تمام جدوجہد اور بھاگ دوڑ بے مقصد نظر آتی ہے، یہ اس کے ضمیر کی بیداری کا اظہار ہوتا ہے جو اس کو کبھی کبھی ان گتھیوں کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

ضمیر کی بیداری کے ان ہی لمحات میں اس کو ایسی رہنمائی اور رہبری کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اسے زندگی کا صحیح مقصد سمجھا سکے اور راستے کے آئندہ خدشات سے نجات دلا سکے۔

اس وقت زندگی کا وہ نمونہ ہی اس کو روحانی سکون اور آسودگی فراہم کر سکتا ہے جو ہر لغزش سے پاک ہو، ایک ایسی ذات کا اسوہ اور طریقہ ہی اس کو اطمینان بہم پہنچا سکتا ہے جس کا ہر قدم شاہراہ حیات میں ایک مکمل مقصد کا عنوان اور ساری دنیا کے لئے ایک آخری درس کی حیثیت رکھتا ہو۔

زندگی کی یہ مکمل شکل صرف اس عظیم اور کامل ترین انسان کی سوانح اور تاریخ میں ہی مل سکتی ہے جو آخری طور پر زندگی کا مکمل دستور لے کر آیا اور اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور پھر دنیا کو اس کا درس دیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی ایک ایسا خوب صورت باغ ہے جس کے پھولوں کی مہک، فضاؤں کی نکہت اور ہواؤں کی تازگی سے آج تک دنیا مسحور ہے۔ یہ چمن ہر ایک کو دعوت دید دے رہا ہے۔ اب یہ نظارہ کرنے والے کی صلاحیت اور دامن کی وسعت و ظرف پر موقوف ہے کہ وہ اس باغ سے کتنے پھول چنتا ہے۔

میں نے اسی بنیاد پر اس موضوع کو ترجیح دی۔ میری کوشش ہے کہ اردو ادب سیرت پاک کے اس مقدس موضوع کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات اپنے اندر سمو سکے۔

بالخصوص مسلم عوام کے لئے یہ موضوع نیا نہیں ہے۔ ہمارے اردو لٹریچر میں اس موضوع پر ایک عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے جو اردو داں طبقے کی ضرورت کو پوری کر رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اس سرمائے کے باوجود ہمارا لٹریچر اس موضوع کی تفصیلات، بے شمار واقعات اور تاریخی حادثات کے سلسلے میں تشنہ ہے۔ کیونکہ اب تک ہمارے یہاں جس قدر کتابیں تیار ہوئی ہیں وہ خواہ تالیفات ہوں یا تراجم، ان میں ایک چیز قدر مشترک رہی ہے اور وہ ہے اختصار جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو داں عوام ان عظیم حوادث، تاریخ ساز واقعات، آنحضرت ﷺ کے اجداد سے متعلق تفصیلات اور ان کے درمیان اختلافات اور پھر تطابق سے اتنے مکمل انداز میں واقف نہیں ہیں جس کا یہ مبارک موضوع مستحق ہے۔ قدیم عرب مصنفین نے اس پر کس قدر محنت اور جانفشانی کی ہے اس کا ہلکا سا اندازہ کسی عربی کتب کی لائبریری کے شعبہ تاریخ کے ایک سرسری سے جائزے سے ہو سکتا ہے۔ عربی میں اس موضوع پر بے شمار ضخیم اور مفصل تالیفات ہیں جن کے مطالعہ سے اس سلسلہ کے ایسے ایسے حقائق و واقعات سامنے آسکتے ہیں جن سے ابھی تک ہمارے کان نا آشنا ہیں۔ اردو داں مصنفین اور اہل علم کے لئے بھی ابھی تک اس زبان میں کوئی ایسا مستند اور مفصل و مربوط ماخذ نہیں ہے جہاں سے وہ اس ذیل کے کسی بھی واقعہ کے متعلق مطلوبہ مواد فراہم کر سکیں، بلکہ انہیں ایک واقعہ کے لئے متعدد کتابوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے تب جا کر متعلقہ واقعے پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ بسا اوقات اتنی محنت اور کاوش کے بعد بھی مطلوبہ تفصیل فراہم نہیں ہو پاتی۔

ان تمام وجوہ کی بناء پر اردو لٹریچر عرصے سے اس کا ضرورت مند رہا ہے کہ اس موضوع پر عربی کے قدیم و مستند اور مفصل لٹریچر کو اردو میں منتقل کیا جائے، چنانچہ موجودہ اہل قلم نے اس پر خصوصی توجہ کی اور اس کے نتیجہ میں حال ہی میں سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری جیسی عظیم و ضخیم کتابوں کے اردو ترجموں سے ہمارا لٹریچر مالا مال ہو چکا ہے، مگر علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اتنا زبردست لٹریچر اردو میں منتقل ہو جانے کے باوجود بھی یہ گوشہ بعض لحاظ سے تشنہ ہے اور زیر نظر کتاب اردو کے اس ذخیرے میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے جو ناقابل انکار اور زبردست خلا باقی ہے اس سے نہ اہل علم انکار کر سکتے ہیں اور نہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد عوام اس کی خصوصی افادیت سے انکار کر سکتے ہیں۔

سیرت حلبیہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک ایسی منفرد کتاب ہے جو تاریخ اسلامی اور سیرت رسول ﷺ کے موضوع پر اپنا ایک علیحدہ، مستقل اور اہم مقام رکھتی ہے۔ حال ہی میں راقم الحروف حضرت والد محترم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے ہمراہ دہلی سے دیوبند آرہا تھا راستے میں میں نے سیرت حلبیہ کے ترجمے و ترتیب کے متعلق ان حضرات سے تذکرہ کیا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اس کتاب کے متعلق جو ایک جملہ فرمایا وہ غالباً اس کی انفرادیت، اہمیت اور افادیت و مقام کے صحیح تصور کو پیش کر سکتا ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ

"ہمارے پاس عربی لٹریچر میں سیرت پر ضابطے کی تو صرف یہی ایک کتاب ہے"

مؤلف علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ نے دراصل یہ کتاب عربی کی دو دوسری اہم کتب سیرت کی

تلخیص کے طور پر مرتب کی ہے یعنی حافظ ابو الفتح ابن سید الناس کی کتاب "عیون الاثر" اور دوسری "سیرت شمس الشامی" جیسا کہ مؤلف موصوف نے مقدمہ کتاب میں واضح کیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنے علمی و تحقیقی مواد کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں، مگر جہاں تک "عیون الاثر" کا تعلق ہے اس میں جو علمی اور بلیغ مضامین و تحقیقات پیش کی گئی ہیں اس کی وجہ سے صرف علمی حلقے ہی اس کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ عوام اس کی گہرائی اور گیرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے یہ کتاب اپنی اہمیت کے باوجود ایک مخصوص طبقے کے لئے ہی مفید ہو سکتی ہے ہر طبقے اور معیار کے لوگ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سیرت شمس شامی بھی ہے۔ اس لئے مؤلف نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں کتابوں کی تلخیص کر کے سیرت کے موضوع پر ایک مفصّل و مربوط کتاب مرتب کریں جو مذکورہ دونوں کتابوں کے بر خلاف عوام و خواص دونوں طبقوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔ خواص کے لئے اپنے استناد اور معتبر سیرت و تاریخ کی کتابوں سے ماخوذ واقعات کی بناء پر جن کا انہوں نے بیشتر جگہ حوالہ بھی دیا ہے اور عوام کے لئے اس لحاظ سے کہ یہ مستند ہونے کے ساتھ عام فہم انداز میں ہے جس میں تمام منتشر واقعات کو مربوط کر کے تسلسل کے ساتھ مرتب کر دیا گیا ہے اس کے نتیجہ میں واقعات کی ترتیب سے دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ علماء و عوام سب کے لئے قابل فہم بن جاتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک واقعہ کے ذیل میں جتنی مختلف و متفرق روایات فراہم ہوتی ہیں یہ ان میں سے اکثر کو پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد ان روایات میں سے ممکن طور پر تضاد کو دور کر کے موافقت اور تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے مختلف تاریخی واقعات کا ایک دوسرے سے جوڑ پیدا کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ اس میں جتنی قوی اور ضعیف روایات پیش کی گئی ہیں مؤلف نے اکثر ان کا ماخذ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح جہاں روایات کے تحت قرآنی آیات آرہی ہیں وہاں بعض جگہ مؤلف نے اس آیت کا شان نزول، اس کی مختلف تفسیریں اور اس کے بعد ترجیحی مفہوم کو پیش کر دیا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اس آیت کے شان نزول کا تاریخی واقعات سے ربط معلوم ہو جاتا ہے بلکہ اس کے متعلق علماء و مفسرین نے جو تحقیق و کاوش کی ہے اس کا نچوڑ سامنے آجاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، احقر نے اپنی کتاب مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب کے دوران اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا تھا اس لئے یہ اندازہ تھا کہ اس کا صرف ترجمہ کر دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ ترجمے کے ساتھ واقعات کی مزید تشریح کے لئے اس پر مستقل کام کرنے کی ضرورت ہوگی کیونکہ در حقیقت ہر زبان کا اپنا ایک انداز اور اسلوب ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہر زبان کے بولنے والوں کا ایک مخصوص مزاج اور افتاد طبع ہوتی ہے جو دوسری زبان کے بولنے والوں سے مختلف ہوتی ہے۔ عربی کتابوں کا بھی ایک خاص اسلوب ہوتا ہے جو عرب عوام کے ہی مزاج سے موافقت رکھتا ہے۔ ایک عربی کتاب چاہے کتنے ہی سادہ اور عام فہم انداز میں مرتب کی گئی ہو لیکن اگر اس کا ترجمہ جوں کا توں غیر عرب کے سامنے پیش کر دیا جائے تو نہ ان کے لئے اس میں وہ دلچسپی اور روانی باقی رہ سکتی ہے جو اصل زبان میں ہوتی ہے اور نہ دوسری زبان کے بولنے والوں کے لئے اس میں کشش اور انس ہو سکتا ہے جو ان کے اپنے اسلوب میں لکھی گئی کتاب میں انہیں حاصل ہو سکتا ہے خواہ یہ ترجمہ با محاورہ اور سلیس زبان میں کیا گیا ہو اس کی اجنبیت برقرار رہتی ہے۔

اسی لئے راقم الحروف نے اس ترجمے میں یہ پہلو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ ترجمے میں، میں نے اس بات

کا بطور خاص خیال رکھا ہے کہ اردوداں عوام کے مزاج کے مطابق جہاں واقعات میں مزید تفصیل اور تشریح کی ضرورت ہے اس کو پورا کیا جائے اور اپنے ہم زبانوں کے مزاق کو جملوں کی ترتیب میں ملحوظ رکھا جائے تاکہ بیان میں روانی اور سلاست کے ساتھ وہی زور بیان اور شوکت الفاظ باقی رہ سکے جو اصل زبان میں کتاب کا امتیاز ہوا کرتی ہے۔ ان تفصیلات کو اگر رواج کے مطابق حاشیہ میں واضح کیا جائے تو اس سے واقعے کی تفصیل تو سامنے آجاتی ہے مگر جملوں اور اصل بیان کی روانی باقی نہیں رہتی، بلکہ بسا اوقات پڑھنے والا اصل کو پڑھنے کے ساتھ حاشیہ دیکھنے کے لئے تسلسل کو توڑنا گوارا نہیں کرتا اور اس کے نتیجہ میں اس حاشیہ اور تشریح کی افادیت محدود ہو جاتی ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے تمامتر تشریحات کو جن کا تعلق براہ راست اصل واقعہ اور موضوع سے ہے قوسین یعنی بریکٹ میں پیش کیا ہے۔ اس طرح واقعات کا تسلسل اور روانی بھی ختم نہیں ہوتی اور ضروری تشریحات ساتھ ساتھ نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔ جو واقعہ کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور ترجمے میں اردو زبان کا اسلوب پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہیں۔ اس سلسل میں اس کتاب کے ترجمے اور ترتیب کے ساتھ ساتھ تاریخ وسیرت کی متعدد دوسری کتابیں بھی احقر کے زیر مطالعہ ہیں جن سے تشریحات کے سلسلے میں مراجعت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی ان دیگر زیر مطالعہ کتب کے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں کتاب کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض واقعات کے سلسلے میں کچھ جگہوں پر اس کے متعلق اگر کوئی اہم نوٹ ہے تو اس کو صفحہ کے نیچے حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس سلسلہ میں جو ضروری مشورے ہوں گے قارئین ان سے مجھے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ نیز اس ترتیب کے سلسلہ میں جو خامیاں ان کو محسوس ہوں گی ان پر طعنہ زن ہونے کے بجائے مجھے مخلصانہ طور پر ان کی طرف توجہ دلائیں گے تاکہ ان کا ازالہ کیا جاسکے۔

ان سطور میں اپنے مشفق و محترم اساتذہ دار لعلوم دیوبند کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے ایک ایسا فریضہ ہے جس سے میں چند الفاظ تشکر کے ذریعہ عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں میرے مشفق و محترم استاذ مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کا نام سرفہرست ہے اور ان سے جو تعاون اور مخلصانہ رہنمائی مجھے حاصل ہوئی ہے اس کے اظہار کے لئے اگر میں چند رسمی الفاظ تشکر کا سہارا لوں تو حقیقت میں میرے جذبات دلی کو مجھ سے شکایت ہوگی۔ موصوف محترم نے میرے لئے جس فیاضانہ اور مشفقانہ انداز میں اپنے وقت کا ایک حصہ وقف اور صرف کیا میں اس کو ان کا ایک ایسا ایثار سمجھتا ہوں جو میرے دل پر نقش ہے اور جس کے صلہ کے لئے میری کم مائیگی حیران ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ میری اس محنت و خدمت کو قبول فرمائے اور عوام و خواص میں اس کو مقبولیت عطاء فرمائے جس کی یہ اپنے مبارک موضوع اور دنیا کے بلند ترین انسان کی طرف انتساب کی وجہ سے مستحق ہے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو میرے لئے سعادت و نجات کا باعث بنادے۔ آمین۔

محمد اسلم قاسمی

۵ / فروری ۱۹۶۹ء۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

## از قبلہ محترم و مکرم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند

کوئی قانون یا دستور اگر اوراق و کتب یا قرأت و سماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے تو ہم اسے علمی دستور کہتے ہیں اور وہی دستور جب کسی شخصیت اور ذات سے عملاً سرزد ہو کر سامنے آتا ہے تو ہم اسے عملی دستور کہتے ہیں، اسی طرح دین خداوندی نبی کے ذریعہ جب اوراق و کتب یا قرأت و سماعت کے واسطہ سے امت تک پہنچتا ہے تو اسے "صحیفہ آسمانی" کہا جاتا ہے اور وہی دین حق جب کسی نبی معصوم کی ذات پاک اور مقدس شخصیت سے سرزد ہو کر عملی نمونہ کے طور پر نمایاں ہوتا ہے تو اسی کو سیرت یا اسوۂ حسنہ کہا جاتا ہے اس لئے دین اور سیرت ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جن میں مصداق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں صرف مفہوم اور رخ کے لحاظ سے عنوانی فرق ہے۔ پس نبی جو پہنچا دے وہ "دین" ہے اور جسے کر کے دکھلا دے وہ "سیرت" ہے اور جبکہ انبیاء معصومین کے کہے اور کئے میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا تو دین اور سیرت میں بھی کمال مطابقت کی وجہ سے کوئی فرق ممکن نہیں۔

پھر دین جیسے دو حصوں میں منقسم ہے ایک عقیدہ اور ایک عمل، یا شرعی اصطلاح میں ایک ایمان اور ایک اسلام کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا قالب سے ایسے ہی سیرت بھی انہی دو حصوں ظاہر اور باطن میں منقسم ہے۔ ظاہری حصہ میں عبادات، معاملات، معاشرات، اجتماعیات، تعلیمات، تدبیرات اور غزوات و تصرفات کہلائیں گے جن میں کوئی مقدم ہے اور کوئی مؤخر ہے کوئی سبب ہے اور کوئی نتیجہ اور باطنی حصہ میں عقائد، اخلاق، مقامات، افکار، جذبات، واردات، الہامات، فراست و بصیرت اور نور باطن وغیرہ سب داخل ہو کر سیرت باطن کہلائیں گے کہ ان میں بھی وہی تقدیم و تاخر قائم ہے جو ظاہری کمالات میں تھا البتہ سیرت کے دائرہ میں ایک اور حصہ بھی شامل ہے جو دین کے دائرہ سے الگ ہے اور وہ نبی کے خلقی اور تکوینی فضائل و کمالات ہیں جن کے لئے امت مکلف نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اصطلاحی طور پر اسے دین میں شامل نہیں کیا جاتا جس میں شمائل حلیہ مبارکہ، سراپائے مقدس چال ڈھال، حیات و معجزات وغیرہ شامل ہو کر سیرت کا ایک اہم فرد بن جاتے ہیں۔ پس دین کمالات نبوی کا نام ہے اور سیرت میں کمالات کے ساتھ جمالات بھی شامل ہیں اس لئے سیرت کا دائرہ دین سے زیادہ وسیع ہے۔ سیرت کے دونوں عملی پہلو یعنی باطنی اور ظاہری کمالات پہلے انبیاء پر وارد ہوتے ہیں جو بارگاہ حق کی طرف سے دنیا میں نمونہ عمل بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور پھر ان کی عصمت و صداقت اور رسالت کے واسطہ سے ساری امت اس کی پابند ہوتی ہے، اس لئے ایمان ہو یا اسلام، اصل میں انبیاء کا ہوتا ہے اور پھر ان کی تاثیر اور طفیل سے امتوں میں سرایت کرتا ہے جو درحقیقت ان کے ہی ایمان اور اسلام کا ظل اور پرتو ہوتا ہے جیسے مادیات میں اصل نور آفتاب کا ہے۔ آفتاب کی تاثیر اور نورانی سایہ (دھوپ) پڑنے سے در و دیوار اور صحرا و کوہسار سب روشن ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ روشنی اور چمک

دمک ان کی اپنی نہیں ہوتی دھوپ کی ہوتی ہے۔ جب دھوپ کے رخصت ہو جانے پر اندھیر اگپ ہو جاتا ہے تو یہ پھر اسی طرح ظلماتی کے ظلماتی پڑے رہ جاتے ہیں جس سے صاف نمایاں ہے کہ دھوپ کے وقت بھی یہ خود روشن نہیں تھے صرف روشن نظر آنے لگے تھے، روشنی اس وقت بھی دھوپ ہی کی تھی اور وہی روشن نظر آرہی تھی لیکن چونکہ دھوپ ان مکانوں کے سانچوں میں ڈھل کر نمایاں ہوتی ہے کہ دھوپ اور مکان کی سطح میں کوئی فرق نہیں رہتا اس لئے وہ دھوپ کی سطح مکان کی سطح نظر آتی ہے اور مکان ہی چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقتاً یہ چمک دمک مکان کی نہیں بلکہ دھوپ کی ہوتی ہے۔

اسی طرح نجوم ہدایت انبیاءؑ کے ایمان واسلام کی دھوپ جب امتوں پر پڑتی ہے بشرطیکہ وہ ان نورانی آفتابوں کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں اور نفسانی حجابات درمیان میں حائل نہ ہوں تو وہ بھی ایمان واسلام سے روشن ہو کر مومن و مسلم کہلانے لگتے ہیں لیکن یہ ان کی ایمانی چمک دمک خود ان کی اپنی نہیں ہوتی انبیاء ہی کے ایمان واسلام کی ہوتی ہے اگر انبیاء ان کی طرف رخ نہ کریں یا یہ خود اپنی سوء استعدادی کی وجہ سے ان کی طرف رخ نہ کریں تو دونوں صورتوں میں ایمان واسلام کی روشنی ان میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ امت درحقیقت انبیاء کے ایمان واسلام کے حق میں نمائش گاہ یا جلوہ گاہ ہوتی ہے جن میں ہو کر نبی کا ایمان گزرتا ہے اور وہ ایمان سے روشن نظر آنے لگتے ہیں۔ جیسے آئینہ میں اگر آفتاب کا عکس اتر آئے اور وہ جگمگا اٹھے تو اس میں آئینہ کی کسی اپنی روشنی کا دخل نہیں ہوتا بلکہ محض سورج کے عکس کا اثر ہوتا ہے اگر آفتاب ذرا رخ پھیر لے یا وہ رخ نہ پھیرے مگر آئینہ ٹیڑھا بینگا ہو کر منحرف ہو جائے تو اسی دم اس کی روشنی اور ساری چمک دمک غائب ہو جائے۔ اگر یہ اس کی اپنی روشنی ہوتی تو اس کے رخ پھیرنے پر بھی وہ قائم رہتی۔ ٹھیک اسی طرح اصل ایمان انبیاء کا ہے امتیوں کا ایمان محض ان کے ایمان کا ایک ظل اور پَرتَو ہے جو امتیوں کے آئینہ قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور اس کے طفیل اُمتی بھی مومن و مسلم کہلانے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب سیرت بھی اسی ایمان واسلام کے دوسرے رخ کا نام ہے تو یہاں بھی یہ ہی سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک کسی امت پر سیرت انبیاء کی دھوپ نہ پڑے اور امت زیر سایۂ سیرت پاک نہ آجائے نہ اسکی سیرت بن سکتی ہے اور نہ کردار درست ہو سکتا ہے، بالفاظ دیگر جب تک امت اپنے کو ایک صیقل شدہ آئینہ کی طرح قلب نبوت کے سامنے نہ کردے اور اسکی سیرت کا عکس اپنے اندر نہ دکھلائے اس وقت تک اسکی سیرت نہ چمک سکتی ہے نہ مومنانہ اور مسلمانہ کہلائے جانے کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اس محکم اصول پر آج بھی یہ ہی نقشہ سامنے رکھ لینا چاہئے کہ جب تک امت مرحومہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت طیبہ کا پرتو اپنے آئینۂ قلب میں نہ لے گی نہ یہ حقیقی معنی میں امت اجابتہ کہلانے کے قابل ہو گی اور نہ ہی دنیا میں اسکا کوئی وقار قائم ہو سکے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت اور سیرت اپنے اپنے دور میں تاثیر دکھلا کر مقررہ وقت پر اس جہان سے رخصت ہو گئی۔ نہ آج وہ شریعتیں ہیں نہ سیرتیں، نہ ان کی روایتیں ہیں نہ درایتیں اور اگر کچھ زبان زد بھی ہیں تو بے سند اور بلا سلسلہ متصل محض افواہ کے درجہ میں ہیں نہ محفوظ ہیں نہ منضبط کہ ان پر وثوق واطمینان کا اظہار کر کے کوئی اپنی سیرت بنانے کا کام انجام دے۔ کسی تاریخی چیز پر اطمینان نقل و روایت ہی سے ممکن ہے اگر روایت ہی نہ ہو تو سارا قصہ ہی اندھیرے میں رہ جاتا ہے کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ فلاں مقدس کی سیرت ہے اور فلاں معصوم کی خصلت و عادت ہے۔ پھر روایت پر اطمینان محض لفظ روایت آجانے سے نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے راوی نہ ہوں اور راست باز نہ ہوں اور ساتھ ہی ان سے تمام اسباب غلط فہمی اور غلط گوئی مرتفع بھی نہ

ہوں۔ اگر عدالت شعار راویوں کی روایت حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہو تو اول درجہ کا اطمینان حاصل ہو گا ورنہ کم از کم راویوں کا سلسلہ متصل ہونے اور ان کے فہم و عدالت کے ثبوت کے بعد فی الجملہ اور بقدر ضرورت اطمینان پھر بھی حاصل ہو جائے گا لیکن اگر روایت ہی سرے سے نہ ہو افواہ محض ہو یا روایت ہو تو راویوں کا پتہ نہ ہو محض اسم روایت ہو یا راوی ہوں مگر مجہول الحال ہوں جن کا صدق و کذب سب پردۂ خفا میں ہو یا کوئی ایک آدھ راوی اتفاق سے معلوم الحال بھی ہو مگر تسلسل کے ساتھ روایت کا سلسلہ اصل داعی مذہب تک نہ پہنچتا ہو تو آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ آدمی ان کی تو مانے اور اپنی عقل کی نہ مانے اور خواہ مخواہ لکیر پیٹ کر خود کو اور اپنی سیرۃ کو مجہول الحال لوگوں کے حوالہ کر دے اور ایسی سیرتوں کو کسوٹی بنائے جن کا اپنا کوئی وجود نہ ہو چہ جائے کہ وہ دوسروں کے وجود کے عیب و ثواب دکھلانے کی کوئی صلاحیت رکھتی ہوں۔ اندریں صورت جبکہ انبیاء سابقین کی سیرتیں ہی منضبط نہیں اور کسی حد تک زبان زد بھی ہوں تو وہ پردۂ روایت پر نہیں آئیں کہ ان کے ثبوت و عدم کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے اور ایک سیرت سازی کا طلبگار اپنی سیرت بنانے کے لئے ان کی طرف رجوع کرے ورنہ کوئی بتائے کہ سیرت موسیٰ و عیسیٰ و نوح و ابراہیم علیہم السلام پر آج کون سی مستند کتاب دنیا میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ خود توراۃ و انجیل اور زبور کی اصل کا بھی ان سے کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب اتریں، کس طرح اتریں، کس پر اتریں، کس نے انہیں جمع کیا اور لکھا اور کن واسطوں اور سلسلوں سے وہ آج کے لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچیں۔ تو ان حضرات کی سیرت کی کسی کتاب کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب مبانی مذہب ہی غیر موثق ہوں تو داعیٔ مذہب کی سیرت تو ان معانی ہی سے بنتی ہے وہ کہاں سے آجائے گی۔ بخلاف سیرت خاتم الانبیاء ﷺ جس کا اساسی ماخذ تو قرآن ہے جس کے بارے میں صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا تھا۔

## وکان خلقه القران

آنحضرت ﷺ کا سیرت و اخلاق یہ قرآن ہے جو اس میں لکھا ہوا ہے وہی آپ کی ذات میں عمل اور سیرت و کردار کی صورت میں موجود ہے۔ اس قرآن کی اور بالفاظ دیگر سیرت نبوی کی سند و روایت کا تو یہ مقام ہے کہ دو چار، دس پانچ راویوں کے واسطہ سے نہیں بلکہ پیغمبر سے لے کر آج کے دور تک ہر دور میں تواتر کے ساتھ مسلسل ہے۔ ہر قرن میں ہزاروں لاکھوں حافظ موجود جنہیں ایک ایک زیر زبر تک محفوظ، پھر اس کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف گنا ہوا اور شمار میں آیا ہوا منضبط ہے۔ حتیٰ کہ اس کی روایت کے ساتھ اس کی درایت، طرز ادا، لب و لہجہ، طرز کتابت اور رسم الخط تک کے تحفظ کے لئے ہر دور میں ہزاروں ہزار مبصر افراد کی جماعتیں اور گروہ سرگرم عمل رہتے آرہے ہیں پھر قول و فعل رسول کے لئے خود صاحب رسالت کا اپنا کلام جسے "حدیث" کہتے ہیں اس حد تک منضبط، محفوظ اور اس درجہ اس کی روایت مسلسل کہ بیچ میں انقطاع کا نشان تک نہیں بلکہ اس کے لاکھوں راویوں کی سوانح عمریاں محفوظ اور اوراق تاریخ میں منضبط۔ حتیٰ کہ اس کے فن روایت کے وہ اصول تک بھی مرتب شدہ موجود کہ اس کی تاریخ ہی ایک مستقل فن بن گئی۔ جس میں ہزارہا تصانیف منصۂ شہود پر آگئیں۔ قرآن و حدیث تو الہام اور وحی ہے اس کی جتنی بھی حفاظت کی جاتی برمحل تھی۔ مسلمانوں نے تو اپنی تاریخ اور تاریخی کتب کی بھی وہ حفاظت کی کہ قوم توریت و انجیل، قوم زبور اور قوم صحف ابراہیم اپنے آسمانی نوشتوں کی بھی وہ حفاظت نہ کر سکی۔

آج قرآن و حدیث اور تاریخ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہر دینی فن کی کتب کی روایت بھی تسلسل کے

ساتھ ان کے آخری ماخذوں تک پہنچی ہوئی ملے گی، لیکن توریت و انجیل اور زبور اور وید کا موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہما السلام اور برہماجی تک کوئی ثبوت نہ مل سکے گا۔ اس صورت میں غور کیا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک، سیرت سازی کا کام کر سکتی ہے یا ان نام بردہ شخصیتوں کی سیرت جن کا کوئی روایتی وجود ہی نہیں کہ ان کا کچھ اتہ پتہ بھی مل سکے، پھر اوپر سے ان کتب کے تراجم میں بھی وہ تضاد و تعارض ہے کہ نقل و روایت تو بجائے خود ہے عقل بھی اصلیت کا پتہ نہیں چلا سکتی۔ یہ وثوق و اعتماد کہ آنکھ بند کر کے آدمی عملی دنیا میں اس پر جھک جائے اور مطمئن ہو کر اپنی سیرۃ بنائے صرف سیرت خاتم الانبیاء ﷺ اور اس کے ماخذ قرآن و حدیث ہی کو حاصل ہے اور وہی بڑھ کر دنیا کو اپنی سیرت بنانے کی دعوت عام دے سکتی ہیں۔ پھر جبکہ اس سیرت کے ماخذ قرآن و حدیث ہیں اور ان کے ابدی اور محفوظ ابد ہونے کا وعدہ دیا جا چکا ہے جو پورا ہوا اور ہو رہا ہے کہ چودہ سو سال تک مشاہدہ میں آچکا ہے کہ بلا کسی تغیر و تبدل کے اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے، اور ادھر قرون مابعد کے لئے بھی ان کی حفاظت و صیانت یقین کی گہرائیوں میں ہے کہ جیسے اب تک وہ محفوظ رہے ہیں ویسے ہی آئندہ بھی تا ابد محفوظ رہیں گے۔ اس لئے بلاشبہ سیرت محمدی بھی ابدی ہے جو کبھی مٹنے والی نہیں جبکہ اس کے ماخذ ابد قرار ہیں۔ پس کسی بھی پیغمبرانہ سیرت کے جویا کے لئے اگر سیرت نبوت درکار ہو گی تو پوری دنیا میں یہ ہی ایک سیرت محمدی ﷺ ہو گی جو بڑھ کر دعویٰ کر سکے گی کہ یہ طلب صرف اس کے دامن میں پناہ لینے میں پوری ہو سکتی ہے اور کسی بھی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔

بلکہ میں آگے بڑھ کر عرض کروں گا کہ اگر انبیاء سابقین کی سیرت کی بھی کسی کو تڑپ ہو اور وہ بھی اپنی سیرت کو روشن کرنا چاہے تو وہ بھی اسے قرآن و حدیث اور سیرت خاتم المرسلین ہی میں دستیاب ہو سکتی ہے اس سے باہر نہیں مل سکتی، کیونکہ جس طرح پر یہ دین خاتم الانبیاء جامع ادیان ہے اور ہر دین کا مغز اور نچوڑ اس میں لے لیا گیا ہے جس کی محسوس دلیل خود یہ قرآن ہے جسے تبیاناً لکل شئی فرمایا گیا ہے اور جس کو ادیان پر غالب کرنے ہی کے لئے اتارا گیا ہے۔ **لیظہرہ علی الدین کلہ**

اس طرح خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی تمام انبیاء کی سیرتوں کی جامع ہے جبکہ آپ کو قرآن ہی نے یہ ہدایت بھی دی کہ۔ **فبھدا ھم اقتدہ**

اس لئے اگر کوئی آج انبیاء سابقین کی مقدس سیرتوں کو بھی پہچاننا چاہتا ہے تو وہ سیرت خاتم الانبیاء ہی کے ضمن میں انہیں پہچان سکتا ہے۔ اس جامع سیرت میں یہ سب سابقہ سیرتیں اس طرح روشن نظر آئیں گی جیسے آفتاب سے کرنیں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں کہ وہ آفتاب کی ذات سے ہی صادر شدہ ہوتی ہیں بہر حال جیسے اسلام کی آسمانی کتاب تمام کتب سابقہ کی جامع ہے ایسے ہی سیرۃ خاتم الانبیاء تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع ہے اور جس طرح یہ آخری آسمانی کتاب ابدی اور محفوظ ترین کتاب ہے جس کے ایک شوشہ میں بھی فرق نہیں آسکتا جیسا کہ آج تک صدیاں گزر جانے پر بھی نظر نہیں آیا ایسے ہی سیرۃ خاتم النبیین بھی ابدی اور محفوظ ترین سیرۃ ہے جس کے کسی گوشہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا جیسا کہ اب تک نہیں آیا چنانچہ آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ زندگی کے ہر ہر شعبہ پر پھیلی ہوئی سیرۃ ہے جس سے بشری زندگی کا کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہ سکتا جبکہ ہر ہر گوشہ کی سیرۃ محفوظ ہے۔ خلوت کی ہو یا جلوت کی، گھریلو زندگی کی ہو یا اجتماعی زندگی کی، صلح کی ہو یا جنگ کی، شادی کی ہو یا غمی کی، دوستی کی ہو یا دشمنی کی، غریبی کی ہو یا امیری کی، بے کسی کی ہو یا ہمہ گیر مقبولیت و سیادت

کی، علم کی ہو یا عمل کی، اخلاق کی ہو یا کمالات کی، دنیا کی ہو یا آخرت کی، تعلق مع اللہ کی ہو یا تعلق مع الخلق کی وغیرہ وغیرہ ہر ہر گوشہ زندگی کی سیرت نقل صحیح اور سند متصل کے ساتھ کتب سیرت اور ماخذ سیرت میں محفوظ ہیں۔ پھر جیسے علمائے اسلام نے اس آخری دین کے تمام اصول و فروع، عقائد و اعمال اور علوم و حکم کی جرأت انگیز طریق پر حفاظت لی جس کی نظیر دنیا کی کسی امت میں نہیں ملتی۔ ایسے ہی سیرۃ نبوی کی ترتیب و تدوین اور تفصیل و تبویب کو بھی محیّر العقول انداز میں کر دکھلایا کہ اس کی مثال بھی دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ پھر یہ سیرت کے رواۃ جہاں اس کے راوی اور ناقل بنے وہیں کمال عقیدت سے اس کے پیرو کار اور عامل بھی بنے اور اپنے قلم و زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے پورے قلب و قالب سے اس کا تحفظ کیا اور سیرت نبوی ﷺ کے علمی او عملی نمونے دکھلاتے رہے اور دکھلاتے چلے آرہے ہیں۔ پس آج جس طرح قرآن نے ہی تمام کتب سماوی کو ان کے علوم و مقاصد کے لحاظ سے زندہ اور محفوظ کر دیا ہے اسی طرح سیرت خاتم النبیین ﷺ نے تمام انبیاء کی سیرتوں کو زندہ اور محفوظ کیا ہوا ہے۔ اس لئے اس خاتم السِّیَر سیرت پر قلم اٹھانا در حقیقت سارے انبیاء کی سیرتوں پر قلم اٹھانا ہے اور پورے عالم نبوت کی شرح کر دینا ہے اور ایک جامع النبوات ذات ستودہ صفات کی سیرت کے ضمن میں ہر نبی کی سیرت کو واشگاف کر دینا ہے۔ اس امت پر یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس کا کوئی قرن اس احیاء سیرت سے خالی نہیں ہے جس طرح اسلام کے دوسرے گوشوں کے محافظین سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔

چنانچہ جہاں اسلام میں حفاظ قرآن کا ایک جمّ غفیر ملتا ہے جس نے قرآن کو اپنے سینوں میں رکھ کر اس کی حفاظت کا حق ادا کیا جہاں مفسّرین کا ایک عظیم گروہ ملتا ہے جس نے مرادات الٰہیہ کو واشگاف کر کے آیات الٰہی کو ان کے مواضع پر چسپاں کیا، جہاں محدّثین کا ایک عظیم طبقہ ملتا ہے جس نے کلام رسول ﷺ کی حفاظت اور غلط واختلاف سے اسے بچانے کا بیڑا اٹھایا، اور جہاں متکلمین کا ایک عظیم مجمع نظر پڑتا ہے جس نے عقائد نبوت کو دلائل و براہین کے ساتھ منضبط کیا، اور جہاں فقہاء کا ایک عظیم جمگھٹ نظر آتا ہے جس نے دین کے فرعی اور عملی مسائل کو ترتیب دے کر باغ و بہار کر کے دکھلا دیا اور جہاں صوفیاء کا ایک حزب اعظم اور مقدس گروہ نظر پڑتا ہے جس نے حقائق باطن کو بطون غیب سے نکال کر ظہور شہود تک پہنچا دیا، وہیں سیرت نگاروں کا بھی ایک پاک نژاد گروہ ملتا ہے جو ہر قرن میں آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی اور اس کے تمام پاکیزہ گوشوں کو طبعی ترتیبوں سے جمع کر کے پیش کرتا رہا ہے جس سے سیرت نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لی اور اس میں ہزاروں کتابیں تصنیف ہو کر نور افزائے عالم ہوئیں۔

بعض سیرتیں محدثانہ انداز میں لکھی گئی ہیں جیسے "البدایہ والنہایہ" کا جزء سیرت بعض فقہی مسائل کی ترتیب پر فقیہانہ انداز سے مرتب کی گئی ہیں جیسے "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" بعض عاشقانہ اور صوفیانہ انداز سے لکھی گئیں جیسے "شفاء قاضی عیاض" بعض مغازی اور غزوات کو معیار بنا کر ترتیب میں آئیں جیسے "سیرت ابن ہشام" اور بعض محض مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند ہوئیں جیسا کہ عام کتب سیرت کا انداز ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہاں مگر ان میں بعض وہ بھی ہیں جو تاریخ، تحدیث و تحقیق وغیرہ تمام پہلوؤں کے اجتماع سے مرتب ہوئیں اور ان میں ان سب فنون کی ملی جلی مثالیں نظر آتی ہیں ان میں سے اہم ترین سیرت، سیرت حلبیہ بھی ہے جو الامام الہمام الشیخ علی ابن برہان الدین حلبیؒ کے قلم سیرۃ نگار کا شاہ کار ہے جس کی امت نے ہر دور میں تلقی بالقبول کی ہے۔ صدیوں سے یہ کتاب تمام کتب سیرت کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور مشکلات سیرت میں علماء نے اس کی طرف خاص طور سے رجوع کیا ہے اور اسے مشعل راہ بنایا ہے اور اپنی اپنی تالیفات سیرت کو اسی کے حوالوں سے مزین

اور مستند بنایا ہے اور انہیں قابل اعتماد ثابت کیا ہے اس لئے اگر اسے اُمّ السِّیَرْ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

لیکن سیرت کا یہ عظیم مستند تاریخی ذخیرہ عربی زبان کے قید خانہ میں نظر بند تھا اور صرف علماء ہی کی اس تک رسائی ممکن تھی عام پڑھے لکھے لوگ اس سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے تھے صرف اس کے حوالے دیکھ دیکھ کر اپنی پیاس بھڑکاتے رہتے تھے، ضرورت تھی کہ اسے اس بّر صغیر کے اہل ذوق عوام سے روشناس کرایا جائے اور اردو زبان کا جامہ پہنا کر اسے ملت ہندیہ کے علمی شبستان میں لایا جائے۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیز برخوردار سعادت آثار مولوی محمد اسلم سلمہ قاسمی فاضل دیوبند و ناظم شعبۂ نشر و اشاعت و امور عامہ دار العلوم دیوبند کو جنہوں نے "سیرت حلبیہ" کے بامحاورہ اور سلیس ترجمہ کا بیڑا اٹھایا اور عملی طور پر شروع کر کے اس کی ایک قسط بھی تیار کر لی۔ عزیز موصوف کو فن سیرت سے چونکہ پہلے ہی سے خاص لگاؤ اور طبعی مناسبت ہے چنانچہ اس سے پہلے وہ مجموعہ سیرت رسول ﷺ کے نام سے اپنی ایک بلیغ اور بلند پایہ تالیف شائع بھی کر چکے ہیں جو مقبول عام ہوئی اور بعض بعض تعلیم گاہوں کے نصاب میں بھی قبول کر لی گئی، اس لئے وہی احق تھے کہ سیرت حلبیہ جیسی مستند اور ماخذ کتب ذخیرہ سیرت سے ہندوستان کو روشناس کرائیں انہوں نے اپنے خداداد ملکہ سیرت نگاری سے اس اہم سیرۃ کو اس خوبی سے اردو کا جامہ پہنانا شروع کیا ہے کہ وہ اس کے بدن پر چُست اور فِٹ نظر آرہا ہے جس میں کہیں جھول نظر نہیں آتا لفظی ترجمہ یا ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا نہ صرف دشوار بلکہ بعض مرحلوں میں ناممکن ہو جاتا ہے جبکہ ہر زبان کے محاورات الگ ہیں طرز بیان جدا ہے اور زبانوں کے پس پشت ان کا قومی اور اجتماعی ذوق جداگانہ ہے جس سے محاورے اور ضرب الامثال بنتے ہیں اس لئے کسی ایک زبان کو دوسری زبان میں من وعن منتقل کر دینا کٹھن اور بہت ہی صبر آزما ہے اس لئے عزیز موصوف نے اس پُر خار وادی کو ترک کرتے ہوئے بجائے لفظ سے لفظ کا ترجمہ کرنے کے مفہوم کا مفہوم سے تبادلہ کیا ہے مگر تقریباً الفاظ کی قید میں رہ کر یعنی سیرت حلبیہ کے لفظوں کو اردو کا جامہ نہیں پہنایا بلکہ الفاظ کی روشنی میں مضامین کو عربیت سے اردو میں منتقل کر دینے کی کامیاب سعی کی ہے تاکہ اصل مضمون کا زور بھی باقی رہے اور محاورات کے فرق سے کسی مضمون کی روح بھی تحلیل نہ ہو۔

جستہ جستہ اس ترجمہ کو احقر نے دیکھا ہے جسے مذکورہ انداز پر پورا اترتا ہوا پایا، ترجمہ کی بڑی خوبی یہ محسوس ہوئی کہ وہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ اردو زبان کی ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جابجا ترجمہ کے ساتھ اس میں مفید تشریحات بھی قوسین میں دی گئی ہیں اس لئے اسے ترجمہ سیرت حلبیہ کہنے کی بجائے اگر اردو سیرۃ حلبیہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا بلکہ یہ کہنا بھی شاید مبالغہ سے خالی ہوگا کہ اگر خود مصنف سیرۃ حلبیہ بھی اسے عربی میں لکھنے کے بعد اسی کے مضامین کو اردو میں لکھتے تو اس کی تعبیرات شاید وہی یا اس کے لگ بھگ ہی ہوتیں جو عزیز موصوف نے تعبیری طور پر اختیار کی ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ اس اردو سیرت حلبیہ کو دیکھ کر ناظرین وہی لطف اٹھا سکیں گے جو اصل کو دیکھ کر وہ حاصل کرتے۔ حق تعالیٰ شانہ، مترجم موصوف کو اپنے نبی پاک کے سیرت نگاروں کے زمرہ میں داخل فرما کر دارین میں جزاء خیر عطا فرمائے اور اس ترجمہ کو قبول فرما کر مقبول خواص و عوام بنائے ع ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

محمد طیب

مہتمم دار العلوم دیوبند۔

۲۴/۱۱/۸۸ھ

# حالات علامہ حلبیؒ

## مؤلف سیرۃ الحلبیہ

علامہ حلبیؒ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک نہایت جلیل القدر اور صاحب عظمت عالم ہیں۔
آپ کا اصل نام علی ابن ابراہیم ابن احمد ابن علی ابن عمر عرف نور الدین ابن برہان الدین حلبی قاہری شافعی ہے۔
مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے نہایت بلند مرتبہ عالم اور مقبول و مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ زبردست اور ٹھوس علم کی وجہ سے ان کو امام کبیر اور علامۂ زماں کہا گیا، ان کے وسیع علم اور مطالعہ کی وجہ سے ہی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہیں اور علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں، نہایت شفیق، خوش اخلاق اور بامرّوت بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ میں اتنے صاحب مرتبہ تھے کہ ان کے پائے کا کوئی دوسرا عالم نہ تھا۔ تمام زندگی علم کی تلاش و جستجو اور اس کو لوگوں تک پہنچانے میں صرف کی، ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر نہایت محقق اور مفکّر عالم تھے، فتویٰ دینے اور مسائل کا اختراع واستنباط کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، علم کے ساتھ ساتھ عمل میں بھی یکتا تھے، تمام عمر انتہائی تقویٰ اور پاکبازی کے ساتھ دین کی خدمت میں گزاری اور دنیا کو آپ سے زبردست فائدہ پہنچا۔ دور دراز کے شہروں سے لوگ آپ کے پاس علم کی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالا مال کیا تھا۔ عوام و خواص دونوں طبقوں پر آپ کا رعب اور دبدبہ تھا مگر اس رعب اور ہیبت کے ساتھ ساتھ اپنے درس میں بزلہ سنجی اور لطیفہ گوئی بھی فرمایا کرتے تھے۔ علم کی گہرائی کا یہ حال تھا کہ ان کے ہم عصر بڑے بڑے علماء ان کے مداح اور قائل تھے۔

شیخ سلطان مزاحیؒ ان کے دور میں زبردست عالم اور شیخ تھے مگر جب کبھی ان کے پاس علامہ حلبیؒ کا گزر ہو جاتا تو اپنے درس سے اٹھ کر نہایت پُرتپاک استقبال کرتے۔ علامہ حلبیؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور اپنی مسند خاص پر جہاں وہ درس دیا کرتے تھے علامہ کو بٹھاتے۔

آپ شمس رملیؒ سے روایات نقل کرتے ہیں اور کئی سال ان کے پاس گزارے، ان کے علاوہ شہاب ابن قاسمؒ، ابراہیم علقمیؒ، صالح بلقینیؒ، ابو النصر طبلاویؒ، عبداللہ شنشوریؒ، سالم شبشیریؒ، عبدالکریم بولائیؒ، محمد خفاجیؒ، منصور خوانکیؒ اور محمد المیموئیؒ سے روایات نقل کرتے ہیں۔ یہ تمام حضرات شافعی ہیں۔ ان کے علاوہ امام علی ابن غانم مقدسی حنفیؒ، محمد نحریری حنفیؒ، سالم سہنوری مالکیؒ، محمد ابن ترجمان حنفیؒ، محمد الزفزاف اور شیخ عبدالمجیدؒ خلیفہ شیخ احمد بدریؒ سے بھی روایت بیان کرتے ہیں۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے۔ مخصوص تلامذہ میں سے شیخ النور الشبر المسیؒ، شیخ شمس محمد الوسمی اور شیخ شمس محمد الخریری وغیرہ ہیں۔

آپ بہت سی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جو مقبول اور مفید خاص و عام ہوئیں۔ آپ کی سب سے عظیم کتاب سیرت نبوی ﷺ پر "سیرت الحلبیہ" ہے جس کا نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور شیخ محمد شامیؒ کی سیرت شامی اور حافظ ابوالفتح ابن سید الناس کی "عیون الاثر" کا خلاصہ ہے مگر علامہ حلبیؒ نے اس میں بڑے مفید اور مستند اضافے فرمائے ہیں۔ آپ کی یہ تالیف بے حد مقبول و مشہور ہوئی اور بڑے بڑے علماء نے اس کو نہایت درجہ سراہا۔

اس کے علاوہ آپ نے متعدد کتابوں پر حاشیے لکھے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ منہج القاضی ذکریا، شرح منہاج از شیخ جلال محلیؒ، ان کی ہی دوسری کتاب شرح ورقات، ابن امام کاملیہ کی شرح ورقات، شرح التصریف از شیخ سعد، نیز اربعین اور شمائل نبویہ کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ جو ان کی تصانیف ہیں وہ ان کتابوں کی شرح پر مشتمل ہیں۔

ليلة النصف من شعبان، قصيده برده، مختصر الزهر از سيوطيؒ، شرح قطر از فاكهى، مطالع البدور فى الجمع بين القطر و الشذور، فوائد العلويه بشرح شرح الازهريه، التحفة السنيه شرح الاجرديه، غاية الاحسان بوصف من لقبه من ابناء الزمان، حسن اصول الى لطائف حكم الفصول، مهاسن السنيه عن الرسالة القشيريه، جامع الازهر لماتفرق من ملح الشيخ الاكبر، النفحة العويه من الا جوبة الحلبيه، النصيحة العلويه فى بيان حسن الطرية الاحمديه، المختار من حسن الثناء فى العفو عن جنا، اللطائف من عوارف المعارف، تحرير المقال فى بيان وحدة من نحو لا اله الا الله وحده من اى انواع الحال، الطرز المنقوش فى اوصاف الحيوش، صبابة الصبابة مختصر ديوان الصبابه، انقاذ المنهج لمختصر الفرج، متن فى التصريف، حسنات الوجنات، النواظر من الوجوه و النظائر اور اعلام الناسك باحكام المناسك۔ اس کے علاوہ جامع صغیر پر فوائد لکھے۔ قاضی ذکریا کی شرح البسملہ کی شرح لکھی جس کا نام خیر الکلام علی البسملہ والحمدلہ لشیخ الاسلام ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر بیضاوی پر ایک مختصر تحقیق لکھی، تصوف کے موضوع پر بھی ان کی ایک کتاب ہے، ان سب کے علاوہ بھی ان کی کئی اور تصانیف ہیں۔

امام شافعیؒ کے جوار میں جو مدارس ہیں ان میں جو سب سے ممتاز مدرسہ صلاحیہ تھا، آپ اس کے مشائخ میں سے تھے۔

علامہ حلبی ۹۷۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور انہتر ۶۹ سال کی عمر پائی۔ ۱۰۴۴ھ میں ہفتے کے روز شعبان کی آخری تاریخ میں وفات پائی اور مصر میں قبرستان مجاورین میں دفن ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ حالات راقم الحروم نے خلاصۃ الاثر سے اخذ کیے ہیں۔

محمد اسلم قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سیرت حلبیہ اردو

## آغاز کتاب

حمد و ثنا ہے اس ذات باری کے لئے جس نے محدثین کے چہروں کو منور و روشن کیا اور درود و سلام ہے اس مقدس ہستی پر جس پر بہترین کلام (قرآن مجید) نازل ہوا، نیز ان کی اولاد اور اصحاب پر جو نئے اور پرانے دور میں فضیلت والے ہیں اور جب تک علماء سیرت مبارکہ کو مرتب کرتے رہیں ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔

سیرت نگاران امت..... اس کے بعد یہ کمترین فقیر علی ابن برہان الدین حلبی شافعی کہتا ہے کہ سیرت مصطفےٰ ﷺ ان اہم ترین کاموں میں سے ہے جس پر بڑے بڑے علماء اور ملت اسلام کے بڑے بڑے حفاظ حدیث نے بطور خاص محنت کی ہے، اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہی حلال و حرام کو جاننے اور بلند ترین اخلاق سے متصف ہونے کا ذریعہ ہے۔ امام زہریؒ نے علم مغازی کو خیر الدنیا والآخرہ یعنی دنیا و آخرت کی بھلائی فرمایا ہے۔ امام زہریؒ ہی وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سیرت پر کتاب لکھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسلام میں سیرت النبی ﷺ پر اولین کتاب "سیرت زہری" ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے والد ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات و سرایا کے متعلق تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹے! یہ تمہارے بزرگوں کا شرف ہے اس لئے اس ذکر کو بھلا مت دینا۔

اس موضوع پر جو بہترین کتاب مرتب کی گئی ہے اور جو بڑے بڑے علماء کے زیر مطالعہ رہی ہے وہ حافظ ابوالفتح ابن سید الناس کی لکھی ہوئی سیرت ہے کیونکہ انہوں نے اس میں یہ موتی اور جواہر جمع کئے ہیں اور انہوں نے اس کا نام "عیون الاثر" رکھا ہے۔ البتہ انہوں نے اس میں اسناد احادیث کے ذکر کو بہت طول دیا ہے جس کی وجہ سے محدثین کے لئے وہ بہت زیادہ قابل توجہ ہو گئی ہے۔ حافظ ابوالفتح محدثین کے نزدیک بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں کیونکہ وہ امت مسلمہ کے ممتاز علماء اور قابل فخر ائمہ میں سے ہیں۔ لیکن اب پست ہمتی کی وجہ سے ان کی کتاب کی طرف نہ توجہ دی جاتی ہے اور نہ طبیعتیں اسے قبول کرتی ہیں۔

اس کے بعد سیرت الشمس الشامی ہے، اگرچہ اس میں وہ ایسی ایسی چیزیں لائے ہیں جو تصنیفات کی خوبیوں میں شمار ہوتی ہیں مگر اس میں ایسی چیزیں شامل ہیں جن کو اہل علم سب ہی جانتے ہیں مثلاً معاد وغیرہ۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ سیرت کی کتابوں میں سوائے موضوع اور من گھڑت روایتوں کے باقی تمام روایتیں مثلاً صحیح [1]، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل منقطع اور معضل شامل کی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے زین العراقیؒ نے ایک شعر میں فرمایا ہے۔

وَلْیَعْلَمِ الطَّالِبُ اَنَّ السِّیَرَا
تَجْمَعُ مَاصَحَّ وَمَا قَدْ اُنْکِرَا

طالب علم کو یہ بات جاننی چاہئے کہ سیرت کی کتاب میں صحیح اور غیر مقبول روایتیں سب جمع کی جاتی ہیں۔

امام احمد ابن حنبلؒ اور دیگر ائمہ نے فرمایا ہے کہ جب ہم حلال اور حرام کے سلسلے میں کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو اس میں بہت سختی اور احتیاط کرتے ہیں اور جب فضائل اور اس جیسی دوسری چیزوں کا بیان کرتے ہیں (تو احادیث اور روایات قبول کرنے کے سلسلے میں) نرمی اختیار کرتے ہیں اصل یعنی عیون الاثر میں یہ ہے جس کو بہت سے اہل علم نے اختیار کیا ہے کہ غزوات اور اس قسم کے دوسرے واقعات کو جن کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ ہو قبول کرنے کے سلسلے میں نرمی اختیار کی جائے اس سلسلے میں وہ سب روایتیں اور احادیث قبول کرلی جاتی ہیں جو حلال و حرام (یعنی احکام شریعت کے بیان میں) قبول نہیں کی جاتیں کیونکہ ان روایتوں کا تعلق احکام شریعت سے نہیں ہوتا۔

<u>وجہ تالیف</u>...... چنانچہ جب میں نے سیرت کی مذکورہ دونوں کتابوں کو اس طریقہ سے دیکھا جس سے ان کو ان کے دقیق مضامین کے سبب نہیں دیکھا جاتا تو میں نے ارادہ کیا کہ ان دونوں کتابوں کا خلاصہ ایک ایسے خوبصورت نمونہ کی صورت میں کروں جو خوش اسلوب اور خوش مزہ ہو اور جو مشائخ کے سامنے پورے اہتمام اور روانی کے ساتھ پڑھا جاسکے۔

اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا پیچھے ہٹاتا تھا کیونکہ میں نہ تو اس کا اہل ہوں اور نہ ان میں سے ہوں جو عملی میدانوں کی گھوڑ دوڑ میں سبقت حاصل کرتے ہیں، یہاں تک کہ مجھے ایک ایسی ہستی نے اس کا امر کیا اور ان راہوں پر قدم بڑھانے کی ہدایت فرمائی جس کا حکم ماننا واجب تھا اور جن کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی تھی جو زبردست صاحب فہم، صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں اور جن سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے، ان کے علم کا مقام یہ ہے کہ بڑے بڑے صاحب علم اگر کسی مشکل مسئلہ میں الجھ جائیں اور ان سے دریافت کریں تو وہ بغیر توقف کے اس کو حل کرتے ہیں نہ کبھی سچائی کی راہ سے ہٹتے ہیں اور

---

[1] یہ سب سند کے لحاظ سے احادیث کی قسمیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ حدیث صحیح، اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی مصنف سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام کے تمام ہر لحاظ سے معتبر، صاحب عدالت اور مسلسل ہوں۔ حدیث سقیم اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کے راویوں میں سے کسی میں یہ صفات پوری نہ ہوں۔ حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کے راوی صحابہ تک پہنچنے کے بجائے صرف تابعی تک ہوں اور تابعی حضور ﷺ کا قول خود نقل کرے۔ حدیث منقطع وہ حدیث ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں سے ایک یا زائد راوی کم ہوں حدیث معضل وہ حدیث ہوتی ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں سے دو یا اس سے زائد کم ہو رہے ہوں۔ اس کے علاوہ حدیث کی اور بہت سی قسمیں ہیں جن کے متعلق حسب ضرورت حاشیہ میں نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ مرتب

نہ تھکتے ہیں۔ مغیبات اور غیر معلوم چیزوں کے متعلق انہوں نے جب بھی کچھ بتلایا تو ایسا نہیں ہوا کہ اس کے خلاف ہوا ہو۔ وہ شخصیت استاذ اعظم، صاحب الملاذ الاکرم مولانا الشیخ ابو عبد اللہ ابوالمواہب محمد فخر الاسلام البکری الصدیقی کی ہے۔

(ان میں یہ خصوصیات) کیسے نہ ہوں جبکہ وہ اپنے والد کے منظور نظر تھے جن کا ذکر مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور جن کی شہرت ہر گزر گاہ اور ٹھکانے تک پہنچ گئی، جو ولی اللہ تھے اور ظاہر و باطن میں صاحب خدمت تھے، عارف باللہ تھے جن کے قطب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور جو مخالفوں کو ملانے والے تھے یعنی مولانا الاستاذ ابو عبد اللہ ابو بکر محمد البکری الصدیقی۔ اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ وہ جن کی محنتوں کا نتیجہ تھے وہ صدر العلماء العالمین، استاذ جمیع الاستاذین مولانا الاستاذ محمد ابو الحسن تاج العارفین البکری الصدیقی تھے، اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میرے دوستوں پر ان کی برکات کو باقی رکھے اور ہمیں آخرت میں ان کے متبعین میں سے فرمائے۔ آپ کا شمار مجتہدین میں ہوتا تھا۔ مختلف علوم میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

چنانچہ جب استاد موصوف نے مجھے اس کام کا امر فرمایا تو میں نے اس کو ان کی جانب سے (تکمیل کار اور قبولیت کے لحاظ سے) ایک عظیم بشارت اور خوش خبری تصور کیا، اس کے بعد میں نے یہ کام اس پروردگار پر بھروسہ کرتے ہوئے شروع کر دیا جو ہر امیدوار کی امیدیں پوری کرتا ہے اور جو قصد کرنے والے اور توقع کرنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو آسان فرمایا اور ایک ایسے خوب صورت اسلوب اور پاکیزہ انداز میں مکمل کرا دیا جو نہ سننے والوں پر بار گزرتی ہے اور نہ پڑھنے والے کی طبیعت اس سے اکتاتی ہے۔

# توضیح اصطلاحات وعلامات

اس کتاب میں میں نے جو اضافہ سیرت حافظ ابوالفتح ابن سید الناس موسومہ "عیون الاثر" کے مقابلے میں "سیت شمس الشامی" سے کیا ہے وہ اگر طویل ہے تو اس کو ممتاز کرنے کے لئے اس کے شروع میں "قال" کا لفظ لکھ دیا ہے اور آخر میں "انتہیٰ" کا لفظ لکھ دیا ہے لیکن اگر وہ عبارت کم ہے تو اس کے شروع میں لفظ "ای" لکھ دیا ہے اور عبارت کے آخر میں ایسا دائرہ بنا دیا ہے۔ کبھی کبھی یہ لکھ دیا ہے کہ "اور سیرت شامیہ میں ہے کہ "کبھی چھوٹے قول کے شروع میں صرف "قال" لکھ دیا ہے اور بڑے قول کے شروع میں "ای" لکھ دیا ہے جس قول کے آخر میں دائرہ نہیں ہے وہ اکثر "اصل" یعنی "عیون الاثر" سے لیا گیا ہے کہیں کہیں میرے اضافات سیرت شامی اور عیون الاثر کے علاوہ دوسری کتب سے بھی لئے گئے ہیں جس کو ان کتابوں سے واقفیت رکھنے والے جان سکتے ہیں اور کہیں کہیں اس اضافہ کو اس طرح ممتاز کر دیا گیا ہے کہ اس کے شروع میں "اقول" لکھ دیا ہے اور اس کے آخر میں "واللہ اعلم" لکھ دیا ہے۔

نیز کہیں اضافہ کے شروع میں لکھا ہے کہ "اور سیرت ہشامیہ میں ہے" (ش سے پہلے ہ) جہاں یہ لکھا ہے کہ "اصل میں کہا گیا ہے" یا "اصل میں ذکر ہے" وغیرہ تو وہاں اصل سے مراد "عیون الاثر" ہے۔ میں نے "قصیدہ ہمزیہ" کے کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں یہ قصیدہ شیخ شرف الدین بوصیری کی طرف منسوب ہے جنہوں

نے مشہور "قصیدہ بردہ" نظم کیا ہے، یہ ایک زبردست شاعر اور عالم ہیں اور یہ اشعار قصیدہ میں شامل ہیں اور اپنے مفہوم سے اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ اشعار ذوق کے لئے زیادہ شیریں ہیں بلکہ بعض اوقات معنی کی وضاحت کے لحاظ سے اور زیادہ بہتر ہیں۔ میں نے امام سبکیؒ کے "ابیات تائیہ" بھی مقام کے مناسب نقل کئے ہیں، نیز صاحب عیون الاثر کے کلام میں سے بھی کچھ اشعار نقل کئے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں جو نعتیں اور قصائد لکھے ہیں وہ ان کے مجموعہ کلام موسومہ "بشری اللبیب بذکری الحبیب" میں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ میں نے اس مجموعہ کا نام "انسان العیون فی سیرت الامین المامون" تجویز کیا ہے اور میں اس ذات سے سوال کرتا ہوں جس کے سوا کوئی سوال کئے جانے کے لائق نہیں کہ اس کتاب کو وہ اپنی رضا کے لئے وسیلہ بنا دے۔ آمین۔

# باب اول (۱)
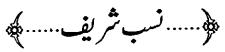
## ...... نسب شریف ......

حضرت محمد ﷺ ابن عبد اللہ

**عبد اللہ محبوب ترین نام** ...... عبد اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ذلیل ہونے اور جھکنے والا، ایک روایت میں آتا ہے کہ تمہارے ناموں میں بہترین نام، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نام وہ ہے جس سے عبدیت کا اظہار ہو۔ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کو عبد اللہ فرمایا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ الخ الآیۃ پ ۲۹ سورۂ جن ع ۲

(ترجمہ) اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

اور یہ عبد اللہ بیٹے ابن عبد المطلب "

**"عبد المطلب کا لقب" صفات و عمر** ...... عبد المطلب کو "شیبۃ الحمد" بھی کہا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ کثرت سے ان کی حمد اور تعریف کرتے تھے اس لئے کہ مصیبت کے وقت میں وہ قریش کا سہارا تھے اور تمام کاموں میں قریش ان ہی کی طرف دیکھتے تھے۔ یہ قریش کے شرفاء میں سے تھے اور اپنے کمالات اور نیک عمل کے اعتبار سے ایسے سردار قریش تھے جن کا کوئی حریف اور مقابل نہیں تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو شیبۃ الحمد اس لئے کہا گیا کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر میں شیبہ یعنی سفیدی تھی۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے سر کا درمیانی حصہ سفید تھا۔ یا ان کو فال نیک کے طور پر شیبہ کہا گیا کہ ان کی عمر اتنی ہوگی کہ وہ سن مکیب یعنی بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام عامر تھا اور ان کی عمر ایک سو چالیس سال کی ہوئی۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی۔ یہ ہر ایک کی فریاد پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی سخاوت کی وجہ سے ان کو فیاض بھی کہا جاتا تھا اور آسمانی پرندوں کو کھانا کھلانے والا بھی کیونکہ یہ اپنے دستر خوان سے پرندوں اور پہاڑوں میں رہنے والے وحشی جانوروں کے لئے کھانا علیحدہ کیا کرتے تھے یہ قریش کے بردبار اور دانشمند لوگوں میں سے تھے۔

**حقوق ہمسائیگی کی اہمیت** ...... ابو سفیان کا باپ حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ان کا دوست اور

ہم نشین تھا عبد المطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا۔ اس یہودی نے ایک مرتبہ مکے کے بازار میں حرب ابن امیہ کو بہت برا بھلا کہا۔ حرب ابن امیہ کو اس قدر غیرت آئی کہ اس نے یہودی کو قتل کر دیا جب عبد المطلب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے حرب ابن امیہ سے ہم نشینی اور دوستی ختم کر دی اور اس کو اس وقت تک نہیں جانے دیا جب تک کہ اس سے سو اونٹ لے کر اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو پڑوس کے احترام و حفاظت کے طور پر نہیں دے دیئے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے عبد اللہ ابن جُدعان کو اپنا ہم نشین بنالیا۔

عبد المطلب نام کا سبب...... ان کو عبد المطلب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے چچا مطلب جب ان کو ان کے بچپن میں مدینے سے مکہ لے کر آئے تو ان کو انہوں نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور وہ اس وقت بہت خراب حال میں تھے یعنی پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے چنانچہ جب بھی مطلب سے کوئی ان کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ یہ کہہ دیتے کہ یہ میرا غلام ہے وہ عبد المطلب کے متعلق (ان کے خراب خستہ حال کی وجہ سے) یہ کہتے ہوئے شرماتے تھے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ مکے پہنچ کر انہوں نے ان کی حالت سنواری اور تب یہ بتلایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس وقت جب بھی کوئی شخص ان کو عبد المطلب (یعنی مطلب کا غلام) کہتا تو وہ اس کو رد کرتے ہوئے کہتے۔

"تمہیں کیا ہو گیا! یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا شیبہ ہے"

مگر ان کے متعلق پہلی خبر ہی مشہور ہو گئی اور ان کو عبد المطلب کہا جانے لگا۔ (ان کا یہ نام پڑ جانے کے متعلق ایک وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ) چونکہ شیبہ کو ان کے چچا مطلب نے پالا تھا اور عربوں کی یہ عادت تھی کہ ایسا یتیم بچہ جس کو کوئی دوسرا شخص پرورش کرتا تھا اس کو پالنے والے کا عبد یعنی غلام کہتے تھے۔

شریفانہ اخلاق...... عبد المطلب اپنی اولاد کو حکم دیتے تھے کہ وہ ظلم اور سرکشی نہ کیا کریں وہ ان کو شریفانہ اخلاق اختیار کرنے کی نصیحت کیا کرتے اور برے کاموں سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ظالم آدمی دنیا سے اس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک کہ اس سے انتقام نہیں لے لیا جاتا اور وہ اپنی سزا کو نہیں پہنچ جاتا۔ یہاں تک کہ اہل شام میں سے ایک ظالم آدمی اپنی سزا کو پہنچے بغیر مر گیا چنانچہ عبد المطلب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کچھ دیر سوچا اور اس کے بعد کہا۔

"خدا کی قسم اس عالم کے پیچھے ایک اور عالم ہے جس میں احسان اور نیک کام کرنے والے کو اس کے احسان کی جزا دی جاتی ہے اور بدی کرنے والے کو اس کی بدی کی سزا ملتی ہے۔ اس لئے ایک ظالم آدمی کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اپنی سزا کو پہنچے بغیر اس دنیا سے اٹھ گیا تو وہ سزا آخرت میں اس کو تیار ملے گی"

ترک بت پرستی و اقرار توحید...... اپنی آخری عمر میں انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ ان کے ایسے بہت سے طریقے ہیں جن کو قرآن پاک نے باقی رکھا ہے۔ ان کے جو طریقے [1] ہیں ان میں نذر (منت) کو پورا کرنا، محرم عورتوں سے نکاح کا حرام ہونا، چور کے ہاتھ کاٹنا، نو مولود لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے اور قتل کرنے کو روکنا، شراب اور زنا کو حرام قرار دینا اور بیت اللہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کرنے کو منع کرنا شامل ہیں۔ (کذا فی کلام سبط ابن الجوزیؒ)

---

[1] اسلام نے آکر ملت ابراہیم کی تکمیل کر دی ہے جو کہ بعثت نبوی ﷺ سے بہت پہلے مسخ ہو چکی تھی اور لوگ اس کو مکمل طور پر فراموش کر چکے تھے اسی لئے اس دور کو دور جاہلیت اور ان لوگوں کو جہلاء کہا جاتا ہے۔ مگر چونکہ یہ شریعت ایک عرصہ تک وہاں جاری و ساری رہ چکی تھی اس لئے کچھ لوگ غیر شعوری طور پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

## ابن ہاشم

**ہاشم کی بھائی سے خوں ریزی**...... ہاشم کو عمرو ابن العلال بھی کہتے تھے۔ یہ لقب ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے پڑا۔ یہ عبد شمس کے بھائی تھے اور دونوں جڑواں بھائی تھے۔ پیدائش کے وقت ہاشم کا پیر یعنی پیر کی انگلیاں عبد شمس کی پیشانی سے چپکی ہوئی تھیں اور ان کو بغیر خون بہائے پیشانی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے لوگ یہ کہنے لگے کہ ان دونوں کے درمیان خوں ریزی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنی عباس اور بنی امیہ یعنی ان دونوں کی اولادوں کے درمیان ۱۳۳ھ تک خوں ریزی ہوئی۔ ہاشم اور اس کے بھتیجے امیہ ابن عبد شمس کے درمیان اس وقت دشمنی ٹھن گئی جب کہ ہاشم کو ان کے باپ عبد مناف کے مرنے کے بعد ان کی قوم نے سردار بنایا تو ان کا بھتیجا امیہ ابن عبد شمس ان سے حسد کرنے لگا وہ کوشش کر کر کے ہاشم کی ہر بات میں نقل کرنے لگا مگر ناکام رہا، اس پر قریش نے اس کو اور زیادہ عار دلائی وہ اس سے کہتے کہ کیا تو ہاشم کی نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد امیہ نے ہاشم کو منافرت کی دعوت دی (منافرت کے معنی دو آدمیوں کا ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتانا اور تفاخر کرنا ہے۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ اس طرح کی شرط کرتے تھے کہ دونوں فریق ایک حَکَم کے سامنے اپنے مفاخر اور بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے قاضی جس کے حق میں فیصلہ دے دے وہ جیت جاتا تھا۔ مترجم)۔

ہاشم نے امیہ کی اس دعوت (چیلنج) کو اپنی عمر اور بلند مرتبہ کے سبب رد کر دیا۔ مگر قریش نے ان کو نہیں چھوڑا۔ آخر ہاشم نے امیہ سے کہا۔

"میں تم سے سیاہ آنکھوں والے پچاس اونٹوں پر جو مکہ میں ذبح کئے جائیں اور مکہ سے دس برس کے لئے جلاوطنی پر منافرت کی شرط کرتا ہوں"

**کاہن کی پیشین گوئی**...... امیہ اس کے لئے راضی ہو گیا انہوں نے ایک کاہن خزاعی کو اپنا قاضی بنایا جو عسفان میں رہتا تھا۔ یہ دونوں ایک جماعت کے ساتھ کاہن سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو ان کے کچھ بتانے سے پہلے ہی کاہن نے کہا۔

"قسم ہے چمکنے والے چاند کی، قسم ہے جھلملانے والے ستاروں کی، قسم ہے برسنے والے بادلوں کی، قسم ہے فضا میں اڑنے والے پرندوں کی اور قسم ہے اس کی جس نے ابھری ہوئی اور دھنسی ہوئی علامتوں کے ذریعہ مسافر کی رہنمائی کی کہ بڑائیوں اور مرتبوں میں ہاشم، امیہ پر سبقت لے گیا"۔

---

(گذشتہ سے پیوستہ) یا اپنی فطرت سلیمہ کے تحت اس کے مختلف اجزاء اور سنتوں کو بطور رواج اختیار کرتے رہے تھے۔ مثلاً "عبد المطلب، ورقہ ابن نوفل اور اسلام سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ کہ یہ حضرات بت پرستی، زنا، شراب خوری، برہنہ طواف کعبہ، زندہ لڑکیوں کی تدفین وغیرہ وغیرہ سے بچتے تھے۔ چنانچہ عبد المطلب بھی اپنی فطرت سلیمہ کے تحت مذکورہ بالا اوصاف سے متصف تھے اور ساتھ ہی ایک قدیم اور اچھے رواج کی حیثیت سے نذر پورا کرنے اور چوری کے بدلے میں چور کا ہاتھ کاٹنے کے طریقوں کو اختیار کئے ہوئے تھے جس میں ان کے اس شعور کو دخل نہیں تھا کہ یہ ملت ابراہیمی کے اجزاء اور آسمانی مذہب کے تعلیم کئے ہوئے طریقے ہیں۔ اس لئے دور جاہلیت میں بھی فطرت سلیمہ رکھنے والے لوگوں سے ملت ابراہیمی کے دینی شعور کے بغیر ایسے اعمال احیاناً یا عادۃً سرزد ہوئے جو سنن ابراہیمی کے احیاء کی استعداد ابھرنے کا باعث بنے۔ پھر بعثت نبوی ﷺ کے بعد اسلام نے ملت ابراہیم کو مکمل کیا اور ان فراموش کردہ سنن کو تازہ کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی مذہبی حیثیت کا شعور عطا کیا جس سے یہ استعداد بروئے کار آگئی۔

اس طرح ہاشم کو امیہ پر فتح ہوئی۔ ہاشم وہاں سے مکے واپس آئے، انہوں نے اونٹ ذبح کئے اور لوگوں کو کھانا کھلایا امیہ جلاوطن ہو کر شام چلا گیا اور دس سال تک وہیں رہا۔ یہ پہلی عداوت اور دشمنی تھی جو ہاشم اور امیہ میں قائم ہوئی پھر ان کی اولادوں نے یہ دشمنی وراثت میں پائی۔

ہاشم کے بھائی اور ان کے مقام وفات...... ہاشم اور ان کے بھائیوں یعنی عبد شمس، مطلب اور نوفل کو اَقدَاحِ النَّضار یعنی سونے کے پیالے کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو تمام عربوں پر ان کی شرافت، بزرگی اور سرداری کی وجہ سے مُجیرُون یعنی پناہ دینے والے بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ایک باپ کی اولاد میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ان بھائیوں کی طرح ان کے مرنے کی جگہیں اتنی مختلف رہی ہوں۔ یعنی ہاشم کا غزہ میں انتقال ہوا جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور عبد شمس کی وفات مکے میں ہوئی اس کی قبر اجیاد میں ہے نوفل کا عراق میں انتقال ہوا۔ اور مطلب کا انتقال یمن کے علاقے میں برعاء کے مقام پر ہوا۔

اولین ثرید بنانے والے...... ان کو ہاشم اس لئے بھی کہا گیا کہ یہ اپنے جدّ امجد حضرت ابراہیمؑ کے بعد سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے ثرید کا کھانا تیار کیا۔ (ثرید عربوں کے ایک لذیذ کھانے کا نام ہے جو روٹی کو سالن میں چور کر تیار کیا جاتا ہے۔ عربی میں ہشم کے معنی توڑنا اور چُورنا ہیں اور ہاشم چُورنے والے کو کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ثرید کا کھانا تیار کیا تھا اور غریبوں کو کھلایا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکے میں حضرت ابراہیمؑ کے بعد سب سے پہلے جس نے ثرید کا کھانا تیار کیا وہ ہاشم کا دادا قصیٰ تھا۔ امتاع میں یہ ہے کہ قصیٰ وہ پہلا شخص ہے جس نے ثرید تیار کیا اور مکے والوں کو کھلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہاشم عمرو العلا پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مکے والوں کو ثرید کھلایا۔ آگے یہ بیان ہوگا کہ ثرید تیار کرنے والا پہلا آدمی اصل میں عمرو ابن لُحی ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے متعلق روایتوں کے اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس بارے میں جو اولیت ہے وہ اضافی ہے یعنی قصیٰ کی اولیت اس لحاظ سے صحیح ہے کہ وہ قریش کا اولین آدمی تھا جس نے ثرید تیار کیا۔ عمرو ابن لُحی کی اولیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ قبیلہ بنو خزاعہ کا پہلا آدمی ہے جس نے یہ کھانا تیار کیا۔ اور ہاشم کی اولیت اس زبردست قحط اور فقروفاقہ کے لحاظ سے ہے جس میں اس وقت قریش مبتلا تھے۔ اس طرف صاحب اصل (یعنی صاحب عیون الاثر) نے بھی اشارہ کیا ہے۔

وَاَطعَمَ فِی المَحَلِّ عَمرُو العَلَا
فَلِلمُسنِتِینَ بِہٖ خِصبُ عَام

قحط زدہ علاقے میں عمرو علا نے لوگوں کو کھانا کھلایا، پس عمرو علا کا وجود قحط زدہ لوگوں کے لئے ایک عام شادمانی کا پیغام تھا یہ بھی کہا ہے۔

عَمرُو العَلَا ذُو النَّدیٰ مَن لَّا یُسَابِقُہٗ
مَرُّ السَّحَابِ وَلَا رِیحٌ تُجَارِیہٖ

عمرو علا ایسے صاحب سخاوت آدمی ہیں کہ ان کی سخاوت سے نہ بادلوں کی رفتار مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ ہواؤں کے جھونکے

جِفَانُہٗ کَالجَوَابِی لِلوُفُودِ اِذَا
لَبُّوا بِمَکَّۃَ نَادَاھُم مُنَادِیہٖ

ان کے بڑے برتن دیگوں کی مانند ہیں مکے میں حاضر ہونے والوں کے لئے جن کو عمرو العلا کے گماشتے پکارتے پھرتے ہیں۔

اوامحلوا اخصبوا منها وقد ملئت
قوتا لحاضره منهم وباديه

یا جو لوگ قحط زدہ ہوں وہ ان سے شاداب ہو جاتے ہیں اور مکے کے باشندے ہوں یا باہر سے آنے والے سب سیر ہو جاتے ہیں اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

قل للذی طلب السماحة و الندی
هلا مررت بآل عبد مناف

اس شخص سے کہہ دو جو اعزاز اور میزبانی کا طلب گار ہے کہ کیا تو عبد مناف کی اولاد کے پاس نہیں گیا۔

الرائشون ولیس یوجد رائش
والقائلون هلم للاضیاف

بہت کھانے والے (ان کو) ملتے نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ مہمانوں کو بلاتے پھرتے ہیں۔

بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کو بنی شیبہ کے دروازے پر دیکھا۔ اسی وقت وہاں سے ایک شخص یہ کہتا ہوا گزرا۔

یا ایها الرجل المحول رحله
الا نزلت بآل عبد الدار

اے اپنی سواری کو میزبانی کی تلاش میں بھٹکانے والے شخص، کیا تو عبد الدار کی اولاد کے پاس نہیں گیا۔

هبلتك امك لو نزلت برحلهم
منعوك عن عدم ومن اقتار

تیری ماں بھی تیرا فکر چھوڑ دیتی اگر تو ان کے ہاں جاتا کیونکہ وہ افلاس اور بھوک سے تیری حفاظت کرتے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا شاعر نے یہ شعر اسی طرح کہے تھے۔ ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

"نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، شاعر نے اس طرح کہا ہے"۔

یا ایها الرجل المحول رحله
الا نزلت بآل عبد مناف

اے اپنی سواری کو میزبانی کی تلاش میں بھٹکانے والے شخص کیا تو عبد مناف کی اولاد کے پاس جا کر نہیں ٹھہرا۔

هبلتك امك لو نزلت برحلهم
منعوك من عدم ومن اقراف

تیری ماں بھی تیری فکر چھوڑ دیتی اگر تو ان کے پاس جا ٹھہرتا کیونکہ وہ غریبی اور بھوک سے تیری حفاظت کرتے۔

الخالطین غنیهم بفقیرهم
حتی یعود فقیرهم کالکافی

وہ غریبوں اور امیروں کو ایک جگہ ملانے والے لوگ ہیں اور ایسے ہیں کہ فقیر ان کے پاس سے امیر

ہو کر لوٹتا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے راویوں کو یہ شعر اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

ہاشم کو منصب سقایہ ور فادہ...... ہاشم کو اپنے باپ عبد مناف کے بعد منصب سقایہ اور منصب رفادہ ملے (مکے میں حج کے لئے آنے والے لوگوں کے کھانے پینے اور قیام وغیرہ کے لئے جو انتظامات کئے جاتے تھے وہ بڑی اہمیت رکھتے تھے جن کو مناصب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ منصب سقایہ کے تحت حجاج کے لئے پانی کا انتظام کیا جاتا تھا، اور منصب رفادہ کے تحت کھانے کا انتظام ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ، ان میں سے جو منصب جس کو ملتا تھا وہ اس کو اپنے لئے باعث فخر اور سعادت سمجھتا تھا۔ مرتب) چنانچہ ہاشم حجاج کے لئے کھانا تیار کراتے تھے اور غریب اور نادار لوگوں کو کھلاتے تھے۔ اس منصب کو اسی لئے رفادہ کہا جاتا تھا (رفادہ کے معنی ہیں زین یا کجاوہ کے سہارے کی چیز)

ثرید اور ہاشم نام...... ایک مرتبہ لوگ زبردست قحط اور فقر و فاقہ کا شکار ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ہاشم شام گئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت شام میں غزہ کے مقام پر تھے جب انہیں اس قحط کی اطلاع ملی، انہوں نے فوراً آٹا اور کیک خریدے اور حج کے دنوں میں مکے پہنچے، یہاں انہوں نے روٹیاں اور کیک چُورے اور اونٹ ذبح کر کے اس کے سالن سے ثرید تیار کیا اور لوگوں کو کھانا کھلا کر سیر کیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑا۔ ان کو ابوالبطحا اور سید البطحا بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا دستر خوان ہمیشہ کھلا رہتا تھا اور خوش حالی اور بدحالی کسی حالت میں بھی نہیں اٹھایا جاتا تھا۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ ہمیں سہل الصعلوکیؒ کی روایت پہنچی کہ انہوں نے (یعنی سہل نے) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس قول میں کہ "عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے" سے وہ ثرید مراد لیا ہے جو عمرو العلا (یعنی ہاشم) نے تیار کیا تھا جس کی منفعت اور قدر و منزلت بہت زبردست ہوئی اور جس کی خیر و برکت بہت عام ہوئی کہ ان کا اور ان کے بعد والوں کا ذکر باقی رہا۔

لیکن سہل اس حدیث کی تاویل کرنے میں بہت دور چلے گئے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم ثرید کی فضیلت باقی تمام کھانوں پر ظاہر کرنا ہے اس لئے کہ لفظ تمام یہاں "باقی" کے معنٰی میں ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ کوئی بھی ثرید ہو عمرو العلا کے ثرید کی ہی خصوصیت نہیں ہے کہ اس کو دوسروں کے ثرید پر فوقیت دی جائے۔

نیک نفسی اور احترام زائرین...... ہاشم (اپنی نیک نفسی کی وجہ سے) مسافروں کو کھانا کھلاتے تھے اور ایسے لوگوں کو پناہ دیتے تھے جن کو کسی کا خوف ہو۔ مشہور ہے کہ جب ذی الحجہ کے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا تو وہ اگلی صبح کو حرم میں جاکر کعبہ سے پیٹھ لگا کے اور باب کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے، پھر وہ خطبہ دیتے اور کہتے۔ "اے قریش کے لوگو! تم عرب کے سردار ہو، سب سے زیادہ حسین و خوب صورت اور سب سے زیادہ دانشمند ہو، تم عربوں میں نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ باعزت ہو اور رشتہ داریوں کے لحاظ سے تمام عربوں میں تم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو اے قریش کے لوگو! تم بیت اللہ کے پڑوسی ہو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عام بنی اسماعیلؑ کے مقابلے میں بیت اللہ کی خبر گیری کا شرف عطا فرمایا ہے اور اس کے پڑوس کے لئے تمہیں مخصوص کیا ہے، تمہارے پاس اللہ کے مہمان آتے ہیں جن کے دلوں میں اس کے گھر کی عظمت ہے، اس لئے وہ

اس کے مہمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی عزت افزائی اور تکریم کرنے کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو۔ اس کے زائرین اور مہمانوں کی عزت و تکریم کیا کرو، وہ یہاں پراگندہ حالت میں اور گرد و غبار میں اُٹے ہوئے دور دراز شہروں سے اونٹوں پر آتے ہیں، تم اللہ کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کی توقیر کیا کرو۔ قسم ہے اس عمارت کے رب کی! اگر میرے پاس اتنا مال و دولت ہوتا جو اس خدمت کے لئے کافی ہوتا تو میں تنہا ہی تم سب کے بجائے خرچ کرتا، میں اپنے مال میں سے بہترین مال اور حلال دولت نکالنے والا ہوتا اگر اس سے رشتہ داروں اور متعلقین کی حق تلفی نہیں ہوتی ہو اور ظلم کے ذریعہ سے نہ لیا گیا ہو اور جس میں حرام مال شامل نہ ہو، تم میں سے جو بھی ایسا کرنا چاہے وہ کرے مگر میں تمہیں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ بیت اللہ کے زائرین کی خدمت اور امداد کے لئے سوائے اپنے پاک مال کے کوئی مال نہ نکالے جو نہ تو ظلم اور غصب کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو اور نہ اس کے دینے سے متعلقین کی حق تلفی ہوتی ہو۔

اس تقریر کے نتیجہ میں لوگ پوری ہمت کے ساتھ اس مقصد کے لئے اپنا مال پیش کرتے اور اس کو دار الندوہ یعنی دار المشورہ میں رکھ دیتے۔

**یثرب میں شادی اور غزہ میں وفات**...... شیبۃ الحمد یعنی عبد المطلب کے نام کے متعلق جو تفصیل گزر چکی ہے اس کے علاوہ بھی بعض روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق شیبہ کو عبد المطلب اس لئے کہا گیا کہ شیبہ کے باپ ہاشم نے اپنے بھائی مطلب سے مکے میں اپنی موت کے وقت کہا کہ اپنے غلام (عبد) یعنی شیبۃ الحمد کو یثرب سے لے آؤ۔ اس بناء پر شیبہ کو عبد المطلب (یعنی مطلب کا غلام) کہا جانے لگا (کتاب مواہب میں اسی طرح ہے) چنانچہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ مطلب یثرب میں شیبہ کے پاس گئے۔

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ ہاشم تجارت کے لئے ملک شام کو روانہ ہوئے، مدینہ پہنچ کر وہ بنی نجار کے ایک شخص کے پاس ٹھہرے، وہاں اس شخص کی بیٹی سے اس شرط پر ان کی شادی کر دی گئی کہ اس کے بچہ کی پیدائش ہمیشہ میکہ میں ہوگی اس کے بعد ہاشم اپنی بیوی سے صحبت کئے بغیر ہی آگے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، واپسی میں بیوی کے میکہ میں ہی اس کے ساتھ ہم بستر ہوئے، اس کے بعد اسے لے کر مکے آگئے۔ جب اس کے یہاں پیدائش کے دن قریب آئے تو ہاشم نے اس کو مدینے پہنچا دیا اور وہیں اپنے میکہ میں اس کے بچہ پیدا ہوا۔ ہاشم آگے ملک شام کی طرف چلے گئے وہیں غزہ کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی، بعض رواتیوں میں چوبیس سال اور بعض میں پچیس سال بھی کہی جاتی ہے۔ ادھر ان کی بیوی کے یہاں شیبۃ الحمد (یعنی عبد المطلب) پیدا ہوئے یہ مدینہ میں سات یا آٹھ سال رہے۔ ایک روز وہاں کچھ بچے تیر کمان لئے کھیل رہے تھے کہ اس جگہ سے ایک شخص کا گزر ہوا، اس نے دیکھا کہ ایک بچہ جب تیر چلاتا ہے تو کہتا کہ میں سردار بطحا کا بیٹا ہوں اس شخص نے اس لڑکے سے پوچھا کہ لڑکے تم کس کی اولاد میں سے ہو، اس نے جواب دیا کہ میں شیبہ ابن ہاشم ابن عبد مناف ہوں۔

**چچا کے ساتھ بچہ کی مکے میں آمد**...... اس کے بعد یہ شخص جب مکے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ مطلب حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے مدینے میں جو کچھ دیکھا تھا وہ مطلب سے بیان کیا۔ مطلب یہ واقعہ سن کر مدینے پہنچے۔ جب انہوں نے شیبہ کو دیکھا تو اس میں انہیں اپنے بھائی کی شباہت نظر آئی بھتیجہ کو دیکھ کر مطلب کی آنکھوں میں آنسو آگئے انہوں نے اس کو اس کی ماں سے چھپ کر اپنے ساتھ لے لیا بھتیجہ ایک روایت یہ

ہے کہ مطلب نے بھتیجے کو شباہت کی وجہ سے پہچان لیا اور ان کے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں سے پوچھا کہ کیا یہ ہاشم کا بیٹا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! پھر مطلب نے لڑکوں کو بتلایا کہ میں اس لڑکے کا چچا ہوں۔ لڑکوں نے کہا کہ اگر تم بھتیجے کو لے جانا چاہتے ہو تو اس کی ماں کو خبر ہونے سے پہلے لے جاؤ کیونکہ اگر اس کو خبر ہو گئی تو وہ اسے نہیں چھوڑے گی اور تمہارے اور اس کے درمیان رکاوٹ بن جائے گی مطلب نے بھتیجے کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"بھتیجے! میں تمہارا چچا ہوں، میں تمہیں اپنے ساتھ تمہاری قوم میں لے جانا چاہتا ہوں"۔

اس کے بعد مطلب نے اپنے اونٹ کو بٹھایا۔ شیبہ، چچا کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا اور وہ اسے لے گئے۔ شیبہ کی ماں کو رات ہو جانے تک اس بات کا پتہ نہیں چلا۔ وہ کھڑی ہوئی اسے آوازیں دے رہی تھی کہ اسے خبر ہوئی کہ اس کا چچا اس کو اپنے ساتھ لے گیا اور انہوں نے اس کو یمنی حُلّہ پہنا دیا تھا۔

**عبدالمطلب یمنی حُلّہ میں**...... مطلب بھتیجے کو لے کر مکے پہنچے تو قریش نے شیبہ کو ان کے ساتھ دیکھتے ہی عبدالمطلب عبدالمطلب (مطلب کا غلام) کہنا شروع کر دیا۔ یہ تفصیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب اپنے باپ ہاشم کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ مطلب نے شیبہ کو حُلّہ پہنا دیا تھا اس میں اور گذشتہ بیان کردہ اس روایت میں کوئی تضاد نہیں کہ مکے میں پہنچنے کے وقت شیبہ کے کپڑے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے تھے۔ اس لئے کہ ممکن ہے مطلب نے شیبہ کو مدینے سے لینے کے وقت ان کو حُلّہ پہنا دیا ہو اور پھر سفر میں اس کو اتار دیا ہو یا جیسا کہ بعض روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ حُلّہ مکہ سے خریدا ہو۔ یہاں راوی کی غلط فہمی سے جو کمی پیدا ہو گئی اس کا اس طرح ازالہ ممکن ہے کہ مطلب نے شیبہ کے لئے دو حُلّے خریدے ہوں جن میں سے ایک مدینے میں پہنا دیا ہو اور دوسرا حُلّہ مکے میں خریدا ہو اور وہیں پہنا یا ہو۔

**ہاشم کی بیوی کا شرف**...... سیرت ہشامیہ میں ہے کہ عبدالمطلب کی ماں اپنی قوم میں اپنے شرف اور مرتبہ کی وجہ سے کسی سے شادی کرنے پر تیار نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں نے یہ شرط تک رکھی کہ وہ اپنی مرضی کی مختار رہے گی اگر اس شخص کو وہ ناپسند کرے گی تو جب چاہے اس سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ نیز جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے وہ ہمیشہ زچگی اپنے میکہ میں ہی کرے گی (سیرت ہشامیہ ہی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ) شیبہ کے چچا مطلب بھتیجے کو لینے کے لئے مدینے پہنچے تو شیبہ کی ماں نے ان سے کہا کہ میں شیبہ کو آپ کے ساتھ نہیں بھیجوں گی۔ مطلب نے اس کو جواب دیا کہ میں اس کو ساتھ لئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا، میرا بھتیجا بڑا ہو گیا ہے اور غیر لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے۔ ہم اپنی قوم میں صاحب عزت و شرف لوگ ہیں، شیبہ کی قوم، اس کا خاندان اور اس کا وطن غیر لوگوں میں رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اس پر شیبہ نے اپنے چچا سے کہا کہ جب تک ماں اجازت نہیں دیں گی میں ان سے جدا نہیں ہوں گا۔ آخر ماں نے اجازت دے دی اور بیٹے کو مطلب کے سپرد کر دیا۔ وہ اس کو اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا کر لے گئے۔ یہ روایت اور پیچھے گزرنے والی روایت اس کی محتاج ہیں کہ ان میں کوئی جوڑ پیدا کیا جائے۔

بہر حال جب مطلب بھتیجے کو لے کر مکے پہنچے) تو قریش نے دیکھتے ہی کہا کہ مطلب کا غلام (عبدالمطلب) جسے انہوں نے مدینے سے خریدا (لوگوں نے یہ خیال آرائی اس لئے کی) کہ شیبہ کا چہرہ شدید دھوپ سے متاثر ہو رہا تھا اور ان کے بدن پر میلے کپڑے تھے۔ مطلب نے لوگوں کی یہ باتیں سن کر کہا کہ کیا کہتے ہو۔ یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔

یہ روایت اس پچھلی روایت کے مخالف نہیں کہ جو کوئی مطلب سے پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ جواب دیتے کہ میرا غلام (عبد) ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے شیبہ کو دیکھ کر خود ہی یہ خیال قائم کر لیا ہو کہ یہ عبد مطلب یعنی مطلب کا غلام ہے اور بعض نے مطلب سے لڑکے کے متعلق پوچھا ہو تو انہوں نے جواب دے دیا ہو کہ میرا غلام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور اس کے بعد مکے میں داخل ہونے پر لوگوں کو اصل بات بتلائی ہو۔

## ابن عبد مناف

**عبد مناف کا جمال اور خوف خدا**...... ہاشم بیٹے ہیں عبد مناف کے۔ عبد مناف کا اصل نام مغیرہ تھا۔ ان کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے "قمر البطحا" بھی کہا جاتا تھا۔ یہ آنحضور ﷺ کے تیسرے دادا ہیں اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کے چوتھے دادا ہیں اور ہمارے امام حضرت امام شافعیؒ کے نویں دادا ہیں (مؤلف کتاب شافعی مسلک کے ہیں) مغیرہ ابن قصیٰ یعنی عبد مناف قریش کو اللہ جل شانہٗ سے ڈراتے رہے اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حق پورے کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔

لفظ "مناف" اصل میں "منات" ہے جو ایک بت کا نام تھا اور یہ قریش کے زبردست بتوں میں سے ایک تھا۔ عبد مناف کی ماں نے ان کو اس بت کی غلامی میں دے دیا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس بت کے نام ہبہ کر دیا تھا اس لئے کہ جیسا کہ مشہور ہے یہ قصیٰ کے سب سے پہلے بیٹے تھے۔

## ابن قصیٰ

**قصیٰ نام کی وجہ**...... عبد مناف بیٹے ہیں قصیٰ کے۔ قصیٰ کا نام زید رکھا گیا تھا۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ اس کا نام یزید تھا اس کو مجمع بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو قصیٰ اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہ اپنے خاندان سے علیٰحدگی اختیار کر کے اپنی ننھیال یعنی بنی کلب کے مجمع میں رہنے لگا تھا (قصیٰ کے معنی علیٰحدگی اختیار کرنے کے ہیں)۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان سے علیٰحدہ ہو کر اپنی ماں کے ساتھ بنی قضاعہ میں رہنے لگا اس لئے کہ اس کی ماں اسی خاندان یا قبیلہ کی تھی۔

میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ قصیٰ کی ماں بنی کلب کے قبیلہ کی ہو اور اس کا دوسرا شوہر قبیلہ قضاعہ سے ہو اور یہ کہ وہ قصیٰ کے باپ کے مرنے کے بعد اپنے قبیلہ بنی کلب میں واپس چلی گئی ہو اور اس کے بعد جب اس کی دوسری شادی قبیلہ قضاعہ میں ہوئی تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ وہاں چلی گئی۔ قبیلہ قضاعہ غالباً شام کی طرف آباد تھا اس لئے دونوں روایتوں میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

**اپنے قوم و وطن کا انکشاف**...... اس کا نام قصیٰ اس لئے پڑا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ علیٰحدہ ہو کر شام میں جا بسا تھا کیونکہ جب قصیٰ کے بچپن میں ہی اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کی ماں نے ربیعہ ابن حزام یا حرام ابن ربیعہ عذری نامی ایک شخص سے شادی کر لی تھی وہ اس کو لے کر شام چلا گیا۔ قصیٰ کو اپنے باپ کے متعلق کوئی علم نہیں تھا وہ اپنی ماں کے اس شوہر کو ہی اپنا باپ سمجھتا تھا۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو ایک روز کسی بات پر قصیٰ کا اپنے سوتیلے بھائیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ بات یہ ہوئی کہ اس کا اپنے سوتیلے بھائیوں سے تیر اندازی میں مقابلہ ہو گیا جس میں قصیٰ جیت گیا۔ اس پر اس کے بھائی ناراض ہو گئے اور قصیٰ کو بے چارگی اور اجنبیت کا طعنہ دیا

انہوں نے قصیٰ سے کہا کہ تو اپنی قوم اور اپنے وطن میں جاکر کیوں نہیں رہتا تو ہم میں سے تو ہے نہیں۔ روایت ہے کہ جب قصیٰ نے یہ سنا تو اس نے فوراً پوچھا کہ پھر میں کس قبیلہ سے ہوں، اسے جواب ملا کہ اپنی ماں سے جاکر پوچھ، قصیٰ نے فوراً جاکر اپنی ماں سے فریاد کی تو اس نے اسے بتلایا۔

"تیرا وطن انکے وطن سے بہتر ہے اور تیری قوم ان کی قوم سے برتر ہے، تیرا باپ ان کے باپ سے زیادہ معزز تھا تو کلاب ابن مرّہ کا بیٹا ہے، تیری قوم یعنی خاندان مکے میں ہے جہاں بیت اللہ ہے اور جہاں تمام عرب زیارت کے لئے جاتے ہیں، تیرے بچپن میں ایک کاہنہ نے تجھے دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ تو ایک بڑا کام کرے گا"

**مکے میں آمد اور قریش کی سرداری**......(اپنے متعلق یہ معلومات ہو جانے کے بعد) قصیٰ نے مکے جانے کا ارادہ کیا تو اس کی ماں نے کہا کہ جلدی مت کر ماہ محترم شروع ہونے دے اس وقت تو قبیلہ قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ جانا اس لئے کہ مجھے تیری جان کا خوف رہتا ہے، چنانچہ قصی قبیلہ قضاعد کے حاجیوں کے ساتھ روانہ ہو کر مکے میں اپنے قبیلے میں آگیا، انہوں نے اس کی فضیلت اور شرف کو پہچانا اور اپنا بڑا بنالیا اور قصیٰ ان کا سردار ہو گیا۔ پھر قصی نے حلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کرلی۔ اس زمانے میں مکے کی سرداری اور بیت اللہ کا انتظام حلیل کے ہاتھوں میں تھا۔ قبیلہ خزاعہ کا یہ آخری آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں بیت اللہ کا انتظام اور مکے کی سرداری رہی۔ حلیل کی بیٹی سے قصیٰ کے اولاد ہوئی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ جب قصیٰ کے کئی اولادیں ہو گئیں مال و دولت اور اس کا شرف و منزلت بڑھ گیا تو حلیل کا انتقال ہو گیا۔ قصیٰ نے سوچا کہ مکے کی سرداری کے لئے قبیلہ خزاعہ سے زیادہ اولیٰ اور موزوں وہ خود ہے اس لئے کہ قریش کے لوگ قبیلہ خزاعہ کے مقابلہ میں حضرت اسماعیلؑ سے زیادہ قریب ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے قریش اور بنی کنانہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قبیلہ خزاعہ کو مکے سے نکال دیا جائے۔ یہ لوگ اس پر امادہ ہو گئے، پھر قصیٰ نے قبیلہ قضاعہ کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو اس کے ساتھ شام سے آئے تھے، ان کے ساتھ قصیٰ کا سوتیلا بھائی بھی آیا تھا۔ اس طرح قصیٰ نے بنی خزاعہ کو نکال دیا اور مکے کی سرداری پر قابض ہو گیا۔

**قصیٰ کا خسر**......ایک روایت یہ بھی ہے کہ حُلَیل (یعنی قصیٰ کے خسر) نے بیت اللہ کا انتظام قصیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ ان روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ حُلَیل نے جب بیت اللہ کا انتظام قصیٰ کے سپرد کیا ہو تو اس پر بنی خزاعہ راضی نہ ہوئے ہوں اور اس کے نتیجہ میں قصیٰ نے ان سے جنگ کر کے انہیں مکے سے نکال دیا ہو۔

**قصیٰ اور انتظام بیت اللہ**......ایک رویات یہ ہے کہ حُلیل نے بیت اللہ کا انتظام ابوغُبشان کو دیا تھا (یہ حُلیل کا سالا تھا) اور اس سے پہلے وہ یہ انتظام اپنی بیٹی یعنی قصیٰ کی بیوی کے سپرد کر چکا تھا، کیونکہ اس نے ایک دفعہ اپنے باپ سے شکایت کی کہ مجھے بیت اللہ کھولنے یا بند کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ (جب حُلیل نے انتظام بیت اللہ ابو غُبشان کو دے دیا تو اسی روایت کے مطابق) قصیٰ نے ابوغبشان سے یہ معزز عہدہ ایک شراب کی مشک کے بدلے میں لے لیا۔ اس پر عربوں نے کہا کہ ابوغُبشان نے بہت گھاٹے کا سودا کیا۔

**مکے کی سرداری کیسے ملی**......ایک روایت یہ ہے کہ ابوغُبشان نے یہ عہدہ حُلیل کی بیٹی یعنی قصیٰ کی بیوی کو دیا تھا اور اس کے بدلے میں قصیٰ نے ابوغُبشان کو بہت سے کپڑے اور اونٹ دیئے تھے۔ چنانچہ ابوغبشان بنی خزاعہ کا وہ آخری آدمی تھا جس کے پاس بیت اللہ کا انتظام اور مکے کی سرداری رہی۔ یہ روایت اوپر گزرنے والی اس روایت

کے خلاف نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بنی خزاعہ میں حُلیل وہ آخری آدمی تھا جس کے پاس بیت اللہ کا انتظام اور مکے کی سرداری رہی کیونکہ پچھلی روایت میں یہ مراد ہے کہ حلیل بنی خزاعہ میں وہ آخری سردار تھا جس کے پاس اخیر تک سرداری رہی (کیونکہ ابوغبشان کے پاس سرداری آئی مگر اس کی زندگی ہی میں اس کے ہاتھ سے نکل گئی)۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ابوغبشان قصیٰ کا ماموں تھا اور اس کے دماغ میں کسی حد تک فتور تھا۔ اسی وجہ سے قصیٰ نے اس کو دھوکہ دے کر اس سے چند اونٹوں کے بدلے میں بیت اللہ کا انتظام اور مکے کی سرداری حاصل کرلی۔

یہ کئی روایتیں ہوگئی ہیں کہ قصیٰ نے مکے کی سرداری شراب کی مُشک کے بدلے میں لی، دوسری یہ کہ اونٹوں اور کپڑے کے تھانوں کے بدلے میں لی، اور تیسری یہ کہ (لفظوں کے تغیّر کے ساتھ) چند اونٹوں کے بدلے میں حاصل کی۔ ان سب کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ یہ سرداری ان سب چیزوں کے بدلے میں لی گئی ہو مگر راویوں نے اس واقعہ کی روایت کرنے میں اختصار سے کام لے کر تمام چیزوں کو ذکر کرنے کے بجائے ایک ایک، دو دو کا ذکر کردینے پر بس کی ہو۔ مگر یہ قابل غور ہے۔

مجمع لقب اور اس کی وجہ ...... (مکے کی سرداری حاصل کرنے کے بعد) قصیٰ نے قبیلہ قریش کے ان لوگوں کو مکے بلالیا جو دوسرے شہروں میں منتشر تھے اور ان کے بارہ قبیلے بنادیئے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ چونکہ قصیٰ نے قریش کے ادھر ادھر بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک جگہ جمع کردیا تھا اس لئے اس کو "مجمع" (جمع کرنے والا) بھی کہا جانے لگا تھا۔

بعض مؤرخین نے اس طرح روایت کی ہے کہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قصیٰ کو مجمع کا نام دیا۔

اسی بات کی طرف ایک شاعر کا قول بھی اشارہ کرتا ہے ۔

قُصَی لِعَمْرِیْ کَانَ یُدْعٰی مُجَمِّعاً
بِہٖ جَمَّعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنَ فِھْرِ

خدا کی قسم قصیٰ کو مجمع کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آل فہر کے قبیلوں کو ایک جگہ جمع کردیا تھا۔

ایک درد مندِ دل ...... یہ شعر ایک قصیدہ کا ہے جس میں عبدالمطلب کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ مدح حُذافہ ابن غانم نے کی ہے جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ قبیلہ جذام کے قافلے کا ایک شخص مکے میں کہیں گم ہوگیا (جسے غالباً پکڑ لیا گیا تھا) قافلے والوں کو کہیں حذافہ مل گیا انہوں نے اس کو (بطور یرغمال) پکڑ کے باندھ لیا اور اپنے ساتھ لے چلے راستے میں عبدالمطلب مل گئے جو طائف سے آرہے تھے، ان کے ساتھ ان کا بیٹا ابولہب تھا جو باپ کا ہاتھ پکڑے لا رہا تھا کیونکہ ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حذافہ نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اس نے چلّا کر ان سے فریاد کی۔ عبدالمطلب نے ابولہب سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ ابولہب نے بتلایا کہ حذافہ کو ایک قافلے والوں نے باندھ رکھا ہے۔ عبدالمطلب نے بیٹے سے کہا کہ ان لوگوں کے پاس جاکر تفصیل معلوم کرو۔ ابولہب نے قافلے والوں کے پاس جاکر واقعہ معلوم کیا اور عبدالمطلب کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا کیا خبر لائے۔ ابولہب نے کہا کہ کچھ پتہ نہیں چلا۔ عبدالمطلب نے بیٹے کو ڈانٹ کر کہا کہ ان کے پاس جاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ قافلے والوں کو دے کر اس آدمی کو رہائی دلاؤ۔ ابولہب دوبارہ قافلے والوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا:

"تم میری تجارت اور مال و دولت سے واقف ہو، میں تم سے بحلف کہتا ہوں کہ میں تمہیں بیس اوقیہ سونا اور دس اونٹ اور گھوڑے دوں گا۔ اس حلف کیلئے میں بطور ضمانت کے اپنی یہ چادر تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں"

قافلے نے یہ ضمانت قبول کرلی اور حذافہ کو چھوڑ دیا۔ ابولہب اس کو لے کر باپ کے پاس آیا۔

عبدالمطلب نے ابولہب کی آواز سنی تو (یہ سمجھ کر کہ وہ خالی ہاتھ واپس آیا ہے) کہا

"خدا کی قسم تو نے گناہ کیا، دوبارہ جا"۔

ابولہب نے ان کو بتلایا کہ یہ آدمی میں لے آیا ہوں، عبدالمطلب نے تصدیق کے لئے حذافہ سے کہا کہ مجھے اپنی آواز سناؤ۔ حذافہ نے کہا:۔

"میں آگیا آپ پر میرا باپ قربان ہو۔ اے حجاج کے ساقی مجھے اپنے ساتھ بٹھالو۔" عبدالمطلب نے اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ جب یہ مکے میں داخل ہوئے تو حذافہ نے یہ قصیدہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے

بَنُوْ شَيْبَةَ الْحَمْدِ الَّذِيْ كَانَ وَجْهُهُ
يُضِيْئُ ظَلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ وَ الْبَدْرِ

شیبۃ الحمد کی اولاد وہ لوگ ہیں کہ ان کے چہرے رات کی تاریکیوں میں چودھویں کے چاند کی طرح دمکتے ہیں یہ ایک بہت عمدہ قصیدہ ہے۔

عربوں کا پاس وفا...... یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ابولہب نے جن چیزوں کے دینے کا قافلے سے وعدہ کیا تھا ان کی ضمانت میں قافلے نے چادر جیسی معمولی چیز لے کر کیسے حذافہ کو رہا کردیا۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ عربوں کا دستور اور اصول یہ تھا کہ ان میں سے کسی نے اگر بہت بڑے معاملے کے سلسلے میں بھی کوئی حقیر چیز کسی کے پاس رکھ دی تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس عہد کو پورا نہ کرے بلکہ وہ خود بھی اس کوشش اور جستجو میں رہتا تھا کہ کسی طرح وعدہ پورا کرے۔

بڑے عہد پر معمولی ضمانتیں...... چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی دعاء سے ایک مرتبہ قبیلہ بنی تمیم کا علاقہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہو گیا تو قبیلے کا سردار حاجب ابن زُرارہ جو حضرت عُطاردؓ کا باپ تھا شاہ کسریٰ فارس کے پاس گیا تاکہ اس سے اپنی قوم کے لئے امان حاصل کر کے قبیلے کو عراق کے دیہات میں منتقل کردے اور اس طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کرے، شاہ کسریٰ نے حاجب کی درخواست سن کر کہا۔

"تمام لوگ غدّار اور دغاباز قوم سے ہو اس لئے میں تمہاری طرف سے اپنی رعایا کے متعلق ڈرتا ہوں"۔

حاجب نے یہ سن کر کہا۔

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ میری قوم اس قسم کی حرکت نہیں کرے گی"۔

کسریٰ نے پوچھا "میرے لئے تمہارے وعدے کا ضامن کون ہوگا"؟

حاجب نے کہا۔

"میری یہ کمان اس وعدے کی ضمانت کے طور پر رہن ہے"۔

یہ سن کر شاہ کسریٰ اور اس کے مصاحبوں نے حاجب کا بہت مذاق اڑایا اور اسے احمق بتایا۔ اس پر بعض لوگوں نے کسریٰ سے کہا۔

"عربوں میں سے کوئی شخص اگر (کسی وعدہ کی ضمانت میں) کوئی چیز رہن رکھ دے تو وہ لازمی طور پر

اس عہد کو پورا کرتا ہے"۔

عرب وفاشناسی اور دربار کسریٰ..... جب بنو تمیم کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو گیا اور آپ کی دعاء سے انکا قحط ختم ہو کر سرسبزی و خوش حالی چھا گئی اور ادھر اس وقت تک حاجب مر چکا تھا تو حضرت عُطارِدؓ نے اپنی قوم کو شاہ کسریٰ کے پاس چلنے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر عُطارِدؓ کسریٰ کے پاس گئے اور اس سے اپنے باپ کی کمان واپس مانگی۔ کسریٰ نے کہا کہ تم نے تو مجھے کوئی چیز نہیں دی تھی تو عُطارِدؓ نے کہا۔

"اے بادشاہ! میں اپنے باپ کا وارث ہوں۔ ہم نے اپنا عہد جس کے لئے ضمانت دی تھی پورا کر دیا ہے اگر اب آپ نے میرے باپ کی کمان واپس نہیں کی تو ہمارے لئے سخت عار اور شرم کی بات ہو گی اور لوگ ہمیں ذلیل کریں گے"۔

اس پر کسریٰ نے کمان واپس دے دی اور انہیں ایک خلعت پہنایا۔ پھر جب عُطارِدؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تو انہوں نے وہ خلعت آنحضرت ﷺ کو پیش کیا مگر آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اس خلعت کو وہ پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے (اس لئے کہ وہ خلعت ریشمی تھا اور ریشم پہننا مردوں کے لئے اسلام میں ناجائز ہے)۔

بہر حال بنو تمیم کے لوگ اس کمان کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا کرتے تھے۔ اسی طرف ایک شاعر نے اشارہ کیا ہے اور بہت اچھے اور عمدہ انداز میں کیا ہے

تَزْهُو عَلَيْنَا بِقَوْسٍ حَاجِبِهَا
تِيهِ تَمِيمٍ بِقَوْسٍ حَاجِبِهَا

ترجمہ: تم چڑھ دوڑے ہو ہم پر اپنے محافظوں کی کمانیں لے کر جس طرح قبیلہ تمیم کے لوگ اپنے سردار کی کمان کے لئے گئے تھے۔

قصیؑ اور بنو خزاعہ میں دشمنی..... بنو خزاعہ کو بیت اللہ کی تولیت وانتظام سے ہٹا کر اور انہیں مکے سے جلا وطن کر کے قصیٰ قریش کا تنہا سردار بن گیا۔ بنو خزاعہ کو اس لئے ہٹا دیا گیا کہ انہوں نے قصیٰ کو بیت اللہ کا متولّی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز یہ کہ ابوغُبشان نے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے، قصیٰ کو بیت اللہ کا جو انتظام سونپا تھا بنو خزاعہ نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے بنو خزاعہ نے حج کے آخری ایام میں قتل و قتال کیا تھا (جبکہ عربوں میں یہ امان کے دن ہوتے تھے اور ان دنوں میں خوں ریزی کرنے والا سخت ملعون اور گناہ گار سمجھا جاتا تھا) قریش کے لوگوں نے بنو خزاعہ کو اس ظلم اور زیادتی سے بہت روکنے کی کوشش کی اور ظلم و سرکشی کے نتیجہ میں بنی جرہم کا پچھلے زمانہ میں جو انجام ہو چکا تھا وہ بھی ان کو یاد دلایا کہ کس طرح بنی جرہم نے حرم کے اندر ظلم و سرکشی کی تھی (اور اس کے نتیجہ میں ان کی سرداری ختم ہوئی تھی اور وہ مکے سے فرار ہوئے تھے) مگر بنو خزاعہ نے قریش کی ان نصیحتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کی۔ زبردست قتل و قتال ہوا اور دونوں فریقوں کو سخت نقصان پہنچا مگر بنو خزاعہ کا نقصان زیادہ تھا۔ آخر کار انہوں نے صلح کی دعوت دی اور بات اس پر ٹھہری کہ عربوں میں سے ہی کسی کو اپنا ثالث اور حکم بنا لیا جائے۔ سب نے متفقہ طور پر اس مقصد کے لئے یعمر ابن عوف کو منتخب کیا جو ایک نیک اور معزز آدمی تھا۔ یعمر نے ان لوگوں سے کہا کہ میرا فیصلہ سننے کے لئے تم لوگ کل کعبے کے صحن میں جمع ہو جانا۔

**ثالثی اور قصیٰ کی سرداری**...... متعینہ وقت پر جب لوگ جمع ہوگئے تو یعمر کھڑا ہوا اور اس نے کہا :۔

"لوگو! جو قتل و خوں ریزی تم لوگوں کے درمیان ہو چکی ہے میں اسے اپنے قدموں سے روندتا ہوں۔ اس لئے ایک دوسرے پر کسی کا کوئی حق اور خوں بہا نہیں رہا"۔

ایک روایت یہ ہے کہ اس نے یہ فیصلہ دیا کہ قریش کے ہاتھوں جو نقصان بنی خزاعہ کو پہنچا وہ کالعدم ہے اور بنی خزاعہ کے ہاتھوں جو نقصان قریش کا ہوا اس کا خوں بہا ہوگا، نیز اس نے یہ فیصلہ بھی دیا کہ بیت اللہ کی تولیت اور مکے کی سرداری کے لئے قصیٰ زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ قصیٰ بیت اللہ کا متولّی ہوگیا۔

ایک روایت ہے کہ قصیٰ نے عشری ٹیکس لگایا کہ مکے والوں کے علاوہ جو شخص بھی تجارت وغیرہ کے لئے مکے میں داخل ہوتا اس سے عشری ٹیکس وصول کیا جاتا۔

**اس سے پہلے جرہم کی سرداری**...... بنی خزاعہ (جن کو قصیٰ نے تولیت کعبہ سے ہٹا کر جلاوطن کیا) کے لوگوں نے بیت اللہ کی تولیت بنی جرہم کے ہاتھوں سے چھینی تھی۔

**بنی جرہم کی بداعمالیاں**...... (قبیلہ بنی جرہم میں مکے کی سرداری اس طرح پہنچی تھی کہ) مضاض ابن عمرو الجُرہمی الاکبر بیت اللہ کا متولّی ثابت ابن اسماعیلؑ کے بعد ہوا تھا۔ کیونکہ یہ مضاض جُرہمی، ثابت اور اسماعیلؑ کی دوسری اولاد کا نانا تھا۔ اس کے بعد بیت اللہ کی تولیت اور مکے کی سرداری مستقل بنی جرہم کے ہاتھوں میں آگئی۔ اسماعیلؑ کی اولاد ان سے ایک تو اس وجہ سے (سرداری حاصل کرنے کے لئے) کوئی جھگڑا نہیں کرتی تھی کہ یہ لوگ ان کی نانہال والے تھے اور دوسرے وہ اس بات کو بہت برا جانتے تھے کہ مکے میں سرکشی و بغاوت ہو۔ مگر پھر خود بنی جرہم نے مکے میں سرکشی اختیار کی۔ مکے کے علاوہ باہر کا جو آدمی بھی مکے میں داخل ہوتا اس پر ظلم کرتے، کعبہ میں جو لوگ تحائف اور چڑھاوے چڑھا کر جاتے ان کو کھا جاتے، ان کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی کہ اگر ان میں کوئی شخص زنا کرنا چاہتا اور اس کے پاس کوئی جگہ نہ ہوتی تو وہ کعبہ میں آکر زنا کرتا۔ آخر کار بنو خزاعہ نے فیصلہ کیا کہ بنی جرہم سے جنگ کی جائے اور انہیں مکے سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے پہلے بنی جرہم کی اس سرکشی کی سزا میں اس قوم پر ایک ایسا کیڑا مسلط کر دیا گیا جو اس کیڑے کے مشابہ تھا جو لونٹوں اور بکریوں کی ناک میں ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کے نتیجے میں اتنی بربادی ہوئی کہ ایک ہی رات میں بنی جرہم کے (۸۰) اسی آدمی ہلاک ہوگئے جو سب کے سب پختہ کار و تجربہ کار تھے۔

**آسمانی آفت میں گرفت**...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی جرہم پر نکسیر چھوٹنے کی بیماری مسلط فرمائی اور اس سے ان میں کے زیادہ تر لوگ ختم ہوگئے یہ ممکن ہے کہ یہ نکسیر ناک میں اس کیڑے کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہی پھوٹی ہو اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

**جرہم کا زوال اور خزاعہ کا عروج**...... اس تباہی اور مکے کی سرداری چھن جانے کے بعد جو لوگ باقی بچے وہ سب عمرو ابن حرث جرہمی کے ساتھ یمن کی طرف چلے گئے۔ عمرو بن حرث بنی جرہم میں وہ آخری آدمی ہے جو مکے کا سردار ہوا۔ مکے کی سرداری چھن جانے کا بنی جرہم کو زبردست غم تھا اور وہ اس پر سخت ملول اور رنجیدہ تھے۔ عمرو بن حرث نے اس پر ایک نوحہ کہا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں

**عمرو کا نوحۂ زوال**

كَاَنْ لَمْ يَكُنِ الْحَجُوْنَ اِلَى الصَّفَا

اَنِیْسٌ وَلَمْ یَسْمُرْ بِمَکَّۃَ سَامِرٌ

گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی قصہ گوئی کرنے والا مکے میں قصہ گوئی کر رہا ہے۔

وَکُنَّا وُلَاۃُ الْبَیْتِ مِنْ بَعْدِ ثَابِتٍ
نَطُوْفُ بِذَاکَ الْبَیْتِ وَالْخَیْرُ ظَاھِرٌ

ہم لوگ ثابت ابن اسماعیلؑ کے بعد بیت اللہ کے متولّی تھے۔ اللہ کے اس گھر کا طواف کرتے تھے اور اس کی برکتیں ظاہر ہوتی تھیں۔

بَلٰی نَحْنُ کُنَّا اَھْلَھَا فَاَبَادَنَا
صُرُوْفُ اللَّیَالِیْ وَالدَّھُوْرُ الْبَوَاتِرُ

ہاں ہم اسی وادی کے باشندے تھے مگر ہمیں وقت کی رفتار اور زمانے کی نشیب و فراز نے وہاں سے اجاڑ دیا۔

**یہ نوحہ خاندان برامکہ کے لئے شگون بد** ...... اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب اتفاق اور دلچسپ واقعہ ہے جسے ایک شخص نے حکایت کیا ہے کہ میں خلیفہ ہارون رشید عباسی کے زمانہ میں اس کے ایک وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی کے پاس بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا کہ اسے نیند آ گئی وہ تھوڑی دیر سویا اور اس کے بعد گھبرا یا ہوا بیدار ہوا اور کہا۔

"ہونے والی بات ہو گئی، خدا کی قسم ہماری سلطنت ختم ہو گئی، ہماری عزت جاتی رہی اور ہمارے اقتدار کے دن پورے ہو گئے"۔

میں نے کہا "کیا بات ہو گئی خدا وزیر کو مطمئن رکھے"۔

**برامکہ کی تباہی اور یہ شعر** ...... اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک شعر پڑھنے والے کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

کَاَنْ لَمْ یَکُنْ بَیْنَ الْحُجُوْنِ اِلَی الصَّفَا
اَنِیْسٌ وَلَمْ یَسْمُرْ بِمَکَّۃَ سَامِرٌ

گویا کہ حجون سے صفا تک نہ کوئی دوست رہا اور نہ کوئی قصہ گوئی کرنے والا مکے میں قصہ گوئی کر رہا ہے۔

یہ شعر سن کر میں نے اس کہنے والے کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

بَلٰی نَحْنُ کُنَّا اَھْلَھَا فَاَبَادَنَا
صُرُوْفُ اللَّیَالِیْ وَالدَّھُوْرُ الْبَوَاتِرُ

ہاں ہم اسی وادی کے باشندے تھے مگر ہمیں وقت کی رفتار اور زمانے کے نشیب و فراز نے وہاں سے اجاڑ دیا

(یہ دونوں شعر عمرو ابن حرث جرہمی کے اسی مرثیہ کے ہیں اور گذشتہ سطروں میں نقل کئے جا چکے ہیں)

(حکایت بیان کرنے والا کہتا ہے کہ) اس واقعہ کے تین روز بعد جبکہ میں اپنی عادت کے مطابق یحییٰ برمکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اور اس نے غم و اضطراب کے ساتھ یحییٰ کو اطلاع دی کہ خلیفہ ہارون رشید نے جعفر برمکی کو (جو اس کا وزیر اعظم تھا) قتل کر دیا ہے۔ یحییٰ نے پوچھا کیا واقعی اس نے قتل کر دیا ہے، آنے والے نے کہا کہ ہاں۔ یحییٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے قلم پھینک دیا اور کہا:۔

"اسی طرح اچانک ایک دن قیامت آجائے گی"۔

**اقوال زریں** ...... یحییٰ برمکی کا جو قول منقول ہے وہ یہ ہے:۔

"آدمی کو چاہئے کہ بہترین بات جو وہ سنے اسے لکھے اور بہترین بات جو وہ لکھے اسے یاد کر لے، اور بہترین بات جو وہ یاد کر لے اسے بولے"۔

نیز اس کا یہ قول بھی ہے :۔

"جس شخص نے بغیر کسی وعدے کی لذت و سرور کے رات گزاری اس نے کارنامے کا ذائقہ نہیں چکھا"۔

(یعنی ایک شخص سے کسی چیز کا وعدہ کیا جائے کہ وہ اسے دی جائے گی اور پھر وہ اس کو پانے تک انتظار کرے تو یہ انتظار کی لذت اس سے بہتر ہے کہ اسے وہ چیز اچانک مل جائے جس میں اسے انتظار کی لذت حاصل نہیں ہوتی)۔

بہر حال جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بنی جرہم کے بعد بنی خزاعہ کو کعبہ کی تولیت اور مکے کی سرداری مل گئی۔ قبیلہ بنی خزاعہ کا سردار عمرو ابن لحی تھا۔ یہ شخص بنی جرہم کے سردار عمرو ابن حرث جرہمی کا نواسہ تھا جو قبیلہ جرہم میں سے مکے کا آخری سردار تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

**خزاعہ کا ایک سردار ابن لُحی**...... (قبیلہ خزاعہ کے اس سردار) عمرو ابن لحی نے دور جاہلیت میں عرب میں وہ عزت و شرف حاصل کیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی کو نہیں ملا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے مکے میں حاجیوں کو ثرید کے کھانے پر اونٹ کی چربی کھلائی، عرب میں اس کا شرف اور نام ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات ایسا دین بن جاتی جس کو سب مانتے تھے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ عمرو ابن لُحی عربوں کا ایک ایسا خدا بن گیا تھا کہ جو بدعت بھی وہ جاری کرتا تھا لوگ فوراً اس کو دین اور شریعت کی حیثیت سے قبول کر لیتے تھے۔ کیونکہ عمرو لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور حج کے موسم میں انہیں خلعتیں پہناتا تھا۔ کبھی کبھی وہ حج کے موسم میں دس ہزار اونٹ ذبح کرتا تھا اور دس ہزار خلعتیں پہناتا تھا۔

**دین ابراہیمی مٹانے والا**...... یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ کے دین میں تبدیلیاں کیں۔ بعض مؤرّخ لکھتے ہیں کہ علماء کے اقوال اس سلسلے میں ایک دوسرے سے متفق ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے عرب مسلسل ان کے دین پر قائم رہے۔ اور عمرو ابن لُحی کے زمانے تک بتوں کی پوجا سے بچتے رہے مگر عمرو پہلا آدمی ہے جس نے دین ابراہیمی کو مسخ کیا اور عربوں میں گمراہیاں پھیلائیں، چنانچہ اس نے بتوں کی پوجا شروع کی۔ بتوں کے نام پر سائبہ[1] جانور چھوڑے اور بحیرہ[2] اونٹوں کو چھوڑا۔

ایک روایت یہ ہے کہ بحیرہ چھوڑنے والا پہلا آدمی قبیلہ بنی مدلج کا ایک شخص ہے، اس کے پاس دو اونٹنیاں تھیں اس نے ان دونوں کے کان کترے اور ان کا دودھ حرام قرار دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دوزخ میں اس حال میں دیکھا کہ وہ اونٹنیاں اس شخص کو اپنے پیروں سے مار رہی ہیں اور اپنے منہ سے اس کو کاٹ رہی ہیں۔

**مشرکانہ عقائد و رسوم کا بانی**...... عمرو ابن لُحی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے وصیلہ[3] اونٹنی چھوڑنے اور

---

[1] یہ سب زمانۂ جاہلیت کی بیہودہ رسمیں ہیں جن کی وجہ سے عرب ایسی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے جو اللہ نے حرام نہیں کیں، مثلاً کسی جانور کا دودھ پینا چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ فلاں بت کے نام ہے اب اس سے وہی فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے جانوروں کے الگ الگ نام رکھے گئے تھے۔ [2] بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا، اس کے کان نشانی کے لئے کتر دیتے تھے۔ سائبہ وہ جانور کہلاتا تھا جس کو کسی بت کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا نہ اس پر کوئی خود سوار ہوتا اور نہ سامان لادتا۔

[3] وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو پہلی دفعہ ایک نر بچہ جننے کے بعد لگاتار دو مادہ بچے جنے ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

حام[۴] اونٹ بتوں کے نام پر چھوڑنے کی رسم ڈالی (پارہ نمبر ۷ میں ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں) اور کعبہ کے گرد بت نصب کئے۔ ہبل نامی بت وہ شام سے لے کر آیا تھا اور اس کو اس نے کعبہ کے اندر بیچ میں نصب کیا تھا۔ چنانچہ عرب اسی بت کے پاس کھڑے ہو کر تیروں کے ذریعہ چیز تقسیم کیا کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آئے گی (تیروں کے ذریعہ تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ ہبل نامی بت کے پاس ایسے تیر رکھے گئے تھے جن پر مختلف حکم لکھے ہوئے تھے۔ مثلاً کسی پر لکھا ہوا تھا "کرو" کسی پر "مت کرو" کسی پر "اچھا ہے" کسی پر "برا ہے" وغیرہ۔ یہ سب قرعہ کے تیر کہلاتے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھے۔ جب کوئی شخص کسی کام یا معاملے کے سلسلے میں فال نکالنا چاہتا تو وہ اس بت کے پاس جاتا اور وہاں رکھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر کھینچ لیتا اور جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہوتا اس کے مطابق عمل کرتا۔

اسلام نے جاہلیت کی ان سب بیہودہ رسموں کو ختم کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے کے شروع میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ الخ الآیۃ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ شراب اور بت (وغیرہ) اور قرعہ کے تیر سب گندے شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو)

تلبیہ میں شرکیہ الفاظ...... اور اسی عمرو بن لحُی نے سب سے پہلے تلبیہ (طواف کی دعا یعنی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کو تلبیہ کہتے ہیں) میں شرکیہ الفاظ شامل کئے جس کا واقعہ یوں ہوا کہ عمرو تلبیہ ابراہیمی پڑھ رہا تھا یعنی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اسی وقت شیطان ایک بوڑھے کی شکل میں ظاہر ہوا جو اس کے ساتھ تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ جب عمرو نے یہ پڑھا لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ یعنی حاضر ہو گیا میں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تو اس بوڑھے نے عمرو سے کہا اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَلَکَ یعنی سوائے اس کے کہ وہ تیرا شریک ہے (یعنی شیطان نے یہ کلمہ اصل تلبیہ میں بڑھایا اور "تیرا" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، عمرو نے اس اضافہ کو ناپسند کیا تو شیطان نے کہا تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ یعنی تو اس کا مالک ہے مگر وہ مالک نہیں ہے" (یعنی شیطان نے پہلے اضافہ کے ناپسند ہونے پر اس میں مزید اضافہ کیا تاکہ عمرو اس اضافے کو پسند کرے) اس اضافے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ (یعنی بت) تیرا شریک تو ہے مگر ایسا شریک ہے کہ تو تو (یعنی حق تعالیٰ) اس کا بھی مالک ہے مگر اس میں تیرا مالک ہونے کی صفت نہیں ہے۔ (اس کے ساتھ ہی شیطان نے عمرو سے کہا کہ) اس میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی اس اضافہ کے بعد خدا کے ساتھ شرک کرنے میں کوئی حرج نہیں رہتا)۔

عوام میں ابن لحُی کی تقلید...... (اس پر عمرو بھی تیار ہو گیا اور) اس نے اسی طرح کہہ دیا۔ عمرو کو یہ کہتے سن کر عام عربوں نے بھی اس کا اتباع کیا وہ لوگ تلبیہ میں خدا کی توحید کا اقرار کرتے پھر اس کی خدائی میں بتوں کو شریک کرتے اور ان کا مالک خدا کو قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر اپنے غضب کا ان آیات میں ذکر فرمایا:

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ الآیہ پ ۱۳ سورۂ یوسف ع ۳ آیت ۱۰۶

---

[۴] حام وہ اونٹ کہلاتا تھا جس کی نسل پھیل چکی ہے اور اس نے ایک خاص تعداد میں اونٹنیوں سے ملاپ کیا ہو جس کی وجہ سے اس کی نسل بہت بڑھ چکی ہو، ایسے اونٹ کو حام کہتے اور اس سے بار برداری یا سواری کا کام لینا چھوڑ کر اسے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے ۱۲ مرتب

ترجمہ۔ اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔

مردار گوشت کھانے کا حکم...... یہی عمرو ابن لحی ہے جس نے پہلی بار مردار جانور کو حلال قرار دیا۔ حضرت اسماعیلؑ کی تمام اولاد اب تک مردار جانور کو کھانا حرام سمجھتی تھی یہاں تک کہ عمرو کا زمانہ آیا، اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ مردار جانور کو حرام قرار دینے کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے لوگوں سے کہا :۔

"آخر تم لوگ وہ جانور کیوں نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مارا ہے جبکہ تم اپنے مارے ہوئے جانور کو کھاتے ہو"۔

جہنم میں ابن لحی کی حالت...... امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"میں نے جہنم کو دیکھا کہ (اس کی لپٹیں) ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں اور اس میں عمرو اپنی انتڑیوں کو کھینچتا پھر رہا ہے"۔

ایک روایت میں آنتوں کا لفظ ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی انتڑیوں کی بدبو سے دوزخی لوگ سخت تکلیف میں ہیں۔

(حدیث میں "امعاء" کا لفظ ہے جس کے معنی آنتیں ہیں) امعاء کو اقتاب بھی کہا جاتا ہے جس کا واحد قتب ہے اسی لفظ پر رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی ہے کہ قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں (اقتاب) تیزی سے باہر نکل کر آگ میں جلیں گی۔

اکثم کی ابن لحی سے مشابہت...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت اکثم ابن جون الخزاعی (جون خزاعی کا نام عبدالعزیٰ تھا اور اکثم کے معنی ہیں بڑے پیٹ والا) سے فرمایا :۔

"اے اکثم! میں نے عمرو ابن لحی کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں کھینچتا پھر رہا ہے اور میں نے کسی شخص کو دوسرے سے اتنا مشابہ نہیں دیکھا جتنا تم اس سے ہو (یعنی عمرو سے")

اکثمؓ نے عرض کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں یا رسول اللہ! کہ مجھے اس کی شباہت کی وجہ سے (آخرت میں) کوئی نقصان پہنچے۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں تم مومن ہو اور وہ کافر تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے حضرت اسماعیلؑ کے دین میں تبدیلیاں کیں اور بت نصب کئے"

(ی) دین اسماعیلؑ سے مراد وہی دین ابراہیمؑ ہے۔ اس لئے کہ عرب حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ان ہی کے دین پر قائم رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی یہاں تک کہ جیسا کہ بیان کیا گیا اسی عمرو کا زمانہ آیا (اور اس نے دین میں تغیرات کئے)۔

بعض مؤرخین کا قول ہے کہ یہ اکثمؓ وہی ابو معبد یعنی اُمّ معبد کے شوہر ہیں جن کے پاس سے ہو کر رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت گزرے تھے۔ اور یہ اکثمؓ وہی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے دجّال کو دیکھا اور اکثم ابن عبدالعزیٰ لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ سن کر اکثمؓ کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ کیا اس کی مشابہت مجھے نقصان پہنچائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں تم مومن ہو اور وہ کافر ہے"۔ اس حدیث کو ابن عبدالبرؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حدیث جس میں دجّال کا ذکر ہے صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح وہ ہے جس میں عمرو ابن لحی کا ذکر ہے۔

ابن لحی بت پرستی کا بانی...... عمرو ابن لحی پہلا آدمی تھا جس نے بت نصب کئے تھے۔ وہ اپنے کسی کام سے ملک

سے شام گیا، اس نے بلقاء کے علاقے میں عمالیق کی قوم کو دیکھا جو عملاق ابن لاوذ ابن سام ابن نوح کی اولاد میں سے تھے، اس نے دیکھا کہ وہ لوگ بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ عمرو نے پوچھا کہ یہ (یعنی بت) کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بت ہیں جنہیں ہم پوجتے ہیں، ان سے جب ہم بارش مانگتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور جب ان سے مدد مانگتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں! عمرو نے ان سے کہا، کیا تم ان میں سے ایک بت مجھے دے سکتے ہو، میں اسے عرب لے جاؤں گا۔ اس پر ان لوگوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا۔ عمرو اسے لے کر مکے آیا اور کعبہ کے بیچ میں چاہ زمزم پر نصب کر دیا۔ پھر اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی عبادت اور تعظیم کیا کریں، چنانچہ اس کے بعد جب کوئی شخص سفر سے واپس آتا تو وہ اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد اس بت (ہُبل) کو تعظیم دیتا تھا اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنا سر مونڈتا۔

**فال کے تیر** ...... ہبل کے پاس سات تیر رکھے رہتے تھے ان میں ایک پر عقل لکھا ہوا تھا، اگر اس کو اٹھانے کے سلسلے میں ان میں اختلاف ہوتا تو اس تیر سے قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکل آتا وہ اٹھاتا۔

**فال اور قرعہ اندازی** ...... ایک تیر پر "ہاں" لکھا ہوا تھا اور ایک تیر پر "نہیں" لکھا ہوا تھا، یہ تیر ان کاموں کے متعلق (فال نکالنے کے لئے تھے) جن کو وہ کرنا چاہتے۔

ایک تیر پر "تم میں سے" ایک پر "غیر کے ساتھ ملحق ہے" لکھا تھا۔ یہ اس موقع کے لئے تھا جب انہیں کسی بچے کے متعلق اختلاف ہوتا تھا کہ آیا وہ ان ہی میں سے ہے یا نہیں۔

**ہبل بُت** ...... ایک تیر پر "اس میں ہے" اور ایک پر "اس میں نہیں ہے" تحریر تھا، یہ اس وقت کی فال کے لئے تھا جب وہ پانی حاصل کرنے کیلئے کسی جگہ کنواں کھودتے تھے۔ ہُبل عقیق پتھر کا بنا ہوا تھا اور انسان کی شکل کا تھا۔

**ابن لحی کی طویل عمر** ...... یہ عمرو ابن لُحی تین سو چالیس سال زندہ رہا اور اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کی ایک ہزار موتیں دیکھیں۔ عمرو ابن لُحی اور اس کے بعد اس کی اولاد پانچ سو سال تک بیت اللہ کے متولّی رہے (یعنی اتنی مدّت تک مکے کی سرداری ان کے پاس رہی، اس کی اولاد میں آخری آدمی حُلیل تھا جس کی بیٹی سے قصیٰؑ نے شادی کر لی تھی جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

**جن کے ذریعہ پانچ مشہور بُت** ...... ایک روایت ہے کہ عمرو ابن لُحی کے ایک جن تابع تھا عمرو نے اس جن کو حکم دیا کہ جدّہ جا اور وہاں سے وہ بت لے کر آ کہ جو نوحؑ اور ادریسؑ کے زمانے میں پوجے جاتے تھے۔ ان بتوں کے نام یہ تھے۔ وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق، نسر۔ چنانچہ وہ جن گیا اور ان بتوں کو مکے لے آیا۔ اس کے بعد عمرو نے لوگوں سے ان بتوں کی عبادت کے لئے کہا۔ اس کے بعد عرب میں بتوں کی پوجا عام ہو گئی (اور ہر قبیلے نے اپنا اپنا بُت مخصوص کر لیا) وَدّ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا۔ سُواع قبیلہ ہمدان کا تھا۔ ایک روایت کے مطابق سُواع قبیلہ بنی ہُذیل کا تھا۔ یغوث قبیلہ مذحج کا تھا (مذحج یمن کے ایک قبیلے کا مورث اعلیٰ تھا) یعوق قبیلہ مراد کا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یعوق قبیلہ ہمدان کا تھا اور نسر قبیلہ حمیر کا تھا۔

**یہ بت گذشتہ صالحین کی شکلوں میں** ...... یہ سب بت ان انسانوں کی شکل کے تھے جو قدیم زمانے میں جب مرے تو ان کے زمانے کے لوگوں نے (ان کی نیکی کی وجہ سے) ان کا بہت غم منایا۔ ابلیس لعین نے (ان کو غم زدہ دیکھ کر اور اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر) ان لوگوں کے لئے مرنے والوں کی شکل کے بت دھات اور تانبے سے بنا دیئے، تاکہ سوگ منانے والے ان کی شکل کے بتوں کو دیکھ کر تسکین حاصل کریں۔ لوگوں نے ان

تصویروں کو اپنی مسجد کے آخری حصے میں اٹھا کر رکھ دیا۔ جب اس دور کے لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کی اولاد سے کہا کہ یہ تمہارے باپ دادا کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

ابلیس بت پرستی کا موجد...... اس کے بعد طوفان نوحؑ نے ان بتوں کو سمندر کے ساحل میں دفن کر دیا مگر شیطان نے ان کو پھر باہر نکال لیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کے پانچ بیٹے تھے جو بہت نیک و صالح تھے ان کے نام وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نَسر تھے جب وُدّ کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کو اس کا شدید صدمہ اور رنج ہوا اور وہ سب اسکی قبر کے گرد جا کر بیٹھ گئے کسی وقت قبر سے علیٰحدہ نہیں ہوتے تھے۔ یہ واقعہ شہر بابل کے علاقے کا ہے۔ جب ابلیس نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے اس کی شکل کی ایک تصویر گھڑ دوں تاکہ جب تم اسے دیکھو تو اس کی یاد تازہ ہو جایا کرے۔ لوگوں نے کہا ہاں بنا دو۔ شیطان نے مرنے والے کی صورت کا بت بنا دیا۔ اس کے بعد ان پانچوں میں سے جب بھی کوئی مرتا تو ابلیس اس کی شکل کا بت بنا دیتا۔ لوگوں نے ان بتوں کے وہی نام رکھے جو ان آدمیوں کے تھے۔

اولاد آدم میں بت پرستی...... پھر زمانہ گزرتا گیا، باپ دادا مر گئے، بیٹے مر گئے پھر بیٹوں کے بیٹے بھی گزر گئے۔ اب شیطان نے بعد والوں سے کہا کہ تمہارے سے پہلے لوگ ان تصویروں کو پوجا کرتے تھے اس لئے تم بھی ان کو پوجو۔

ظہور نوحؑ اور کوشش اصلاح...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے حضرت نوحؑ کو بھیجا، نوحؑ نے لوگوں کو ان بتوں کی پرستش سے روکا مگر انہوں نے نہیں مانا۔

دور نوحؑ اور آغاز بت پرستی...... حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرن کا فاصلہ ہے اس میں سب لوگ شریعت حقہ پر عمل کرتے رہے۔ سب سے پہلے بتوں کی پوجا نوحؑ کی قوم میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو اس سے روکا۔

عرب میں بت پرستی کا رواج...... کہا جاتا ہے کہ عمرو ابن لحی نے ہی منات کا بت سمندر کے ساحل پر نصب کیا تھا جو قدید کے علاقے سے ملحق ہے۔ قبیلہ ازد کے لوگ وہاں (یعنی منات کے پاس حج کے لئے جایا کرتے تھے اور اس کی بہت عظمت کرتے تھے۔ اسی طرح اوس و خزرج اور قبیلہ غسان کے لوگ بھی اس بت کی بہت عظمت کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے بعض آیات قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت پاک کے ذیل میں لکھا ہے۔

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ)[15]

(ترجمہ)۔ اور اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کئے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں
(سورۂ رعد پ ۱۳ ار کوع ۲)

بت پرستی کا سبب...... در حقیقت بت نصب کرنے کی اصل قدیم زمانے کے علماء کی تنزیہ کے سلسلے میں شدت ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر چیز سے منزّہ (پاک اور بری) قرار دیا اور اپنے عوام کو بھی اسی کا حکم دیا۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ عوام میں سے کچھ لوگوں نے (اس کے نتیجے میں) اس کو تعطیل[1] سے تعبیر کیا تو انہوں نے ان کیلئے بت نصب کرا دیئے اور انہیں ریشمی لباس اور جواہرات

---

[1] شدت تنزیہ اور تعطیل سے مراد یہ ہے کہ ذات باری کو جسم اور زمان و مکان کے ساتھ ساتھ صفات سے بھی (نعوذ باللہ) بری اور منزّہ مان لینا (مرتب)

پہنائے اور سجدے وغیرہ سے ان کی تعظیم کی تاکہ اس کے ذریعہ وہ اس حقانیت کو یاد رکھ سکیں جو ان کی عقلوں سے نکل گئی تھی۔ حالانکہ خود ان علماء کی عقلوں سے یہ بات نکل گئی کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں ہے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا حوالہ ہے۔

**اساف و نائلہ کی اصلیت**...... بنی جُرہم کے زمانے میں ایک فاسق و فاجر شخص تھا جس کا نام اساف تھا۔ اس نے ایک عورت کے ساتھ جس کا نام نائلہ تھا عین کعبہ کے اندر ناشائستہ حرکت یعنی بوس و کنار کیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے وہاں زنا کیا (اس بے ہودگی کے نتیجہ میں) یہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کے ہوگئے چنانچہ ان دونوں کو وہاں سے ہٹا کر صفاء اور مروہ پر نصب کر دیا گیا تاکہ انہیں دیکھ کر لوگوں کو عبرت ہو۔

**ابن لُحی کی جدّت**...... جب عمرو ابن لُحی کا زمانہ آیا تو اس نے ان دونوں کو وہاں سے اٹھا کر کعبہ کے گرد یعنی زمزم کے کنویں کے منہ پر نصب کر دیا۔ اب جو شخص بھی طواف کرتا تو وہ ان دونوں سے مسح کرتا اور اساف سے شروع کرتا اور نائلہ پر ختم کرتا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ عمرو ہُبل اور دوسرے پانچ بت نہیں لایا تھا (چنانچہ اس وقت قریش ان دونوں سے مسح بھی کرتے) اور ان کے پاس جانور بھی ذبح کرتے۔

ایک روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے نائلہ کا بت توڑا تو اس میں سے ایک سیاہ فام عورت نکلی جس کے بال الجھے ہوئے تھے اور جو اپنا چہرہ نوچ رہی تھی اور چیختی چلّاتی جاتی تھی۔

**ابن لُحی کے عقائد**...... عمرو ابن لُحی اپنی قوم کے لوگوں سے کہتا تھا کہ خدا سردی کے زمانے میں طائف میں لات بت کے پاس رہتا ہے اور گرمی میں عزّیٰ بت کے پاس رہتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ ان دونوں بتوں کی بہت تعظیم کرتے تھے اور جس طرح قربانی کا جانور کعبہ میں بھیجتے تھے اسی طرح ان دونوں کے پاس بھی بھیجتے تھے۔

**قصیٰ کی اصلاحات**...... قصیٰ (نسب رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں جس کا اصل ذکر چل رہا ہے) ہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے قریش کو حکم دیا کہ وہ حرم کے اندر بیت اللہ کے گرد اپنے مکانات تعمیر کریں۔ اس نے ان سے کہا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو عربوں پر تمہاری ہیبت بیٹھ جائے گی اور پھر وہ تم سے جنگ کو ناجائز سمجھیں گے (یعنی چونکہ بیت اللہ اور حرم کے اندر قتال و خوں ریزی کو تمام عرب ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے اگر تمہارے مکانات حرم کے اندر ہوں گے تو عربوں کے لئے تم سے کسی بھی معاملے میں جنگ کرنا ممکن نہ رہے گا اور اس طرح چونکہ تم عربوں کی دسترس سے باہر ہو جاؤ گے تو ان پر تمہاری ہیبت چھا جائے گی)۔

**حرم میں مکانات**...... چنانچہ قریش نے کعبہ کے چاروں طرف اپنے مکانات بنا لئے اور انہوں نے اپنے اپنے مکانوں کے دروازے حرم کی طرف کھول لئے۔ قبیلہ قریش کی ہر شاخ کا ایک ایک دروازہ تھا جس کا نام اسی شاخ کے نام پر رکھا گیا اور آج تک انہیں کے نام پر منسوب ہے مثلاً باب بنی شیبہ، باب بنی سہم، باب بنی مخزوم اور باب بنی جمح۔ (یہ مکانات اس طرح بنائے گئے کہ طواف کرنے کے لئے بیت اللہ کے چاروں طرف جگہ چھوڑی گئی تھی)۔

**دار الندوہ کی تعمیر**...... اس کے بعد قصیٰ نے ایک دار الندوہ یعنی دار المشورہ بنایا۔ (اس سے پہلے مکہ میں کوئی عمارت نہیں تھی، قصیٰ پہلا آدمی ہے جس نے بلند عمارتیں بنانے کا حکم دیا اور قریش کے اہم معاملات طے کرنے کیلئے ایک دار المشورہ بنایا جس کا نام دار الندوہ تھا) یہ پہلا مکان ہے جو مکے میں تعمیر کیا گیا۔

**دور اسلام میں توسیعات حرم**...... قصیٰ کے بعد سے حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے تک

یہی صورت رہی کہ کعبہ کے گرد صرف طواف کرنے کی بقدر جگہ تھی اور (بیت اللہ کے احاطے) کی کوئی دیوار نہیں تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے یہ مکانات خرید لئے اور ان کو گرا کر بیت اللہ کے گرد مسجد کی دیوار تعمیر کرائی، پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے (اس سے آگے کے) دوسرے مکانات بھی خرید لئے اور ان کی کافی گراں قیمت ادا کی، پھر انہیں منہدم کر کے مسجد حرام کو وسیع کیا۔ ان کے بعد حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے مسجد حرام میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد عبد الملک ابن مروان نے مسجد کی دیواروں کو بلند کرایا اور اس پر ساج کی لکڑی (ٹیک) کی چھت ڈلوائی اور اس کی خوب صورت عمارت بنوا دی مگر مسجد میں اضافہ نہیں کیا۔ پھر ولید ابن عبد الملک نے مسجد حرام کو اور زیادہ وسیع کیا اور اس میں سنگ مرمر کے ستون قائم کئے۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید کے باپ مہدی نے اس میں دو مرتبہ اضافہ کرایا اس کے بعد اب تک مسجد حرام جوں کی توں ہے (یعنی مؤلف کتاب کے زمانے تک)

**قریش میں عظمت بیت اللہ** ...... بیت اللہ کے چاروں طرف مکانات بنانے سے پہلے قریش بیت اللہ کی بہت عظمت کرتے تھے اور احترام کی وجہ سے اس میں رات نہیں بسر کرتے تھے یہاں تک کہ جب کسی شخص کو قضاء حاجت کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ حرم کی حدود سے باہر حل میں جایا کرتا تھا۔

ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مکے میں تھے تو قضائے حاجت کے لئے مکے سے دو تہائی فرسخ کے فاصلے پر مغمس کے مقام پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

**شجر حرم کاٹنے سے خوف** ...... (جب قریش نے حرم میں مکانات تعمیر کئے) تو حرم کے جو درخت ان کے مکانات میں آگئے تھے ان کو کاٹنے سے انہیں دہشت معلوم ہوئی، اس وقت مکے میں کانٹوں دار درخت اور جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں۔ قریش نے اس وقت کو قصیٰ کے سامنے رکھا۔ قصیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ ڈالو مگر قریش اس سے بہت خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے کہا ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں کہ ہم نے حرم کی توہین کی ہے۔ قصیٰ نے جواب دیا کہ تم ان درختوں کو اپنے مکانات کی وجہ سے کاٹ رہے ہو کسی فساد کی نیت سے نہیں کاٹ رہے ہو، جو شخص فساد کی نیت رکھے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے بعد قصیٰ نے خود اور اپنے مددگاروں کے ذریعہ درخت کاٹ ڈالے۔

سہیلی نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب قریش نے مکانات بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے قصیٰ سے کہا کہ حرم کے درختوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے تعمیر کریں۔ قصیٰ نے لوگوں کو درختوں کے کاٹنے سے روکا اور انجام اور سزا سے انہیں ڈرایا۔ اسی لئے جب ان میں سے کوئی تعمیر شروع کرتا تھا تو درختوں کے چاروں طرف بنیاد کھودتا تھا، تاکہ درخت مکان کے اندر آجائیں۔ وہ پہلے آدمی جنہوں نے مکان کے لئے حرم کے درخت کاٹنے کے سلسلے میں نرمی اختیار کی عبد اللہ ابن زبیر ہیں جبکہ انہوں نے قعیقعان میں مکانات بنائے، مگر انہوں نے بھی ہر درخت کاٹنے کے بدلے میں ایک ایک گائے قربان کی۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت قابل غور ہے۔

**قریش بطاح اور قریش ظواہر** ...... قصیٰ نے قریش کے لوگوں کو مکے میں لا کر بسایا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس نے قبیلہ قریش کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا تھا اور مکے کے نواح میں انہیں پہاڑی اور میدانی علاقوں میں بسایا تھا۔ اسی لئے پہاڑی حصے میں رہنے والے قریش کو قریش بطاح اور میدانی حصے میں رہنے والوں کو قریش ظواہر

کہا جاتا تھا۔ قریش بطاح، قریش ظواہر کے مقابلے میں اشرف سمجھے جاتے تھے۔ بنی ہاشم یعنی رسول اللہ ﷺ کا خاندان قریش بطاح میں سے تھے۔ اسی بات کی طرف صاحب اصل (یعنی صاحب عیون الاثر) نے آنحضرت ﷺ کی شان میں لکھی گئی اپنی نعت میں اشارہ کیا ہے۔

مِنْ بَنِيْ هَاشِمِ بْنِ عَبْدَ مَنَافَ
وَبَنُوْ هَاشِمٍ بِحَارُ الْحَيَاءِ

آپ بنی ہاشم ابن عبد مناف میں سے ہیں
اور بنی ہاشم جود و سخا کا سمندر ہیں

مِنْ قُرَيْشِ الْبِطَاحِ مَنْ عَرَفَ النَّاسُ لَهُمْ فَضْلَهُمْ بِغَيْرِ امْتِرَاءِ

یہ قریش بطاح میں سے ہیں اور ان کی فضیلت کو لوگ بغیر کسی شک و شبہ کے جانتے ہیں۔

**موسم حج میں قصیٰ کا خطاب** ...... بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ بنی کنانہ میں قصیٰ پہلا آدمی ہے جسے سرداری حاصل ہوئی۔ جب حج کا موسم آیا تو اس نے قریش سے کہا:

"حج کا موسم آگیا اور جو کچھ تم نے کیا ہے عرب اس کو سن چکے ہیں (یعنی تم نے جو حرم کے اندر مکانات تعمیر کر لئے ہیں) وہ تمہاری تعظیم کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عرب کھانے سے زیادہ کسی چیز کا احترام نہیں کرتے اس لئے تم میں سے ہر شخص اپنے مال میں سے خراج نکالے"۔

**حجاج کی ضیافت** ...... تاکہ اس کے ذریعہ حاجیوں کے واسطے کھانے کا انتظام کیا جائے) چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور اس طرح بہت سارو پیہ اکٹھا ہو گیا۔ جب حج کا موسم شروع ہوا تو قصیٰ نے مکے کے راستوں میں ہر ہر راستے پر اونٹ ذبح کرائے اسی طرح خاص مکے میں بھی اونٹ ذبح کرائے، ثرید اور گوشت تیار کرایا اور حاجیوں کو میٹھا پانی اور دودھ پلوایا۔ قصیٰ پہلا آدمی ہے جس نے مزدلفہ میں آگ جلائی تاکہ لوگ اس کو روانگی کی رات میں عرفات سے دیکھ لیں۔ قصیٰ کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:۔

**قصیٰ کے مشہور اقوال** ...... "جس نے ملامت والے آدمی کی تکریم و عزت کی وہ اس کی ملامت میں شریک ہو گیا، جس نے برے کو پسند کیا وہ اس کی برائی میں شریک ہو گیا، جس کو بھلائی راس نہ آئے اس کو برائی راس آتی ہے، اور جس نے اپنی حیثیت سے زیادہ کی طلب کی وہ محرومی اور پست دشمن کے حسد کا شکار ہوا"۔

جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد سے کہا:۔

"شراب سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ بدن کو ٹھیک کرتی ہے مگر ذہن کو خراب کر دیتی ہے"۔

**جملہ اعزاز و مناصب پر قبضہ** ...... قصیٰ مکہ کا تمام شرف و اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا چنانچہ منصب سقایہ، منصب رفادہ، منصب حجابہ دار الندوہ، منصب لواء (جنگوں میں جھنڈا اٹھانے کا منصب۔ بقیہ تمام مناصب کی تفصیل اور تشریح آگے آرہی ہے) اور منصب قیادت، تمام مناصب اسی کے قبضے میں آچکے تھے۔

**قصیٰ کے بیٹے عبد الدار و عبد مناف** ...... قصیٰ کا سب سے بڑا بیٹا عبد الدار تھا۔ عبد مناف عمر میں تو سب سے بڑا نہیں تھا مگر قصیٰ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ معزز اور محترم تھا اس لئے کہ اس کی عزت اپنے باپ قصیٰ کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی اور شہرت ہر چہار طرف پھیل چکی تھی۔ عبد مناف کے اس شرف و عزت میں ان کا بھائی مطلب بھی اس کا ہم پلہ تھا، چنانچہ ان دونوں کو بدران یعنی دو چاند کہا جاتا تھا۔ عبد مناف کی انتہائی سخاوت کی

وجہ سے قریش کے لوگ انہیں فیاض بھی کہا کرتے تھے۔

**تمام مناصب عبد الدار کو**...... قصیٰ نے یہ تمام مناصب اور عہدے یعنی سقایہ، رفادہ، حجابہ، ندوہ، لواء اور قیادت اپنے سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دے دیئے۔ اس نے عبد الدار سے کہا" میں قوم (یعنی عبد الدار کے دونوں بھائیوں عبد مناف اور مطلب) کو تیرا پابند کرتا ہوں۔ وہ اگرچہ اپنے شرف اور رتبہ میں تجھ سے بڑھ گئے ہیں مگر ان میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک کعبے میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تو ان کے لئے کعبہ کا دروازہ نہ کھولے (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منصب حجابہ یعنی کعبے کو کھولنے اور بند کرنے کا منصب چونکہ تجھے دیا گیا ہے جس کی چابیاں تیرے پاس رہیں گی اس لئے جب تک تو نہ چاہے گا اس وقت تک کوئی شخص کعبے میں داخل نہیں ہو سکے گا (یہ منصب حجابہ کا اعزاز ہے) اور جنگ کے وقت قریش کے لئے جھنڈا تمہارے سوا کوئی تیار نہیں کرے گا یہ منصب لواء کا اعزاز ہے) اور مکے میں کوئی تمہارے سوا کسی ذریعہ سے پانی نہیں پی سکے گا (یہ منصب سقایہ کا اعزاز ہے) اور حج کے زمانے میں کوئی حاجی تمہارے علاوہ کسی ذریعہ سے کھانا نہیں کھا سکے گا (یہ منصب رفادہ کا اعزاز ہے) اور قریش میں سے کوئی شخص اپنا معاملہ تمہارے گھر کے سوا کہیں طے نہیں کر سکے گا (یہ دار الندوہ کا اعزاز ہے) اور تمہارے سوا کوئی شخص قوم کا قائد نہیں بن سکے گا (یہ منصب قیادت کا اعزاز ہے)

**عبد مناف مناصب چھیننے کے درپے**...... اس کے بعد جب عبد الدار اور اس کا بھائی عبد مناف مر گئے تو عبد مناف کی اولاد نے ارادہ کیا کہ اپنے چچا عبد الدار کی اولاد سے یہ سارے مناصب چھین لئے جائیں۔ بنی عبد مناف میں ہاشم، عبد شمس اور مطلب تھے۔ یہ سب کے سب ایک ہی ماں کی اولاد تھے، ان کی ماں یعنی عبد مناف کی بیوی عاتکہ بنت مُرّہ تھی، ان کا ایک بھائی نوفل تھا جس کی ماں (یعنی عبد مناف کی دوسری بیوی) واقدہ بنت حرمل تھی۔

**بنی عبد الدار کے خلاف حلف**...... بنی عبد مناف نے بنی عبد الدار سے یہ تمام مناصب چھیننے کا ارادہ کر کے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بنی عبد مناف نے خوشبو سے بھرا ہوا ایک پیالہ نکالا اور اسے اپنے حامیوں کے لئے حرم میں باب کعبہ کے پاس رکھ دیا۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ اس پیالہ میں ڈبوئے اور انہوں نے ان کے حلیفوں اور حامیوں نے (ایک دوسرے کی مدد کا) حلف اٹھایا۔ پھر معاہدہ کو مزید پختہ کرنے کے لئے سب نے کعبہ کو اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ ان لوگوں کا نام مطیبین پڑا۔ یہ پیالہ اُم حکیم بیضاء بنت عبد المطلب نے نکالا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ انہوں نے وہ پیالہ حجر اسود پر رکھ کر کہا کہ جو شخص یہ خوشبو لگائے گا وہ ہم میں سے ہے۔ چنانچہ بنی عبد مناف کے ساتھ (ان کے حلیفوں) بنی زہرہ، بنی اسد ابن عبد العزیٰ، بنی تیم ابن مرّہ اور بنی حرث ابن فہر نے بھی اس سے خوشبو لگائی چنانچہ مطیبین میں قریش کے پانچ قبیلے تھے۔

**بنی عبد الدار کا حلف**...... اسی طرح بنی عبد الدار نے بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان کے حلیفوں میں بنی مخزوم بنی سہم، بنی جمح اور بنی عدی ابن کعب تھے جنہوں نے حلف لیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور ایک دوسرے سے غافل نہیں ہوں گے، ان کا لقب اس حلف کی وجہ سے احلاف پڑا۔ انہوں نے خون سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا تھا جو انکے کاٹے ہوئے اونٹوں کا خون تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ جو شخص اس خون میں ہاتھ ڈال کر چاٹے گا وہ ہم میں سے ہے۔ چنانچہ سب لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے اور پھر اسے چاٹتے ان کا لقب

لعقتہ الدم پڑا، ایک روایت ہے کہ جنہوں نے خون چاٹا اور لعقتہ الدم کہلائے وہ خاص طور پر بنی عدی ہیں۔

**مناصب کی تقسیم پر صلح** ...... پھر ان میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ منصب سقایہ، منصب رفادہ اور منصب قیادہ بنی عبد مناف لے لیں اور منصب حجابہ اور منصب لواء۔ بنی عبد الدار کے پاس رہے جبکہ دار الندوہ ان دونوں قبیلوں کے درمیان مشترک رہے۔ اس پر ان دونوں نے حلف اٹھایا۔ یہ بات میں نے مشرق میں دیکھی ہے جو آداب مشرق اور اس کے تمدن میں شامل ہے۔

(ایک روایت یہ ہے کہ) عبد مناف اپنے باپ قصیٰ کی زندگی میں ہی زبردست شرف و منزلت کا مالک بن چکا تھا اور ہر طرف اس کا شہرہ ہو چکا تھا جبکہ قصیٰ اپنے دوسرے بیٹے عبد الدار سے زیادہ محبت کرتا تھا، اس لئے اس نے چاہا کہ (اس کو ایسے منصب دے دوں جن سے) اس کی یاد باقی رہے۔ اس لئے اس نے عبد الدار کو منصب حجابہ، دار الندوہ اور منصب لواء، دے دیا اور عبد مناف کو منصب سقایہ، منصب رفادہ اور منصب قیادہ دے دیا۔

عبد الدار نے (اپنے آخری وقت میں اپنے منصبوں میں سے) منصب حجابہ اپنے ایک بیٹے عثمان کو دے دیا اور دار الندوہ اپنے دوسرے بیٹے عبد مناف ابن عبد الدار کو دے دیا (یہ عبد مناف دوسرے ہیں جو عبد الدار کے بیٹے ہیں یعنی چچا اور بھتیجے کا نام ایک ہی تھا) پھر یہ منصب حجابہ عبد العزیٰ ابن عثمان ابن عبد الدار کو ملا اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو۔

**حرم میں پانی کا انتظام** ...... منصب سقایہ کے تحت کچھ مشکیں تھیں جو بیت اللہ کے صحن میں رکھی جاتی تھیں، ان میں میٹھا پانی لا کر بھرا جاتا تھا جو دور دراز کنوؤں سے مختلف برتنوں میں بھر کر اونٹوں کے ذریعے مکے لایا جاتا تھا۔ یہ زمزم کا کنواں کھودے جانے سے پہلے کی بات ہے، کبھی کبھی ان میں کھجور اور کشمش بھی ڈال دی جاتی تھی، اس طرح حاجیوں کے لئے واپسی تک پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔

**عبد المطلب کی ننھیال سے مدد خواہی!** ...... اس منصب سقایہ اور منصب رفادہ پر عبد مناف کے بعد اس کے بیٹے ہاشم فائز ہوئے اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبد المطلب۔ عبد المطلب نہایت باعزت اور فیاض تھے اور لوگ ان کا حکم مانتے تھے، قریش کے لوگ ان کی سخاوت کی وجہ سے انہیں فیاض کہنے لگے تھے۔ جب عبد المطلب بڑے ہو گئے تو یہ منصب سقایہ اور منصب رفادہ ان کو مل گئے (کیونکہ یہ مناصب ہاشم کی نوجوانی میں وفات کی وجہ سے ان کے بھائی یعنی عبد المطلب کے چچا مطلب کے پاس تھے) جب مطلب مر گئے تو عبد المطلب سے ان کے چچا نوفل ابن عبد مناف نے زبردستی ان کے مکانات وغیرہ چھین لئے۔ عبد المطلب نے اپنی قوم کے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ ان کے چچا کے خلاف ان کی مدد کریں مگر قریش نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتے۔ آخر عبد المطلب نے مدینے میں اپنی ننھیال کے لوگوں یعنی بنی نجار کو لکھا میرے ساتھ میرے چچا نوفل نے یہ معاملہ کیا ہے، جب عبد المطلب کے ماموں ابو سعد ابن عدی ابن نجار کو بھانجے کا خط ملا تو وہ اسے پڑھ کر رونے لگا۔

**نوفل کے خلاف بھانجے کی مدد** ...... پھر وہ اسی (۸۰) سواروں کو لے کر مدینے سے روانہ ہوا اور مکے پہنچا جہاں وہ ابطح میں ٹھہرا عبد المطلب نے اس سے ملاقات کی اور اسے گھر لے جانا چاہا۔ مگر ابو سعد نے کہا۔

"نہیں! خدا کی قسم اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں نوفل سے نہ مل لوں"۔

عبدالمطلب نے ماموں کو بتلایا کہ میں اسے حجر اسود کے مقام پر قریش کے بزرگوں کے درمیان چھوڑ کر آرہا ہوں۔ ابو سعد فوراً روانہ ہوا اور نوفل کے پاس پہنچ کر رکا۔ نوفل فوراً کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا۔ ابو سعد! صبح بخیر۔ ابو سعد نے جواب دیا۔ تیرے لئے خدا نے صبح بخیر نہیں کی۔ یہ کہہ کر ابو سعد نے تلوار کھینچ لی اور کہا:۔

"اس عمارت کے رب کی قسم! اگر تو نے میرے بھانجے کے مکانات واپس نہیں کئے تو میں اس تلوار کو تیرے خون سے رنگین کر دوں گا"۔

نوفل نے کہا کہ میں نے وہ مکانات واپس کر دیئے۔ اس بات پر قریش کے بزرگ گواہ ہوئے۔

اس کے بعد ابو سعد اپنے بھانجے عبدالمطلب کے مکان پر پہنچا اور وہاں تین دن ٹھہرا، پھر اس نے عمرہ کیا اور مدینے واپس چلا گیا۔

بنی ہاشم و خزاعہ میں معاہدہ...... جب یہ واقعہ پیش آیا نوفل اور اس کی اولاد نے اپنے بھائی (یعنی نوفل کے بھائی) عبد شمس کی اولاد سے بنی ہاشم کے خلاف معاہدہ کیا اور بنی ہاشم نے بنی خزاعہ کے ساتھ بنی نوفل اور بنی عبد شمس کے خلاف معاہدہ کیا۔ بنی خزاعہ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی حمایت کے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ عبد المطلب کے دادا عبد مناف کی ماں بنی خزاعہ کے سردار حُلیل کی بیٹی تھی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ چنانچہ بنی خزاعہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ اٹھو ہم تمہارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دار الندوہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے حلف لے کر آپس میں معاہدہ کیا اور ایک تحریر اس طرح لکھی:۔

تحریر معاہدہ...... اللہ کے نام کے ساتھ۔ اس بات پر بنی ہاشم اور بنی خزاعہ میں عمرو ابن ربیعہ کے لوگوں نے معاہدہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے کی اس وقت تک مدد اور ہمدردی کرتے رہیں گے جب تک کہ بحر صوفہ میں تری رہے اور جب تک کوہ شبیر پر سورج کی شعاعیں پڑتی رہیں اور جب تک کہ مرغزاروں میں اونٹ چرتے رہیں اور جب تک کہ کوہان اغشیان قائم ہیں اور جب تک مکے میں لوگ عمرہ کرتے رہیں۔" ان سب چیزوں سے مراد ابد ہے (یعنی ہم لوگ ابد الآباد تک ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے)۔

سقایہ بنی عباس میں...... چاہ زمزم کھودے جانے کے بعد عبدالمطلب اس میں سے پانی لے کر منصب سقایہ کے حوضوں میں بھرا کرتے تھے اور اس میں کھجور اور کشمش ڈالا کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد اس خدمت پر ان کے بیٹے ابو طالب کھڑے ہو گئے، پھر اچانک کچھ سال ایسے آئے کہ اس میں (تجارت میں نقصان ہو جانے کی وجہ سے) ابو طالب سخت مفلس اور تنگ دست ہو گئے انہوں نے اپنے بھائی عباسؓ سے اگلے حج کے موسم تک کے واسطے دس ہزار درہم قرض حاصل کئے اور اس سال میں حاجیوں کی خدمت پر سقایہ کے سلسلے میں یہ روپیہ خرچ کیا۔ جب اگلا سال آیا تو اس وقت بھی ابو طالب کے پاس روپیہ پیسہ بالکل نہیں تھا جس سے وہ اپنے بھائی عباسؓ کا قرض ادا کر دیتے انہوں نے عباسؓ سے کہا کہ مجھے چودہ ہزار درہم اگلے موسم حج تک کے وعدے پر اور دیدو اس وقت میں تمہاری کل رقم ادا کر دوں گا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ اگر تم نے آئندہ موسم بھی قرض ادا نہ کیا تو تم منصب سقایہ میرے حوالے کر دو گے۔ ابو طالب اس پر تیار ہو گئے۔ جب اگلا سال آیا تو اس وقت بھی ابو طالب کے پاس اپنے بھائی کا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا، اس لئے انہوں نے منصب سقایہ ان کے حق میں چھوڑ دیا اس کے بعد سے منصب سقایہ حضرت عباسؓ اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس آیا۔ پھر یہ منصب خلیفہ سفاح کے زمانے تک بنی عباس ہی میں رہا۔ پھر

بنی عباس نے اس کو چھوڑ دیا۔

رفادہ یا حجاج کی مہمانداری...... منصب رفادہ حج کے زمانے میں لوگوں کی واپسی تک ان کے لئے کھانے کے انتظام کو کہا جاتا تھا۔ قریش کے لوگ قصیٰ کے زمانے میں اپنے مال میں سے ہر موسم حج میں ٹیکس کی رقم نکالتے تھے جو قصیٰ کو دے دی جاتی تھی۔ اس رقم میں سے موسم حج میں کھانا تیار کیا جاتا اور حاجیوں میں ہر وہ آدمی جو غریب و نادار ہو پورے موسم حج میں یہاں سے کھانا کھاتا تھا۔

یہ منصب بنی ہاشم میں...... اس منصب پر قصیٰ کے بعد اس کا بیٹا عبد مناف آیا پھر اس کے بعد عبد مناف کے بیٹے ہاشم کو یہ منصب حاصل ہوا، ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب کو پھر ان کے بیٹے ابو طالب کو حاصل ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ (عبدالمطلب کی طرف سے یہ منصب) ان کے بیٹے عباس کو ملا۔ اس کے بعد یہ منصب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں اسی طرح باقی رہا۔ پھر اس کے بعد دور خلافت میں باقی رہا یہاں تک کہ بغداد سے خلافت ختم ہو کر مصر میں پہنچی۔

قیادت بنی امیہ میں...... منصب قیادت سے مراد قافلہ سالاری ہے۔ اس منصب پر عبد مناف کے بعد اس کا بیٹا عبد شمس فائز ہوا، اس کے بعد عبد شمس کا بیٹا امیہ، اس کے بعد اس کا بیٹا حرب پھر اس کا بیٹا ابو سفیان جو غزوات اور لڑائیوں میں فوج کی قیادت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہی غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب میں کفار کی فوج کی سالاری کی۔

اسی لئے (ایک دفعہ) ولید ابن عبدالملک نے خالد ابن یزید ابن معاویہ (جو ابو سفیان کی اولاد میں سے تھے) سے جب کہا کہ نہ تم قافلے کی سرداری کرتے ہو اور نہ فوج کی سالاری، تو خالد نے جواب دیا۔

"کیا کہتے ہو، قافلے اور فوج (کی سرداری و سالاری) تو میرے صندوق ہیں (یعنی گھر کی چیزیں ہیں) میرے دادا ابو سفیان سردار قافلہ تھے اور میرے دادا عتبہ ابن ربیعہ سالار سپاہ تھے"۔

دارالندوہ اور اس کے آداب...... دارالندوہ سے مراد وہ عمارت ہے جہاں قریش کے لوگ اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس عمارت میں صرف وہ شخص داخل ہو سکتا تھا جس کی عمر چالیس سال ہو چکی ہے۔ جب کوئی لڑکی جوان ہو جاتی تھی تو دارالندوہ میں داخل ہوا کرتی تھی۔ پھر عبد الدار کی اولاد میں سے کوئی شخص اس کی قمیص پھاڑتا اور پھر خود اس کو وہی قمیص پہناتا۔

قصیٰ کے بنائے ہوئے قوانین...... یہ قصیٰ کی قائم کی ہوئی سنت تھی۔ چنانچہ کوئی شخص قریش کی کسی عورت سے سوائے قصیٰ کے گھر یعنی دارالندوہ کے کہیں نکاح نہیں کر سکتا تھا۔ نہ کسی جنگ کا جھنڈا سوائے دارالندوہ کے کہیں تیار کیا جا سکتا تھا۔ نہ قریش کی کسی جوان ہونے والی لڑکی کو دارالندوہ کے سوا کہیں قمیص پہنائی جا سکتی تھی۔ پہلے اس کی قمیص پھاڑی جاتی اور پھر (بنی عبدالدار میں سے کوئی شخص) اپنے ہاتھ سے وہ قمیص اس کو پہناتا۔ قصیٰ کے مرنے کے بعد قریش کے لوگ اس کے طریقوں کو ایک دین کی طرح اختیار کئے ہوئے تھے جس کا اتباع سب پر ضروری تھا۔

حکیم اور اس منصب کی فروختگی...... دارالندوہ بنی عبدالدار میں اولاد در اولاد رہا۔ یہاں تک کہ حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں آیا۔ حکیم نے اسلام قبول کرنے کے بعد دارالندوہ کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے حکیم ابن حزام کو ملامت کی اور کہا کہ تم اپنے باپ دادا کی عزت و عظمت کو

فروخت کر رہے ہو۔ حضرت حکیمؓ نے انہیں جواب دیا :۔

**انمول خرید و فروخت**...... "اب سوائے تقویٰ (یعنی اللہ کے خوف کے) سب عزتیں اور اعزاز ختم ہو چکے ہیں، میں نے خدا کی قسم اس دارالندوہ کو زمانۂ جاہلیت میں شراب کے ایک مٹکے کے بدلہ میں خریدا تھا (اشارہ ہے اپنے اجداد میں قصیٰ کی طرف جس نے ابوغبشان سے یہ دارالندوہ شراب کے ایک مٹکے کے بدلے میں خریدا تھا جیساکہ گزر چکا ہے) اور اب میں نے اس کو ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا ہے اور میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس کی تمام قیمت اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ اب بتاؤ کہ ہم میں سے کون گھاٹے میں رہا؟"

**قصیٰ اور شیعوں کی دلیل**...... ایک کمزور روایت ہے کہ قصیٰ ہی قریش کو جمع کرنے والا ہے۔ اسی لئے اس سے پہلے لوگوں میں کسی کی اولاد کو قریشی نہیں کہا جاتا۔ یہ روایت رافضیوں کی طرف منسوب ہے مگر یہ بالکل غلط روایت ہے۔ اس روایت کے ذریعہ دراصل شیعوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ثابت کریں کہ وہ قریش میں سے نہیں تھے اور اس لئے ان دونوں حضرات کو امامت عظمیٰ یعنی خلافت پر کوئی حق نہیں تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ امام یعنی قوم کے سردار ہمیشہ قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ایک دوسرے قول میں آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا کہ اس معاملے میں (یعنی سرداری میں) تم لوگ زیادہ حقدار ہو جب تک کہ تم حق پر رہو، الّا یہ کہ تم لوگ ہی حق کا راستہ چھوڑ دو۔

(اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ قریش میں سے نہیں رہتے) کیونکہ ان دونوں کا نسب رسول اللہ ﷺ سے قصیٰ کے بعد جا کر ملتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا نسب آنحضرت ﷺ سے مُرّہ پر جا کر ملتا ہے جیساکہ آگے آئے گا (مُرّہ، قصیٰ کے اجداد میں سے ہے) تیم ابن مُرّہ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان پانچ پشتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب کعب پر جا کر آنحضرت ﷺ سے ملتا ہے جیساکہ آگے آئے گا۔ اور حضرت عمرؓ اور کعب کے درمیان سات پشتیں ہیں۔

## ابن کلاب

قصیٰ بیٹا ہے کلاب کا۔ کلاب کا نام حکیم تھا۔ ایک روایت ہے کہ اس کا نام عروہ تھا۔ اس کا لقب کلاب (بمعنی کتّے) اس لئے پڑا کہ یہ شکار کا بہت شوقین تھا اور اس کا اکثر شکار کتّوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا تیسری پشت کا دادا ہے۔ اس طرح کلاب پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کا نسب ایک ہو جاتا ہے۔

## ابن مُرّہ

کلاب بیٹا ہے مُرّہ کا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کا چھٹی پشت میں دادا ہے اور امام مالکؒ اور حضور ﷺ کا نسب مُرّہ پر جا کر ان سے مل جاتا ہے۔

## ابن کعب

**کعب اور جمعہ کا دن**...... مُرّہ بیٹا ہے کعب کا۔ یہ حضرت عمرؓ کا ساتویں پشت میں دادا ہے۔ کعب اپنی قوم کو یوم عروبہ میں جمع کیا کرتا تھا یعنی یوم رحمت جس کو یوم جمعہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کعب پہلا آدمی ہے جس نے اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا کیونکہ اس دن قریش کے لوگ اس کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن حدیث میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ یوم جمعہ کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس

دن کا نام یوم جمعہ ہے۔ ابن حیہؒ کہتے ہیں کہ یوم عروبہ کا نام یوم جمعہ اسلام کے آنے سے پہلے تک نہیں رکھا گیا اس سلسلے میں جو بحث ہے وہ آگے آئے گی۔

**آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں**...... قریش کے لوگ کعب کے پاس جمع ہوتے وہ ان کو نصیحت کرتا اور ان کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق یاد دلاتا، وہ ان کو بتلاتا کہ آنحضرت ﷺ اس کی لولاد میں سے ہوں گے۔ کعب لوگوں کو حکم دیتا کہ (آپ ﷺ کی بعثت و ظہور کے بعد) وہ آپ کی پیروی کریں۔ وہ کہتا کہ تمہارے لئے ایک عظیم خبر آئے گی اور ایک کریم نبی ﷺ ظاہر ہوں گے، وہ ان کے سامنے شعر پڑھا کرتا جن کا آخری حصہ یہ تھا۔

عَلٰی غَفْلَةٍ یَاْتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ
فَیُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقٌ خَبِیْرُهَا

جہالت اور بے خبری کے دور میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے اور اس طرح خبریں بتلائیں گے جس طرح ایک جاننے والا بتلایا کرتا ہے۔

کعب یہ شعر بھی پڑھا کرتا

یَالَیْتَنِیْ شَاهِدٌ فَحْوَاءَ دَعْوَتِهٖ
حِیْنَ الْعَشِیْرَةُ تَبْغِی الْحَقَّ خُذْلَانًا

کاش میں ان کی دعاؤں کا اثر اس وقت دیکھنے والوں میں ہوتا جبکہ قبیلہ سچائی کو رسوا کرنے کی کوشش میں ہوتا۔

**کعب اور آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ**...... کعب اور آنحضرت ﷺ کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے امتاع میں ہے کہ پانچ سو بیس سال کا فاصلہ ہے۔ کیونکہ در حقیقت پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ کعب کی موت اور عام الفیل کے درمیان میں ہے (یعنی ہاتھیوں والا سال جس میں شاہ ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مکے پر چڑھائی کی تھی اس کو عام الفیل کہتے ہیں۔ اسی سال اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کا سال ہے۔ اسی طرح ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔

**کعب کی نصیحتیں**...... کہا جاتا ہے کہ کعب پہلا آدمی ہے جس نے "امّابعد" کہا (یہ کلمہ عربی میں آغاز تحریر یا تقریر کے وقت حمد و صلوٰۃ کے بعد استعمال کیا جاتا ہے) وہ کہا کرتا تھا۔

"امّا بعد! سنو اور سمجھو اور جانو اور یاد رکھو کہ تاریک راتیں، ایک روایت میں ہے کہ راتیں چادر کی طرح ہیں اور خشک اور روشن دن اور زمین کا بچھونا اور آسمان کی چھت اور پہاڑوں کو (زمین کے لئے) میخیں اور کیلیں اور ستاروں کو (مسافروں کی) رہنمائی کی علامتیں (خدا نے بنائی ہیں) اور پچھلے بعد والوں ہی کے جیسے ہیں، پس اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اور اپنے سسرالی رشتہ داروں کی حفاظت کرو اور اپنی پونجی کو بڑھاؤ (آخرت کا) گھر تمہارے سامنے ہے اور خیال اور اندازہ اس کے خلاف ہے جو تم کہتے ہو"۔

**کعب کی موت سے سن و تاریخ**...... کعب کو اس کے بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے کعب کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو اونچی اور بلند ہو کعب کہلاتی ہے، اسی وجہ سے کعبے کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعب کے اسی بلند مرتبے اور عظمت شان کی وجہ سے عربوں نے اس کی موت سے تاریخ کا حساب کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب

عام فیل آیا تو لوگوں نے اس سے تاریخ کا حساب کیا (کیونکہ عرب کے لئے یہ ایک عظیم اور بہت اہم واقعہ تھا) پھر عام فیل کے بعد عبدالمطلب کی موت سے بھی تاریخ جاری کی گئی (کیونکہ عبدالمطلب اپنے مرتبے اور عظمت کے لحاظ سے بہت افضل تھے اس لئے ان کی موت بھی ایک ایسا اہم حادثہ ثابت ہوئی کہ لوگ اس سے اپنے معاملات میں تاریخ کا حساب کرنے لگے)

### ابن لؤیؑ

کعب بیٹا ہے لُوئی کا۔ اس کو ہمزہ کے ساتھ زیادہ پڑھا جاتا ہے (اور بغیر ہمزہ کے بھی یعنی واؤ پر زبر کے ساتھ) اس کی تصغیر کے سبب میں اختلاف ہے۔

### ابن غالب ابن فہر

**فہر قریش کا مورث اعلیٰ**...... لوئی بیٹا ہے غالب کا اور غالب بیٹا ہے فہر کا۔ فہر نام اس کے باپ نے رکھا تھا۔ کیونکہ قَرَش کے معنیٰ ہیں تلاش کرنا)۔ ایک روایت یہ ہے کہ فہر اس کا لقب ہے اور اس کا نام قریش ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فہر لقب ہو اور قریش نام ہو کیونکہ قَرَشْ کے معنی ہیں تلاش کرنا، کیونکہ مؤرخین کا قول ہے کہ اس کا نام قریش اس لئے رکھا گیا کہ وہ تلاش میں رہتا تھا کہ محتاج اور ضرورت مند آدمیوں کی ضرورت کا سراغ لگائے اور اس کی ضرورت کو اپنے مال سے ختم کر دے۔ اس کے بیٹے حاجیوں کی ضروریات کا سراغ لگایا کرتے تھے اور (اپنے پیسے سے) ان کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کا نام قریش پڑا۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ فہر پر قریش کا نسب جمع ہو جاتا ہے اکثر مؤرخین کی رائے یہی ہے۔ زبیر ابن بکار کہتے ہیں کہ قریش کے اور دوسرے نسب داں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش فہر سے ہی پھیلے ہیں (یعنی فہر قریش کا مورث اعلیٰ ہے) یہ فہر حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کا چھٹی پشت میں دادا ہوتا ہے۔

**فہر کا کارنامہ اور عظمت**...... یمن کا حسّان ابن عبد کلال، بنی حمیر اور دوسرے قبائل کے ساتھ یمن سے مکے آیا تھا تاکہ کعبے کے پتھر یمن لے جائے اور ان سے وہاں ایک بیت (بیت اللہ کی طرح کا) بنائے اور لوگوں کو اس کا حج کرنے کے لئے آنے کی دعوت دے۔ حسان آکر نخلہ کے مقام پر ٹھہرا (فہر کو جب خبر ہوئی) تو اس نے عرب کے قبائل کو اکٹھا کیا اور حسان سے جنگ کرنے کے لئے نکلا، اس نے جنگ کی اور حسان کو گرفتار کر لیا حمیر اور دوسرے قبائل کے لوگ جو اس کے ساتھ آئے تھے شکست کھا کر چلے گئے۔ حسان تین سال تک قید رہا۔ پھر اس نے اپنی جان بخشی کے لئے بہت سا مال و دولت دیا اور رہائی حاصل کی۔ وہ مکے اور یمن کے درمیان مر گیا، اس وقت سے عربوں پر فہر کی ہیبت بیٹھ گئی۔ لوگ اس کی عظمت کرنے لگے اور اس کا نام بہت بلند ہو گیا۔

**فہر کی قیمتی نصیحت**...... فہر کے جو قول نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جو اس نے اپنے بیٹے غالب سے کہا تھا "تھوڑا مال جو تیرے ہاتھ میں ہے تیرے لئے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو تجھے ذلیل کرے چاہے وہ مال تیرا ہو ہی جائے"۔

### ابن مالک

فہر بیٹا ہے مالک کا۔ اس کو مالک اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ عرب کا مالک ہو گیا تھا۔

### ابن نضر

**قبیلہ قریش کا بانی نضر**...... مالک بیٹا ہے نضر کا اس کا لقب نضر اس کے حسن و جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے

پڑا۔ اس کا نام قیس تھا۔ فقہاء کے نزدیک وہ قریش کا مورث اعلیٰ ہے۔ اسی لئے اس سے پہلوں میں سے کسی کی اولاد کو قریشی نہیں کہا گیا اور اس کی تمام اولاد کو جن میں سے ایک مالک اور اس کی اولاد ہیں قریشی کہا جاتا تھا چنانچہ آں حضرت ﷺ سے قریش کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قریش نضر کی اولاد میں ہیں لیکن اس بنیاد پر کہ فہر قریش کا مورث اعلیٰ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا۔ مالک اور اس کی اولاد (یعنی فہر کے علاوہ دوسری اولاد) اور فہر کا دادا نضر اور اس کی اولاد قریش میں سے نہیں رہتے (کیونکہ اگر فہر کو جو نضر کا پوتا ہے قریش کا مورث اعلیٰ مان لیا جائے تو اس کے بھائی باپ، چچا اور دادا کو قریشی نہیں کہا جا سکتا)۔

## ابن کنانہ

**کنانہ ایک بلند مرتبہ انسان**...... نضر بیٹا ہے کنانہ کا۔ اس کو کنانہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی قوم کے لئے ایک پردہ بنا رہا۔ ایک روایت کے مطابق (اس لئے کنانہ کہا گیا کہ) وہ اپنی قوم کی پردہ پوشی کرتا رہا اور ان کے اسرار اور رازوں کی حفاظت کرتا رہا۔ یہ ایک نیک اور عظیم المرتبت بزرگ تھا۔ اس کے علم اور بزرگی کی وجہ سے عرب اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ :

**نبی کے متعلق پیش گوئی**...... "وقت آگیا ہے کہ مکے سے ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا، وہ لوگوں کو اللہ کی طرف، اور بھلائی، احسان اور شریفانہ اخلاق کی طرف بلائے گا، تمام اس کی پیروی کرنا اس سے تمہاری عزت اور شرف میں اضافہ ہوگا۔ اور جو کچھ وہ لے کر آئے اس کو مت جھٹلانا اس لئے کہ وہ حق اور سچائی ہوگی"۔

**کنانہ کا قول زریں**...... ابن وحیہؒ کہتے ہیں کہ کنانہ تنہا کھانا کھانے کو ناپسند کرتا تھا (جس کی وجہ اس کی سخاوت و فیاضی تھی) اگر کبھی ساتھ کھانے کو کوئی شخص نہیں ملتا تھا تو ایک لقمہ کھاتا اور دوسرا ایک پتھر پر ڈالتا جاتا تھا جو اس نے اپنے سامنے رکھا ہوا تھا، ایسا وہ تنہا کھانے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کرتا تھا۔ اس کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :

"اکثر ظاہری صورت باطن کے خلاف ہوتی ہے جو اپنے حسن کی وجہ سے دھوکہ دیتی ہے لیکن اس کے نتائج کی برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ظاہری صورت سے بچو اور حقیقت کی تلاش کرو"۔

## ابن خزیمہ ابن مُدرکہ

**مُدرکہ میں نور نبی کی جھلک**...... کنانہ بیٹا ہے خزیمہ کا اور خزیمہ بیٹا ہے مُدرکہ کا۔ مُدرکہ کا نام عمرو ہے۔ اس کو مُدرکہ اس لئے کہا گیا کہ ہر وہ عزت و عظمت جو اس کے آباء و اجداد میں تھی اس نے حاصل کر لی تھی (مُدرک پانے اور حاصل کرنے والے کو کہتے ہیں) مُدرکہ میں آنحضرت ﷺ کا نور جھلکتا تھا شاید اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نور کا عکس مُدرکہ میں نظر آتا تھا۔

## ابن الیاس

مُدرکہ بیٹا ہے الیاس کا۔ اس لفظ میں الف کے نیچے زیر ہے۔ ایک روایت ہے کہ الف پر زبر ہے اور ایک روایت ہے کہ یہ ہمزۂ وصل ہے۔ اس قول کی نسبت جمہور کی طرف ہے۔

**کبیر قوم**...... کہا جاتا ہے کہ اس کا نام الیاس اس لئے ہوا کہ اس کے باپ مضر کی بہت عمر آگئی تھی مگر اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی (الیاس کے معنی مایوسی کے ہیں) پھر اس عمر میں اس کے بیٹا ہوا جس کا نام اس نے الیاس رکھا۔

مقام ابراہیم دریافت کرنے والا...... الیاس کی حیثیت اپنی قوم میں بہت بڑی تھی۔ یہاں تک کہ عرب اس کو کبیر قوم اور سردار خاندان کہا کرتے تھے اور اپنا کوئی معاملہ بھی اس کے بغیر طے نہیں کرتے تھے۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے قربانی کا جانور بیت اللہ میں بھیجا۔ اور یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے مقام ابراہیمؑ دریافت کیا جو طوفان نوحؑ کے وقت بیت اللہ کے ساتھ غرق ہو گیا تھا الیاس نے اس کو بیت اللہ کے زاویہ میں رکھا۔ حیات الحیوان میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ قابل غور ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ الیاس کو برا مت کہو اس لئے کہ وہ مؤمن تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ قریش کا مورث اعلیٰ تھا اسی لئے اس سے پہلوں کی اولاد میں سے کسی کو قرشی نہیں کہا گیا۔ الیاس اپنی صلب (یعنی ریڑھ کی ہڈی نسل اور اولاد) میں سے آنحضرت ﷺ کے تلبیہ کی دعاء جو حج کے دوران کی معروف دعا ہے سنا کرتا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ عرب میں ایسا تھا جیسے لقمان حکیم (مشہور دانشمند) اپنی قوم میں تھے۔ یہ پہلا آدمی ہے جو سِل کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی نے جس کا نام خندف تھا، بے حد ماتم کیا اور اس کے بعد وہ چھت کے نیچے نہیں گئی یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ خندف کے غم پر عربی میں ایک کہاوت بھی ہے۔

## ابن مضر

الیاس کے بیٹے ہیں مضر کے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قریش کے مورث اعلیٰ تھے اور اسی لئے ان سے پہلوں کی اولاد میں کسی کو قرشی نہیں کہا گیا۔ اس طرح قریش کے مورث اعلیٰ ہونے کے متعلق پانچ قول ہو گئے۔ ایک روایت قصی کے متعلق ہے، ایک فہر کے متعلق، ایک نضر کے متعلق، ایک الیاس کے اور ایک مضر کے متعلق ہے۔

مضر الحمراء لقب کی وجہ...... ان کو مضر الحمراء بھی کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے اور ان کے بھائی ربیعہ نے اپنے باپ کا ترکہ تقسیم کیا یعنی نزار کا (جو ان کا باپ تھا) تم مُضر نے سونا لے لیا اس لئے ان کو مضر الحمراء کہا گیا اور ربیعہ نے مویشی وغیرہ لے لئے اس لئے ان کو ربیعۃ الفرس کہا گیا۔

مضر و ربیعہ مومن تھے...... حدیث میں آتا ہے کہ ربیعہ او مضر کو برا مت کہو اس لئے کہ وہ دونوں مومن تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مضر کو برا مت کہو اس لئے کہ وہ ملت ابراہیمؑ پر تھا۔ ایک حدیث[1] غریب ہے کہ مضر کو برا مت کہو کیونکہ وہ دین اسماعیلؑ پر تھا۔

مضر کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

"جو شخص برائی بوئے گا وہ ندامت اور شرمندگی کا پھل کاٹے گا"۔

(اقول۔ مؤلف کہتے ہیں) قریش کے کعبہ کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں ذکر آئے گا کہ انہیں اس میں چند تحریریں ملیں جو سریانی زبان میں تھیں ان میں سے ایک تحریر تھی جس میں لکھا تھا۔

"جس نے بھلائی بوئی وہ خوشی و خوش حالی کاٹے گا، اور جو برائی بوئے گا وہ ندامت کاٹے گا"

اس کے بعد پوری تحریر ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ابو عبیدہ بکری کہتے ہیں کہ مضر کی قبر روحاء کے مقام پر ہے اور زیارت گاہ ہے۔ روحاء کا مقام مدینے سے دو (۲) رات کی مسافت پر ہے۔ واللہ اعلم۔

حدی خوانی کا موجد...... مُضر کی آواز بے حد سُریلی اور عمدہ تھی۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اونٹوں کے لئے

---

[1] حدیث غریب اس کو کہتے ہیں جس کے راویوں کے سلسلے میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو اور وہاں اس کے ساتھ کوئی دوسرا ... ہو۔

حُدِی خوانی کی (حدی خوانی کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے) ایک مرتبہ یہ گر پڑے جس سے ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو وہ یہ کہہ کر چلّانے لگے ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ اس آواز پر وہاں چراگاہ سے اونٹ دوڑ آئے۔ جب وہ ٹھیک ہوگئے اور اونٹ پر سوار ہوئے تو انہوں نے حُدِی خوانی کی، ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے حدی خوانی کا طریقہ شروع کیا مضر کا غلام تھا۔ مضر نے ایک دفعہ اس کے ہاتھ میں بہت زور سے مارا تو وہ چلّانے لگا ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ۔ اس آواز کو سن کر چراگاہ سے اونٹ دوڑ آئے۔ کیونکہ حُدِی خوانی (یعنی اونٹوں کے لئے گانے) کے واسطے ضروری ہے کہ وہ سُریلی آواز میں ہو جس سے اونٹ مست ہو جاتے ہیں۔ اس کو سن کر اونٹ اپنی گردن لمبی کر لیتے ہیں اور حدی خوانی کرنے والے کی طرف بھاری بوجھ ہونے کے باوجود تیزی کے ساتھ کھنچے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تو یہ لمبے فاصلے بہت تھوڑی سی مدت میں طے کر لیتے ہیں اور کبھی ایک دن کی مسافت تین تین دن میں پوری کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حکایت بھی مشہور ہے اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ حُدِی خوانی مستحب ہے۔

اذکار امام نووی میں تیز چلنے، طبیعت میں نشاط اور تازگی پیدا کرنے اور چلنے میں آسانی پیدا کرنے کے استحباب کے سلسلے میں ایک باب ہے۔ اس بارے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔

## ابن نزار

**عربی تحریر کا موجود نزار**...... مضر بیٹے ہیں نزار کے۔ نون پر زیر کے ساتھ۔ ان کی آنکھوں کے درمیان نور نبوی ﷺ نظر آتا تھا۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے صحیح انداز میں عربی تحریر لکھی۔ امام احمد بن حنبلؒ ان پر آکر رسول اللہ ﷺ کے نسب میں شریک ہوتے ہیں۔

## ابن معد ابن عدنان

**معلوم نسب نامہ کی حد**...... نزار بیٹے ہیں معد کے اور معد بیٹے ہیں عدنان کے۔ یہاں تک وہ نسب ہے جس پر علماء انساب (نسب کے ماہر علماء) آنحضرت ﷺ کے نسب کے سلسلے میں متفق ہیں۔

**امامت عظمیٰ کی شرط**...... اسی وجہ سے ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ امام اعظم (یعنی امت کا قائد و رہنما) ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ قریشی ہو۔ اگر وہ ضروری شرائط جو امام اعظم میں ہونی چاہئیں قریشی میں نہ موجود ہوں تو پھر کنانی ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر (مطلوبہ شرائط کے ساتھ) کنانی شخص نہ ملے تو خزیمی ہونا چاہئے، اگر خزیمی نہ ملے تو مدرکی ہو، اگر مدرکی نہ ہو تو الیاسی ہو، اگر الیاسی نہ ہو تو مضری ہو، اگر مضری نہ ہو تو نزاری ہو، اگر نزاری نہ ہو تو معدی ہو، اگر معدی نہ ہو تو عدنانی ہو اور اگر عدنانی نہ ہو تو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہو۔ کیونکہ عدنان سے اوپر کوئی صحیح بات نہیں معلوم ہے اور عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک نسب کو محفوظ کرنا ممکن نہیں ہے۔

**معد اور حضرت ارمیاءؑ**...... معد کو معد اس لئے کہا گیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے خلاف زبردست جنگ و جدال کیا اور جب بھی کسی سے جنگ کی تو کامیاب و کامراں ہو کر لوٹا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ کوئی عربی شخص نسب میں عدنان اور قحطان سے علیحدہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عدنان کی اولاد کو قیس کہا جاتا تھا اور قحطان کی اولاد کو یمن کہا جاتا تھا۔

**بخت نصر سے معد کی حفاظت**...... جب اللہ تعالیٰ نے عرب پر شاہ بخت نصر کو مسلّط کیا تو اللہ نے حضرت

ارمیاءؑ کو حکم دیا کہ وہ معد ابن عدنان کو اپنے براق پر بٹھا کر وہاں سے لے جائیں تاکہ وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کی پیٹھ سے ایک نبی کریم پیدا کروں گا جس پر رسالت کو ختم کروں گا۔ چنانچہ حضرت ارمیاءؑ نے ایسا ہی کیا اور معد کو وہاں سے شام لے گئے۔ وہاں وہ بنی اسرائیل کے درمیان پلا بڑھا۔ پھر جب فتنہ دب گیا یعنی بخت نصر کی موت ہوگئی تو وہ عرب میں لوٹ آیا (حضرت ارمیاؑ بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ یہ مدتوں اپنی قوم کو تبلیغ حق کرتے رہے مگر قوم نے ان کی طرف توجہ نہ کی آخر مایوس ہو کر انہوں نے قوم کو چھوڑ دیا اور روپوش ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شاہ بخت نصر کو اس قوم پر مسلّط فرمایا اس نے ان سے جنگ کی اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس کو تباہ و تاراج کر دیا (تاریخ ابن سعید مغربی)

**ارمیاءؑ اور بیت المقدس کی آبادکاری**...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء کے پاس وحی نازل فرمائی کہ ہم بیت المقدس کو دوبارہ بسائیں گے تم وہاں جاؤ۔ یہ وہاں پہنچے۔ وہاں ان کے دل میں خیال آیا کہ اس تاراجی کے بعد یہ کیسے بسے گا اور یہ مردے کیسے زندہ ہوں گے، اس کی بعد یہ ایک پتھر پر سر رکھ کر سوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں مردوں کے زندہ ہونے کا تماشہ دکھانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ یہ سوگئے اور اپنے پاس ہی اپنے کھانے پینے کا سامان رکھا اور وہیں اپنا سواری کا گدھا چھوڑ دیا، اس کے بعد اللہ کے حکم سے یہ سو (۱۰۰) برس کے بعد جاگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کتنے دن سوئے۔ کہا ایک دن یا کچھ کم، اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ تم سو (۱۰۰) برس سوئے ہو مگر اپنے کھانے پینے کا سامان دیکھو جو نہ سڑ لنہ گلا۔ اور گدھے کو دیکھو کہ کس طرح ہم اس کی ہڈیوں کو ترتیب دے کر اور اس پر گوشت چڑھا کر اس کو پھر زندہ کردیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (یہ پورا واقعہ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ پ ۳ رکوع ۲ میں اس آیت میں ذکر ہے او کالذی مر علی قریۃ الخ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت عزیرؑ کا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ارمیاءؑ کا واقعہ ہے تاریخ ابوالفداء جز ۳ ۳۲/۳

**معد و عدنان کا دور**...... عدنان حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں تھا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہی والی ہے (یعنی موسیٰؑ کے زمانے میں ہونا) طبرانی میں ابوامامہ باہلیؓ سے جو بات نقل کی گئی ہے اس سے پہلا قول (یعنی عیسیٰؑ کے زمانے میں ہونے کا) کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ باہلیؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب معد ابن عدنان کی اولاد چالیس آدمیوں تک پہنچ گئی تو یہ موسیٰؑ کی جماعت پر جا پڑے اور انہیں لوٹ لیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کے لئے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ ان کے لئے بددعاء مت کرو اس لئے کہ ان سے ایک نبی اُمّی پیدا ہوں گے جو بشیر و نذیر ہوں گے (یعنی جنت کی بشارت دینے والے اور جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے) الحدیث۔ اس کے بعد یہ بات ممکن نہیں ہے کہ معد عیسیٰؑ کے زمانے تک زندہ رہا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ نبی اللہ کی اولاد میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قوم جرہم اور قوم عمالیق اور قبائل یمن کی طرف ان کے والد حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بھیجا تھا۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کے بھائی حضرت اسحاق کو اہل شام کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا اور ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں کنعان کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔ اس طرح یہ تینوں بزرگ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں کنعان کے باشندوں کی ہدایت کیلئے بھیجا تھا۔ اس طرح یہ تینوں بزرگ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں پیغمبر ہوئے۔ بعض مؤرخین

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا فرعون عمالیق میں سے تھا اور ان ہی میں سے حضرت یوسفؑ کا فرعون ریان ابن ولید تھا۔

**ابراہیمؑ اور آنحضرت ﷺ کی درمیانی پشتیں**...... حضرت اسماعیلؑ اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھے جو اس وقت پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔ حضرت اسماعیلؑ مقام رملہ اور مقام ایلیا کے درمیان پیدا ہوئے۔ عدنان اور اسماعیلؑ کے درمیان چالیس (۴۰) باپ یعنی پشتیں ہیں، ایک روایت کے مطابق سینتیس (۳۷) باپ ہیں مگر ابوحیانؒ نے نہر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے اکتیسویں (۳۱) دادا تھے۔

یہاں تک ابوحیان کا حوالہ ہے۔

**حضرت اسمٰعیل اور عربی زبان**...... یہ بات ظاہر ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں حضرت اسماعیلؑ پہلے آدمی ہیں جن کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ عبرانی زبان میں اس کے معنی اللہ کے فرمانبردار بندے کے ہیں اور اسماعیلؑ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے عربی زبان یعنی فصیح و بلیغ عربی بولی ورنہ عربی زبان کی اصل بنی جرہم میں سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو الہام کے ذریعہ فصیح و بلیغ اور صاف عربی سکھلائی اور وہ یہ زبان بولے۔

حدیث میں ہے کہ پہلے آدمی جو فصیح و بلیغ اور صاف عربی روانی کے ساتھ بولے حضرت اسماعیلؑ ہیں جن کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی۔

**حضرت ابراہیمؑ کی مکے میں آمد**...... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کو لے کر براق کے ذریعہ آئے اور اپنے ساتھ پانی کا مشکیزہ اور کھجور کا تھیلا لائے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو مکے کے علاقے میں اتار دیا اور واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے کہتی تھیں :۔

"کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ مجھے اور اس بچے کو اس وحشت ناک ویرانے میں چھوڑ دیں جہاں کوئی دوست اور غمگسار نہیں ہے"؟

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ "ہاں!" حضرت ہاجرہ نے کہا کہ "تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا"۔

**ہاجرہ ویران صحرا میں**...... حضرت ہاجرہ کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتی رہیں یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا۔ الحدیث حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں کو وہاں حجر اسود کی جگہ پر اتارا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنی عمر کے سو (۱۰۰) سال پورے کر چکے تھے۔

**یعرب ایمن اور ملک یمن**...... یہ روایت کہ حضرت اسماعیلؑ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے فصیح عربی زبان بولی، اس روایت کے خلاف نہیں ہے کہ عربی میں بات کرنے والا آدمی یعرب ابن قحطان ہے۔ قحطان پہلا آدمی ہے جس کو "ابیت اللعن" کہا گیا (یعنی تو ملامت سے محفوظ کر دیا گیا، یہ عرب کا ایک محاورہ ہے جس کا استعمال سب سے پہلے قحطان پر کیا گیا) اور "انعم صباحاً" کہا گیا (یعنی صبح بخیر عربوں کا قدیم سلام ہے) اس یعرب کو ایمن بھی کہا گیا (یعنی برکت والا) اس لئے کہ پیغمبر خدا حضرت ہودؑ نے اس سے کہا تھا کہ تم میرے بیٹوں میں سب سے زیادہ برکت والے ہو۔

ملک یمن کا نام یمن اسی لئے پڑا کہ ایمن وہاں جا کر اترا تھا۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے اشعار اور رجز کہے (رجز شاعری کی وہ قسم ہے جس کے ذریعہ سپاہیوں کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے) ایک روایت یہ ہے کہ یمن کو یمن اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کعبہ کے یمین یعنی دائیں جانب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے عربی میں تحریر لکھی حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جس

نے پہلی بار عربی میں تحریر لکھی وہ نزار ابن معد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

**کلام عربی اور آدمؑ و اسماعیلؑ**...... ایسے ہی یہ روایت کہ فصیح عربی میں بولنے والے پہلے آدمی اسماعیلؑ ہیں، اس روایت کے خلاف نہیں ہے کہ پہلی بار حضرت آدمؑ نے جنت میں عربی بولی کیونکہ جب ان کو زمین پر اتار اگیا تو یہاں وہ سریانی زبان بولے۔ روایت ہے کہ سریانی زبان کا نام سریانی اس لئے پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو یہ زبان فرشتوں سے مخفی رکھ کر سکھائی اور ان کو اسی زبان میں کلام کرایا۔

**بارہ اہم کے زبانوں صحیفے اور آدمؑ**...... ایک روایت ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے عربی، فارسی، سریانی، عبرانی اور بقیہ بارہ زبانوں یعنی حمیری، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی اور چینی زبانوں میں صحیفے تحریر کئے وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ انہوں نے یہ صحیفے مٹی پر لکھے اور اس پکادیا۔ جب طوفان نوح میں زمین غرق ہوئی تو اس کے بعد ہر قوم کو ایک ایک صحیفہ مل گیا اور انھوں نے اس کو لکھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو صحیفہ عربی ملا۔ اور جہاں تک یہ روایت ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے قلم سے لکھا وہ ادریسؑ ہیں تو اس سے مراد خط رمل ہے۔ (رمل ایک علم ہے جس میں ریت پر لکیریں کھینچ کر آئندہ کے احوال معلوم کرتے ہیں۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ حضرت ادریسؑ سب سے پہلے لکھنے والے اس لحاظ سے ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے علم رمل کے زائچے بنائے اس لحاظ سے نہیں کہ انہوں نے قلم سے تحریر لکھی)۔

**عربی محضہ اور عربی عاربہ**...... ایک روایت ہے کہ جس نے عربی محضہ میں بات کی وہ اسماعیلؑ ہیں۔ عربی محضہ قریش کی عربی ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ قحطان اور حمیر کی عربی اسمٰعیلؑ سے پہلے کی ہے۔ جو شخص قحطان اور حمیر کی عربی بولتا ہے اس کو عرب عاربہ (یعنی خالص عربی لوگ) کہا جاتا ہے اور اسماعیلؑ کی عربی بولنے والے کو عرب مستعربہ (یعنی عربوں میں داخل ہونے والے لوگ) کہا جاتا ہے یہی حجاز اور وہاں والوں کی زبان ہے۔ ایک قول ہے کہ جو اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ فارسی نہ بولے کیونکہ یہ نفاق کا بیج بوتی ہے۔

**اصحاب کہف کی زبان**...... بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تمام کے تمام عجمی (یعنی غیر عرب میں سے) تھے مگر وہ صرف عربی زبان میں ہی بات کرتے تھے۔ ان حضرات کو وزراء المہدی کہا جاتا ہے (اصحاب کہف بادشاہ دقیانوس کے وزیر تھے اور مؤمن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وزراء المہدی ایک ایسا لفظ ہے جس میں تمام اصحاب کہف کے ناموں کے پہلے حروف جمع کر دیئے گئے ہیں مگر ان حضرات میں سے جن چند کے نام احقر کو یاد ہیں غالباً ان سب کے حروف اس میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً مرنوش، مثلینیا، چرواہا غالیاس، کتا قطمیر، اس بادشاہ کا نام دقیانوس تھا جس کے یہ وزیر تھے)۔

**عربوں میں آنحضرت ﷺ کی فصاحت**...... لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں حرف ضاد بولنے والوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ اس میں "بولنے والوں" سے مراد ایسی جمع ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی عام عربی بولنے والے مراد ہیں جس کا مطلب عرب ہیں) معنی کے لحاظ سے یہ درست ہے اس لئے کہ معنی یہ ہوں گے کہ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ کیونکہ صرف عرب ہی حرف ضاد بولتے ہیں ورنہ یہ حرف ان کے علاوہ کسی کی زبان میں نہیں پایا جاتا۔

**حضرت اسماعیلؑ اور گھوڑے سواری**...... اسماعیلؑ پہلے انسان ہیں جنہوں نے گھوڑے پر سواری کی۔ اس وقت تک گھوڑے وحشی جانوروں میں سے تھے اسی لئے ان کو عراب کہا گیا اس بناء پر جو آگے بیان ہوگی۔

**گھوڑے سواری کے لئے حکم نبوی ﷺ**...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا "گھوڑوں پر سواری کرو اس لئے کہ وہ تمہارے باپ اسماعیلؑ کی میراث ہیں"۔

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ پر وحی نازل فرمائی کہ وہ مقام اجیاد کی طرف جائیں، یہ ایک مشہور مقام ہے اور اس کا نام اجیاد اس لئے پڑا کہ یہاں قبیلہ عمالقہ کے سو (۱۰۰) نہایت اجیاد یعنی بہترین آدمی قتل ہوئے تھے (چنانچہ اسماعیلؑ کو حکم دیا گیا کہ اجیاد پہنچ کر) دعاء مانگو تمہارے پاس خزانہ آئے گا۔ حضرت اسماعیلؑ اجیاد گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دعاء الہام کی انہوں نے وہ دعا مانگی تو سرزمین عرب پر کوئی گھوڑا ایسا باقی نہیں رہا جو ان کے پاس نہ پہنچ گیا ہو اور ان کے سامنے سر جھکا کر اپنے آپ کو ان کے حوالے نہ کر دیا ہو، انکو اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کے لئے ذلیل اور تابع کر دیا تھا۔ اس لئے ان گھوڑوں پر سواری کیا کرو اور انہیں چارہ کھلایا کرو کیونکہ وہ باعث خیر و برکت ہیں اور تمہارے باپ اسماعیلؑ کی میراث ہیں"۔

**گھوڑے کی تخلیق اور برکات**...... حافظ سیوطیؒ نے گھوڑوں سے متعلق اپنی ایک کتاب میں جس کا نام "خبر الذیل فی علم الخلیل" ہے ذکر کیا ہے۔ نیز "عرائس" میں بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جنوب کی ہواؤں سے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اس کو میرے تابعدار بندوں کیلئے عزت بنادے اور میرے دشمنوں کیلئے ذلت کا سبب کر دے اور میری اطاعت کرنے والوں کیلئے حسن و زینت بنادے۔ جنوب کی ہوا نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں کیجئے۔ اس قادر مطلق نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور گھوڑے کو تخلیق فرمایا۔ پھر اس سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھے عربی بنا کر پیدا کیا ہے اور تیری پیشانی میں خیر و برکت جمادی ہے اور نعمتوں کو تیری پیٹھ پر جمع کر دیا ہے، اور تیرے اوپر تیرے مالک کو مہربان کر دیا ہے، اور تجھے ایسا بنایا ہے کہ تو بغیر پروں کے اڑے گا، پس تو مقصد حاصل کرنے کے لئے بھی ہوگا اور بھاگنے کے لئے بھی ہوگا۔

**حضرت سلیمانؑ کا گھوڑا**...... وہب سے روایت ہے کہ سلیمانؑ سے کہا گیا کہ ایک سیاہ اور سفید داغوں والا گھوڑا ہے جس کے پر ہیں جن سے وہ اڑتا ہے اور فلاں پانی پر اترتا ہے۔ سلیمانؑ نے شیاطین سے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ گئے اور انہوں نے اس چشمے میں جس پر وہ پانی پینے کے لئے اترتا تھا شراب ڈال دی، اس گھوڑے نے جب وہ پانی پیا تو وہ مدہوش ہو گیا انہوں نے اس کو باندھ لیا اور سدھلیا یہاں تک کہ وہ مانوس ہو گیا۔

**حضور ﷺ کا خزانہ بردار گھوڑا**...... کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ وہی گھوڑا ہو جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا "مجھے ساری دنیا کی کنجیاں ایک سیاہ اور سفید گھوڑے پر لاد کر دی گئیں جس کو جبرئیلؑ میرے پاس لے کر آئے تھے"۔

**حضرت آدمؑ کی پسند اور گھوڑا**...... ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے سامنے اپنی تمام مخلوقات پیش کیں تو ان سے ارشاد فرمایا کہ میری مخلوقات میں سے جو چیز بھی تو چاہے اسے پسند کرلے۔ آدمؑ نے گھوڑے کو پسند کر لیا، اس پر ان سے فرمایا گیا، تو نے وہ چیز پسند کرلی جو تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے عزت ہے جب تک وہ موجود رہیں گے یہ بھی موجود رہے گی اور جب تک وہ باقی رہیں گے یہ بھی باقی رہے گی ابدالآباد تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

**گھوڑے کی تخلیق آدمؑ سے پہلے**...... یہ بات واضح ہے کہ گھوڑے، آدمؑ سے پہلے پیدا کئے گئے۔ امام سبکیؒ

سے دریافت کیا گیا کہ آیا گھوڑے آدمؑ سے پہلے پیدا کئے گئے یا بعد میں اور آیا نر پہلے پیدا کئے گئے یا مادہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ گھوڑے حضرت آدمؑ سے پہلے پیدا کئے گئے اس لئے کہ چوپائے جمعرات کے روز پیدا کئے گئے ہیں اور آدمؑ جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کئے گئے ہیں، نیز یہ کہ نر چیزیں مادہ سے پہلے پیدا کی گئیں جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نر اشرف ہوتا ہے مادہ سے اور دوسرے یہ کہ نر کی حرارت مادہ کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتی ہے، اسی وجہ سے حضرت آدمؑ کی تخلیق حضرت حوا سے پہلے ہوئی۔ یہ بات قابل غور ہے۔

**گھوڑے کے اعضاء**...... امام سہیلیؒ نے ذکر کیا ہے کہ گھوڑے کے بیس عضو ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر عضو کا نام کسی نہ کسی پرندے کے نام پر ہے۔ اس بات کو اصمعیؒ نے بھی ذکر کیا ہے اور ان ناموں کو بیان کیا ہے۔ ان ناموں میں سے کچھ یہ ہیں :۔

**ان کے ناموں کی ندرت**...... کرگس، شتر مرغ، قطاط (ایک پرندے کا نام) مکھی، چڑیا، کوا، گدھ اور شکرا۔

کہتے ہیں کہ حیوان میں کچھ تو اعضاء باردہ یابسہ (ٹھنڈے خشک) ہوتے ہیں جیسے ہڈیاں۔ یہ سوداویت کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ کچھ اعضاء باردہ رطبہ (ٹھنڈے تر) ہوتے ہیں جیسے دماغ۔ یہ بلغم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کچھ اعضاء حارّہ یابسہ (گرم خشک) ہوتے ہیں جیسے قلب جو صفراء کا قائم مقام ہوتا ہے اور کچھ اعضاء حارّہ رطبہ (گرم تر) ہوتے ہیں جیسے جگر جو خون کے قائم مقام ہوتا ہے (طبی اصطلاح میں یہ چار خلطیں یعنی سودا، صفراء، بلغم اور دم انسان کا مزاج بناتی ہیں)۔

**گھوڑوں پر حضور ﷺ کی شفقت**...... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ شفقت گھوڑوں پر تھی۔

**گھوڑوں کی دعاء**...... ایک روایت ہے کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس میں گھوڑا یہ دعا نہیں مانگتا کہ :۔

"خدایا تو نے مجھے ابن آدمؑ کے لئے مسخر کیا ہے (یعنی مجھے اس کا غلام بنایا ہے) اور میرا رزق اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اے اللہ! پس تو مجھے اس کے لئے اس کے گھر والوں اور اولاد سے زیادہ محبوب بنادے"۔

کسی دانشمند سے سوال کیا گیا کہ کون سا مال سب سے زیادہ باعزت اور اشرف ہے۔ اس نے کہا کہ گھوڑا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پناہ ہے اور اس کا پیٹ خزانہ۔

**بحر ظلمات کے گھوڑے**...... حدیث میں ہے کہ سکندر ذوالقرنین نے جب ظلمات کے (اندھیرے) راستے سے آب حیات کی تلاش میں جانے کا ارادہ کیا تو اس نے پوچھا کہ کون سا چوپایہ رات میں سب سے زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا گھوڑا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کون سا گھوڑا۔ لوگوں نے کہا مادہ۔ پھر اس نے پوچھا کہ کون سی مادہ سب سے زیادہ دیکھ سکتی ہے، لوگوں نے کہا کہ جواب تک بیائی نہ ہو۔ اس پر ذوالقرنین نے اپنے لشکر میں سے اسی قسم کے چھ ہزار گھوڑے جمع کئے۔

**حضرت اسماعیلؑ اور عربی کمان**...... اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو قوس عربی یعنی کمان دی تھی وہ جس چیز پر بھی (اس سے) تیر چلاتے تھے نشانہ پر لگتا تھا۔ حدیث میں ہے کہ اے اسماعیل کی اولاد تیر اندازی کیا کرو اس لئے کہ تمہارے باپ اسماعیلؑ تیر انداز تھے۔

**تیر اندازی کے لئے حکم نبوی ﷺ**...... یہ بات آپ ﷺ نے اس جماعت سے کہی جو تیر اندازی کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آپ ﷺ وہاں سے گزرے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھیل بہت عمدہ ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے دو

تین مرتبہ فرمائی۔ بعض روایات میں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "تم تیر چلاؤ اور میں فلاں جماعت کی طرف سے شریک ہوتا ہوں"۔

**تیر افگنی حضور ﷺ کا محبوب شغل**...... پھر آپ ﷺ ان میں سے ایک فریق کے ساتھ شریک ہو گئے (آپ ﷺ کے شریک ہونے کے بعد انہوں نے تیر اندازی بند کر دی تو (آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے تم نے تیر چلانا بند کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیسے تیر چلائیں آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں جب وہ ہم پر تیر چلاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم تیر چلاؤ میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اس پورے دن تیر اندازی کرتے رہے اور آخر میں برابری پر کھیل ختم ہوا کوئی بھی دوسرے کو شکست نہ دے سکا۔

ایک حدیث ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کھیل گھوڑے سواری اور تیر اندازی ہیں (لوگو)! تیر اندازی اور گھوڑے سواری کیا کرو اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے گھوڑی سواری سے بھی زیادہ پسند ہے۔

**بہترین کھیل**...... ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین کھیل گھوڑے سواری کرنا اور تیر اندازی ہیں۔

ایک روایت ہے کہ آدمی جو کچھ بھی کھیلتا ہے سب لغو ہے سوائے کمان سے تیر اندازی کے اور اپنے گھوڑے کو سدھانے کے یا اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کے اس لئے کہ یہ ان کا (یعنی بیویوں کا) حق ہے۔

**تیر افگنی کی فضیلت**...... ایک حدیث ہے کہ اپنی اولاد کو سیر و سیاحت اور تیر اندازی سکھلاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھلاؤ اس لئے کہ یہ دشمن کی شکست ہے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ تیر اندازی سیکھو اس لئے کہ دو (۲) نشانوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

**تیر افگنی کی تعلیم کا حکم**...... ایک حدیث مرفوع[۱] ہے کہ بیٹے پر باپ کا حق ہے کہ اس کو لکھنا سکھائے۔ سیاحت کی تعلیم دے اور تیر اندازی سکھلائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اسے بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلا دی) اس نے ایک نعمت کو ٹھکرا دیا۔

حافظ ابن سیوطیؒ کہتے ہیں کہ تیر اندازی سے متعلق بہت احادیث ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے تیر اندازی سے متعلق ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام "غرس الانشاب فی الرمی بالنشاب" رکھا ہے۔

**تیر افگنی بہ نیت جہاد مسنون**...... عرائس میں ذکر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ شکار کے بہت شوقین تھے خاص طور سے پرندوں کے شکار کے اور گھوڑے سواری کے، اسی طرح تیر اندازی کے اور زور آزمائی کے۔ تیر اندازی میں اگر جہاد کی تیاری کی نیت کر لی جائے تو یہ سنت ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

[۱] حدیث مرفوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ براہ راست حضور ﷺ تک پہنچتا ہو اور جس کی سند خود آنحضرت ﷺ پر جا کر ختم ہوتی ہو۔ مرتب۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ الخ (آیتہ ۶۰)

(ترجمہ) اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔ (سورۂ انفال پ ۱۰ رکوع ۴)۔

نیز آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے :۔

"زور و طاقت تو تیر اندازی میں ہی ہے"۔

اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ زور و طاقت کے اظہار کے لئے تو اور بھی بہت طریقے ہیں صرف تیر اندازی کو ہی طاقت کا ذریعہ کیوں بتلایا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی ایک ذریعۂ طاقت ہے بلکہ یہ پسندیدگی کا اظہار ہے چنانچہ مؤلف اس بات کو محسوس کر کے لکھتے ہیں کہ) یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ حج عرفات میں قیام کا نام ہے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج صرف وقوف عرفات کا نام ہے کیونکہ حج تو طواف، سعی اور رمی وغیرہ سب چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے یہ صرف اہمیت کا اظہار ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ من قوة کی تفسیر میں تیر اندازی، تلوار چلانا اور ہتھیاروں کا ذکر کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ سے پوچھا گیا کہ کیا (جو نسخہ مترجم کے پاس ہے مصر کا طبع شدہ ہے مگر مطبع کا نام نہیں ہے اس میں یہ عبارت یہیں آکر بغیر خبر کے ختم ہو گئی ہے چھاپنے اور تصحیح کرنے والوں نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا اور کتاب کے حاشیہ پر اس نقص کے متعلق نوٹ دیا ہے۔ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں اس کتاب کا مطبع ازہری کا بھی ایک نسخہ ہے جو اس نسخے سے مختلف ہے جو مترجم کے پاس ہے مگر یہ عبارت اس میں بھی اسی طرح ناقص ہے اور تصحیح کرنے والے نے اس میں بھی حاشیہ پر اس کے متعلق نوٹ دیا ہے) طبری اور مسعودی نے اپنی تاریخ میں جو ذکر کیا ہے کہ قوس عربیہ (کمان) سے سب سے پہلے جس شخص نے تیر اندازی کی وہ حضرت آدمؑ ہیں۔

**آدمؑ کی قوس عربی اور جبرئیل**...... اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب جنت سے اتار دیئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو کھیتی باڑی کا حکم دیا اور انہوں نے کھیتی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے دو (۲) پرندے بھیج دیئے۔ جو بیج حضرت آدمؑ کھیت میں ڈالتے یہ پرندے اس کو (مٹی میں سے) نکال کر کھا لیتے۔ حضرت آدمؑ نے اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو ان کے پاس جبرئیلؑ آئے ان کے ہاتھ میں ایک کمان تھی ایک تانت تھی اور دو تیر تھے۔ آدمؑ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اے جبرئیل! حضرت جبرئیل نے ان کو کمان دی اور کہا کہ یہ اللہ کی قوت ہے، پھر تانت دی اور کہا کہ یہ اللہ کی شدت ہے پھر دونوں تیر دیئے اور کہا کہ یہ اللہ کا غلبہ ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آدمؑ کو تیر اندازی سکھلائی۔ پھر آدمؑ نے دونوں پرندوں پر تیر چلایا اور انہیں مار دیا۔ حضرت آدمؑ نے ان دونوں تیروں کو اپنی تنہائی میں ہتھیار بنائے رکھا۔ اور جب (تنہائی سے) وحشت ہوتی تو یہ تیر ان کی دلجوئی کا سامان بنتے۔ (یہی قوس عربیہ یعنی کمان عربی ہے) پھر یہ قوس عربیہ ابراہیمؑ خلیل اللہ کے پاس پہنچی، پھر ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے پاس پہنچی۔ یہ روایت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ابراہیمؑ کی کمان وہی ہے جو آدمؑ کو جنت سے بھیجی گئی تھی اور انہوں نے اس کو ابراہیمؑ کے لئے ذخیرہ کر دیا تھا۔

**حضرت ابراہیمؑ کی کمان**...... یہ بات بعض دوسرے مؤرخین کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کی کمان اس (یعنی آدمؑ کی کمان) کے علاوہ ہے اور یہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے جنت سے بھیجی گئی تھی۔ اس

کا جواب حافظ سیوطیؒ نے اس طرح دیا ہے کہ میں نے (اس مسئلہ کے متعلق) تاریخ طبری میں حضرت آدمؑ و حضرت ابراہیمؑ کی تاریخ دیکھی مگر اس میں یہ روایت نہیں ملی۔ اس کا صحیح ہونا بعید بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساری چیزیں سکھلائی تھیں۔

**اولین کمان ساز ابراہیم**...... ذکر کیا گیا ہے کہ ابن ابی الدنیا نے اپنی تیر اندازی سے متعلق کتاب میں ضحاک ابن مزاحم کے واسطے سے بیان کیا ہے جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا پہلے آدمی جنہوں نے کمانیں بنائیں حضرت ابراہیمؑ ہیں انہوں نے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے لئے دو (۲) کمانیں بنائیں اور وہ دونوں ان سے تیر اندازی کیا کرتے تھے۔

**حضرت اسحاقؑ اور قوم لوطؑ**...... یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے یہاں حضرت اسحاقؑ کی پیدائش اسماعیلؑ کے تیرہ سال بعد اور ایک روایت کے مطابق چودہ سال بعد ہوئی۔ حضرت اسحاقؑ کی والدہ سارہ کے یہاں اسحاقؑ کا حمل اس رات میں ٹھہرا جس میں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ کیا۔ اس وقت سارہ کی عمر نوّے (۹۰) سال تھی۔

جامع ابن شداد میں مرفوعاً روایت ہے کہ قوم لوطؑ میں لواطت (یعنی ہم جنسی) کا فعل بد مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں چالیس سال پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے لگیں اور مرد مردوں سے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تباہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قوم لوط کا یہ فعل بد (یعنی ہم جنسی) جانوروں میں سوائے گدھے اور خنزیر کے اور کوئی نہیں کرتا۔ اور جس نے سب سے پہلے قوس فارسی وکمان فارسی) کو اختیار کیا وہ نمرود ہے۔ ان دونوں روایتوں میں مطابقت قابل غور ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ابراہیمؑ وہ پہلے آدمی ہوں جنہوں نے ان قوموں کے ختم ہو جانے کے بعد پہلی بار قوسیں بنائی ہوں اس طرح یہ اولیت اضافی ہو جاتی ہے۔

**بنی اسماعیل میں خالد نبی**...... یہ تو معلوم ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے ہیں عربوں میں سے حضرت اسماعیلؑ کے بعد سوائے آنحضرت کے کوئی نبی بھی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا۔ جہاں تک خالد ابن سنان کا تعلق ہے جیسا کہ بعض روایات ہیں تو وہ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ مگر بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بنی اسماعیل میں آنحضرت ﷺ سے پہلے سوائے خود حضرت اسماعیلؑ کے کوئی نبی نہیں ہوا۔ البتہ جو ہوئے وہ مستقل شریعت لے کر نہیں آئے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو برقرار رکھنے کے لئے آئے۔

**حضرت خالد اور عرب کی آگ**...... حضرت خالدؑ کے اور عیسیٰؑ کے درمیان تین سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ حضرت خالد وہی ہیں جنہوں نے وہ آگ بجھائی تھی جو مکے اور مدینے کے درمیان جنگل میں اچانک بھڑک اٹھی تھی اور قریب تھا کہ مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کی طرح عرب بھی اس آگ کی پوجا کرنے لگتے۔ اس کے شعلے (اتنے بلند ہوتے تھے کہ) آٹھ رات کے فاصلے تک سے نظر آتے تھے۔ کبھی کبھی اس میں سے ایک گردن باہر نکلتی اور وہ زمین کی طرف جاتی اور جو چیز وہاں ہوتی اسے کھا لیتی تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد ابن سنان کو اس آگ کے بجھانے کا حکم دیا۔ یہ آگ ایک کنویں میں سے نکلا کرتی تھی اور پھر پھیل جایا کرتی تھی۔ چنانچہ جب آگ نکلی اور اس کے شعلے پھیلے تو حضرت خالد ابن سنان اس کو (بجھانے کے لئے) مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

"دب جا، دب جا، سب نے ہدایت پالی"۔

اس کے ساتھ ہی آگ بجھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ (بجھتے بجھتے) آگ کنویں میں اتر گئی۔ حضرت خالد اس کے پیچھے پیچھے کنویں میں اترے۔ کنویں کے اندر انہوں نے چند کتے دیکھے، انہوں نے ان کتوں کو بھی مارا اور آگ کو بھی مار مار کر بجھادیا۔

**خالد کی بد دعا اور آگ**...... کہا جاتا ہے کہ اس آگ کے نکلنے کا سبب بھی خود حضرت خالد ہی تھے۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا تو قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا کہ تو ہمیں دوزخ کی آگ سے ڈراتا ہے اگر تو اس آگ کو ہم پر عذاب کی صورت میں پھیلا کر دکھلادے تو ہم تیری اطاعت کرلیں گے۔

حضرت خالد نے وضو کیا اور اللہ سے دعاء کی۔

"اے اللہ! میری قوم نے مجھے جھٹلادیا ہے اور وہ اس وقت تک مجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو اس آگ کو ان پر عذاب کی صورت میں نہ پھیلادے۔ پس تو اس آگ کو ان کے لئے عذاب بنادے"۔

(حضرت خالد کی اس دعاء پر) آگ نکل آئی تو لوگوں نے ان سے کہا اے خالد اس آگ کو ختم کردو، ہم تم پر ایمان لائے۔ تب حضرت خالد نے اس آگ کو ختم کیا۔

**خالدؑ کا معجزہ**...... کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد کو جب پانی کی طلب ہوتی تھی تو وہ اپنا سر اپنے گریبان میں ڈالتے اور بارش ہونے لگتی اور اس وقت تک نہیں رکتی تھی جب تک کہ وہ اپنا سر نہیں اٹھالیتے تھے۔

**خالد کی بیٹی سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات**...... کہا جاتا ہے کہ ان کی صاحبزادی جو بوڑھی ہوچکی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے بہت مہربانی کے ساتھ ان سے ملاقات فرمائی اور ان کی اتنی عزت افزائی کی کہ ان کے لئے اپنی چادر بچھادی اور فرمایا۔

"میرے بھائی کی بیٹی کو مرحبا، خوش آمدید۔ اس نبی کی بیٹی کو مرحبا جس کو اس کی قوم نے ضائع کردیا"

**کیا عیسیٰؑ و آنحضرت ﷺ کے درمیان نبی نہیں**...... اس کے بعد یہ خاتون مسلمان ہوگئیں۔ یہ حدیث مرسل[1] ہے اور اس کے رجال (راوی) قابل اعتماد ہیں۔ مگر بخاری میں روایت ہے :۔

"میں ابن مریم (یعنی حضرت عیسیٰؑ) سے دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے"۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں کی بات غلط ثابت ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حضرت خالد ابن سنان نبی ہوئے ہیں۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ لفظ نبی سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ رسول ہے جو مستقل شریعت لے کر آیا ہو۔ اس کے بعد یہ اشکال نہیں رہتا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ خالد ابن سنان مستقل شریعت لے کر نہیں آئے تھے۔

**ان کے درمیان چار نبی**...... نہ اس دوسری روایت سے (کوئی مشکل پیدا ہوتی ہے) کہ میرے اور ان کے یعنی عیسیٰؑ کے درمیان نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔

**مثلاً قوم رسؑ کے نبی حنظلہ**...... نہ ہی بیضاوی کے اس کلام سے جو انہوں نے تفسیر کشاف سے لیا ہے کہ

[1] حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر میں تابعی کے بعد صحابہ میں سے کوئی راوی نہ ہو بلکہ سند تابعی تک پہنچ کر کہتی ہو۔ مرتب

حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان چار نبی ہوئے ہیں تین بنی اسرائیل میں سے اور ایک عرب میں سے، وہ حضرت خالدؑ ابن سنان ہیں اور ان کے بعد حضرت حنظلہ ابن صفوانؑ ہیں جنہیں قوم رس کی طرف حضرت خالدؑ کے سو سال بعد بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ان تینوں (اسرائیلی انبیاء) میں سے کوئی بھی مستقل شریعت لے کر نہ آیا ہو بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت ہی کو پھیلانے اور برقرار رکھنے کے لئے آئے ہوں جیسے کہ خالد ابن سنان تھے۔

رسّ (جس سے قوم رسّ مشہور ہے) ایک کچا کنواں تھا۔ تفسیر کشاف میں اسی طرح ہے۔ مگر قاموس جیسے صحاح میں پختہ کنواں لکھا ہے۔

**سرکش قوم اور حنظلہ کا قتل**...... قوم رسّ نے حضرت حنظلہ کو قتل کر کے اس کنویں میں دھنسا دیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت حنظلہ کو اس کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی بہت نیچے گہرائی میں چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیرابی کے بعد وہ پیاسے ہو گئے، ان کے درخت سوکھ گئے اور پھل ختم ہو گئے۔ حالانکہ اس کنویں کا پانی اتنا ہوتا تھا کہ ان کی تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں اور ساری زمینوں کو کافی ہو جاتا تھا۔ یہ قوم اس جگہ سے مانوس ہو چکی تھی مگر اب یہاں سے وحشت زدہ ہو گئے اور اجتماعیت اور یکجائیت کے بجائے وہ منتشر ہو گئے (کیونکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ یہاں سے ادھر ادھر دوسرے علاقوں میں چلے گئے تھے)۔

**قوم پر عذاب کا پرندہ**...... یہ لوگ یعنی قوم رسّ بتوں کو پوجنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ایک زبردست پرندے کے ذریعہ مصیبت میں مبتلا کیا جس کی گردن بہت لمبی تھی اور اس میں تمام رنگ تھے۔ یہ پرندہ قوم رس کے بچوں پر جھپٹتا تھا اور جب اس کو شکار نہیں ملتا تھا تو ان بچوں کو اچک کر لے جاتا تھا۔ اگر کوئی اس پرندے کو مارنے کے لئے اس پر جھپٹتا تو وہ اس بچے سمیت مغرب کی سمت جا کر غائب ہو جاتا تھا۔

**عنقاء مغرب پرندہ**...... اس پرندے کی گردن (عنق) کے لمبا ہونے اور اس کے مغرب کی طرف بھاگ جانے کی وجہ سے اس کو "عنقاء مغرب" کہا جانے لگا (لفظ عنقاء اردو زبان میں بھی مشہور ہے اور کافی استعمال ہوتا ہے جو چیز دستیاب نہیں ہوتی اس کو محاورۃً کہتے ہیں کہ فلاں چیز عنقاء ہو گئی۔ اصل میں یہ پورا لفظ "عنقاء مغرب" ہے اور اس کی اصل یہی پرندہ ہے جس کی گردن بہت لمبی تھی۔ گردن کو عربی میں عنق کہتے ہیں اس لئے اس عجیب و غریب پرندے کا نام عنقاء یعنی گردن والا پڑ گیا اور چونکہ مغرب میں جا کر یہ غائب ہوتا تھا اس لئے مغرب کہلایا مگر چونکہ اسے نہ کبھی کوئی پکڑ سکا اور نہ مار سکا بلکہ یہ ہمیشہ غائب ہو گیا اس لئے عرب وغیرہ میں عنقاء مغرب ایک فرضی پرندہ کا نام ہو گیا اور ہر اس چیز کے لئے استعمال ہونے لگا جو دستیاب نہ ہو۔ اسی واقعہ کی نسبت سے یہ لفظ عربی میں مصیبت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مرتب)

**نبی کو احسان کا صلہ**...... اس مصیبت پر ان لوگوں نے حضرت حنظلہؓ سے فریاد کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پرندے کی ہلاکت کے لئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمانی بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا اور اس کی نسل بھی نہیں چلی۔ حضرت حنظلہؓ کو اس بھلائی کا بدلہ ان کی قوم نے ان کو قتل کر کے اور جو واقعہ گزر چکا ہے اس کے ذریعہ دیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ حنظلہ بھی عرب تھے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے۔ پھر میں نے ابن کثیر میں دیکھا جنہوں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حنظلہؓ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کے زمانے میں

ہوئے ہیں۔

**مثلاً حضرت دانیال نبی**...... انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانے میں تستر فتح ہوا جو ایک مشہور شہر تھا۔ اس میں (فتح کرنے والوں کو) ایک تابوت ملا۔ ایک روایت کے مطابق ایک تخت ملا جس پر حضرت دانیالؑ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی ناک ایک بالشت لمبی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ لمبی تھی۔ ان کے سرہانے ایک مصحف یعنی تحریر رکھی ہوئی تھی جس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات درج تھے۔ اور اس دن تک (یعنی جب یہ لاش دیکھی گئی) ان کی وفات کو تین سو سال گزر چکے تھے۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگر ان کی وفات کو اتنی ہی مدت (یعنی تین سو سال) گزر چکی تھی تو وہ کوئی نبی نہیں ہو سکتے بلکہ کوئی نیک اور بزرگ آدمی ہوں گے اس لئے کہ عیسٰی ابن مریمؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں گزرے ہیں جیسا کہ بخاری میں مذکور حدیث سے ثابت ہے۔

اقول مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ اس کے متعلق جو جواب ہے وہ پڑھنے والے کو معلوم ہو چکا ہے کہ نبی سے مراد رسول ہے (کیونکہ نبی وہ ہے جو کسی پچھلی شریعت کو پھیلانے کے لئے بھیجا گیا ہو اور اس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہوں جبکہ رسول وہ ہے جو کوئی مستقل شریعت لے کر آیا ہو اور اس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہوں۔

یہاں مقصد یہ ہے کہ جیسا ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا تو یہاں نبی سے مراد رسول ہے جو اپنی مستقل شریعت لے کر آتا ہے۔ سو ایسا کوئی رسول عیسٰیؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان نہیں۔ البتہ جیسا کہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف میں ذکر ہے کہ عیسٰیؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان چار نبی ہوئے ہیں، اس دوران میں رسول کے بجائے نبی کا ہونا ممکن ہے جو حضرت عیسٰیؑ کی شریعت کو برقرار رکھنے کے لئے آئے۔ مرتب)

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض روایات میں رسول کا عطف اس سے پہلے ذکر کئے گئے لفظ نبی پر ہوتا ہے (جیسا کہ پچھلی روایت میں ہے کہ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔ یہاں لفظ اور سے رسول کا عطف نبی پر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے اس لئے یہاں نبی اور رسول دونوں کی نفی کی گئی ہے) اس اعتراض کو دور کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہاں عطف تفسیری مانا جائے (یعنی لفظ رسول سے لفظ نبی کی تفسیر و تشریح مقصود ہے) واللہ اعلم۔

**عیسٰیؑ و آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ**...... ان دونوں (یعنی حضرت عیسٰیؑ اور آنحضرت ﷺ) کے درمیان چار سو سال کا وقفہ ہے، ایک روایت ہے کہ چھ سو سال کا وقفہ ہے اور بعض نے اس میں بیس سال کا اضافہ کیا ہے۔

**عدنان کے بعد نسب نامہ غیر یقینی**...... حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ہم نے کسی (نسب کے ماہر) کو نہیں دیکھا جو عدنان اور قحطان سے آگے (آنحضرت ﷺ کا نسب) جانتا ہو سوائے اس کے کہ وہ جھوٹ بولتا ہو (یہ عدنان وہی آخری آدمی ہیں جن تک آنحضرت ﷺ کا نسب تحقیق کے ساتھ معلوم ہے اور جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ چونکہ اصل میں یہ آنحضرت ﷺ کے نسب نامے کا باب چل رہا ہے اس لئے اب پھر اسی کا ذکر شروع ہوا ہے۔ درمیان میں اس کے ذیل میں جو واقعات آتے ہیں ان کا ذکر ہوتا ہے اور ان کے بعد پھر اصل

موضوع پر کلام ہوتا ہے)

**روایت عائشہؓ کا مطلب**...... اقول مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ یہاں جھوٹ سے مراد شاید یہ ہے کہ ایسی بات جس کی سچائی قطعی نہ ہو کیونکہ لفظ خرص (جو اس روایت کی اصل عربی عبارت میں جھوٹ کے لئے استعمال ہوا ہے) کے اصل معنی اندازے اور تخمینے کے ہیں اور جو شخص بھی ایسی بات کرے جس کی بنیاد (یقین کے بجائے) اندازے اور تخمینے پر ہو اس کو خراص کہا جاتا ہے۔ پھر لفظ خراص کے معنی میں وسعت کر کے اسے کذاب (جھوٹے) کے معنی میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ چنانچہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہاں (یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت کے آخر میں) یوں کہا جائے کہ "سوائے اس کے کہ وہ اندازے اور تخمینے سے کہتا ہے"۔ چنانچہ یہاں گویا حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقصد نسب کے سلسلے میں زیادہ غور و خوض کرنے سے اپنی انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہے واللہ اعلم۔

**نسب نامہ کنانہ تک یا عدنان تک ؟**...... حضرت عمرو ابن عاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا نسب نضر ابن کنانہ تک ظاہر فرمایا پھر فرمایا اس کے بعد کون ہے۔ پھر فرمایا کہ جو اس کے بعد زیادتی کرتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ کنانہ سے عدنان تک (نسب میں) اضافہ کرنے والے کو جھوٹا کہنا اس قول کے خلاف ہے جو پیچھے گزر چکا ہے کہ مصدقہ اور متفقہ نسب عدنان تک ہے (اس قول کے جواب میں) سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے (جب آنحضرت ﷺ نے) نضر ابن کنانہ سے عدنان تک کا نسب بتلایا ہو تو حضرت عمرو ابن العاصؓ نے اس حصے کو نہ سنا ہو جب کہ آنحضرت ﷺ نے آگے کا نسب بیان کیا ہو اور دوسروں نے اسے سنا ہو۔ لفظ جھوٹ کے سلسلے میں وہی تاویل کی جا سکتی ہے جو پیچھے (حضرت عائشہؓ کے قول کے سلسلے میں) گزر چکی ہے۔

**بیان نسب کا قاعدہ**...... علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے جامع صغیر میں بیہقیؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نسب بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا میں محمد (ﷺ) ہوں ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب۔ یہاں تک کہ مضر ابن نزار تک سلسلۂ نسب ذکر فرمایا۔

**قرآن میں مخالف اسلوب**...... (نسب بیان کرنے کے سلسلے میں) یہی معروف و مشہور ترتیب ہے کہ باپ سے ابتداء کی جاتی ہے پھر دادا کا نام آتا ہے پھر پڑدادا کا اور اسی طرح آگے تک (شجرہ بیان ہوتا ہے) مگر قرآن پاک میں نسب کی ترتیب اس کے خلاف بیان ہوئی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے واقعہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ الخ الآیہ ۳۸ پ ۱۲ سورۂ یوسف ع ۱۴

(ترجمہ) اور میں نے اپنے ان (بزرگوار) باپ دادوں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیمؑ کا اور اسحاقؑ کا اور یعقوبؑ کا۔

(اس آیت پاک میں یوسفؑ کا نسب پڑدادا سے شروع فرمایا گیا اس کے بعد دادا اور اس کے بعد باپؑ)

**مخالف اسلوب کی حکمت**...... مفسرین کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہاں باپ دادا یعنی صرف شجرہ کا ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے نام اس مقصد سے لئے گئے ہیں کہ ان کے اس دین کا ذکر فرمایا جائے جس پر حضرت یوسفؑ قائم تھے چنانچہ (جب دین اور شریعت کا ذکر مقصود ہے تو) سب سے پہلے ان کا ذکر کیا گیا

جو اصل صاحب شریعت تھے (یعنی ان کا جو وہ دین لے کر آئے تھے اور وہ حضرت ابراہیمؑ ہیں) پھر (ان کا ذکر کیا گیا) جنہوں نے پہلے ان سے اس دین کو لیا (اور وہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ ہیں) اور ان کے بعد ان سے لینے والے کا بالترتیب۔ (چنانچہ حضرت اسحاقؑ کے بعد اسی شریعت کو پھیلانے کے لئے ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا ظہور ہوا اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ کا) واللہ اعلم۔

**کیا نسب عدنان ابن اُد ابن اُدُد تک ہے؟**...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نسب بیان فرمایا تو معد ابن عدنان ابن اُدُد سے آگے نہ بڑھے (یہاں متفقہ نسب میں جو عدنان تک ہے ان کے باپ اُدُد کا بھی ذکر ہے) اس کے بعد آپ رک گئے اور پھر دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ نسب بتلانے والے جھوٹے ہیں۔ بیہقی "کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ قول یعنی "نسب بتلانے والے جھوٹے ہیں" آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

اقول۔ مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے جب یہ آیت پاک پڑھی

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ آیۃ

ترجمہ۔ (اے کفار مکہ) کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالحؑ) اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

(سورۂ ابراہیم پ ۱۳ ار کوع ۲)

(یہ آیت پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے وہی جملہ) کہا کہ نسب بتلانے والے جھوٹے ہیں یعنی وہ لوگ جو نسب کے ماہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے متعلق ان کے علم کی نفی فرمادی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قول پہلے آنحضرت ﷺ نے (اسی بنیاد پر) فرمایا ہو اور پھر حضرت ابن مسعودؓ نے آپ ﷺ کے اتباع میں کہا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت سے متفقہ شجرے پر یا تو اضافہ ہو جاتا ہے اور یا اس سے کمی ہو جاتی ہے یعنی یا تو ادد کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یا عدنان (سے بھی پہلے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی) کمی ہوتی ہے اور ان دونوں صورتوں میں اس نسب کا خلاف ہو جاتا ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(اُدُد تک کے شجرے پر مزید اضافہ کرتے ہوئے) بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ (عدنان اُدُد کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ) عدنان اور ادد کے درمیان ایک اد بھی ہیں۔ چنانچہ یوں کہا جائے گا۔ عدنان ابن اَد ابن اُدُد۔

**اُدُد پہلا کاتب عربی**...... اس کو اُدُد اس لئے کہا گیا کہ اس کی آواز بہت لمبی تھی اور یہ بہت باعزت اور بلند مرتبہ آدمی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں یہ پہلا آدمی ہے جس نے لکھنا سیکھا۔ مراد ہے عربی لکھنا۔ مگر پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے لکھنا سیکھنے والے نزار ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ آیا اس قول پر ہیثم ابن عدی کی اس روایت سے تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ عربی لکھنے کو حیرہ سے حجاز تک پہنچانے والا حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اولیت یعنی قریش کی اولیت اضافی ہے۔

**عدنان و اسماعیلؑ کے درمیان فاصلہ**...... کہا جاتا ہے کہ عدنان کو عدنان اس لئے کہا گیا کہ انسان اور جن سب کی نظریں اس کی طرف دیکھتی رہتی تھیں۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان جو شجرہ ہے اس کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے کچھ لوگ (ان کے درمیان) سات باپ

(یعنی سات پشتیں) بتلاتے ہیں، بعض نو پشتیں بتاتے ہیں، کچھ پندرہ کہتے ہیں اور دوسرے بعض لوگوں نے چالیس پشتیں بتلائی ہیں۔ واللہ اعلم :۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا۔ آیۃ ۳۸ (سورۂ فرقان پ ۱۹ ار کوع ۳)

ترجمہ۔ اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا۔

**آدمؑ و ابراہیمؑ کے درمیان فاصلہ**...... یعنی ان سب قرنوں اور زمانوں کو جان لینا ممکن نہیں ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان دس قرن ہیں (قرن کے معنی سو (۱۰۰) سال کی مدت کے ہیں) اور حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان دس قرن ہیں۔

**دنیا کی عمر**...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دنیا کی عمر یعنی حضرت آدمؑ سے سات ہزار سال ہے آنحضرت ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے دنیا کی عمر میں سے پانچ ہزار سات سو چالیس سال گزر چکے تھے۔ ابوخثیمہ کی روایت ہے کہ پانچ ہزار آٹھ سو سال گزر چکے تھے۔

**آدمؑ و آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ**...... مؤلف کہتے ہیں کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے آنحضرت ﷺ کے ظہور تک پانچ ہزار آٹھ سو تیس سال گزرے تھے۔

**امت مسلمہ کی عمر**...... صحاح کے طریقے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ دنیا سات دن کی ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ظہور آخری دن میں ہوا ہے۔

**چودھویں صدی**...... حافظ سیوطیؒ نے لکھا کہ احادیث اور آثار یعنی صحابہؓ کے اقوال اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس امت کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ ہے مراد ہے امت مسلمہ کی عمر اور یہ (ایک ہزار سال پر) جو زیادتی ہے وہ پندرہ سو سال تو بالکل نہیں ہے البتہ تقریباً چودہ سو سال تک ہے۔

جہاں تک یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک ہزار سال سے زیادہ اپنی قبر مبارک میں نہیں رہیں گے۔ بالکل غلط ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک حافظ سیوطیؒ کا کلام ہے۔

**پانچ سو سال کا اضافہ ممکن**...... مگر حافظ سیوطیؒ کا یہ قول کہ یہ زیادتی پندرہ سو سال تک نہیں ہے کیا اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اس امت کی عمر آدھے دن بڑھا دے یعنی پانچ سو سال اضافہ کر دے (کیونکہ گذشتہ روایت میں ذکر ہوا ہے کہ ایک دن ایک ہزار سال کا ہے)

**دنیا کی عمر اور نجومیوں کے اقوال**...... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ دنیا کی عمر کے متعلق نجومیوں کے مختلف قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ متحرک ستاروں کی تعداد کے مطابق اس دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے کیونکہ ایسے ستارے سات ہیں۔ بعض نے بروج عدد کے مطابق دنیا کی عمر بارہ ہزار سال بتلائی ہے۔ اور بعض درجات فلک کے عدد کے مطابق اس کی عمر تین لاکھ ساٹھ ہزار سال بتلاتے ہیں۔ مگر یہ سب عقلی نظریات ہیں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

**تخلیق کائنات کی ترتیب اور فاصلے**...... شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم طبیعی کو پیدا کرنے کے اکہتّر (۷۱) ہزار سال بعد عالم موجودات میں سے جمادات، نباتات اور حیوانات کی تخلیق کو مکمل فرمایا اور عالم طبیعی کی تخلیق کے چوّن ہزار سال بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق فرمایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

دنیا کے نو ہزار سال بعد آخرت یعنی جنت اور دوزخ کو تخلیق فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کی بقاء کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

**تخلیق دنیا اور تخلیق آدم کے درمیان فاصلہ**...... (قال) دنیا کی عمر میں سے سترہ ہزار سال گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی مٹی کو تخلیق فرمایا اور اس وقت آخرت کی عمر میں سے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے آٹھ ہزار سال گزر چکے تھے۔

**تخلیق جنات اور آدمؑ کے درمیان فاصلہ**...... خدا نے زمین پر جنات کو آدمؑ سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ شاید یہی معنی ہیں بعض حضرات کے اس قول کے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے پہلے ایک مخلوق پیدا فرمائی تھی جو جانوروں اور درندوں کی صورت کی تھی۔ پھر اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس مخلوق کو ختم فرمادیا۔

**جنات کی قدیم نسلیں**...... کہا جاتا ہے کہ یہ جنات بز، طَم، رَم، جَس اور بَس تھے (یہ سب مختلف مخلوقات کے نام ہیں) انہوں نے زمین پر زبردست فساد پھیلایا اور خوں ریزی کی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

**کیا آدم بھی متعدد ہوئے؟**...... شیخ محی الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک ایسی قوم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا جن کو میں نہیں جانتا تھا ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں نے کہا کہ نہیں!۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے سب سے اولین آباء واجداد میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں مرے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس نے کہا کہ چالیس ہزار سال سے کچھ زیادہ۔ میں نے کہا کہ آدمؑ کو تو اتنی مدت نہیں گزری ہے۔ اس نے کہا کہ تم کون سے آدم کے متعلق کہہ رہے ہو، آیا اس آدم کے متعلق جو تم سے قریب ہیں یا کسی دوسرے آدم کے متعلق۔

**ایک لاکھ آدمؑ کے متعلق حدیث**...... یہ سن کر مجھے وہ حدیث یاد آگئی کہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا فرمائے ہیں تو میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ جد (دادا) جن کی طرف میرا اشارہ ہے ان ہی میں سے ہو جبکہ تاریخ اس بارے میں نامعلوم ہے باوجود یہ کہ یہ عالم بلاشک حادث ہے (حادث سے مراد نوپیدا شدہ یعنی جس کی کوئی ابتداء ہو۔ کیونکہ فلسفیوں کے ایک طبقے کا جو دہریوں کا ہے یہ دعویٰ ہے کہ عالم قدیم ہے یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔ یہاں تک شیخ محی الدین کا کلام ہے۔

**سام اور عیسٰیؑ کے درمیان فاصلہ**...... شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے کہا کہ وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت (عیسٰیؑ) مسیحؑ سے درخواست کی کہ ان کے سامنے سام ابن نوحؑ کو زندہ کر کے دکھائیں۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا مجھے ان کی قبر دکھلادو۔ قبر پر پہنچ کر مسیحؑ کھڑے ہوئے اور کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ اللہ تعالیٰ۔ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ چنانچہ سام نکل کر کھڑے ہو گئے مگر اس حال میں کہ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ مسیحؑ نے ان سے پوچھا کہ جب آپ کا انتقال ہوا تھا تو اس وقت تو آپ کے بال سیاہ تھا۔ سام نے جواب دیا کہ جب میں نے آواز سنی تو میں سمجھا کہ قیامت ہو گئی ہے (اس خیال کے ساتھ ہی خوف کی وجہ سے) فوراً میرے بال سفید ہو گئے۔ حضرت عیسٰیؑ نے ان سے پوچھا، آپ کے انتقال کو کتنے سال ہوئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ پانچ ہزار سال۔ مگر اب تک مجھ میں سے میری روح نکلنے کی حرارت اور تھکن دور نہیں ہوئی۔ (اس روایت سے گویا حضرت عیسٰیؑ اور سام ابن نوحؑ کے درمیان فاصلے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے)۔

**مزید نسب نہ ملنے کی وجہ**...... عدنان سے حضرت آدمؑ تک نسب کے سلسلے میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ

قدیم عرب صاحب کتاب نہیں تھے کہ وہ (اپنی تاریخ و نسب کے سلسلے میں) ان کی طرف رجوع کیا کرتے (صاحب کتاب سے مراد یہ ہے کہ قدیم عربوں میں کوئی پیغمبر آسمانی کتاب لے کر نہیں آیا) بلکہ ان لوگوں کا مدار ایک دوسرے کے حافظہ پر تھا اور شاید یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں کہ پہلا آدمی جس نے لکھنا سیکھا معد اور نزار تھے۔

سبط ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اس اختلاف کا سبب دراصل یہودیوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ ان لوگوں میں نوحؑ سے آدمؑ تک کے اور دوسرے نبیوں کے درمیان جو مدت اور زمانہ ہے اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

**اگلے نسب میں عدم جستجو**...... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ اس (درمیانی مدت اور شجرے کو) جاننا چاہتے تو یقیناً جان سکتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے واقف کر دیتا) مراد یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں کے علم کے لئے یہ بات معلوم کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔

**کیا حضور ﷺ کو اگلا نسب معلوم تھا**...... اس روایت کو اس طرح پڑھنا جس سے یہ معنی نکلتے ہوں جو بیان کئے گئے زیادہ بہتر ہے (کیونکہ اسی روایت کے عربی الفاظ کو اگر زبر اور جزم کے بجائے تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ اگر آپ ﷺ اس درمیانی زمانے کو بتلانا چاہتے تو بتلا سکتے تھے۔ مگر مؤلف کہتے ہیں کہ اس عبارت کو اس طرح پڑھنا زیادہ مناسب ہے جس سے وہ معنی پیدا ہوں جو پیچھے ذکر کئے گئے کیونکہ ان معنی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود آپ کو بھی اگرچہ اس زمانے کا علم نہیں تھا لیکن اگر آپ اس کو معلوم کرنا چاہتے تو معلوم کر سکتے تھے تاکہ پھر لوگوں کو بھی بتلا دیں۔

دوسری صورت میں جو معنی بنتے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس زمانے کا علم تھا لیکن آپ نے ہمیں نہیں بتلایا اگر آپ چاہتے تو ہمیں بھی بتلا دیتے)۔

**ترتیب زمانۂ انبیاء**...... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ گزرے ہیں اور حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان میں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ ابن عمران کے درمیان حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت لوطؑ گزرے ہیں۔ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے درمیان حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ گزرے ہیں۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھانجے اور ان کے کاتب تھے۔ حضرت شعیبؑ کو (جو بہترین مقرر تھے) انبیاء کا خطیب کہا جاتا ہے۔

**حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ**...... حضرت یوسفؑ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت یعقوبؑ کی عمر اکیانوے (۹۱) سال کی ہو چکی تھی حضرت یوسفؑ جب حضرت یعقوبؑ سے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان کے درمیان اکیس سال جدائی رہی اور دوبارہ مل جانے کے بعد سترہ سال اکٹھے رہے۔ یہاں تک سبط ابن جوزی کا کلام ہے۔

**یوسفؑ کے فراق و وصال کی مدت**...... اتقان میں لکھا ہے کہ یوسفؑ کو جب کنویں میں ڈالا گیا تو اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی اور اسّی سال کی عمر کے بعد باپ سے ملاقات ہوئی۔ ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی اور یہ عزیز مصر کے کاتب تھے۔

**فراق یوسفؑ کا سبب**...... کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے درمیان جدائی کا سبب یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ایک بکری کا بچہ اس کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی اس لئے انہیں خون کے بدلے میں خون دکھلایا، جدائی کے بدلے میں جدائی دکھائی اور سوزش کے بدلے میں سوزش دکھلائی (کیونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائی جب یوسفؑ کو کنویں میں ڈال کر آئے تو انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کا کپڑا دکھلایا جو وہ جانور کے خون سے رنگ لائے تھے اور کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ اس پورے واقعہ کا قرآن پاک میں ذکر ہے)

**حضرت موسیٰؑ و داؤدؑ**...... حضرت موسیٰؑ ابن عمران جو بنی اسرائیلؑ کے پہلے نبی ہیں اور حضرت داؤدؑ کے درمیان یوشعؑ ہوئے جو حضرت ہارونؑ کی طرح حضرت موسیٰؑ کے کاتب تھے۔

**داؤدؑ کی مذاق سے ممانعت**...... روایت ہے کہ جب حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو اپنا جانشین بنایا تو ان کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"میرے بیٹے مذاق (ہنسی ٹھٹھا) سے ہمیشہ بچتے رہنا اس لئے کہ اس سے فائدہ تو بہت کم ہے جبکہ بھائیوں کے درمیان یہ دشمنی پیدا کرتی ہے"۔

**مذاق دشمنی کا بیج**...... اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "بچوں سے مذاق مت کرو ورنہ ان کی نظروں میں ہلکے ہو جاؤ گے اور شریف آدمی سے مذاق کرو گے تو وہ تم سے حسد کرنے لگے گا اور ذلیل آدمی سے مذاق کرو گے تو وہ تمہارے سر چڑھ جائے گا، ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور دشمنی کا بیج مذاق ہے"۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذاق آدمی کے وقار اور ہیبت کو ختم کر دیتا ہے اور کینہ کا بیج بوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پھوٹ اور ناچاقی کا سبب مذاق ہے۔

**چند پند**...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو زیادہ مذاق کرتا ہے وہ یقیناً یا تو دوسروں کی نظروں میں ہلکا ہو جاتا ہے اور یا لوگ اس سے حسد رکھنے لگتے ہیں۔ لوگوں سے لالچ چھوڑ دو اس لئے کہ یہی اصل دولت اور امیری ہے۔ اور ایسی بات کہنے اور کرنے سے بچو جس پر بعد میں تمہیں معذرت کرنی پڑے۔ اپنی زبان کو سچ کی عادت ڈالو اور نیکی اور دوسروں سے بھلائی کرتے رہو، جاہلوں کی مجلس میں ہرگز نہ بیٹھو اور اگر غصہ آئے تو زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

**اچانک مرنے والے انبیاء**...... انبیاءؑ میں جن کی وفات اچانک ہوئی ہے حضرت داؤدؑ (بھی ہیں اور ان کے علاوہ) ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ اور حضرت ابراہیمؑ ہیں۔

پھر (حضرت موسیٰؑ ابن عمران اور حضرت داؤدؑ کے درمیان جو نبی ہوئے ہیں (ان میں) یوشع کے بعد کالب ابن یوقنّا ہیں جو حضرت یوشع کے خلیفہ ہیں پھر حزقیل ہیں جو کالب کے خلیفہ ہیں علیھم السلام۔

**حضرت کالب ابن عجوز**...... حضرت کالب کو ابن عجوز (یعنی بڑھیا کا بیٹا) کہا جاتا تھا اس لئے کہ ان کی والدہ بوڑھی اور بانجھ ہو گئی تھیں (مگر ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یہ انہیں ایک بیٹا عطا فرمائے (چنانچہ ان کی دعاء مقبول ہوئی اور) ان کے یہاں حضرت کالبؑ پیدا ہوئے۔ یہ ذوالکفل

ہیں اس لئے کہ انہوں نے نبیوں کی ضمانت اور ذمہ داری لی اور انہیں قتل ہونے سے بچالیا۔

**حضرت شموئیلؑ و طالوت**...... پھر (کالب کے بعد) طالوت ملک ہیں۔ جب حضرت شموئیلؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو (ان کی قوم) بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے درمیان ایک بادشاہ متعین فرما دیجئے۔ حضرت شموئیلؑ نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا۔ طالوت قوم کے بڑے لوگوں میں سے نہیں تھے بلکہ چرواہے تھے۔ ایک روایت ہے کہ پانی بھرنے کا کام کرتے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کچھ اور تھے۔

**داؤدؑ و عیسیٰؑ کے درمیان انبیاء**...... اور حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے حضرت ایوبؑ ہوئے پھر حضرت یونسؑ ہوئے پھر حضرت شعیاؑ ہوئے پھر حضرت احصیاءؑ پھر حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ ہوئے۔

ابو حیان نے نہر میں اس آیت پاک کی تفسیر میں لکھا ہے۔ :

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ الآيَة

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے۔

پ ا سورۂ بقرہ رکوع ۱۰

**موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار نبی**...... حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان جو نبی گزرے ہیں وہ یہ ہیں حضرت یوشعؑ، حضرت شموئیلؑ، حضرت شمعونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت شعیاءؑ حضرت ارمیاءؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ علیہم السلام۔ ان میں حضرت عزیرؑ، حضرت ہارونؑ ابن عمران کی اولاد میں ہیں۔ اور یہ کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار نبی گزرے ہیں۔ یہاں تک ابو حیان کا کلام ہے۔

حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے کاتب تھے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو نبی ہیں ان کے متعلق بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

## آنحضرت ﷺ کے نسب کا شرف

آپ ﷺ کے نسب کے شرف و منزلت اور عظمت و شان کے متعلق جو احادیث آتی ہیں ان میں ایک حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں آدمی بنی ثقیف کے فلاں آدمی کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ اسے دور کرے وہ قریش سے بغض رکھتا تھا۔

**قریش کی فضیلت**...... جامع صغیر میں ہے "قریش لوگوں کی راستی اور نیکی ہیں اور لوگ ان کے بغیر درست نہیں ہو سکتے جیسے کہ کھانا نمک کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ قریش اللہ کے دوست ہیں، جس نے ان سے لڑائی باندھی وہ تباہ ہوا اور جس نے ان سے برائی کرنے کا ارادہ کیا وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوا"۔

**توہین قریش کا ارادہ بھی ناجائز**...... حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے ہی یہ حدیث بھی نقل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :۔

"جس نے قریش کی توہین کرنے کا ارادہ کیا، اللہ اس کی توہین کرتا ہے" (آخر حدیث تک)
سب سے بدترین توہین جو ہو سکتی ہے وہ آخرت میں توہین ہے۔

**ارادہ عمل پر سزا نہیں**...... (یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا انصاف اور عدل یہ ہے کہ وہ محض بدی کو سوچنے اور ارادہ کرنے پر بندے کو سزا نہیں دیتا بلکہ اس کے لئے بدی کا سرزد ہو جانا ضروری ہے کیونکہ سزا وجزا عمل پر ہے۔ اوپر کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ جس نے قریش کی توہین کا ارادہ کیا یا توہین کرنی چاہی اللہ تعالیٰ اس کی توہین کرے گا اور سب سے بدترین توہین، توہین آخرت ہے۔ یہاں محض ارادہ کرنے یا چاہنے پر سزا کا حکم کیوں ہے اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) یہاں ارادہ سے یا تو عزم اور پختہ ارادہ مراد ہے یا مبالغہ مقصود ہے اور یا پھر یہ (محض ارادۂ بد پر سزا کا مستحق ہو جانا) قریش کی خصوصیات میں سے ہے۔ تینوں صورتوں میں یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہوتی کہ اپنے انصاف میں اللہ کا یہ عام حکم اور فیصلہ ہے کہ محض ارادہ پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ سزا اور جزا صرف اعمال پر اور ان اقوال پر ہو گی جو واقع ہو چکے ہوں۔ یا پھر ایسے اقوال پر ہو گی جو واقعہ کے درجہ میں ہوں جیسے پختہ عزم اور قطعی ارادہ (کیونکہ فیصلہ آخری اور قطعی ہو جائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے عمل میں آچکا ہے) ورنہ یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کہ آدمی جو کچھ اپنے دل میں سوچتا ہے اس پر اس سے کوئی بازپرس نہیں ہو گی۔

**قریش کی منفرد خصوصیات**...... حضرت اُمّ ہانی بنت ابو طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات خصوصیتوں کی وجہ سے قریش کی فضیلت بیان فرمائی جو ایسی خصوصیات ہیں کہ نہ ان سے پہلے کسی کو (یہ سب) ملیں اور نہ ان کے بعد کسی کو دی جائیں گی۔ ان میں نبوت کا ہونا، ان میں خلافت کا ہونا) ان میں منصب حجابہ کا ہونا، ان میں منصب سقایہ کا ہونا، اصحاب فیل یعنی ابرہہ کے لشکر پر ان کی فتح، ان کا سات سال اور ایک روایت کے مطابق دس سال اس طرح خدا کی عبادت کرنا کہ ان کے سوا کوئی اللہ کی عبادت نہیں کر رہا تھا اور ان کے متعلق قرآن پاک کی ایک آیت کا اترنا جس میں ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں یعنی لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ الخ

یہاں لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کو ایک سورت کا نام دینا بعض لوگوں کے اس قول کو رد کر دیتا ہے کہ سورۂ فیل اور لایلاف قریش ایک ہی سورت ہے۔

اس گذشتہ حدیث کا یہ جز قابل غور ہے کہ قریش نے بغیر دوسروں کے اتنی مدّت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

**محبت قریش علامت ایمان**...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قریش سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور عام کافر قریشی کافروں کے تابع ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم قریش میں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امام اور سردار قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے راویوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے جس کا نام انہوں نے "لذة العيش في طُرق حديث الائمة من قريش" رکھا ہے۔

**قریش کا علم**...... ایک حدیث میں ہے کہ قریش کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔

ایک روایت میں کہ قریش کو برامت کہو اس لئے کہ ان میں کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! قریش کو ہدایت عطا فرما اس لئے کہ ان میں کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔

**امام شافعیؒ بھی قریشی**......اماموں کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں امام احمد ابن حنبلؒ بھی ہیں کہ وہ عالم امام شافعیؒ ہیں کیونکہ صحابہؓ اور دوسرے حضرات میں کسی قریشی عالم کا علم زمین کے طبقات میں اتنا نہیں پھیلا جتنا امام شافعیؒ کا پھیلا ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان اماموں میں جن کا فروعی مسائل میں اتباع کیا جاتا ہے امام شافعیؒ کے سوا کوئی قریشی نہیں ہے۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ امام مالک ابن انس بھی قریشی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس قول باطل کے مطابق قریشی ہوتے ہیں کہ قصی ابن کلاب قریش کا مورث اعلیٰ ہے۔

سبکیؒ کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے امام شافعیؒ کے خواص میں سے یہ ہے کہ جو بری نیت کے ساتھ ان کے یا ان کے مذہب کے درپے ہوا وہ بہت جلد ہلاک ہو گیا۔ ان حضرات کی اس بات کی بنیاد رسول اللہ کا یہ قول ہے کہ جس نے قریش کی توہین کی اللہ تعالیٰ اس کی توہین کرتا ہے۔ یہاں تک امام سبکیؒ کا کلام ہے۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں اس حدیث کی سند کمزوری سے خالی نہیں کہ "قریش کو برامت کہوں کیونکہ ان میں کا عالم طبقات زمین کو علم سے بھر دیتا ہے۔" اس قول کے ذریعہ انہوں نے صنعانیؒ کی اس بات کو رد کر دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ حاشا وکلا امام احمد بن حنبلؒ کسی موضوع حدیث کو اپنی کسی بات کی دلیل نہیں بنا سکتے۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ (ایسی حدیث کے ذریعے) وہ امام شافعیؒ کی فضیلت ثابت کریں۔

ابن حجر ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایسے معاملوں میں یعنی تعریف و فضائل میں رائج اور مشہور ہے اور اس کو موضوع سمجھنا یا تو حسد کی وجہ سے ہے اور یا کھلی غلطی ہے۔

**موتِ عالِم موتِ عالَم**......ربیعؒ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت آدمؑ کی وفات ہو گئی میں نے اس بارے میں (علماء سے تعبیر کے متعلق) سوال کیا۔ مجھے بتلایا گیا کہ یہ زمین والوں میں سب سے بڑے عالم کی موت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سب کچھ سکھلا دیا تھا (اس لئے ان کی موت دیکھنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ موجودہ وقت میں سب سے بڑے عالم کی موت ہونے والی ہے) تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امام شافعیؒ کی وفات ہو گئی۔

**امام شافعیؒ کے اقوال زریں**......امام شافعیؒ کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :

"جو تمہارے سامنے تمہاری ایسی صفات بتلائے اور ایسی تعریف کرے جو تم میں نہیں ہیں وہ تمہیں گویا گالیاں دیتا ہے۔ جو تمہیں دوسروں کی باتیں سناتا ہے وہ تمہاری باتیں بھی دوسروں کو سنائے گا، جس نے تمہارے پاس آکر کسی کی چغلی کی وہ کسی دوسرے سے تمہاری بھی چغلی کرے گا، اور ایسا شخص جس کو اگر تم خوش کر دو تو تم میں ایسی اچھائیاں گنائے جو تم میں نہیں ہیں اگر تم اس کو ناراض کر دو تو تم میں وہ برائیاں گنائے گا جو تم میں نہیں ہیں"۔

**قریش کے متعلق نصائح نبوی ﷺ**......قریش کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"قریش کو آگے رکھوان سے آگے مت بڑھو"۔ ایک روایت میں ہے کہ ان پر علم میں غلبہ پانے کی کوشش مت کرو اور نہ علم میں ان پر برتری کی کوشش کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو اس ادنیٰ مقام پر مت رکھو جو استاد کے مقابلے میں شاگرد کا ہوتا ہے"!

آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے :۔

"قریش سے محبت کرو اس لئے کہ جو ان سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا"۔

**قریش کی عالی مقامی**...... آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے :۔

"اگر قریش کے مغرور و متکبر ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو بتلاتا کہ اللہ عزوجل کے نزدیک ان کا کتنا اونچا رتبہ ہے"۔

سنن ماثورہ میں امام شافعیؒ سے ایک روایت نقل ہے جس کو مزنی نے بیان کیا، امام طحاویؒ نے کہا ہم سے مزنیؒ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے امام شافعیؒ نے بیان کیا کہ قتادہ ابن نعمان کا (کسی معاملے میں) قریش سے جھگڑا ہو گیا اور قتادہ نے گویا انہیں برا بھلا کہا۔ آنحضرت نے فرمایا۔

"ٹھہرو قتادہ قریش کو برا مت کہو اس لئے کہ شاید تمہیں ان میں ایسے آدمی نظر آئیں جن کو اگر تم دیکھ لو تو تم ان سے خوش ہو، اگر قریش کے مغرور و سرکش ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں انہیں بتلاتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کتنا بلند رتبہ ہے"۔

یعنی اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے مرتبے اور بڑائی کو جان کر وہ عمل ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ شاید اس بھروسہ پر وہ ناجائز حرکتوں کا ارتکاب بھی کر ڈالیں گے تو میں ان کو یہ باتیں بتلاتا۔

مگر ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "تو میں بتلاتا کہ ان میں کے نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا زبردست ثواب ہے"۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قریش کی کتنی زیادہ قدر و منزلت اور کتنا اونچا مرتبہ ہے۔

**قریش کی امانت داری**......ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"لوگو! بے شک قریش امانت دار ہیں جو ان کے لئے برائی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو اوندھا کر دے گا"۔

آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں تھے کہ ان کے پاس حضرت سعیدؓ ابن عاص کا گزر ہوا حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا اور کہا، بھتیجے! خدا کی قسم میں نے جنگ بدر میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کیا (اور اگر میں نے کیا ہوتا) تو میں ایک مشرک کے قتل کے بارے میں کیوں معذرت کرتا۔

حضرت سعیدؓ ابن عاص نے جواب دیا کہ اگر آپ ہی قتل کرتے تو بھی آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر۔

حضرت عمرؓ ان کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کہا کہ قریش خیالات کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے افضل ہیں اور امانتداری کے لحاظ سے سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ جو قریش کی برائی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو اوندھا کر دے گا (یعنی اسے ذلیل کر دے گا) یہاں تک سنن ماثورہ کی روایت ہیں۔

حضرت سعیدؓ کے باپ عاص کو قتل کرنے والے حضرت علی ابن ابو طالب ہیں۔ ایک روایت ہے کہ سعدؓ ابن ابی وقاص ہیں۔ حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ بدر میں عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار حاصل کی۔

**قریش کے نیک و بد کی شان**...... آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قریش کے شریر لوگ شریر آدمیوں میں بہتر ہیں۔ ایک روایت ہے کہ قریش کے اچھے لوگ عام اچھے لوگوں سے بہتر ہیں ور قریش کے شریر آدمی عام شریر آدمیوں سے برے ہیں۔ یہاں غالباً دوسرے حصے میں "بہتر" کا لفظ چھوٹ گیا جس سے پچھلی روایت اور اس روایت میں مطابقت پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ گذشتہ روایت اسی کا تقاضہ کرتی ہے (کہ اچھے لوگ اچھوں میں بہتر ہیں اور برے لوگ بروں میں بہتر ہیں) یہ بھی ممکن ہے کہ اس روایت کو جوں کا توں رہنے دیا جائے (یعنی قریش کے شریر، شریروں میں بدترین ہیں) اس لئے کہ قریش مقتدا ہیں (اور مقتدا ہونے کی شان ان میں ہر صورت میں پائی جاتی ہے) مگر بدترین قسم کے شریر تھے (مگر چونکہ بدترین ہونے کے باوجود بھی مقتدا ہونے کی شان ان میں موجود تھی اس لئے ان کو عام بدترین لوگوں میں بہتر کہنے کی یہی وجہ ہے۔ یا اگر انہیں بدتروں میں بدترین کہا جائے تو اس بنا پر کہ مقتدا ہونے کی شان چونکہ ان میں ہے (اس لئے اچھے ہوں گے تو عام اچھے آدمیوں میں بہترین ہوں گے اور شریر ہوں گے تو عام شریروں میں بدترین کہلائیں گے)

**قریش اس دین کے والی**...... پھر میں نے سنن ماثورہ میں حضرت امام شافعیؒ کی ایک روایت دیکھی جس کو مزنی نے ان سے نقل کیا ہے کہ قریش کے اچھے آدمی اچھوں میں بہترین ہیں اور قریش کے برے آدمی بروں میں بہترین ہیں۔

حدیث میں ہے کہ قریش اس دین کے والی ہیں۔ پس نیک آدمی قریش کے نیک آدمیوں کے تابع ہیں اور فاجر آدمی قریش کے فاجروں کے تابع ہیں۔ اسی بناء پر امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ "قریش اہل امامت ہیں" مزنی نے اس کو اسی طرح "اہل امانت" نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حقیقت میں یہ میم کے ساتھ "اہل امامت" ہے (یعنی قریش ان میں سے ہیں جن میں سرداری ہے)۔

ہمارے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ قریش قطب عرب ہیں (یعنی تمام عربوں کا ان پر مدار ہے) اور ان میں بھلائی اور مروّت ہے۔

**حضور ﷺ کی عظمت شان**...... آنحضرت ﷺ کے اس نسب کے عظمت و شرف پر جو دوسری روایت ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو حضرت عمروؓ ابن العاص سے روایت ہے کہ (آں حضرت ﷺ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں میں عربوں کو منتخب فرمایا اور ان تمام عربوں میں جن میں سے میں ہوں مجھے ان میں سے منتخب فرمایا (یعنی بنی ہاشم میں سے)

حضرت واثلہؓ ابن اسقع سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:۔

"اللہ تعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش کو چنا، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا"۔

**آنحضرت ﷺ انتخاب بنی آدمؑ**...... (اقول) مؤلف کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت واثلہؓ کے ہی ذریعہ سے ان الفاظ میں بھی آئی ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے حضرت ابراہیمؑ کو انتخاب فرمایا اور انہیں اپنا دوست بنایا، پھر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسماعیلؑ کو انتخاب فرمایا، پھر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں نزار کو انتخاب فرمایا، پھر نزار کی اولاد میں مضر کو انتخاب فرمایا، پھر مضر کی اولاد میں بنی کنانہ کو انتخاب فرمایا، پھر بنی کنانہ میں قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنی ہاشم کو انتخاب فرمایا، پھر بنی ہاشم میں بنی عبدالمطلب کو انتخاب فرمایا اور پھر بنی عبدالمطلب میں سے مجھے انتخاب فرمایا۔" واللہ اعلم۔

(قال) ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت اسماعیلؑ کو منتخب فرمایا پھر بنی اسماعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

**جبرئیلؑ بہترین خلائق کی تلاش میں**...... اسی طرح قریش اور آنحضرت ﷺ کے نسب کے فضائل میں ہے جسے جعفر ابن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

"میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا۔ میں دنیا کے مشرق اور مغرب اور میدانوں اور پہاڑوں میں گھوما مگر مجھے مضر کے سوا جانداروں میں کوئی چیز خیر اور بہتر نہیں ملی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر میں بنی مضر میں گھوما مگر مجھے کنانہ کے سوا کوئی بہترین انسان نہیں ملا، پھر اللہ کے حکم پر میں بنی کنانہ میں پھرا مگر مجھے قریش سے بہتر کوئی آدمی نہیں ملے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر میں قبیلہ قریش میں گھوما مگر مجھے بنی ہاشم سے بہتر لوگ کوئی نہیں ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں بنی ہاشم میں سے بہترین آدمی کا انتخاب کروں تو مجھے آپ ﷺ سے بہتر کوئی انسان نہیں ملا"۔

**حضور ﷺ مشترک متاع عرب**...... وفاء میں حضرت ابن عباسؓ سے اس ارشاد باری کے متعلق ایک روایت ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۔ پ ۱۱ سورہ توبہ ، ع ۱۶ آیت ۱۲۸

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں"۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عربوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے مضر اور اس کے ربیعہ اور اس کے یمانی میں آنحضرت ﷺ کی ولادت نہ ہوئی ہو"۔

(یعنی مضر اور ربیعہ اور یمانی میں جاکر تمام قبائل مشترک ہو جاتے ہیں، یا یوں کہا جائے کہ یہ تینوں عربوں کے مشترک اجداد ہیں اس لئے آپ کا ظہور ہر قبیلہ عرب کے اعتبار سے ان کے اپنوں میں ہوا ہے)۔

**نسبی برتری**...... حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان میں سے بنی آدمؑ کو منتخب فرمایا، پھر بنی آدمؑ میں سے عربوں کو منتخب فرمایا پھر عربوں میں سے مضر کو منتخب فرمایا پھر بنی مضر میں قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا، پس میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں تک میں بہترین ہوں (آخر حدیث تک)

اس حدیث میں یہ لفظ کہ "پھر بنی مضر میں قریش کو منتخب فرمایا" اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مضر قریش کا مورث اعلیٰ نہیں ہے ورنہ اس کی تمام اولاد قریش کہلاتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کی سند کو وہ مرفوع[1] کرتے ہیں اور حافظ عراقیؒ نے اس سند کی تحسین کی ہے کہ

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرئیلؑ کو (اس دنیا میں) بھیجا۔ انہوں نے انسانوں کی دو (۲) قسمیں کیں ان میں سے ایک قسم عرب ہے اور ایک قسم عجم ہے (ان دونوں قسموں میں) اللہ تعالیٰ نے قسم عرب کو پسند فرمایا۔ پھر عربوں کی دو (۲) قسمیں کیں، ان میں سے ایک قسم یمن تھی اور ایک قسم مضر تھی (ان دونوں قسموں میں) اللہ تعالیٰ نے قسم مضر کو پسند فرمایا۔ پھر (حضرت جبرئیلؑ نے) بنی مضر کی دو قسمیں کیں، ان میں سے ایک قسم قریش تھی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو پسند فرمایا، پھر ان میں (یعنی قریش میں) جو بہترین اور پسندیدہ تھے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا"۔

بعض علماء لکھتے ہیں کہ جو کچھ قریش کی فضیلت میں آیا ہے وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کیلئے ثابت ہے اس لئے کہ وہ قریش میں مخصوص ہیں۔ اور جو بات عام کے لئے ثابت ہوتی ہے وہ یقیناً خاص کے لئے بھی ثابت ہو جاتی ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہوتا (کہ جو بات خاص کے لئے ثابت ہو وہ عام کے لئے ثابت ہوتی ہو)۔

**حضور ﷺ کی کرامت و شرافت**...... شفاء میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور مجھے ان میں سے بنایا جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:۔

اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (قرآن حکیم پ سورہ ع آیت

ترجمہ (اصحاب یمین یعنی دائیں والے اور اصحاب شمال یعنی بائیں والے)

پس میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور میں اصحاب یمین میں بھی بہترین ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کی تین قسمیں بنائیں اور مجھے ان تینوں میں بہترین بنایا۔ اور وہ (یعنی تین قسموں کے متعلق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے

اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ، وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ (قرآن حکیم پ ۲۷ سورۂ واقعہ)

ترجمہ: داہنے والے اور بائیں والے اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے۔

پس میں سابقین (یعنی سبقت لے جانے والوں میں سے ہوں) میں بہترین ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کو قبیلوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں بہترین قبیلے میں سے بنایا۔ اور وہ (یعنی قبیلوں سے متعلق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ۔ (قرآن حکیم پ ۲۶ سورۂ حجرات ع ۲ آیت ۱۳)

ترجمہ: اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو"۔

پس میں اولاد آدم میں سب سے بہترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ کریم و شریف ہوں اور یہ غرور نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو گھرانوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بنایا جو گھرانے کے

---

[1] حدیث مرفوع جس کی سند کا سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچتا ہو، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مرتب

اعتبار سے سب سے بہترین ہیں اور یہ غرور نہیں ہے، اور وہ (یعنی گھرانوں کے متعلق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (قرآن حکیم) پ ۲۱ سورۂ احزاب ع ۴ آیت ۱۳
ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی ﷺ کے گھر والو (اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے) یہاں تک شفاء کا کلام ہے جو قابل غور ہے۔
اسی نسب کی عظمت و شان کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے ان شعروں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَبَدَا لِلْوُجُوْدِ مِنْكَ كَرِيْمٌ
مِنْ كَرِيْمٍ اٰبَاؤُهٗ كُرَمَاءُ

اس عالم کے لئے تجھ سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) ایک کریم نبی ظاہر ہوا۔ یہ کریم پیغمبر ایک معزز گھرانے کا فرد ہے۔

نَسَبٌ تَحْسَبُ الْعُلَا بِحِلَاهُ
قَلَّدَتْهَا نُجُوْمَهَا الْجَوْزَاءُ

یہ ایک ایسے بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس سے بڑھ کر معزز کوئی دوسرا خاندان نہیں تمام خاندانوں کے سلسلے میں ان کے خانوادہ کا نام ایسا ہے جیسا کہ ستاروں کی لمبی لڑی میں جوزا ستارہ۔

حَبَّذَا عِقْدُ سُؤْدُدٍ وَفَخَارٍ
اَنْتَ فِيْهِ الْيَتِيْمَةُ الْعَصْمَاءُ

کتنا اچھا ہے سرداری اور فخر کا ہار۔ اور آپ اے محمد ﷺ اس ہار میں ایک منفرد اور یکتا موتی کی حیثیت میں ہیں۔

**اللّٰھم صلّ علیٰ محمد** ...... یعنی اس عالم کے لئے تیری جانب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک کریم انسان ظاہر ہوئے جن میں کمال کی ساری صفات جمع ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں لوگوں میں سے میرا ایک گہرا دوست ہے (یعنی یہ جملہ بھی اسی قسم کا ہے جیسا کہ یہ محاورہ) اور یہ کریم انسان جو ظاہر ہوئے ان کے باپ دادا بھی کریم اور شریف تھے اور جاہلیت کے عیب سے محفوظ تھے (یعنی جاہلیت میں جیسے ننگے ہو کر طواف کیا جاتا تھا، زندہ لڑکیوں کو دفن کیا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ ان عیبوں سے آپ کے باپ دادا محفوظ تھے) ان کے آباء و اجداد کہنے میں ان کی والدہ اور ننھالی سلسلہ بھی شامل ہے۔ اور ان کے آباء و اجداد اور ننھال والے) سب کے سب کریم و شریف تھے اور جاہلیت کی کمزوریوں سے محفوظ تھے یعنی جاہلیت کے اوصاف میں جو چیزیں اسلام کے نزدیک کمزوری اور عیب شمار ہوتی ہیں (ان سے محفوظ تھے) اور یہ ایسا نسب ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نسب نہیں ہو سکتا۔ اس کی عظمت کے متعلق اگر تم غور کرو گے تو جن کمالات اور عظمتوں سے یہ مزین اور سجا ہوا ہے ان کی وجہ سے تم یہ محسوس کرو گے کہ جوزاء (آسمان کے ایک برج کا نام ہے) نے جس کے ستاروں کو "نطاق جوزاء" (یعنی جوزاء کی اوڑھنی) کہا جاتا ہے ان عظمتوں کا ایک ہار پہن رکھا ہے اور وہ ہار سرداری کا ہے اور جو یہ صفات رکھتا ہو اس کی تعریف کی جاتی ہے تو گویا آپ اس ہار میں ایک یکتا اور درمیان کے ایسے موتی ہیں جس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے اور جو اپنی عظمت کی وجہ سے نگاہوں سے محفوظ ہے۔

**دادھیال اور ننھیال سے عالی نسب** ...... یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ (آپ کے نسب میں) باپ دادا کے ساتھ ماؤں کے سلسلے کو کیوں شامل کیا گیا اس کو نسب کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ شرعی نسب صرف باپ

کے سلسلے میں ہوتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہاں نسب کے لغوی معنی مراد ہیں (یعنی اصطلاحی اور شرعی نسب تو وہی ہوتا ہے جس میں صرف باپ دادا کا سلسلہ لیا جائے لیکن لغوی طور پر دیکھا جائے تو نسب کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ جن کی طرف آدمی منسوب ہو اور اس میں ماں اور باپ دونوں شامل ہیں)۔

یا یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کے باپ دادا کے کمزوریوں سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے صلب سے آپ ﷺ نکلے ہیں (وہ کمزوریوں سے محفوظ ہیں) اس صورت میں لازمی طور پر آپ ﷺ کی ننھیالی نسبت کو بھی ایسا ہی ماننا پڑے گا (کیونکہ آپ ﷺ ان سے بھی نکلے ہیں)۔

پاک نطفوں سے پاک رحموں میں...... آگے یہ حدیث آئے گی کہ میں پاک مردوں کے نطفوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا (یعنی مراد باپ دادا اور وہ مائیں ہیں جن کی اولاد میں آپ ﷺ ہوئے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر باپ اور ہر ماں کے ساتھ آپ ﷺ کو پہلوں کے مقابلہ پر بعد میں آنے والوں سے زیادہ قریبی نسبت حاصل ہے اس لئے ان میں سے ہر باپ کی صلب (یعنی نطفہ) اور ہر ماں کا رحم پاک تھا) اس بارے میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث آگے آئے گی۔

عالی نسبی، شرط نبوت...... علامہ ماوردیؒ نے کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے نسب کا حال معلوم ہوتا ہے اور آپ کی ولادت کی پاکیزگی کا علم ہوتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ شریف اور عالی مرتبت آباؤ اجداد کے نطفوں سے نکلے ہیں جن میں کوئی بھی نیچے درجے کا نہیں تھا۔ ان میں سے ہر ایک سردار اور رہنما تھا۔ نسب کا شرف اور ولادت کی پاکیزگی نبوت کی شرائط میں سے ہے۔ یہاں تک ماوردیؒ کا کلام ہے۔

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے جو قصیدہ کہا ہے اس کے چند شعر یہ ہیں :۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْماً قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ
فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِيمُهَا

جب قریش کسی دن فخر کرنے کے لئے جمع ہوں تو سمجھ لو ان میں عبد مناف سب سے زیادہ شریف اور معزز ہیں۔

وَإِنْ حُصِّلَتْ أَنْسَابُ عَبْدِ مَنَافِهَا
فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا

اور اگر عبد مناف کی اولاد کے نسب کا ذکر ہو تو سمجھ لو کہ ان میں کی شرافت اور بزرگی ہاشم میں ہے

وَإِنْ فَخَرَتْ يَوْماً فَإِنَّ مُحَمَّداً
هُوَ الْمُصْطَفٰى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيمِهَا

اور اگر کسی دن ان میں فخر ہو تو سمجھ لو کہ حضرت محمد ﷺ ان میں سب سے منتخب کریم اور شریف ہیں

بہتر قوم سے مراد اشرف قوم ہے۔ چنانچہ قوموں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کی قوم ہے قبیلوں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کا قبیلہ ہے اور خاندانوں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کا خاندان ہے۔

حضور ﷺ کے لئے عربوں سے محبت...... ابن عمرؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"جو عربوں سے محبت کرے تو وہ میری وجہ سے کرے اور جو ان سے دشمنی رکھے تو میری وجہ سے

رکھے۔(یعنی عربوں سے بھی تمہاری محبت اور دشمنی کا معیار میری ذات ہونی چاہئے)"۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:۔

"اے سلمان! مجھ سے دشمنی مت رکھنا ورنہ اپنے دین سے محروم ہو جاؤ گے"۔

**عربوں سے بغض حضور ﷺ سے بغض**...... میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! بھلا آپ سے کیسے دشمنی رکھ سکتا ہوں جبکہ آپ ﷺ ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی" تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"اگر تم عربوں سے بغض وعداوت رکھو گے تو وہ گویا مجھ سے ہی دشمنی رکھنا ہوگا"۔

**عرب دشمنی علامت نفاق**...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ منافق کے سوا عربوں سے کوئی بغض وعداوت نہیں رکھ سکتا"۔

ترمذی میں حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"جس نے عربوں سے کینہ اور فریب کیا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ اسے میری محبت ملے گی"۔

ترمذی نے اس کو حدیث غریب[1] کہا ہے۔ آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے:۔

"سنو! جو عربوں سے محبت کرے وہ میری محبت کی وجہ سے کرے اور جو عربوں سے دشمنی رکھے وہ میری وجہ سے دشمنی رکھے"۔

**عربوں سے محبت کیوں ضروری؟**...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"عربوں کے ساتھ تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو، ایک اس لئے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور جنت والوں کی زبان عربی ہے"۔

**عربوں کا مقام بلند**...... نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"قیامت کے دن لواء الحمد (جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس دن جو لوگ میرے جھنڈے سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہ عرب ہوں گے"۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"جب عرب ذلیل ہو جائیں گے تو اسلام بھی ذلیل ہو جائے گا"۔

ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ عرب امت میں سب سے زیادہ اولیٰ اور اشرف ہیں اس لئے کہ وہ دین کے سب سے پہلے مخاطب ہیں۔(دوسرے یہ کہ) دین عربی ہے۔

**حضور ﷺ اشرف خلائق**...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "عربوں میں بہترین لوگ بنی مضر ہیں اور بنی مضر میں بہترین لوگ بنی عبد مناف ہیں اور بنی عبد مناف میں بہترین لوگ بنی ہاشم ہیں اور بنی ہاشم میں بہترین لوگ بنی عبدالمطلب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد جب ان کی اولادوں کو تقسیم کیا ہے تو میں ان میں بہترین قسم میں رہا ہوں"۔

اقول مؤلف کہتے ہیں:۔ ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

---

[1] حدیث غریب وہ ہے جس کی سند میں کسی جگہ ایک ہی راوی ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مرتب

"اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا کیا تو مجھے اپنی بہترین مخلوق میں سے بنایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بنایا جو قبیلے کے اعتبار سے بہترین ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے افراد کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہترین افراد میں سے بنایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے گھرانوں کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا کیا پس میں لوگوں میں گھرانے کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں اور نسب کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں"۔

حضرت ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو (۲) قسمیں فرمائیں اور مجھے ان میں سے بنایا جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کی تین قسمیں فرمائیں اور مجھے ان تینوں میں سے بہترین قسم میں بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں سے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں بنایا جو قبیلے کے لحاظ سے بھی بہترین ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں سے گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بنایا جو گھرانے کے اعتبار سے بہترین ہیں"۔

شفاء کے حوالے سے اسی طرح کی ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے جس میں صرف اتنی زیادتی ہے کہ اس میں آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ حدیث قابل غور ہے۔

**فخر نسب کی ممانعت**...... یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بہت سی احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ فخر و غرور کے طور پر اپنے ان اباء و اجداد سے نسبت ظاہر کی جائے جو جاہلیت کے زمانے کے ہیں۔ مثلاً ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:۔

"اپنے ان باپ دادا کو اپنے لئے فخر کا ذریعہ نہ بناؤ جو جاہلیت کے زمانے میں مرے ہیں۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ گندگی میں رینگنے والے بدبودار کیڑے تمہارے ان باپ دادا سے بہتر ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں مرے ہیں"۔

حدیث میں ہے کہ لوگ یا تو جاہلیت کے زمانے کا فخر و غرور چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدبودار کیڑوں سے بھی بدتر ہوں گے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ نسب کی آفت فخر ہے یعنی آباؤ اجداد کے شرف کی مصیبت یہ ہے کہ اس شرف کے ذریعہ اپنی بڑائی بیان کی جائے۔

**احادیث نسب فخر نہیں اقرار**...... اس اعتراض کا جواب امام حلیمیؒ نے یہ دیا ہے کہ (گذشتہ ان تمام احادیث سے جن میں نسبی شرافت و عظمت کا ذکر کیا گیا ہے) رسول اللہ ﷺ کا مقصود فخر و بڑائی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ان کے مقام اور مراتب کا اقرار فرمایا ہے اسی وجہ سے بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں کہ یہ کوئی فخر کے لئے بیان نہیں کیا جارہا ہے بلکہ یہ بیان ہے اس بات کا جس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے چاہے اس سے فخر لازم آتا ہو (کیونکہ اصلاً یہ فخر نہیں ہے) حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو حاصل ہوئی اور یہ اس نعمت کا اقرار اور اظہار ہے چاہے اس سے فخر لازم آتا ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت اللہ تعالیٰ کے اس قول وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ

ترجمہ: (اور پھرتے رہے مجھے نمازیوں میں)

کے تحت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔ میں ایک نبی سے دوسرے نبی کے نطفے میں منتقل

ہوتا رہا یہاں تک کہ خود نبی کی حیثیت سے اس دنیا میں آیا۔ یعنی آپ ﷺ کے اجداد میں نبی موجود ہیں۔ اس بارے میں حدیث آگے آئے گی کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) مجھے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے نطفے میں ڈالا پھر نوحؑ کے نطفے میں پھر حضرت ابراہیمؑ کے نطفے میں اس کی دلیل بھی آگے آرہی ہے۔

**حضور ﷺ اصلاب انبیاء میں رہے**...... ابن عباسؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستقل طور پر مذکورہ نبیوں کے علاوہ غیر نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کو جنم دیا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آپ ﷺ کے اجداد میں نبیوں کے علاوہ عام لوگوں کا ہونا اس روایت کے خلاف نہیں ہے (یعنی اوپر کی روایت سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کو حضرت ابن عباسؓ ہی کی اس دوسری روایت کے الفاظ صاف کر رہے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نبیوں اور غیر نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے) بلکہ مراد یہ ہوئی کہ آپ ﷺ کے اجداد میں نبی بھی شامل ہیں جیسا کہ یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کے اجداد سب کے سب نبی نہیں ہیں (بلکہ ان میں غیر نبی کی تعداد زیادہ ہے)

**نور محمدی ﷺ ساجدین میں رہا**...... لیکن (ابن عباسؓ کے علاوہ) دوسرے محققین نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نور ایک ساجد (یعنی سجدہ کرنے والے) سے دوسرے ساجد میں منتقل ہوتا رہا (اس تحقیق کی بنیاد وہی مذکورۂ بالا آیت پاک ہے یعنی تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ۔ پھیرتے رہے تمہیں نمازیوں میں بعض مفسرین نے اس آیت سے یہ اشارہ مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی میں منتقل ہوا ہے اور نمازیوں سے مراد آپ ﷺ کے آباء واجداد ہیں لیکن جیسا کہ آگے آئے گا۔ مؤلف کتاب اس آیت کا یہ منشاء نہیں مراد لیتے کہ نور نبی ﷺ پاک نطفوں میں منتقل ہوتا رہا بلکہ کہتے ہیں کہ یہاں ساجدین سے مراد آپ ﷺ کے اصحاب ہیں)۔

**ساجدین سے شیعوں کا استدلال**...... ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ آیت کے جس حصے کا ذکر یعنی تفسیر کی گئی ہے اس کے متعلق روافض یعنی شیعہ حضرات نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد مومن تھے اس لئے کہ ساجد (سجدہ کرنے والا اور جس کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نمازی سے کیا ہے) مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ایمان کو سجدے سے تعبیر فرمایا ہے اس بارے میں مزید بحث آگے آئے گی۔ یہ ظاہر پر کیا ہوا استدلال ہے (یعنی آیت کی ظاہری صورت سے جو معنی مراد لئے گئے ہیں وہ یہ ہو سکتے ہیں کہ ساجد یا نمازی سے مراد آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد ہیں) ورنہ جیسا کہ آیت کے معنی کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ میں تہجد پڑھنے والوں کا حال معلوم کر رہے ہیں۔

**آیت ساجدین کی تفسیر**...... (اس آیت کی یہ تفسیر کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ) قیام لیل یعنی رات کی نماز یا تہجد کی فرضیت آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے منسوخ ہوئی جبکہ پہلے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر یہ تہجد کی نماز فرض تھی اور یہی صحیح ہے (پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر تہجد یعنی رات کے وقت اللہ کی عبادت کرنا فرض تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے جس کا اثر یہ تھا کہ صحابہؓ کے پیر اور ٹانگیں درد کرنے لگیں اور ان پر ورم آگیا۔ ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف اور آسانی پیدا فرمائی اور تہجد کی فرضیت ختم

فرما کر اس کو نفل کی حیثیت باقی رکھا گیا۔ اس کی تفصیل تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۹ سورۂ مزمل میں دیکھی جا سکتی)۔

**ساجدین سے مراد تہجد گزار**...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء پر بھی واجب تھی (جب تہجد کی فرضیت کو ختم کیا گیا تو آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ صحابہ کرام اس حکم کی منسوخی کے بعد اب بھی تہجد ضرور پڑھتے ہوں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کے مشتاق اور جویا رہتے ہیں اس لئے) آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے گھروں کا رات کے وقت چکر لگایا تاکہ ان کا حال معلوم کریں یعنی آیا انہوں نے معراج کی رات میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد تہجد کی فرضیت جو منسوخ ہو گئی ہے اس کے بعد بھی رات کی نماز چھوڑی ہے یا نہیں کیونکہ صحابہؓ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں (اس لئے ممکن ہے وہ اب بھی تہجد پڑھ رہے ہوں) چنانچہ رات کو جب آپ ﷺ ان کے گھروں کے پاس سے گزرے تو) آپ ﷺ نے ان کے گھروں کو ایسا پایا جیسے بھڑوں کے چھتے (یعنی جس طرح بھڑوں کے چھتے میں مسلسل بھڑوں کی آواز، زاں زاں کی صورت میں آتی رہتی ہے اسی طرح گھروں میں سے صحابہؓ کے آہستہ آہستہ کلام پاک پڑھنے کی آواز آرہی تھی)۔

**فرضیت تہجد اور منسوخی**...... اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل کی شروع کی آیتوں میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پر فرض کیا تھا کہ رات بھر یا آدھی رات یا کچھ کم یا زیادہ خدا کے حضور میں کھڑے ہوا کریں (یعنی عبادات کیا کریں) پھر اسی سورت کے آخر میں ما تیسّر (ترجمہ۔ سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔ اس منسوخی کا حکم ایک سال بعد آیا۔ پھر یہ حکم بھی (یعنی یہ کہ جتنا آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو) شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ اسی لئے بعض علماء نے اس کو نسخ ناسخ قرار دیا ہے (یعنی منسوخ کرنے والے حکم کی منسوخی) کیونکہ بعد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا تھا کہ اس سورت کا آخری حصہ پہلے حصہ کے لئے منسوخ کرنے والا ہے (یعنی پہلے حصہ میں تہجد کو فرض کیا گیا اور اسی سورت کے آخری حصے میں جو ایک سال بعد نازل ہوئی، اس فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت (جو شب معراج میں ہوئیں) سورۂ مزمل کا یہ آخری حصہ بھی منسوخ ہو گیا (جس میں صحابہؓ کو رعایت دی گئی تھی اسی لئے اس کو نسخ ناسخ کہا گیا)۔

**تہجد اختیاری عبادت نہ کہ ایجابی**...... یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہاں (یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آیت فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس بات کو اس آیت کے حصے کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

ترجمہ: اس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔ اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا) کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ تو فی الحقیقت مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے (اور پہلی بار آنحضرت ﷺ نے میدان بدر میں کفار کا مقابلہ کیا ہے) اس لئے فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ میں اختیار ہے ایجاب نہیں ہے (یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ رات کی عبادت مت کرو

بلکہ اختیار ہے کہ جسے توفیق ہو وہ کر سکتا ہے نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

(یہ اعتراض صرف اس بناء پر پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں جہاد کا بھی حکم ہے اور چونکہ جہاد مکے کی زندگی میں فرض نہیں ہوا تھا بلکہ مدینے پہنچنے کے بعد اس کا حکم آیا ہے اس لئے اس آیت کو جس نے قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ کیا ہے کہا گیا کہ یہ بھی مدینے ہی میں نازل ہوئی ہو گی۔ لیکن علامہ ابن کثیرؒ اس پوری سورت کو مکی قرار دیتے ہیں اور جہاد کی فرضیت کے متعلق جو آئندہ چل کر ہونے والی تھی خبر دینے کو نبوت کی اعلیٰ مثال قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ "یہ آیت بلکہ پوری سورت مکی ہے مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے، پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمان کو جہاد میں پوری مشغولیت ہوئی، نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے (ابن کثیر پارہ ۲۹ سورۂ مزمل)۔

(اصل بحث اس آیت پر چل رہی ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں مذکور ہے یعنی وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کہ یہاں ساجدین سے کیا مراد ہے۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ساجدین سے مراد ایک نبی سے دوسرے نبی کے نطفے میں آنحضرت ﷺ کے نور کا منتقل ہونا ہے)۔

**آیت ساجدین کی مختلف تفسیر**...... علاء رافضہ نے ساجدین سے مراد آنحضرت ﷺ کے تمام آباء و اجداد کو لیتے ہوئے انہیں مسلمان قرار دیا ہے کہ یہاں ایمان کو سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے اور سجدہ کرنے والا مسلمان ہی ہو سکتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کے نور کا ایک ساجد سے دوسرے ساجد میں منتقل ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا نور ایک مومن کے نطفے سے دوسرے مومن کے نطفے میں منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے جو پیش کی گئی۔ یعنی مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ اس آیت کے ایک معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ آپ اپنے صحابہ میں تہجد پڑھنے والوں کا حال معلوم کرتے پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کی چوتھی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ )اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے جاتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں آپ کا حالت بدلنا کھڑے ہوتے ہوئے پھر بیٹھتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے سجدہ کرنے والوں یعنی نمازیوں میں (اس طرح گویا آنحضرت ﷺ کو اطمینان دلایا گیا کہ نماز اور اس کے دوران ان کی حالت میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے اور آپ کی حفاظت فرماتا ہے۔ کیونکہ مکے میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہر طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے، ہمہ وقت دشمنوں سے نقصان پہنچنے کا خدشہ رہتا تھا نماز کے دوران جبکہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر صرف اللہ کی عبادت و اطاعت میں مشغول ہوتے تھے، یہ خطرہ اور زیادہ تھا کہ اس حالت میں کفار کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے۔ اس تفسیر کے مطابق آپ کو مطمئن کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت آپ کے ساتھ ہر وقت ہے)اس تفسیر کے مطابق ساجدین کا تعلق تقلبك سے نہیں ہے بلکہ لفظ ساجداً سے ہے جس کو اس عبارت میں پوشیدہ مانا جا رہا ہے)۔

**کیا حضور ﷺ کے اجداد مومن تھے**...... یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ (رافضہ کی تفسیر کے مطابق جب) ساجدین سے مراد مؤمنین ہیں تو اس میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد میں حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بھی ہے جو کافر تھا۔

**ابراہیمؑ کا باپ کون تھا**...... مؤلف کہتے ہیں کہ اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ تمام اہل کتاب اس بات پر

متفق ہیں کہ آذر ابراہیمؑ کا چچا تھا (باپ نہیں تھا) اور عرب والے چچا کو باپ کہہ کر پکارتے ہیں جیسا کہ وہ خالہ کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کا واقعہ حکایت فرمایا کہ انہوں نے کہا "میرے باپ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ" حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اسماعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا (یعنی تایا) تھے۔ اسی وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا یعنی خ کے ساتھ۔ ماہرین نسب میں جمہور کی رائے یہی ہے صرف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اس کو ح سے (بغیر نقطے کے) تارح لکھا ہے۔

**آذر یا تارخ**...... لیکن بہر حال بعض محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ آذر اس کا لقب تھا اصل میں آذر اس بت کا نام تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا اس طرح اس کے دو (۲) نام ہوگئے آذر اور تارخ جیسے کہ حضرت یعقوبؑ کے دو (۲) نام تھے یعقوب اور اسرائیل۔

**مؤمن یا کافر**...... بعض حضرات جیسے قاضی بیضاویؒ نے کہا ہے کہ جنہوں نے آیت کے ظاہر کو دیکھ کر ابراہیمؑ کے باپ کے متعلق رائے قائم کی انہوں نے تساہل اور سستی سے کام لیا (یعنی اگر غور کرنے کی زحمت کرتے تو ان کو رائے بدلنی پڑتی) قاضی بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابراہیمؑ کا باپ کفر کی حالت میں ہی مرا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ ان کا چچا تھا یہ بغیر دلیل کے ظاہری معنی سے ہٹنا ہے (یعنی اگر دلیل اور ضرورت آپڑے تب تو آیت کے) صاف اور ظاہری معنی سے ہٹ کر باریکی تلاش کرنی چاہئے ورنہ آیت کا جو صاف اور واضح مطلب ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے)۔

اس بارے میں نہر میں جو کچھ ذکر ہے وہ بھی اس کی موافقت میں ہے (کہ آذر ضرت ابراہیمؑ کا باپ تھا اور کفر کی حالت میں مرا) نہر میں جو ذکر ہے وہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ آذر ابراہیمؑ کے باپ کا نام تھا۔ نہر کی یہ بات حافظ سیوطیؒ کے اس قول کی نفی کرتا ہے جو انہوں نے ابراہیمؑ کی اس دعاء سے نکالا ہے (وہ قول یہی ہے کہ آذر ابراہیمؑ کا چچا تھا اور جس آیت سے انہوں نے یہ مطلب نکالا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہے)

رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (سورۂ ابراہیم پ ۱۳ ع ۶ آیت ۴۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب۔

**باپ کے لئے دعاء مغفرت**...... یہ دعاء حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اسی چچا کی موت کے بہت مدت بعد مانگی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں کافر کی حیثیت سے ہوا ہے (گویا حافظ سیوطیؒ اسی بنیاد پر آذر کو ابراہیمؑ کا چچا مان رہے ہیں کہ ابراہیمؑ نے اس کی مغفرت کی دعاء مانگی اور دعائے مغفرت مردوں کے لئے ہی مانگی جاتی ہے۔ اس وقت جبکہ یہ دعاء مانگی گئی ان کے چچا کو مرے ہوئے ایک عرصہ ہوچکا تھا اس لئے یہ دعاء اسی کے لئے مانگی گئی ہے۔ مگر اس میں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس وقت جبکہ یہ دعاء مانگی گئی ابراہیمؑ کا باپ زندہ تھا یا نہیں۔ کیونکہ اگر باپ بھی مرچکا تھا تو یہ دعاء اسی کے لئے ہوگی یعنی حقیقی باپ کے لئے ؟

**یہ دعاء کافر چچا کے لئے تھی**...... ابراہیمؑ نے یہ دعا چونکہ ایک کافر کے لئے مانگی تھی جو مغفرت کے قابل نہیں اس لئے جب انہیں تنبہ ہوا تو انہوں نے اس کی مغفرت مانگنے سے اپنی برائت کا اظہار کیا۔ چنانچہ حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ) پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس مغفرت کی دعاء سے اپنی برائت ظاہر کی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ

(پارہ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۴۔ آیۃ ۱۱۴)

ترجمہ: اور بخشش مانگنا ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدے کے سبب کے وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیمؑ پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا۔

تو یہ ابراہیمؑ کا چچا تھا حقیقی باپ نہیں تھا (یعنی مذکورہ بالا آیات جیسا کہ ظاہر کر رہی ہیں وہ کافر تھا مگر ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا جس کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عرب والے جس طرح خالہ کو ماں پکارتے ہیں اسی طرح چچا کو باپ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں)۔

اس کے بعد حافظ سیوطیؒ اپنی اس تحقیق پر انتہائی اطمینان اور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے یہ تحقیق میرے دل میں ڈالی۔

باپ کا ایمان بھی مشتبہ...... مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ بات یہیں آکر ختم نہیں ہو جاتی، البتہ اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے کہ جب ابراہیمؑ نے دعائے مغفرت سے اپنی برأت کا اظہار کیا اس وقت ان کا باپ زندہ ہو۔ اسی طرح ان کی اس برأت کا سبب ان کے چچا کی کفر کی حالت میں موت ہو، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ وحی یعنی اطلاع نہ ہو کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا (کیونکہ اگر یہ وحی اس برأت کا سبب ہے تو پھر یہ برأت حقیقی باپ کے متعلق ہو گی جو اس وقت تک نہیں مرا تھا) اس صورت میں حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی باپ ہی ہو گا جس میں کہا گیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ اس حالت میں نظر آئے کہ ان کے چاروں طرف سر سبز باغ نظر آتا تھا اور آگ نے جو ان کے چاروں طرف تھی سوائے ان کی مشکوں یعنی مونڈھوں پر بندھی ہوئی رسّیوں کے کچھ نہیں جلایا تھا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے بہترین کلمہ کہا تھا کہ "اے ابراہیم! تیرا رب بہت ہی اچھا رب ہے"۔ (تو گویا علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کو ان کمزوریوں کے باوجود جن کا اوپر ذکر کیا گیا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آذر ابراہیمؑ کا چچا تھا تو پھر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا یہ قول جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کیا ہے ان کے حقیقی باپ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا اور اس طرح یہ کلمہ علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کو مضبوط کرے گا کیونکہ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا یہ بہترین کلمہ ہے۔ اس لئے کہ بہترین کلمہ جو انسان ادا کر سکتا ہے وہی ہے جس میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف ہو یا اس کی وحدانیت کا اظہار ہو یا اس کی قدرت و عظمت کا اقرار ہو۔ ایسا کلمہ چاہے مؤمن کہے یا کافر بہر حال بہترین کلمہ ہے)۔

کشاف نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت ان کی عمر صرف سولہ (۱۶) سال تھی (مگر اس بارے میں اختلاف ہے کیونکہ) ان کے علاوہ بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیس (۳۰) سال تھی جبکہ وہ تیرہ سال قید رہ چکے تھے۔

نور قریش کی تخلیق...... اس تفصیل کے بعد پھر اصل موضوع یعنی آنحضرت کے نسب کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک نور کی صورت میں تھے اور یہ نور ہر وقت اللہ کی تسبیح کرتا رہتا تھا اور ان کی تسبیح و عبادت کے ساتھ فرشتے بھی تسبیح کرتے رہتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو یہ نور ان کی صلب یعنی پیٹھ میں ڈالا گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے آدمؑ کی پیٹھ میں زمین پر اتار دیا اور پھر نوحؑ کے نطفے

میں ڈالا اور اس کے بعد حضرت ابراہیم کے ———— نطفے میں ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی طرح شریف و کریم نطفوں اور پاک رحموں میں منتقل فرمایا یہاں تک کہ اس نے مجھے میرے ماں باپ میں سے نکالا جنہوں نے کبھی فحش حرکت نہیں کی تھی۔

**نور قریش نور محمدی ﷺ کا جزء**...... اقول مؤلف کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کا جو قول ہے وہ پہلے حصہ سے متعلق نہ ہو جس میں فرمایا گیا ہے کہ قریش اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نور کی طرح تھے (کیونکہ اگر اس پوری روایت کو ایک مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) اس طرح آنحضرت ﷺ کا نور قریش کے نور کے مجموعے میں شامل ماننا پڑے گا جسے بعد میں نور قریش سے الگ کر کے حضرت نوحؑ کے نطفے میں منتقل کیا گیا۔ بلکہ آگے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد آئے گا کہ "میں آدمؑ کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے ایک نور کی شکل میں تھا۔" اس قول کی موجودگی میں یہ ماننا لازم ہے کہ آپ کا نور قریش کے نور سے پہلے ہو اور یہ کہ قریش کا جو نور تھا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہی نور سے نکلا ہوا تھا۔

**نور محمدی ﷺ اور انبیاء سابق**...... (دوسری بات یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے نور کے منتقل ہونے کے سلسلے میں صرف تین نبیوں کا نام لیا ہے یعنی حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) آپ ﷺ نے صرف ان انبیاء کے ناموں پر بس کی جن کے نام اس حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تینوں انبیاء تمام نبیوں کے باپ ہیں چنانچہ (حضرت آدمؑ تو تمام انسانوں کے باپ ہیں ہی) نوحؑ کی اولاد میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام ہیں (جن سے آگے پیغمبروں کا سلسلہ چلا) اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف شعیب اور موسیٰ و ہارون علیہم السلام ہیں۔ یہ اس بناء پر کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے یا ان کے باپ کے بھائی ہیں ورنہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا آپ ﷺ کا نور حضرت آدمؑ سے حضرت شیثؑ میں منتقل ہوا تھا اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں (یعنی حضرت ابراہیمؑ سے پیغمبروں کے دو سلسلے چلے ہیں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد میں سرور کائنات ﷺ۔ اور دوسرا سلسلہ حضرت اسحاقؑ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے سے چلا یعنی بنی اسرائیل کے انبیاء کا سلسلہ جس کے متعلق گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک ہزار پیغمبر ہوئے ہیں)۔

**نور محمد ﷺ کی تخلیق**...... علی بن حسینؓ سے روایت ہے جو اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"میں آدمؑ کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے ایک نور کی حیثیت میں تھا"۔

پھر میں نے کتاب التشریفات فی الخصائص والمعجزات دیکھی۔ اس کتاب کے مؤلف کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا :۔

"اے جبرئیل! تمہاری کتنے سال کی عمر ہے"؟

**جبرئیلؑ کی عمر**...... حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا :۔

"یارسول اللہ! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے پردہ میں (مراد غالباً چوتھا آسمان ہے) ایک ستارہ ہے جو ہر ستّر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا ہے میں اس کو بہتّر ہزار مرتبہ دیکھ چکا ہوں"۔

**محمد شمع محفل کائنات**...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا :۔

"اے جبرئیلؑ! میرے پروردگار جل جلالہ کی قسم کہ وہ ستارہ میں ہی ہوں"۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہاں تک مؤلف تشریفات کا کلام ہے۔

**بعد از خدا بزرگ توئی**...... (تشریح :)اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کے نور اور حضرت جبرئیلؑ کی عمر دونوں کا انداز ہوتا ہے جو ستارہ ستّر ہزار سال میں صرف ایک مرتبہ نکلتا ہو اور اس کو حضرت جبرئیلؑ بہتّر (۷۲) ہزار مرتبہ نکلتے دیکھ چکے ہوں تو یہ اتنی بے شمار مدت بنتی ہے کہ شاید عدد اور ہندسوں میں اس کا اظہار ممکن نہیں ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے نور کو پیدا کرنے کی مدت ہے کیونکہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ایک نور کی شکل میں تمام مخلوق سے پہلے وجود پا چکے تھے۔ اور اس حدیث میں آپ نے اس نور کی تشریح بھی فرمادی ہے کہ وہ ایک ستارے کی شکل میں تھا جو اتنی اتنی مدت بعد نکلتا تھا اور جبرئیلؑ اس کو بہتّر ہزار مرتبہ دیکھ چکے ہیں تو اب اللہ ہی جان سکتا ہے کہ جبرئیلؑ کے اس ستارے کو پہلی بار دیکھنے سے کتنی مدت پہلے سے وہ ستارہ نکل رہا ہو گا۔

بہر حال یہ عظیم مدت ایسی ہے کہ اس کا ہندسوں میں اظہار مشکل ہے، جیسا کہ آج کے سائنس دانوں نے لامتناہی رفتار اور مدت کے اظہار کے لئے ہندسوں کو بے بس پا کر نوری سال کی اصطلاح وضع کی ہے جس کا مطلب ہے کہ روشنی جو دنیا میں تیز رفتار ترین چیز ہے ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ بیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صرف چوبیس گھنٹوں میں یہ جتنا فاصلہ طے کرلے گی اس کا اظہار کسی عدد یا ہندسے کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا، چہ جائے کہ کائنات کے ان بے نہایت فاصلوں کو میلوں کے ذریعہ ظاہر کیا جائے جہاں تک خود روشنی صدیوں اور کروڑوں سال میں پہنچ سکتی ہے۔ اسی لئے ان فاصلوں کے اظہار کے لئے نوری سال کو اصطلاح کے طور پر ایک پیمانہ اور عدد مقرر کیا گیا کہ روشنی اپنی اسی تیز رفتاری یعنی ایک لاکھ بیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرے گی وہ ایک نوری سال یعنی LIGHTYEAR کہلائے گا(...... تشریح ختم...... مرتب)

**نور محمد ﷺ اوّل مخلوقات**...... پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا تو یہ نور ان کی پیٹھ میں رکھ دیا یہ گویا اس وقت ہوا کہ آپ بھی نور کی صورت میں تھے اور قریش بھی نور کی صورت میں تھے۔ مگر اس طرح کہ آپ کا نور قریش کے نور سے پہلے پیدا کیا گیا تھا (یعنی سب سے پہلے آپ کا نور پیدا کیا گیا پھر آپ کے نور سے ہی قریش کا نور بنایا گیا اور آدمؑ کی تخلیق کے وقت یہ نور ان کی کمر میں ڈال دیا گیا۔

اس سے پہلے ایک روایت گزری ہے کہ آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش ایک نور کی صورت میں تھے جیسے آدم کی پیٹھ میں ڈالا گیا۔ یہ گویا اس کی وضاحت ہے کہ قریش کو جو نور کی شکل میں پیدا کیا گیا وہ آپ ﷺ کے بعد اور آپ کے نور کی وجہ سے ہوا)۔

بلکہ آگے روایت آئے گی کہ آپ ﷺ کا نور ساری مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا، بلکہ یہ مخلوقات یعنی آدمؑ اور ان کی اولاد کو اسی نور سے پیدا کیا گیا۔

**نور مصطفیٰ ﷺ جبین آدمؑ میں**...... اس صورت میں یہاں اس کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ آدمؑ کو آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیا گیا اور پھر یہ نور ان کی پیٹھ میں ڈالا گیا۔ چنانچہ گذشتہ حدیث میں گذر چکا

ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو یہ نور ان کے پیٹھ میں رکھ دیا۔ یعنی پھر یہ نور ان کی پیشانی میں دمکتا تھا اور ان کے سارے نور پر غالب رہتا تھا۔ جیسا کہ آگے پوری بات آئے گی۔

**آدمؑ سے صلب شیثؑ میں**...... پھر (آدمؑ سے) یہ نور ان کے بیٹے حضرت شیثؑ کے نطفے میں منتقل ہوا جو ان کے نائب بنے۔ حضرت شیثؑ کو اس نور کے متعلق جو کچھ بھی وصیت کی گئی ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی اولاد میں جس کی طرف بھی وہ اس نور کو منتقل کریں اس کو وصیت کر دیں کہ وہ اس نور کو کسی پاک دامن عورت کے رحم میں رکھے۔ یہ وصیت گذشتہ زمانوں میں اسی طرح چلتی رہی یہاں تک کہ یہ نور عبدالمطلب تک پہنچا۔

**نور محمدی ﷺ نسل در نسل**...... یہ سب تفصیل اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں جس کی طرف بھی یہ نور منتقل ہوا اس میں یہ واضح طور پر محسوس ہوتا تھا۔ یہ بات اس گذشتہ بات کے خلاف جاتی ہے جس میں اس نور کے منتقل ہونے کے متعلق بعض مخصوص حضرات کا ذکر کیا گیا ہے (کیونکہ اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نور حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت کے والد عبداللہ تک برابر ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتا رہا مگر اس سے پہلے جو روایت گزری ہے اس میں متعین طور پر بعض ناموں کا ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

**شیثؑ حوا کی تنہا اولاد**...... حضرت حوا کے کبھی کوئی تنہا اولاد نہیں ہوئی سوائے حضرت شیثؑ کے (کہ وہ تنہا پیدا ہوئے) جو اس نور ہی کی کرامت تھی۔

**شیثؑ پیٹ میں نظر آتے تھے**...... روایت ہے کہ وہ یعنی حضرت شیثؑ اپنی والدہ کے پیٹ میں اتنی مدت رہے کہ پیٹ ہی میں ان کے دانت نکل آئے تھے۔ اور ان کی والدہ یعنی حضرت حواؑ کا پیٹ اس وقت اتنا صاف اور پاکیزہ تھا کہ شیثؑ ماں کے پیٹ میں نظر آتے تھے۔ یہ آدمؑ کی تیسری اولاد ہیں۔

**آدمؑ کی کل اولاد**...... حضرت حوا کے ہر مرتبہ دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ ان کے یہاں بیس مرتبہ پیدائش ہوئی جس میں چالیس اولاد ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) بچے ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ایک سو اسّی (۱۸۰) بچے ہوئے اور ایک روایت ہے کہ پانچ سو (۵۰۰) بچے ہوئے۔

**موت کے وقت آدمؑ کی اولاد**...... کہا جاتا ہے کہ جب آدمؑ کی وفات ہوئی تو ان کے بیٹوں اور پوتوں میں چالیس ہزار آدمی تھے جنہوں نے ان کا ماتم کیا۔ آدمؑ کی نسل میں سوائے شیثؑ کی اولاد کے اور کسی بیٹے کی اولاد کے متعلق تاریخی علم نہیں ہے اس لئے کہ ان کی بالکل اولادیں نہیں ہوئیں (یا ان کا سلسلہ نہیں چلا) اس لئے وہ ابوالبشر (یعنی انسانوں کے باپ) ہیں۔

حضرت جابرؓ ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا:۔

"یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے بتلائیے کہ ساری چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز کو پیدا فرمایا"؟

**آنحضرت ﷺ عالم موجودات کی اصل**...... آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

اسی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ (اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ) تمام موجودات کی اصل ہیں۔ واللہ

سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

**عربوں کے نسبی طبقے**...... عربوں کے نسب میں جو طبقے ہیں ان کی تعداد اور ترتیب میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ عیون الاثر میں زبیر ابن بکارؒ کا قول ہے کہ (عربوں کے نسبوں میں) چھ طبقے ہیں۔ جن کی تفصیل اور ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے شعب ہوتا ہے پھر قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فخذ اور پھر فصلہ۔

زبیر ابن عراقی نے ان طبقوں کو اسی ترتیب کے ساتھ دو (۲) شعروں میں نظم کیا ہے۔

لِلْعَرَبِ الْعَرْبَا طِبَاقٌ عِدَّةٌ
فَصَّلَهَا الزُّبَيْرُ وَهِيَ سِتَّةٌ

ترجمہ: عرب عاربہ کے کئی طبقے ہیں
جن کی تفصیل زبیر (عراقی) نے کی ہے اور وہ چھ ہیں

اَعَمُّ ذَاكَ الشَّعْبُ فَالْقَبِيْلَةُ
عِمَارَةٌ، بَطْنٌ، فَخْذٌ، فَصِيْلَةٌ

ان میں سب سے پہلے شعب ہے پھر قبیلہ
پھر عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ ہیں

چنانچہ (اس ترتیب کے مطابق) شعب سے قبیلے بنتے ہیں، قبیلوں سے عمارہ بنتے ہیں، عمارہ سے بطن بنتے ہیں بطن سے فخذ بنتے ہیں فخذ سے فصیلہ بنتے ہیں۔

**آنحضرت ﷺ کے طبقات نسب**...... چنانچہ مضر (جس کو قریش کا مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے) رسول اللہ ﷺ کا شعب ہے آپ ﷺ کا شعب خزیمہ کا بھی کہا جاتا ہے (کیونکہ اس کے متعلق بھی قریش کا مورث اعلیٰ ہونے کی روایتیں ہیں) اور کنانہ آپ ﷺ کا قبیلہ ہے اور قریش آنحضرت ﷺ کے عمارہ ہیں اور قصیٰ آپ ﷺ کا بطن ہے اور ہاشم آپ ﷺ کے فخذ ہیں اور بنی عباس آپ ﷺ کے فصیلہ ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فصیلہ کے بعد عشیرہ ہوتا ہے اور عشیرہ کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فصیلہ عشیرہ کے بعد ہوتا ہے، کہتے ہیں اس کے بعد رہط ہوتا ہے۔

بعض محققین نے اس کے بعد ذریت، عترہ اور اسرہ کا بھی اضافہ کیا ہے مگر ان کی ترتیب کا صحیح حال معلوم نہیں ہے۔

محمد ابن اسعد نے کہا ہے کہ یہ طبقے بارہ ہوتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے جذم، پھر جمہور، پھر شعب، پھر قبیلہ پھر عمار، پھر بطن پھر فخذ پھر عشیرہ پھر فصیلہ، پھر رہط پھر اسرہ پھر ذریت۔ مگر اس میں محمد ابن سعد نے عترہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کے بطون (بطن کی جمع) اسباط کہلاتے ہیں۔ شعب عربی میں ایسے گھنے درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بہت سی ٹہنیاں شاخیں اور پتے ہوں۔ بطون عرب قبائل کہلاتے ہیں۔ اور بطون عجم شعوب (شعب کی جمع) کہلاتے ہیں۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

## باب دوم (۲)



# آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ

**عبد اللہ کا حسن وپاکدامنی**...... عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ، قریش میں صورت شکل اور اپنے اخلاق کی وجہ سے سب سے اچھے تھے اور آنحضرت ﷺ کا نور ان کے چہرے پر صاف نظر آتا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین آدمی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کے نزدیک عبد اللہ اپنے باپ کی اولاد میں سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ حسین سب سے زیادہ پاک دامن اور سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کو ہدایت دی اور انہوں نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔ یہ ذبیح بھی ہیں (یعنی جیسے اسماعیلؑ ذبیح کہلاتے ہیں۔ اسی طرح عبد اللہ بھی ذبیح کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے باپ عبد المطلب نے اپنی ایک منّت کو پورا کرنے کے لئے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

**چاہ زمزم اور عبد المطلب**...... ان کے والد عبد المطلب کو خواب میں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا یعنی اسماعیلؑ کے کنویں کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنواں حضرت جبرئیلؑ کے واسطے سے حضرت اسماعیلؑ کے لئے ہی نکالا تھا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل کعبے کی بنیاد کے سلسلے میں آئے گی۔

**دودفعہ کھدائی**...... زمزم کا کنواں دو مرتبہ نکالا گیا۔ ایک مرتبہ حضرت آدمؑ کے لئے اور ایک مرتبہ اسماعیلؑ کے لیے۔ اس کنویں کو (دوبارہ کھودے جانے کے بعد) قبیلہ جرہم نے پاٹ دیا تھا۔

**کعبہ کی بے حرمتی اور مضاض کی فہمائش**...... قبیلہ جرہم نے (جو اس وقت مکے کے سردار اور بیت اللہ کے نگراں تھے) جب بیت اللہ شریف کی بے حرمتی شروع کردی اور کعبے میں بڑے بڑے گناہ کرنے لگے تو ایک مرتبہ ان کا سردار مضاض ابن عمرو جرہمی اٹھا اور خطبوں اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ اپنی قوم کو سمجھانے لگا (کہ اس مقدس مقام کی بے حرمتی اور اس طرح توہین نہ کریں) مگر لوگوں پر اس وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا (اور وہ اپنی نامناسب حرکتوں سے باز نہیں آئے)۔

**مال سمیت کنویں کی بھرائی**...... جب مضاض نے یہ دیکھا (کہ قوم پر سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا

ہے اور وہ اپنی بیہودگیوں سے باز نہیں آئیں گے تو مایوس ہو کر اس نے قوم کو اسکے حال پر اور بربادی کے دہانے پر چھوڑ کر وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا) اس نے کعبے میں سے وہ دونوں ہرنیاں نکالیں جو خالص سونے کی بنی ہوئی تھیں، اس کے علاوہ اس نے وہ سب مال و دولت اور ہتھیار جیسے تلواریں اور زرہیں وغیرہ بھی وہاں سے نکالیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور ان سب چیزوں کو زمزم کے کنویں میں بھر کر کنویں کو پاٹ دیا۔

**کعبہ کی ہرنیاں اور شاہ فارس**...... مرآت زماں میں ہے کہ یہ دونوں ہرنیاں اور اسی طرح تلواریں ساسان نے (بیت اللہ کو) ہدیہ کی تھیں جو فرس ثانیہ کا پہلا بادشاہ تھا (یہ شاہان فارس کی دوسری سلطنت کا جو ساسانی سلطنت تھی، بادشاہ تھا۔

**شاہان فارس کے چار خاندان**...... تشریح :۔ فارس کی چار سلطنتیں چار خاندانوں نے بنائیں۔ مگر ان خاندانوں کی ترتیب اس سے مختلف تھی۔ تاریخ ابو الفداء نے ان کی ترتیب یہ دی ہے کہ سب سے پہلے فیشدازیہ خاندان کی سلطنت تھی جس میں نو دس بادشاہ ہوئے سب کا لقب فیشدازیہ تھا جس کے معنے بہت انصاف اور عدل کرنے والے کے ہیں۔ ان نو بادشاہوں کے نام یہ ہیں اوشہنج، طہورث، جمشید، بیوراسب، اس کو ضحاک بھی کہا گیا، فریدوں، ابن اثفیان، منوچہر، افراسیاب، زو اور کرشاسف،

**فیشدازیہ کے بعد کیانی خاندان**...... دوسری سلطنت کرشاسف کے مرنے کے بعد کیانیوں کی ہوئی جس میں سب سے پہلے کیقباد بادشاہ بنا جو زو کا بیٹا تھا، اس کے بعد کیکاؤس نے تخت سنبھالا، پھر کیخسرو پھر لہراسف، پھر بخت نصر، جس کے متعلق پہلے گزرا ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر مسلّط ہوا تھا۔ اس کے بعد اولاق ہوا، پھر بلطشاصر جو بخت نصر کا بیٹا تھا، پھر کے بشتاسف پھر زرتشت جو دین مجوس کا بانی کہلاتا ہے، پھر ازدشیر بہمن جو اسفندیار کا بیٹا تھا اور بشتاسف کا پوتا تھا۔ اور اس کے بعد دارا پھر اسکندر ابن فیلبس وغیرہ۔

**تیسرا خاندان اشغانیہ**...... پھر تیسری سلطنت اشغانیہ کی ہوئی ان میں پہلا بادشاہ اشغا ابن اشغان ہوا، اس کا نام اشک ابن اشکان بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سابور تخت نشین ہوا پھر جور پھر بیرن پھر جوذرز پھر نرسی پھر ہرمز پھر اردوان پھر خسرو پھر بلدش پھر اردوان اصغر (یعنی اردوان ثانی) جس کو ازدشیر ابن بابک نے قتل کرا دیا۔

**چوتھا خاندان ساسان**...... اس کے بعد چوتھی سلطنت ساسانیوں کی ہوئی جن میں پہلا بادشاہ ازدشیر ابن بابک ہوا۔ یہ بابک ساسان ابن ازدشیر بہمن کی اولاد میں سے تھا جس کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ کیانی خاندان کا گیارہواں بادشاہ تھا۔ ازدشیر ساسانی کی سلطنت آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے چار سو بائیس سال قبل ہوئی ہے اس کے بعد اس کا بیٹا سابور تخت نشین ہوا پھر اس کا بیٹا پھر ہرمز بادشاہ ہوا پھر بہرام ابن ہرمز پھر بہرام ابن بہرام پھر اس کا بھائی الرسی، پھر اس کا بیٹا ہرمز ابن نرسی پھر اس کا بیٹا سابور ابن ہرمز وغیرہ وغیرہ (تاریخ ابو الفداء جلد اول ص ۳۹ تا ص ۴۸) اس طرح ساسانی سلطنت شاہان فارس کے چوتھے طبقے میں آتی ہے۔ مرتب)

**کیا ایرانی مکے کے حاکم رہے** :۔...... مگر اس بات کو مؤرخین نے غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شاہان فارس نے نہ تو کبھی مکے پر حکومت کی اور نہ کبھی وہ بیت اللہ کا حج کرنے آئے (کیونکہ اس دور میں فارس یعنی ایران میں مجوسیوں کی حکومت تھی، اور سارا ایران آگ کی پوجا کیا کرتا تھا، اسلام کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور میں مسلمانوں نے فتوحات شروع کیں۔ رفتہ رفتہ سارا ایران فتح ہوا اور ایرانیوں نے اسلامی

تعلیمات اور مسلمانوں کی معاشرت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا) یہاں تک مر آت زمان کا کلام ہے۔ یہاں یہ بھی قول ہے کہ یہ بات (کہ ایرانیوں نے کبھی نہ کے پر حکومت کی اور نہ بیت اللہ کا حج کیا) اس روایت کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ اس کے بغیر بھی یہ ممکن ہے کہ شاہان فارس میں سے کسی نے بیت اللہ کے لئے ہدیہ بھیجا ہو)۔ یہ بات قابل غور ہے۔

جرہم کے بعد خزاعہ کی سرداری...... (بنی جرہم جس زمانے میں کمے کے سردار تھے) اس وقت زمزم کا کنواں خشک ہو گیا تھا۔ مضاض جرہمی قبیلہ جرہم کا سردار جب اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو کر کمے سے جانے لگا تو اس) نے رات کے وقت یہ کنواں کھودا اور بہت گہرا گڑھا کر کے اس میں (وہ ہرنیاں اور تلواریں وغیرہ) دفن کر دیں۔ ایک روایت ہے کہ اس نے حجر اسود کو بھی اسی گڑھے میں دفن کر دیا تھا پھر اس نے کنویں کو پاٹ کر برابر کیا اور قوم کو چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی جرہم پر قبیلۂ خزاعہ کو مسلط کر دیا جنہوں نے جرہمیوں کو حرم (کی سرزمین اور کمے کی سرداری سے نکال دیا۔

اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے) یہاں سے نکالے جانے کے بعد جرہمی ادھر ادھر بھاگ گئے اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

عبدالمطلب کا خواب...... پھر زمزم کا کنواں مدتوں تک اسی طرح بند رہا۔ بنی خزاعہ اور قصیٰ کی سرداری کا پورا زمانہ گزر گیا اور یہ بھی معلوم نہ رہا کہ زمزم کا کنواں کہا تھا (حتیٰ کہ وہ یہ بھی بھول چکے تھے کہ اس نام کا کنواں کوئی یہاں رہا ہے) یہاں تک کہ قصیٰ کے بعد عبدالمطلب کا زمانہ آگیا (اور لوگ چاہ زمزم کے متعلق بے خبر رہے) پھر اس کے بعد عبدالمطلب نے خواب دیکھا (جس میں انہیں زمزم کی جگہ بتلائی گئی) اور اسے کھودنے کا حکم دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدت (جس میں زمزم بند پڑا رہا) پانچ سو سال ہے۔ قصی ابن کلاب نے اپنی سرداری کے زمانے میں ایک کنواں کھدوایا تھا جو اس مکان میں تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی چچازاد بہن اُم ہانیؓ رہتی تھیں۔ یہ پہلا کنواں ہے جو (زمزم کے بند ہو جانے کے بعد) کمے میں کھودا گیا۔

چاہ زمزم کھودنے کی ہدایت...... حضرت علی ابن ابوطالبؓ نے روایت کیا ہے کہ عبدالمطلب نے کہا کہ میں حجر اسود کے مقام پر سو رہا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا "طیبہ" کو کھودو (طیبہ کے معنی پاک ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے) میں نے اس سے پوچھا کہ طیبہ کیا ہے۔ مگر وہ (بتلائے بغیر) چلا گیا۔ اگلی رات کو میں پھر اپنے بستر پر پڑ کے سو گیا وہی شخص پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا برہ کو کھودو (برّہ کے معنی نیکی اور نیک چلنی کے ہیں) میں نے اس سے پوچھا برّہ کیا ہے مگر وہ (بتلائے بغیر) مجھے حیران چھوڑ کر چلا گیا۔ جب اگلی رات ہوئی تو میں اپنے بستر پر سو گیا، وہی شخص پھر میرے پاس آیا اور اس نے کہا مضنونہ کو کھودو۔ (مضنونہ کے معنی وہ چیز جس کے دینے میں بخل کیا جائے یعنی قیمتی اور خاص چیز) میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے۔ وہ بتلائے بغیر چلا گیا۔ اگلی رات میں پھر جب اپنے بستر پر سویا تو وہی شخص پھر (خواب میں) میرے پاس آیا اور بولا "زمزم کو کھودو" میں نے پوچھا زمزم کیا ہے۔ اس نے کہا:۔

"جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا، جس کا پانی کبھی کم نہیں ہوتا جو حاجیوں کے بڑے بڑے مجمعوں کو پانی سے سیراب کرتا ہے جو گندگی اور خون کے درمیان میں ہے، جہاں سفید پیٹ والا کوا چونچ مارتا ہے، جو قریۃ النمل کے پاس ہے۔"

**اس کنویں کے تین سوت**...... پانی ختم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کنواں کبھی پانی سے خالی نہیں ہوتا، اور نہ پانی نیچا ہو کر تلی تک پہنچتا ہے۔ اس کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کنویں میں (کسی زمانے میں جب اس میں پانی تھا) ایک حبشی گر کر مر گیا تھا اور وہیں اس کی لاش پھول کر پھٹ گئی، اس وجہ سے کنویں کو خالی کیا گیا اور لوگ کنویں کی گہرائی تک پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ کنویں کی تہہ میں تین چشمے (سوت) ہیں جن سے پانی اُبل رہا ہے، ان میں جو سوت سب سے بڑا تھا اور جس میں سے پانی سب سے زیادہ اُبل رہا تھا وہ حجر اسود کی طرف والا چشمہ تھا۔

یہ کہنا کہ لا تذم (ذال کے ساتھ) اس کا مطلب ہے کہ یہ کم پانی کا کنواں نہیں (یہ مذمت یعنی برائی کرنے کے معنی میں نہیں ہے) یہ اسی لفظ سے جس سے "برذمہ" یعنی کم پانی والا کنواں کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کبھی کوئی شخص برائی نہیں کرتا۔ کیونکہ خالد ابن عبد اللہ قسیری جو ولید ابن عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اس نے اس کنویں کی برائی کی ہے۔ اس نے اس کا نام "امّ جعلان" یعنی کیڑوں کا کنواں رکھا تھا (نعوذ باللہ) اور مکے سے باہر ولید ابن عبد الملک کے نام پر ایک دوسرا کنواں کھدوالیا تھا وہ زمزم کے کنویں کے مقابلے میں اس کنویں کی فضیلت بیان کیا کرتا تھا اور لوگوں کو کہتا تھا کہ اس سے تبرک حاصل کریں۔ (یعنی اس وجہ سے لا تذم کے معنی یہ نہیں کئے جاتے کہ اس کنویں کی کبھی کوئی شخص برائی نہیں کرتا) مگر کہا جاتا ہے کہ یہ تو اس شخص یعنی خالد ابن عبد اللہ کی گستاخی اور بے حیائی ہے (ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کنویں کے پانی کی کبھی کسی نے برائی نہیں کی کیونکہ اس کا پانی ہمشہ صاف، تازہ اور خوش ذائقہ رہا ہے) یہ خالد ابن عبد اللہ وہی شخص ہے جو کھلم کھلا منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، پر لعنت کیا کرتا تھا، اس لئے ایسے شخص کی مذمت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا (اور لا تذم کے معنی یہ کئے جا سکتے ہیں کہ وہ پانی جس کی کبھی کسی شخص نے برائی نہیں کی)۔

**آب زمزم کے فضائل**...... (عبد المطلب کو خواب میں پہلی رات میں اس کنویں کا نام زمزم کے بجائے) طیبہ (پاک) اس لئے کہا گیا کہ یہ پانی ابراہیمؑ کی اولاد میں پاک مردوں اور پاک عورتوں کے لئے ہے۔ (اگلے دن خواب میں) اس کو برہ اس لئے کہا گیا کہ یہ ابرار یعنی پاکباز لوگوں کے لئے جاری ہوا۔ (تیسری رات میں) اس کو "مضنونہ" (یعنی وہ چیز جس کو قیمتی ہونے کی وجہ سے دینے میں بخل کیا جائے) اس لئے کہا گیا کہ اس کے پانی کو ان لوگوں کو دینے میں بخل کیا گیا ہے جو مومن نہیں ہیں چنانچہ منافق کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملتا۔

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اس پانی کو آپ کے سوا دوسروں کے لئے روک دیا گیا"۔

آپ ﷺ سے مراد شاید یہ ہے کہ آپ کے پیروؤں اور اتباع کرنے والوں کے سوا دوسروں پر یہ پانی بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں کا مطلب وہی ہوگا جو اس سے پہلے قول کا ہے۔

**چاہ زمزم کی نشاندہی**...... ایک روایت ہے کہ عبد المطلب سے (خواب میں) کہا گیا کہ زمزم کا کنواں کھودو مگر کہنے والے نے جگہ کی کوئی نشانی اور علامت نہیں بتلائی۔ عبد المطلب اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں زمزم کا کنواں کھودوں۔ لوگوں نے پوچھا کیا تمہیں یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ زمزم کہاں ہے۔ عبد المطلب نے کہا کہ نہیں! تو لوگوں نے کہا کہ پھر اسی بستر میں جا کر سو جاؤ جہاں تم نے یہ خواب دیکھا

تھا۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہے اور حق ہے تو تمہیں بتلایا جائے گا اور اگر یہ شیطانی خبر ہے تو وہ تمہارے پاس دوبارہ نہیں آئے گا۔ (رات کو) عبدالمطلب واپس اپنے بستر میں جا کر سو گئے۔ خواب میں وہی شخص پھر آیا اور کہا:۔

"زمزم کا کنواں کھودو، اگر تم نے اسے کھودا تو تمہیں شرمندگی نہیں ہوگی، وہ تمہارے عظیم باپ کی میراث ہے، اس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا اور نہ کبھی کم ہوتا ہے، اس کا پانی حاجیوں کے بڑے بڑے مجمعوں کو سیراب کر سکتا ہے"۔

**اس جگہ کی علامتیں**...... عبدالمطلب نے پوچھا کہ یہ کنواں کس جگہ ہے۔ اس شخص نے کہا۔

"یہ گندگی (جہاں پڑی ہوگی اس) کے اور خون (جہاں پڑا ہوگا اس) کے درمیان میں ہے اور قریۃ النمل کے پاس ہے جہاں کل ایک سفید پیٹ والا کوّا ٹھونگیں مار رہا ہوگا"۔

(یہاں سفید پیٹ والے کوّے کے لئے غراب اعصم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے کئی معنے کئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اعصم کے معنی سرخ چونچ اور سرخ پیروں والے کے بھی کئے گئے ہیں اور سفید پیٹ والے کے بھی کئے گئے ہیں۔ امام غزالیؒ نے غراب اعصم کے معنی صرف سفید پیٹ والے کوّے کے کئے ہیں انہوں نے اس حدیث کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

عورتوں میں شریف عورت کی مثال ایسی ہے جیسے سینکڑوں کوّوں میں ایک غراب اعصم (اس کے بعد امام غزالیؒ نے لکھا ہے) یعنی سفید پیٹ والا کوّا۔ یہاں تک امام صاحبؒ کا کلام ہے۔

اس کے ایک معنی سفید پروں والے کے بھی کئے گئے ہیں۔ نیز یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ کوا جس کا ایک پنجہ سفید ہو۔

**عبدالمطلب کنویں کی تلاش میں**...... بہر حال اگلے دن عبدالمطلب اپنے بیٹے حرث کے ساتھ اس جگہ پر گئے۔ اس وقت تک عبدالطلب کے صرف یہی ایک لڑکا تھا یہ دونوں اس جگہ پہنچ گئے جس کو خواب میں قریۃ النمل بتلایا گیا تھا۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ گندگی اور خون پڑا ہوا ہے اور اس کے بیچ میں کوّا ٹھونگیں مار رہا ہے۔ یہ جگہ اساف اور نائلہ کے بتوں کے درمیان میں تھی۔ یہ دونوں وہی بت ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ نیز یہ بھی پیچھے گزر چکا ہے کہ قریش ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس قربانیاں کیا کرتے تھے (چنانچہ گندگی اور خون سے مراد یہی ہے کہ وہاں قربانی کے جانوروں کی آلائش اور گوبر اور خون وغیرہ پڑا رہتا تھا)۔

اس بارے میں جو دوسری روایت آتی ہے وہ قرین قیاس نہیں ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے خواب کے مطابق قریۃ النمل اور کوّے کے ٹھونگیں مارنے کی جگہ تو ڈھونڈھ لی لیکن وہاں انہیں گندگی اور خون کہیں نظر نہ آیا وہ ابھی اسی سوچ میں تھے کہ اچانک ایک گائے اپنے ذبح کرنے والے کے نیچے سے نکل کر بھاگی، اس کا مالک گائے کو پکڑنے دوڑا مگر وہ مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ آئی (یعنی اس جگہ جس کے متعلق عبدالمطلب کو خواب میں بتلایا گیا تھا) مالک نے گائے کو اسی جگہ ذبح کر دیا (جہاں وہ اس کے ہاتھ آئی) اب چونکہ یہ جگہ وہی تھی یعنی قریۃ النمل اس لئے جب گائے کو وہاں ذبح کیا گیا تو اس جگہ خون اور آلائش وغیرہ گری۔ عبدالمطلب کو اس جگہ ابھی دو ہی علامتیں ملی تھیں مگر اب وہاں خون اور گندگی بھی موجود ہوگئی۔ اور اس طرح وہ ساری علامتیں پوری ہوگئیں جو خواب میں ان کو بتلائی گئی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عبدالمطلب یہ

سمجھے ہوں کہ گندگی اور خون وہاں موجود ملے گا حالانکہ جگہ چاہے وہی ہو جس کا اشارہ خواب میں کیا گیا تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ گندگی اور خون وہاں پہلے سے موجود ہوتے۔ چنانچہ عبدالمطلب جب وہاں پہنچے (اور وہاں انہیں خون اور گندگی نظر نہیں آیا) تو انہوں نے اس کو کافی نہیں سمجھا کہ وہاں صرف کوّا ٹھونگیں مارتا نظر آرہا تھا (اور خون اور گندگی نہیں تھی۔ اس لئے صرف ایک علامت کو دیکھ کر انہوں نے زمین کھودنے کا فیصلہ نہیں کیا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گائے کو وہاں بھیج دیا تاکہ سارا معاملہ وہ پوری طرح اور صاف صاف دیکھ لیں۔ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ ان علامتوں کا ذکر کرنے میں حکمت اور مصلحت تھی۔ اس بات کو قبول کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

**اساف و نائلہ بتوں کی جگہ**...... شاید اساف اور نائلہ کے بت اس کے بعد صفا و مروہ پہاڑیوں پر منتقل کر دیئے گئے تھے جبکہ اس سے پہلے عمرو ابن لحی نے ان بتوں کو کعبہ کے اندر سے نکال کر زمزم کے کنویں کی جگہ پر رکھوادیا تھا (یعنی اب جبکہ عبدالمطلب کو خواب میں کنویں کی جگہ وہی بتلائی گئی جہاں یہ بت رکھے ہوئے تھے اور انہوں نے کنواں کھود لیا تو بتوں کو وہاں سے ہٹا کر صفا و مروہ پہاڑیوں پر رکھوادیا)۔

**صفا و مروہ شعائر دین**...... چنانچہ قاضی بیضاوی وغیرہ کی یہ بات روایات کے خلاف نہیں ہے کہ اساف کا بت صفا کی پہاڑی پر رکھا ہوا تھا اور نائلہ کا مروہ پہاڑی پر۔ زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ حج کے دوران ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے تھے (یعنی دوڑتے تھے) تو ان دونوں بتوں کو برکت کے لئے چھوا کرتے تھے اسی لئے اسلام کے آنے کے بعد جب تمام بتوں کو توڑ دیا گیا تھا تو مسلمانوں نے صفا مروہ کے درمیان سعی کو پسند نہیں کیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا :۔

"یارسول اللہ! یہ ہمارا جاہلیت کے زمانے میں طریقہ تھا (کہ ان پہاڑیوں کے درمیان سعی کیا کرتے تھے) تاکہ ان بتوں کو چھو کر برکت حاصل کریں"۔

(یعنی اب جبکہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہم یہ طریقہ چھوڑ دینا چاہئے) مگر اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں :۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ الآیہ ۱۵۸

ترجمہ : تحقیقاً صفا اور مروہ من جملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔ (پ ۲ سورۂ بقرہ رکوع ۳)

اس طرح حق تعالیٰ نے یہ حقیقت ظاہر فرمادی کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا جاہلیت کا شعار اور طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقوں میں سے ایک طریقہ اور شعار ہے)۔

کہا جاتا ہے کہ وہ گائے (جو بدک کر ذبح کرنے والے کے نیچے سے بھاگ آئی تھی) حزورہ کے مقام پر کاٹی گئی تھی کہ اچانک بدکی اور بھاگ کر مسجد حرام میں زمزم کی جگہ پر پہنچی اور وہیں گر پڑی پھر وہیں اس کا گوشت بنایا گیا (چونکہ جانور کٹنے کی وجہ سے وہاں آلائش اور لوجھڑی وغیرہ پڑی تھی اس لئے ایک سفید پیٹ والا کوّا آیا اور اس آلائش میں چونچ مارنے لگا۔) اس روایت اور پچھلی روایات میں مطابقت قابل غور ہے۔ (کیونکہ گذشتہ روایت میں ہے کہ گائے حرم میں ذبح کی گئی تھی اور اس میں یہ ہے کہ حزورہ کے مقام پر ذبح کی گئی تھی)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہیں اس لئے کہ پچھلی روایت میں جو یہ قول ہے کہ اچانک ایک گائے ذبح کرنے والے کے نیچے سے بدک کر بھاگی یعنی اس نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ابھی پوری طرح ذبح

نہیں کر پایا تھا کہ وہ بھاگ کر حرم میں گھس گئی تب وہاں ذبح کی گئی یعنی ذبیحہ وہاں مکمل کیا گیا اس طرح گویا وہ حزورہ اور مسجد حرام دونوں جگہوں پر ذبح کی گئی۔ یا یہ ممکن ہے کہ حزورہ کے مقام پر اس کے کاٹے جانے سے مراد ذبح ہو اور حرم میں کاٹے جانے کا مطلب اسکی کھال اتارنا اور گوشت بنانا ہو۔ کیونکہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد دوسری جگہ پر ڈال کر اس گوشت بنایا جاتا ہے۔

**کھدائی کا ارادہ اور قریش کا اعتراض** :-...... (اب جبکہ تمام نشانیاں اور علامتیں مل گئیں اور وہ جگہ متعین ہو گئی تو) عبد المطلب کدال لے کر آگئے اور کھدائی کے لئے تیار ہو گئے، مگر اسی وقت قریش رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے :-

"خدا کی قسم! ہم تمہیں یہ کھدائی نہیں کرنے دیں گے۔ تم ہمارے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں کھودنا چاہتے ہو جہاں ہم ان کے لئے قربانیاں کرتے ہیں!"۔

**عبد المطلب کا پختہ عزم**...... عبد المطلب نے (یہ حال دیکھ کر) اپنے بیٹے حارث سے کہا کہ ان لوگوں کو میرے قریب مت آنے دو تاکہ میں کھدائی کا کام کرتا رہوں، کیونکہ جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے خدا کی قسم میں اسے ضرور پورا کروں گا۔

**بنیادوں کی بر آمدگی** :-...... جب قریش نے دیکھا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں تو وہ انہیں چھوڑ کر ہٹ گئے۔ ابھی عبد المطلب نے تھوڑا ہی سا کھودا تھا کہ اس میں بنیاد ظاہر ہو گئی (جو قدیم زمانے میں کنویں پر رہی ہو گی) یہ دیکھ کر عبد المطلب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا کہ یہ دیکھو یہ اسماعیلؑ کی تعمیر ہے۔ قریش سمجھ گئے کہ عبد المطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، چنانچہ وہ سب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے :-

"عبد المطلب، خدا کی قسم یہ ہمارے باپ اسماعیلؑ کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے اس لئے ہم اس میں تمہارے شریک بنیں گے"۔

**قریش حصے داری کے دعویدار** :-...... مگر عبد المطلب نے کہا کہ میں تمہیں شریک نہیں بنا سکتا یہ تمہارے سے الگ تنہا میرا کام ہے۔ قریش نے کہا کہ تب پھر اس معاملے میں ہم تمہارے ساتھ جھگڑا کریں گے۔ عبد المطلب نے کہا کہ (فیصلے کے لئے میرے اور اپنے درمیان جسے چاہو حَکَم اور ثالث بنالو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بنی سعد ابن ہزیم کی کاہنہ کو حَکَم بناتے ہیں۔

**شامی کاہنہ سے ثالثی کا ارادہ** :-...... یہ کاہنہ ملک شام کے بالائی علاقہ میں رہتی تھی۔ شاید یہ وہی کاہنہ ہے (جس کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے) کہ اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے شق اور سطیح کو بلایا اور ان دونوں کے منہ میں تھوکا اور کہا سطیح کہانت کے فن میں اس کا جانشین ہو گا اس کے بعد وہ اسی دن مر گئی۔ سطیح کے متعلق تفصیل آگے آئے گی۔ شق کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کے بدن کا آدھا حصہ تھا۔ اس کے ایک ہاتھ، ایک پیر اور ٹانگ تھی اور ایک آنکھ تھی (یعنی اس کا جسم صرف بائیں طرف کا تھا۔ شق عربی میں طرف اور جانب کو کہتے ہیں۔ چونکہ شق کاہن کا جسم صرف ایک طرف کا تھا اس لئے اس کو شق کہا گیا)۔

**فریقین کی شام کو روانگی** :-...... غرض (اس کاہنہ کو اپنا حَکَم بنانے کے بعد) عبد المطلب اس کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے) ان کے ساتھ بنی عبد مناف کے لوگوں کی ایک جماعت تھی اور قریش کے بھی ہر قبیلہ کی ایک ایک جماعت تھی۔ اس زمانے میں ملک حجاز اور شام کے درمیان ایک بیابان اور چٹیل میدان تھا جہاں

کہیں بھی پانی نہیں تھا۔ جب عبد المطلب اس بیابان میں داخل ہوئے تو ان کا پانی ختم ہو گیا۔ ساتھ ہی ان کے تمام ہمراہیوں (یعنی بنی عبد مناف کے آدمیوں کا پانی بھی ختم ہو گیا۔ یہ لوگ پیاس سے اتنے بے حال ہو گئے کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا، آخر مجبور ہو کر انہوں نے قبیلۂ قریش کے دوسرے لوگوں کی جو جماعت تھی اس سے پانی مانگا مگر قریش نے انکار کر دیا اور کہا کہ (اگر ہم نے اپنے پانی میں سے تمہیں بھی دیا تو) ہمیں ڈر ہے کہ ہمارا بھی تمہارے ہی جیسا حشر نہ ہو۔

**عبد المطلب کے پاس پانی ختم** :-...... آخر عبد المطلب نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کی رائے ہو گی وہی ہماری بھی ہو گی۔ عبد المطلب نے کہا :-

"میرا خیال ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک ایک گڑھا کھود لے اور مرنے تک اسی میں رہے۔ جب بھی کوئی (پیاس سے) مرے گا تو دوسرے ساتھی اسی کو اس گڑھے میں دبا دیں گے یہاں تک کہ (جب سب مر جائیں گے تو) آخری آدمی رہ جائے گا (جو دفن نہیں ہو سکے گا) مگر ایک آدمی کا ضائع ہو جانا یعنی بغیر کفن دفن کے لاش کا ضائع ہو جانا تمام قافلے کے ضائع ہونے کے مقابلے میں کم ہے۔"

**مایوسی اور موت کا انتظار** :-...... لوگ اس پر تیار ہو گئے۔ اب ہر ایک نے اپنے لئے ایک ایک گڑھا کھود لیا اور وہ لوگ ان میں (یعنی اپنی قبروں میں) بیٹھ کر اپنی موت کا انتظار کرنے لگے، مگر پھر عبد المطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"خدا کی قسم! اگر ہم اسی طرح اپنے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کرتے رہے تو ہم میں سے ہر ایک بے بس ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ ہم ادھر ادھر دیکھ بھال کریں، ممکن ہے خدا ہمارے لئے پانی کا بندوبست فرما دے"۔

**عبد المطلب پر خاص فضل خداوندی** :-...... چنانچہ اب سب اٹھ کر چل پڑے، ان کی قوم (یعنی قبیلہ قریش کے دوسرے خاندانوں کے لوگ) ان کی یہ سب حرکتیں (خاموشی سے) دیکھ رہے تھے (سب سے پہلے) عبد المطلب اپنی سواری کے پاس آئے اور اس پر سوار ہوئے، جیسے ہی وہ اٹھی اس کے پیر کے نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ابل آیا۔ عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں نے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پھر عبد المطلب سواری سے اترے اور انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے مشکیزے پانی سے بھر لئے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے قریش کے دوسرے خاندانوں کی جماعتوں کو بلایا (جنہوں نے ان کو پانی دینے سے انکار کر دیا تھا) اور ان سے کہا کہ آؤ پانی نکل آیا، اللہ نے ہمیں سیراب کر دیا تم بھی آؤ اور سیر ہو کر پانی پیو۔ وہ لوگ فوراً آگئے اور سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر انہوں نے عبد المطلب سے کہا۔

**غیبی مدد پر قریش کا اعتراف** :-...... "خدا کی قسم عبد المطلب تمہارے حق میں فیصلہ ہو گیا، اب ہم ہرگز زمزم کے بارے میں کبھی تم سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات نے تمہیں اس بیابان میں سیراب کر دیا وہی تمہیں زمزم سے بھی سیراب کرے گا۔ اس لئے بس اب سیدھے اپنے کنویں (یعنی زمزم) پر واپس چلو"۔

**مکے کو واپسی** :-...... (اس طرح گویا قریش نے دیکھ لیا کہ عبد المطلب کے حال پر خدا تعالیٰ کی خاص مہربانی اور عنایت ہے ان سے جھگڑنا بے سود ہے کہ آخر میں یقیناً فتح ان ہی کو ہو گی اس لئے انہوں نے سوچا کہ اب اس کاہنہ کے پاس جانا بے کار ہے وہاں بھی ہمیں ہی نیچا دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے کاہنہ سے فیصلہ کرانے کے

لئے اس کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور عبدالمطلب سے واپس مکے چلنے کے لئے کہا)۔

زمزم سے خزانہ کی بر آمد گی :۔...... عبدالمطلب اور یہ سب لوگ وہیں سے واپس آگئے۔ کاہنہ کے پاس نہیں گئے۔ واپس آکر عبدالمطلب نے پھر چاہ زمزم کی کھدائی شروع کر دی (تھوڑی سی کھدائی کے بعد) انہیں اس میں سے دو سونے کی ہرنیاں ملیں جنہیں قبیلہ جرہم نے اس میں دفن کر دیا تھا (اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ بنی جرہم کے سردار مضاض ابن عمرو جرہمی نے اپنی قوم کی بدکاریاں دیکھ کر انہیں اس سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا مگر جب ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو ایک روز رات کے وقت اس نے چپکے سے کعبے کا قیمتی سامان جیسے یہ سونے کی ہرنیاں اور کچھ تلواریں اور زرہیں وغیرہ زمزم کے خشک شدہ کنویں میں دفن کر دیں اور خود قوم کی تباہی کا یقین کرتے ہوئے مکے سے چلا گیا تھا)۔

قریش کو لالچ ...... عبدالمطلب کو اس میں کچھ تلواریں اور زرہیں بھی ملیں۔ (یہ قیمتی سامان دیکھ کر پھر لوگوں کو لالچ آیا اور) قریش نے عبدالمطلب سے کہا :۔

"عبدالمطلب! اس میں تمہارے ساتھ ہمارا بھی حصہ ہے"۔

انصاف کے لئے قرعہ کی تجویز :۔...... مگر عبدالمطلب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں انصاف کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پانسہ کے تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالیں۔ قریش نے پوچھا کہ کیسے کرو گے تو عبدالمطلب نے کہا :۔

"دو تیر تو میں کعبہ کے رکھوں گا، دو تیر میرے لئے ہوں گے اور دو تیر تمہارے لئے ہونگے، جس کے تیر جس چیز پر نکلیں گے وہ چیز اس کی ہو جائے گی اور جس کے نام پر تیر نہیں نکلیں گے اس کو کچھ نہیں ملے گا"۔

قریش نے کہا کہ ہاں یہ انصاف کی صورت ہے چنانچہ زرد رنگ کے دو تیر تو کعبہ کے نام کے طے کئے گئے اور سیاہ رنگ کے دو (۲) تیر عبدالمطلب کے نام پر اور سفید رنگ کے دو تیر قریش کے نام پر رکھے گئے۔ پھر انہوں نے یہ تیر قرعہ ڈالنے والے کو دیئے جو ہبل نامی بت کے پاس قرعہ ڈالا کرتا تھا۔

قرعہ اندازی :۔...... قرعہ میں انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ (قرعہ کے سامان میں دونوں ہرنیاں ایک قسم شمار ہوں گی اور تلواریں اور زرہیں ایک قسم شمار ہوں گی۔ اس کے بعد (جب قرعہ اندازی کی جانے لگی تو عبدالمطلب چند اشعار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعاء مانگنے لگے۔ یہ شعر امتاع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

قریش کی ناکامی :۔...... اب قرعہ انداز نے تیروں کا پانسہ مارا تو دیکھا کہ زرد رنگ کے تیروں پر (جو کعبہ کے نام کے تھے) سونے کی ہرنیاں نکلیں، اور سیاہ رنگ کے تیروں پر (جو عبدالمطلب کے نام کے تھے) تلواریں اور زرہیں نکلیں اور قریش کے نام پر جو تیر تھے وہ کسی چیز پر بھی نہیں نکلے۔

در کعبہ کی آرائش :۔...... عبدالمطلب نے تلواروں کو کعبہ کے دروازے کے لئے خاص کر دیا اور دونوں ہرنیوں کو اس دروازے پر رکھ دیا یہ پہلا موقع تھا کہ کعبے کے دروازوں کو سونے سے سجایا گیا۔

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ پہلا آدمی جس نے کعبہ کے دروازے کو سونے سے آراستہ کیا عبدالمطلب ہے۔

آرائش کعبہ میں خلفاء کا حصہ...... شفاء غرام میں ہے کہ عبدالمطب نے دونوں ہرنیاں کعبہ میں لٹکا دی تھیں اور اس طرح یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے کعبہ میں جھاڑ فانوس لٹکائے (اس طرح گویا دونوں روایتوں میں

اختلاف ہے۔ پہلی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے ہرنیاں کعبے کے دروازے میں رکھیں اور دوسری روایت کے مطابق یہ ہرنیاں کعبے کے اندر لٹکائی گئیں) ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کا بیان آئے گا کہ ہرنیاں لٹکائی گئیں یا ان سے کعبے کے دروازے کو زینت دی گئی۔ بہر حال اس کے بعد کعبے کے اندر مختلف لوگوں نے آرائش کی چیزیں لٹکائیں۔ چنانچہ جب فارس کا شہر مدائن کسریٰ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں فتح ہوا تو مال غنیمت میں دو چاند (جو غالباً سونے کے تھے) حضرت عمرؓ نے کعبے میں لٹکانے کے لئے بھیجے، اسی طرح عبدالملک ابن مروان نے (اپنی خلافت کے زمانے میں) دو شیشے کے بنے ہوئے سورج اور دو بلوریں تیر کعبے میں لٹکوائے۔ ولید ابن یزید نے ایک تخت کعبے کی زینت کے لئے بھیجا۔ سفاح بادشاہ نے ایک سبز رنگ کا بڑا پیالہ کعبے میں لٹکانے کے لئے بھیجا۔ اسی طرح خلیفہ منصور نے قارورہ فرعونیہ (ایک شیشے کا برتن) لٹکوایا۔ خلیفہ مامون رشید نے اپنا یاقوت کعبے کے لئے بھیجا جو ہر سال حج کے زمانے میں کعبے پر لٹکایا جاتا تھا۔ یہ سونے کی ایک لڑی میں لٹکا ہوا تھا۔ ان کے زمانے میں ایک بادشاہ مسلمان ہوا تو اس نے اپنا وہ بت کعبے کے لئے بھیج دیا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا یہ سونے کا بنا ہوا تھا اور جواہرات، یاقوت اور نیلم وغیرہ سے جڑا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کو کعبے کے خزانے میں جمع کر دیا گیا۔

**خزانۂ کعبہ کی چوری** :۔...... اس کے بعد وہ دونوں ہرنیاں (جو زمزم کے کنویں سے نکلیں تھیں) چوری ہو گئیں۔ چوروں نے تاجروں کی ایک جماعت کو جو شراب وغیرہ لے کر مکے آئی تھی وہ ہرنیاں بیچ کر اس کے بدلے میں ان سے شراب خرید لی۔ کہا جاتا ہے کہ ابولہب اور اس کے بعض ساتھیوں کے پاس ایک زمانے میں شراب بالکل ختم ہو گئی۔ اسی دوران شام سے ایک قافلہ آیا جس کے پاس شراب بھی تھی۔ ابولہب وغیرہ نے (کعبہ کی ہرنیوں میں سے) ایک ہرنی چرائی اور (وہ قافلے والوں کو دے کر) اس کے بدلے میں شراب خرید لی۔ قریش کو ان سونے کی ہرنیوں کے حصول کی بہت آرزو تھی اور ان میں سب سے زیادہ ان کا آرزو مند عبداللہ ابن جدعان تھا۔

**ابولہب بھی چوروں میں** :۔...... (جب قریش کو پتہ چلا کہ ہرنی کن لوگوں نے چرائی ہے تو انہوں نے ان میں سے بعض کو پکڑ لیا) اور ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے، کچھ لوگ (جان بچا کر) بھاگ گئے، ان بھاگ جانے والوں میں ابولہب بھی تھا، اس نے اپنی ننہال یعنی بنی خزاعہ کے پاس جا کر پناہ لی، جنہوں نے اس کو قریشیوں سے بچا لیا (جو اسے پکڑ کر چوری کی سزا دینا چاہتے تھے) اسی لئے ابولہب کو کعبے کی ہرنی کا چور کہا جانے لگا تھا۔

**عرب میں شراب سے نفع اندوزی** :۔...... کہا جاتا ہے کہ شراب سے فائدہ یہ تھا کہ وہ لوگ جب اس کو مکے کی نواح اور قرب و جوار میں سے خرید کر لاتے تھے تو (مکے میں) بہت گراں فروخت کرتے تھے۔ اس سے بہت نفع یوں بھی حاصل ہوتا تھا کہ اگر خریدار شراب خریدنے میں بھاؤ تاؤ نہیں کرتا تھا تو یہ اس کی فضیلت اور بڑائی شمار ہوتی تھی۔ اس طرح یہ لوگ شراب سے بہت نفع کما لیتے تھے۔ (مکے میں شراب نوشی کی عادت تمام لوگوں میں تھی اور بہت زیادہ تھی مگر خود مکہ شراب کی منڈی نہیں تھا اس لئے قرب و جوار کے علاقوں سے لوگ شراب لا کر اونچے داموں پر مکے میں بیچا کرتے تھے۔ بڑے لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے شراب کی خریداری میں بھاؤ تاؤ اور جھگڑا نہیں کرتے تھے بلکہ منہ مانگی قیمت ادا کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بہت زیادہ بڑائی کی بات سمجھی جاتی تھی (جیسا کہ آج بھی بھاؤ تاؤ نہ کرنے والے کو بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے اگرچہ یہ فرق ہے کہ آج کل عام طور پر ایسے بڑے آدمی کو بے وقوف بھی سمجھا جاتا ہے)

**شراب کے اثرات** :-...... شراب کے فائدوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کمزور آدمی کو طاقت دیتی ہے، کھانا ہضم کر دیتی ہے، قوت مردمی میں اضافہ کرتی ہے (یعنی شہوانی اور حیوانی خواہشات کو بڑھاتی ہے) رنج و غم میں آدمی کو تسکین دیتی ہے، بزدلوں کو بہادر بناتی ہے (یعنی صرف نشے کے دوران کہ اس وقت آدمی اپنے ہوش میں نہیں ہوتا اس لئے بغیر سوچے سمجھے مدہوش آدمی ہر کس و ناکس سے لڑنے کھڑا ہو جاتا ہے چاہے ویسے وہ بہادر ہو یا نہ ہو، چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نشے کی حماقت میں اپنے ہاتھ پیر تڑوا بیٹھتا ہے، البتہ نشہ اتر جائے گا تو بزدل آدمی بزدل ہی رہے گا) خون کو شراب صاف کرتی ہے، حرارت غریزیہ کو بڑھاتی ہے، اور ہمت اور بلند بانگ دعوؤں کا جذبہ پیدا کرتی ہے (کہ آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ دعوے کرنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اسے رسوا ہونا پڑتا ہے

**شراب کی مضرتیں** :-...... شراب میں یہ سب فائدے اس وقت تک تھے جب تک یہ حرام نہیں ہوئی تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دے دیا تو اس کے یہ تمام فائدے بھی اس میں سے ختم فرما دیئے اور یہ صرف نقصان ہی نقصان کا باعث رہ گئی، چنانچہ اس سے جو نقصانات ہیں وہ یہ ہیں کہ اس سے جسم میں درد کا عارضہ پیدا ہوتا ہے اور بدن میں رعشہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ نقصانات تو شراب نوش کو دنیا میں ہوتے ہیں اور آخرت میں اس کا نقصان یہ ہے کہ اسے دوزخیوں کا خون اور پیپ پلائی جائے گی۔

**شراب کے بدترین نقصانات** :-...... بعض محققین نے لکھا ہے کہ جس کو شراب نوشی کی عادت پڑ گئی ہو اس کے عقل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، پاگل پن پیدا ہو جاتا ہے گندہ دہنی کا مرض لگ جاتا ہے (گندہ دہنی ایک انتہائی خوفناک بیماری ہے، ایسے آدمی کے منہ میں سے ہر وقت اتنی شدید بدبو آتی ہے کہ لوگ اس کے قریب جاتے اور اس سے بات کرتے ہوئے نفرت محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی کے نقصانات میں سب سے بڑا دنیاوی نقصان ایک یہی ہے کہ اس کو گندہ دہنی کی بیماری لگ جاتی ہے) نیز اس کی بینائی کمزوری ہو جاتی ہے، اعصابی کمزوری یعنی پٹھوں کے درد و دکھن کی بیماری لگ جاتی ہے۔ شراب نوش کی موت اچانک ہوتی ہے (حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اچانک موت سے پناہ مانگی ہے کیونکہ نہ معلوم آدمی کس حالت میں ہو، پاکی یا ناپاکی کی حالت میں ہو یا گناہ میں مشغول ہو، پھر یہ کہ اچانک مرنے والے کو نہ معلوم کلمہ بھی نصیب ہو سکے یا نہیں) نیز شراب نوش کا قلب مر جاتا ہے (یعنی اس میں خیر اور بھلائی کی بات نہیں آتی) نیز یہ اللہ کو ناراض کرتی ہے (اور ظاہر ہے جس سے اللہ ناراض ہو جائے اس کا دین اور دنیا میں کہاں ٹھکانہ ہے)۔

**شراب کیخلاف احادیث وروایات** :-...... اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

ایک روایت ہے کہ شراب سے بچو اس لئے کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے یعنی برائیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

ایک روایت ہے کہ شراب تمام گندے کاموں کی جڑ ہے اور ایک میں یہ لفظ ہیں کہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک روایت ہے کہ جو شخص شراب سے تسکین حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تسکین نہیں بخشتا۔ اور جو شخص اس سے شفا حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا نہیں فرماتا۔

پچھلی سطروں میں یہ دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ دونوں سونے کی ہرنیاں کعبے میں لٹکائی گئی تھیں اور ایک یہ ہے کہ وہ دونوں یا ان میں سے ایک چوری ہو گئی تھی۔ اس اختلاف کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ) ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہرنیاں کعبے میں لٹکائی گئیں اور یہ کہ وہ دونوں یا ایک

چوری ہو گئی تھی یا یہ کہ عبدالمطلب نے ہرنیوں کو کعبہ کے دروازہ پر زینت کے لئے نصب کر دیا تھا کیونکہ ممکن ہے عبدالمطلب نے دونوں ہرنیاں یا ان میں سے ایک (چوری کے بعد) تاجروں سے چھڑا لی ہو اور پھر انہیں بیت اللہ کے دروازے کی زینت بنادیا ہو جبکہ اس سے پہلے انہوں نے ان کو کعبے کے اندر لٹکایا ہو (یعنی ابتداء میں کعبے کے اندر ہی لٹکایا ہو پھر وہاں سے چوری ہوئی ہوں اس کے بعد ان تاجروں سے جن کو چوروں نے بیچ دی تھیں واپس حاصل کر کے اس مرتبہ دروازے کی زینت بنایا ہو)۔

**قریش کا عبدالمطلب سے حسد** :۔...... امتاع میں لکھا ہے کہ زمزم کا کنواں ظاہر ہونے سے پہلے لوگ دوسرے کنوؤں سے پانی حاصل کیا کرتے تھے جو مکے میں کھود لئے گئے تھے۔ ان میں سب سے پہلا کنواں قصی نے کھدوایا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مکے میں میٹھے پانی کی بہت کمی تھی چنانچہ جب عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھود لیا تو انہوں نے اس پر ایک حوض بنادی جس میں وہ اور ان کا بیٹا حرث پانی بھر دیا کرتے تھے مگر قریش اپنے حسد اور جلن کی وجہ سے رات کو وہ حوض توڑ دیتے تھے۔ صبح کو جب وہ ٹوٹی ہوئی ملتی تو عبدالمطلب پھر اس کی مرمت کرتے تھے۔ جب قریش کی یہ حرکت بہت زیادہ بڑھ گئی اور یہاں تک کہ ایک روز ایک شخص نے آکر اس حوض میں غسل ہی کرنا شروع کر دیا تو عبدالمطلب کو بے حد غصہ آیا۔ اسی رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان سے کہا گیا۔ یہ کہو :۔

"اے اللہ! میں اس حوض اور پانی کو نہانے کے کام کے لئے حلال نہیں کرتا بلکہ یہ صرف پینے والوں کے لئے حلال اور جائز ہے"۔

**آب زمزم کے متعلق دعاء** :۔...... چنانچہ (صبح کو) جب کہ مسجد حرام کے اندر قریش میں (اسی حوض اور پانی کے معاملے پر) اختلاف ہو رہا تھا عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہی لفظ پکار کر لوگوں کے سامنے کہے (جن کو کہنے کے لئے انہیں خواب میں ہدایت ہوئی تھی، چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ) اب جو شخص بھی اس حوض کو توڑتا یا اس میں غسل کرتا تو اس کے بدن میں کوئی بیماری لگ جاتی۔

**عبدالمطلب کو قریش کا طعنہ** :۔...... جب کنواں کھودتے وقت قریش نے رکاوٹ ڈالی تھی اور) عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حرث سے کہا تھا کہ ان لوگوں کو میرے قریب مت آنے دو تاکہ میں کھدائی جاری رکھوں۔ اس وقت عبدالمطلب کو اندازہ ہوا تھا کہ (قریشی مخالفوں کی موجودگی میں اس کام کو پورا کرنے کی) مجھ میں طاقت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے منّت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے جو مخالفوں سے میری حفاظت کریں تو میں ان میں سے ایک کو کعبے میں ذبح کروں گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس منّت کے ماننے کا سبب یہ ہوا تھا کہ مطعم کے باپ عدی ابن نوفل ابن عبد مناف نے ان سے کہا تھا کہ عبدالمطلب تم ہم پر چڑھ کے آتے ہو حالانکہ تم تنہا ہو کوئی تمہارے لڑکا نہیں ہے، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ کئی لڑکے نہیں ہیں بلکہ صرف ایک ہی لڑکا ہے، نہ ہی تمہارے پاس مال و دولت ہے اور پھر یہ کہ تم اپنی قوم میں تنہا ایک ہو۔

**عبدالمطلب کا عدی کو کھرا جواب** :۔...... یہ سن کر عبدالمطلب نے عدی سے کہا کہ یہ بات تو کہتا ہے حالانکہ تیرا باپ نوفل، ہاشم (یعنی عبدالمطلب کے باپ) کی سرپرستی میں رہتا تھا۔ اس لئے کہ ہاشم، نوفل کی ماں کے مالک ہو گئے تھے اس وقت نوفل کم عمر تھا (اس لئے ہاشم ہی کی زیر تربیت رہا۔ ہاشم اپنے باپ کے مرنے

کے بعد اپنی سوتیلی ماں کے مالک ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔ عرب کا ایک نہایت بیہودہ دستور یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا مالک ہو جاتا تھا اور اس پر شوہر کے جیسے حقوق قائم کر لیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ ہاشم کی اولاد میں ہیں مگر ہاشم کی جائز اولاد جو منکوحہ بیوی سے تھی اس سے ہیں آپ کے نسبی دادا دَں میں سب جائز اور نکاح کی اولاد ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

اس پر عدی نے کہا کہ تم بھی یثرب میں غیروں کے پاس رہتے تھے اپنے باپ کے بجائے اپنی ننہال یعنی بنی نجار میں اور پھر تمہیں تمہارے چچا مطلب وہاں سے واپس لائے۔

**دس بیٹوں کے لئے دعاء** :-...... عبدالمطلب نے کہا کہ تو مجھے کمی کا طعنہ دیتا ہے، خدا کی قسم میں منّت مانتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس لڑکے دے تو میں ان میں سے ایک کو کعبے میں قربان کروں گا۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ ان میں سے ایک کو خدا کے نام پر قربان کروں گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب نے یہ منّت اس پر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ زمزم کے کنویں کی کھدائی ان کے لئے آسان کر دے تو ایک بیٹا ذبح کریں گے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ جب عبدالمطلب کو چاہ زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر یہ کام آسانی سے ہو جائے تو وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک کو ذبح کریں گے۔

**ایک بیٹا قربان کرنے کی منّت** :-...... چنانچہ جب ان کے دس لڑکے ہو گئے اور زمزم کی کھدائی بھی پوری ہو گئی تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی منّت پوری کریں ان سے کہا گیا کہ اپنے لڑکوں میں سے ایک کو قربان کرو۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ وہ اپنی منّت کو بھول چکے تھے۔ اس سے پہلے جب ان کو (خواب میں) کہا گیا تھا کہ منّت پوری کرو تو انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے غریبوں کو کھانا کھلا دیا تھا۔ مگر پھر خواب میں حکم دیا گیا کہ اس سے زیادہ بڑی کوئی چیز پیش کرو۔ اس دفعہ عبدالمطلب نے ایک بیل ذبح کیا۔ خواب میں پھر یہی کہا گیا کہ اس سے بھی بڑی کوئی چیز پیش کرو۔ اب انہوں نے اونٹ ذبح کیا۔ مگر پھر خواب دیکھا اور کہا گیا کہ کوئی اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے۔ کہا گیا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو پیش کرو جس کے متعلق تم نے منت مانی تھی۔ اب عبدالمطلب نے (منّت پوری کرنے کا ارادہ کیا اور) اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے انہیں اپنی منّت کے متعلق بتلایا۔ اور ان سے کہا کہ اسکو پورا کرنا چاہئے۔ بیٹوں نے باپ کی بات پر سر جھکا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے باپ کی بات کو ماننے والے عبداللہ تھے۔

**قربانی کے لئے عبداللہ کے نام پر قرعہ** :-...... اس کے بعد عبدالمطلب نے قرعہ ڈالنے کا ارادہ کیا اور اپنے تمام بیٹوں کے نام تیروں پر لکھ کر بیت اللہ کے دربان کو دیئے جو ہبل بت کا خادم تھا۔ اس نے قرعہ ڈالا جو عبداللہ کے نام پر نکلا۔ یہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے بیٹے تھے جیسا کہ ان کے اوصاف کے متعلق پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ عبدالمطلب نے چھری سنبھالی اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس لائے۔ اس کے بعد انہوں نے عبداللہ کو زمین پر ڈالا اور ان کی گردن پر اپنا پیر رکھ لیا (یہ منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا بھائی کی محبت کو جوش آیا اور) عباسؓ نے عبداللہ کو باپ کے پیر کے نیچے سے کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ (اس کھینچ تان میں) عبداللہ کے چہرے پر خراشیں آگئیں جن کے نشان بعد میں ان کے مرنے تک ان کے چہرے پر رہے۔

اسی سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے والد پیدا ہوئے تو حضرت عباسؓ کی عمر تین سال کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے والد کی پیدائش یاد ہے میں اس وقت تقریباً تین سال کا تھا، چنانچہ ان کو میرے پاس لایا گیا تو میں نے آپ کو دیکھا۔ عورتیں مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے بھائی کو پیار کرو تو میں نے ان کو پیار کیا۔

**ننھال والوں کی رکاوٹ** :-...... کہا جاتا ہے کہ (عبداللہ کی قربانی کے سلسلے میں) ان کی ننھال کے لوگوں یعنی بنی مخزوم نے ان کو روکا اور کہا کہ خدا کی قسم اس کی ماں کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

پھر انہوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ اپنے رب کو راضی کر لو اور بیٹے کی جان کا فدیہ دے دو۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو لونٹ بیٹے کی جان کا فدیہ دے دیا۔

**قریش کی فہمائش** :-...... ایک روایت میں ہے کہ قریش کو یہ بات (یعنی عبداللہ کی قربانی) بہت گراں گزری چنانچہ سردارن قریش اپنی اپنی مجلسوں سے اٹھ کر عبدالمطلب کے پاس آئے اور انہیں اس سے روکنے لگے۔ انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم! اس وقت تک ایسا مت کرو جب تک کہ فلاں کاہنہ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لو۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ تمہارے رب کو راضی کرنے کی کوئی صورت بتلا دے، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو دوسرے لوگ بھی آ آکر اپنے بیٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیں گے اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا۔ شاید مراد یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کے ساتھ بھی یہی منت والی صورت پیش آئے (تو وہ بھی بے جھجک اپنے بیٹوں کو یہاں لا کر ذبح کر دیا کریں گے)۔ قریش کے بعض دوسرے بزرگوں نے کہا کہ تم ایسا مت کرو۔ اگر اس کی جان کا فدیہ ہمارے مال کے ذریعہ ہو سکتا ہے تو ہم ادا کر دیں گے"۔

**کاہنہ سے مشورہ کی تجویز** :-...... (جس کاہنہ سے پوچھنے کا مشورہ دیا گیا تھا) کہا جاتا ہے کہ اس کا نام قطبہ تھا۔ بعض مؤرخین نے کوئی دوسرا نام بھی ذکر کیا ہے۔ یہ خیبر میں رہتی تھی (ان لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ) اس کے پاس جا کر اس سے اس کے متعلق پوچھو۔ اگر وہ کاہنہ عبداللہ کو ذبح کرنے کا حکم ہی دے تو ذبح کر دینا اور اگر وہ کوئی ایسی بات کہے جس میں تمہارے اور عبداللہ کے لئے گنجائش نکلتی ہو تو تم اس کی بات مان لینا۔

**کاہنہ کا مشورہ** :-...... عبدالمطلب اپنی قوم کے بعض آدمیوں اور عبداللہ کی ننھال یعنی بنی مخزوم کے ساتھ اس کاہنہ کے پاس آئے اور اس کو تمام واقعہ سنا کر اس سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے سن کر کہا کہ آج تو تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ جب میرا تابع آئے گا تو میں اس سے پوچھوں گی۔ یہ لوگ اس کے پاس سے آگئے۔ اگلے دن یہ پھر اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ میرے پاس خبر آگئی ہے تمہیں دیت (یعنی جان کی قیمت) دینی پڑے گی۔ انہوں نے پوچھا دیت کتنی ہو گی۔ اس نے کہا کہ دس لونٹوں پر قرعہ ڈالنا اور جب تک قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلتا رہے دس دس لونٹوں کا اضافہ کرتے رہنا (اور دوبارہ سہ بارہ قرعہ ڈالتے رہنا) یہاں تک کہ قرعہ لونٹوں کے نام پر نکل آئے۔

**بیٹے کے فدیہ میں سو اونٹ** :-......(اس کے بعد عبدالمطلب اور ان کے ساتھی خیبر سے واپس آگئے اور مکے پہنچ کر) انہوں نے دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا۔ مگر وہ عبداللہ کے نام پر نکلا۔ اب ہر دفعہ دس لونٹ بڑھا کر (لونٹوں اور عبداللہ کے نام پر) قرعہ ڈالتے رہے یہاں تک کہ جب سو لونٹ تک پہنچ گئے تو قرعہ لونٹوں پر نکل

آیا۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا کہ بس کام پورا ہو گیا، تمہارا رب راضی ہو گیا۔ مگر عبدالمطلب نے کہا کہ نہی میں تین مرتبہ قرعہ ڈالوں گا۔ انہوں نے دو دفعہ اور سو اونٹوں پر قرعہ ڈالا (مگر تینوں دفعہ اونٹوں پر ہی نکلا (اب عبدالمطلب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ خدا نے عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کی قربانی منظور فرمالی ہے) انہوں نے کعبے کی پاس اونٹ ذبح کئے اور کسی کو کھانے سے نہیں روکا یعنی آدمی، جانور اور پرندے ہر ایک کو کھانے کی اجازت تھی۔

سو اونٹ کے فدیہ کا رواج :-...... زہری کہتے ہیں کہ عبدالمطلب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے آدمی کی جان کی قیمت سو اونٹ قرار دینے کا طریقہ ڈالا یعنی اس سے پہلے دس اونٹ کی دیت تھی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلا آدمی جس نے (سو اونٹ کی دیت کا) طریقہ ڈالا وہ ابو سیار عدوانی تھا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ عامر ابن طرب تھا۔ اس کے بعد قریش میں دیت کی اس مقدار کا رواج پڑ گیا۔ اس طرح عبدالمطلب کی اولیت اضافی ہے۔ اس کے بعد یہ طریقہ سارے عرب میں پھیل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دیت کی تصدیق فرمائی۔ عربوں میں پہلا آدمی جس کے لئے اونٹوں کی دیت دی گئی قبیلہ ہوازن کا زید ابن بکر تھا۔ اس کو اس کے بھائی نے قتل کر دیا تھا۔

(ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب عبدالمطلب نے اونٹوں اور عبداللہ کے نام پر قرعہ ڈالا تو تین سو اونٹوں پر پہنچ کر قرعہ اونٹوں پر نکلا تھا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) یہ جو کہا جاتا ہے کہ سو لونٹوں تک پہنچ جانے پر بھی قرعہ اونٹوں پر نکلا تھا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) یہ جو کہا جاتا ہے کہ سو اونٹوں تک پہنچ جانے پر بھی قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلا تھا اور جب تک تین سو لونٹ نہیں ہو گئے انہیں کے نام پر نکلتا رہا۔ یہاں تک کہ تین سو اونٹوں پر جب قرعہ اونٹوں پر نکلا تو عبدالمطلب نے اتنے ہی لونٹ کاٹے، تو یہ روایت بہت زیادہ کمزور ہے۔

سو اونٹ اور ابن عباسؓ کا فتویٰ :-...... حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا ذکر کیا ہے کہ جب ان سے ایک عورت نے کہا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کعبے میں ذبح کرنے کی منت مانی ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کو سو لونٹ ذبح کر دینے کا حکم دیا اور یہ فیصلہ انہوں نے اسی واقعے کے تحت کیا۔ پھر اس عورت نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اس کے متعلق فتوئی پوچھا مگر انہوں نے اس بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دی۔ پھر یہ بات مروان ابن حکم کو معلوم ہوئی، یہ اس زمانے میں مدینے کا امیر تھا، اس نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے بجائے جتنا ہو سکے کوئی کار خیر کر دے۔ مروان نے کہا کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے فتویٰ ٹھیک نہیں دیا۔

ایسی منت کے متعلق مسئلہ :-...... مؤلف کہتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہم شافعیوں کے نزدیک یہ منت سرے سے باطل اور لغو ہے اس لئے اس عورت پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قربانی کے دنوں میں اس عورت پر حرم میں بکری کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ اس کی دلیل وہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے لیتے ہیں (اس بارے میں امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا مذہب یہی ہے مگر یہ شرط امام صاحبؒ سے ثابت نہیں ہے کہ بکری کی قربانی حرم میں ہو اور قربانی کے دنوں میں ہو۔ اس بارے میں آیت وفدیناہ بذبح عظیم کے تحت تفسیر ماجدی میں مفصل بحث کی گئی ہے جس میں امام صاحبؒ کا یہی مسلک ذکر ہے مگر دونوں شرطوں کا ذکر نہیں ہے، امام مالکؒ اور احناف میں امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ نذر اور سنت قطعی

باطل اور لغو ہے۔ مرتب)۔

**آنحضرت ﷺ دو ذبیحوں کے بیٹے** :-...... کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں، مراد ہیں حضرت عبداللہ اور حضرت اسمٰعیلؑ۔ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں میں ذبیح کے متعلق بات چل پڑی کہ آیا ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں یا حضرت اسحاقؑ ہیں (ذبیح اس کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جانے والی ہو جیسے حضرت اسماعیلؑ کو اور آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ کو ذبیح کہتے ہیں) چونکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ یعنی حضرت اسماعیلؑ کے بھائی تھے۔ اس لئے مؤلف اس کے متعلق مختلف روایات کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ذبیح حقیقت میں حضرت اسماعیلؑ ہی تھے) حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم ایک باخبر اور جاننے والے آدمی کے پاس آئے (یعنی مجھے اس کے متعلق معلومات ہیں۔ تم نے میرے سامنے یہ بات کر کے ٹھیک کیا پھر فرمایا) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے کہ آپ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے اپنی کھیتیاں خشک ہو جانے کی فریاد کی اور کہا :-

**حضرت اسماعیل و اسحاق میں ذبیح کون تھے ؟**...... "میں اپنے علاقے کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ خشک ہو گیا ہے، مال و دولت تباہ ہو گیا، بال بچے ضائع ہو گئے۔ اے دو (۲) ذبیحوں کے بیٹے! اللہ کے اس احسان کی بناء پر جو اس نے آپ کے ساتھ فرمایا ہے آپ میرے اوپر توجہ فرمائیے"۔

آنحضرت ﷺ یہ سن کر (یعنی یہ جملہ کہ اے دو (۲) ذبیحوں کے بیٹے) مسکرائے اور آپ ﷺ نے اس بات سے انکار نہیں فرمایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت معاویہؓ سے پوچھا کہ یہ دو ذبیح کون تھے اے امیر المؤمنین! انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ اور اسماعیلؑ۔ حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا حال معلوم نہیں ہے۔

**حضرت اسماعیلؑ کی قربانی میں مصلحت**...... بعض محققین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بشری تقاضے کے مطابق حضرت اسماعیلؑ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ خاص طور پر اس لئے کہ وہ اس وقت تک ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ خصوصیت پیدا فرمائی ہے کہ پہلی اولاد سے باپ کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ اکلوتی بھی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسی محبوب بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تاکہ ان کے دل کو غیر اللہ یعنی اللہ کے علاوہ دوسروں کی محبت سے پاک فرمادے اور ایک انتہائی طریقے سے جو بیٹے کی قربانی ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایسا کرنے پر تیار ہو گئے اور ان کا دل بیٹے کی (غیر معمولی محبت سے) صاف ہو گیا اور وہ طبعی تقاضے سے پھر گئے تو اللہ نے (ان کے بیٹے کی جان کے بدلے میں مینڈھے کی) قربانی قبول فرمالی (یہ قربانی یعنی بیٹے کی) اس لئے طلب کی گئی تھی کہ دوستی کا صحیح مقام یہ ہے کہ ساری محبت صرف محبوب کے لئے وقف کر دی جائے، چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ کی محبت کسی دوسرے کی شرکت سے پاک ہو گئی تو بیٹے کو ذبح کرانے کی مصلحت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور فدیہ لے لیا گیا۔

**اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی روایت** :-...... ایک حدیث ایسی بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح (حضرت اسماعیلؑ کے بجائے ان کے بھائی) حضرت اسحاقؑ ہیں آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا نسب سب سے زیادہ اشرف ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یوسف صدیق اللہ ابن یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحاق ذبیح اللہ ابن ابراہیمؑ خلیل اللہ علیہم السلام"۔ یہ روایت اسی طرح

ہے لیکن بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرح ثابت ہے کہ "یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام"۔ اس سے زیادہ جو کچھ (الفاظ) ہیں وہ راوی کی طرف سے اضافہ ہیں۔

عزیز مصر کے نام یعقوبؑ کا خط :۔...... یہ جو ذکر کیا جاتا ہے وہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کو معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے بن یامین کو چوری کے الزام میں قید کر لیا گیا ہے تو انہوں نے عزیز مصر کو لکھا (عزیز مصر، مصر کے بادشاہ کو کہا جاتا تھا) اس وقت تک حضرت یعقوبؑ کو معلوم نہیں تھا کہ عزیز مصر ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ ہو چکے ہیں۔ حضرت یعقوب نے انہیں لکھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یعقوبؑ اسرائیل اللہ ابن اسحاق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے عزیز مصر کے نام۔ امّابعد! میں ایک ایسے گھر کا آدمی ہوں جس پر آج کل مصیبتوں کا دور دورہ ہے (اشارہ ہے حضرت یوسفؑ کی گمشدگی اور دوسرے بیٹے بن یامین کی گرفتاری کی طرف) جہاں تک میرے داوا (یعنی حضرت ابراہیمؑ) کا معاملہ ہے تو انکے ہاتھ پیر باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا تاکہ وہ جل کر ختم ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کے لئے آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔ جہاں تک میرے باپ (یعنی اسحاقؑ) کا معاملہ ہے تو ان کی شہ رگ پر چھری رکھ دی گئی تھی تاکہ ان کو ذبح کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا فدیہ قبول فرما لیا۔ اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میرا ایک بیٹا تھا وہ مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ پیارا تھا مگر وہ کہیں کھو گیا اور اس کے غم میں روتے روتے میری آنکھیں بھی کھو گئیں۔ میرا ایک دوسرا بیٹا تھا جو اس کا سگا بھائی تھا۔ میں اس کے ذریعہ یوسف کی جدائی میں) تسلی حاصل کیا کرتا تھا مگر اس کو تو نے گرفتار کر لیا۔ میرے گھر والے چوری نہیں کر سکتے، اور نہ ہم چوروں کو جنتے ہیں۔ پس اگر تو اس کو (یعنی بن یامین کو) واپس کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں تیرے لئے ایسی بد دعاء کروں گا جس کا اثر تیری ساتویں پشت پر بھی پڑے گا۔ والسلام"۔

ناقابل قبول روایت :۔...... (اس روایت کے متعلق خود مؤلف کتاب بھی لکھ رہے ہیں کہ اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ غلط ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں جو بد دعاء ہے وہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے، نہ حضرت یعقوبؑ اور دوسرے انبیاء نے اس طرح بد دعائیں کی ہیں جن انبیاء نے اپنی قوموں کے لئے بد دعائیں فرمائیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرمائیں اور اس وقت کیں جبکہ وہ برسوں ان کو سمجھا سمجھا کر ان پر حجت تمام کر چکے تھے۔ اس لئے یہ مذکورہ بالا روایت قابل قبول نہیں ہے) کیونکہ قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں کہ یعقوبؑ نے جو خط یوسفؑ کو لکھا اس میں از طرف یعقوب ابن اسحاق ذبیح اللہ لکھا تھا۔

دوسری غیر ثابت روایت :۔...... اسی طرح انس جلیل میں یہ جو ایک روایت ہے غالباً اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ جب موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ سے جدا ہو کر اپنے وطن جانا چاہا جو فرعون کی مملکت میں تھا تو حضرت شعیبؑ نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور کہا "اے ابراہیم خلیل کے پروردگار! اے اسماعیل صفی، اسحاق ذبیح، یعقوب کظیم اور یوسف صدیق کے پروردگار مجھے میری طاقت اور بینائی لوٹا دے"۔

اس دعاء پر موسیٰؑ نے آمین کہا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شعیبؑ کو طاقت اور بینائی دوبارہ عطا فرما دی۔

ذبیح کے متعلق یہود و نصاریٰ کے دعوے :۔...... (مؤلف کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی اسی طرح ثابت نہیں ہے جس طرح اس سے پچھلی روایت ثابت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں حضرت اسحاقؑ کو ذبیح کہا گیا ہے جبکہ بحث اسی پر چل رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں حضرت اسحاقؑ نہیں۔ اس بارے میں یہ

بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ چونکہ ذبیح ہونا ایک عظیم فضیلت اور بلند مرتبہ کی بات ہے۔ اس لئے یہودیوں اور عیسائیوں نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ یہ مرتبہ حضرت اسماعیلؑ کے بجائے حضرت اسحاق کے لئے ثابت کریں جو اسرائیلی نبی ہیں۔ حالانکہ اگر واقعتہً تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو خود بعض یہودی اور عیسائی علماء اس کا اقرار ہر گز نہ کرتے کہ در حقیقت ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ جبکہ آگے بھی ایک واقعہ آرہا ہے کہ خود ان قوموں کے علماء دل سے یہی جانتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں) حضرت یعقوبؑ کے نام کے ساتھ کظیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ لفظ ان کے لئے دراصل قرآن پاک نے استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں گھٹا ہوا ہونا۔ اس سے حضرت یعقوبؑ کی حالت کی طرف اشارہ ہے جو حضرت یوسفؑ کی گمشدگی اور مسلسل صدمے کی وجہ سے ہوگئی تھی کہ وہ غم سے گھٹے ہوئے رہتے تھے)۔

**ملک الموت سے یوسفؑ کی تحقیق** :۔......ایک روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ایک مرتبہ ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا تم یوسفؑ کی روح قبض کر چکے ہو (کیونکہ یوسفؑ عرصہ ہوا گم ہو چکے تھے اور انہیں ان کا حال بالکل معلوم نہیں تھا) ملک الموت نے جواب دیا۔ نہیں خدا کی قسم وہ زندہ ہیں۔ پھر ملک الموت نے ان کو ایک دعاء بتلائی کہ خدا سے یہ دعاء کیا کریں :۔

"اے ہمیشہ بھلائی اور احسان والے جس کی بھلائی کبھی ختم نہیں ہوتی اور نہ اس عظیم بھلائی کا کوئی دوسرا احاطہ کر سکتا ہے، میری پریشانی کو دور فرمادے"۔

**حضرت اسحاقؑ کے متعلق دیگر روایات** :۔......ایک روایت ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح کہنے کی بنیاد یہ بتلائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے (اپنی بیوی) حضرت سارہ سے فرمایا کہ اگر تمہارے پیٹ سے میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبیح (یعنی قربان) ہوگا۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ ان کے اور حضرت ہاجرہ کے بیٹے اسماعیلؑ کی پیدائش کے درمیان تیرہ یا چودہ سال کا فاصلہ تھا (حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ دونوں ابراہیمؑ کی بیویاں تھیں) عبرانی زبان میں حضرت اسحاقؑ کا نام ضحاک تھا۔

ایک حدیث میں جس کا راوی ضعیف سے آتا ہے کہ ذبیح اسحاقؑ تھے (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے دعاء کی اور کہا :۔

"اے میرے پروردگار! مجھے میرے باپ دادا حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ جیسا بنادے"۔

اس دعاء پر اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے ابراہیمؑ کو آگ کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا پھر میں نے اسحاقؑ کو ذبح کئے جانے کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا۔ پھر میں نے یعقوبؑ کو ان کے بیٹے کی گم شدگی کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا۔

قرآن پاک کی اس آیت وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا۔ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی نبوت کی خوش خبری اس وقت دی گئی جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبح کے بدلے میں فدیہ قبول فرمالیا۔ یہ خوش خبری حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت نہیں دی گئی تھی یعنی جب باپ نے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر (قربانی کے لئے) پیش کر دیا اور اس حکم پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فرماں برداری اور صبر کے بدلے میں ان کو بیٹے کی نبوت کی خوش خبری عطا فرمائی (گویا اس روایت سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے

کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ تھے"۔

علامہ سیوطیؒ کی رائے :- ...... حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء میں اور بیہقیؒ نے اپنی کتاب التعریف والاعلام میں حضرت اسحاقؑ کو ذبیح ماننے پر یقین کا اظہار کیا ہے اور تفسیر کے علم میں۔ میں بھی اسی نظریہ کی طرف مائل ہو گیا تھا مگر اب میں اس نظریہ سے ہٹ چکا ہوں کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہیں۔ یہاں تک سیوطیؒ کا کلام ہے۔

ذبیح اسماعیلؑ ہی تھے :- ...... حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ تینوں کو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی نبوت مل چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کو بنی جرہم کی طرف نبی بنا کر بھیجا، حضرت اسحاقؑ کو شام کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا اور حضرت یعقوبؑ کو کنعان کے علاقے میں نبی بنایا۔ (اگر حضرت اسحاقؑ کو ہی ذبیح مانا جائے تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ پیچھے روایت گزری ہے کہ ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کو "اے دو ذبیحوں کے بیٹے" کہا تو آپ نے انکار نہیں کیا بلکہ مسکرا دیئے حالانکہ آپ ﷺ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں نہیں ہیں بلکہ ان کے بھائی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں۔ گویا حضرت اسحاقؑ اوپر کی پشتوں میں جا کر آپ کے چچا ہوتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ) اگر اسحاقؑ کو ذبیح مانا جائے تو آپ ﷺ نے اعرابی کے یہ کہنے پر کہ "اے دو ذبیحوں کے بیٹے"۔ اس لئے انکار نہیں کیا بلکہ مسکرا دیئے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی مغالطہ انگیزی :- ...... ھدیٰ میں ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور ان کے بعد والے علماء کے قول کے مطابق صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ جہاں تک حضرت اسحاقؑ کو ذبیح کہنے کا سوال ہے تو یہ ایسا قول ہے جس کو بیس سے زائد دلیلوں کی وجہ سے رد کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ سے یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ یہ قول (کہ ذبیح اسحاقؑ ہیں) اہل کتاب کی چلائی ہوئی ہے (یعنی یہودیوں کی) حالانکہ خود ان کی آسمانی کتاب توریت میں لکھا ہے کہ یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ اپنے پہلوٹے بیٹے اور ایک لفظ یہ ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اس کو یہودیوں نے اپنی آسمانی کتاب جو ان کے پاس تھی اس میں اس طرح بدل دیا کہ (اللہ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ) اپنے بیٹے اسحاقؑ کو ذبح کرو۔ چنانچہ معافی ابن زکریا نے لکھا ہے کہ یہودی علماء میں سے ایک شخص جب مسلمان ہوا تو اس سے عمر ابن عبدالعزیز نے پوچھا کہ ابراہیمؑ کے کس بیٹے کو ذبح کیے جانے کا حکم دیا گیا تھا؟ اس عالم نے جواب دیا:۔

"خدا کی قسم امیر المؤمنین! یہودی جانتے ہیں کہ وہ بیٹے اسماعیلؑ ہیں لیکن وہ اس بات سے جلتے ہیں کہ جس فضیلت کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ آپ کی قوم عربوں کے لئے ہو۔ اس لئے وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ فضیلت اسحاقؑ کے لئے تھی کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں (یعنی یہودی اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہیں")

اس مسئلہ پر میری ایک کتاب ہے جس کا نام "القول المليح في تعيين الذبيح" ہے۔ بعض علماء نے مجھ سے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ میں نے یہ رسالہ ان کے جواب میں لکھا ہے جس میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ذبیح حقیقت میں اسماعیلؑ ہیں چنانچہ اگر حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح مانا جائے تو ذبح کرنے کی جگہ منیٰ ہوتی ہے لیکن اگر اسحاقؑ کو ذبیح مانا جائے تو ذبح کرنے کی جگہ ارض مقدس میں بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر مشہور ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ تائید ہے اس بات کی کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے۔ حضرت اسحاقؑ نہیں تھے، کیونکہ اگر ذبیح شام میں ہوتے جیسا کہ اہل کتاب کا خیال ہے تو قربان گاہ اور ذبح کرنے کی جگہ مکے کے بجائے شام میں ہوتی۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے :۔...... (پھر اصل موضوع یعنی عبداللہ کے ذبح کے متعلق بحث کرتے ہیں) عبدالمطلب کی منت یہ تھی کہ میرے دس لڑکے ہوں تو میں ان میں سے ایک کو ذبح کروں گا۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ جب انہوں نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے دس لڑکے ہو چکے تھے یا نہیں چنانچہ کہتے ہیں) اس میں اشکال ہے کہ عبداللہ کو ذبح کرنے کے وقت عبدالمطلب کے دس لڑکے ہو چکے تھے یا نہیں کیونکہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے حالانکہ ان کے دس لڑکے ان دونوں سمیت ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بعض لوگوں کے اس قول سے بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ (ذبح کرنے کا ارادہ اس وقت کیا گیا جب عبدالمطلب کے دس لڑکے پورے ہوگئے جو یہ ہیں:۔ حرث، زبیر، حجل، ضرّار، مقوّم ابولہب عباس، حمزہ، ابوطالب، اور عبداللہ۔

ارادۂ ذبح کے وقت بیٹوں کی تعداد :۔...... مؤلف کہتے ہیں کہ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت یعنی ذبح کرنے کے ارادے کے وقت ان کے لڑکے کے دو لڑکے ہو چکے ہوں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب کے لڑکے حرث کے دو لڑکے تھے ابوسفیان اور نوفل۔ اور پوتے کو حقیقت میں بیٹا ہی کہا جاتا ہے۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ چچا تھے بلکہ بعض تیرہ بتلاتے ہیں اور یہ کہ عبداللہ تیرہویں تھے۔ اس روایت کے بعد کوئی اشکال نہیں رہتا۔ نیز اس سے بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ حضرت عبداللہ سے حمزہؓ عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت عباسؓ حمزہؓ سے چھوٹے تھے یعنی یہ دونوں۔ حمزہؓ اور عباسؓ عبداللہ سے چھوٹے تھے کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ عبداللہ ذبح کے وقت سب سے چھوٹی اولاد تھے (یعنی ان کے بعد حمزہؓ اور عباسؓ پیدا ہوئے) کیونکہ ممکن ہے جب ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہو اس وقت سب سے چھوٹے ہوں۔ پھر چاہے ان کے دس ہونے کی قید ہو یا نہ ہو نیز عبداللہ کو تیرھواں کہنے سے بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرہ میں سے ایک وہ تھے۔

عبداللہ کا حسن و جمال :۔...... جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے اور آنحضرت ﷺ کا نور ان کے چہرے میں اس طرح چمکتا تھا جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے۔ ان کے اس حسن کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں ان کو بہت چاہتی تھیں اور سب عبداللہ پر جان دیتی تھیں۔ قریشی لڑکیاں عبداللہ پر کتنی فریفتہ تھیں اس کا اندازہ اس سے ہوگا۔

قریشی لڑکیوں کی وارفتگی :۔...... کہا جاتا ہے کہ جب عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہوئی تو قبیلہ قریش میں بنی مخزوم، بنی عبد شمس اور بنی عبد مناف میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو کہ اس کی شادی عبداللہ سے نہ ہو سکی۔

عبداللہ (شادی کے وقت) اپنے والد کے ساتھ آمنہ کو بیاہ کر لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آمنہ وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ زہرہ کے معنی سفیدی کے ہیں۔ آمنہ کی دادی یعنی وہب کی ماں کا نام قیلہ بنت ابوکبعہ تھا۔ شادی کے وقت عبداللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ راستے میں ان کا گزر قبیلہ بنی اسد ابن عبدالعزیٰ

کی ایک عورت پر ہوا جس کو قتیلہ کہا جاتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا نام رقیّہ تھا۔ یہ ورقہ ابن نوفل کی بہن تھی (ورقہ ابن نوفل قریش کے ایک عالم اور نیک نفس آدمی تھی) اس وقت قتیلہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئی تھی (جب وہاں سے عبدالمطلب اور عبداللہ کا گزر ہوا) قتیلہ نے اپنے بھائی نوفل سے سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے ایک نبی ہونے والے ہیں۔ اور یہ کہ ان کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا نور ان کے باپ کے چہرے میں جھلکتا ہو گا۔ یا ہو سکتا ہے کہ یہ بات اس کے دل میں ڈال دی گئی ہو (کیونکہ آگے روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت خود بھی ایک عالمہ اور کاہنہ تھی) اس نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور نبوت دیکھ کر ان سے کہا۔

عبداللہ کی پاک دامنی :-...... عبداللہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اپنے والد کے ساتھ جارہا ہوں۔ قتیلہ نے کہا۔

"میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں قربان کئے گئے تھے اگر تم اسی وقت میرے ساتھ جماع کرلو"۔

حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں اور ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے جدا ہو سکتا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

أمّا الحَرَامُ فالمَمَاتُ دُونَهُ
وَالحِلّ لاحِل فاستبِيْنَهُ

جہاں تک حرام کاری کی بات ہے اس سے بہتر تو مر جانا ہے

يَحْمِي الكَرِيْمُ عِرْضَهُ وَ دِيْنَهُ
فكَيْفَ بِالأمْرِ الّذِيْ تَبْغِيْنَهُ

شریف آدمی اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کیا کرتا ہے اس لئے تو کیسے ایک غلط کام کی طرف مجھے بلا رہی ہے۔

کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کے کچھ شعر یہ ہیں جو تذکرۃ الصلاح الصغدی میں ذکر کئے گئے ہیں۔

لَقَدْ حَكَمَ البَادُوْنَ فِي كُلّ بَلْدَةٍ
بِأنّ لَنَا فَضْلاً عَلَى سَادَةِ الأرْضِ

دیہاتیوں نے ہر ہر شہر میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ ساری دنیا کے سرداروں پر ہمیں فضیلت حاصل ہے۔

وَأنّ أبِي ذُوْ المَجْدِ وَالسّوْدِ وَالّذِي
يُشَارُ بِهِ مَابَيْنَ نَشْزٍ إلَى خَفْضِ

اور میرے والد عزت اور سرداری والے ہیں جن کی طرف ان کی عزت و سرداری کی وجہ سے بلند اور پست ہر جگہ اشارہ کیا جاتا ہے۔

ابو یزید مدنی سے روایت ہے کہ جب عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے کر ان کی شادی کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو وہ ایک کاہنہ عورت کے پاس سے گزرے جو تبالہ کی رہنے والی تھی (ت پر پیش ہے) تبالہ یمن کا ایک شہر ہے۔ اس عورت نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں اس کا نام فاطمہ بنت مُرّ الخثعمیہ تھا۔ جب اس نے حضرت عبداللہ کو دیکھا تو اسے ان کے چہرے میں نبوت کا نور دمکتا ہوا نظر آیا۔ اس نے عبداللہ سے کہا :-

"اے نوجوان! کیا تم اسی وقت مجھ سے جماع کر سکتے ہو۔ میں اسکے بدلے میں تمہیں سو اونٹ دوں گی :۔
"اس پر عبداللہ نے جو کچھ جواب دیا وہ وہی ہے جو پیچھے گزر چکا ہے۔

**حسین عورت کی پیش کش** :۔...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ کلبی نے کہا ہے کہ یہ کاہنہ بے انتہائی حسین اور پاکدامن عورتوں میں سے تھی۔ اس نے حضرت عبداللہ کو نکاح کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس سے کوئی روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا (یعنی اگر یہ کہا جائے کہ اس نے نکاح کی دعوت دی تھی، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ کہنے سے کہ "مجھ سے اسی وقت اگر تم جماع کر لو۔" اس کی مراد ہو کہ نکاح کے بعد مگر عبداللہ یہ سمجھے ہوں کہ وہ بغیر پہلے نکاح کے صرف گناہ کی دعوت دے رہی ہے اس لئے وہ شعر پڑھے جو پیچھے گزرے ہیں اور جو حضرت عبداللہ کی پاک دامنی اور پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ یہ بات اس لئے ہے کہ گذشتہ دونوں واقعے ایک ہی ہیں اور ان دونوں روایتوں میں جس عورت کا ذکر ہے وہ ایک ہی ہے۔ البتہ اس کے نام کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ حضرت عبداللہ جب اپنے والد کے ساتھ حضرت آمنہ سے شادی کرنے کے لئے جارہے تھے اس وقت اس عورت کے پاس سے ان کا گذر ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا گذر اسی ایک عورت کے پاس سے ہوا اور اسی نے مذکورہ پیش کش کی۔

**اس خواہش کا سبب**...... مگر مواہب کی عبارت ظاہرُ طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ دو (۲) واقعے ہیں۔ پہلا اس وقت کا ہے جب وہ شادی کے بعد اس جگہ سے واپس لوٹ رہے تھے جہاں وہ اپنے والد کے ساتھ گئے تھے۔ اور ابو یزید مدینی کا جو یہ قول ہے کہ اس عورت نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں اس کے تحت ممکن ہے کہ اس نے ان کتابوں میں یہ پڑھا ہو کہ آنحضرت ﷺ جن کا ظہور ہونے والا تھا ایک نور کی حیثیت میں اپنے والد کے چہرے میں نمایاں ہو گئے اور یہ کہ آپ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں گے۔ یا ممکن ہے کہ اس کے علم نے اس کو یہ بتلایا ہو اور اس پر اسے لالچ ہوا ہو کہ یہ نبی اس کے پیٹ سے ہوں۔ آگے جو روایت آرہی ہے اس سے اس دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

**حضرت آمنہ سے نکاح** :۔...... بہر حال عبدالمطلب (حضرت عبداللہ کو لے کر) حضرت آمنہ کے چچا کے پاس آئے یہ وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ تھے۔ اس وقت یہی بنی زہرہ کے سردار تھے اور اپنے نسب اور شرف کی وجہ سے معزز تھے۔ حضرت آمنہ اپنے والد وہب ابن عبد مناف کا انتقال ہو جانے کے وجہ سے وہیب ہی کی سرپرستی میں تھیں۔

**نور نبوی کی آمنہ میں منتقلی** :۔...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب وہب ابن عبد مناف کے پاس ہی پہنچے تھے (یعنی ان کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت آمنہ کی شادی کے وقت وہ زندہ تھے) اور انہوں نے ہی اپنی بیٹی کی حضرت عبداللہ سے شادی کی تھی۔ یہ استیعاب میں گزرا ہے کہ انہوں نے حضرت آمنہ کو حضرت عبداللہ سے بیاہ دیا۔ اپنے وقت میں حضرت آمنہ قریشی عورتوں میں نسب اور مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ افضل خاتون تھیں۔ شادی کے بعد حضرت عبداللہ جب ان کے مالک بن گئے تو ان سے ملے اور ہم بستری کی جس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ بصورت حمل ان کے پیٹ میں اور حضرت عبداللہ سے یہ نور ان میں منتقل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان سے پیر کے دن شعب ابو طالب میں جمرہ وسطی کے مقام پر صحبت کی تھی)۔ (شعب ابو طالب ایک گھاٹی کا نام ہے جس میں کفار نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا تھا)۔

**شادی کے بعد شب گزاری کی جگہ** :-...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ آگے فتح مکہ کے بیان میں یہ روایت آرہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے شعب ابو طالب میں حجون کے مقام پر اس جگہ قیام کیا تھا جہاں بنی ہاشم اور بنی مطلب کو (اسلام کی ابتداء میں قریش مکہ نے) قید کر کے ان کا بائیکاٹ کیا تھا۔

(روایتوں کا یہ فرق دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شعب یعنی گھاٹی جو حجون کے مقام پر تھی ایام حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں ابو طالب کے قیام کے لئے ٹھکانہ تھی، اور وہ گھاٹی جو جمرہ وسطی کے قریب تھی اس میں ابو طالب حج کے دنوں میں قیام کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

**اس حسینہ سے پھر ملاقات** :-...... پھر حضرت عبداللہ تین دن اپنی بیوی یعنی آمنہ کے پاس رہے۔ عربوں کا یہی دستور بھی تھا کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس (شادی کے بعد اس کے میکہ میں) جاتا تو تین دن رہتا تھا، اس وقت حضرت آمنہ اور ان کے گھر والے شعب ابو طالب میں تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ جب بیوی کے پاس سے لوٹے تو اسی عورت کے پاس آئے جس نے ان سے وہ درخواست کی تھی جس کی تفصیل گزر چکی ہے (مگر جب عورت نے اب ان سے وہی درخواست نہیں کی جو پہلے دن کی تھی تو) حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ آج تو مجھ سے وہ بات نہیں کہہ رہی ہے جو پہلے دن کہی تھی۔ اس نے جواب دیا۔

"کل جو نور تم میں نظر آتا تھا وہ اب تم سے جدا ہو چکا ہے اس لئے آج مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

**کیا عبداللہ کو نور نبوت کا اندازہ تھا؟** :-...... (اس سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ آگے کی سطروں میں خود مؤلف بھی اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ کو اس عورت کی اس پیش کش پر انتہائی حیرت تھی جو عورتوں کی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ ادھر ساتھ ہی ان کو غالباً اس نور نبوت کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ تھا جس سے ان کا چہرہ منور رہتا تھا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ حضرت عبداللہ طبعی اور نسبی طور پر انتہائی شریف اور پاکباز تھے اور وہ اپنی اسی شرافت کے تحت اس عورت کو مایوس کر کے چلے گئے تھے مگر وہ اس کا امتحان بھی کرنا چاہتے تھے کہ آیا اس نے محض نفسانی خواہش کے تحت ایسا کہا تھا یا درحقیقت اس نور کو پہچان کر یہ چاہتی تھی کہ یہ اس میں منتقل ہو جائے چنانچہ اسی جستجو میں وہ بطور آزمائش دوبارہ اس عورت کے پاس آئے جس کے بعد اس کے جواب سے اس حقیقت کی تصدیق ہو گئی)۔

**حسینہ کا پہچاننے سے انکار** :-...... ابو یزید مدنی کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ اپنی بیوی حضرت آمنہ سے ہمبستری کرنے کے بعد واپسی میں اس عورت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج تو وہ پیش کش نہیں کر رہی ہے جو پچھلی مرتبہ کی تھی۔ تو اس عورت نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں فلاں ہوں۔ تو اس عورت نے (بے اعتباری سے) کہا:۔

"نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ میں نے اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھا تھا جو اس وقت مجھے نظر نہیں آرہا ہے، میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کیا کیا"؟

حضرت عبداللہ نے اس کو واقعہ بتلایا (کہ یہاں سے جانے کے بعد میری شادی ہوئی اور میں نے بیوی کے ساتھ رات گزاری، اس پر اس عورت نے کہا:۔

**ظہور نبوت کی پیش گوئی** :-...... خدا کی قسم میں بدکار عورت نہیں ہوں، بلکہ میں نے تمہارے چہرے پر

ایک نور دیکھا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں آجائے مگر اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی، بلکہ جہاں اس نے چاہا وہاں اس نور کو بھیج دیا، تم اپنی بیوی کو خوش خبری دو کہ دنیا کا بہترین انسان اس کے پیٹ میں ہے۔" الخ

حسینہ کے علم کا امتحان :۔......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کا نام جس نے حضرت عبداللہ کو اپنے جسم کی پیش کش کی تھی لیلتہ العدویہ تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ اپنے مکان کی تعمیر میں مصروف تھے اور ان کے چہرے پر مٹی اور گرد و غبار لگا ہوا تھا اور یہ کہ انہوں نے کہا میں ذرا اپنا بدن صاف کر لوں پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ پھر وہ اس کے پاس حضرت آمنہ کے ساتھ ہمبستری کرنے کے بعد گئے جب کہ وہ نور ان سے حضرت آمنہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے اب بھی اس بات میں دلچسپی ہے جو تو نے کہی تھی۔ اس نے کہا نہیں! انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ تم ایک نور لے کر (حضرت آمنہ کے پاس) گئے تھے مگر اس کو لے کر واپس نہیں آئے۔ سیرت ابن ہشام میں (یہ جواب) اس طرح ہے کہ :۔

"جب تم میرے پاس سے گزرے تو تمہاری دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک روشنی تھی، اس لئے میں نے تمہیں (ہمبستری کی) دعوت دی مگر تم نے انکار کر دیا اور آمنہ کے پاس چلے گئے وہ اس نور کو لے گئیں۔ اگر تم ان کے ساتھ ہمبستر ہو چکے ہو تو وہ یقیناً ایک بادشاہ کو جنم دیں گی"۔

فطرت عورت کے خلاف پیش کش :۔...... یہاں واقعہ کا مختلف ہونا ممکن ہے۔ یہ تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ اس عورت کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہو رہی ہے اور وہ ان کے ساتھ ہم بستر ہوں گے۔ نیز وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نبی آنے والے ہیں جن کے پاس سلطنت اور طاقت ہو گی۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ عبداللہ نے جب اس کے پاس (دوبارہ جاکر) اس کی پیشکش اسے یاد دلائی تو (وہ زنا کے ارادے سے ہرگز نہیں تھی بلکہ وہ اس مقصد کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ عورتوں کی فطرت اور عادت کے خلاف ان کے ساتھ ہم بستری کے عوض لونٹوں کی اتنی بڑی مقدار بھی نثار کرنے کے لئے تیار تھی۔ وفا میں جو کچھ لکھا ہے یہ بات اس کے خلاف نہیں پڑتی، بلکہ اور اس بات کو ثابت کر دیتی ہے۔ پھر وفا نے خثعمیہ اور اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا ہے اور اس پیش کش کا بھی جو اس نے حضرت عبداللہ سے کی تھی، الحدیث۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کے نسب میں پاکیزگی :۔...... کلبیؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں اور باپ کے طرف سے (پچھلی پشتوں میں) پانچ سو مائیں ہیں، مگر ان میں کہیں بھی کسی کے لئے زنا اور بدکاری ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد و عورت زنا کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اگر مرد چاہتا ہے تو اسی عورت سے شادی کر لیتا ہے (مگر آنحضرت ﷺ کا پورا سلسلۂ نسب کنگھال لیا جائے دادہال اور ننہال میں اوپر کی پشتوں تک آپ ﷺ کی جتنی مائیں بھی ہیں کسی کے متعلق ایسی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ ان کے کردار میں جھول تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پورے نسب کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کس طرح پاکیزہ اور صاف و شفاف رکھا) نہ ان میں جاہلیت کی حرکتوں میں سے کوئی حرکت پائی جاتی ہے یعنی مائیدر اور سوتیلی ماں کے ساتھ یعنی باپ کی دوسری بیوی کے ساتھ (باپ کے مرنے کے بعد) نکاح کرنے کی رسم بھی آپ کے نسب میں کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اس بات کو جائز

سمجھتے تھے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے لئے اپنے باپ کا جانشین ہو جاتا تھا۔

**زمانۂ جاہلیت کے بیہودہ طریقے** :-...... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں سب سے زیادہ بیہودہ رسم یہ سمجھی جاتی تھی کہ ایک شخص ایسی دو لڑکیوں سے شادی کر سکتا تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں (پھر سوتیلی ماں کے ساتھ شادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ) جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا تھا اس پر خود قریش بھی عیب لگاتے تھے ایسے آدمی کو وہ "ضیزن" کہتے تھے جس کے معنی ہیں وہ آدمی جو اپنے باپ کی بیوی کے متعلق رکاوٹ ڈالے۔ ایسی شادی کو وہ لوگ "نکاح المقت" یعنی زنا کا عقد کہتے تھے۔ ایسی عورت کو "زانیہ" یعنی زنا کرنے والی اور ایسے شوہر کو زانی کہتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اوپر کی پشتوں میں بھی ایسا نکاح پایا جاتا ہے اس لئے کہ خزیمہ جو آپ کے اجداد میں سے ایک تھا، جب مر گیا تو اس کا سب سے بڑا لڑکا کنانہ اپنی مائیدر پر باپ کا جانشین بنا تھا اور اس سے نضر پیدا ہوا جو خود بھی آپ کے اجداد میں سے ہے۔

**آپ ﷺ کے نسب میں جھول نہیں تھا** :-...... یہ قول بالکل غلط اور لغو ہے اس لئے کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد کنانہ جس عورت پر باپ کا جانشین ہوا تھا وہ مر گئی تھی اور اس سے کنانہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ غلط بات اس لئے چلی کہ کنانہ نے اس کے بعد اپنے بھائی کی بیٹی سے شادی کر لی تھی اور اس کا بھی وہی نام تھا جو کنانہ کی مائیدر کا تھا۔ اس سے نضر پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں امام سہیلیؒ کا قول ہے کہ باپ کی بیوی سے نکاح گذشتہ شریعت کے مطابق جاہلیت کے زمانہ میں جائز تھا۔ اور یہ حرام رشتوں میں سے نہیں تھا جسے انہوں نے توڑا ہو اور نہ ان غلط باتوں میں سے تھا جسے جاہلیت کے دور میں ایجاد کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے نسب میں پیش آرہا ہے چنانچہ کنانہ نے اپنے باپ خزیمہ کی بیوی سے شادی کی جس کا نام برّہ بنت مُرّہ تھا اور امام سہیلی کے قول کے مطابق) اس سے نضر ابن کنانہ پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ ہاشم نے بھی اپنے باپ کی بیوی واقدہ سے شادی کر لی تھی اس سے ان کے ایک لڑکی ضعیفہ پیدا ہوئی، مگر یہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں شامل نہیں ہے کیونکہ واقدہ کے پیٹ سے آنحضرت ﷺ کے اجداد میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ادھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے نہیں (یعنی میرے نسب میں کہیں بھی کوئی زنا سے پیدا شدہ نہیں ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لاتنکحوا مانکح اٰبآؤ کُم مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا ماقد سَلَفَ الخ الاٰیۃ ۲۲ پ ۴ سورۃ نساء رکوع ۳۔

ترجمہ: تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔

**اس بارے میں قرآن سے استدلال** :-...... یعنی گذشتہ زمانے میں اس نکاح کے حلال ہونے کی وجہ سے جو ایسی شادیاں ہوئیں وہ ہو چکیں (اب ایسی شادیاں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں) اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی عیب نہیں پڑتا، یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اجداد میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پیشہ ور عورتوں یا بدکار عورتوں میں سے کسی کی اولاد ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے الا ماقد سلف یعنی مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔ کی شرط کا اضافہ نہیں فرمایا۔ مثلاً قرآن میں ہے ولا تقربوا الزناء یعنی زنا کے قریب

مت جاؤ مگر اس کے بعد الا ماقد سلف نہیں فرمایا گیا (یعنی زنا ایسا فعل نہیں ہے کہ اگر پچھلے دور میں کسی نے کیا ہے تو وہ جائز ہو گا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا بلکہ وہ ہمیشہ حرام رہا ہے اور ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰہ یعنی جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو۔ مگر اس کے بعد بھی الا ماقد سلف کے ذریعہ پچھلے زمانہ کا استثناء نہیں فرمایا۔ اسی طرح سوائے اس کے گناہوں میں سے کسی بھی گناہ کو جہاں قرآن میں روکا گیا اس کے ساتھ یہ استثناء ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح دو سگی بہنوں کو نکاح میں لانا کیونکہ یہ بھی ہم سے پہلی شریعت میں جائز تھا (یعنی ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے راحیل اور ان کی بہن لَیَّا سے شادی کی ہوئی تھی۔ "اس الا ما قد سلف سے ان معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک امام سہیلیؒ کا کلام ہے۔

(جو کچھ پیچھے ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے) یہ نا قابل توجہ ہے اور نہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ حضرت یعقوبؑ کی بیویاں آپس میں سگی بہنیں تھیں، اس کی تردید قاضی بیضاویؒ کے قول سے ہو رہی ہے کہ یعقوبؑ نے لَیَّا سے اس کی بہن راحیل کے انتقال کے بعد شادی کی تھی۔

علامہ واحدیؒ کی کتاب اسباب النزول میں ہے کہ بخاری میں اسباط سے روایت ہے کہ مفسرین کہتے ہیں۔

**دستور جاہلیت کی ممانعت** :۔...... زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں مدینے والوں میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا مالک ہو جاتا تھا لڑکا مائیدر کے اوپر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور اس کے بعد اس عورت پر اس کا حق خود عورت یا کسی بھی دوسرے آدمی سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تو بغیر مہر کے اسی مہر پر شادی کر لیتا جو مرنے والا ادا کر چکا تھا اور اگر چاہتا تو کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا مگر مہر خود وصول کر لیتا، اس عورت کو کچھ نہیں دیتا تھا اسی طرح اگر وہ چاہتا تو اس عورت کو یوں ہی چھوڑے رکھتا (یعنی نہ خود شادی کرتا اور نہ دوسرے کے ساتھ کرنے دیتا) اور اس کو تکلیفیں پہنچاتا تاکہ وہ اپنی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کہ اس کے پنجے سے نکلے۔ اسی دور میں (یعنی اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں) انصاریوں میں سے ایک شخص مر گیا۔ فوراً اس کی بیوی کے پاس مرنے والے کا لڑکا آیا اور اس نے اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال دیا اور پھر اس عورت کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ نہ تو اس کے پاس گیا اور نہ اس کا خرچہ اٹھایا تاکہ وہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے اپنی جان کا فدیہ اس کو ادا کر دے۔ یہ عورت پریشان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو اپنی بپتا سنائی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ الخ۔ لآیہ ۲۲ سورۂ نساء پ ۴ ر کوع ۳

ترجمہ : تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی

**ایک ماں پر بیٹے کا بیہودہ دعویٰ** :۔...... اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب یہ بھی) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ابو قیس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے قیس نے اپنی مائیدر کو اپنے نکاح میں لینا چاہا تو اس عورت نے کہا کہ میں نے تجھے ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھا ہے۔ پھر بھی میں آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر آپ سے اس بارے میں پوچھتی ہوں۔ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر جب اس نے یہ صورت حال بتلائی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

**اس رسم کی اسلام میں سخت سزا** :-...... حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ میری اپنے ماموں حضرت ابو الدرداءؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت ان کے پاس ایک جھنڈا تھا (یعنی وہ جہاد کی مہم پر جا رہے تھے) میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس بھیج رہے ہیں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی ہے۔ اب میں اس کی گردن مارنے جا رہا ہوں۔ "احمدؒ کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ (اس کی گردن مار دوں) اور اس کا مال و متاع چھین لوں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایسے شخص کے لئے کتنا سخت حکم ہے)۔

**دو سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح** :-...... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہتا تو وہ "خطب" یعنی "رشتہ دیا" کہہ دیتا اور لڑکی والے اس کے جواب میں کہہ دیتے "نکح" یعنی "نکاح کیا......" یہ لفظ گویا ان کے ایجاب و قبول کے قائم تھے۔ نیز (ان ہی بعض مؤرخین کا قول ہے کہ) جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ لوگ ایسی دو لڑکیوں سے بیک وقت شادی کر لیتے تھے جو آپس میں سگی ہوں یعنی باوجود یہ کہ خود وہ بھی اس کو برا جانتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

**پاکیزگی نسب پر ناز** :-...... بعض محققین کہتے ہیں کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے (یعنی وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی) ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں پھر توریت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام کر دی گئی۔ یہی بعض محققین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جدات یعنی دادیوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر کے طور پر جس سے آپ کا مقصد دوسری عورتوں کے مقابلے میں ان کی پاکیزگی اور فضیلت کا اظہار کرنا ہوتا تھا (کیونکہ عرب کے عام ماحول اور رسموں کے برخلاف آپ ﷺ کی تمام نسبی دادیاں نہایت پاکباز تھیں اور ان سب کے شریعت کے مطابق نکاح ہوئے تھے) آپ فرمایا کرتے :۔

"میں عواتک اور فواطم کی اولاد ہوں"۔

**عواتک اور فواطم کی اولاد** :-...... (عواتک عاتکہ کی جمع ہے عاتکہ کے معنی پاک دامن کے ہیں۔ فواطم فاطمہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایسی اونٹنی جس کے بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ ادھر عاتکہ اور فاطمہ عرب میں عورتوں کے مقبول ناموں میں سے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نسبی دادیوں میں کئی عاتکہ اور فاطمہ نام کی ہیں۔ یہاں عواتک اور فواطم کے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ نام مراد ہیں کہ میں عاتکاؤں اور فاطماؤں کا بیٹا یعنی ان کی اولاد ہوں)۔

**موقعہ بموقعہ اس کا اظہار**...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑایا تھا۔ آنحضرت حضرت کا گھوڑا حضرت ایوبؓ کے گھوڑے سے آگے نکل گیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔ اور یہ (یعنی میرا گھوڑا) نہایت سبک رفتار اور تیز رو ہے"۔

اور آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ میں یعنی غزوۂ حنین اور غزوۂ احد میں فرمایا:۔
"میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں، میں عاتکاؤں کا بیٹا ہوں"۔
ایک روایت میں آیا ہے کہ میں بنی سلیم کی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔ (یہاں سب جگہ بیٹا سے مراد اولاد ہے) عیون الاثر میں ہے کہ عاتکہ کے معنی خوشبو سے معطر یاپاک کے ہیں۔

بعض محققین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے دن فرمایا کہ میں فاطماؤں کا بیٹا ہوں۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن یہ فرمایا تھا کہ میں عاتکاؤں کی اولاد ہوں اس لئے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اسی دن یہ دونوں کلمے فرمائے ہوں۔

**آپ ﷺ کے نسب میں عاتکائیں**:۔...... اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں کتنی عاتکائیں ہیں، کچھ نے زیادہ تعداد بتلائی ہے اور کچھ نے کم۔ حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔ دادیاں) چودہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گیارہ ہیں اور ان میں سب سے پہلی عاتکہ (نامی عورت) لوئی ابن غالب کی ماں ہیں۔ بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو عاتکہ بنت ہلال ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں۔ دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مُرّہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں ہیں۔ تیسری عاتکہ بنت مُرّہ ابن ہلال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نانا وہب کی ماں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم کی عاتکاؤں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دوشیزائیں ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا جیسا کہ آگے رضاعت کے واقعہ میں آرہا ہے۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا۔

**آپ کے نسب میں فاطمائیں**:۔...... یہی بعض لوگ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبی ماؤں میں دس فاطمائیں ہیں (یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے)۔ اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ ایک روایت میں ہے کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں۔ بعض کہتے ہیں چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں آٹھ ہیں۔ آپ ﷺ کی دادہال کی جانب سے جو آپ ﷺ کی مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا ہے۔ وہ دو یہ ہیں:۔ حضرت عبد اللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ "میں فاطماؤں کی اولاد ہوں۔" صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا جز ہیں بلکہ عام دادہالی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ فاطمہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں۔ نیز وہ فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علی ابن ابو طالب کی ماں ہیں۔ اور خود ان فاطمہ کی ماں فاطمہ (یعنی جو حضرت علیؓ کی نانی ہوئیں کہ ماں اور نانی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطماؤں کے علاوہ ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک ریشمی تھان عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے تین فاطماؤں کے درمیان تقسیم کر دو۔ یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں۔ ایک فاطمہؓ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ دوسری فاطمہؓ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد ہیں۔ بعض محققین نے ان میں فاطمہ ام عمرو ابن عائذ اور فاطمہ بنت عبد اللہ ابن رزام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حرث اور عبد مناف کی نانی فاطمہ بنت نصر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

**آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کے شرعی نکاح**:۔...... حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ "میں نکاحوں کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں زنا کے ذریعہ

نہیں!"

(یعنی آپ کے آباء واجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی اولادیں یعنی جو آپ کی نسبی دادا ہیں وہ سب کے سب اپنے ماں باپ کی جائز لولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔ آپ ﷺ کے نسبی اجداد کے شرعی نکاحوں کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے۔

**نسبی پاکیزگی عظیم معجزہ**...... یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ (اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ) عورت مرد کے ایک عرصہ تک ناجائز تعلقات رہتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز لولاد پیدا ہوتی تھی) پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ عرب زنا کو جائز سمجھتے تھے مگر ان میں جو شریف لور نیک لوگ تھے وہ کھلے عام اس برائی سے بچتے تھے لور ایسے بھی تھے جنھوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے لوپر حرام کر لیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو اپنی فطری شرافت اور نیکی وجہ سے جہالت اور لاعلمی کے باوجود برائی کو برائی سمجھتے تھے لور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچائے رکھتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سب حضرات وہی ہیں جن میں شرافت طبعی لور فطری تھی۔ لور وہ لوگ اپنی فطرت سلیمہ کی بناء پر ہمیشہ اپنے زمانے کی برائیوں کو برائی سمجھتے رہے لور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے بہترین انسان کو پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں لور برائیوں سے محفوظ لور پاک رکھا جن میں اس دور کے اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے اور جس پر صدیوں کی لمبی مدت گزری لور علم وجہالت کے مختلف دور آئے ان میں یہ نسب وقت کی ہر برائی سے محفوظ رہا)۔

ایک غریب حدیث ہے کہ میں نکاحوں سے پیدا ہوا ہوں لور آدمؑ کے دور سے اس وقت تک جب کہ میں اپنے ماں باپ سے پیدا ہوا (میرے آباؤ اجداد میں) کہیں بھی کوئی بدکاری کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا۔ مجھ میں زمانۂ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی لور میں سوائے اسلامی نکاح کے (کسی دوسرے طریقے سے) پیدا نہیں ہوا"۔

**قومیں نور نبی کے لئے حریص رہیں**:-...... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

جب سے میں آدمؑ کے صلب (نطفے) سے نکلا ہوں میں کسی بدکار کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا اور تمام قومیں پشت در پشت (مجھے اپنی قوم کا فرد دیکھنے کے لئے) آپس میں الجھتی رہیں یہاں تک کہ میں دو انتہائی افضل آدمیوں یعنی ہاشم لور زہرہ کی لولاد میں پیدا ہوا۔

**اولین تخلیق نور محمدی ہے**:-...... (یعنی حضرت آدمؑ کی صلب سے منتقل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا نور برابر ایک سے دوسرے میں لولاد در لولاد منتقل ہوتا رہا اس پورے سلسلے میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی پشت میں یہ نور نکاح کی بجائے بدکاری کے ذریعہ منتقل ہوا ہو اور اس کے نتیجے میں کہیں بھی لور کسی بھی دور میں آپ ﷺ کے نسب میں انگلی رکھی جاسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کا نور اس پوری کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ مختلف روایت سے پتہ چلتا ہے آپ ﷺ کی تخلیق ہی اس پورے عالم کی تخلیق کا

سبب سے۔ چنانچہ ابن عساکرؒ نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا :۔

آنحضرت ﷺ تخلیق کائنات کا سبب :۔...... "آپ ﷺ کا رب آپ سے فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا تو آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے، میں نے اپنے لئے آپ سے زیادہ شریف و معزز کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں دکھاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کتنا رتبہ اور مرتبہ ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا"۔

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا :۔...... اسی طرح سیرت النبویہ و الآثار المحمدیہ میں حاکم کی حضرت عمر فاروقؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے عرش پر رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ "اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔" نیز مختلف سندوں سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے دل میں ڈالا گیا کہ وہ یہ کہیں :۔

اے پروردگار! تو نے میرا لقب ابو محمد ﷺ کیوں رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

نور محمد ﷺ کی سر عرش جلوہ ریزیاں :۔...... "اے آدم! اپنا سر اٹھا۔" آدمؑ نے سر اٹھایا تو ان کو عرش کے پردوں میں آنحضرت ﷺ کا نور نظر آیا۔ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ "اے پروردگار یہ نور کیسا ہے"؟

جواب ملا کہ "یہ نور میرے نبی کا نور ہے جو تمہاری اولاد میں ہوں گے، آسمانوں میں ان کا نام احمد ﷺ ہے اور زمین میں محمد ﷺ ہوگا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین اور آسمان کو پیدا کرتا"۔

بنی ہاشم اور بنی زہرہ کی سعادت :۔...... گذشتہ آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی اطلاع ہے جو انبیاءؑ کے ذریعہ دوسروں تک پہنچی۔ چنانچہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس سعادت اور بزرگی کے لئے گذشتہ دور میں ہر قوم آرزومند رہی جس کی طرف آپ ﷺ نے اوپر کی روایت میں اشارہ فرمایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے مقدر میں لکھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی والد حضرت عبداللہ قریش میں ہاشم کی اولاد میں ہوئے اور آپ ﷺ کے والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہرہ کی اولاد میں ہوئیں اور اس طرح ان دونوں خاندانوں کے ذریعہ سرور کائنات ﷺ اس عالم میں تشریف لائے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (گذشتہ روایت میں بدکار کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) بدکار سے مراد زمانۂ جاہلیت کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے دروازوں پر ایک علامت یا جھنڈا لگا لیا کرتی تھیں۔ جس شخص کا دل چاہتا وہ حرام کاری کے لئے ان کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کو حمل ٹھہر جاتا اور پھر بچہ پیدا ہو جاتا تو اس کے پاس آنے والے لوگ اس کے ہاں جمع ہو جاتے اور آپس میں قیافہ شناسی کرتے اور اس بچے کی صورت ان میں سے جس کے ساتھ بھی کچھ ملی ہوئی ہوتی وہ بچہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا اور وہ اس کا بیٹا کہلانے لگتا۔ وہ شخص کسی کو اس سے روک نہیں سکتا تھا۔ واللہ اعلم۔

باعتبار دادھیال و سسرال بہترین نسب :۔...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی آیت اس طرح پڑھی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ (یعنی انفسکم میں ف پر زیر پڑھا یعنی تم میں رسول آئے ہیں جو تم میں سے بہترین آدمیوں میں سے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا میں تم میں بہترین

ہوں باعتبار نسب کے، باعتبار سسرالی رشتہ داروں کے اور باعتبار شرافت کے، میرے آباء واجداد میں آدمؑ کے وقت سے کبھی زنا نہیں ہوا۔ سب کے نکاح ہوئے"۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں (یہ الفاظ بھی ہیں کہ سب کے نکاح ہوئے) اسلامی نکاح کی طرح ایک شخص دوسرے شخص کو لڑکی کے لئے رشتہ دیتا ہے، مہر ادا کرتا ہے اور شادی کر لیتا ہے۔ لقد جاء کم رسول من اَنْفُسِکُم کی قرأت میں ف پر پیش ہے جس سے اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمہارے پاس (یعنی قریش کے پاس، ایسے رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر کی روایت میں گزرا اگر اَنْفُسُکُم کو ف پر زبر کے ساتھ اَنْفَسِکُم پڑھا جائے تو اس کے معنی وہ ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے)۔

**پورے نسب میں شرائط نکاح مکمل** :۔...... امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں حضرت آدمؑ تک جتنے بھی نکاح ہیں ان میں نکاح کے درست ہونے کی وہ تمام شرطیں پائی جاتی ہیں جو ایک اسلامی نکاح کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت آدمؑ تک آپ کے نسب میں کوئی نکاح ایسا نہیں مل سکتا جس میں وہ ساری شرطیں موجود نہ ہوں جو آج کے موجودہ اسلامی نکاح کے درست ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ امام سبکیؒ کہتے ہیں، اس لئے اس بات پر اپنے دل سے اعتقاد اور یقین رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ یقین نہیں رکھتا تو وہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

**نسب نبوی اور انعام خداوندی** :۔...... بعض محققین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی یہ ایک عظیم عنایت ہے کہ آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ کی اپنے ماں باپ کے یہاں پیدائش تک اس نے آپ ﷺ کے تمام آباء واجداد کے نکاح ایک ہی طریقے پر رکھے جو آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہے۔ آپ ﷺ کے نسب میں کسی کا نکاح زمانۂ جاہلیت کے اس طریقے پر نہیں ہوا کہ اگر کوئی شخص شادی کا ارادہ کرتا تو وہ کہہ دیتا "رشتہ دیا" اور لڑکی والے کہہ دیتے "نکاح ہو گیا" جیسا کہ گزر چکا ہے (کیونکہ یہ طریقہ اسلامی نکاح کے طریقے کے خلاف ہے اس طرح نکاح نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور آنحضرت ﷺ پر اس کا خاص احسان رہا ہے کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد میں کسی کا نکاح اس طریقے سے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کی نسبی شرافت و عظمت پر انگلی رکھی جاسکے حالانکہ آپ ﷺ کے پورے نسب میں بہت سے ایسے دور آئے ہیں جب کہ ہر طرف جہالت اور خلاف شریعت باتوں کا دور دورہ تھا)

**باندیاں بھی اس اصول میں شامل** :۔...... (زمانۂ جاہلیت کے نکاح کا جو طریقہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) وہ ایجاب و قبول کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی نکاح سے مراد یہ ہے کہ وہ طریقہ جو عورت کو مرد کے لئے (اللہ کے نزدیک) حلال کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس میں باندی کا حکم بھی شامل ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت اسماعیلؑ کے حمل تک حضرت ابراہیمؑ کی بیوی نہیں بلکہ باندی تھیں۔ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح نہیں کیا تھا (اسلام میں باندی کے ساتھ جنسی تعلق رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مالک مرد کی ملکیت ہوتی ہے۔ اگر مرد اس کو اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر سکتا ہے)۔

**جاہلیت میں نکاح کی قسمیں** :۔...... حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں نکاح چار قسم سے ہوتے تھے۔ ایک تو ایسا نکاح جس طرح لوگ آج کل کرتے ہیں یعنی شرعی ایجاب و قبول کے

ذریعہ۔ یہ نہیں کہ مرد کہہ دے رشتہ کیا اور لڑکی والے کہہ دیں نکاح کیا، دوسری قسم نکاح کی یہی تھی جو ذکر کی گئی (کہ مرد نے "رشتہ کیا" کہا اور لڑکی والوں نے "نکاح کیا" کہہ دیا)۔ ایک نکاح بغایا او نکاح استبضاع تھا، ایک نکاح جمع تھا (ان کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔ جاہلیت کے نکاحوں میں ایک باپ کی بیوی سے (یعنی سوتیلی ماں سے باپ کے مرنے کے بعد) سب سے بڑے لڑکے کا نکاح تھا۔ اسی طرح جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دو ایسی لڑکیوں سے نکاح جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔

نسب نبوی میں ناجائز نکاح کا وجود نہیں :-...... اب مراد یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں باپ کی بیوی سے بھی کسی کا نکاح ثابت نہیں۔ یہ بات سہیلیؒ کی اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزر چکی ہے۔ (یعنی یہ کہ ہاشم نے اور کنانہ نے اپنی اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیا تھا) اسی طرح (آپ ﷺ کے نسب میں) نہ تو دو بہنوں سے نکاح ملتا ہے اور نہ نکاح بغایا ملتا ہے۔

جاہلیت میں نکاح بغایا :-...... (نکاح بغایا میں بغایا سے مراد طوائفیں ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ) طوائف سے مختلف لوگ ایک کے بعد ایک بدکاری کرتے تھے اگر اس کو حمل ٹھہر گیا اور پھر بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اس بچے کو ان لوگوں میں سے اس شخص کا شمار کیا جاتا تھا جس سے اس بچے کی صورت ملتی ہوتی تھی۔

نکاح استبضاع کی ناپاک رسم...... نکاح استبضاع کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں (ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شادی شدہ) عورت اپنی ماہواری سے فارغ ہو جاتی تو اس کا شوہر اس سے کہہ دیتا کہ فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے جماع کرا لے (جب وہ عورت چلی جاتی تو) پھر اس کا شوہر اس سے علیحدہ رہتا اور اس وقت تک اس کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا جب تک کہ اس آدمی کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا جس کے پاس اس عورت کو جماع کرانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جب حمل ظاہر ہو جاتا تو پھر اگر شوہر چاہتا تو خود بھی اس سے ہمبستری کر لیتا تھا۔

(اس نکاح استبضاع جیسی ناپاک رسم کا مقصد یہ تھا کہ جس شخص کے پاس جماع کرنے کے لئے بیوی کو بھیجا گیا ہے اس سے حمل ہو جائے) اب جو بچہ پیدا ہو وہ ان ہی خصوصیات اور صلاحیتوں کا پیدا ہو گا جو اس شخص میں ہیں جس کا یہ حمل تھا۔ یہ بچہ ہوتا تھا ناجائز باپ کا مگر کہلاتا تھا عورت کے شوہر کا۔ اس طرح گویا ایک شخص دوسرے کی اچھی صلاحیتوں مثلاً بہادری، ذہانت اور حافظے وغیرہ کو اپنے گھر میں منتقل کر لیتا تھا)۔

نکاح جمع :-...... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے نسب میں نکاح جمع بھی نہیں تھا۔ نکاح جمع کا مطلب یہ ہے کہ ان طوائفوں میں سے جن کے دروازوں پر علامت لگی ہوتی تھی کسی کے یہاں دس سے کم تعداد میں آدمی جمع ہو جاتے اور پھر ایک ایک کر کے سب لوگ اس طوائف سے بدکاری کرتے، جب اس طوائف کو حمل ٹھہر جاتا اور بچہ بھی ہو جاتا تو بچے کی پیدائش کے چند دن بعد وہ طوائف ان ہی سب آدمیوں کو بلا بھیجتی جنہوں نے اس سے بدکاری کی تھی۔ اب ان سب لوگوں میں سے کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے گھر پہنچنے سے انکار کر سکے چنانچہ وہ سب لوگ اس کے یہاں جمع ہو جاتے۔ اب وہ طوائف ان سے کہتی :-

"تم لوگوں کو معلوم ہے جو کچھ تم نے کیا تھا، اس کے نتیجہ میں میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ بچہ اے فلاں تمہارا ہے"۔

طوائف ان لوگوں میں سے جس کو پسند کر لیتی اسی کا نام لے کر یہ کہہ دیتی اور پھر وہ بچہ اسی شخص کا کہلاتا۔ اب چاہے اس بچہ میں اس کی شباہت بھی نہ ہو مگر وہ شخص (جس کو اس طوائف نے اپنے بچے کا باپ کہہ

دیا ہے) اس سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

**نکاح جمع اور نکاح بغایا کا فرق**...... اسی طرح نکاح بغایا دو قسم کا ہوتا تھا (ایک یہ جس کا یہاں بیان ہوا اور ایک وہ جو پچھلے صفحوں میں ذکر ہوا کہ اسی طرح بہت سے لوگ ایک طوائف سے بدکاری کرتے) اور جب اس کے یہاں بچہ ہو جاتا تو وہی سب لوگ وہاں جمع ہو کر آپس میں قیافہ شناسی کرتے اور اندازہ کر کے جس سے اس بچے کی صورت ملتی دیکھتے اسی سے اس کو لاحق کر دیتے) غالباً حضرت عمرو بن العاصؓ کی ماں نکاح بغایا کی دوسری قسم سے تھی۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ چار آدمیوں نے جماع کیا تھا جو یہ تھے۔ عاص، ابولہب، امیہ ابن خلف اور ابوسفیان ابن حرب۔ حضرت عمروؓ کی پیدائش کے بعد ان چاروں میں سے ہر ایک نے ان پر اپنا دعویٰ کیا مگر اس عورت نے بچہ کو عاص کی طرف منسوب کر دیا۔ بعد میں اس عورت سے پوچھا گیا کہ تو نے عاص کو کیوں انتخاب کیا۔ اس نے کہا اس لئے کہ وہ میری لڑکیوں پر روپیہ خرچ کرتا ہے۔

**حضرت عمرو ابن عاص** :-...... یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نکاح بغایا کی دوسری قسم سے رہی ہو۔ کیونکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمروؓ کو عاص کا بچہ اس لئے شمار کیا گیا تھا کہ وہ صورت میں عاص کے مشابہ تھے۔ حضرت عمرو کو اس بات کی وجہ سے لوگ عار دلایا کرتے تھے۔ صحابہء کرامؓ میں سے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت حسن اور حضرت عمار ابن یاسرؓ نے بھی ان کو اسی سبب سے عار دلایا ہے۔ اس کی تفصیل حضرت عثمانؓ کے قتل کے سلسلے میں آئے گی جہاں مسجد نبوی کی تعمیر کے متعلق بحث ہے۔

**پاک صلبوں سے پاک رحموں میں** :-...... نیز وہی بعض محققین کہتے ہیں یہ بھی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

"میں برابر پاک مردوں کے صلبوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا"۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ :-

"اللہ تعالیٰ برابر مجھے شریف صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا"۔

بخاری نے (یہ حدیث) روایت کی ہے :-

"میں بنی آدم کے بہترین زمانے سے ظاہر ہوا ہوں زمانہ در زمانہ کے بعد یہاں تک کہ اس زمانے میں جس میں کہ میں موجود ہوں"۔

**کیا آپ ﷺ کے اجداد مومن تھے ؟**...... آیت پاک وتقلبك فی الساجدین کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کا نور) ایک نمازی سے دوسرے نمازی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس بارے میں جو مختلف تفسیریں ہیں وہ بھی گزر چکی ہیں نیز ابوحیان کے قول کا یہ جز بھی گزر چکا ہے کہ اس تفسیر سے بعض رافضی مفسرین نے یہ بھی مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد تمام کے تمام مومن تھے یعنی اپنے اپنے دور کے نبیوں کی شریعت پر چلتے تھے۔

پھر میں نے حافظ سیوطیؒ کی تحقیق دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد میں آدمؑ سے مرّہ ابن کعب تک جتنے افراد ہیں ان سب کے ایمان کے متعلق پختہ طور پر معلومات ملتی ہیں یعنی احادیث اور سلف کے اقوال کے ذریعہ سے۔ اس کے بعد مرّہ اور عبدالمطلب کے درمیان چار آباء واجداد باقی رہتے ہیں جن کے مومن ہونے کے متعلق کوئی روایت پانے میں مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔

**عبد المطلب دین ابراہیمی پر تھے :۔**..... جہاں تک خود عبد المطلب کا تعلق ہے ان کے بارے میں آگے بحث آئے گی۔ ان کے متعلق تین قول ملتے ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچ سکی اور یہی سب سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ آگے بیان آرہا ہے کہ ان کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے (اس لئے حق پر اور مؤمن تھے) یعنی وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر دوبارہ فوت ہو گئے۔ یہ تیسرا قول سب سے زیادہ کمزور اور ضعیف ہے، جو کسی کمزور حدیث وغیرہ میں نہیں آتا۔ نہ ہی اس کو ائمہ سنت میں سے کسی نے نقل کیا ہے بلکہ بعض شیعہ حضرات نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ "میں پاک مردوں کے صلبوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔" اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدم اور حواؑ تک آنحضرت ﷺ کے تمام نسبی باپ اور ماؤں میں کوئی بھی کافر نہیں تھا اس لئے کہ کافر کو طاہر اور پاک نہیں کہا جاتا۔

اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ ممکن ہے پاکی سے مراد جاہلیت کے نکاحوں کے مقابلے میں (آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد کے شرعی) نکاح مراد ہوں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد کے اسلام کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لم تزل فی ضمائر الکون تختار لك الا مهات و آلا باء

ترجمہ :۔ کائنات کے جگر میں سے برابر آپ ﷺ کے لئے بہترین مائیں اور بہترین باپ اختیار کئے جاتے رہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ بہترین مائیں اور باپ پسند فرماتا رہا) اس لئے کافر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

**بنی زہرہ میں شادی پر بشارت :۔**..... (اس بحث کے بعد آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی شادی بنی زہرہ کے خاندان میں حضرت آمنہ سے کئے جانے کے متعلق کہتے ہیں کہ) عبد المطلب نے بیٹے کی شادی کے لئے بنی زہرہ کا خاندان منتخب کیا۔ اس کا سبب جو ہے وہ عبد المطلب کے بیٹے حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبد المطلب نے کہا۔

"ہم سردی کے موسم میں جانے والے تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گئے تو ہم یہودیوں کے ایک کاہن کے پاس گئے جو زبور کتاب پڑھ رہا تھا (زبور سے مراد غالباً توریت ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اتری تھی) اس یہودی نے ہم سے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ میں نے کہا کہ ہم قریش میں سے ہیں۔ اس نے پوچھا قریش کے کس خاندان سے۔ میں نے کہا بنی ہاشم سے۔ پھر اس نے کہا کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں تمہارے بدن کے کچھ حصے دیکھوں۔ میں نے کہا کہ ہاں اگر پوشیدہ حصوں کے سوا دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ سکتے ہو۔ عبد المطلب کہتے ہیں اس کے بعد کاہن نے پہلے میری ناک کا ایک نتھنا دیکھا اور اس کے بعد دوسرا دیکھا، پھر اس کے بعد کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت ہے اور دوسرے میں نبوت۔ ہاتھ سے مراد اصل میں نتھنا ہی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں یعنی سلطنت اور نبوت ہمیں بنی زہرہ کے خاندان (کے ساتھ آپ کے رشتہ

داری پیدا کرنے) میں نظر آرہی ہیں۔ یہ کیسے ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارا اس خاندان سے ناطہ ہے۔ میں نے پوچھا ناطے سے کیا مراد ہے۔ اس نے کہا کہ بیوی جو ہمدم و دمساز ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ آج تک تو نہیں ہے یعنی بنی زہرہ میں سے میرے یہاں بیوی نہیں ہے۔ یعنی نہ تو یہ تھا کہ جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری ہوتی اور نہ ایسا تھا کہ ان کی جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری رہی ہو اور پھر اسے طلاق دے دی ہو پھر اس یہودی کاہن نے کہا کہ جب تم شادی کرو تو بنی زہرہ ہی میں کرنا۔

قیافہ شناس :۔۔۔۔۔ ایسے لوگ جو بدن کے اعضاء اور چہرہ مہرہ دیکھ کر آدمی کے متعلق اپنی ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر خبریں دیتے ہیں ان کو عربی میں جزاء کہتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنے شیخ سیدی علی الخواص کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ آدمی کی ناک دیکھ کر اپنی ذہانت اور فراست کی وجہ سے اس کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشیں متعین کر کے بتلادیا کرتے تھے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا کلام ہے۔

قیافہ شناسی کا عجیب واقعہ :۔۔۔۔۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیانؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ ابھی وہ اس سے ملے نہیں تھے انہوں نے اپنی پہلی بیوی میسون امّ یزید سے کہا کہ جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ وہ اس عورت کے پاس آئیں اور اسے دیکھ کر واپس اپنے شوہر کے پاس گئیں اور کہا۔

"وہ اتنی حسین و جمیل ہے کہ میں نے اس جیسی دوسری نہیں دیکھی مگر اس کی ناف کے نیچے ایک سیاہ رنگ کا تل ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے شوہر کا سر کاٹا جائے گا اور اس کی گود میں رکھا جائے گا"۔

امیر حمص کا قتل :۔۔۔۔۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے (اس کو دیکھے بغیر ہی) اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت نعمان ابن بشیرؓ نے اس عورت سے شادی کرلی۔ یہ حمص کے گورنر تھے۔ مسئلہ خلافت کے وقت انہوں نے مروان کی مخالفت کی اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ (کی خلافت) کے لئے کوشش کی۔ اس کے بعد (جب ان کی کوششیں ناکام ہوگئیں اور حمص والوں نے مروان کی بیعت کرلی تو یہ حمص والوں سے ڈر کر وہاں سے فرار ہوگئے مگر حمص والوں نے ان کا پیچھا کیا (اور آخر انہیں پکڑ کر) ان کا سر کاٹا اور اس کو اسی عورت کی (جو ان کی بیوی ہوگئی تھی) گود میں ڈالا۔ پھر ان لوگوں نے یہ سر مروان کے پاس بھجوایا۔

نعمان کے متعلق نبی ﷺ کی پیشین گوئی :۔۔۔۔۔ ان نعمان ابن بشیرؓ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیلوں میں سے بھی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ جب یہ پیدا ہوئے تھے تو ان کی والدہ انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائی تھیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی ہجرت کے بعد انصاریوں میں یہ پہلی پیدائش تھی۔ غرض ان کی والدہ انہیں لے کر آپ ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ نے ایک چھوہارا منگایا اور اسے چبا کر ان کے منہ میں رکھ دیا اس طرح آپ نے ان کی تحنیک کی (تحنیک اسی کو کہتے ہیں کہ چھوہارا چبا کر بچے کے منہ میں رکھا جائے) اس کے بعد بچے کی ماں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی اولاد کے مال و دولت میں برکت عطا فرمائے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ یہ اس طرح زندہ رہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس طرح مرے کہ شہید کہلائے اور جنت میں داخل ہو؟"

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ انہوں نے شریفانہ زندگی گزاری اور اس

کے بعد شہید ہوئے اور انشاء اللہ جنت کے مستحق ہوئے)۔

**نعمانؓ کی یزد کو نصیحت** :-...... یہی نعمان ابن بشیرؓ ہیں جنہوں نے یزید ابن ابوسفیان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اہل بیت (یعنی آنحضرت ﷺ کے گھر والوں اور اولاد) کی عزت و احترام کرے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھیوں، بھتیجوں اور رشتہ داروں کے ساتھ شہید کئے گئے انہوں نے یزید سے کہا تھا۔

"اگر آنحضرت ﷺ ان کو (یعنی اپنی اولاد کو) اس حالت میں دیکھتے تو جس طرح آپ ﷺ ان کے ساتھ پیش آتے تم بھی ان کیساتھ اسی طرح پیش آؤ"۔

یہ سن کر یزید کے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے اہل بیت کا بہت عزت و احترام کیا اور نعمان کو ان کے ساتھ واپس بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ انہیں لے جائیں جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

حضرت نعمانؓ سے جو روایات نقل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔

"شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں۔ اس کے پھندے اور جال یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غرور کرنا، اللہ کی دین پر فخر کرنا، اللہ کے بندوں پر تکبر کرنا اور اللہ کو ناخوش کرنے والی چیزوں میں اپنے نفس کی پیروی کرنا"۔

**شہر حمص کی خصوصیات** :-...... شہر حمص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ ﷺ کے نو سو صحابہؓ آئے ہیں جن میں سے ستر وہ تھے جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ حیات حیوان نامی کتاب میں ہے کہ حمص میں بچھو زندہ نہیں رہتے اور اگر باہر سے کوئی بچھو لا کر وہاں چھوڑ دیا جائے تو وہ فوراً ہی مر جاتا ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شہر کے طلسم اور جادو کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ ایک ضعیف حدیث یہ ہے کہ حمص جنت کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

(پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کے بدن میں کچھ علامتیں اور نشانات دیکھ کر آدمی کے اگلے اور پچھلے حالات بتلانے والے کو حزّاء کہتے ہیں۔ اس کو ہم نے کاہن لکھا ہے۔ اسی بارے میں مزید تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حزّاء کاہن ہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (حزّا ایسے شخص کو کہتے ہیں) چیزوں کے متعلق اندازے اور تخمینے سے بتلاتا ہے۔

**عرب کے قدیم علوم** :-...... حزّاء نجومی کو بھی کہتے ہیں (جو ستاروں کی رفتار سے آئندہ کے حالات معلوم کرتے ہیں) کیونکہ نجومی بھی ستاروں کے ذریعہ اندازے ہی کی بنیاد پر مستقبل کا حال بتلاتا ہے جس میں اکثر وہ دھوکہ بھی کھاتا ہے۔ (حزّاء سے) کاہن اس لئے بھی مراد لیتے ہیں کہ عرب کے جو مشہور فن ہیں ان میں کہانت ہے، عیافہ ہے (یعنی شگون) قیافہ ہے (یعنی چہرہ اور خط و خال دیکھ کر اندازہ کرنا) زجر ہے یہ بھی کہانت اور شگون کی ایک قسم ہے۔ مثلاً کوئی پرندہ داہنی جانب سے اڑتا تو اچھا شگون لیتے اور بائیں جانب سے اڑتا تو برا شگون لیتے تھے) خط یعنی علم رمل ہے (زائچے اور نقشے وغیرہ کھینچ کر آدمی کے متعلق پیشین گوئی کرنا) طب ہے، معرفت انواء ہے (یہ کچھ مخصوص ستارے ہیں جن میں سے جب ایک مغرب میں غروب ہوتا

ہے تو دوسرا مشرق میں اسی وقت طلوع ہوتا ہے۔ نجومیوں کے نزدیک ان ستاروں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ ہر ستارہ ایک مہینہ تیرہ دن تک رہتا ہے، آخری ستارہ کے غروب کے ساتھ سال پورا ہوجاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ فن بھی مشہور تھا۔ اس کے ماہرین کا خیال تھا کہ ان میں سے ایک ستارے کے غروب اور دوسرے کے طلوع کے وقت موسم پر اثر پڑتا ہے یا تو اس وقت بارش آتی ہے یا آندھی چلتی ہے) اور علم ہوا تھا (یعنی علم موسمیات کہ ہواؤں کے رخ اور دباؤ کی بناء پر موسموں کے متعلق پیشین گوئی کرنا)۔

**بنی زہرہ میں عبدالمطلب و عبداللہ کی شادی**...... (اس کے بعد اصل واقعے کی طرف لوٹتے ہیں کہ یمن میں کاہن سے ملنے اور اس کی پیشین گوئی جاننے کے بعد) جب عبدالمطلب واپس مکے آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہیب ابن عبد مناف سے اپنی شادی کرلی۔ ان سے ان کے یہاں حضرت حمزہؓ اور حضرت صفیہؓ پیدا ہوئے (ہالہ بنت وہیب بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں جہاں شادی کرنے کے متعلق کاہن نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا تھا۔ یہ ہالہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھیں) پھر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے کی۔ یہ وہب، وہیب کا بھائی تھا اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے حضرت عبداللہ کے یہاں حضرت آمنہ سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ چنانچہ قریش کہا کرتے تھے کہ عبداللہ اپنے باپ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ یعنی حضرت عبداللہ اس عظیم بچے کی پیدائش سے جو سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے وہ ان کے باپ عبدالمطلب کو حاصل نہیں ہوسکی کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ایسی علامتیں اور برکتیں ظاہر ہوئیں جو کبھی کسی کی ولادت کے موقع پر ظاہر نہیں ہوئی تھیں (یعنی کاہن کی پیشین گوئی کے سبب عبدالمطلب نے بنی زہرہ میں رشتہ قائم کیا اور اپنی بھی اور بیٹے کی بھی وہیں شادی کی تاکہ کاہن نے جو کہا تھا اس کے مطابق سلطنت اور نبوت ظاہر ہو۔ چنانچہ خود عبدالمطلب کے یہاں تو بنی زہرہ کی لڑکی ہالہ سے نبی نہیں پیدا ہوئے، البتہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ کے یہاں بنی زہرہ کی لڑکی سے سلطنت اور نبوت ظاہر ہوئی اسی لئے قریش نے کہا کہ حضرت عبداللہ اپنے باپ سے بازی لے گئے)۔

ابن محدثؒ نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنا رشتہ ہالہ بنت وہیب سے یعنی حضرت آمنہ کے چچا کی لڑکی سے اسی مجلس میں کیا جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کا رشتہ حضرت آمنہ سے کیا۔ پھر دونوں نے شادی کی اور ولیمہ کیا، اور اس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری کی۔

**باپ بیٹے کا نکاح ایک مجلس میں** :-...... (مؤلف کہتے ہیں) پھر میں نے کتاب اسد الغابہ دیکھی تو اس میں بھی اسی کے مطابق تفصیل دیکھی یعنی عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کی شادی ایک ہی مجلس میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے یہاں یہ صراحت ہے کہ اس وقت حضرت عبداللہ پیدا ہوچکے تھے جب یہودی کاہن نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ ان میں نبوت کی علامتیں موجود ہیں۔ اب اشکال یہ ہے کہ پھر عبدالمطلب میں نبوت کی علامت کیونکر موجود تھی جبکہ وہ (حضرت عبداللہ کی پیدائش کے بعد ان میں منتقل ہوچکی تھی۔ (کیونکہ نبوت کے آثار ان میں جبھی تک موجود رہے جب تک کہ نور نبوت ان کی صلب میں رہا۔ پھر یہ نور عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ میں منتقل ہوگیا تھا اور عبدالمطلب میں سے ختم ہوگیا تھا) اس اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ کہاں سے طے ہوگیا کہ عبدالمطلب کاہن کے پاس جانے سے پہلے ہالہ سے (جو بنی زہرہ میں سے تھیں) شادی کرچکے تھے کہ (اس کے نتیجہ میں) یہ اشکال پیدا ہو کہ کاہن نے حضرت عبداللہ کے وجود میں آنے کے بعد یہ بات کہی تھی۔ ہوسکتا ہے

کہ کاہن نے یہ بات حضرت عبداللہ کی پیدائش سے پہلے کہی ہو۔

کیا عبداللہ کی نانہال بنی زہرہ تھے :-...... مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ یہ جواب جبھی درست ہو سکتا ہے جبکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (کیونکہ اس جواب سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عبدالمطلب نے کاہن کی پیشین گوئی کے مطابق اس کے پاس سے آنے کے بعد بنی زہرہ میں اپنی شادی کی ہو گی اور اس کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ وجود میں آئے ہوں گے۔ حضرت عبداللہ کی پیدائش عبدالمطلب کے کاہن کے پاس سے آنے کے بعد ہی ضروری ہے ورنہ نبوت اور سلطنت کی علامتیں کاہن کو عبدالمطلب میں نظر نہ آتیں اس لئے کہ یہ علامتیں اور نور عبدالمطلب کی بیوی کے حضرت عبداللہ سے حاملہ ہونے کے ساتھ ہی عبدالمطلب میں سے نکل گئی تھیں اور یہ نور حضرت عبداللہ کی والدہ کے پاک رحم میں منتقل ہو گیا تھا۔) اس دوسرے اشکال کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ ممکن ہے حضرت عبداللہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (مگر اسی صورت میں کہ) ممکن ہے عبدالمطلب نے ہالہ کے سوا بھی بنی زہرہ کی کسی دوسری لڑکی سے شادی کی ہو اور حضرت عبداللہ سے پیدا ہوئے ہوں (کیونکہ جیسا کہ روایات ظاہر کرتی ہیں ہالہ حضرت عبداللہ کی والدہ نہیں تھیں)۔

پھر کاہن کا عبدالمطلب سے یہ کہنا بھی اشکال پیدا کر سکتا ہے کہ میں تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت دیکھ رہا ہوں جو بنی زہرہ سے (رشتہ پیدا کرنے کے بعد) ملتی ہے۔ کیونکہ عبدالمطلب کی اولاد میں سلطنت صرف ان کے ایک بیٹے حضرت عباسؓ کی اولاد میں ہوئی ہے (مراد ہے خلافت عباسیہ جس میں ہارون رشید اور مامون رشید جیسے زبردست بادشاہ پیدا ہوئے) اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عباسؓ کے والدہ بنی زہرہ میں سے تھیں (حالانکہ حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہیں تھیں) ہالہ جو حضرت حمزہؓ کی والدہ تھیں بنی زہرہ میں سے تھیں یا ان کے علاوہ کوئی دوسری عورت رہی ہوں اور حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہ ہوں۔ اگرچہ اس کے برخلاف بعض مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ حضرت عباسؓ کی والدہ بھی ہالہ ہی تھیں اور حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ کے سگے بھائی تھے۔ مگر یہ بات مؤرخین کے مشہور قول کے خلاف ہے۔

ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے نبوت اور سلطنت سے کاہن کی مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت اور سلطنت ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ کو ان دونوں چیزوں یعنی نبوت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی جو آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ سے منتقل ہوئی تھیں کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں (اس طرح گویا وہ اشکال دور ہو جائے گا کہ کاہن نے بنی زہرہ سے رشتہ قائم کرنے کی صورت میں جس نبوت اور سلطنت کی پیشین گوئی کی تھی وہ عبدالمطلب کی اولاد میں صرف حضرت عباسؓ کی اولاد میں ہوئی حالانکہ حضرت عباسؓ کی ماں بنی زہرہ میں سے نہیں تھی چنانچہ اگر نبوت کے ساتھ سلطنت سے مراد بنی عباسؓ کی سلطنت یعنی خلافت عباسیہ مراد نہ لی جائے بلکہ خود آنحضرت ﷺ ہی کی سلطنت و بادشاہی بھی مراد لی جائے تو یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ دین اور دنیا دونوں کے بادشاہ تھے)۔

اس کے بعد غالباً بعض مؤرخین کا یہ قول بھی غلط نہیں رہتا کہ "عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو سے شادی کی سو اونٹ اور سو رطل سونا مہر باندھا گیا اور اس فاطمہ سے ان کے یہاں ابو طالب اور حضرت عبداللہ یعنی آپ ﷺ کے والد پیدا ہوئے۔

اس قول کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ فاطمہ بنت عمرو بنی زہرہ میں سے ہوں۔ اب یہ بات بھی غلط نہیں رہتی کہ کاہن نے یہ پوچھنے کے بعد کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے، عبدالمطلب سے کہا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا۔

**بنی زہرہ میں آمنہ کا انتخاب کیوں؟** :-...... عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے بنی زہرہ میں حضرت آمنہ ہی کو کیوں منتخب کیا اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام سودہ بنت زمعہ تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے والد وہب کی پھوپھی تھی، اس عورت کا قصہ یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ نیلگوں سیاہ ہے (یعنی بہت زیادہ اور چمک دار حد تک کالی تھی) ایسی لڑکیوں کو قریش کے لوگ (زمانۂ جاہلیت میں) زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور جو اس قسم کی نہیں ہوتی تھی اس کو زندہ تو رہتے دیتے تھے مگر بہت ذلیل اور پیچ بنا کر رکھتے تھے۔ اس لئے کہ جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ یا تو عار اور شرم کی وجہ سے ایسا کرتے تھے اور یا غریبی اور فقر و فاقہ کی وجہ سے، ان کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ان میں خاص طور پر قبیلہ کندہ کے لوگ تھے جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ (مگر ایسے لوگوں کے درمیان) ایک شخص عمرو ابن نفیل تھا جو ایسی لڑکیوں کو بچا لیا کرتا تھا جنہیں لوگ تنگ دستی کے خوف کی وجہ سے زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ کوئی شخص لڑکی کو دفن کرنا چاہتا تو وہ اس سے کہتا کہ ایسا مت کرو (بلکہ لڑکی کو مجھے دے دو) میں اس کی پرورش کروں گا۔ اس کے بعد وہ بچی کو لے جاتا (اور اس کو اپنے خرچہ پر پالتا) جب وہ بڑی ہو جاتی تو عمرو بچی کے باپ کے پاس جا کر کہتا کہ (اب تمہاری بچی بڑی ہو گئی ہے) اگر تم چاہو تو اس کو واپس لے سکتے ہو اور اگر (اب بھی لینا) نہیں چاہتے تو میں اس کی پرورش و پرداخت کا ذمہ دار رہوں گا۔ اسی طرح مشہور شاعر فرزدق کا دادا بھی ایسی لڑکیوں کی جان بچا لیا کرتا تھا۔

**آمنہ کے متعلق کاہنہ کا پیشین گوئی** :-...... (بہر حال سودہ بنت زمعہ پیدائش کے وقت چونکہ بہت زیادہ سیاہ رنگ کی تھی اور ایسی لڑکیوں کو عرب زندہ دفن کر دیا کرتے تھے) اس لیے اس کے باپ نے سودہ کو دفن کر دینے کا حکم دیا اور اس کو حجون کے مقام پر بھیج دیا تا کہ وہاں اس کو دبا دیا جائے۔ مگر جب گورکن نے گڑھا کھود کر اس کو دفن کرنا چاہا تو اسے ایک آواز آئی :-

"بچی کو دفن مت کرو۔ اس کو جنگل میں چھوڑ دو"۔

**اس کاہنہ کا واقعہ** :-...... گورکن نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اس نے پھر اس کو دفن کرنا چاہا تو دوبارہ اس کو کسی شخص کی آواز آئی جو دوسرے لفظوں میں یہی بات کہہ رہا تھا۔ اب اس نے لڑکی کو دفن کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کے باپ کے پاس جا کر اسے سارا ماجرا سنایا۔ باپ نے یہ سب سن کر کہا کہ اس بچی میں کوئی بات ہے۔ (اس لئے اس کو زندہ رہنے دینا چاہئے) چنانچہ اس نے بچی کو رکھ لیا۔ بڑی ہو کر یہی بچی قریش کی کاہنہ بنی۔

ایک دن اس نے خاندان بنی زہرہ سے کہا :-

"تم میں کوئی عورت یا تو نذیرہ ہے اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر پیدا ہو گا، تم لوگ اپنی لڑکیوں کو میرے سامنے پیش کرو۔"

بنی زہرہ میں نور نبی ﷺ کی جھلک :-...... (نذیر اور نذیرہ سے مراد ہے ایسی عورت یا ایسا مرد جو لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرائے، دوسرے لفظوں میں گویا نیک کاموں کی تبلیغ کرے اور برے کاموں کے انجام سے ڈرائے چنانچہ انبیاء کو بھی نذیر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا :-

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الاَقْرَبِيْنَ۔ یعنی سب سے پہلے اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے خوف سے ڈراؤ۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نذیر ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاندان بنی زہرہ میں سے تھیں۔ اس لئے سودہ بنت زمعہ یعنی اس کاہنہ نے خاندان کے لوگوں میں اس شرف کی علامتیں دیکھیں اور اپنے علم سے معلوم کر لیا کہ اس خاندان میں یا تو کوئی عورت نبی ہے اور یا کسی نبی کو جنم دے گی۔ پھر اس نے چاہا کہ اس خاندان کی تمام لڑکیوں کو ایک نظر دیکھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ نبوت کی یہ علامتیں کس میں پائی جاتی ہیں) چنانچہ بنی زہرہ کی تمام لڑکیاں سودہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ وہ ہر لڑکی کو دیکھ کر اس کے متعلق کوئی نہ کوئی پیشین گوئی کرتی رہی جو کچھ عرصے کے بعد پوری ہوئی۔ آخر جب حضرت آمنہ بنت وہب اس کے سامنے پیش ہوئیں تو وہ فوراً بول اٹھی :-

"یہی ہے وہ جو یا تو خود نذیرہ (یعنی نبیّہ) ہے۔ اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر (یعنی نبی) پیدا ہو گا۔ اس کی ایک خاص شان ہے اور اس میں بڑی صاف علامتیں موجود ہیں۔"

چنانچہ کاہنہ کے اس واقعہ سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ عبدالمطلب نے بنی زہرہ میں سے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے لئے حضرت آمنہ کو کیوں انتخاب کیا۔

کیا عبدالمطلب نے بھی بنی زہرہ میں نکاح کیا؟ :-...... اب خود عبدالمطلب نے اپنی شادی کے لئے جو بنی زہرہ کی لڑکی انتخاب کی۔ اس کا سبب یمن کے اس کاہن کی پیشینگوئی ہے جس کا واقعہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ اسی صورت میں کہ حضرت عبداللہ کی والدہ کو بھی بنی زہرہ میں سے ہی تسلیم کیا جائے۔ مگر سیرت شمس شامی نے یہ لکھا ہے کی یمنی کاہن کی پیشین گوئی کی بناء پر عبدالمطلب نے (اپنے لئے نہیں بلکہ) اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے بنی زہرہ کی لڑکی پسند کی تھی۔ مگر علامہ شامیؒ کی اس رائے کو قبول کرنے میں بہت واضح اشکال ہے کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر کاہن کے اس قول کا جوڑ کا ہے سے لگے گا جو اس نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا۔ ادھر اس سے پہلے وہ عبدالمطلب سے یہ بات پوچھ چکا تھا کہ کیا تمہاری بیوی بنی زہرہ میں سے ہے۔

اس کے بعد میں نے کتاب تنویر کا مطالعہ کیا جس میں ابن دحیہؒ نے برقی کا قول نقل کیا ہے کہ :-

دو منافسوں کا ملاپ اور نبوت :-...... حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کا سبب یہ ہوا کہ عبدالمطلب (تجارتی سلسلے میں) یمن جایا کرتے تھے اور وہاں یمن کے ایک معزز آدمی کے یہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ وہاں گئے اور اس کے یہاں ٹھہرے تو دیکھا کہ میزبان کے پاس ایک عالم آدمی بیٹھا ہوا ہے (اس عالم نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اسے ان میں نبوت کی علامتیں نظر آئیں) اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ (کی ناک) کا نتھنا دیکھوں۔ عبدالمطلب نے کہا کوئی حرج نہیں دیکھ لیجئے۔ اس نے (نتھنا دیکھ کر) کہا کہ میں آپ میں نبوت اور سلطنت دیکھ رہا ہوں اور یہ دونوں چیزیں مجھے دونوں منافوں (یعنی مناف نامی آدمیوں) کے خاندانوں میں نظر آ رہی ہیں یعنی عبد مناف ابن قصیٰ اور عبد مناف ابن زہرہ (یعنی یہ نبوت اور

سلطنت دو خاندانوں کے آپس میں رشتہ داری پیدا کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہو گی۔ایک عبد مناف ابن قصی کا خاندان یعنی خود عبدالمطلب کا خاندان کیونکہ یہ عبد مناف ابن قصی کے پوتے ہیں اور دوسرے عبد مناف ابن زہرہ کا خاندان یعنی حضرت آمنہ کا گھرانہ)

عبدالمطلب جب یمن سے واپس آئے تو اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر بنی زہرہ میں گئے۔ انہوں نے اپنی شادی تو ہالہ بنت وہیب سے کی جس سے ان کے یہاں حمزہؓ پیدا ہوئے۔اور اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کی جن سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔

برقی کی یہ مذکورہ بالا روایت بالکل صاف ہے کیونکہ اس میں اس عالم و کاہن کا یہ قول نہیں ذکر کیا گیا کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ عبدالمطلب نے اس بارے میں اتنی احتیاط برتی کہ خود بھی بنی زہرہ میں ہی شادی کی اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی شادی بھی اسی خاندان میں کی۔ مگر اس کے ساتھ ہی علامہ برقی کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ صرف یہ کہنے کے بجائے عبداللہ کی آمنہ سے شادی کا سبب یہ تھا یوں کہتے کہ عبداللہ سے آمنہ کی شادی اور ہالہ سے عبدالمطلب کی شادی کا سبب یہ تھا (کیونکہ سبب بیان کیا جارہا ہے صرف حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کا حالانکہ اسی سبب کے تحت روایت میں حضرت عبداللہ کے ساتھ خود عبدالمطلب کے بھی اسی خاندان میں شادی کرنے کا تذکرہ ہے جو ظاہر ہے کہ اسی یہودی عالم کی پیش گوئی کی بنیاد پر کی گئی تھی)۔

## باب سوم نمبر (۳)

# آنحضرت ﷺ کا اپنی والدہ کے حمل میں ظہور

امام زہریؒ حضرت آمنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا :۔
"وہ میرے حمل میں تھے مگر مجھے اس حمل سے پیدائش تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔"

دوران حمل آمنہ کی کیفیات :۔...... حضرت آمنہ سے ہی یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ کہتی تھیں :۔

"مجھے اس کا احساس ہی نہیں ہوا یعنی علم ہی نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ میرے حمل میں ہیں، نہ مجھے کوئی بوجھ اور تھکن ہی محسوس ہوئی جیسا کہ عام طور پر عورتیں حمل کے دنوں میں محسوس کیا کرتی ہیں۔ ہاں مجھے اپنے حیض کے رک جانے سے گرانی ہوئی"۔

پُرسکون حالت :۔......(اس بارے میں بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ان کے پیٹ میں رہنے سے پورے حمل کے زمانے میں کوئی بوجھ یا تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ صرف حیض کی علامت ہی ایسی ہو سکتی تھی جس سے ان کو اپنے حاملہ ہونے کا خیال ہوتا مگر آگے خود حضرت آمنہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے اکثر حیض رک رک کر ہوا کرتا تھا۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی برکت اور ایک انوکھی بات تھی ورنہ خاص طور پر لڑکی کو پہلے حمل میں بہت زیادہ پریشانی اور تھکان رہتی ہے کیونکہ پہلے حمل میں اس کی طبیعت اور جسم کا نظام اس بوجھ کا عادی نہیں ہوتا۔)

(اس کے بعد حضرت آمنہ کی مندرجہ بالا روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ) انہوں نے کہا کہ میرا حیض کبھی رک جایا کرتا تھا اور پھر شروع ہو جایا کرتا تھا۔

اس لئے اس کا رک جانا اس بات کی دلیل نہیں بنا کہ ان کو حمل ہو گیا تھا (اور یہ روایت میں گزر ہی چکا ہے کہ حضرت آمنہ کو اس کا علم ہی نہیں ہوا کہ ان کو حمل ہو گیا ہے)۔ اس سے غالباً یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حمل میں آنے سے پہلے ان کو کئی بار حیض آچکا تھا (مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ پہلے کتنی بار حیض ہوا تھا۔

آمنہ کو ندائے غیبی :-...... (اسی ذیل میں مؤلف کہتے ہیں) بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ کے حمل میں آنے سے پہلے دو مرتبہ حیض ہوا تھا۔ پھر حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک شخص آیا یعنی ملائکہ میں سے، اس وقت میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھی (یعنی جسے نیم غنودگی کہا جاسکتا ہے)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت میں ایسی حالت میں تھی جیسے ایک سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت والے شخص کی ہوتی ہے پھر اس آنے والے نے مجھ سے کہا:-

تعویذ کے لئے تعلیم دعاء :-...... کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اپنے شکم میں اس امت کے سردار اور نبی کو حمل کی صورت میں لئے ہوئے ہو! ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ سردار دو عالم کو اپنے شکم میں لئے ہوئے ہو۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب پیدائش کا وقت قریب آگیا تو وہی شخص پھر میرے پاس آیا کہ تمہارے یہاں پیدائش ہو تو یہ کہنا:-

أُعِيْذُهُ بِالْوَاحِدِ
مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدِ

میں اس بچے کے لئے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر اور برائی سے

غیبی آواز سے نام کا تعین :-...... پھر تم اس بچے کا نام محمد ﷺ رکھنا۔ کیونکہ ان کا نام تورات میں تو احمد ﷺ ہے کہ زمین اور آسمان والے ان کی حمد اور تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے۔ اور قرآن ان کی کتاب ہے (اس لفظ سے) کہ قرآن ان کی کتاب ہے یہ شبہ دور ہو جاتا ہے کہ حضرت آمنہ تو نہیں جانتی تھیں کہ قرآن کیا ہے اس لئے یہ کہنے سے کہ قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے وہ کیا سمجھی ہوں گی۔ مگر اس اگلے حصے سے یہ شک پیدا نہیں ہوتا۔ راقم الحروف نے البدایہ والنہایہ میں یہی روایت دیکھی مگر اس میں یہ بعد والا حصہ نہیں ہے جس سے حضرت آمنہ کو قرآن کے متعلق علم ہو سکے۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۶۴)

آگے ایک روایت محمد باقرؒ سے آئے گی جس میں یہ ہے کہ (اس فرشتے نے حضرت آمنہ سے کہا) پھر اس بچے کا نام احمد ﷺ رکھنا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ اس شعر کے بعد (جو روایت میں اوپر بیان ہوا) کچھ اور شعر بھی ذکر کئے جاتے ہیں مگر ان کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی روایت میں اس شعر کے بعد جو مزید شعر ذکر کئے جاتے ہیں وہ اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

تشریح :- علامہ ابن کثیرؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت نقل کی ہے جس میں اس شعر کے بعد ان دوسرے اشعار کا بھی اضافہ ہے جن کو مؤلف ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ روایت یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بیان کیا کرتی تھیں کہ جب ان کے شکم میں بصورت حمل آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ان سے کہا گیا، تم اس امت کے سردار کو اپنے حمل میں اٹھائے ہوئے ہو جب وہ پیدا ہو کر زمین پر آجائیں تو یہ کہنا

أُعِيْذُهُ بِالْوَاحِدِ
مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدِ
مِنْ كُلِّ بَرٍّ عَاهِدِ
وَكُلِّ عَبْدٍ رَائِدِ
يَنْزِدُ غَيْرَ زَائِدِ
فَإِنَّهُ عِنْدَ الْحَمِيْدِ الْمَاجِدِ

حَتّٰی اَرَاہُ قَدْ
اَتَی الْمَشَاھِدْ

نو مولود کی نشانی :۔...... اس نو مولود کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک نور نکلے گا جس سے ملک شام میں بصریٰ کے محلات بھر جائیں گے جب وہ بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا کیونکہ تورات میں اس کا نام احمد ﷺ ہے کہ آسمان والے اور زمین والے ان کی حمد کرتے ہیں اور انجیل میں ان کا نام احمد ﷺ ہے کہ آسمان والے اور زمین والے ان کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے"۔ (حوالہ و تشریح ختم از البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۶۳)

اگر یہ ثابت ہے کہ حضرت آمنہ نے یہ شعر آپ ﷺ پر پڑھا تھا تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے نظر بد سے تحفظ کیا تھا۔

آمنہ کو اس آواز سے حمل کا علم :۔...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت آمنہ کو اپنے حاملہ ہو جانے کا علم اس فرشتے کے بتلانے پر ہی ہوا (اس سے پہلے تک انہیں اس کا علم نہیں تھا) اس لئے کہ ان کو کوئی ایسی علامت محسوس نہیں ہوئی جس سے وہ یہ سمجھ سکیں کیونکہ انہیں کسی بوجھ اور تھکن کا احساس بھی نہیں ہوا۔ ادھر ان کی یہ بھی عادت تھی کہ ان کا حیض اکثر رک جایا کرتا تھا اور معتین دنوں میں غائب ہو جانے کے بعد دوبارہ شروع ہو جایا کرتا تھا۔ نہ ہی انہوں نے اس طرف توجہ کی کہ حضرت عبداللہ کے چہرے پر جو نور تھا وہ حمل ہو جانے کے بعد) وہاں سے نکل کر خود ان کے چہرے میں منتقل ہو گیا تھا جیسا کہ اس کے متعلق بعض علماء نے بیان کیا ہے۔ ان بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب یہ نور عبداللہ کے چہرے سے جدا ہوا تو حضرت آمنہ کے چہرے میں منتقل ہو گیا تھا اسی طرح سونے یا جاگنے کی حالت میں جو نور حضرت آمنہ کے جسم سے نکلا تھا وہ اس کو بھی نہیں محسوس کر سکی تھیں اس لئے کہ وہ خود حمل نہیں تھا (بلکہ حمل کے علاوہ محض نور تھا جو اس حمل سے نکلا تھا) جیسا کہ آگے اس کے متعلق ذکر ہوگا۔ روایت کے الفاظ سے یہ بات صاف طور پر نہیں نکلتی (کہ جو نور حضرت آمنہ کے جسم سے نکلا تھا اور جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے تھے وہ خود حمل ہی تھا)۔

ادھر شاید آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ نے بھی حضرت آمنہ کو اس عورت کا پیغام نہیں پہنچایا تھا جس نے اپنے آپ کو ہم بستری کے لئے حضرت عبداللہ کے سامنے پیش کیا تھا اور (پھر جب اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکی اور اس نے حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی اور ہمبستری کے بعد دیکھا کہ حضرت عبداللہ کے چہرے سے وہ نور نکل چکا ہے تو اس نے) حضرت عبداللہ سے کہا تھا کہ جاؤ اور آمنہ کو بتلا دو کہ وہ زمین کے رہنے والوں میں بہترین انسان کو حمل کی صورت میں حاصل کر چکی ہے۔ (اس واقعہ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت آمنہ کو اپنے حمل کا علم فرشتے کے بتلا دینے سے پہلے نہیں ہو سکا کیونکہ معلوم ہونے کے جتنے سبب ہو سکتے تھے ان میں سے کوئی بھی پورا نہیں ہوا)۔

حمل کے ابتدائی زمانہ میں جو بوجھ حضرت آمنہ کو محسوس ہوا جیسا کہ آگے آنے والی بعض روایات سے معلوم ہو گا وہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے کے بتلا دینے کے بعد محسوس ہوا ہو۔ مگر کتاب مواہب میں ہے کہ حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ حضرت آمنہ کے پاس فرشتہ اس وقت آیا تھا جب کہ ان کے حمل کو چھ مہینے گزر چکے تھے۔

آمنہ کو خواب میں بشارت :۔...... یہ بات قابل غور ہے اس لئے کہ چھ مہینے کے حمل کو حمل کا ابتدائی

زمانہ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت کعبؓ کی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

"حضرت آمنہ بیان کرتی تھی کہ "جب میرے حمل کو چھ مہینے گزر چکے تھے تو میرے پاس خواب میں ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا، اے آمنہ! تم سارے جہانوں کے بہترین شخص کو حمل کی صورت میں حاصل کر چکی ہو، جب وہ تمہارے یہاں پیدا ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا اور اپنے آپ کو پوشیدہ رکھو"۔

**سلطنتیں الٹنے کی جانوروں کے ذریعے گواہی** :-..... اس روایت کے ہوتے ہوئے ممکن طور پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت آمنہ کے پاس وہ فرشتہ دوبارہ آیا ہو واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ کے شکم میں آنحضرت ﷺ کے بصورتِ حمل ظہور کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ تھی کہ اس رات قریش کا ہر جانور بول اٹھا یعنی جس رات میں آنحضرت ﷺ کا بصورت حمل ظہور ہوا اس رات سے پہلے کے دن میں آنحضرت ﷺ کی کرامت کی وجہ سے (قریش کا ہر جانور بول اٹھا) یعنی پیچھے گزرنے والی اس روایت کی بناء پر کہ جب حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ سے ہم بستری کی تو (حمل کے ساتھ ساتھ) وہ نور عبداللہ میں سے نکل کر حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ (غرض اس رات قریش کا ہر جانور یہ بول اٹھا کہ)

"رسول اللہ ﷺ بصورت حمل اپنی والدہ کے شکم میں تشریف لے آئے ہیں اور کعبے کے رب کی قسم ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں سے ہر ہر بادشاہ کا تخت الٹا ہو گیا ہے"۔

اس قسم کی بات کہنے کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہو سکتا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اب یہ بات واضح ہے کہ پہلی علامت کا تعلق تو مطلقاً آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور سے ہے۔ اس میں حضرت آمنہ کے ذریعہ اس حمل کی کوئی خصوصیت نہیں لیکن دوسری علامت (یعنی بادشاہان عالم کے تختوں یعنی سلطنتوں کے الٹ جانے) کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور کی یہ علامت ذکر ہو گی (جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس قسم کی بات کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہو سکتا) لیکن یہاں حضرت ابن عباسؓ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ اس حمل میں حضرت آمنہ کی خصوصیت کو بھی دخل ہے کیونکہ روایت کے الفاظ کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کو اپنے حمل کا علم تھا واللہ اعلم۔

**حمل کے ساتھ بت الٹے ہو گئے** :-...... (حالانکہ پیچھے یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت آمنہ کو اپنے حمل کا کوئی علم نہیں ہوا یہاں تک کہ فرشتے نے آکر ان کو اطلاع دی)۔

حضرت کعب ابن احبارؓ سے روایت ہے کہ :-

"اس رات کی صبح میں تمام دنیا کے بت الٹے ہو گئے تھے"۔

**قول صادق اور اَن دیکھی گواہی** :-...... غالباً حضرت آمنہ کے شکم میں آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور کی یہ علامت قدیم کتابوں میں ذکر ہو گی (یعنی آسمانی کتابوں میں) اور قول صادق غلط نہیں ہوا کرتا (یعنی قدیم آسمانی کتابوں میں یہ علامت ذکر ہو گی جو خدا کا کلام ہے اور ایسا کلام بلاشک غلط نہیں ہو سکتا اس لئے ایسی ان دیکھی علامت کو جو حق تعالیٰ کی طرف سے بیان کی گئی ہو واقعہ کے طور پر ظاہر کر دینا بالکل صحیح ہے کہ اس کے متعلق یقین ہے کہ وہ اسی طرح ظاہر ہوئی ہو گی جس طرح بیان کی گئی ہے) آگے بیان آئے گا کہ آپ کی ولادت

مبارک کے وقت بھی تمام دنیا کے بت الٹے ہوگئے۔ ایسے واقعہ کے ایک مرتبہ سے زیادہ پیش آنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے (یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بتوں کے الٹ جانے کا یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو جس خدا کو ایک دفعہ ایسا کرنے کی قدرت ہے وہ ایک سے زائد مرتبہ بھی اس معجزے کو دہرا سکتا ہے)۔

آنحضرت دعاء ابراہیمی اور بشارت عیسوی :-...... زہریؒ فرماتے ہیں کہ حاکم نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں اپنے متعلق کچھ بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :-

میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت و خوش خبری ہوں، جب میں اپنی والدہ کے شکم میں بصورت حمل آیا تو انہوں نے دیکھا کہ گویا ان سے ایک نور نکلا ہے۔ ایک روایت کے لفظ ہیں کہ گویا ایک چراغ نکلا ہے۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ گویا ایک شہاب (یعنی آگ کی چمک یا ستارہ) نکلا ہے جس سے ملک شام میں بصری کے محلات روشن ہوگئے"۔

خواب اور بیداری میں شہابی روشنی :-...... حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں جو آگے ذکر ہوگا کہ انہوں نے (یعنی آنحضرت ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ ولادت کے وقت ان سے ایک نور نکلا۔ یہ روایت زیادہ معتبر ہے کیونکہ اس کی سند اور راویوں کا سلسلہ زیادہ مضبوط ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آمنہ سے یہ نور دو مرتبہ نکلا ہو، پہلے حمل کے وقت اور دوسرے ولادت کے وقت اور دونوں مرتبہ بیداری کی حالت میں ہی نکلا ہو۔ اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ حمل کے وقت جو نور انہوں نے دیکھا وہ خواب کی حالت میں ہو جیسا کہ آنے والی روایت سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے۔ اور یہ دوسری مرتبہ اس کا نظر آنا جاگنے کی حالت میں ہو۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ (یہاں تک حافظ عراقیؒ کا قول ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- آگے آنے والی جس روایت کا (حافظ عراقی نے) حوالہ دیا ہے وہ شداد ابن اوس کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

"انہوں نے (یعنی آنحضرت ﷺ کی والدہ نے) خواب میں دیکھا کہ جو ان کے پیٹ میں ہے وہ ایک نور کی صورت میں نکلا"۔

یہ نور نور شریعت تھا :-...... (تشریح) البدایۃ والنہایۃ میں عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت آمنہ کہتی ہیں :-

"جس زمانے میں میں ان کو یعنی آنحضرت ﷺ کو بصورت حمل اٹھائے تھی تو مجھے کبھی کوئی بوجھ اور تھکن محسوس نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ پیدا ہوگئے۔ جب آپ میرے جسم سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق اور مغرب کے درمیان کا سارا حصہ روشن ہوگیا۔ پھر آپ اس طرح زمین پر تشریف لائے کہ اپنے ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ ص ۲۶۴ ج ۲

(کتاب مواہب میں ہے :- آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت نور کے نکلنے سے اس نور کی طرف اشارہ ہے جو آپ ﷺ لے کر آئے یعنی شریعت اسلام جس سے ساری دنیا نے ہدایت حاصل کی اور جس نے کفر اور

شرک کے اندھیاروں کو ختم کردیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهِ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الآیہ پ ٦ سورۂ مائدہ ع ۳)

ترجمہ : تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح یعنی قرآن مجید کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

**محلات بصری روشن ہونے کی حکمت** :۔...... (حاکم کی مذکورہ بالا روایت میں بصری کا ذکر آیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) بصری ملک شام کا وہ پہلا موقعہ ہے جہاں نور نبوت پہنچا۔ جہاں تک دو مرتبہ نور کے اس طرف نکلنے کا تعلق ہے وہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ دو مرتبہ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ اور دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ جیسا کہ آگے اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔ وہیں یعنی بصری میں آپ ﷺ کے اونٹ کے بیٹھنے کا نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جہاں پر آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہاں اس کا نشان پڑ گیا تھا۔ اس جگہ پر بعد میں مسجد بنادی گئی۔ اس طرح بصری ملک شام کا وہ پہلا شہر ہے جو اسلام کے دور میں فتح ہوا۔ یہ شہر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا، اس کو فتح کرنے والے حضرت خالد ابن ولیدؓ تھے۔ یہیں پر حضرت سعد ابن عبادہؓ کی قبر ہے اور یہ حوران کا علاقہ ہے۔ واللہ اعلم۔

**آنحضرت ﷺ کی پیدائش مشتری ستارہ کے دور میں** :۔...... آنحضرت ﷺ کے حمل میں رہنے کی مدت میں بھی اختلاف ہے۔ ابن عایذ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ میں پورے نو مہینے رہے اور حمل کی اس پوری مدت میں حضرت آمنہ کو نہ کبھی درد ہوا نہ بے چینی ہوئی اور نہ تکلیف ہوئی۔ نہ ہی کوئی اور ایسی شکایت ہوئی جو عام طور پر حاملہ عورتوں کو ہوا کرتی ہے اور یہ کہ آپ مشتری ستارہ کے وجود کے زمانے میں پیدا ہوئے یہ ایک نہایت چمکدار اور سعد ستارہ سمجھا جاتا ہے جو خوش بختی کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سب سے زیادہ سعد وقت میں اور سب سے زیادہ روشن ستارہ کے زمانے میں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے اس سے زیادہ ہلکا حمل اور اس سے زیادہ خیر و برکت والا حمل نہیں دیکھا۔

**نرالی شان کا حمل** :۔...... ابن حبان حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت آمنہ سے روایت بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا :۔

"میرے اس بچے کی نرالی شان ہے۔ یہ میرے پیٹ میں تھے تو مجھے کوئی بوجھ اور تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ میرے لئے اس حمل میں بالکل بوجھ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے اس سے زیادہ برکت والا حمل دیکھا"۔

**مدت حمل** :۔...... بعض روایتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ دس مہینے ماں کے پیٹ میں رہے۔ بعض میں ہے کہ چھ مہینے، بعض میں ہے کہ سات مہینے اور بعض میں ہے کہ آٹھ مہینے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ مہینے میں پیدا ہوئے تھے (اگر آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی آٹھ مہینے والی روایت کو مان لیا جائے) تو یہ بھی ایک آیت اور معجزہ ہوگا کیونکہ حکماء اور نجومیوں کا قول یہ ہے کہ جو بچہ آٹھ

مہینے میں پیدا ہوتا ہے وہ زندہ نہیں رہتا، جبکہ نو مہینے، سات مہینے اور چھ مہینے میں ہونے والا بچہ زندہ رہتا ہے حالانکہ چھ مہینے کی مدت حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ حکماء اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ بچہ ساتویں مہینے کے پورا ہونے کے وقت پیٹ سے باہر نکلنے کے لئے حرکت کرتا ہے۔ یہ ایک سخت حرکت ہوتی ہے جو چھٹے مہینے کی حرکت سے زیادہ سخت ہوتی ہے (اب اس حرکت سے بچہ پیدا ہو گیا تو زندہ رہ جاتا ہے اور اگر پیدا نہیں ہو سکا تو وہ پیٹ میں سکون سے رک جاتا ہے چونکہ اس حرکت سے اس کو کمزوری اور تھکن ہو جاتی ہے اس لئے وہ آٹھویں مہینے میں بالکل حرکت نہیں کرتا۔ اسی لئے اس سے مہینے میں (یعنی آٹھویں مہینے میں اس کی حرکت پیٹ میں بہت کم ہو جاتی ہے، لیکن اس نے پھر حرکت اور پیدا ہو گیا تو اس کو بہت زیادہ کمزوری اور تھکن ہو جاتی ہے اور دو مسلسل اور کمزور کر دینے والی حرکتوں کی وجہ سے جب کہ وہ پہلے ہی کمزور تھا وہ بچہ زندہ نہیں رہتا)۔

**آٹھویں ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہتا** :-...... شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نجوم کی منزلوں میں آٹھویں مہینے کے بچے کی کوئی تصویر نہیں دیکھی (شیخ ابن عربی اور علامہ سیوطیؒ فن نجوم کے کسی حد تک قائل ہیں۔ علم نجوم کے مطابق دنیا میں ہر پیدا ہونے والے بچہ کی تصویر نجوم کی منزلوں میں پہلے ہی آجاتی ہے اور اس کے بعد اس کے مطابق بچہ دنیا میں آجاتا ہے) مگر چونکہ آٹھویں مہینے کا بچہ بالکل زندہ نہیں رہتا اس لئے اس کی تصویر کبھی نجوم کی منازل میں نہیں آتی) اسی لئے اگر بچہ آٹھویں مہینے میں پیدا ہو گیا تو وہ مر جاتا ہے کبھی زندہ نہیں رہتا۔ اور اگر بفرض محال وہ زندہ رہ جاتا ہے تو وہ ایسا بیمار اور روگی رہتا ہے کہ خود اپنے کام کا بھی نہیں رہتا۔ اور یہ اس لئے (یعنی آٹھویں مہینے کا بچہ اس لئے زندہ نہیں رہتا) کہ آٹھویں مہینے میں پیٹ میں رہنے والے بچے پر خشکی اور ٹھنڈ کا بہت اثر ہوتا ہے اور یہی موت کا مزاج ہے (یعنی ابن عربی بات تو یہی کہہ رہے ہیں کہ آٹھویں مہینے کا بچہ زندہ نہیں رہتا مگر اس کی دلیل دوسری دے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس مہینے میں بچہ پیٹ میں خشکی اور ٹھنڈ کا اثر جلدی قبول کرتا ہے اور موت کا جو سبب ہے وہ یہی ہے کہ آدمی کا جسم کمزوری کی وجہ سے خشکی اور ٹھنڈ کا اثر جلدی قبول کرنے لگے۔ ان میں سے جس کا اثر بھی جسم پر ہو جائے گا موت واقعہ ہو جائے گی، کیونکہ خشکی اور ٹھنڈ کا اثر موت کا مزاج اور اس کا پیش خیمہ ہے)۔

**کیا حمل اور پیدائش ساتھ ساتھ ہوئے؟**...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بصورت حمل ظہور اور پیدائش ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ تین گھنٹے کے اندر حمل اور پیدائش ہوئی۔ یہی بات حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی کہی جاتی ہے۔

**سال ولادت فتح و آسودگی کا سال** :-...... اس سال کو جس میں آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں وجود میں آئے فتح اور خوشی کا سال بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قریش اس سے پہلے سال میں سخت خشک سالی اور تنگی میں مبتلا تھے مگر یہ سال (یعنی آنحضرت ﷺ کے حمل کا سال آتے ہی زمینیں سر سبز ہو گئیں اور درخت پھلوں سے ڈھک گئے۔ غرض اس سال میں قریش کو ہر طرف سے آسودگی اور عیش حاصل ہوا۔

**ماں کے پیٹ میں ذکر اللہ** :-...... ایک حدیث ہے جس کو کمزور اور مشتبہ قرار دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور شرف کی وجہ سے اس سال میں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ نر بچے (یعنی لڑکے) پیدا کریں۔ میں ان روایات سے واقف نہیں ہوں جو آنحضرت ﷺ کی تعریف اور مدح کرنے والوں میں مشہور ہیں کہ آپ ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق

روایت ہے کہ جب ان کی والدہ حضرت مریم لوگوں سے الگ تنہائی میں ہوتیں تو حضرت عیسیٰؑ پیٹ میں سے اپنی والدہ سے باتیں کیا کرتے تھے اور جب وہ لوگوں کے ساتھ ہوتیں تو حضرت عیسیٰؑ اللہ کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے اور حضرت مریمؑ ان کی آواز سنتی رہتی تھیں۔ حضرت شداد ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ بنی عامر کا ایک بڑا شیخ آپ ﷺ کے پاس آیا، وہ اپنی قوم کا سردار تھا اور لاٹھی کے سہارے آیا تھا۔ اس نے آپ کے سامنے ایک مثال دے کر بات کی اور آپ ﷺ کے دادا تک آپ ﷺ کا نسب ذکر کیا اور کہنے لگا۔

**دعوائے نبوت اور اس کی حقیقت** :-...... اے عبدالمطلب کے بیٹے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے آپ کو لوگوں کے لئے اللہ کا پیغمبر کہتے ہیں جس نے آپ کو وہی چیز (یعنی شریعت) دے کر بھیجا ہے جو ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ جیسے نبیوں کو دے کر بھیجا تھا مگر آپ نے ایک بہت بڑی بات زبان سے نکالی ہے تمام انبیاء اور خلفاء یعنی بڑے بڑے نبی، بنی اسرائیل کے دو خاندانوں میں ہوئے ہیں جب کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو پتھروں اور بتوں کو پوجنے والے ہیں اس لئے تمہیں نبوت سے کیا کام! مگر چونکہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے اس لئے تم اپنے دعویٰ کی حقیقت اور اپنی اصلیت مجھے بتلاؤ

**شیخ عرب کا سوال اور نبی ﷺ کا جواب** :-...... آنحضرت ﷺ کو اس شخص کے سوالات پسند آئے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا :-

"اے بنی عامر کے بھائی! تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھی ہیں ان کے جواب تفصیل اور وقت چاہتے ہیں"۔

**دعاء ابراہیمؑ اور اس کا ثبوت** :-...... اس پر وہ شخص چہار زانوں ہو کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اونٹ ٹانگیں موڑ کر بیٹھا کرتا ہے اور اس نے اپنا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف کر لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا :-

"اے بنی عامر کے بھائی! میرے قول اور دعویٰ کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں۔" یعنی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعاء کی تھی کہ :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

الآیہ ۱۲۹ پ ۱ سورۂ بقرہ ع ۱۵

ترجمہ :اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں۔ بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت کامل الانتظام۔

اور اسی وقت ان سے کہا گیا (یعنی حضرت ابراہیمؑ سے) کہ آپ کی دعاء قبول کر لی گئی۔ اخیر زمانے میں وہ نبی ہوں گے۔

تفسیر ابن جریر میں اسی طرح ہے۔ کتاب ینبوع حیات میں اس بات پر علماء کا اجماع و اتفاق ذکر کیا گیا ہے کہ اس جگہ جس رسول کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔

**یہ دعاء وعدۂ خداوندی کے مطابق تھی** :-...... اقول مؤلف کہتے ہیں۔ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کو بتلا چکے تھے کہ عرب میں آپ کے بیٹے اسماعیلؑ کی اولاد میں ایک

نبی ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو وہاں سے مکے کی طرف لے جائیں تو وہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے کو لے کر براق پر روانہ ہوئے، جب وہ مکے پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ نے ان سے کہا کہ یہیں اتر جائیے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیا یہاں پر جہاں نہ کھیت ہیں نہ دودھ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ ہاں یہیں پر تمہارے بیٹے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ایک اُمّی نبی ظاہر ہوں گے، جن پر اللہ کا کلام پورا ہو جائے گا۔

اس اشکال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعاء کا مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ جلد حقیقت بن جائے۔ (اس روایت میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس میں) جو بات حضرت ابراہیمؑ نے حضرت جبرئیلؑ سے کہی وہ بات جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہی تھی (یعنی جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وہاں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے کہا تھا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ مجھے اور اس بچے کو اس وحشت ناک جگہ میں چھوڑ جائیں جہاں کوئی ہمدم نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں۔ تو حضرت ہاجرہ نے کہا کہ تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا) واللہ اعلم۔

**آنحضرت ﷺ عیسیٰؑ کی بشارت ہیں** :-...... (پھر اسی مذکورہ حدیث کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو اس اعرابی کے سوال کے متعلق تھی کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں)۔

"اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت و خوش خبری ہوں"۔

ایک روایت میں ہے کہ آخری شخص جس نے میرے ظہور کے متعلق بشارت دی یعنی نبیوں میں آخری نبی جنہوں نے میرے ظہور کے متعلق بشارت دی وہ عیسیٰؑ ہیں۔

(یہاں آخری شخص سے مراد یہ لی گئی ہے کہ نبیوں میں آخری نبی جنہوں نے آپ ﷺ کے متعلق بشارت دی، ایسا ایک دوسری روایت کی بناء پر مراد لیا گیا کہ میری بشارت دینے والے آخری شخص عیسیٰؑ ہیں کیونکہ نبی اپنی قوموں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق بشارت دیتے رہے ہیں)۔

اسی بات کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

مامضت فترة من الرسل الا
بشرت قومها بك الانبياء

ترجمہ : پیغمبروں کے درمیان کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ اس میں انبیاء نے اپنی قوموں کو آپ ﷺ کے متعلق بشارت نہ دی ہو۔

**بشارت عیسوی کا ثبوت** :-...... حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ الآیہ پ ۲۸ سورۂ صف ع ۱۔

ترجمہ : اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام مبارک احمد ﷺ ہوگا۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔

**دوسرے انبیاء کے متعلق بشارتیں** :-...... دوسرے انبیاء میں بھی ایسے نبی ہیں جن کے وجود میں آنے

سے پہلے ان کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔ ایسے انبیاء چار ہیں۔ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی والدہ سارہ کے حق میں فرمایا:۔

فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ۔ الآیہ ۷۲ پ ۱۲ سورۂ ہود ع ۷۔

ترجمہ: سو ہم نے ان کو مکرر بشارت دی اسحاقؑ کے پیدا ہونے اور اسحاقؑ کے پیچھے یعقوب کی۔

کہا جاتا ہے کہ سارہ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ اس وقت تک زندہ رہیں گی جب تک کہ ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے یہاں حضرت یعقوبؑ نہ پیدا ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت زکریاؑ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى۔ الآیہ ۳۹ پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۴

ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی۔ اور حضرت مریم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ. الآیہ ۴۵ پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۵

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام و لقب مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔

**آنحضرت ﷺ کے لئے بشارتوں کا تسلسل:۔**...... اس طرح گویا آنحضرت ﷺ کے علاوہ بھی چار انبیاء ہیں جن کے متعلق ان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ان کو آمد کی بشارتیں دی گئی تھیں جو بعد میں پوری ہوئیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے متعلق حضرت آدمؑ کے وقت سے بشارتیں دی جارہی ہیں اور پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کے متعلق بعض دوسری اہم پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں لوگ آپ ﷺ کا بے تابی سے انتظار کرتے رہیں ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے نور نبوت کو جو پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا آرہا تھا اپنے یہاں حاصل کرنے کے لئے مختلف خاندانوں میں کشاکش ہوتی رہی جیسا کہ اس کے متعلق گذشتہ صفحوں میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ لم تزل تتنا زعنی الامم کابرا عن کابر کہ پچھلی امتوں میں ہمیشہ میرے نور کو حاصل کرنے کے لئے کشاکش رہی)

اس کے بعد (آنحضرت ﷺ نے اسی اعرابی سے) فرمایا:۔

**دوسری چند خصوصیات:۔**...... "میں اپنے ماں باپ کی پہلی اور اکلوتی اولاد ہوں۔ میری والدہ پر میرے حمل میں ہونے کا بوجھ دوسری عورتوں کے حمل کے بوجھ سے زیادہ تھا یہاں تک کہ جو بوجھ وہ محسوس کرتی تھیں اپنی سہیلیوں سے وہ اس کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ پھر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جو چیز (یعنی جو حمل) ان کے پیٹ میں ہے وہ ایک نور کی صورت میں نکلا (حضرت آمنہ نے) کہا کہ میں نے اپنی نظریں اس نور کے پیچھے دوڑائیں مگر وہ نور میری نظروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ "اس نور سے روئے زمین کا مشرق و مغرب جگمگا اٹھا۔" (حدیث)۔

اس حدیث کا آخری اور مکمل حصہ رضاعت کے بیان میں آئے گا۔ (یہ حدیث گویا ان روایتوں کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکی ہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ جناب آمنہ کے پیٹ میں رہے حضرت آمنہ کو حمل

کا کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا۔

**اصلیت کی وضاحت** :۔.....ابن جوزیؒ روایت بیان فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی اصلیت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :۔

میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، عیسیٰؑ کی خوش خبری ہوں اور اپنی والدہ کا خواب ہوں، انہوں نے (یعنی حضرت آمنہ نے) کہا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے"۔

(اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی والدہ کا خواب ہوں، دوسرے اس میں صرف نور کے نکلنے کا ذکر ہے جبکہ پچھلی روایت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود حمل ہی نور کی صورت میں نکلا تھا جس کے متعلق مؤلف پیچھے کے صفحات میں اپنی رائے ظاہر کر چکے ہیں۔ اس سے پچھلی روایت میں حمل کے غیر معمولی بوجھ کا ذکر ہے جو گذشتہ روایات کے مخالف ہے اس اختلاف کو دور کرنے کے سلسلے میں) حافظ ابو نعیم کہتے ہیں کہ اس روایت میں جس بوجھ کا ذکر آیا ہے وہ حمل کے ابتدائی وقت میں تھا اور پچھلی روایتوں میں حمل کے جس غیر معمولی ہلکے پن کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ وقت ہے جب حمل مستقر ہو چکا تھا)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ بوجھ جس کا حمل کے ابتدائی زمانہ میں ذکر کیا گیا ہے حضرت آمنہ کو اس وقت محسوس ہوا ہو جب کہ فرشتہ نے ان کو اس کی خبر دی۔ اس طرح یہ پچھلی روایت کے مخالف نہیں ہوگا۔

اس روایت میں وہی اشکال بھی پیدا ہوتا ہے جو پیچھے بیان ہوا اور اس کا جواب بھی پیچھے بیان ہو چکا ہے (یعنی حضرت آمنہ کی وہ روایت کہ مجھے حمل کا علم ہی نہیں ہو سکا تھا)

مگر جیسا کہ علامہ زہری کی روایت پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت آمنہ نے کہا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) میرے حمل میں تھے مگر ان کی ولادت تک مجھے کوئی مشقت محسوس نہیں ہوئی۔ ممکن ہے مشقت سے مراد جیسا کہ پیچھے (دوسر روایت میں) بیان ہو چکا ہے یہ ہو کہ انہوں نے (حمل کے پورے زمانے میں) نہ درد کی شکایت کی اور نہ مروڑ اور تکلیف کی اور نہ ہی انہیں ایسی کوئی تکلیف ہوئی جو عام طور پر حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ بھاری پن کے باوجود انہیں مذکورہ مشقتوں میں سے کوئی مشقت نہیں ہوئی۔ اب اس مطلب کے بعد یہ روایت (جس میں ذکر ہے کہ حضرت آمنہ نے سہیلیوں سے بھاری پن کی شکایت کی) دوسری روایت کے مخالف نہیں رہی باوجود یہ کہ انہوں نے بھاری پن محسوس کیا (گویا عالم طور پر حمل کے زمانے میں عورتوں کو جو تکلیفیں محسوس ہوا کرتی ہیں ان میں سے حضرت آمنہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی البتہ انہوں نے بوجھ اور بھاری پن محسوس کیا جس کے متعلق انہوں نے اپنی سہیلیوں سے بھی تذکرہ کیا۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

# باب چہارم (۴)

## آنحضرت ﷺ کے والد کی وفات

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اس حال میں کہ حضرت آمنہ ابھی حاملہ ہی تھیں۔ اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے (یعنی حضرت عبداللہ کا انتقال آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا اگرچہ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد فوت ہوئے جیسا کہ ان کا ذکر آگے آرہا ہے) حافظ دمیاطیؒ نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ آگے بعض روایتوں سے معلوم ہوگا کہ قدیم کتابوں میں (جہاں آپ کی آمد کی خبریں ہیں) اس بات کو بھی آپ کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت بتلایا گیا ہے (کہ آپ کے والد کا انتقال آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی ہو جائے گا اور اس طرح آنحضرت ﷺ میں یتیم ہونے کی شان مکمل طریقے پر پائی جائے گی)۔

**کیا والد کا انتقال آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد ہوا:-**...... ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ آپ ﷺ صرف دو مہینے کے حمل کی صورت میں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سے دو مہینے پہلے ہوا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی عمر اس وقت دو ماہ کی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ پالنے میں جھولتے تھے جب آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ علامہ سہیلی نے (روض الانف) میں لکھا ہے کہ اسی قول پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ (مؤلف کہتے ہیں کہ) جو قول پیچھے گزر چکا ہے اس کی موجودگی میں اب یہ بات قابل غور ہے۔

**عبداللہ کا یثرب میں انتقال:-**...... کتاب سیرت نبویہ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جبکہ آپ حضرت آمنہ کے پیٹ میں تھے۔ حضرت عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ ایک قریشی قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے گئے تھے مگر وہاں سے بیمار اور کمزور ہو کر واپس ہوئے۔ جب یہ قافلہ مدینے سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی ننھیال یعنی بنی نجار کے یہاں ٹھہر گئے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی نجار میں سے تھیں۔ یہ یہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے جب ان کے ساتھیوں کا قافلہ مکے پہنچا تو عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے کے متعلق پوچھا، انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان

کی ننہال میں چھوڑ دیا ہے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مکے لانے کے لئے حارث یا زبیر کو جو عبداللہ کے بھائی تھے مدینے بھیجا مگر وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ جب حضرت آمنہ کو یہ جانکاہ خبر ملی تو انہوں نے اپنے محبوب شوہر کا یہ مرثیہ پڑھا

عَفَا جَانِبَ الْبَطْحَاءِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
وَجَا وَرَلَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَائِمِ

دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَاَجَابَهَا
وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمِ

عَشِيَّةَ رَاحُوْ يَحْمِلُوْنَ سَرِيْرَهٗ
تُعَاوِرُهٗ اَصْحَابَهٗ فِي التَّذَاحُمِ

(اس کے بعد حضرت عبداللہ کی وفات کے متعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) ان کا انتقال مدینے میں ہوا جہاں وہ کھجوروں کی تجارت کے سلسلے میں اپنی ننہال (یعنی اپنے والد عبدالمطلب کی ننہال والوں سے) ملنے گئے تھے۔ ان کی ننہال والے بنی عدی ابن نجار تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانے کے دونوں مقصد ہوں۔

**بیماری اور ننہال میں قیام** :-...... ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ قریش کے قافلوں میں سے ایک عیر یعنی قافلے کے ساتھ غزہ کے لئے روانہ ہوئے۔ عیر سے مراد وہ قافلہ ہے جو تجارتی سامان لے کر جاتا ہے۔ یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں روانہ ہوئے تھے۔ جب غزہ میں وہ تجارت سے فارغ ہو گئے اور وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں مدینے سے گزرے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بیمار ہو گئے تھے، اس لئے انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ میں یہاں اپنی ننہال بنی عدی ابن نجار کے پاس ٹھہر جاتا ہوں۔

(درمیان میں نجار کے متعلق تفصیل بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ) نجار کا اصل نام تیم تھا۔ اس کو نجار اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی ختنہ اس آلہ سے کی گئی تھی جو بڑھئی کا اوزار ہوتا ہے (اس کو عربی میں قدوم کہتے ہیں اور اردو میں بر سولہ کہتے ہیں۔ چونکہ عربی میں بڑھئی کو نجار کہتے ہیں اس لئے تیم کو بھی نجار کہا جانے لگا)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ تیم نے ایک شخص کا مونہہ بر سولہ مار کر زخمی کر دیا تھا اور چونکہ نجر کے معنی رندے سے چھیلنے اور مارنے کے ہیں) اس لئے تیم کو نجار کہا جانے لگا۔

**مکے لانے کے لئے حارث کی روانگی** :-...... غرض عبداللہ بنی نجار کے پاس بیماری کی حالت میں ایک مہینہ رہے اور یہ روایت پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال قریشی قافلہ (حضرت عبداللہ کو ان کی ننہال میں بیمار چھوڑ کر) آگے بڑھ گیا۔ جب یہ مکے پہنچا تو ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کے والد عبدالمطلب نے بیٹے کے متعلق دریافت کیا۔ قافلے والوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی ننہال بنی عدی ابن نجار کے پاس چھوڑا ہے۔

**وفات اور یثرب میں تدفین** :-...... یہ سن کر عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بھائی حارث کو ان کے پاس بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حارث عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اسی لئے عبدالمطلب کا لقب ابوالحارث (یعنی حارث کا باپ) تھا۔ یہ حارث اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ غرض جب حارث مدینے پہنچے تو انہوں نے عبداللہ کو مردہ پایا۔

کتاب اسد الغابہ میں یہ روایت ہے کہ عبد المطلب نے (عبداللہ کی بیماری کی خبر سن کر) اپنے بیٹے زبیر کو ان کے پاس بھیجا جو حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے اور یہ کہ حضرت عبداللہ کی وفات (مدینے میں) زبیر کے سامنے ہی ہوئی ان کو وہاں تابعہ والے مکان میں دفن کیا گیا۔ تابعہ بنی عدی ابن نجار میں سے ایک شخص کا نام تھا۔

**یادر فتنی** :-...... ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے پہنچے اور آپ ﷺ نے اس مکان کو دیکھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے متعلق بتلاتے ہوئے فرمایا کہ یہیں میری والدہ مجھے لے کر اتری تھیں اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ کی قبر ہے اور مجھے بنی عدی ابن نجار کے پانی میں تیرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

**نجار کے پانی میں تیراکی پسند خاطر** :-...... (جس طرح اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے تیرنے کا ذکر آیا ہے) اسی طرح ایک اور روایت ہے جسے عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھی ایک چھوٹے تالاب میں تیر رہے تھے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص تیر کر اپنے ساتھی کی طرف جائے (یعنی ایک اس کنارے سے تیرتا جائے اور دوسرا اس کنارے سے تیرتا ہوا آئے) چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے ساتھی کی طرف تیر کر چلا (یعنی سب کو ایک ایک ساتھی مل گیا) صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ رہ گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی طرف تیرے یہاں تک کہ آپ نے (ان کے پاس پہنچ کر) انہیں گلے لگالیا اور فرمایا "میں اور میرا ساتھی"۔ ایک روایت میں ہے کہ "میں اپنے ساتھی کی طرف ہیں اپنے ساتھی کی طرف"۔

ان روایتوں سے بعض علماء کے قول کی تردید ہوتی ہے (کہ آنحضرت ﷺ کبھی تیرے نہیں) جن سے یہ پوچھا گیا تھا کہ کیا آنحضرت ﷺ تیرے ہیں (جواب میں ان بعض نے کہا) کہ بظاہر نہیں کیونکہ یہ بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بحری سفر فرمایا ہو اور اُدھر حرمین (یعنی مکے اور مدینے) میں بھی کوئی دریا نہیں ہے۔

**کیا عبداللہ ابواء میں فوت ہوئے ؟**...... بہر حال ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ کا ابواء کے مقام پر انتقال ہوا اور وہیں ان کو ان کے والد نے دفن کیا۔ ابواء مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ آگے روایت آرہی ہے کہ ابواء کے مقام پر جو قبر ہے وہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی ہے اور زیادہ صحیح یہی بات ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کہنے والے کو اسی بناء پر (والدہ اور والد کے لفظوں میں) مغالطہ ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے (یعنی اس روایت کے کہنے والے نے) ابواء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہو کہ یہاں میرے والدین میں سے ایک کی قبر ہے۔

**یتیمی اور غربت کے فضائل** :-...... بعض علماء نے وہ حکمتیں بھی بیان کی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے یتیم رہنے اور اس حالت میں آپ کی پرورش میں پوشیدہ ہیں مگر ہم یہاں طوالت کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر رہے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ یتیموں پر رحم کرو اور غریبوں کی عزت کرو اس لئے کہ میں اپنے بچپن میں یتیم تھا۔ اور بڑے ہو کر غریب تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ غریب آدمی کی طرف روزانہ ایک ہزار بار دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

**کیا آپ ﷺ کے والدین مسلمان ہوئے ؟**...... خطیب نے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے والد کو (آپ ﷺ کی نبوت کے ظہور کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا اور وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔

مواہب میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آپ ﷺ کے ماں باپ دونوں کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ مگر ان روایتوں کے متعلق علامہ سہیلیؒ یہ کہتے ہیں کہ ان کی سند میں مجہول لوگ ہیں (یعنی جن کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ کس حال کے ہیں اور آیا ان کی روایتیں قابل اعتبار ہو سکتی ہیں)۔ حافظ ابن کثیرؒ (اس سے بھی آگے بڑھ کر) یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے (یعنی قابل اعتبار نہیں ہے) اور ابن دحیہؒ (ان دونوں سے بڑھ کر) یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس روایت کی قرآن پاک اور اجماع علماء دونوں تردید کرتے ہیں (یعنی علماء کا جو متفقہ فتویٰ ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین دوبارہ زندہ کئے گئے اور پھر وہ آپ پر ایمان لائے) اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ کے اس قول کا خلاف ہو جائے گا جو یہ ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا (یعنی اپنے باپ کے متعلق پوچھا جو مر چکا تھا) کہ میرا باپ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ دوزخ میں (اس لئے کہ وہ کفر کی حالت میں مرا تھا) اس کے بعد جب وہ شخص جانے کے لئے مڑ گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

**اسلام والدین کی روایت پر اشکال:**۔۔۔۔۔۔ یہاں یہ اشکال بھی ہے کہ یہ دوسری حدیث امام مسلمؒ نے ذکر کی ہے اس لئے پہلی حدیث اس کے مخالف نہیں ہو سکتی (کیونکہ امام مسلم نے جو احادیث بھی بیان کی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ اپنی سند اور راویوں کے لحاظ سے نہایت پائے کی اور معتبر احادیث ہیں)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہ حدیث گذشتہ روایت کے خلاف جبھی ہو گی جبکہ اس کے آخری الفاظ ثابت ہو جائیں کیونکہ مسلم کی اس حدیث میں تمام راوی اس حصے پر متفق نہیں ہیں کہ "میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔" ان الفاظ کو حماد ابن سلمہ نے ثابت سے روایت کیا ہے اور ثابت نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے مگر معمر نے اس کی مخالفت کی ہے جو اس حدیث کو ثابت سے نقل کرتے ہیں اور ثابت حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ معمر نے ان لفظوں کے بجائے یہ لفظ روایت کئے ہیں (جو گویا آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمائے) کہ جب تو کسی کافر کی قبر سے گزرے تو اس کو (یعنی قبر والے کو) جہنم کی بشارت دے دے۔

ناقدرین حدیث (یعنی وہ حضرات جو سند اور راویوں کے حالات کی بنیاد پر ان کی بیان کی ہوئی حدیث کو پرکھتے ہیں) اس بات پر متفق ہیں کہ راویوں میں حماد ابن سلمہ کے مقابلے میں معمر زیادہ بھروسہ کے قابل ہیں۔

**اسلام والدین کی تائیدی وجوہ:**۔۔۔۔۔۔ یعنی مسلم کی یہ حدیث پچھلی حدیث کے مقابلے میں مان تو لی جائے مگر اس حدیث کے ان ہی آخری لفظوں میں اختلاف ہے جن پر یہاں بحث ہے کیونکہ اس کو دو (۲) راویوں نے ایک ہی سند سے ذکر کیا ہے یعنی حماد ابن سلمہ نے اور معمر نے۔ دونوں ثابت سے اس کو نقل کر رہے ہیں جو حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں مگر دونوں کا ان لفظوں میں اختلاف ہے۔ یہ لفظ صرف حماد نے ہی نقل کئے ہیں کہ "میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔" جبکہ معمر اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں تو وہ یہ الفاظ

نقل نہیں کرتے بلکہ اس کے مقابلے میں ایک عام بات نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے یہ فرمایا کہ "تو جب بھی کسی کافر کی قبر پر سے گزرے تو اس کو جہنم کی بشارت دے دے"۔

اس اختلاف کی وجہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کافر ہیں۔ ادھر یہ کہ حماد اور معمر دونوں راویوں میں زیادہ قابل اعتماد راوی معمر ہیں کیونکہ علماء نے مختلف وجوہ سے معمر کے حافظے کو زیادہ بھروسہ کے قابل قرار دیا ہے جیسا کہ بیان کرتے ہیں) اس لئے حمادؒ کے حافظے اور یادداشت میں محدثینؒ نے کلام کیا ہے۔ ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں میں بہت سی ناقابل اعتبار باتیں ہیں۔ اسی لئے ربیعہ نے حماد کی حدیثیں اپنی کتاب سے مٹاڈالی تھیں۔ حماد کا حافظہ بھی اچھا نہیں تھا، چنانچہ یہ روایت انہوں نے بیان کی مگر اس میں انہیں وہم ہو گیا۔ ان کے مقابلے میں معمر کے حافظے میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں میں کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔

**والدین کے جہنمی ہونے کی خبر نہیں دی گئی** :- ...... اس کے علاوہ معمر کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ) معمر نے جو روایت نقل کی ہے وہی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی حدیث میں بھی آرہی ہے (یعنی جس طرح حضرت انسؓ کی بیان کی ہوئی روایت ہے جس کو معمر نے ثابت سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح حضرت سعدؓ کی بیان کی ہوئی حدیث بھی ہے جو اسی مفہوم اور مطلب کی ہے) اس کا سلسلۂ سند یہ ہے کہ اس کو بزار، طبرانی اور بیہقی تینوں نے ابراہیم ابن سعد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے زہری سے انہوں نے عائذ ابن سعد سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ایک دیہاتی نے پوچھا کہ میرا باپ کہاں ہے (یعنی جو کفر کی حالت میں مر چکا ہے، اب جنت میں ہے یا دوزخ میں) آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں ہے۔ پھر اس دیہاتی نے پوچھا کہ آپ کے باپ کہاں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تو جب بھی کسی کافر کی قبر سے گزرے اسے جہنم کی بشارت دے دے"۔

**معمر کی روایت زیادہ قوی** :- ...... گویا آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں یہ نہیں فرمایا کہ میرے باپ بھی جہنم میں ہیں بلکہ ایک عام بات فرمائی جو اس شخص کے سوال کا جواب بھی بن گئی اور اس میں آپ نے اپنے والد کے انجام کے متعلق براہ راست کوئی خبر بھی نہیں دی، یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی ان شرائط کے مطابق ہے جو وہ حدیث کو قبول کرنے کے سلسلے میں لگاتے ہیں (اس طرح گویا یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کمزور حدیث نہیں ہے بلکہ پائے کی حدیث ہے) اس لئے اس روایت میں جو دوسرے الفاظ ہیں (یعنی جنہیں حماد ابن سلمہ نے نقل کیا ہے اور جو یہ ہیں کہ "میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔" راوی کی طرف سے آئے ہیں جنہیں اس نے معنی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے اور جو معنی وہ سمجھا ان کے مطابق الفاظ استعمال کر دیئے اور اس میں اس نے غلطی کی یعنی حماد نے روایت کے جو اصل الفاظ تھے وہ نقل نہیں کئے بلکہ ان کا مطلب اپنے لفظوں میں نقل کیا ہے اور مطلب سمجھنے میں اس نے غلطی کی ہے۔ اصل الفاظ وہی ہیں کہ جب کسی کافر کی قبر سے گزرو تو اس کو جہنم کی بشارت دے دو چونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اپنے والد کے انجام کے متعلق سوال کے جواب میں فرمائی تھی اس لئے ان لفظوں سے حماد نے یہ مطلب نکالا کہ آپ اپنے والد کو بھی کافر کہہ رہے ہیں لہٰذا حماد نے آنحضرت ﷺ کے اصل لفظ نقل کرنے کے بجائے اپنی سمجھ کے مطابق ان کا مطلب یہ بتلادیا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو جس کا مطلب راوی

نے اپنے لفظوں میں ادا کیا ہو روایت بالمعنی کہتے ہیں اور جس حدیث کو راوی نے اس کے اصل لفظوں میں بیان کیا ہو اس کو روایت بالالفاظ کہتے ہیں)۔

حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں بہت سی روایتوں میں ایسا ہوا ہے (کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہے) ان میں سے ایک مسلم کی حدیث ہے جو حضرت انسؓ سے روایت ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھنے کے متعلق ہے یعنی نماز میں بسم اللہ زور سے یعنی آواز کے ساتھ نہ پڑھی جائے) جبکہ ایک دوسری روایت میں ثابت صرف یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے اس کا زور سے پڑھنا سنا نہیں گیا۔ اس سے راوی یہ سمجھا کہ بسم اللہ زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے چنانچہ راوی نے اپنی سمجھ کے مطابق حدیث بالمعنی بیان کر دی اور اس میں غلطی کی۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کا اسی طرح جواب دیا ہے جس میں بسم اللہ کے زور سے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

(چونکہ مصنف کتاب شافعی ہے اس لئے وہ اس مسئلے کے ذیل میں امام شافعیؒ کا مسلک ثابت کر رہے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق نماز میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھنی چاہئے اس بارے میں احادیث ہیں جن میں راوی بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے نہ آنحضرت ﷺ کو نماز میں زور سے بسم اللہ پڑھتے سنا اور نہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو۔ بہر حال اس سلسلے میں بہت سے ایسے ثبوت موجود ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو ثابت کرتے ہیں مگر ان کا تذکرہ یہاں موضوع کے بھی خلاف اور طوالت کا سبب ہوگا)۔

**کیا باپ سے مراد چچا تھے؟**...... (حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث پیچھے بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو آپ کے سامنے دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کے متعلق علامہ سہیلی وغیرہ کا قول نقل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حماد ابن سلمہ اور معمر کی روایتیں آئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد کافر ہیں۔ چونکہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اس لئے ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے کہتے ہیں) مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ یعنی مسلم کی حدیث (جس میں آپ ﷺ کے والد کا کفر ثابت ہوتا ہے) ممکن ہے اس واقعہ سے پہلے کی ہو جب کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے والد کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعاء کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اسی جواب کی طرف اصل یعنی عیون الاثر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے یہ جملہ (یعنی میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں) اس سوال کرنے والے کے ایمان کی مصلحت سے فرمایا ہو (یعنی جب آپ ﷺ نے اس کے باپ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے تو یہ سن کر وہ بددل ہوا ہو اور اس سے اس کے ایمان پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہوا ہو۔ اس لئے آپ نے بعد میں اس کی تسلی کے لئے یہ فرما دیا ہو کہ تیرے ہی باپ نہیں بلکہ میرے باپ بھی جہنم میں ہیں) اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے اس سے مسلسل کلام نہیں فرمایا بلکہ جب وہ لوٹ کر جانے لگا تو آپ کو اس کی حالت (یعنی چہرے کے اتار چڑھاؤ) سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ یعنی ممکن ہے اسلام سے ہی پھر جائے اس لئے اس وقت آپ نے ایسی بات فرما دی جو ظاہر میں پہلی والی بات جیسی تھی (یعنی اس کے باپ کے متعلق کہنے کے بعد اپنے والد کے متعلق بھی فرما دیا) اور باپ کے لفظ سے آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو مراد لیا ہو، حضرت عبداللہ کو نہیں کیونکہ (قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق ابو طالب سے اس طرح کہا کرتے تھے کہ (مثلاً) اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ ہماری معبودوں کو گالیاں نہ دے۔ یا مثلاً یہ کہا کرتے تھے کہ اپنے بیٹے (یعنی آنحضرت ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دو اور اس کے بدلے میں ہم سے یہ لے لو جس پر ابو طالب نے

جواب دیا تھا کہ کیا میں اپنے بیٹے کو تمہارے حوالے کردوں تاکہ تم اسے قتل کردو۔ غرض اس کے علاوہ بھی (اور مثالیں ہیں جن میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہا گیا ہے) موجود ہیں جو آگے آئیں گی کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اہل عرب چچا کو باپ ہی کہتے تھے۔

**کیا بعد مرگ اسلام مفید ہے؟**...... حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں جس میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے والد کو دوبارہ زندہ کر کے مومن بنایا گیا، ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) اس حدیث کو اگر ثابت مان لیا جائے جس کے متعلق حدیث کے حافظوں میں سے ایک سے زیادہ نے صراحت کی ہے اور اس کے جن راویوں کو ناقابل قبول قرار دیا گیا ہے ان کی طرف توجہ نہیں دی جائے تو یہ اعتراض نہ ہونا چاہئے کہ مرنے کے بعد ایمان کس طرح مفید ہوگا (کیونکہ انسان کے لئے زندگی تک ہی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرلے۔ اگر اس نے زندگی میں حق کو قبول نہیں کیا اور ناحق پر موت ہو گئی تو دوسرے عالم میں اس کو زندگی کے عمل کی سزا ملے گی۔ کیونکہ دنیا دار العمل ہے اور موت کے بعد آدمی جس عالم میں پہنچتا ہے وہ دار الجزاء ہے) اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک کہی جائے گی مگر اس جواب پر بھی بعض علماء کہتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے اس کو اس خصوصیت کی دلیل بھی پیش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ محض احتمال اور امکان کی وجہ سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ جب تک اس کی دلیل کے طور پر کوئی حدیث صحیح نہ پیش کی جائے وہ خصوصیت ثابت نہیں ہوگی۔ (اس دوسرے اشکال کے جواب کے طور پر ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ) قرطبی کے کلام میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا تھا (تاکہ آپ ان کو اسلام پیش کریں) اب اگر یہ بات ثابت ہو تو اس بات میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین بھی دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لائے تھے یہ بات آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور شرف کو اور زیادہ بڑھاتی ہے۔ اور اگر آپ ﷺ کے والدین کا دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا فائدہ مند نہ ہوتا تو ان کو زندہ ہی نہ کیا جاتا جیسا کہ سورج کا لوٹنا اگر اوقات متعین کرنے کے لئے فائدہ مند نہ ہوتا تو وہ لوٹایا ہی نہ جاتا۔ واللہ اعلم۔

**آنحضرت ﷺ اولین اور اکلوتی اولاد**:-...... واقدیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے اور اہل علم کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ کے یہاں آنحضرت ﷺ کے علاوہ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ علامہ سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ کے سوا کبھی کسی سے نہیں ہوئی اور اسی طرح حضرت آمنہ کی شادی حضرت عبداللہ کے سوا کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ اسی طرح انہوں نے مؤرخین و علماء کا اس بات پر اتفاق و اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت آمنہ کے پیٹ میں آنحضرت ﷺ کے سوا کبھی کوئی بصورت حمل نہیں آیا۔ حضرت آمنہ کا جو یہ قول ہے کہ "مجھے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں ہوا"۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور حمل بھی ہوا ہے مگر (اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ) انہوں نے یہ بات اپنے قول میں تاکید پیدا کرنے کے لئے کہی ہے۔

**عبداللہ و آمنہ کی ایک ہی شادی ہوئی**:-...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (: حضرت آمنہ کی) یہ جو روایت بیان کی گئی ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں (یعنی یہ کہ مجھے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں ہوا) جو روایت

(ہماری اس کتاب میں) گزری ہے وہ یہ ہے کہ "میں نے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں دیکھا" اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ میرے حمل میں آئے مگر میں نے کبھی اتنا ہلکا حمل نہیں پایا جتنا ہلکا یہ مجھ پر ہوا ہے۔" چنانچہ "دیکھنے" اور "پانے" کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ (حمل کے بوجھ اور مشقت کے سلسلے میں) انہیں دوسری حاملہ عورتوں نے اپنی حالت اور کیفیت بتلائی ہوگی۔ اس لئے اس روایت کا مطلب یہ ہونا ضروری نہیں کہ انہیں آنحضرت کے سوا اور حمل بھی ہوا ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ (اتنا ہلکا حمل میں نے کوئی نہیں پایا) جتنا ہلکا مجھ پر یہ ہوا ہے۔" اس بات کے خلاف نہیں ہوتا (کہ آنحضرت ﷺ کے سوا حضرت آمنہ کو کبھی کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا) اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے (یہاں جہاں تک میں نے اس بارے میں سن رکھا ہے) واللہ اعلم۔

**کیا آمنہ کو آنحضرت ﷺ کے سوا بھی حمل ہوا؟**......واقدیؒ کہتے ہیں کہ سبط ابن جوزیؒ نے جو علماء کا اتفاق و اجماع نقل کیا ہے (کہ حضرت آمنہ کو آنحضرت ﷺ کے سوا کبھی کوئی حمل نہیں ہوا۔ اس کو حافظ ابن حجرؒ نے مبالغہ سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ سبط ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق جماع یعنی علماء کا اتفاق نقل کرنے میں مبالغے سے کام لیا ہے (یعنی حافظ ابن حجرؒ اس بات کو علماء کی متفقہ رائے نہیں تسلیم کرتے کہ حضرت آمنہ کو صرف یہی ایک حمل ہوا جس سے آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس کے سوا کبھی کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ) یہ بات غیر ممکن نہیں کہ حضرت آمنہ کو حضرت عبداللہ (کے حمل) سے کبھی اسقاط بھی ہوا ہو اور اسی کی طرف انہوں نے اپنے مذکورہ قول میں اشارہ کیا ہو۔ مگر حافظ ابن حجرؒ کی اس رائے میں بھی اشکال ہے چنانچہ مؤلف اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں)۔

**آمنہ کو دوسرا حمل محض ظن و خیال**:-......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :-(اگر اسقاط مانا جائے تو) اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت آمنہ کو اس اسقاط کا حمل آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ہوا ہو اور اس کی بنیاد یہ ہوگی کہ حضرت عبداللہ کا اس وقت انتقال نہیں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں (حضرت آمنہ کے پیٹ میں) تھے بلکہ ان کا انتقال آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ہوا (جیسا کہ پچھلی سطروں میں یہ روایتیں بھی گزر چکی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت سات مہینے یا نو مہینے یا اٹھارہ مہینے یا اٹھائیس مہینے کی تھی) اور یہ کہ حضرت آمنہ کو جو مشقت محسوس ہوئی وہ اسی اسقاط والے حمل میں ہوئی اور انہوں نے اس مشقت کا ذکر اس اسقاط والے حمل کے بعد کیا۔ اور یہ کہ اس اسقاط والے حمل میں ان کو جو مشقت اور تکلیف ہوئی وہ آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کے وقت بالکل نہیں ہوئی (اس حمل کو آنحضرت ﷺ والے حمل کے بعد اس لئے ماننا پڑے گا کہ) اگر اس اسقاط والے حمل کو آنحضرت ﷺ والے حمل سے پہلے مان لیا جائے تو یہ اس روایت کے خلاف ہو جائے گا جو پیچھے گذر چکی ہے کہ "حضرت عبداللہ حضرت آمنہ کے مالک (یعنی شوہر) بن گئے تو وہ ان کے ساتھ ہمبستر ہوئے اور اسی وقت نور نبوت ان میں سے نکل کر حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا (اس کے علاوہ دوسرا اشکال یہ ہوگا کہ اس اسقاط والے حمل کو اگر آنحضرت ﷺ والے حمل سے پہلے مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ اپنے والدین کی جیٹھی اولاد نہیں رہتے)۔

اب جہاں تک (حضرت آمنہ کی) اس ایک دوسری روایت کا تعلق ہے کہ "مجھے دوسرے حمل بھی ہوئے مگر (آنحضرت ﷺ کے میرے حمل میں آنے کے وقت) مجھے کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا" تو اس کے

بارے میں واقدیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت اہل علم کے نزدیک مشہور نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کوکب منیر میں بیان کیا ہے اس لئے کہ اسقاط والے حمل کا امکان اس بارے میں علماء کے اجماع و اتفاق کے خلاف نہیں پڑتا کہ حضرت آمنہ کو آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل آنے کے سوا کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا۔ کیونکہ ممکن ہے حمل سے مراد مکمل حمل ہو (جب کہ اسقاط کا حمل مکمل حمل نہیں ہوتا)۔ کتاب خصائص صغریٰ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کے یہاں آپ کے سوا کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

**عبداللہ کی باندی اُمّ ایمن** :۔...... اس کے بعد واقدیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے اپنی باندی اُمّ ایمن برکہ حبشیہ چھوڑی۔

یہ اُمّ ایمن (جن کا نام برکہ حبشیہ تھا) اور ان کے بیٹے ایمن دونوں اسلام کے شروع میں ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ ایمن ایک حبشی غلام کے بیٹے تھے جس کا نام عبید تھا۔ الخ

**اُمّ ایمن کے نکاح اور اولاد** :۔...... اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ ابن جوزی کے کلام میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا، اس وقت اُمّ ایمن سے ایمن پیدا ہوئے۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں جو اصابہ میں ہے کہ اُمّ ایمن کی شادی مکے میں جاہلیت کے زمانے میں عبید حبشی ابن زید سے ہوئی۔ عبید مکے آکر وہیں رہنے لگے تھے اس کے بعد اُمّ ایمن کو لے کر یثرب یعنی مدینے چلے گئے جن سے ان کے یہاں ایمن پیدا ہوئے۔ اس کے بعد عبید کا انتقال ہوگیا۔ اُمّ ایمن واپس مکے آگئیں جہاں زید ابن حارثہ نے ان سے شادی کرلی۔ یہ روایت بلاذری نے نقل کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (گویا ام ایمن کا عبید کے ساتھ یثرب یعنی مدینے جانا آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے تھا)۔

**اُمّ ایمن کی فضیلت** :۔...... پھر واقدیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ ایمن کی شادی اپنے غلام زید ابن حارثہ سے کردی، یعنی نبوت کے بعد (اُمّ ایمن کی یہ دوسری شادی ہوئی) حضرت زید ابن حارثہ، اُمّ ایمن سے شادی کرنے کے اس وقت خواہشمند ہوگئے تھے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"جو شخص اس کا خواہشمند ہو کہ وہ جنت کی عورتوں میں سے کسی عورت سے شادی کرے تو وہ اُمّ ایمن سے نکاح کرے"۔

**زید کا ایمنؓ سے نکاح اور ولادت اسامہؓ** :۔...... (چنانچہ اُمّ ایمنؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی یہ عظیم بشارت سن کر حضرت زید ابن حارثہ اس کے خواہشمند ہوئے کہ اُمّ ایمن سے شادی کریں) ان کے یہاں اُمّ ایمنؓ سے حضرت اُسامہ پیدا ہوئے جن کو لوگ حب ابن حب (یعنی محبوب کا بیٹا محبوب) کہنے لگے تھے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کو حضرت زید ابن حارثہ بھی بہت عزیز تھے اور حضرت اسامہ ابن زید بھی)

**عبداللہ کا ترکہ** :۔...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ اُمّ ایمنؓ کو حضرت عبداللہ نے ہی اپنی موت سے پہلے آزاد کردیا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی باندی تھیں۔

حضرت عبداللہ نے انتقال کے بعد جو ترکہ چھوڑا وہ پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کا جو ترکہ ملا وہ یہی تھا۔ الخ

**خود نبی کا ترکہ میراث نہیں** :۔...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ وارث بن سکتے ہیں مگر خود آپ ﷺ کا ترکہ وراثت کے طور پر تقسیم نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا :۔

"ہم انبیاء کی جماعت جو کچھ ترکہ چھوڑیں وہ (کسی کی وراثت نہیں بلکہ) صدقہ ہے۔ (کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی پوری امت کے لئے باپ کے درجہ میں ہوتے ہیں اس لئے ان کا چھوڑا ہوا ترکہ ساری امت کی ملکیت ہوتا ہے کسی مخصوص فرد کا نہیں) بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادیوں کا ترکہ بھی نہیں لیا جو آپ کی زندگی میں وفات پاگئی تھیں۔ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اپنی میراث کا لینا ناپسند کیا ہو اس لئے چھوڑ دیا ہو۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

**اُمّ ایمنؓ پر رحمت باری:**۔..... ابن جوزیؒ نقل کرتے ہیں کہ جب اُمّ ایمنؓ ہجرت کر کے مکے سے مدینے کو روانہ ہوئیں تو یہ بالکل تنہا تھیں اور پیدل جارہی تھیں، راستے میں ان کو پیاس لگی تو ان کے اوپر ڈول کی طرح سے ایک چیز آسمان سے جھک آئی جس سے پانی کے سفید چھینٹے گر رہے تھے، انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور سیراب ہوگئیں۔ یہ کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد سے مجھے کبھی پیاس اور تشنگی نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی روزے کی حالت میں پیاس لگی تو (وہ خود بجھ جاتی تھی اور) میں تشنہ نہیں رہتی تھی۔

**اُمّ ایمنؓ کا سلام:**۔..... مزیل الخفاء میں واقدیؒ کہتے ہیں کہ اُمّ ایمن کی زبان میں کچھ لکنت تھی۔ چنانچہ جب وہ کسی مجلس میں جاتیں تو سلام اللہ علیکم کے بجائے "سلام لا علیکم" کہا کرتی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ سلام علیکم یا السلام علیکم کہہ دیا کریں۔ یہاں تک ابن جوزیؒ کا کلام ہے۔

یہ قابل غور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سلام کے اصل الفاظ "سلام اللہ علیکم" ہیں جبکہ سلام کے اصل لفظ یا تو السلام علیکم ہیں اور یا سلام علیکم ہیں۔ اسی طرح علیکم السلام بھی ہیں مگر ہمارے اماموں نے یہ لفظ ذکر نہیں کئے ہیں۔

**آنحضرت ﷺ پر اُمّ ایمنؓ کا ناز:**۔..... حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے پانی پیا اس وقت اُمّ ایمن بھی آپ کے پاس تھیں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی پانی پلا دیجئے۔ تو میں نے اُمّ ایمن سے کہا کہ کیا یہ بات تم رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہی ہو؟ (یعنی آنحضرت ﷺ سے خدمت لے رہی ہو) اس پر اُمّ ایمنؓ نے کہا کہ کیا میں نے اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر فرمایا کہ تم نے سچ کہا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو پانی پلایا (گویا آنحضرت ﷺ بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے اور انہیں بھی آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آپ ﷺ پر بے حد ناز تھا)۔

**اسامہ کا نسب اور مجزّز مدلجی:**۔..... بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ برکہ یعنی اُمّ ایمن حبشی باندی تھیں جو اصحاب فیل (یعنی ابرہہ کے لشکر) میں کی تھیں (ابرہہ کا واقعہ آگے کے صفحات میں تفصیل سے آرہا ہے) یہ بالکل سیاہ رنگ کی تھیں اور اسی لئے ان کے بیٹے اسامہ بھی سیاہ فام تھے۔ مگر اسامہ کے والد حضرت زیدؓ سفید رنگ کے تھے۔ اسی لئے منافقین حضرت اسامہؓ کے نسب میں شک کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) حضرت اسامہؓ حضرت زیدؓ کے بیٹے نہیں ہیں۔ منافقوں کی اس طعنہ زنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف اور تشویش ہوا کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ بہت خوش تھے پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس مجزّز مدلجی آیا تھا۔ اس نے اسامہؓ اور زیدؓ کو دیکھا جو ایک چادر سر تک ڈھکے ہوئے لیٹے تھے مگر ان دونوں کے پیر کھل رہے تھے۔ مدلجی نے (پیروں کو دیکھا تو فوراً) کہا کہ یہ پیر تو ایک ہی خاندان کے ہیں۔ (مجزّز مدلجی ایک مشہور قیافہ شناس تھا جو آدمی کا چہرہ مہرہ اور جسم کی

وضع قطع دیکھ کر بتلادیا کرتا تھا کہ یہ کس خاندان کا آدمی ہے اس نے حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے پیر ایک ہی چادر میں سے نکلے ہوئے دیکھے۔ ان پیروں میں سے دو کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور دو کا سفید تھا۔ وہ چونکہ قیافہ شناس تھا اور پیروں کی بناوٹ دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ یہ باپ بیٹے کے پیر ہیں مگر دونوں کے پیروں کے رنگ میں بہت زیادہ فرق تھا۔ اسی لئے غالباً اسے حیرت ہوئی کہ باپ اور بیٹے کے پیر اتنے مختلف رنگ کے ہیں۔ چنانچہ اسی حیرت کے اظہار کے طور پر اس نے فوراً کہا یہ پیر تو باپ بیٹے کے ہیں۔ چونکہ مدلجی مشہور قیافہ شناس تھا اور لوگ اس کی قیافہ شناسی کے قائل تھے اس لئے جب اس نے پیروں کو دیکھتے ہی از خود کہہ دیا کہ یہ پیر باپ بیٹے کے ہیں تو آنحضرت ﷺ کو بہت خوش اور اطمینان ہوا کیونکہ منافقین حضرت اسامہؓ کے نسب میں ان کے رنگ کی وجہ سے شک کیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے اپنی اس خوشی کا اظہار حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

تعیین نسب اور قیافہ شناسی :-...... اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نسب متعین کرنے کے سلسلے میں قیافہ شناسی بھی اسلام میں قابل اعتبار ہے چنانچہ) اسی حدیث کی بنیاد پر نسب متعین کرنے کے سلسلے میں قیافہ شناس کے قول پر اعتماد کرنا واجب ہے۔

(برکہ حبشیہ کے متعلق) الالیؒ کہتے ہیں کہ (اُمّ ایمن کا نام برکہ ہے مگر یہ حبشیہ نہیں تھیں بلکہ) جو حبشیہ تھی وہ دوسری برکہ نامی عورت تھی (جو حضرت اُمّ حبیبہؓ کی باندی تھیں اور ان کے ساتھ حبش سے آئی تھیں۔ اس کا لقب اُمّ یوسف تھا اور یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ یہی وہ باندی ہے جس نے آنحضرت ﷺ کا بول (پیشاب) پی لیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کے ترکہ میں (اُمّ ایمن باندی کے علاوہ) شقران نامی غلام بھی ملا تھا۔ یہ ایک حبشی غلام تھا جس کو غزوۂ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ نے آزاد کر دیا تھا۔ شقران کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کو آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو حضرت ابن عوفؓ سے خریدا نہیں تھا بلکہ ابن عوفؓ نے یہ غلام آپ کو ہدیہ میں دے دیا تھا۔

# باب پنجم (۵)

## آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی ناف (جیسے اصطلاح میں آنول نال کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ پیٹ میں بچہ اور ماں کے جسموں کے درمیان رابطہ رہتا ہے اور اس کو پیدائش کے بعد دایہ کاٹ دیتی ہے) کٹی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے ان کی نال کاٹی، پھر ان کے کان میں اذان کہی اور اس کے بعد انہیں ایک سفید کپڑا پہنایا۔

اور ہمارے نبی آنحضرت ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے یعنی اس طرح جیسے مختون آدمی ہوتا ہے۔ نیز اس طرح کہ (آپ کی آنکھوں میں گویا) سرمہ لگا ہوا تھا اور پاک صاف پیدا ہوئے کہ آپ کے جسم مبارک پر کوئی آلودگی نہیں تھی (یعنی آپ اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح عام بچے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے سارے جسم پر گندگی اور خون وغیرہ لگا ہوتا ہے یہاں تک کہ منہ کے اندر بھی آلائش بھری ہوتی ہے جسے دایہ صاف کرتی ہے)۔

**آلودگی سے پاک پیدائش** :-......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- آپ کے جسم اطہر پر گندگی اور آلائش لگی ہوئی نہیں تھی۔ چنانچہ اس سے اس بات کا انکار نہیں ہوتا کہ آپ کی پیدائش کے بعد یعنی نفاس کے خون (جو عورتوں کو زچگی کے زمانے میں آتا ہے) کے زمانے میں گندگی اور آلائش نہیں آئی۔ اس لئے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ آپ کی والدہ کو (اس زچگی میں) نفاس کا خون نہیں آیا۔ کیونکہ شافعیوں کے نزدیک نفاس وہی آلائش ہے جو ولادت کے بعد زچگی کے زمانے میں آتا ہے یہ پیدائش کے بعد پندرہ دن کی مدت گزرنے سے پہلے آتا ہے (اور شافعیوں کے نزدیک) نفاس یا آلائش اس کو نہیں کہتے جو بچہ کے ساتھ آتا ہے۔ واللہ اعلم

**آنحضرت ﷺ پیدائشی مختون تھے** :-......علامہ شامی کہتے ہیں حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میرا اشرف جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے ہے یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ یعنی تاکہ کوئی ختنہ کے وقت میری شرمگاہ نہ دیکھ سکے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے مگر علامہ ذہبیؒ نے اس قول کی مخالفت کی ہے وہ

کہتے ہیں کہ میں اس قول کی صحت کے بارے میں نہیں جانتا اس لئے یہ متواتر کیسے کہلائے گا (کیونکہ متواتر حدیث وہ کہلاتی ہے جس کو تمام راوی اپنے اپنے طریقوں سے بیان کرتے ہیں) علامہ ذہبیؒ کے اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ تواتر سے مراد عام شہرت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے حافظوں میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان احادیث کو صحیح[1] قرار دیا ہے، کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان کو ضعیف[2] اور کمزور قرار دیا ہے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان کو حدیث حسن[3] قرار دیا ہے۔

سال ولادت کی برکتیں :-...... آنحضرت ﷺ کے مختون پیدا ہونے کے متعلق سیرت نبویہ نے بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ یہ سال جس میں رسول اللہ ﷺ کا حمل ہوا قریش کے لئے فتح اور خوشی و مسرت کا سال تھا کیونکہ اس سے پہلے قریش زبردست خشک سالی اور قحط کا شکار تھے۔ مگر جب یہ سال آیا جس میں آنحضرت ﷺ کا حمل ہوا تو اچانک دنیا ہی بدل گئی، زمین سبزہ زار بن گئی اور درخت ہرے بھرے ہو کر پھلوں کے بوجھ سے دب گئے۔ ہر طرف بجلی کی کڑک نظر آتی، گھٹائیں گھر گھر کر آتیں اور برس کر جل تھل کر جاتیں۔ اس سال کی یہ برکت بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کے لئے حکم فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے اعزاز کی وجہ سے وہ اس سال نر بچے جنیں۔ پھر آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ختنہ شدہ تھے یعنی ایسے تھے جیسے کہ مختون ہوتا ہے۔ سرمگیں آنکھیں تھیں اور جسم مبارک بالکل پاک صاف تھا کہ اس پر کوئی آلائش وغیرہ نہیں تھی۔

نرالی شان کا بچہ (تشریح)...... کتاب البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ ختنہ شدہ تھے اور آپ ﷺ کی آنول نال کٹی ہوئی تھی (جس کو بعد میں دایہ کاٹا کرتی ہے)۔ عبدالمطلب یہ دیکھ کر بے حد حیران اور خوش تھے اور کہتے تھے کہ میرا یہ بیٹا نرالی اور بڑی شان کا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی کتاب میں ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ختنہ حضرت جبرئیلؑ نے کی تھی اور اس وقت کی تھی جب انہوں نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو صاف کیا تھا، مگر یہ روایت غریب ہے۔

اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ختنہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی تھی اور اس موقعہ پر انہوں نے قریش کی دعوت کی تھی۔ (البدایہ ص ۲۶۵ جلد ۲۔ مرتب)

بہر حال ان مختلف احادیث سے اتنی بات صاف ہو جاتی ہے کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے۔ اگرچہ شیخ ابن عدیمؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کی ختنہ عربوں کے طریقہ پر بعد میں ہوئی ہے۔

دوسرے پیدائشی مختون پیغمبر ..... آنحضرت ﷺ کے علاوہ بھی دوسرے نبیوں میں سولہ نبی ایسے ہیں جو مختون پیدا ہوئے۔ کسی شاعر نے ان کو اس طرح نظم کیا ہے

---

[1] حدیث صحیح وہ ہے جس کے راوی آخر تک تمام کے تمام معتبر صاحب عدالت اور مسلسل ہوں۔

[2] اگر راوی صاحب عدالت نہیں ہے یا دوسری کوئی شرط اس میں نہ پائی جاتی ہو تو اس کی بیان کی ہوئی حدیث ضعیف کہلائے گی۔

[3] جس کے نقل کرنے والے سے آنحضرت ﷺ تک راویوں کے سلسلے میں کسی ایک میں وہ تمام صفات نہ پائی جاتی ہوں جو ضروری ہیں

وَفِي الرُّسُلِ مَخْتُوْنٌ لِعَمْرِكَ خِلْقَةً
ثَمَانٌ وَ تِسْعٌ طَيِّبُوْنَ اَكَارِمُ

قسم ہے کہ نبیوں میں پیدائشی طور پر کچھ دوسرے نبی بھی مختون ہیں اور یہ سب بڑے بڑے پیغمبر کل ملا کر آٹھ اور نو یعنی سترہ ہیں۔ هم زكرياً ،شيثٌ ،ادريسٌ ،يوسفٌ
وحنظلة عيسىٰ و موسىٰ و ادمٌ

وہ نبی یہ ہے۔ حضرت زکریا، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت یوسف، حضرت حنظلہ، حضرت عیسٰی، حضرت موسٰی، حضرت آدم علیہم السلام۔

ونوحٌ ،شعيبٌ ،سامٌ ،لوطٌ و صالحٌ
سليمانٌ ،يحيىٰ ،هودٌ ،يسٌ ،خاتم ﷺ

حضرت نوح، حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت سلیمان، حضرت یحیٰی، حضرت ہود، حضرت یس، اور حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام۔

**عوام میں مختون پیدائش ممکن**...... مختون پیدا ہونا صرف نبیوں کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ عام لوگ بھی مختون پیدا ہوتے ہیں، عوام میں ایک بے بنیاد بات یہ چلتی ہے کہ جو شخص مختون پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی ختنہ چاند نے کی ہے۔ اس لئے کہ عرب یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص برج قمر (نجومیوں کی ایک اصطلاح ہے) میں پیدا ہوتا ہے تو اس برج کے اثر سے عضو تناسل کے منہ پر جو کھال یا جھلی ہوتی ہے (اور جسے ختنہ کے وقت کاٹ دیتے ہیں) وہ سکڑ جاتی ہے اور عضو تناسل ایسا ہو جاتا ہے جیسا ختنہ شدہ آدمی کا ہوتا ہے (ایسے بچے کے متعلق) عوام میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ختنہ فرشتوں نے کر دی ہے۔

(شیخ جمال الدین ابن عدیم کے) اس قول سے شیخ جلال الدین سیوطیؒ کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو انہوں نے خصائص صغریٰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مختون پیدا ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے (کیونکہ جیسے شیخ ابن عدیمؒ نے لکھا ہے کہ مختون پیدا ہونا نہ تو آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ کے علاوہ دوسرے سولہ نبی بھی مختون پیدا ہوئے ہیں اور نہ ہی مختون پیدا ہونا صرف انبیاء کی خصوصیت ہے کہ نبیوں کے علاوہ عام لوگ بھی مختون پیدا ہو جاتے ہیں)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی ختنہ فرشتے نے کی تھی اور وہ فرشتہ حضرت جبرئیلؑ تھے جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ (آپ کی ختنہ حضرت جبرئیلؑ نے اس دن کی جس دن آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا جب کہ آپ اس زمانے میں اپنی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس رہتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر[1] ہے (یعنی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا)۔

**کیا ختنہ بعد میں ہوئی ؟**......ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ختنہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے کی تھی، مگر حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند غیر صحیح ہے۔ اور یہ ساتویں دن ختنہ اسی وقت کی گئی جب کہ عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا تھا اور اس موقعہ پر ایک دنبہ صدقہ کیا تھا جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہوگا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ دونوں روایتوں کا (یعنی مختون پیدا ہونے اور یا بعد میں ختنہ کئے جانے کے

---

[1] منکر وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ قوی تر راوی کی مخالفت کرے۔

متعلق) اختلاف دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ختنہ شدہ تو پیدا ہوئے ہوں مگر مکمل طور پر مختون نہ ہوں جیسا کہ اس قسم کے واقعات میں عام طور پر ہوتا ہے (کہ جو بچے مختون پیدا ہوتے ہیں ان کی ختنہ مکمل نہیں ہوتی اور پھر بعد میں اسے پورا کرانا پڑتا ہے) چنانچہ آپ ﷺ کے دادا نے بعد میں آپ کی ختنہ مکمل کرائی ہو (مگر ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے بعد) آنحضرت ﷺ کے اس قول کی مخالفت ہوتی ہے جو پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ میرے رب کی طرف سے میرا اشرف یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور کسی نے میری شرم گاہ نہیں دیکھی۔ (یعنی بظاہر ختنہ کی وجہ سے (جو شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑتی ہے آپ اس سے محفوظ رہے) بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ختنہ ایک آلے (یعنی اُسترے وغیرہ) کے ذریعہ کی گئی تھی (حالانکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان نبیوں میں سے ہیں جو مختون پیدا ہوئے لیکن ان دونوں روایتوں میں بھی اسی طریقہ پر مطابقت اور موافقت پیدا کی جاسکتی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ (یعنی مختون پیدا ہوئے ہوں مگر ختنہ مکمل نہ ہو اس لئے بعد میں کسی آلے کے ذریعہ ختنہ مکمل کی گئی ہو) اور وہ آلہ جس سے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کی ختنہ کی گئی جیسا کہ بیان کیا گیا کہ آپ کے دادا نے آپ کی ختنہ کی تھی وہی مشہور آلہ ہے جس کو اُسترا کہتے ہیں۔ اگر یہ آلہ اُسترا نہ ہوتا تو یقیناً اس کو بیان کیا جاتا کیونکہ اس کی متعلق روایتوں میں تفصیلی ذکر آنے کے اسباب کافی موجود ہیں (یعنی جیسا کہ عام طور پر ہر تفصیل روایات میں مل جاتی ہے اور کوئی خاص بات ہے تو اس کا تذکرہ ضرور ہی روایات میں ملتا ہے اس لئے اگر استرے کے بجائے جو اس مقصد کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے کوئی دوسری چیز استعمال کی جاتی تو اس کے متعلق روایات میں تذکرہ ضرور ملتا۔ یہ ان ہی بعض مؤرخین کا قول ہے جو یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ختنہ کی گئی تھی)۔

**تخلیق کامل**...... یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ (آنحضرت ﷺ اگر مختون پیدا ہوئے ہیں تو) عضو تناسل کی اگلی کھال (جو ختنہ میں کاٹی جاتی ہے) موجود نہیں رہی ہوگی اور یہ انسان کا خلقی اور پیدائشی نقص کہلائے گا (جبکہ آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ بات نہیں سوچی جاسکتی) کیونکہ انسان کے قلب کا وہ سیاہ دانہ جو بدن میں شیطان کا حصہ اور گھر ہوتا ہے (اور جس کو نکالنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کر کے صاف کیا گیا تھا) آپ اس کے بغیر بھی پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ آپ کے جسم مبارک میں موجود تھا اور اس کے (شیطان کا حصہ ہونے کے باوجود) آپ کے جسم اطہر میں پائے جانے کی حکمت یہی بیان کی جاتی ہے کہ وہ آپ کی تخلیق کو مکمل کرنے کے لئے ہی آپ میں رکھا گیا تھا (اور بعد میں ملائکہ کے ذریعہ صاف کرادیا گیا۔ تو گویا اشکال کا حاصل یہ ہوا کہ جب محض آپ کی تخلیق کو مکمل کرنے کی غرض سے اس سیاہ دانے تک کو جو جسم میں شیطان کا حصہ اور مرکز ہوتا ہے آپ کے جسم اطہر میں رکھا گیا تو عضو تناسل کی اس کھال کے بغیر آپ کو کیسے پیدا کر دیا گیا جو کہ اس سیاہ دانے کے مقابلے میں بہت کمزور درجے کی چیز ہے اور وہ شیطان کا مقام بھی نہیں ہے، گویا آپ کے مختون ہونے کی صورت میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے)۔

**بے پردگی سے قدرتی تحفظ**...... اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپ اس کھال یا جھلی کے بغیر اسی لئے پیدا کئے گئے تاکہ آپ کی انسانی خلقت مکمل ہو کیونکہ یہ جھلی باقی نہیں رکھی جاتی اور اس کو کاٹ کر نکالنے کی صورت میں ہر آدمی کو برہنہ ہونا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ

دوسرے لوگوں کی نظر بھی آدمی کی شرمگاہ پر پڑتی ہے (اس لئے یہ تو خود آدمی کی خلقت کا ایک نقص اور کمی ہے کہ اس کے جسم میں کوئی حصہ ایسا پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے اس کی شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑنی ضروری ہو۔ اسی لئے آپ کے جسم اطہر میں ایسی کوئی چیز رکھی ہی نہیں گئی جس کی وجہ سے آپ کی شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑ سکے) چنانچہ خلقت کا یہ نقص اور کمی تو خلقت کا عین کمال ہے برخلاف (قلب میں پائے جانے والے) سیاہ دانے کے (کہ اس کے پائے جانے سے انسان کی خلقت مکمل ہوتی ہے اور وہ جسم کا ایسا حصہ نہیں کہ بدن کو شیطان سے پاکیزہ کرنے کے لئے اگر اسے نکالا جائے تو شرمگاہ کی بے پردگی ہوتی ہو۔ اس سیاہ دانے کے متعلق علماء و محققین کہتے ہیں کہ ہر انسان کے قلب میں یا اس کے قریب ہوتا ہے اور یہی بدن میں شیطان کا مقام اور مرکز ہوتا ہے کہ وہ یہیں سے پورے بدن میں سرایت کرتا ہے اور آدمی کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے)۔

عرب میں بچے کی ختنہ کی عمر...... حضرت حسن بصریؒ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ بچے کی ختنہ ساتویں دن کی جائے کیونکہ اس میں یہودیوں سے تشبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے ساتویں دن ان کی ختنہ کی تو بنی اسرائیل نے اس کو سنت اور اپنا شعار بنالیا اور وہ اپنے بچوں کی ختنہ ساتویں دن ہی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی ختنہ تیرہ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ ابوالعباس ابن تمیہؒ کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی اس عمر میں ختنہ کے بعد سے ان کی اولاد یعنی عربوں میں اسی سنت کا رواج ہو گیا۔ اسی بات کی تائید (یعنی تیرھویں سال میں ختنہ ہونے کی) حضرت ابن عباسؓ کے قول سے بھی ہو رہی ہے کہ لڑکے کی ختنہ اس عمر میں کرتے ہیں جب وہ بلوغ کے قریب پہنچ جائے۔ اس سے تیرہ سال کی تائید اس لئے ہوتی ہے کہ اسی عمر میں لڑکا بلوغ کے قریب پہنچتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ اس وقت میری ختنہ ہو چکی تھی۔ یعنی بلوغ کے ابتدائی حصہ میں تھا۔ واللہ اعلم۔

وقت ولادت شہادت توحید...... آنحضرت ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین پر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کی مٹھی بند تھی اور شہادت کی انگلی اس طرح اٹھی ہوئی تھی جس طرح اس سے تسبیح (یعنی نماز میں خدا کی وحدانیت کا اشارہ) کیا کرتے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کی والدہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس طرح اٹھا رکھی تھیں جیسے کوئی انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے والا ہوتا ہے (چونکہ اس روایت میں لفظ "انگلیاں" ہے جبکہ پچھلی روایت میں صرف شہادت کی انگلی کا ذکر ہے اس لئے روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے انگلیوں سے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

پیدائش کے وقت صورت سجدہ...... پیدائش کے وقت آپ ﷺ کے سجدے کی حالت میں ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ سے قرب کے ساتھ ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن سعدؒ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

آپ اپنی ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں الخ۔

**حیات پاکیزہ کی نیک ابتداء**...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ایک روایت میں ہے کہ آپ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔ یہ حضرت آمنہ کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ سجدے کی حالت میں تھے۔ کیونکہ ممکن ہے آپ آسمان کی جانب سر اٹھائے ہوئے پیدا ہوئے ہوں اور آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہوں اور اس کے بعد آپ ﷺ سجدے کی حالت میں آگئے ہوں۔ اسی طرح ان دونوں روایتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن میں سے ایک میں یہ ہے کہ آپ اس حالت میں پیدا ہوئے کہ آپ کی مٹھی بند تھی۔ اور دوسری میں یہ ہے کہ آپ ہتھیلیوں کے بل جھکے ہوئے تھے کیونکہ ممکن ہے (کہ پیدائش کے وقت آپ ہتھیلیوں کے بل یعنی کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ زمین پر تشریف لائے ہوں اور پھر) آپ نے سوائے شہادت کی انگلی کے باقی انگلیاں موڑ کر مٹھی بند کرلی ہو (اس روایت کے جس میں ہے کہ آپ پیدائش کے وقت گھٹنوں کے بل تھے) یہ قول بھی مخالف نہیں ہوتا کہ آپ مٹھی بند کئے ہوئے تھے اس بنیاد پر کہ زمین پر تشریف لانے کے فوراً بعد ایسا ہوا ہوگا۔ اور جہاں تک (پچھلی روایت میں) صرف گھٹنوں کا ذکر کرنے کا سوال ہے (جبکہ دوسری روایت میں گھٹنوں سے پہلے ہتھیلیوں کا بھی ذکر ہے) تو اس سے گھٹنے اور ہتھیلیاں دونوں مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ بعض علماء کے کلام میں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا اپنی شرمگاہ پر رکھا ہوا تھا یہ روایت قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کے پیدائش کے وقت آسمان کی جانب سر اور نگاہیں اٹھائے ہوئے ہونے کے متعلق قصیدۂ ہمزیہ کے مصنف نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے

وَافِعاً رَاسَهٗ وَفِي ذٰلِكَ الرَّفعِ اِلٰی كُلِّ سُؤدَدٍ ایماءَ

ترجمہ: پیدائش کے وقت آپ اپنا سر اوپر اٹھائے ہوئے تھے اور اس سر کے اٹھانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ عظمت اور سرداری والے ہیں۔

رَامِقاً طَرفُهُ السَّمَاءَ وَمَرمیٰ
عَیْنٍ مِنْ شَانِهٖ العُلوُّ العَلاءُ

ترجمہ: آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں اور آپ کی نگاہوں کا بلند مرکز آپ کی بلند و بالا شان کا اظہار کر رہا تھا۔

**کیفیت ولادت میں علو شان کا اشارہ**...... یعنی آپ ﷺ کی والدہ نے جب آپ کو جنم دیا تو آپ اس حالت میں تھے کہ آپ ﷺ کا سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا اور اس سر کے اٹھنے میں جو اس عالم میں تشریف لانے کے بعد آپ کا سب سے پہلا فعل تھا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو ہر بلندی اور سرداری حاصل ہوگی۔ اور آپ ﷺ کی والدہ نے آپ کو جنم دیا تو آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں اور اس اشارے میں آپ کی بلند پروازی کا اشارہ پوشیدہ تھا کیونکہ آپ کی نگاہوں کا مرکز آپ کے بلند و بالا مرتبے اور عظیم الشان مقام کا پتہ دے رہا تھا۔

**تسخیر زمین کی فال**...... پھر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آنحضرت ﷺ

نے اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھالی اور پھر آپ ﷺ سجدہ میں گر گئے۔ یہ بات بنی لہب کے ایک شخص کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اگر یہ فال صحیح ہے تو یہ بچہ تمام روئے زمین پر غالب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے مٹی کو (یعنی زمین کو) مٹھی میں لیا اور وہ اس کی مٹھی میں آگئی۔

فال اس کو کہتے ہیں جس سے نیک شگون لیا جائے اور (اس کے مقابلے میں) تطیر اس کو کہتے ہیں جس سے برا شگون لیا جائے۔ اس لئے فال، تطیر کی ضد ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ میں فال (یعنی نیک شگون) لیتا ہوں تطیر (یعنی برا شگون) نہیں لیتا۔

فال نیک کی حیثیت...... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ فال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنے (یعنی اچھی بات سن کر اس سے نیک شگون مراد لینا)۔ اس کے مقابلے میں تطیر اور بد شگونی یہ ہے کہ عرب کوئی سفر وغیرہ یا کام کرنے سے پہلے پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے اڑایا کرتے تھے۔ اگر وہ بائیں جانب کو اڑ کر چلا جاتا تھا تو اس کو بد شگونی سمجھتے تھے اور سفر وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ اس کو آنحضرت ﷺ نے ناجائز فرمایا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نہ بیماری کے متعدی ہونے (یعنی مرض کے اُڑ کر لگنے) کو مانتا ہوں اور نہ بد شگونی کو بلکہ مجھے فال پسند ہے جو اچھی بات اور نیک شگون ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں فال نیک کو پسند کرتا ہوں۔ بعض محققین نے فال اور تفاؤل کے درمیان بھی فرق کیا ہے۔ چنانچہ فال آدمی سے سنی ہوئی (اچھی) بات سے لی جاتی ہے اور تفاؤل کا مطلب ہے پرندوں کے ناموں پر ان کی آوازوں اور اڑان سے شگون لینا)۔

مرض میں چھوت چھات کی حیثیت...... (پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ میں بیماری کے متعدی ہونے (یعنی اڑ کر لگنے) کو نہیں مانتا۔ یہ قول اس روایت کے خلاف پڑتا ہے جس میں ذکر ہے کہ قبیلہ ثقیف کے وفد میں (جو آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تھا) ایک شخص تھا جسے کوڑھ اور جذام کا مرض تھا۔ (وہ وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا تھا، مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کو جذام کا مرض ہے تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلا کر بیعت لینے کے بجائے) اس سے کہلا دیا کہ ہم نے تمہاری بیعت لے لی اس لئے واپس لوٹ جاؤ، ) چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے مصافحہ بھی نہیں کیا۔ یہ بھی روایت آتی ہے کہ جذامیوں کی طرف مستقل مت دیکھو۔ آگے بیان آرہا ہے جس سے ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا ہونی ممکن ہوگی (یعنی اس روایت میں جس میں آپ نے مرض کے متعدی ہونے کو ماننے سے انکار فرمایا ہے۔ اور ان روایتوں میں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جذامی آدمی سے مصافحہ بھی نہیں فرمایا۔ جذام کوڑھ کی وہ قسم ہے جس میں آدمی کا بدن گل جاتا ہے اور سفید داغوں سے مواد نکلتا رہتا ہے) اسی طرح آنے والے بیان سے اس روایت کا بھی ان دونوں سے جوڑ لگ جائے گا جس میں ذکر ہے کہ آپ نے ایک جذامی آدمی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ (کھانے کے) پیالے میں اپنا ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ اللہ عزوجل کا نام لے کر اور اس پر بھروسہ کرتے ہوئے کھاؤ۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عملی طور پر بھی ثابت کیا کہ آپ ﷺ چھوت کی بیماری پر یقین نہیں رکھتے)۔

قدیم عربوں کی شگون پرستی...... بنو لہب (جس کی فال نیک کا پچھلی سطروں میں ذکر آیا ہے) یعنی ل پر زبر اور ہ پر جزم کے ساتھ۔ یہ بنی آزر کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ پرندوں کو اڑا کر ان کے ذریعہ اور اس کے بغیر بھی

شگون لینے میں بہت مشہور تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ضرورت سے سفر میں جانے کا ارادہ کرتا تو وہ پرندوں کے پاس آتا اور انہیں ان کے گھونسلوں سے اڑاتا۔ اگر پرندہ دائیں جانب اڑ کر جاتا تو اس کو یہ لوگ "سانح" کہتے اور اس سے نیک شگون لیتے کہ سفر میں ضرورت پوری ہوگی۔ لیکن اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ کر جاتا تو یہ لوگ اس کو "بارح" کہتے اور ضرورت مند مسافر اپنا سفر ملتوی کر دیتا کہ بدشگونی ہوگئی اب کام پورا نہیں ہوگا۔

**شگون پرستی بے بنیاد**...... اسی تفصیل کے مطابق امام شافعیؒ نے اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے کہ "پرندوں کو ان کے گھونسلوں ہی میں رہنے دو۔" یعنی ان کو اڑا کر اچھا یا برا شگون مت لو کہ یہ باتیں بے اصل ہیں اور ان سے آدمی کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا،) چنانچہ سفیان ابن عینیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ پرندوں کی اڑان کے سلسلے میں عرب میں ایک خاص فن تھا جب ان میں سے کوئی شخص سفر میں جانے کا ارادہ کرتا تو وہ پرندوں کے گھونسلوں کی طرف آتا اور انہیں اڑاتا...... (اور پھر ان کی اڑان کی سمت وغیرہ سے سفر میں مقصد پورا ہوئے کا شگون لیتا)۔

**ایک ماہر شگون عرب**...... وائل ابن حجر سے روایت ہے۔ یہ پرندوں کی اڑان سے (مختلف قسم کے) شگون لینے میں بے حد ماہر تھا۔ یہ زیاد کے پاس کوفہ میں آیا تھا۔ یہ زیاد وہی ہے جس کو حضرت معاویہؓ نے اپنے والد ابوسفیان کی اولاد قرار دیا تھا۔ یہ زیاد اسی عبیداللہ ابن زیاد کا باپ ہے جس نے حضرت امام حسینؓ سے جنگ کی تھی۔ غرض اس زمانے میں کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ ابن شعبہ تھے (یہ وائل ابن حجر جب کوفہ سے زیاد کے پاس سے روانہ ہوا تو) اس نے دیکھا کہ ایک کوّا بول رہا ہے۔ وائل اسی وقت زیاد کے پاس واپس آیا اور اس سے کہا یہ کوّا تمہیں یہاں سے ایک بہتر جگہ کے لئے روانہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اسی روز حضرت معاویہؓ کا قاصد بصرہ میں زیاد کے پاس آگیا، زیاد نے حضرت معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے اس کو بصرہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ اس کے بارے میں روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ابوسفیان کی ناجائز اولاد تھا جو سُمیہؓ نامی طائف کی ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (تاریخ ابوالفداء جلد اول ص ۱۸۵)۔

**وفات نبوی اور شگون**...... (اسی شگون لینے کے فن کے سلسلے میں یہ روایت بھی ہے) کہا جاتا ہے کہ ابو ذویب ہذلی ایک شاعر تھا یہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ یہ ہذلی کہتا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بیمار ہیں۔ صبح کو منہ اندھیرے جبکہ سو رہا تھا مجھے ایک پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَعُیُونُنَا
تَذْرِی الدُّمُوعَ عَلَیْهِ بِالتَّسْجَامِ

ترجمہ : آنحضرت ﷺ وفات پاگئے ہیں اور ہماری آنکھیں آپ ﷺ کی یاد میں مسلسل آنسو بہا رہی ہیں۔

یہ کہتا ہے کہ میں فوراً گھبرا کر نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس وقت مجھے آسمان میں سوائے نحس ستارے کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے اس سے برا شگون لیا اور سمجھ گیا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیا یہاں تک کہ جنگل میں پہنچ گیا۔ یہاں میں نے ایک پرندے کو گھونسلے سے اڑا لیا اس (کی پرواز) نے مجھے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔ چنانچہ جب میں مدینہ میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کی آہ و بکا اور رونے کی آواز اس طرح آرہی ہے جیسے حاجیوں کے مجمع کا شور ہوتا ہے۔ میں نے ایک

شخص سے وجہ پوچھی تو مجھے بتلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے اور آپ کو چادر اڑھا کر آپ کے گھر والے وہاں سے ہٹ گئے ہیں۔ اسی ابو ہذیل کے یہ شعر ہیں

امن المنون وریبة تتوجع
وللدهر لیمس بمعتب من یجزع

ترجمہ: کیا تو موت اور اس کے خیال سے پریشان ہوتا ہے۔ زمانہ گھبرانے والے آدمی کو کوئی مہلت نہیں دیتا۔

واذا المنية انشبت اظفا رها
الفيت كل تميمة لاتنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو میں نے کسی تدبیر اور علاج کو کار گر ہوتے نہیں دیکھا۔

وتجلدى للمشامين اريهم
انى لريب الدهر لا اتضعضع

ترجمہ: میں نے بد خواہوں کو دکھلا دیا ہے کہ میں زمانے کے فریب کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔

والنفس راغبة اذا رغبتها
واذا ترد الى قليل تقنع

ترجمہ: نفس کو اگر تم زیادہ کی طرف راغب کر دو تو وہ راغب ہو جائے گا اور اگر اسے کم (مال و دولت) کی طرف پھیر دو تو وہ اسی پر قناعت کر لے گا۔

**شگون کا ایک دلچسپ واقعہ**...... پرندوں کی اڑان سے شگون لینے کے سلسلے میں بعض لوگوں نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی (جو فال لینے کے علم سے واقف تھا۔ قاضی ابوالحسین ازدی مالکیؒ کے گھر آیا، اتفاق سے اسی وقت اس گھر میں ایک درخت پر ایک کوّا آ کر بیٹھا۔ وہ کچھ دیر بولا اور پھر اڑ گیا۔ اس دیہاتی نے وہیں دوسرے لوگوں کی موجودگی میں قاضی ابوالحسین سے) کہا کہ یہ کوّا یوں کہہ رہا ہے کہ اس گھر کا مالک سات دن کے بعد مر جائے گا۔ یہ سن کر لوگ ایک دم بگڑ اٹھے اور دیہاتی کو ڈانٹنے پھٹکارنے لگے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا مگر ٹھیک سات دن کے بعد اس قاضی کا انتقال ہو گیا۔

**پرندوں سے شگون لینا شرک**...... شگون لینے اور پرندوں کو (اس مقصد سے) اڑانے کی اس حدیث میں ممانعت آئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بیٹھے رہنے دو یعنی انہیں اس مقصد سے مت اڑاؤ۔

ایک حدیث میں ہے کہ پرندوں کی اڑان سے شگون لینا شرک ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اپنی ضرورت کے پوری ہونے نہ ہونے کے متعلق پرندوں کی اڑان سے معلوم کیا، اس نے شرک کیا۔ یعنی جس نے اس اعتقاد کے ساتھ ایسا کیا کہ اس اڑان کا سفر پر اثر پڑتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کو پرندوں کی اڑان سے برا شگون معلوم ہو وہ یہ دعاء پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّاٰتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ یعنی اے اللہ! خوشگوار چیزیں ظاہر کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اور ناگوار چیزیں دور کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اور تیرے سوا کسی میں کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

ایک روایت میں (یہ دعا ذکر کی گئی) ہے:- اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا غَيْرُكَ یعنی اے اللہ سب پرندے تیرے ہی ہیں اور ساری بھلائیاں تیری ہی ہیں اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں ہے۔ یہ پڑھ کر اپنا کام شروع کرے (انشاء اللہ پورا ہوگا، پرندوں کی اڑان سے مقصد کا انجام معلوم کرنا بے اصل اور شرک ہے) ایک روایت میں ہے نہ تو چھوت کی بیماری کوئی چیز ہے، نہ پرندوں کی اڑان اور ہام یا ہامہ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور نہ صفر یعنی پیٹ کے کیڑے کوئی چیز ہیں (صفر کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

دعاء تحفظ...... ہام سے مراد یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے تو جب تک اس کے قاتل سے اس کا بدلہ نہ لیا جائے اس کا ایک پرندہ ظاہر ہوتا ہے جو اس مقتول کی قبر کے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ میرے قاتل کے خون سے میری پیاس بجھاؤ، میرے قاتل کے خون سے میری پیاس بجھاؤ۔ یہ پرندہ اس وقت تک یہی کہتا رہتا ہے جب تک کہ مقتول کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ اس کو عرب ہامہ بھی کہتے تھے۔ اور ہامّہ تشدید کے ساتھ جو ہے وہ سانپ بچھو اور ان جیسے دوسرے زہریلے کیڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پر دعاء پڑھتے تو یہ پڑھا کرتے تھے :۔

اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ یعنی میں تم دونوں کے اللہ کے کلموں کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تمام شیطانوں اور کیڑوں مکوڑوں سے اور ہر نظر بد سے۔ اس کے بعد آپ فرماتے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ پر یہی دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

لفظ صفر کے بارے میں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ زرد رنگ کا سانپ یا کیڑا ہے جس کے بارے میں عربوں کا خیال تھا کہ یہ آدمی کے پیٹ میں ہوتا ہے اور جب اس کو بھوک لگتی ہے تو پیٹ میں کاٹتا ہے۔ لفظ صفر کی یہی تشریح صحیح ہے جیسا کہ عام علماء نے بیان کی ہے۔ امام مسلم نے یہ تشریح حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں جس میں یہ لفظ آیا ہے اور اس طرح یہی تشریح بھروسہ کے قابل ہے۔

وقت ولادت نور کی شعاع...... ابن سعدؒ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب میری والدہ نے مجھے جنم دیا تو ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی والدہ نے کہا کہ ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ کے) ساتھ ساتھ ایک نور نکلا تھا جس سے مشرق سے لے کر مغرب تک روشنی پھیل گئی اور اس سے شام کے محلات اور اس کے بازار جگمگا اٹھے یہاں تک کہ مجھے بصریٰ میں چلنے والے اونٹوں کی گردنیں تک نظر آگئیں۔ خصائص صغریٰ میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جو ان سے نکلا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ اسی طرح تمام نبیوں کی مائیں دیکھتی ہیں۔

اس نور سے عالم میں جگمگاہٹ...... یہاں غالباً (دوسرے نبیوں کی ماؤں کے) دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ نور دیکھتی ہیں اس طرح نہیں کہ اس سے شام کے محلات جگمگا اٹھیں۔ جہاں تک شام کے محلات کا تعلق ہے تو ان سے مراد تمام ممالک ہیں۔ خاص طور پر بصریٰ ہی نہیں اور خاص طور پر بصریٰ کو ذکر کرنے سے غالباً مراد یہ ہے کہ وہاں نور سب سے زیادہ تھا۔ اسی لئے حضرت آمنہ نے یہ کہا کہ مجھے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں یا ممکن ہے یہ مراد ہو کہ ایک دفعہ انہوں نے خاص بصریٰ میں نور کا پہنچنا دیکھا ہو اور دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ وہاں سے بھی آگے تک پہنچا ہو۔ یہ قابل غور ہے۔

قصیدۂ عباس میں اس نور کا ذکر...... اسی نور کی طرف آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے اپنے اس قصیدے میں اشارہ کیا ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں اس وقت لکھا تھا جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک

سے (فتح حاصل کر کے) واپس تشریف لائے تھے۔ اس غزوے سے آنحضرت ﷺ کی واپسی پر حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دانتوں کو سلامت رکھے (یہ عرب کی ایک دعاء ہے) پھر حضرت عباسؓ نے قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَ تْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

ترجمہ: جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کے نور سے دنیا جگمگا اٹھی اور کنارے روشن ہو گئے

فَنَحْنُ فِيْ ذَالِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ وَسُبُلَ الرِّشَادِ نَخْتَرِقُ

ترجمہ: اور ہم اس نور اور روشنی میں سیدھے راستوں پر چل رہے ہیں

اسی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اشارہ کیا ہے

وَتَرَأَتْ قُصُوْرُ قَيْصَرِ بِالرُّوْمِ يَرَاهَا مِنْ دَارِهِ الْبَطْحَاءِ

ترجمہ: اور روم میں قیصر روم کے محلات دکھلا دیئے گئے جو بطحاء میں آپ کے گھر سے نظر آرہے تھے۔

یعنی بادشاہ روم کے محلات جو روم کے شہروں میں تھے وہ ان ہی آنکھوں سے نظر آنے لگے جو بطحا میں تھیں۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں یہ بات (یعنی رومی محلات کا نظر آنا) ظاہر ہے اس لئے کہ حضرت آمنہ نے یہ نور جاگنے کی حالت میں دیکھا تھا۔ ادھر شداد کی روایت کی ہوئی حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت آمنہ نے یہ نور خواب کی حالت میں دیکھا تھا (ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی بحث بھی گزر چکی ہے۔ اس مطابقت پیدا کرنے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیچھے گزر چکا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کی والدہ نے جب امام صاحبؒ ان کے پیٹ میں بصورت حمل تھے...... دیکھا کہ مشتری ستارہ اپنے مطلع میں نکلا اور مصر میں چمکا پھر ہر شہر پر اس کی شعاعیں پڑیں۔ خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ ان کے یعنی امام شافعیؒ کی والدہ کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ زبردست عالم ہوگا۔ ان کا علم پہل مصر میں اجالا کرے گا اور اس کے بعد وہ تمام شہروں کو روشن کرے گا۔

**بعد ولادت نبی کا کلام**...... علامہ سہیلیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ بولے اور فرمایا کہ میرے عظیم کے رب جلا کی قسم۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لانے کے بعد جو سب سے پہلا کلام آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھا۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کی بے حد تعریف ہے اور میں صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔

اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سب ہی کلموں کے ساتھ کلام فرمایا ہو۔ چنانچہ دوسری روایت میں جو اولیت ہے وہ اضافی ہے (یعنی ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد میں) جیسا کہ روایتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

**یوم ولادت**...... آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ یعنی رات کے وقت ہوئی یا دن کے وقت۔ اور اگر دن میں ہوئی تو دن کے کون سے وقت اور حصے میں ہوئی۔ اسی طرح پیدائش کے مہینے، سال اور جگہ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ بعض محققین نے لکھا ہے

کہ اس بارے میں (یعنی پیر کے دن میں) کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ جو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن پیدا ہوئے خدا کی قسم اس نے غلطی کی (یعنی ان بعض محققین کو یقینی طور پر یہ علم حاصل ہوا کہ آپ ﷺ پیر کے دن ہی پیدا ہوئے ہیں) چنانچہ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پیر کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا۔

وقت ولادت...... (آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت کے بارے میں) زبیر ابن بکار اور حافظ ابن عساکرؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کا وقت صبح سویرے یعنی طلوع فجر کے وقت تھا۔ اس بات کا ثبوت آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا یہ قول ہے کہ میرے یہاں رات اور صبح کے ملنے کے وقت ایک لڑکا پیدا ہوا۔

تاریخ ولادت...... حضرت سعید ابن میتب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دن کے وسط یعنی درمیان میں پیدا ہوئے اور اس وقت ربیع الاول کی گیارہ راتیں گزر چکی تھیں (یعنی ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی)...... اور آپ ﷺ کی پیدائش ربیع کی فصل کے زمانے میں ہوئی۔ کسی نے اپنے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

يَقُولُ لَنَا لِسَانُ الحَالِ مِنْهُ
وَقَوْلِ الحَقِّ يَعْذِبُ لِلسَّمِيْعِ

زبان حال ہمیں بتلا رہی ہے
اور سچی بات سننے والوں کو میٹھی لگتی ہے

فَوَجْهِي وَ الزَّمَانُ وَ شَهْرِ وَضْعِي
رَبِيْعٌ فِي رَبِيْعٍ فِي رَبِيْعٍ

میرا چہرہ اور میری پیدائش کا زمانہ اور میری پیدائش کا مہینہ چودھویں کے چاند کی طرح ہے فصل ربیع ہے میں ہے اور ربیع الاول ہے

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ اس پر (یعنی ربیع الاول کی بارھویں تاریخ پر) علماء کا اتفاق ہے اور اسی پر عمل ہے یعنی شہروں میں اور خاص طور پر مکے والوں کے آپ کی جائے پیدائش کی زیارت کے سلسلے میں اتفاق ہے یہ بھی روایت ہے کہ (آپ کی پیدائش) ربیع الاول کی دس تاریخ کو ہے اور اس کو درست قرار دیا گیا ہے۔ الخ۔

اس کو درست قرار دینے والے علامہ حافظ دمیاطیؒ ہیں۔

(اس دوسری روایت کو صحیح قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ) پہلی روایت (یعنی بارہویں تاریخ) میں ابن وحیہ نے اشکال کیا ہے کہ اس روایت کو ابن اسحاق نے بغیر سند (یعنی سلسلہ روایت کے) مقطوع انداز میں ذکر کیا ہے (یعنی اس کے راویوں کا سلسلہ اور ان کے نام وغیرہ ذکر نہیں کئے) اور یہ طریقہ درست نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ابن اسحاقؒ نے اس روایت کا سلسلہ (یعنی روایت کرنے والوں کے نام) ذکر بھی کئے ہوتے تو ان کی روایت کو قبول نہ کیا جاتا کیونکہ علماء نے ابن اسحاق پر نکتہ چینی کی ہے (یعنی ان کی نقل کی ہوئی روایتوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے) چنانچہ ابن مدینیؒ اور ابن معینؒ دونوں نے کہا ہے کہ ابن اسحاقؒ کی روایت کی ہوئی حدیثیں حجت اور دلیل نہیں بنائی جاسکتیں، نیز امام مالکؒ نے ان کو جھوٹا کہا ہے۔ (ابن اسحاق کو جھوٹا کہنے کے سلسلے میں) امام مالکؒ پر بھی نکتہ چینی اور تنقید کی گئی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ امام مالکؒ تک کسی ذریعہ سے یہ بات پہنچی کہ ابن اسحاقؒ نے کہا کہ مالکؒ کی بیان کی ہوئی حدیث میرے سامنے پیش کرو کیونکہ میں ان کی کمزوریوں کو جانتا ہوں (جب یہ بات امام مالکؒ کو معلوم ہوئی) تو انہوں نے کہا کہ خود ابن اسحاق کا کیا معاملہ ہے وہ دجالوں میں سے ایک

ہے جسے ہم نے مدینے سے نکال دیا تھا۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ ان حضرات میں سے ہیں جن سے شیخ مالک یحییٰ ابن سعید نے روایتیں نقل کی ہیں۔ کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ ایک معتبر فقیہہ ہیں مگر وہ مُدلّس ہیں (مُدلّس اس محدّث کو کہتے ہیں جو حدیث بیان کرتے ہوئے اس راوی کا نام نہ ذکر کرکے جس سے اس نے خود وہ حدیث سنی ہے بلکہ اس سے پہلے یا اور اوپر کے راوی کا نام بتلائے مگر اس طرح کے لفظوں سے ذکر کرے گویا اس نے اس راوی سے خود یہ حدیث سنی ہے)۔

<u>تاریخ پیدائش پر دوسری روایات</u>...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ ربیع الاول کی سترہ تاریخ کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت آٹھویں ربیع الاول کی بھی ہے۔ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت (یعنی آٹھویں تاریخ کی) ہی صحیح ہے دوسری کوئی صحیح نہیں ہے اور تمام مؤرخین اسی روایت پر متفق ہے۔ علامہ قطب قسطلانی (اسی روایت کے متعلق) کہتے ہیں کہ اکثر محدّثین نے اسی پر اتفاق کیا ہے...... مثلاً حمیدیؒ اور ان کے استاذ ابن حزمؒ نے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ علامہ عبدالبر نے اسی روایت کو سب سے زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ربیع الاول کی اٹھارہ تاریخ تھی۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے ذکر کی ہے مگر یہ حدیث معلول یعنی کمزور ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بارہ دن ربیع الاول کے باقی تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رمضان کی بارہ تاریخ تھی اور ایک قول ہے کہ رمضان کی آٹھ تاریخ تھی۔ اس روایت (یعنی آٹھویں رمضان کو بہت سے علماء نے درست قرار دیا ہے۔ یہ قول اس روایت کے مطابق ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ جنابہ آمنہ کے شکم مبارک میں بصورت حمل ایام تشریق (یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ سے تیرہویں تک) میں یا یوم عاشوراء (یعنی محرم کی دسویں تاریخ میں تشریف لائے اور آپ پورے نو مہینے والدہ کے پیٹ میں رہے۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ روایت بہت زیادہ غریب ہے۔ (حدیث غریب کی تعریف پہلی قسط میں گزر چکی ہے) اس روایت کو ماننے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر رمضان کے ہی مہینے میں وحی نازل ہوئی تھی اس لئے آپ کی پیدائش اسی مہینے میں مانی جائے گی۔ نیز اس بنیاد پر کہ حضرت آمنہ کے حمل میں آنحضرت ﷺ ایام تشریق میں وارد ہوئے۔ دوسری تمام روایتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

<u>مشہور قول پر ربیع الاول میں ولادت</u>...... علامہ شامیؒ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صفر کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ربیع الثانی میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق محرّم میں اور ایک قول کے مطابق دسویں محرم کو ولادت ہوئی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ دسویں محرّم کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ محرّم کی پچیس تاریخ کو پیدا ہوئے الخ...... علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول یعنی دس محرّم کی پیدائش اس روایت کے مطابق نہیں ہوگا جس میں ہے کہ حضرت آمنہ نے ایام تشریق میں آنحضرت ﷺ کو حمل میں لیا اور یہ کہ آپ ﷺ پورے نو مہینے اپنی والدہ کے پیٹ میں رہے (کیونکہ ایام تشریق یعنی ذی الحجہ کی نویں سے تیرہویں تاریخ تک کے دوران حمل ہوا تو محرم کی دس تاریخ تک صرف ایک مہینہ بنتا ہے اور اگر اگلا محرّم مراد لیا جائے تو تیرہ مہینے بنتے ہیں جبکہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پورے نو مہینے حمل کی صورت میں رہے مگر اسی طرح کا اشکال دوسرے اقوال میں بھی پیدا ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں) یہ بہتان یعنی جھوٹ صرف اسی قول (یعنی دسویں محرّم کو پیدائش ماننے) پر ہی نہیں پڑتا بلکہ دوسرے اقوال اور واقعوں کو ماننے کی صورت میں بھی پیدا ہوتا

ہے مثلاً رمضان کے مہینے میں پیدائش ماننے پر بھی یہی اشکال ہوتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ بعض علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حمل رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ اس کو ماننے کی صورت میں یہ مشہور قول درست ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی (کیونکہ اس طرح سے ربیع الاول تک نو مہینے ہو جاتے ہیں)۔

ماہ ربیع الاول اور پیر کا دن...... جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دن میں بھی اختلاف ہے اس لئے اس سلسلے میں لکھتے ہیں) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے میں پیدا ہوئے اور آپ کو ربیع الاول کے ہی مہینے میں پیر کے دن ہی نبوت ملی، اور آپ نے پیر کے ہی دن ربیع الاول کے ہی مہینے میں مدینے کو ہجرت فرمائی اور پیر کے دن ربیع الاول کے ہی مہینے میں آپ پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی اور پیر کے ہی دن ربیع الاول کے ہی مہینے میں آپ کی وفات ہوئی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت بہت زیادہ غریب ہے۔

بوقت شب ولادت کا قول کمزور...ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش دن کے وقت میں نہیں ہوئی بلکہ رات میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ ابن ابوالعاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رات کے وقت جب آنحضرت ﷺ کی والدت ہوئی تو وہ وہاں موجود تھیں اور کہتی تھیں کہ میں گھر میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتی تھی تو نور ہی نور اور روشنی ہی روشنی نظر آتی تھی۔ میں ستاروں کو دیکھتی تھی کہ وہ قریب آتے جارہے ہیں (یعنی نیچے گرتے آرہے ہیں) یہاں تک کہ میں کہتی تھی کہ وہ مجھ پر آگریں گے۔ ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقطوع ہے (حدیث مقطوع کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے)۔

علماء میں سے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ یہ روایت کہ آپ ﷺ رات کے وقت پیدا ہوئے، میرے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کا ایک قول ہے جو ثابت ہے اور معتبر راویوں کے ذریعہ پہنچا ہے کہ آپ ﷺ سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا تھا (اس لئے اس دن کے روزے کی فضیلت ہے) اور یوم دن کو کہتے ہیں جیسا کہ (یوم کا لفظ دن کے لئے) قرآن پاک میں استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ روزہ دن میں ہی ہوتا ہے (اس لئے روزے کے متعلق سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں اسی دن میں پیدا ہوا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش رات کے وقت نہیں بلکہ دن کے وقت ہوئی تھی)۔ علامہ بدر زرکشی کہتے ہیں کہ عثمان ابن ابوالعاص کا پیچھے گزرنے والا قول اگر درست مان بھی لیا جائے تو اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ رات کے وقت پیدا ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب نبوت کا زمانہ ہوتا ہے تو اس میں عجیب و غریب واقعات پیش آیا کرتے ہیں چنانچہ یہ تک ممکن ہے کہ دن کے وقت میں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں۔ چہ جائے کہ یہ کہا جائے کہ ٹوٹنے کے قریب ہو گئے تھے خاص طور پر اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ولادت فجر کے وقت کے قریب ہوئی کیونکہ یہ وقت رات سے ملا ہوا ہوتا ہے یعنی نبوت کے زمانے میں عجیب عجیب واقعات ظہور میں آیا کرتے ہیں اور ستاروں کا ٹوٹ کر گرتے ہوئے معلوم ہونا تو بعد کی بات ہے اس زمانے میں یہ تک ممکن ہے کہ ستارے دن کے وقت میں ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں۔ دوسرے یہ کہ اگر فجر یعنی تڑکے کا وقت مان لیا جائے تو اس میں اشکال کی بات ہی نہیں رہ جاتی کیونکہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں صبح کے ستارے موجود ہوتے ہیں

مگر یہ رات کا وقت نہیں ہوتا، اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی روایت میں جس میں لفظ رات کا ذکر نہیں ہے یہی وقت مراد ہو)۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت میں جو اختلاف اور تردد ہے کہ آیا رات کے وقت ہوئی یا دن کے وقت ہوئی اس کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے

لَیْلَۃُ الْمَوْلِدِ الَّذِیْ کَانَ لِلدِّیْنِ سُرُوْرٌ بِیَوْمِہٖ وَازْدِھَاءُ

ترجمہ : آپ ﷺ کی پیدائش کی رات (یعنی پیدائش) جو دین اسلام کے لئے خوشی و مسرت تھی اور اس دن میں سرور و شادمانی تھی۔

فَھَنِیْئًا بِہٖ لِاٰ مِنَۃَ الْفَضْلُ الَّذِیْ شَرُفَتْ بِہٖ حَوَّاءُ

پس مبارکباد ہے حضرت آمنہ کے لئے اس عظیم فضیلت پر جو ان کو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے حاصل ہوئی ایسی فضیلت جو حضرت حواء کو بھی حاصل ہوئی (کیونکہ وہ تمام انسانوں کی ماں ہیں اس لئے یہ فضیلت ان کو بھی حاصل ہے اور حضرت آمنہ کو بھی)۔

مِنْ لِحَوَّاءِ اَنَّھَا حَمَلَتْ اَحْمَدُ اَوْ اَنَّھَا بِہٖ نَفَسَاءُ

مگر حضرت حواء کے لئے یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے حمل میں آئے اور ان کو آپ کی ولادت سے نفاس (یعنی ولادت کے بعد) کا خون آیا۔

یَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِہٖ اِبْنَۃُ وَھَبٍ مِنْ فَخَارٍ مَالَمْ تَنَلْہُ النِّسَاءُ

وہ شرف اور اعزاز جو حضرت آمنہ کو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے حاصل ہوا ایسا ہے جو دوسری کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

**شب میں ولادت کے دلائل**...... یعنی وہ رات جس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اس کا دن مذہب اسلام کے لئے زبردست خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ چونکہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ولادت دن میں ہوئی یا رات میں اس لئے شاعر نے دن اور رات دونوں کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی وجہ سے حضرت آمنہ کو جو اعزاز اور شرف حاصل ہوا اس پر حضرت آمنہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اور اس اعزاز اور شرف میں کوئی تکلیف اور مشقت نہیں ہوئی۔ یہ شرف حضرت حواء کو بھی حاصل ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی ماں کہلانے کا) اس لئے کہ وہ تمام انسانوں کی ماں ہیں۔ مگر حضرت حواء کو یہ اعزاز کہاں حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پیٹ میں رہے ہوں اور اس ولادت کے بعد انہیں نفاس کا خون آیا ہو جیسا کہ حضرت آمنہ کو اس دن یہ فخر و شرف حاصل ہوا جس دن انہوں نے آنحضرت ﷺ کو جنم دیا۔ کیونکہ یہ وہ عظیم خصوصیت اور زبردست اعزاز ہے جو دنیا کی کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات کی قسم کھائی ہے۔

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ الخ

ترجمہ : قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس رات سے (جس کی قسم کھائی ہے) اللہ تعالیٰ نے شب معراج مراد لی ہے۔ مگر یہ ماننے میں بھی کوئی حرج نہیں پیدا ہوتا کہ دونوں راتوں کی قسم کھائی گئی ہو (یعنی لفظ رات کو دونوں راتوں کے لئے

استعمال کیا گیا ہو۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت رات کے وقت ہونے کے ثبوت میں ایک یہودی کا قول بھی ہے (یہ ایک عالم آدمی تھا) جس نے آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا (جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس کی صبح میں) اس یہودی عالم نے قریش سے پوچھا کہ کیا آج رات تم میں سے کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے؟ قریش نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا کہ آج رات آخری امت کے نبی پیدا ہو گئے ہیں الخ (یہ روایت مکمل طور پر آگے آرہی ہے) نیز آگے وہ بیان بھی آئے گا جس سے اس پیشین گوئی کی بنیاد بھی معلوم ہوگی۔ وہ بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو (عرب کے عام دستور کے مطابق پیدائش کے فوراً بعد) ایک برتن سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ (اس کی تفصیلات اگلے صفحوں میں ذکر ہو رہی ہیں)۔

سن پیدائش...... (جہاں تک آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے سال کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ) آپ کی پیدائش عام فیل میں ہوئی ہے (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، عام فیل سے مراد وہ سال ہے جس میں ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف پر حملہ کیا تھا۔ عربی میں عام، سال کو کہتے ہیں اور فیل ہاتھی کو، چنانچہ عام فیل یعنی ہاتھیوں والے سال سے مراد یہی اہم واقعہ ہے۔ اس سے عرب تاریخوں کا حساب کرنے لگے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کا حساب بھی اسی سال سے لگایا جاتا ہے) ایک روایت یہ بھی ہے کہ (آپ ﷺ کی پیدائش) خاص ہاتھیوں والے دن میں ہوئی تھی (یعنی اسی روز جس دن کہ ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا تھا) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہاتھیوں والے دن میں پیدا ہوئے تھے۔

ولادت عام فیل میں یا یوم فیل میں...... حضرت قیس ابن مخزمہؓ سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھیوں والے دن میں چاشت کے وقت پیدا ہوئے تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ کے ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ لفظ دن کے بجائے لفظ سال درست ہے (یعنی ہاتھیوں والے دن کے بجائے ہاتھیوں والا سال) کبھی کبھی دن کے لفظ سے مطلق وقت اور زمانہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت اس کے معنی سال کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ یوم فتح (یعنی فتح مکہ کا سال یا زمانہ) اور یوم بدر (یعنی غزوۂ بدر کا سال یا زمانہ) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح "ہم دونوں ایک ساتھ کے ہیں" کے معنی ہوں گے کہ ہم دونوں عمر میں متقاربان (ب کے ساتھ) ہیں۔ (یعنی قریب قریب عمروں کے ہیں بالکل ایک عمر مراد نہیں ہوگی) لیکن اگر ایک ساتھ کے ہونے کے حقیقی معنے مراد لئے جائیں (یعنی ہم دونوں بالکل ایک عمر کے ہیں) تو مطلب ہوگا کہ ہم دونوں عمر میں متقارنان (نون کے ساتھ) ہیں (یعنی بالکل ایک اور برابر عمر کے ہیں) مگر تاریخ ابن حبان میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ عام فیل میں اس دن پیدا ہوئے جس دن اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل (یعنی ابرہہ کے لشکر) پر ابابیل پرندوں کو (لشکر کی تباہی کے لئے بھیجا۔ ابن سعد کے نزدیک آپ ﷺ کی پیدائش یوم فیل یعنی عام فیل میں ہوئی الخ۔ یوم فیل سے اسی قاعدے کے تحت عام فیل (یعنی سال) مراد لیا گیا ہے جس کے متعلق علامہ ابن حجرؒ کا قول پیچھے گزرا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ابن حبان کا جو قول یوم فیل (یعنی دن) کے متعلق گزرا ہے۔ اس کا مطلب دن کے بجائے مطلق وقت اور زمانہ لیا جائے گا جس سے وہ قول بھی (اس دن کے بجائے اس) سال پر صادق آجائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش عام فیل کے پچاس دن بعد ہوئی (یعنی وہ سال ختم ہونے کے پچاس دن بعد ہوئی)۔ اس تحقیق کو بہت سے مؤرخین نے تسلیم کیا ہے جن میں علامہ سہیلیؒ بھی ہیں۔ بعض علماء نے اس قول کو مشہور

قول کہا ہے۔

پھر علامہ شامیؒ کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پچپن دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ واقعۂ فیل کے چالیس دن بعد ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ماہ بعد، ایک میں ہے کہ دس سال بعد۔ ایک میں ہے کہ تیئس سال بعد۔ ایک میں تیس سال بعد۔ ایک میں چالیس سال بعد۔ اور ایک میں ہے کہ ستر سال بعد ولادت ہوئی۔ الخ۔ (مگر یہ سب کمزور قول ہیں)۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت واقعۂ فیل کے پچپن دن بعد ہوئی تو اس کو صرف حافظ دمیاطیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں کتاب مواہب کی عبارت کو علامہ دمیاطیؒ نے اپنی کتاب آخرین میں نقل کیا ہے جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ واقعۂ فیل کے سال میں پیدا ہوئے اس کو علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ اکثر علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ امام بخاریؒ کے استاذ علامہ ابراہیم ابن منذر نے کہا ہے کہ اس قول کے درست ہونے کے متعلق علماء میں سے کسی کو بھی شک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے حضرت نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ ان حضرات نے لکھا ہے کہ اس کے خلاف جتنے بھی دوسرے قول ہیں وہ سب وہم ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے آپ ﷺ کی ولادت واقعہ فیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ قول غریب اور غیر معتبر ہے، نیز بہت کمزور ہے۔

نور نبوت اور شاہ ابرہہ...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اب یہ تین قول ہوئے کہ آنحضرت ﷺ واقعہ فیل کے دن میں پیدا ہوئے یا اسی سال میں پیدا ہوئے یا یہ کہ واقعہ فیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ ان تینوں اقوال سے حافظ ابو سعید نیشاپوریؒ کی وہ روایت کمزور ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نور آپ کے دادا عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ (یہ روایت اس لئے کمزور ہو جاتی ہے کہ نور نبوت عبدالمطلب میں سے نکل کر حضرت عبداللہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس لئے واقعہ فیل کے زمانے میں یا اس کے دس سال بعد اگر آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے تو یقیناً اس سے بہت پہلے آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی پیدائش بلکہ حمل کے وقت نور نبوت عبدالمطلب میں سے نکل کر حضرت عبداللہ میں آچکا تھا اور پھر ان کی شادی کے بعد حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا جو آپ کی ولادت تک ان میں رہا۔ چنانچہ اس کے بعد یہ روایت کمزور ہو جاتی ہے جو آگے آرہی ہے کہ ابرہہ کے حملے کے وقت نور نبوت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا) اور یہ کہ جب قریش خشک سالی اور قحط میں مبتلا ہوتے تو وہ عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر ثبیر پہاڑ پر لے جاتے اور ان کے واسطے سے پانی اور بارش کی دعا مانگتے اور اللہ تعالیٰ اس نور کی برکت سے) انہیں پانی سے سیراب کر دیتا۔ اسی طرح وہ واقعہ کہ ابراہہ نے مکے پر چڑھائی کی تاکہ کعبے کو ڈھادے اور اس کنیسہ یعنی عبادت گاہ کو کعبے کی جگہ دے جو اس نے بنوائی تھی تاکہ لوگ (کعبہ کے بجائے) اس کنیسہ کا حج کیا کریں۔ یہ کنیسہ ایک بہت بلند اور عظیم الشان عمارت تھی۔ ابرہہ نے اس کنیسہ یعنی عبادت گاہ کو سجانے اور آراستہ کرانے میں خاص توجہ کی تھی۔ اس نے اس میں سفید سنگ مرمر اور سونے کے کام والے نقشین پتھر لگوائے تھے۔ ابرہہ نے یہ پتھر حضرت سلیمانؑ کی بیوی بلقیس کے محل میں سے حاصل کئے تھے۔ اس کنیسہ میں ابرہہ نے سونے چاندی کے ستون لگوائے اور بہترین سال اور آبنوسی لکڑیوں کے منبر بنوائے تھے۔ اس کام کے سلسلے میں ابرہہ نے جو مستری، کاریگر اور دوسرے لوگ لگائے ان سے کام

لینے کے۔لئے ان پر اس نے بڑی سختیاں اور ظلم کئے (انہیں حکم تھا کہ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے سب لوگ اپنا اپنا کام شروع کر دیا کریں) اگر کسی شخص کو کام پر پہنچنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ سورج نکل آیا تو ابرہہ فوراً اس شخص کا ہاتھ کٹوا دیتا تھا۔ایک مرتبہ ان کاریگروں میں سے ایک شخص سو گیا یہاں تک کہ سورج نکل آیا (جب آنکھ کھلی تو وہ شخص سزا کے ڈر سے سخت گھبرا گیا۔اسی وجہ سے (اس شخص کی بوڑھی ماں بھی اس کے ساتھ ابرہہ کے پاس آئی اور بہت گڑگڑا کر اس نے ابرہہ سے درخواست کی کہ ان کے بیٹے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔مگر ابرہہ نے اس عورت کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا آخر اس بڑھیا کو غصہ آ گیا اور) اس نے کہا کہ آج تو تو اپنی کدال سے میرے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے اس لئے کہ آج تو بادشاہ ہے مگر کل کوئی دوسرا شخص تیری جگہ ہو گا۔ابرہہ نے یہ سن کر کہا کہ بدتمیز کیا بکتی ہے۔بڑھیا نے کہا کہ ہاں یہ سلطنت تیرے ہاتھ سے اسی طرح نکل کر دوسرے کے پاس پہنچ جائے گی جس طرح کسی دوسرے کے پاس سے نکل کر تیرے پاس آئی ہے۔بڑھیا کی اس بات کا ابرہہ کے دل پر اثر ہوا اور اس نے اس کے بیٹے کو معاف کر دیا اور پھر اس سزا کو ہی ختم کر دیا۔

**نور نبوت سے فتح کی بشارت**...... (غرض جب ابرہہ نے مکے پر چڑھائی کی تو) عبدالمطلب قریش کو ساتھ لے کر ثبیر پہاڑ پر گئے۔اس وقت یہ نور نبوت عبدالمطلب کے چہرے میں ابتدائی مہینے کے چاند کی طرح چمکنے لگا اور اس کی شعاعیں بیت اللہ شریف پر مشعل کی روشنی کی طرح پڑ رہی تھیں جب عبدالمطلب نے یہ دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"قریش کے لوگ! واپس لوٹ چلو۔اس معاملے سے تمہارا پیچھا چھوٹ گیا۔خدا کی قسم! مجھ سے یہ نور نکل کر اسی لئے چکر لگا رہا ہے کہ ہماری فتح ہو گی"۔

اس کے بعد یہ سب وہاں سے واپس لوٹے۔

**ابرہہ کا قاصد اور اس نور کی ہیبت**...... اس کے بعد جب ابراہہ کا قاصد مکے میں آیا اور اس کی نظر عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو اس پر ایک گھبراہٹ طاری ہو گئی اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی، آخر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔اور اس کے منہ سے اس طرح کی آوازیں نکلنے لگیں جس طرح بیل ذبح ہونے کے وقت چیختا کرتا ہے۔اس کے بعد جب اس کے اوسان کچھ ٹھیک ہوئے تو وہ فوراً عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا۔

ابرہہ نے اس قاصد کو حکم دیا تھا کہ وہ قریش سے یہ کہے کہ بادشاہ ابرہہ بیت اللہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہے اگر تم لوگ اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالو گے تو وہ صرف بیت اللہ کو ڈھا کر چلا جائے گا (تمہیں کچھ نہیں کہے گا) لیکن اگر تم نے بیت اللہ کے ڈھانے میں رکاوٹ ڈالی تو ابرہہ تمہیں بھی نہیں بخشے گا۔

**ابرہہ کو عبدالمطلب کا سادہ جواب**...... (ابرہہ کا یہ پیغام سن کر) عبدالمطلب نے کہا:۔

"ہمارے پاس تمہیں روکنے کی کوئی طاقت نہیں ہے اس لئے ہم بیت اللہ کا کوئی بچاؤ اور دفاع نہیں کریں گے۔بیت اللہ کا رب موجود ہے وہ اگر چاہے گا تو خود اس کا بچاؤ کر لے گا"۔

ایک روایت میں ہے کہ عبدالمطلب نے کہا:۔

"خدا کی قسم! ہم ابرہہ سے جنگ کرنا نہیں چاہتے نہ ہی جنگ کرنے کے لئے ہمارے پاس طاقت ہے، یہ اللہ تعالٰی کا اور اس کے دوست حضرت ابراہیمؑ کا مقدس گھر ہے۔اگر اللہ تعالٰی ابرہہ سے اس کا بچاؤ کرتا ہے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر وہ ہی بچاؤ نہیں کرتا تو خدا کی قسم ہمارے پاس اس کے بچاؤ کے لئے کوئی طاقت نہیں

ہے۔"

**عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے قبضہ میں**...... ابرہہ نے (جو مکے کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا) اپنے قاصد کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ قوم قریش کے سردار کو اس کے پاس لے کر آئے۔ چنانچہ قاصد نے عبدالمطلب سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس کے پاس لے کر جاؤں۔ عبدالمطلب نے (جو قریش کے سردار تھے) کہا کہ چلو۔ اسی وقت عبدالمطلب کے پاس ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کا چرواہا آیا اور اس نے عبدالمطلب کو بتلایا کہ آپ کے جو اونٹ گھوڑے ذی المجاز کے مقام پر چر رہے تھے ان کو ابرہہ کے لشکر کے لوگ پکڑ کر لے گئے۔

سیرت ابن ہشام بلکہ سیرت کی اکثر کتابوں میں (عبدالمطلب کے) صرف اونٹوں کا ذکر ہے (گھوڑوں کا ذکر نہیں ہے) یہ اونٹ کل ملا کر دو سو تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ چار سو تھے۔ غرض عبدالمطلب قاصد کے ساتھ سوار ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچے ان کے ساتھ ان کا بیٹا حارث بھی تھا (پڑاؤ میں پہنچ کر) ان کو ابرہہ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت لی گئی۔ اور اس سے کہا گیا کہ "جہاں پناہ! قریش کا سردار آپ کے دروازے پر موجود ہے اور پیشی کی اجازت چاہتا ہے۔ وہ مکے کے چشمے یعنی زمزم کا مالک ہے اور پہاڑوں میں رہنے والے چرند پرند کے گوشت سے لوگوں کی تواضع کرتا ہے۔"

ابرہہ نے عبدالمطلب کو پیش ہونے کی اجازت دی۔ جب عبدالمطلب آئے اور ابرہہ نے ان کو دیکھا تو ان کے ساتھ نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔

**سردار قریش کے لئے ابرہہ کا اعزاز**...... ابرہہ نے (جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا) یہ پسند نہیں کیا کہ عبدالمطلب کو اپنے سے نیچے بٹھائے۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوا کہ لوگ عبدالمطلب کو بادشاہ کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھیں۔ اس لئے وہ خود ہی تخت سے نیچے اتر آیا اور عبدالمطلب کے ساتھ نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔

**عبدالمطلب کو اپنے اونٹوں کی فکر**...... پھر اس نے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو ان کا مقصد کیا ہے؟ عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے متعلق ذکر کیا (جنہیں ابرہہ کے لشکر والے پکڑ لائے تھے) ترجمان نے یہ بات بادشاہ کو بتلائی۔ ابرہہ نے حبشی زبان میں ترجمان سے کہا:۔

"میں نے جب تمہیں دیکھا تو تم مجھے بہت بھلے آدمی معلوم ہوئے مگر اب تمہاری قدر میری نظروں میں کم ہو گئی کہ تم اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی بات کر رہے ہو اور اس بیت اللہ کا ذکر تک نہیں کرتے جو تمہاری عزت و شان ہے!"

**کعبہ کا مالک و محافظ اللہ ہے**...... ترجمان نے یہ ساری بات عبدالمطلب کو بتلائی۔ تو عبدالمطلب نے جواب دیا۔

"ان اونٹوں اور گھوڑوں کا میں خود مالک ہوں جن کے متعلق میں نے بادشاہ سلامت سے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک بیت اللہ کا تعلق ہے تو اس کا اپنا رب اور مالک موجود ہے وہ اگر چاہے گا تو بادشاہ کو خود ہی اپنے گھر سے دور کر دے گا۔"

ابرہہ نے کہا کہ وہ مجھے اس سے یعنی بیت اللہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ وہ بیت اللہ کو بھی بے مدد کے نہیں چھوڑے گا۔

نور نبوت کو ہاتھیوں کا سلام...... اس کے بعد عبد المطلب وہاں سے لوٹ آئے، حبشی زبان میں ابرہہ سفید چہرے والے کو کہتے ہیں۔ واپسی میں جب ہاتھیوں نے عبد المطلب کے چہرے کی طرف دیکھا (تو نور نبوت کے آثار دیکھ کر) وہ ایک دم اونٹوں کی طرح چاروں ٹانگوں پر بیٹھ گئے اور عبد المطلب کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان ہاتھیوں کو بولنے کی قوت دے دی اور انہوں نے کہا:۔

"اے عبد المطلب! اس نور پر سلام ہو جو تمہاری پیٹھ (یعنی صلب) میں روشن ہے۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ عبد المطلب اس کے پاس آرہے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ عبد المطلب کو اس کے پاس لانے سے پہلے ہاتھیوں کی طرف لے جایا جائے تاکہ وہ ان زبردست ہاتھیوں کو دیکھیں جو سب سفید رنگ کے تھے (اور ان پر رعب پڑے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ چین کے بادشاہ کے اصطبل میں ایک ہزار سفید ہاتھی تھے، اسی طرح ابو عبید ابن مسعود ثقفی (جو ایک جنگ میں مسلمانوں کے امیر تھے اور) جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں مسلم فوج کی کمان کی ان کے دشمن کی فوج میں گھوڑوں کے علاوہ بہت سے ہاتھی بھی تھے جن کے گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ دشمن کے ان ہاتھیوں کے بیچ میں ایک بہت بڑا سفید ہاتھی تھا۔ مسلمان گھوڑے سوار دستہ جب بھی دشمن پر حملہ کرتا تھا تو گھوڑے، ہاتھیوں کی گھنٹیوں کے شور سے گھبرا کر بھڑک جاتے۔ آخر ابو عبید نے مسلمان لشکر کو حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے ہاتھیوں ہی کو قتل کریں۔ چنانچہ مجاہدین نے ہاتھیوں کا صفایا کر دیا۔ ابو عبیدؓ خود اس بڑے سفید ہاتھی کی طرف بڑھے اور تلوار سے اس پر حملہ کر کے اس کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی نے ایک بھیانک چنگھاڑ کے ساتھ ابو عبید پر حملہ کیا اور ان کو اپنے پیروں سے روند کر شہید کر دیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے ہاتھی پر حملہ کیا۔ یہ وہ شخص تھے جن کو ابو عبید ثقفی نے وصیت کی تھی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو لشکر کی کمان تم سنبھال لینا۔ انہوں نے اس ہاتھی پر حملہ کیا تو ہاتھی نے ان کو بھی مار ڈالا یہاں تک کہ اسی طرح اس ہاتھی نے قبیلہ ثقیف کے سات آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کے متعلق ابو عبید پہلے ہی نمبر وار اس کی نشان دہی کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ انتہائی عجیب اتفاقات میں سے ایک واقعہ ہے (کہ جن جن لوگوں کو ابو عبید ثقفی نے وصیت کی تھی کہ میں قتل ہو جاؤں تو فلاں شخص لشکر کا امیر بنے اور فلاں کے قتل ہونے کے بعد فلاں کمان سنبھالے۔ وہ سب یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے شہید ہوئے)۔

ہاتھیوں کی سلامی سے ابرہہ کو گھبراہٹ...... ابرہہ نے عبد المطلب کو اپنے ہاتھی اس لئے دکھلائے تھے کہ وہ اس کی طاقت سے خوف زدہ اور مرعوب ہو جائیں کیونکہ عرب ہاتھیوں کو نہیں جانتے تھے (اور نہ انہوں نے اس جانور کو دیکھا تھا کیونکہ یہ عرب میں نہیں پایا جاتا) یہ جتنے بھی ہاتھی تھے سب کے سب سوائے بڑے ہاتھی کے ابرہہ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ بڑا ہاتھی جو علاوہ صرف نجاشی بادشاہ حبشہ کو سجدہ کیا کرتا تھا (کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ہی تھا ابرہہ اس کا گورنر تھا) مگر جب عبد المطلب ہاتھیوں کے پاس پہنچے تو تمام ہاتھیوں نے ان کو (نور نبوت کی وجہ سے) سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ اس بڑے ہاتھی نے بھی سجدہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابرہہ ہمیشہ صرف بڑے ہاتھی پر ہی سوار ہو کر نکلتا تھا۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ ہاتھیوں نے عبد المطلب کو سجدہ کیا ہے تو اس نے اپنے حق میں بدشگونی سمجھا اور حکم دیا کہ عبد المطلب کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ (یعنی ابرہہ کو یہ بات عبد المطلب سے ملنے سے پہلے معلوم ہوئی تھی کہ ہاتھیوں نے ان کو دیکھ کر سجدہ کیا ہے چنانچہ یہ بات معلوم

ہونے پر ہی اس نے عبدالمطلب سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا) جب ابرہہ نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اس کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی اور وہ ان کے احترام میں فوراً اپنے تخت سے نیچے اتر آیا۔

(اس سلسلے میں مؤلف نے علامہ حافظ نیشاپوریؒ کا قول نقل کیا تھا کہ جب ابرہہ نے مکے پر چڑھائی کی تھی تو عبدالمطلب قریش کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر چلے گئے تھے اور نور نبوت ان کی پیشانی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا وغیرہ۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ جب کہ حضرت عبداللہ پیدا ہو چکے تھے اور روایت کے مطابق نور نبوت عبدالمطلب سے نکل کر ان میں جا چکا تھا تو اس قول کا کیا مطلب ہوگا۔ اس سلسلے میں علامہ ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں کہ) یہ روایت جس میں حافظ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی پیشانی سے نور نبوت چاند کی صورت میں چمکتا تھا وغیرہ۔ اور دوسری روایت یہ کہ عبدالمطلب کو دیکھ کر ہاتھوں نے کہا کہ عبدالمطلب تمھاری پیٹھ میں جو نور روشن ہے اس پر سلام ہو۔ حالانکہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے یہ بات لازم آتی ہے کہ نور نبوت عبدالمطلب میں سے نکل کر حضرت عبداللہ میں منتقل ہو چکا ہوگا اور پھر حضرت عبداللہ میں سے نکل کر حضرت آمنہ میں چلا گیا ہوگا۔

اس سلسلے میں میں نے شرح ہمزیہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجرؒ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ نور عبدالمطلب میں سے منتقل ہو چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو یہ اعزاز دیا کہ یہ نور ان کی پیٹھ اور ان کے چہرے میں پھر موجود ہو گیا اور اس طرح ہاتھیوں کو یہ نظر آگیا۔ یہاں تک حافظ ابن حجرؒ کا کلام ہے مگر یہ قابل غور ہے۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ اتنا بڑا اور لحیم شحیم جانور ہونے کے باوجود ہاتھی کی آواز بہت کمزور ہوتی ہے اور وہ بلی سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔

واقعہ فیل ولادت نبوی کی تمہید تھا...... کتاب مواہب میں یہ لکھا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ واقعۂ فیل کے بعد پیدا ہوئے، کیونکہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت کی تمہید اور آپ ﷺ کے ظہور (یعنی پیدائش) کی علامت تھی۔ یہاں تک مواہب کی عبارت ہے (یعنی نبوت کا زمانہ جب قریب ہوتا ہے تو اس میں عجیب عجیب واقعات پیش آیا کرتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ کوئی بڑا اور خوشگوار انقلاب ہونے والا ہے اور اس طرح پہلے پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات اس نبوت کی تمہید اور پیش خیمہ ہوتے ہیں)۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ کہا جاتا ہے کہ عجوبے جو ظاہر ہوا کرتے ہیں وہ نبی کی پیدائش کے بعد اور نبوت کے ظہور سے پہلے ہوا کرتے ہیں یعنی رسالت اور نبی کے ظہور سے پہلے، نہ کہ نبی کے وجود اور پیدائش ہی سے پہلے جیسا کہ مواہب کی عبارت میں لفظ ظہور سے مراد ہے۔

کیا ولادت واقعہ فیل سے پہلے ہوئی؟...... مگر قاضی بیضاوی کا قول ہے کہ واقعہ فیل ان ہی عجیب واقعات میں تھا (جو نبوت کے قریب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک روایت ہے کہ واقعہ فیل اسی سال میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ یعنی آپ کی پیدائش اور وجود کے بعد۔ اسی لئے کتاب ہدی میں علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے اور عظیم الشان امور سے پہلے ان کے مقدمے اور تمہیدیں ظاہر فرمایا کرتا ہے قاضی بیضاوی کا یہ قول کتاب مواہب کی عبارت کی تشریح بن سکتی ہے

جس کا مطلب ہو گا کہ واقعہ فیل آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے (اور پیدائش کے بعد) پیش آیا۔ یہاں تک قاضی بیضاوی کا کلام ہے (گویا مواہب کی عبارت سے جیسے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ واقعہ فیل آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے پیش آیا، اس کی تفسیر قاضی بیضاوی کے قول سے ہو جاتی ہے کہ مراد آپ ﷺ کی پیدائش نہیں بلکہ آپکی نبوت کا ظہور ہے۔ آپ ﷺ اسی سال پیدا ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق نبی کے وجود کے بعد اور ظہور سے پہلے جو عجیب و غریب واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ یہ واقعہ فیل ان ہی میں سے ایک تھا)۔

**واقعہ فیل اور ہاتھیوں کا پاس ادب**..... (اس کے بعد پھر اصل واقعے یعنی ابرہہ کے قصے کا ذکر کرتے ہیں) علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابرہہ نے (اپنے پڑاؤ سے) کے کی طرف چلنا شروع کیا (یعنی بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے) اور اس کا ہاتھی ابتداے حرم تک پہنچ گیا۔ کتاب مواہب نے ابتدائے حرم کا لفظ چھوڑ دیا کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ابرہہ کا لشکر کے میں داخل ہو گیا تھا اور یہ کہ ہاتھی (جیسا کہ آگے ذکر آئے گا) بیت اللہ کے سامنے پہنچ کر چار زانو بیٹھا تھا (یعنی ہاتھی کے میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس سے باہر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو بٹھادیا تھا) یہ بات قابل غور ہے۔ غرض جب وہ اول حرم تک پہنچا تو فوراً اس کا ہاتھی چار زانو بیٹھ گیا۔ مہاوت اس کے سر پر مارنے لگے اور اس کے بدن میں انکس چبھانے لگے مگر وہ کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ پھر جب مہاوتوں نے اس ہاتھی کا رخ (کے کی طرف سے) موڑ کر یمن کی طرف کر دیا تو وہ فوراً کھڑا ہو کر تیزی سے چلنے لگا، اسی طرح جب اس کا رخ ملک شام کی طرف کیا جاتا تو وہ کھڑا ہو جاتا اور چلنے کو تیار ہو جاتا۔ مہاوتوں نے بار بار اس کا تجربہ کیا۔ آخر ابرہہ نے حکم دیا کہ ہاتھی کو شراب پلا کر مدہوش کر دیا جائے (تاکہ اس کے بعد اسے سدھ نہ رہے اور جس طرف چاہیں اس کو ہنکا سکیں) چنانچہ ہاتھی کو شراب پلائی گئی مگر اس سے کوئی اثر نہیں ہوا (اور وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا)۔

**ہاتھی کو نفیل کی تنبیہ**...... کہا جاتا ہے کہ (جب ابراہہ کا ہاتھی کے کے قریب پہنچا تو ایک شخص) نفیل ابن حبیب خثعمی اس کے برابر آکر کھڑا ہو گیا اور ہاتھی کا کان پکڑ کر بولا کہ بھلائی کے ساتھ چار زانو ہو کر بیٹھ جا اور جس طرف سے آیا ہے اسی طرف سیدھا لوٹ جا اس لئے کہ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے مقدس شہر میں ہے۔ یہ کہہ کر نفیل نے ہاتھی کا کان چھوڑ دیا اور وہ فوراً چار زانو بیٹھ گیا۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھی چار زانو نہیں بیٹھا کرتا (بلکہ چار زانو ہو کر اونٹ بیٹھتا ہے) اس صورت میں ممکن ہے کہ چار زانو بیٹھنے سے مراد ہاتھی کا زمین پر ٹک جانا ہو کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چار زانو بیٹھا ہو جس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ دھرنا دے کر بیٹھ جانا اور اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ اور ہاتھی کے اس فعل کو چار زانو بیٹھنے سے تعبیر کیا گیا ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے ہاتھیوں میں ایک قسم ایسی بھی ہوتی ہے جو اونٹ کی طرح چار زانو ہو کر بیٹھتی ہے۔

**ابابیلوں کا لشکر**...... غرض (جبکہ ادھر ابرہہ کے ہاتھی کو اٹھانے کی کوشش کی جارہی تھی) اچانک سمندر کی سمت سے ان پر اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیج دیا جو خطاطیف کے جھنڈ کی طرح آئیں اور پورے لشکر کو تباہ اور ہلاک کر گئیں (خطاطیف عرب میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو ابابیل ہی کی طرح کا ہوتا ہے اردوں میں اس پرندے کا کوئی نام نہیں معلوم ہو سکا) اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حرم شریف کے کبوتر اسی پرندے کے نسل سے ہیں۔ مگر بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ غلط فہمی ہے کیونکہ جس پرندے کو ابابیل کی نسل سے بتلایا گیا ہے وہ ایک دوسرا

پرندہ ہوتا ہے جو حرم کے باب ابراہیم پر پایا جاتا ہے اور جو زُرزور پرندے کے مثل ہوتا ہے (زُرزور چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے ان میں بعض سیاہ ہوتے ہیں اور بعض سیاہ اور سفید۔ اردو میں اس سیاہ پرندے کو کالی چڑیا، یا کلچڑی کہتے ہیں اور سیاہ وسفید پرندے کو جو بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ ہماری طرف چڑیوں کی دھوبَن کہا جاتا ہے۔ یہ چڑیاں سردی کے دنوں میں نظر آتی ہیں۔ بہر حال جو لوگ حرم شریف کے کبوتروں کو ابابیل کی نسل سے بتلاتے ہیں ان کو غلط فہمی ہوئی ہے) کیونکہ آگے ذکر آئے گا کہ حرم شریف کے کبوتر اس کبوتر کی نسل سے ہیں جس نے اس غار کے مونہہ پر انڈے دیئے تھے (جس میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کے وقت مکے سے نکل کر تین دن قیام کیا تھا)۔ کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ ابابیل پرندہ زمین اور آسمان کے درمیان انڈے دیتا اور بچے نکالتا ہے۔

**فتح عظیم اور قریش کی عظمت**...... ابرہہ اور اس کے لشکر کے ہلاک ہو جانے کے بعد قریش کی عزت بہت زیادہ بڑھ گئی اور تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھاگئی وہ کہتے کہ قریش اللہ والے ہیں کیونکہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ (قریش اللہ والے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے ان کے دشمن سے جنگ کی (یعنی ابابیلوں کے لشکر کے ذریعہ) اور ان کو اس دشمن کی تباہ کاری سے بچالیا جس سے سارے عرب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے تھے (ابرہہ کے لشکر کے ہلاک ہو جانے کے بعد) قریش نے اس کے تمام مال اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سے ہی حبش کی قوم پارہ پارہ ہو گئی اور اس کنیسہ یعنی عبادت گاہ کے چاروں طرف کا حصہ بالکل تباہ ہو گیا جس کو ابرہہ نے بنایا تھا۔ اس کے بعد اس عبادت گاہ کو پھر کسی نے آباد نہیں کیا بلکہ وہاں درندوں، سانپ بچھوؤں اور جنّات کی آبادی ہو گئی۔ یہاں تک کہ جو شخص وہاں سے کوئی چیز (یعنی قیمتی پتھر اور دوسرا ساز وسامان جو وہاں لگا ہوا تھا) لینا چاہتا تو اس پر جنّات کا اثر ہو جاتا۔ خلیفہ سفاح کے زمانے تک یہی کیفیت رہی۔ یہ بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے۔ اس کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اس کنیسہ کے متعلق اس سے بھی تذکرہ کیا خلیفہ سفاح نے اپنے یمن کے گورنر کو وہاں بھیج کر اس عبادت گاہ کو تباہ کرا دیا اور وہ تمام قیمتی لکڑی جس پر سونے کا کام ہو رہا تھا۔ سی طرح دوسرے چاندی کے کام کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ یہ سونا چاندی بے شمار وزن کا تھا۔ اس طرح خلیفہ کو اس کنیسہ کے ذریعہ بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ اس کے بعد سے اس کنیسہ کا نام و نشان مٹ گیا اور اس کے آثار بھی باقی نہ رہے۔

**حملے وقت قریش کی مکے کو خیر باد**...... (جس وقت ابرہہ کے لشکر نے مکے پر چڑھائی کی تھی تو) عبدالمطلب نے اس ڈر سے کہ لوگ قریش کو شکست کھا جانے پر شرم اور عار دلائیں گے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ مکے سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قریش کیا تمام عرب مل کر بھی ابرہہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور لشکر کے مکے میں داخل ہونے کے وقت قریش کو مجبوراً خاموش تماشائی کی طرح اپنے شہر اور حرم پر دشمن کی یلغار دیکھنی پڑتی جس پر بعد میں تمام عرب قریش کو شرم دلاتے) قریش کو ساتھ لئے کر پہاڑوں پر جانے سے پہلے عبدالمطلب کچھ سرداران قریش کے ساتھ حرم شریف میں گئے اور کعبے کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف فتح کی دعاء مانگی۔ انہوں نے کہا:۔

لَا هُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ يَحْمِيْ رِحْلَهٗ فَامْنَعْ حَلَالَكَ

اے اللہ! یہ بندہ اپنے قافلے اور اپنی جماعت کی حفاظت کر رہا ہے پس تو اپنے گھر (یعنی بیت اللہ) کی حفاظت فرما۔

لَا یَغْلِبَنَّ صَلِیْبُھُمْ وَمَحَالُھُمْ غَدْوًا مَحَالَكَ

ان کی صلیب فتح نہ حاصل کر سکے۔ ان کی طاقت تیری طاقت کے آگے ہیچ ہے

صلیب کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ابرہہ اور اس کا لشکر عیسائی تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ (ابرہہ کے لشکر کی آمد پر) عبدالمطلب نے اپنی قوم کے لوگوں کو (مقابلے کے لئے) جمع کر کے ایک جھنڈا بنایا اور سب کے ساتھ منیٰ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزری ہے کہ عبدالمطلب اپنی قوم کو ساتھ لے کر پہاڑیوں کی چوٹیوں میں جا چھپے تھے۔ مگر ابن ظفر نے ان دونوں روایتوں کا اختلاف اس طرح دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے عبدالمطلب نے عورتوں اور بچوں کو پہاڑوں میں جا کر چھپ جانے کا حکم دیا ہو اور ان کی تسلی کے لئے خود بھی ان کے ساتھ وہاں تک گئے ہوں، پھر وہاں سے واپس آکر لڑنے والوں کو جمع کیا ہو (اور لشکر بنا کر منیٰ میں پڑاؤ ڈالا ہو)۔

اس بات کا ثبوت کتاب مواہب کی اس روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ہے کہ پھر ابرہہ نے اپنی قوم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ (کچھ لشکر کے ساتھ جا کر) قریش کو شکست دے۔ چنانچہ جب وہ شخص مکے پہنچا اور اس کی نظر عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو وہ فوراً مرعوب اور خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے بعد روایت کا وہ حصہ ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات کچھ اچھی نہیں کہ کتاب مواہب نے روایت کا یہ حصہ توذکر کر دیا کہ ابرہہ نے ایک شخص کو قریشی لشکر کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر یہ حصہ ذکر نہیں کیا کہ جب ابرہہ کا لشکر آیا تھا تو قریش نے بھی اپنا لشکر تیار کیا تھا۔

**ابرہہ کے لشکر کی بھیانک تباہی**...... غرض جب ابرہہ کے لشکر کو مکے پہنچنے میں دیر ہوئی تو عبدالمطلب حالات معلوم کرنے کے لئے مکے آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سارا لشکر ہلاک ہو چکا ہے یعنی اکثر حصہ ہلاک ہو چکا ہے اور جو بچا ہے اس میں کے اکثر لوگ بھاگ گئے ہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے (تباہ شدہ لشکر کے چھوڑے ہوئے ساز و سامان میں سے) جس قدر چاہا سونا چاندی حاصل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے مکے والوں کو لشکر کے تباہ ہونے کی خبر دی۔ یہ سن کر قریش کے لوگ بھی نکل نکل کر آئے اور خوب مال غنیمت حاصل کیا۔

**بے شمار مال غنیمت**...... علامہ سبط ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی دولت مندی اور ریاست کا سبب یہی تھا کہ ان کا باپ عفان اور عبدالمطلب اور ابو مسعود ثقفی تینوں وہ تھے جو ابرہہ اور اس کے لشکر کے تباہ ہونے کے بعد سب سے پہلے ابرہہ کے پڑاؤ میں پہنچے اور انہوں نے ابرہہ اور اس کے تباہ شدہ لشکر کا تمام قیمتی سامان پہلے ہی لوٹ لیا اور اس کو قریش سے چھپا کر زمین میں دفن کر دیا چنانچہ یہ لوگ قریش میں سب سے زیادہ مالدار اور دولت مند ہو گئے۔ پھر جب عفان کا انتقال ہو گیا تو اس کی تمام دولت کے وارث حضرت عثمانؓ ہوئے۔

ابرہہ کے لشکر میں سے جو لوگ واپس نہیں گئے بلکہ مکے میں رہے اور مسلمان ہوئے ان میں ابرہہ کے ہاتھی کا مہاوت اور اس کے آگے آگے چلنے والا بھی تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے مکے میں (ابرہہ کے بڑے) ہاتھی کے مہاوت اور اس کے رہبر کو دیکھا کہ وہ دونوں اندھے اور اپاہج تھے اور لوگوں سے روٹی مانگتے تھے۔

**کعبے کے حملہ آور پر خدا کی مار......** (اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے والے پر تباہی نازل ہوتی ہے جیسا کہ ابرہہ تباہ اور ہلاک ہوا مگر) اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حجاج ابن یوسف نے (جو کوفہ کا گورنر تھا) بیت اللہ پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسا کر کعبے کو نقصان پہنچایا مگر اس کے نتیجے میں خود حجاج کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حجاج کعبے کو مسمار کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں آیا تھا نہ ہی اس کی یہ نیت تھی۔ وہ تو صرف حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو پریشان کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے آپ اس کے حوالے کر دیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہ جواب اس جواب سے بہتر ہے جو کتاب مواہب میں نقل ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ واقعہ ۶۴ھ کا ہے جبکہ یزید ابن معاویہ کی بادشاہت کا زمانہ تھا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اس کے خلاف کے والوں سے بیعت لے لی تھی۔ یزید نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف ایک لشکر مدینے سے کے کو روانہ کیا تھا جس کی کمان مسلم ابن عقبہ کر رہا تھا۔ مگر راستے میں ثنیۃ الوداع کے مقام پر مسلم کا انتقال ہو گیا، آخری وقت میں مسلم نے حصین ابن نمیر سکونی کو اپنا جانشین یعنی سپہ سالار بنا دیا تھا۔ حصین یہ لشکر لے کر کے پہنچا اور چالیس دن تک حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا جس کے دوران لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس فوج نے بیت اللہ شریف پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے اور کعبے کو آگ بھی لگائی جس سے بیت اللہ کا پردہ اور لکڑی وغیرہ جل گئیں اسی دوران میں مدینے سے یہ اطلاع آئی کہ یزید ابن معاویہ کا انتقال ہو گیا۔ جب حصین کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے معاہدہ کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر حصین اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام چلا گیا۔ مدینے میں بنی امیہ کے جو لوگ تھے وہ بھی حصین کے ساتھ ہی ملک شام کو چلے گئے۔ (از تاریخ ابوالفداء ص ۱۹۲ جلد اول۔ و تاریخ الکامل جلد ۴ ص ۴۹)۔

# مکان جہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی

آنحضرت ﷺ کی ولادت مکے میں اس مکان میں ہوئی جو بعد میں حجاج ابن یوسف کے بھائی محمد ابن یوسف کا مکان کہلایا۔ اس سے پہلے یہ مکان (آنحضرت ﷺ کی مدینے میں ہجرت کے بعد) ابو طالب کے بیٹے عقیل کے قبضہ میں تھا۔ پھر یہ عقیل کی لولادوں میں وراثت کے طور پر منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ عقیل کی لولاد نے اس کو ایک لاکھ دینار میں محمد ابن یوسف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ قول علامہ فاکہی کا ہے۔ محمد ابن یوسف نے اس مکان کو خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اس کا نام "بیضاء" (یعنی سفید گھر) رکھ دیا تھا کیونکہ یہ چونے سے بنایا گیا تھا اور پھر اس پر چونے سے سفید روغن کر کے اس کو بالکل سفید کر دیا گیا تھا اور یہ "ابن یوسف" کا مکان کہلانے لگا تھا۔

مکان کی تاریخ لور فروختگی...... (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عقیل کے بعد اس کی لولاد میں وراثت کے طور پر پہنچا مگر آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو خود عقیل ہی نے فروخت کر دیا تھا کیونکہ) فتح مکہ کے بیان میں آئے گا کہ (جب آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو وہاں) صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مکان میں قیام فرمائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر یا ٹھکانہ چھوڑا ہے؟"۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عقیل نے ہی اس مکان کو فروخت کر دیا تھا اور یہ اس کے یا اس کے بعد میں اس کی لولاد کے قبضہ میں نہیں رہا تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقیل نے اس حصہ کے سوائے جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی باقی تمام حصے فروخت کر دیئے تھے (جو سب کے سب ملے جلے تھے) کیونکہ فتح مکہ کے بیان ہی میں یہ روایت بھی آئے گی کہ عقیل نے اپنے باپ ابو طالب کا مکان بیچ دیا تھا۔ کیونکہ ابو طالب کے بیٹوں عقیل، طالب، حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ میں سے ابو طالب کی وفات کے وقت عقیل اور طالب کافر تھے لور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لئے عقیل لور طالب کو ہی باپ کا ورثہ ملا۔ بعد میں عقیل بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ البتہ طالب مسلمان نہیں ہو سکا کیونکہ اس پر جن کا اثر ہو گیا تھا۔ (لور دماغ میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا) جس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں چلا (کہ کہاں گیا اور کیا انجام ہوا) عقیل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکان بھی فروخت کر دیا تھا جو اصل میں امّ المومنین حضرت خدیجہؓ کا تھا اور جس میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی تھیں۔ یہ مکان اب (یعنی مؤلف کے زمانے میں) مسجد بنا دیا گیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے۔ اس کو حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں مسجد بنا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بیت اللہ شریف کے بعد مکے میں یہ جگہ سب سے زیادہ افضل لور مبارک جگہ ہے۔ اگرچہ اس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے حضرت فاطمہؓ کی دوسری بہنیں بھی پیدا ہوئیں مگر حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کی وجہ سے یہ مکان حضرت فاطمہؓ کی جائے ولادت کے نام سے ہی مشہور ہوا۔ شاید حضرت معاویہؓ نے اس مکان کو اس شخص سے خریدا تھا جس کے ہاتھ اس کو عقیل نے بیچا تھا۔ اس سے بعض محققین کے اس قول کا ثبوت ملتا ہے جسے ہم نے نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے وقت یہ مکان یعنی حضرت خدیجہؓ کا مکان (جو حضرت فاطمہؓ کی جائے پیدائش

ہے) اگرچہ عقیل کے قبضے میں تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ حالانکہ آپ ہجرت سے پہلے اس میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہجرت کے بعد وہ عقیل کے قبضے میں آگیا۔

عقیل نے آپ کو کچھ نہیں دیا...... ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو آپ نے حجون کے مقام پر اپنا خیمہ لگایا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ شعب ابو طالب میں اپنے مکان میں نہیں ٹھہریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ اور عقیل کے بھائیوں نے (یعنی حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما نے) مکے سے ہجرت فرمائی تو عقیل نے ان کے مکانات فروخت کر دیئے تھے بلکہ بنی ہاشم میں سے جس شخص نے بھی ہجرت کی عقیل نے اس کا مکان بیچ دیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم میں عقیل سب سے بعد میں مسلمان ہوئے اور سب کے بعد ہی انہوں نے ہجرت کی۔ یہ معاہدہ حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں مسلمان ہوئے۔ انہوں نے بنی ہاشم کے سب مکانات بیچ دیئے اور آنحضرت ﷺ کو ان کی قیمت میں سے کوئی چیز نہیں دی۔

مکان کی مسجد میں تبدیلی...... یہ مکان جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے صفا پہاڑی کے قریب ہے۔ ہارون رشید کی بیوہ زبیدہ نے جو امین کی ماں تھی جب حج کیا تو اس مکان کی جگہ مسجد بنوادی تھی۔ مگر ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ ہارون رشید کی ماں خیزران جب حج کرنے کے لئے مکہ آئی تو اس نے اس مکان کو محمد ابن یوسف کے مکان سے علیحدہ کر کے اس کی جگہ مسجد بنوادی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو خیزران ہی نے مسجد بنوایا ہو اور اس کے بعد زبیدہ نے اس کو پھر سے بنوایا ہو۔ اس طرح اس سلسلہ میں دونوں کا نام آنے لگا۔ مگر آگے روایت آئے گی کہ خیزران نے دارارقم (یعنی ارقم ابن ارقم کے مکان) کو مسجد بنایا تھا وہ بھی صفا پہاڑی کے قریب ہے ہو سکتا ہے کہ بعض روایت کرنے والوں کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہو کیونکہ دونوں مکان صفا پہاڑی کے قریب ہیں (دار ارقم وہی مشہور مکان ہے جو اسلام کی سب سے پہلی پناہ گاہ تھی کیونکہ مکے میں مسلمان اور آنحضرت ﷺ اسی مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی)

یہ مکان شعب بنی ہاشم میں تھا...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔

(اقول) مؤلف کہتے ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس روایت سے کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مکان شعب بنی ہاشم میں ہی ہو۔ پھر اس کی تفصیل بھی میری نظر سے گزری (شعب بنی ہاشم کے متعلق جو روایت گزری ہے اس سے شعب ابو طالب بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ ابو طالب بھی بنی ہاشم میں سے ہیں۔ یہ شعب حجون کے مقام پر تھی۔ ممکن ہے ابو طالب سب سے علیحدہ اسی شعب یعنی گھاٹی میں رہنے لگے ہوں۔ واللہ اعلم۔

کیا ولادت رَدم جمح میں ہوئی...... ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ ردم کے مقام پر پیدا ہوئے۔ یہ ردم (یعنی یہ مقام) بنی جمح کا ردم کہلاتا تھا (ردم عربی میں پاٹنے اور گڑھا) بھرنے کو کہتے ہیں) بنی جمح قبیلہ قریش کی ہی ایک شاخ کے لوگ تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں بنی جمح اور بنی حرث کے درمیان ایک دفعہ جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں بنی جمح کو کامیابی ہوئی انہوں نے بنی حرث کے بے شمار آدمی قتل کر دیئے اور ان سب کو اسی جگہ دبادیا۔ (غرض روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش جس مکان میں ہوئی وہ اسی جگہ تھا) ایک قول

یہ بھی ہے کہ آپ عسفان میں پیدا ہوئے۔

**پیدائش و وفات مکہ مدینہ ہی میں**...... اقول مؤلف کہتے ہیں۔ یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ عسفان میں پیدا ہوئے بعض فقہا کے اس قول سے غلط ثابت ہو جاتی ہے جس میں مسئلہ بتلایا گیا ہے کہ (مسلمان) بچے کے سرپرست کے لئے جو باتیں ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو (پیغمبر اسلام کے متعلق کم سے کم) یہ ضرور بتلائے کہ آپ مکے میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں آپ کا انتقال ہوا (گویا مسلمان ماں باپ کا یہ فرض ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنے بچوں کو اتنا ضرور بتلائیں کہ آپ کی پیدائش کہاں ہوئی اور وفات کہاں۔ اس بارے میں فقہاء نے صاف طور پر پیدائش کی جگہ مکہ بتلائی ہے۔ جبکہ اس روایت کے مطابق آپؐ کی پیدائش عسفان میں بتلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ عسفان کے متعلق روایت صحیح نہیں ہے پھر بھی اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو) کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء کا جو قول ہے وہ زیادہ صحیح روایت کی بنیاد پر ہے (اور عسفان کے متعلق جو روایت ہے وہ کمزور ہے اسی لئے فقہاء نے اس کو اختیار نہیں کیا)

**مقام رَدْم**...... ردم کا مقام (مکہ سے باہر) وہ جگہ ہے جہاں سے اب سے بہت پہلے بیت اللہ نظر آتا تھا (یعنی اس وقت نظر آتا تھا جبکہ درمیان میں مکانات اور اونچی عمارتیں نہیں تھیں) اب اس جگہ کو مدعیٰ یعنی دعا کرنے کی جگہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں پہنچ کر وہ دعا پڑھی جاتی ہے جو بیت اللہ شریف کے دیکھنے کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ میں ایسی کوئی روایت نہیں دیکھ سکا کہ آنحضرت ﷺ اس جگہ پر (دعا مانگنے کے لئے) رکے ہیں۔ شاید آپ کے زمانہ میں یہ جگہ زیادہ اونچی نہیں تھی۔ (کہ وہاں سے اس وقت بھی کعبہ شریف نظر آتا ہو)

**مقام رَدْم میں تعمیر فاروقی**...... اصل میں اس جگہ کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس وقت اونچا کرالیا اور تعمیر کرالیا جبکہ وہ عظیم سیلاب آیا جو "اُمّ نہشل کا طوفان" کے نام سے مشہور ہوا (اس نام سے یہ سیلاب اس لئے مشہور ہوا کہ) اُمّ نہشل جو عبیدہ ابن سعید ابن عاص کی بیٹی تھی یہ اس پانی میں گھر گئی تھی اور سیلاب اس کو مکے کے نشیبی علاقے میں بہا کر لے گیا تھا جہاں وہ مردہ پائی گئی۔ اس سیلاب نے حرم میں سے مقام ابراہیم کو بھی بہا کر مکے کے زیریں علاقہ میں لے جاڈالا تھا (مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات ہیں) سیلاب اتر جانے کے بعد اس مقام ابراہیم کو پھر مکے میں لایا گیا اور کعبہ کے قریب نصب کیا گیا۔

**سیلاب اُمّ نہشل کے بعد تعمیر**...... جب یہ واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ کو (جو مدینے میں تھے) اس کے متعلق اطلاع دی گئی۔ حضرت عمرؓ (مقام ابراہیمؑ کے بہہ جانے سے) سخت دہشت زدہ ہوئے اور گھبرا کر فوراً مکے حاضر ہوئے۔ وہ عمرے کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ مقام ابراہیم کی جگہ (سیلاب کی وجہ سے) مٹ گئی ہے اور اس کی صحیح جگہ کو معلوم کرنا مشکل ہے اس بات سے حضرت عمرؓ بہت پریشان اور فکرمند ہو گئے اور انہوں نے (لوگوں سے) کہا۔

**سیلاب اور مقام ابراہیم**...... جس شخص کو بھی مقام ابراہیم کی صحیح جگہ کا پتہ ہو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ ہمیں بتلائے۔ حضرت مطلب ابن رفاعہ (جو ایک صحابی تھے انہوں نے یہ سن کر) کہا کہ امیر المومنین وہ شخص میں ہوں مجھے اس جگہ کا صحیح پتہ ہے۔ مجھے مقام ابراہیم کے متعلق اس قسم کا خطرہ ہوتا تھا اس لئے میں نے مقام

ابراہیم سے حجر اسود کی سمت والے دروازے تک اور دوسری طرف اس جگہ سے زمزم کے کنویں تک ناپ کر اس کی پیائش کو حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم میرے پاس بیٹھو اور وہ پیائش کسی کے ذریعہ فوراً منگاؤ۔ چنانچہ حضرت مطلبؓ نے ___ اسی وقت وہ یادداشت منگائی اور اسکے مطابق پیائش کر کے مقام ابراہیم کو اس کی جگہ نصب کر دیا گیا جہاں وہ آج کل نصب ہے اور اس کو اس دفعہ خوب مضبوط طریقہ سے نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے یہ جگہ بھی بڑی بڑی مضبوط چٹانوں سے تعمیر کرائی جس کو رَدْم کہا جاتا ہے۔ اس کو حضرت عمرؓ نے اتنا اونچا کر لوایا تھا کہ سیلاب کا پانی اس سے گزر کر حرم میں نہ داخل ہو سکے۔ لوھر اس جگہ کے لونچا ہو جانے کی وجہ سے یہاں کھڑے ہو کر کعبہ شریف بھی نظر آنے لگا مگر اب درمیان میں لونچے لونچے مکانات بن گئے ہیں اس لئے وہاں سے بیت اللہ نظر نہیں آتا۔ پھر بھی یہاں ٹھہر کر دعا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تبرک کی نیت سے یہاں دعا پڑھئے کہ پچھلے بزرگوں نے بھی ایسا کیا ہے۔

مقام ابراہیم کی جگہ ...... بعض مؤرخین کا قول ہے کہ مقام ابراہیم کو اس جگہ منتقل کرنے والے پہلے آدمی حضرت عمرؓ ہیں۔ اس سے پہلے یہ کعبہ سے بالکل ملا ہوا تھا۔ شاید ان مؤرخین نے اسی روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے۔ آگے روایت آئے گی کہ اس کو منتقل کرنے والے آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس طرح ان اقوال میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔ مگر میں نے ابن کثیر میں دیکھا ہے کہ یہ پتھر جس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے پرانے زمانہ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک کعبہ کے دروازے سے بالکل ملا ہوا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے ہٹا کر نصب کر لیا تاکہ اس کے قریب نماز پڑھنے والے اور کعبہ کا طواف کرنے والے ایک دوسرے کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔ یہاں تک ابن کثیر کا کلام ہے۔

ان کے قول میں پرانے زمانے سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے (کیونکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا مقام ابراہیم کے دوسری جگہ نصب کرانے کی وجہ وہ سیلاب عظیم تھا جبکہ اس روایت میں اس کا سبب دوسرا بیان کیا گیا ہے)

ولادت کی توراۃ میں خبر ...... (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی جائے پیدائش کے متعلق روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) حضرت کعب ابن احبار سے روایت ہے کہ میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش مکے میں ہوگی (توراۃ میں پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ) حضرت کعبؓ مسلمان ہونے سے پہلے یہودی تھے۔

(قال) حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں جن کا نام شفاء تھا۔ بعض لوگوں نے ان کا نام شفاء لکھا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ کے یہاں پیدائش ہوئی تو آنحضرت ﷺ پیدائش کے بعد میرے ہاتھوں پر آرہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت آمنہ کی دایہ تھیں۔ مگر ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ آپ کی دایہ اُمِ ایمن تھیں۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اُمِ ایمن کو دایہ اس بنیاد پر کہا گیا ہے کہ انہوں نے (بچپن میں) آنحضرت ﷺ کی خدمت کی ہے مگر اس طرح ان کو آنحضرت ﷺ کی کھلائی کہنا مناسب ہے۔

سعادتوں کا خزینہ ...... اس سلسلہ میں ایک نکتہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ اور دایہ کے ناموں میں لفظ "امن" (یعنی سلامتی اور حفاظت) اور لفظ "شفا" ("صحت") آتا ہے (کیونکہ آپ کی والدہ کا نام

"آمنہ" ہے جو امن سے بنا ہے معنی ہیں سلامتی والی۔ اور آپ کی دایہ کا نام شفاء ہے جس کے معنی ہیں صحت اور تندرستی) اسی طرح آپ کی آیہ کے نام میں "برکت اور نما" آرہا ہے (یعنی اُمّ ایمن جن کا نام برکت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے جس کے معنی ہیں زیادتی، بلندی اور بڑھوتری) اسی طرح آپ کی پہلی دودھ پلانے والی عورت "ثوبیہ" کے نام میں "ثواب" کا لفظ آتا ہے۔ پھر آپ کی جو دوسری دودھ پلانے والی دایہ ہیں ان کا نام حلیمہ سعدیہ ہے جس میں "حلم" یعنی بردباری و شرافت اور "سعد" یعنی نیک بختی اور سعادت کا لفظ آتا ہے۔

رحمت باری اور ندائے غیب..... (اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کی والدہ یعنی شفاء کی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں) شفاء کہتی ہیں کہ (میرے ہاتھوں پر آنے کے بعد آپ روئے تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جس نے کہا یَرْحَمُكَ اللّٰهُ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے یا اس نے یہ کہا کہ رَحِمَكَ رَبّكَ تیرے پروردگار نے تجھ پر رحمت فرمائی۔ یا یہ لفظ کہ یَرْحَمُكَ رَبّكَ تیرا پروردگار تجھ پر رحمت فرمائے۔

ولادت کے بعد آپ کا چھینکنا...... یہ کلمہ یعنی یرحمک اللہ صرف کسی کے چھینکنے پر کہا جاتا ہے اور اس کو (یعنی یرحمک اللہ کہنے کو) عربی میں تشمیت کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہر ایسی چیز سے بچائے جس پر تجھ کو برا کہا جاسکے) اس روایت میں ذکر ہے کہ جب آپ روئے یعنی جیسا کہ پیدائش کے بعد بچہ چیخ کر روتا ہے تو کسی کے یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی۔ اسی بناء پر) یعنی یرحمک اللہ کی آواز آنے کی بنا پر) بعض حضرات کہتے ہیں کہ پیدائش کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ چھینکے تھے حالانکہ کسی حدیث میں ایسی کوئی روایت نہیں آتی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کو پیدائش کے فوراً بعد چھینک آئی تھی۔ پیدائش کے سلسلے میں جتنی بھی احادیث و روایات ہیں میں سب کو دیکھ چکا ہوں۔ عربی میں چھینکنے کو "عَطَسَ يَعْطِسُ" کہتے ہیں اور بچے کے رونے کو استہلال کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں یہ لفظ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے استہلال کیا تو جواب میں یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی۔ اس بارے میں کہتے ہیں) مگر کتاب جامع صغیر میں ہے کہ استہلال کے معنی چھینکنے کے ہیں۔ اب گویا بچے کے استہلال کرنے کے دو معنی ہوگئے ایک بلند آواز سے یعنی چیخ کر رونا اور دوسرے چھینکنا۔ اس حدیث میں استہلال کا لفظ جو ہے اس کے معنی راوی نے چھینکنے کے لئے کیونکہ اس استہلال کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی تھی اور یہ کلمہ صرف چھینک کے جواب میں ہی کہا جاتا ہے بچے کے رونے کے جواب میں نہیں کہا جاتا)

اس یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کی آواز آنے پر قصیدۂ ہمزیہ (یعنی نعت) کے شاعر نے بھی اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

شَمَتَتْهُ الْاَمْلَاكُ اِذْ وَ ضَعَتْهُ
وَشَفَتْنَا بِقَوْلِهَا الشِّفَاءُ

آپ ﷺ کو پیدائش کے وقت تشمیت کی گئی یعنی یرحمک اللہ کہا گیا جس کے متعلق ہمیں آپ کی دایہ شفاء نے جو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کی والدہ ہیں بتلا کر خوش کیا۔

چھینکنے پر حمد اور اس کا جواب...... (اقول) مؤلف کہتے ہیں: بعض علماء کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو پیدائش کے وقت جب چھینک آئی تو آپ نے شاید الحمد للہ کہا ہوگا کیونکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق مسنون یہی ہے کہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تک ان علماء کا قول ہے۔

اس بات کی طرف پیچھے گزرنے والی اس روایت سے بھی اشارہ ملتا ہے جس میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے الحمد للہ کثیراً فرمایا۔ مگر قصیدۂ ہمزیہ کی شرح کرنے والوں میں سے ایک عالم نے اس سلسلے میں یہ کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور بلند مرتبے کی وجہ سے آپ کے چھینکنے پر الحمد للہ نہ کہنے کے باوجود آپ کو یرحمک اللہ کی دعا دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں آتا ہے کہ چھینکنے والا اگر الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہہ کر اسے دعا دو اور اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ کی دعا مت دو۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو ہر سننے والے کا حق ہے کہ وہ اس کو یرحمک اللہ کہہ کر دعا دے۔

چھینک پر دعا دینا چاہئے...... بخاری میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو آپ نے اس کو یرحمک اللہ کہا۔ پھر دوسرے کو چھینک آئی مگر اس نے الحمد للہ نہیں کہا تو آپ ﷺ نے اس کو یرحمک اللہ نہیں کہا۔ ایک حدیث حسن[1] یہ ہے۔

"اگر تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے پاس بیٹھا ہوا شخص جواب میں یرحمک اللہ کہہ کر اس کو دعا دے لیکن اگر اسے تین سے زیادہ چھینکیں آجائیں تو سمجھو کہ وہ شخص زکام میں مبتلا ہے اس لئے تین چھینکوں کے بعد یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

اس قول میں آنحضرت ﷺ نے حکمیہ (یعنی امر کے) صیغے سے یرحمک اللہ کہنے کا حکم فرمایا ہے اور حکمیہ صیغے سے اس مسئلے کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے (نیز پچھلی حدیث جس میں ہے کہ ہر سننے والے حق ہے کہ وہ یرحمک اللہ کہے) ان دونوں باتوں سے (یعنی امر کے صیغے اور حق کے لفظ سے اہل ظاہر نے (جو حدیث کے ظاہری الفاظ اور معنی پر حکم لگاتے ہیں) کہا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہر سننے والے پر یرحمک اللہ کہنا مسئلہ کے لحاظ سے واجب ہے۔ مگر فقہ کے بعض اماموں کا مذہب یہ ہے کہ یرحمک اللہ کہنا فرض کفایہ ہے (یعنی ایک کہہ دے تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا) حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے۔

یہ دعا شیطان پر بھاری...... (ی) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنا شیطان کو...... سب سے زیادہ سخت محسوس ہوتا ہے۔

حضرت سالم ابن عبیداللہؓ جو اصحاب[2] صفہ میں سے تھے ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ عزّوجل کی حمد کرے (یعنی الحمد للہ کہے) اور جو اس کے پاس ہو وہ سن کر کہے یرحمک اللہ اور پھر چھینکنے والا اس کے جواب میں کہے یَغْفِرُ اللّٰہُ لِیْ وَلَکُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے)

اس ذیل میں ایک لطیفہ...... اس سلسلے میں ایک لطیفہ ہے کہ خلیفہ منصور کے پاس کسی نے اس کے کسی گورنر کی (بد عنوانیوں کے متعلق شکایت کی (جس پر خلیفہ نے اسے اپنے پاس طلب کر لیا) جب وہ خلیفہ منصور کے

---

[1] حدیث حسن جو حدیث کی حیثیت کے لحاظ سے ایک قسم ہے اس کی تعریف پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے

۱۲۔ [2] اصحاب صُفّہ صحابہ اکرم کی وہ پاک جماعت تھی جو اسلام کے نام پر اور آنحضرت ﷺ کی محبت میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کے قدموں میں آپڑے تھے ان حضرات کے پاس نہ کھانے کو روٹی تھی نہ پہننے کو کپڑا تھا اور نہ رہنے کو گھر تھا آنحضرت ﷺ نے ان حضرات کے لئے مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ متعین کر دی تھی جہاں یہ رہتے تھے۔ صحابہ کرام اپنے ان بھائیوں کی خبرگیری کیے تفصیل...

پاس پہنچا تو خلیفہ کو چھینک آئی۔ مگر اس گورنر نے خلیفہ کو یرحمک اللہ نہیں کہا۔ خلیفہ نے پوچھا تم نے یرحمک اللہ کیوں نہیں کہا۔ اس عامل نے کہا۔ "اس لئے کہ آپ نے چھینکنے پر الحمد للہ نہیں کہا تھا خلیفہ نے کہا کہ میں نے دل میں کہہ لیا تھا۔ گورنر نے کہا کہ میں نے بھی دل ہی میں یرحمک اللہ کہہ لیا تھا۔ (خلیفہ شریعت کی پابندی کے سلسلے میں اس گورنر کی صاف گوئی سے بہت متاثر ہوا اور) اس نے کہا"۔

"اپنے کام پر واپس پہنچ جاؤ۔ جب تم نے میری ہی کوئی بے جا رعایت نہیں کی تو دوسروں کی بھی یقیناً نہیں کرتے ہو گے"۔

چھینکنے پر دعا کی حکمت...... بعض محققین کہتے ہیں کہ چھینکنے والے کے لئے الحمد للہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اکثر چھینک گردن کے ٹیڑھا ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے اس لئے چھینکنے والا اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرے کہ اس نے اس کو اس مصیبت سے محفوظ رکھا۔

چھینک ایک نعمت...... بعض دوسرے محققین کہتے ہیں کہ (چھینکنے پر الحمد للہ اس لئے کہنا چاہئے کہ) چھینک کے ساتھ بیماری یعنی دماغ میں رک جانے والے بخارات نکل کر دور ہو جاتے ہیں (جبکہ انسان کے جسم میں دماغ ہی اصل ہے) کیونکہ اسی میں یادداشت اور سوچنے سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اس طرح بخارات کا پھر جانا دماغ کا بحران ہوتا ہے (جو چھینکنے سے ہلکا ہو جاتا ہے) جیسے بیمار کے بدن سے پسینہ نکلنا بدن کے بحران کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ ایک زبردست نعمت اور عظیم الشان فائدہ ہے اس لئے آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ چنانچہ اطباء کے یہاں جیسا کہ ان میں سے بعض کا خیال ہے یہ بات متفقہ ہے کہ چھینک مرگی کی بیماری کی ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ یہ بات اس بیان کے خلاف ہے جو پیچھے گزرا ہے اور جس کو بعض اطباء نے ذکر کیا ہے کہ چھینک دماغ کے لئے ایسی ہی ہے جیسے پھیپھڑے کے لئے کھانسی ہے۔

چھینک کے فائدے...... (قال) دماغ کو ہلکا کرنے کے لئے چھینک سب سے زیادہ بہترین چیز ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو دماغ میں بھر جانے والے مواد کو کم کرتی ہے اور سر کے بھاری پن کو آرام پہنچاتی ہے جس سے طبیعت میں ہلکا پن اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔

حکیم ترمذی نے کتاب نوادر الاصول میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

"یہ جبرئیلؑ ہیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دے رہے ہیں کہ ہر مومن جب بھی مسلسل تین دفعہ چھینکتا ہے تو اس کا ایمان اس کے دل میں پختہ ہو جاتا ہے"۔

چھینک محبوب جماہی نا محبوب...... کتاب جامع صغیر میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھینک پسندیدہ ہے اور جماہی ناپسندیدہ چیز ہے۔ لیکن بہت زور سے ہونے والی چھینک شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔

چھینک ایمان کی گواہ...... حدیث میں آتا ہے کہ چھینک (آدمی کے ایمان کا) ایک نہایت سچا گواہ ہے۔ ایک دوسری حدیث حسن میں ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جو چھینکنے والے کی چھینک سن کر کہا جائے (یعنی یرحمک اللہ یعنی یہ کلمہ بہترین کلام بھی ہے اور اس سے اس کے کہنے والے کے ایمان کی گواہی بھی مل جاتی ہے)

چھینک اور الحمد للہ...... ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ میں روح پھونکی گئی اور وہ ان کی ناک کی نسوں میں پہنچی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ اس کے بعد جب وہ روح ان کے منہ اور زبان تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ

نے ان سے فرمایا کہ کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یعنی تمام تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ حضرت آدمؑ نے ایسا ہی کہا (یعنی انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا) تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔

"یرحمک اللہ اے آدم! میں نے تجھے اسی لئے پیدا کیا ہے"۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ رحمت کے لئے ہی میں نے تجھے پیدا کیا ہے یعنی موت کے لئے (کیونکہ مومن کے واسطے یہ ایک نعمت ہے جو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رحمتوں کا دروازہ کھول دیتی ہے)

امام ترمذی نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کی سند تو ضعیف ہے مگر روایت مرفوع [1] ہے کہ نماز میں چھینک کا آنا، انگڑائی یا جماہی کا آنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

**نماز میں چھینک**...... ابن ابی شیبہ نے ضعیف سند کے ساتھ ایک موقوف [2] حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں جماہی لینے کو ناپسند فرماتا ہے اور چھینکنے کو پسند فرماتا ہے۔ یعنی اگرچہ نماز کے دوران چھینکنا اور جماہی لینا دونوں شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں چھینکنا (جماہی لینے کے مقابلے میں) اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (یعنی کم ناپسندیدہ ہے اور اسی طرح اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ) نماز میں چھینکنے کے مقابلے میں جماہی لینا اللہ تعالیٰ کو زیادہ ناپسندیدہ ہے (یعنی یہ فرق اس لئے کیا گیا کہ پچھلی روایت کی موجودگی میں جس میں چھینک کو پسند چیز بتلایا گیا ہے) اس کو مکروہ اور ناپسندیدہ کہنا شک سے خالی بات نہیں رہی (چونکہ چھینکنے کو احادیث میں پسندیدہ اور قابل شکر چیز بتلایا گیا ہے اور یہاں نماز میں جماہی کے ساتھ چھینک کو بھی شیطانی کام بتلایا گیا ہے اس لئے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی بیان میں یہ ظاہر کیا جاچکا ہے اگر چھینک میں آواز بہت زیادہ بلند ہو جائے اور دوسرے ہو تو یہ شیطانی چیز ہوگی۔ یہ بات پچھلی روایت میں بھی ظاہر کردی گئی ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے۔ یعنی چھینکنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے اور اپنی آواز کو بھی ہلکا کرے۔

**زچگی میں مقدس خواتین کی آمد**...... (اس کے بعد پھر اصل بات کا ذکر کرتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کی والدت کے وقت کون عورتیں حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں جو دایہ کا فرض انجام دے رہی تھیں۔ اس بارے میں دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک میں دایہ کے طور پر شفاء کا موجود ہونا معلوم ہوتا ہے اور ایک میں عثمان ابن عاص کی والدہ کے دایہ ہونے کا ذکر ہے) آگے آنے والی روایت سے جو معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ان دونوں عورتوں کا موجود ہونا غلط ثابت نہیں ہوتا وہ روایت یہ ہے کہ۔ حضرت آمنہ کہتی ہیں جب میں اس تکلیف میں مبتلا ہوئی جو ایسے وقت میں عورتوں کو ہوتی ہے یعنی زچگی کے وقت کی تکلیف تو اس وقت میں گھر میں اکیلی تھی مگر پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا جو کھجور کے درخت کی طرف لمبی اور ڈیل ڈول کی تھیں بالکل ایسی جیسے عبد مناف کے خاندان کی عورتیں ہوں اور یہ سب عورتیں

---

[1] حدیث مرفوع کی تعریف پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ براہ راست آنحضرت ﷺ تک پہنچ کر ختم ہوتا ہو۔

[2] حدیث موقوف کی تعریف بھی گزر چکی ہے یعنی وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ کسی تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جائے اور تابعی جس نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا وہ بلا کسی واسطے کے براہ راست آنحضرت ﷺ سے روایت نقل کرے۔

میرے چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ ابن محدث نے (حضرت آمنہ کی) اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ پھر میرے پاس کچھ ایسی لمبی لمبی عورتیں آئیں جیسے عبدالمطلب کی بیٹیاں ہوں۔ ان عورتوں کے چہرے ایسے چمک دار اور روشن تھے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر ان عورتوں میں سے ایک بڑھ کر میرے قریب آگئی اور میں اس کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد مجھے درد زہ یعنی بچے کی پیدائش کے وقت کا درد ہونے لگا اور تکلیف بڑھ گئی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے ان عورتوں میں سے ایک میرے پاس تھوڑا سا پانی لے کر آئی جو دودھ سے زیادہ سفید تھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اسے پی لو، میں نے وہ شربت پی لیا۔ پھر تیسری عورت نے کہا اور پیو۔ میں نے تھوڑا اور پی لیا۔ اس کے بعد اس نے میرے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"بسم اللہ! اللہ کے حکم سے باہر آجائیے"۔

**مریم و آسیہ کی موجودگی** ...... اس کے بعد ان عورتوں نے مجھے بتلایا کہ ہم میں سے ایک فرعون کی بیوی آسیہ ہے اور ایک عیسیٰؑ کی والدہ مریم بنت عمران ہے۔

یہ تینوں خواتین جنت کی حوروں میں سے ہیں۔

(اب اس روایت کے بعد یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ولادت کے وقت جب آسیہ اور حضرت مریم تھیں تو شفاء اور حضرت عبدالرحمٰن کی والدہ نے کیسے کہا کہ اس وقت ہم موجود تھے (اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے شفا اور حضرت عبدالرحمٰن کی والدہ ان دونوں کے یعنی آسیہ اور حضرت مریم کے جانے کے بعد آئی ہوں (اور آپ ﷺ کی پیدائش آسیہ، مریم کی موجودگی میں نہ ہوئی ہو کیونکہ) اسی قول سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت میں دیر لگی یہاں تک کہ آپ (حضرت مریم اور آسیہ کے جانے کے بعد) شفاء کے ہاتھوں پر باہر تشریف لائے جیسا کہ پیچھے گزرنے والی روایت میں شفاء کا قول ہے کہ (ولادت کے وقت پیٹ سے نکلتے ہی) آنحضرت ﷺ میرے ہاتھوں پر آرہے۔

**جنت میں یہ دونوں آپ کی ازواج** ...... آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت آسیہ اور حضرت مریم کے وہاں موجود ہونے میں شاید یہ حکمت رہی ہو گی کہ یہ دونوں محترم عورتیں (جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے) جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہوں گی۔ ان کے علاوہ وہاں حضرت موسیٰؑ کی بہن کلثوم بھی آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

**موسیٰ کی بہن بھی ازواج میں** ...... چنانچہ کتاب جامع صغیر میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی اور موسیٰؑ کی بہن سے میری شادی کی ہے۔ نیز آگے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بیان میں یہ حدیث بھی آئے گی کہ آپ ﷺ نے اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ...... کیا تمہیں نہیں معلوم اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے علاوہ مریم بنت عمران (یعنی حضرت عیسیٰؑ کی والدہ) اور موسیٰؑ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے بھی میری شادی کر دی ہے"۔

حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ کیا یہ بات آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! حضرت خدیجہؓ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ محبت اور برکت عطا فرمائے۔

آسیہ فرعون سے محفوظ رہیں...... (چونکہ یہ تینوں خواتین یعنی حضرت مریم بنت عمران، آسیہ اور کلثوم جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں بننے والی ہیں اس لئے) اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو اس بات سے محفوظ رکھا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ ہمبستری کر سکے (یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ان تینوں میں آسیہ جو فرعون کی بیوی تھیں ان کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بیوی ہونے کے باوجود فرعون کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوئیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) مورخین لکھتے ہیں کہ جب فرعون سے آسیہ (کی پاکبازی اور خوبصورتی) کا ذکر کیا گیا تو اس کو ان کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ہوئی۔ مگر جب آسیہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہ خود تیار ہوئیں اور نہ ان کے باپ راضی ہوئے فرعون نے ان کو خوش کرنے کے لئے بہت دولت خرچ کی مگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر فرعون نے (جو بادشاہ تھا) زبردستی ان سے شادی کر لی، رات کو جب فرعون آسیہ کے پاس پہنچا اور ان سے ہمبستری کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کو آسیہ کے پاس سے دور کر دیا۔ اس کے بعد جب بھی اس نے آسیہ کے ساتھ ہم بستری کرنی چاہی تو یہی صورت پیش آئی (مگر چونکہ فرعون آسیہ کو بے حد چاہتا تھا اس لئے اس کے باوجود اس نے ان کو علیٰحدہ نہیں کیا بلکہ) آخر اسی پر راضی ہو گیا کہ صرف آسیہ کو دیکھ لیا کرے (اور اس طرح اپنی محبت کو تسکین دیتا رہے)۔

مریم یوسف سے محفوظ رہیں...... جہاں تک حضرت مریم (یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ) کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی شادی ان کے چچا کے بیٹے یوسف نجار سے ہوئی تھی مگر یوسف ان کے ساتھ ہمبستری نہیں کر سکے۔ حضرت مریم نے یوسف سے اس لئے شادی کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ مصر جا سکے جہاں وہ اپنے بیٹے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔ یہ وہاں بارہ سال تک رہے اسکے بعد حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ واپس شام آگئے اور ناصرہ کے مقام پر آکر قیام کیا۔

موسیٰ کی بہن کنواری رہیں...... جہاں تک حضرت موسیٰؑ کی بہن کلثوم کا تعلق ہے ان کے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ ان کی شادی ہوئی تھی۔

بنی عبد مناف کے ڈیل ڈول...... (پہلے حضرت آمنہ کی روایت گزری ہے کہ میں نے اپنے پاس کچھ عورتوں کو دیکھا جو ایسی لمبی اور ڈیل ڈول کی تھیں جیسے عبدالمطلب کی یا عبد مناف کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ) جو روایت گزری اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد مناف کی یا عبدالمطلب کی بیٹیاں دوسری عورتوں کے مقابلے میں اپنے قد و بدن اور ڈیل ڈول میں ممتاز تھیں (عبدالمطلب کے پورے خاندان کے متعلق مشہور ہے کہ سب بہت لمبے اور قد آور تھے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے بیٹے علی کے متعلق میں نے (ایک کتاب میں) دیکھا کہ وہ غیر معمولی طور پر لمبے قد کے تھے جب طواف کرتے تو لوگوں کے درمیان ایسے لگتے تھے جیسے گھوڑے پر سوار ہوں یہ علی ابن عبداللہ خاندان بنی عباس کے پہلے دو خلفاء یعنی خلیفہ سفاح اور خلیفہ منصور کے دادا تھے۔ یہ دونوں خلفاء علی کے بیٹے محمد کے لڑکے تھے۔ یہ علی اتنے لمبے قد کے ہونے کے باوجود اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے مونڈھے کے برابر پہنچتے تھے۔ پھر یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی اتنے لمبے ہوتے ہوئے اپنے والد حضرت عباسؓ کے مونڈھے کے برابر تھے اور اسی طرح خود حضرت عباسؓ اپنے والد عبدالمطلب کے مونڈھے کے برابر تھے (یہ روایت غیر معمولی طور پر لمبے قد ظاہر کرتی ہے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آتے) چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ نے لمبے قد کے جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں علی ابن عبداللہؓ کے ساتھ

حضرت عبد اللہ، حضرت عباسؓ اور عبد المطلب کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف حضرت عمر ابن خطابؓ، حضرت زبیر ابن عوامؓ قیس ابن سعد اور حبیب ابن سلمہ کا ذکر ہے۔

**بنی عباس میں حسن و تقویٰ**...... کتاب مواہب میں ہے کہ "حضرت عباسؓ درمیانے قد کے تھے اور ایک روایت کے مطابق لمبے قد کے تھے۔ میں نے ان علی ابن عبد اللہ کے متعلق جو دو عباسی خلفاء کے دادا تھے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ یہ حد درجہ عبادت گزار اور پرہیزگار عالم باعمل تھے، اس کے ساتھ ہی نہایت حسین اور خوبصورت تھے یہاں تک کہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ خوبصورت اور ایک شریف انسان تھے۔ اس قدر عبادت گزار تھے کہ روزانہ رات کو ایک ہزار رکعت نفلیں پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے ان کو سجاد یعنی بہت زیادہ سجدہ کرنے والا کہا جاتا تھا۔ حضرت علی ابن ابو طالب کرم اللہ وجہ نے ہی ان کا نام علی رکھا تھا۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں حضرت علیؓ کو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نظر نہیں آئے حضرت علیؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے ابو العباس یعنی حضرت عبد اللہ مسجد میں نظر نہیں آرہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے چنانچہ نماز پڑھنے کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں سے کہ آؤ ابو العباس (یہ حضرت عبد اللہ کی کنیت ہے) کے گھر چلتے ہیں۔ ان کے گھر پہنچ کر حضرت علیؓ نے حضرت عبد اللہ کو بچے کی مبارک باد دی اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے خدا تمہیں اس بچے میں برکتیں عطا فرمائے۔ بعض راویوں نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ۔ خدا اس میں تمہارے لئے خیر ظاہر فرمائے۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے"۔

حضرت عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا

"آپ کے ہوتے ہوئے کیا میرے لئے یہ مناسب ہے کہ میں اس کا نام رکھوں"۔

حضرت علیؓ نے بچے کو لانے کا حکم دیا چنانچہ جب ان کے پاس لایا گیا۔ حضرت علیؓ نے (سنت کے مطابق) کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی (جس کو عربی میں تحنیک کہتے ہیں) پھر بچے کے لئے دعا کی اور اس کو حضرت عبد اللہ کو دیتے ہوئے فرمایا۔

"ابو الاملاک کو لو میں نے اس کا نام علی رکھا ہے اور اس کا لقب ابو الحسن رکھا ہے"۔

**سیاسی اختلاف کے اثرات**...... اس طرح ان کا نام حضرت علیؓ نے اپنے نام پر رکھا اور لقب بھی اپنا ہی رکھا یعنی ابو الحسن جس کے معنی ہیں حسن کا باپ کیونکہ حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے حضرت امام حسنؓ تھے۔ مگر حضرت معاویہؓ سیاسی طور پر چونکہ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اس لئے، جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ تم اس کا نام و لقب وہ نہ رکھو جو ان کا یعنی حضرت علیؓ کا ہے۔ امیر معاویہ نے ایسا اپنی ناپسندگی کی وجہ سے کیا (پھر امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں نے ان کا لقب ابو محمد رکھ دیا ہے، اس کے بعد لوگوں میں ان کا یہی لقب مشہور ہو گیا:۔

مگر بعض علماء نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ جب یہ علی ابن عبد اللہ، عبد الملک ابن مروان کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا۔

**علی نام لقب پر ناپسندیدگی**...... اپنا نام یا لقب بدلو اس لئے کہ میں تمہارے نام کو برداشت نہیں کر سکتا

کیونکہ وہ نام علی ہے، اسی طرح تمہارا لقب بھی میں برداشت نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ ابوالحسن ہے"۔

علی ابن عبداللہ نے جواب دیا کہ جہاں تک میرے نام (یعنی علی) کا تعلق ہے تو اسے میں نہیں بدلوں گا، ہاں میرا لقب بدل کر آپ ابو محمد رکھ سکتے ہیں۔ (کیونکہ محمد ان کے بیٹے کا نام ہے اور ابو محمد کا مطلب ہے محمد کا باپ یہی وہ محمد ہیں جو پہلے دو عباسی خلفاء خلیفہ سفاح اور خلیفہ منصور کے باپ ہیں)

عبدالملک نے یہ بات (یعنی نام اور لقب بدلنے کی بات) حضرت علی ابن ابو طالب کے نام اور لقب سے ناپسندگی کی وجہ سے کہی تھی۔

علی عباسی کی پیشینگوئی اور سزا...... ایک دفعہ یہ علی ابن عبداللہ اپنے دونوں پوتوں سفاح اور منصور کے ساتھ خلیفہ ہشام ابن عبدالملک ابن مروان کے پاس پہنچے اس وقت ہشام ابن عبدالملک (جو بنی امیہ میں سے تھا) خلیفہ تھا اور سفاح اور منصور دونوں بچے تھے (جنہوں نے بڑے ہو کر بنی امیہ سے سلطنت چھینی اور اپنے خاندان یعنی بنی عباس میں بادشاہی قائم کی) خلیفہ ہشام، علی کے ساتھ بہت عزت سے پیش آیا مگر علی خلیفہ کو اپنے پوتوں کے متعلق نصیحت کرنے لگے اور کہا کہ یہ دونوں اس خلافت اور سلطنت کے مالک بنیں گے (خلیفہ ہشام نے ان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ) ان کی سادگی پر حیران ہونے لگا اور اس بات کو ان کی بے وقوفی سمجھ کر ٹال گیا مگر کہا جاتا ہے کہ جب (اس کا بھائی) ولید ابن عبدالملک خلیفہ بنا اور اس نے سنا کہ علی ایسی بات کہتے ہیں (کہ میرے پوتے تمہارے خاندان سے خلافت و سلطنت چھین لیں گے) تو اس نے علی کو اس کی سزا میں کوڑوں سے پٹوایا پھر اس نے انہیں ایک اونٹ پر اس طرح سوار کرایا کہ ان کا منہ اونٹ کی دم کی طرف کر دیا اور اس طرح انہیں شہر میں گھمایا کہ اونٹ کے پیچھے پیچھے ایک شخص چلاتا جاتا تھا کہ یہ جھوٹا علی ابن عبداللہ ابن عباس ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں علی کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لوگ تم پر جھوٹ کا الزام لگا رہے ہیں، علی نے کہا۔

"انہیں میرے متعلق معلوم ہوا ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خلافت و سلطنت میرے بیٹوں کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہے اور خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا"

پیشینگوئی کی تکمیل...... چنانچہ (ان کی پیشین گوئی پوری ہوئی) اور یہ بات اسی طرح ظاہر ہوئی جیسے علی نے کہا تھا کہ بنی امیہ میں سے خلافت نکل گئی اور بنی عباس میں پہنچ گئی) چنانچہ (بنی عباس میں پہلا) خلیفہ سفاح ہوا اور اس کے بعد (اس کا بھائی) منصور خلیفہ بنا۔

ابن عباس کی پیشینگوئی...... بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس گئے (اس وقت حضرت امیر معاویہ خلیفہ تھے) امیر معاویہؓ نے ان کے ساتھ بہت عزت کا معاملہ کیا اور ان کو انعام دیا پھر امیر معاویہ نے کہا کہ اے ابوالعباس کیا یہ سلطنت تمہارے خاندان میں بھی پہنچے گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ کیا کچھ بتلاؤ گے۔ حضرت عبداللہ نے کہا ہاں! امیر معاویہ نے پوچھا کہ (جب تم لوگ یعنی بنی عباس ہم بنی امیہ سے خلافت چھینو گے تو) تمہارے مددگار کون لوگ ہوں گے۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ خراسان کے لوگ (ی) یعنی ابو مسلم خراسانی جو اپنے لشکر کے ساتھ آئے گا اور ان کے ساتھ سیاہ رنگ کے جھنڈے ہوں گے جو بنی امیہ کے ہاتھوں سے سلطنت چھین کر اس کو بنی عباس میں پہنچا دیں گے۔

ابو مسلم اور بنی امیہ کا زوال...... کہا جاتا ہے کہ اس ابو مسلم خراسانی نے ستّر ہزار آدمیوں کو قتل کیا جو ان کے علاوہ ہیں جنہیں اس نے مختلف جنگوں میں قتل کیا۔ (اس ابو مسلم خراسانی کے لشکر کے ساتھ سیاہ رنگ کے جھنڈے تھے یہ وہ جھنڈے نہیں ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ خراسان کی جانب سے سیاہ رنگ کے جھنڈے (یعنی لشکر کے ساتھ) آگئے ہیں تو ان جھنڈوں کے نیچے پہنچ جانا اس لئے کہ ان جھنڈوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

(ابو مسلم کے لشکر کے ساتھ والے سیاہ جھنڈے اس لئے وہ جھنڈے نہیں ہو سکتے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے) وہ واقعہ قیامت کے قریب پیش آئے گا۔

بنی عباس کا اقتدار...... اس کے بعد پھر اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ علی ابن عبد اللہ کی پیشن گوئی کے مطابق بنی امیہ سے خلافت چھن گئی اور بنی عباس میں پہنچی جن میں سے سب سے پہلا خلیفہ علی کا پوتا سفاح ہوا اور اس کے بعد اس کا بھائی منصور ہوا) پھر یہ خلافت منصور کی اولاد میں رہی (علی نے پچھلی روایت میں جو یہ کہا ہے کہ خلافت میرے بیٹوں کے ہاتھوں میں پہنچے گی اس سے مراد بیٹے نہیں بلکہ) ظاہر ہے پوتے مراد ہیں کیونکہ پوتے کو بھی بیٹا ہی کہا جاتا ہے۔

کتاب مر آۃ زمان میں ہے کہ خلیفہ مامون سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے باپ خلیفہ ہارون رشید نے روایت کیا جو اپنے باپ خلیفہ مہدی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ خلیفہ منصور سے وہ اپنے باپ محمد ابن علی سے وہ اپنے باپ علی سے وہ اپنے باپ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے وہ آنحضرت ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کا سردار عوام کا خادم ہوتا ہے۔

مامون عباسی کے اقوال...... کہا جاتا ہے کہ مامون کے جو قول نقل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :۔

"آدمی کا اپنے مہمان سے خدمت لینا بد بختی کی بات ہے"۔

خلیفہ مامون یہ بھی کہا کرتا تھا :۔

اگر لوگوں کو میری درگزر کر دینے اور (مجرموں کو) معاف کر دینے کی عادت کے متعلق پتہ چل جائے تو وہ جرم کر کر کے میرے پاس آنا شروع کر دیں اور مجھے ڈر ہے کہ میں انہیں معافی دینے کے بدلے میں ان سے کوئی اجرت نہیں لوں گا۔ اس لئے کہ یہ (معاف کر دینا) میری عادت اور مزاج بن گیا ہے۔

مشرق و مغرب میں اسلام...... (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ کی والدہ نے کہا :۔

"میں نے (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت) تین جھنڈے دیکھے جن میں سے ایک جھنڈا مشرق کا تھا (جس سے مشرق میں آپ ﷺ کا کلمہ پھیل جانے کی طرف اشارہ تھا) دوسرا جھنڈا مغرب کا تھا (جس سے مغرب میں آپ کا کلمہ پھیلنے کی طرف اشارہ تھا) اور تیسرا جھنڈا کعبہ کی چھت پر لگا ہوا تھا (جس سے آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کے مرکز کی طرف اشارہ تھا) واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ اور عرب کا دستور...... جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کو (عرب کے قاعدے کے مطابق) ایک بڑے برتن سے ڈھانپ دیا گیا مگر اس برتن کے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔

مولود نبی اور معجزہ...... (قال) یہ روایت بھی ان میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کے

وقت پیدا ہوئے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں (قریش میں) جب کوئی بچہ رات کے وقت پیدا ہوتا تو اس کو ایک برتن کے نیچے رکھ دیا جاتا اور لوگ صبح ہونے تک (غالباً شگون کی وجہ سے) اس کو نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ (رات کے وقت) پیدا ہوئے تو آپ کو ایک برتن کے نیچے رکھ دیا گیا جو ایک پیانہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ ایک بڑا پیانہ تھا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ اس پیانے کے پاس (آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے) آئے مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ پیانہ یعنی برتن پھٹ کر دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ لوگوں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔

**انگوٹھے سے دودھ**...... آپ کی والدہ (حضرت آمنہ) سے روایت ہے کہ میں نے (آپ کی پیدائش کے بعد) آپ کے اوپر ایک برتن ڈھانپ دیا مگر (صبح کو) میں نے دیکھا کہ وہ برتن پھٹ کر آپ ﷺ کے اوپر سے ہٹ چکا ہے اور آپ ﷺ (اس حال میں تھے کہ) اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے جس سے دودھ نکل رہا تھا الخ۔

**بچوں کے انگھوٹھے میں رزق**...... عرائس میں ہے کہ فرعون نے (جب حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے ڈر سے) یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کر دیا جائے تو عورتیں یہ کرنے لگیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے لے کر چپکے سے کسی وادی یا غار میں لے جاتیں اور اس میں بچے کو چھپا دیتیں اللہ تعالیٰ اس بچے کے لئے فرشتوں میں سے کسی کو متعین فرما دیتا جو اس کو کھلاتا پلاتا یہاں تک کہ (بڑے ہو کر وہ بچہ) لوگوں میں آملتا (سامری جادوگر جو اسی زمانے میں پیدا ہوا تھا) اس کی ماں نے اسے بھی اسی طرح ایک غار میں چھپا دیا تھا اس کے پاس جو فرشتہ (اس کو کھلانے پلانے کے لئے) آیا وہ حضرت جبرئیلؑ تھے۔ یہ سامری اس غار میں (انگھوٹا چوسا کرتا تھا اور) اس کے ایک ہاتھ کے انگوٹھے میں سے مسکہ نکلتا تھا اور دوسرے سے شہد نکلتا تھا، اسی وجہ سے جب دودھ پینے والا بچہ بھوکا ہوتا ہے تو وہ اپنا انگوٹھا چوستا ہے۔ چنانچہ انگوٹھا چوسنے کے متعلق روایت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے رزق رکھ دیا ہے یہ سامری ایک منافق تھا جو ظاہر میں حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آنے کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے کفر کو چھپاتا تھا۔

**عبدالمطلب کو ولادت کی خبر**...... (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ ﷺ پر برتن ڈھانپ دیئے جانے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں) ایک روایت میں ہے کہ یہ عبدالمطلب تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو عورتوں کے سپرد کیا کہ وہ آپ ﷺ پر برتن ڈھانپ دیں۔

(اقول) مؤلف کہتے ہیں :۔ یہ بات آگے آنے والی ابن اسحاق کی اس روایت کے مطابق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ عبدالمطلب اس رات کعبے کا طواف کر رہے تھے۔ عبدالمطلب حضرت آمنہ کے پاس آئے ___ تو حضرت آمنہ نے کہا،

"اے ابوالحارث! آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے جو عجیب ہے"۔

**ولادت کے عجائبات**...... عبدالمطلب اتنی بات سن کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کیا وہ مکمل انسان نہیں ہے؟ حضرت آمنہ نے جواب دیا۔

"ہاں (مکمل انسان ہے) مگر وہ اس طرح پیدا ہوا کہ وہ سجدے کی حالت میں تھا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائیں"۔

**نو مولود کو طواف کعبہ**...... اس کے بعد حضرت آمنہ نے بچے کو کپڑے سے نکال کر عبد المطلب کو دیا۔ عبد المطلب نے آپ کو دیکھا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو لے کر کعبے میں گئے پھر (طواف کرنے کے بعد) آپ ﷺ کو واپس حضرت آمنہ کو لا کر دیا (اس کے بعد غالباً عبد المطلب نے آپ کو برتن سے ڈھانپنے کے لئے کہا ہوگا)

مگر اس میں ابن درید کی اس روایت سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد) حضرت آمنہ نے آپ کو ایک بڑے برتن سے ڈھانپ دیا تاکہ عبد المطلب سے پہلے آپ کو کوئی دیکھنے نہ پائے۔ چنانچہ آپ کے دادا آئے تو دیکھا کہ وہ برتن ٹوٹ چکا تھا۔

**بچے پر برتن ڈھکنے کی کوشش**...... (یہ شبہ دور کرنے کے لئے) کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے آپ کے دادا (عبد المطلب) نے آپ کو برتن کے ٹوٹنے کے بعد ہی گود میں لیا ہو اور پھر آپ کو کعبے میں لے کر گئے ہوں۔ پھر کعبے سے واپس لانے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کو حضرت آمنہ اور دوسری عورتوں کے سپرد کیا ہو تاکہ صبح ہونے تک آپ پر دوسرا برتن ڈھانپ دیا جائے اور اس کے بعد یہ دوسرا برتن بھی ٹوٹ کر ٹکڑے ہو گیا ہو۔ اس طرح یہ روایت حضرت آمنہ کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ برتن پھٹ کر آپ کے اوپر سے ہٹ چکا ہے اور آپ (اس حال میں تھے کہ) اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے (اس ذیل میں ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ)۔

ایاس جس کی ذہانت اور حافظہ ضرب المثل ہے اس سے روایت ہے کہ مجھے اپنی پیدائش کی رات یاد ہے (میری پیدائش کے بعد) میری ماں نے میرے اوپر ایک برتن رکھ دیا تھا۔ ایاس نے ایک مرتبہ اپنی ماں سے پوچھا کہ میری پیدائش کے قریب تم نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں نے کہا کہ ہاں بیٹے مجھے ایسا لگا تھا جیسے کوئی طباق اوپر سے نیچے گر پڑا ہو۔ میں اس آواز سے اتنی گھبرائی کہ اسی وقت تم پیدا ہو گئے۔

بعض محققین (ایاس کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے متعلق) کہتے ہیں کہ ہر سو سال کے بعد ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جس کی عقل بالکل مکمل ہوتی ہے ایاس ان ہی لوگوں میں سے تھا۔ شاید یہی مراد ہے اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ ہر سال میں ایک ایسے شخص (یعنی مجدّد کو پیدا فرماتا ہے جو اس امت کے دین کو زندہ کرتا ہے۔ سو سال سے مراد ہے صدی کے آخر میں تاکہ اسے اس کے بعد آنے والی صدی کا ابتدائی حصہ زندگی میں ملے۔ مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایاس بھی مجدّدوں میں سے تھے یا نہیں۔ واللہ اعلم

**نبی کی ولادت اور شیطان کی چیخ**...... تفسیر ابن مخلد جس کے بارے میں ابن حزم نے کہا ہے کہ اس جیسی کتاب دوسری نہیں لکھی گئی اس میں ہے کہ شیطان صرف چار مرتبہ نہایت مصیبت اور غم کے ساتھ چیخا ہے۔ ایک دفعہ اس وقت چیخا جب اس کو اللہ تعالیٰ نے ملعون اور راندۂ درگاہ کیا۔ دوسری بار وہ اس وقت چیخا جب اس کو آسمانوں سے زمین پر اتار دیا گیا۔ تیسری بار وہ اس وقت چیخا جب آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی۔ بعض حضرات کے قول کے مطابق یہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت سے مراد آپ کی بعثت یعنی نبوت ملنے کا دن ہے (کہ تیسری بار اس وقت چیخا) اور چوتھی بار اس وقت چیخا جب آنحضرت ﷺ پر سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت شیطان کے چیخنے کی طرف کتاب عیون الاثر کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لِمولدِہٖ قَلَرنّ ابلیسُ رنّۃ
فسحقالہ ماذا یفید رنینہٗ

ترجمہ: آپ کی پیدائش کے وقت شیطان بہت غم والم کے ساتھ چیخا۔ پس ہلاک ہو وہ اس کے چیخنے سے کیا فائدہ حاصل ہو گا۔

**شیطان کی آہ وبکا کے موقعے**...... عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی اس وقت بھی شیطان نے ایک زبردست اور بھیانک چیخ ماری۔ (وہ آیت یہ ہے)

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْیَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (پ ۵ سورہ نساء ع ۱۶) آیت ۱۱۰

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

**استغفار اور شیطان کی چیخیں**......(اس آیت پاک کے نازل ہونے کے وقت شیطان اتنے زبردست طریقے سے چیخا کہ اس کے لشکر کے دوسرے تمام شیطان دنیا کے کونے کونے سے اس کے پاس آکر جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ تو اتنے بھیانک طریقے سے کس لئے چیخا کہ ہم سب گھبرا گئے۔ شیطان نے کہا کہ ایک ایسا حکم نازل ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سخت بات میرے لئے کبھی نازل نہیں ہوئی۔ اس شیطانی گروہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے تو شیطان نے (اوپر گزرنے والی) آیت انہیں پڑھ کر سنائی (جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ دیا ہے کہ میری نافرمانی کرنے والا شخص اگر گناہ کرنے کے بعد مجھ سے استغفار کرلے تو میں اسے معاف کردوں گا۔ گویا اس طرح شیطان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ لوگوں کو ورغلا کر ان سے گناہ کرائے اور اس طرح ان کا انجام خراب کرادے۔ جتنے زیادہ آدمیوں کو خدا کے ہاں جہنم میں ڈھکیلا جائے گا شیطان کو اس سے تسلی ہوگی کہ اس کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ مگر اس آیت میں گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نسخہ اور تدبیر بتلادی کہ اس کے ذریعہ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور وہ نسخہ استغفار ہے کہ ایک گنہگار شخص استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ شیطان پر یہ استغفار ہی بہت شاق گذری اور اسے اس سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ بھیانک انداز سے چیخا یہاں تک کہ دوسری سب شیطان جمع ہو گئے۔ شیطان نے استغفار کے متعلق یہ آیت سنا کر ان سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کا (یعنی استغفار کا) بھی کوئی توڑ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں ہے (یعنی ایسی کوئی تدبیر ہمارے پاس نہیں جس سے ہم آدمی کے استغفار کرنے کے بعد بھی اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہ رہنے دیں) شیطان نے کہا کہ کوئی اس کا توڑ تلاش کرو میں بھی تلاش کروں گا۔

**شیطان اور استغفار کا توڑ**...... پھر علامہ خراسانی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک زمانہ گزر گیا تو پھر شیطان ایک بار بڑے زور سے چیخا یہاں تک کہ دوسرے سب شیطان پھر اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ تو اتنے زور سے چیخا جتنا پچھلی دفعہ کے سوا کبھی نہیں چیخا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ (کیا سوچ بچار کے بعد) تمہیں استغفار کا کوئی توڑ ملا۔ شیطانوں نے کہا کہ نہیں ہمیں کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ ابلیس نے (خوش ہو کر) کہا کہ میں نے اس کا توڑ سوچ لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ ابلیس نے کہا۔

**بدعات سے استغفار کا مقابلہ**...... "میں بدعات کو بڑے خوبصورت انداز میں مسلمانوں کے سامنے پیش

کروں گا جنہیں وہ دین سمجھ کر اختیار کرلیں گے (حالانکہ وہ گناہ ہوں گی مگر چونکہ لوگ اپنی جہالت اور شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے ان کو دین سمجھے ہوئے ہوں گے اس لئے وہ) ان گناہوں پر استغفار نہیں کریں گے۔ کیونکہ بدعت پر عمل کرنے والا آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے اس بدعت کو حق اور درست سمجھتا ہے گناہ نہیں سمجھتا کہ اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے (اور اس طرح آدمی گناہ کرنے کے بعد اس کو مٹانے کا نسخہ جانتے ہوئے بھی اسے استعمال نہیں کرتا جس کے نتیجہ میں شیطان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے)

**بدعتی کے اعمال نامقبول**...... (بدعت کے سلسلے میں) حدیث میں آتا ہے کہ بدعت کرنے والا جب تک کہ اس بدعت کو چھوڑ نہ دے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا یعنی جب تک آدمی اس بدعت میں مبتلا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عمل پر اس کو ثواب نہیں دیتا۔

**بدعات گناہوں کا راستہ**...... حسن بصریؒ کہتے ہیں۔ میں نے سنا کہ شیطان نے کہا میں نے حضرت محمد ﷺ کی امت کے لئے گناہوں کا راستہ ہموار کیا مگر اس نے استغفار کے ذریعہ میری کمر توڑ دی مگر پھر میں نے ان کے لئے ایسے گناہوں کا راستہ ہموار کر دیا جن پر وہ اللہ سے استغفار ہی نہیں کرتے اور وہ خواہشات یعنی بدعتیں ہیں۔

**بدعات نفسانی خواہشوں کا نام**...... ایک حدیث میں آتا ہے

میں اپنے بعد اپنی امت پر تین باتوں کی وجہ سے ڈرتا ہوں۔ نفسانی خواہشات کی گمراہی (آخر حدیث تک) یہاں نفس کی خواہشات پر عمل کرنے والوں سے مراد بدعت پر چلنے والے لوگ ہیں۔

**ستاروں کا گرنا علامت پیدائش**...... حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اور شیطان نے ستاروں کو گرتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے لشکر سے کہا اس رات میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے کاموں کو برباد کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کا ٹوٹنا شیطان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامت تھا۔ شیطان کے لشکر نے کہا کہ پھر تو جاکر اس بچے کو تباہ کیوں نہیں کر دیتا (یہ سن کر شیطان آنحضرت ﷺ کی طرف چلا) جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا جنہوں نے شیطان کے ایک ٹھوکر ماری جس سے وہ ملک عدل میں جاکر گرا۔

**شیطان کو آسمان سے دھتکار**...... ستاروں کا ٹوٹنا شیطان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ولادت کی علامت ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب شیطانوں کو آسمانوں میں پہنچنے اور وہاں کی باتیں سن لینے سے روک دیا گیا اور انہیں مار مار کر وہاں سے بھگا دیا گیا تو شیطانوں نے ابلیس سے آکر اس بات کی فریاد کی۔ شیطان نے کہا معلوم ہوتا ہے دنیا میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔ پھر اس نے شیطانوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس زمین کے ہر علاقے سے تھوڑی تھوڑی مٹی اٹھا کر لائیں (جب شیطان مٹی لے کر آئے تو) ابلیس ہر ہر مٹی کو سونگھ کر دیکھنے لگا یہاں تک کہ اس نے تہامہ یعنی مکے کی مٹی سونگھی۔ اسے سونگھ کر اس نے کہا یہاں (یعنی اس علاقہ میں) کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ بعض حضرات نے اس طرح اس بات کو آپ کی ولادت کے وقت کی بات بتلایا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ اس نے شیطانوں کی شکایت پر مختلف علاقوں کی مٹیاں منگا کر سونگھیں اور اس سے آپ کی ولادت کے متعلق معلوم ہوا جبکہ پچھلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے ستاروں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو چونکہ اسے معلوم تھا کہ

یہ علامت نبی آخرالزماں کی پیدائش کی ہے اس لئے اس نے دوسرے شیطانوں کو خبر دی کہ وہ نبی پیدا ہو گئے ہیں) مگر اس اشکال کو دور کرنے اور دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ ستاروں کا ٹوٹنا آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامت تھا مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ ولادت کس علاقے میں اور کس مقام پر ہوئی (اور شیطان نے اس روایت کے مطابق) مٹی سونگھ کر آپ ﷺ کی جائے پیدائش کا پتہ چلایا۔ بعض علماء نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ یہ جو واقعہ گزرا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کا ہے۔ بلکہ جیسا کہ بیان ہو چکا بعض دوسرے علماء کے خیال میں یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت (یعنی نبوت ملنے) کے وقت کا ہے (کہ شیطان کو آسمانوں میں پہنچنے سے روک دیا گیا) جیسا کہ یہ بحث آگے آئے گی۔ شاید یہ غلط فہمی راویوں کے آپس میں گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

**ولادت عیسیٰ اور شیطان کو روک**...... بعض علماء نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شیاطین پہلے زمانے میں آسمان پر جایا کرتے تھے۔ پھر دنیا کے اس آسمان سے اوپر دوسرے آسمان تک پہنچ جاتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تو شیطانوں کو آسمان دنیا سے اوپر جانے سے روک دیا گیا۔ اب وہ صرف آسمان دنیا ہی میں پہنچ کر وہاں کی کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تو شیاطین کو آسمان دنیا میں پہنچنے سے بھی کسی حد تک روک دیا گیا۔ اب انہیں صرف کبھی کبھی اس کا موقعہ ملتا تھا کہ آسمان دنیا میں پہنچ کر وہاں کی باتیں سن سکیں۔ ورنہ اکثر وہ آسمان دنیا کے نیچے ہی منڈلاتے رہتے اور باتیں سننے کی کوشش کرتے۔ آخر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی (یعنی آپ کو نبوت ملی) تو شیاطین کو آسمان دنیا میں جانے سے بالکل روک دیا گیا، اب وہ جو کچھ بھی سن پاتے وہ آسمان دنیا کے نیچے رہ کر ہی سنتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے (اپنی کتاب) "الکوکب المنیر فی مولد البشیر النذیر" میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ (پہلے زمانے میں) شیطانوں کو آسمانوں میں جانے کی ممانعت نہیں تھی۔ چنانچہ وہ آسمانوں کے اندر پہنچ جاتے اور وہاں وہ باتیں سن لیتے جو دنیا میں پیش آنے والی ہیں۔ پھر یہ شیاطین وہ باتیں کاہنوں کو بتلا دیتے (جن کے متعلق عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں) پھر جب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تو انہیں (اوپر کے) تین آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا...... حضرت وہب ابن منبہؒ کی روایت کے مطابق انہیں چار آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو شیاطین کو تمام آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا اور فرشتے ان (آسمانوں) کی حفاظت ستاروں سے کرنے لگے۔ چنانچہ شیاطین میں سے اب جب بھی کوئی وہاں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے شہاب ثاقب یعنی ستارے مارے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو ضروری تفصیل اور تشریح ہے وہ اس باب میں ذکر ہوگی جس میں آپ ﷺ کی بعثت کا بیان ہے۔

**طلوع ستارۂ احمد**...... پادریوں اور راہبوں کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر تھی۔ چنانچہ حضرت حسان ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت) میں سات آٹھ سال کا لڑکا تھا اور جو کچھ دیکھتا اور سنتا تھا اس کو سمجھتا تھا اسی زمانے میں میں نے ایک دن صبح کے وقت یثرب (یعنی مدینے) میں ایک یہودی کو دیکھا جو ایک اونچے ٹیکرے پر چڑھ کر چلا رہا تھا اور یہودیوں کو پکار رہا تھا۔ لوگ (اس کی آواز سن کر) اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہو گئی (کیوں چیخ رہا ہے) اس یہودی نے کہا۔

احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔ (ی) کیونکہ بعض قدیم کتابوں میں اس رات میں اس ستارے کا طلوع ہونا رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی علامت کے طور پر ذکر تھا۔

ان حضرت حسان ابن ثابتؓ کے متعلق آگے بیان آئے گا کہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے) جاہلیت کے دور میں انہوں نے ساٹھ سال گزارے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد بھی اتنے ہی سال (یعنی ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس طرح ان کی کل عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی) اسی طرح ان کے باپ، دادا اور پڑدادا کی عمریں بھی اتنی اتنی ہی (یعنی ایک سو بیس سال کی) ہوئیں۔

**شاعر اسلام کی عمر و جسمانی خصوصیات**...... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت حسانؓ اور ان کے باپ دادا کے سوا (تاریخ میں) ایسے دوسرے کسی آدمی کا ذکر نہیں ہے جن کی اولاد در اولاد بالکل برابر عمریں ہوئی ہوں (حضرت حسان ابن ثابتؓ مشہور صحابہ میں سے ہیں اور انکو شاعر اسلام کہا جاتا ہے جن کی نعتیں اور آنحضرت ﷺ کی شان میں قصیدے مشہور ہیں)۔ حضرت حسانؓ (کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی زبان بہت لمبی تھی یہاں تک کہ وہ) اپنی زبان سے اپنی ناک کا بانسہ چھولیا کرتے تھے (جبکہ عام طور پر آدمی کے لئے یہ ناممکن ہے) اسی طرح ان کے بیٹے، باپ اور دادا (بھی اپنی زبان سے ناک کا بانسہ چھولیا کرتے تھے)۔

**ستارۂ احمد اور موسیٰ**...... حضرت کعب ابن احبار سے روایت ہے کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کی خبر دے دی تھی اور حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم (یعنی بنی اسرائیل) کو اس کی اطلاع دے دی تھی کہ :۔

**یہود اور ولادت نبوی کی نشانی**...... تمہارے نزدیک جو مشہور چمک دار ستارہ ہے اور جس کا فلاں نام ہے جب وہ حرکت میں آئے گا اور اپنی جگہ سے سرکنا شروع ہو گا تو وہی وقت رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا ہو گا۔ (ی) یہ خبر بنی اسرائیل کے علماء ایک دوسرے کو دیتے آئے تھے (اور اس طرح بنی اسرائیل کو بھی آنحضرت ﷺ کی ولادت کا وقت یعنی اس کی علامت معلوم تھی)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی (عالم) مکے میں رہتا تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو وہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"کیا تمہارے یہاں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے"؟

**حضور ﷺ کا اولاً دودھ نہ پینا بھی علامت**...... لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا "میں جو کچھ کہتا ہوں اسے اچھی طرح سن لو کہ آج اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ (ی) اور قریش کے لوگو وہ تم میں سے ہے (یعنی قریشی ہے) اس کے مونڈھے پر (ی) یعنی مونڈھے کے پاس ایک علامت (یعنی مہر نبوت) ہے جس میں بہت زیادہ بال ہوں گے یعنی اتنے مسلسل اور گھنے بال ہیں جیسے گھوڑے کے ایال میں ہوتے ہیں۔ (ی) اور یہ نشان مہر نبوت ہے (ی) جو نبوت کی علامت اور دلیل ہے (دوسری علامت اس بچے کی یہ ہے کہ) وہ دو رات تک دودھ نہیں پئے گا۔ یہ باتیں اس کی نبوت کی علامتوں کے طور پر قدیم کتابوں میں ذکر ہیں۔

(ی) دو دن تک دودھ نہ پینا غالباً کسی بیماری وغیرہ کے سبب ہو گا۔ (اس بارے میں) حافظ ابن حجرؒ نے آپ ﷺ کے دو دن تک دودھ نہ پینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جنات میں سے کسی عفریت نے آپ کے منہ پر اپنا

ہاتھ رکھ دیا تھا۔

**مہر نبوت کی یہودی عالم پر ہیبت**...... کہا جاتا ہے کہ جب یہودی نے یہ بات بتلائی تو قریش کے لوگ فوراً مجلس سے اٹھ گئے۔ وہ سب یہودی کی بات سن کر بہت حیران ہو رہے تھے۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں میں پہنچے تو ان میں سے ہر ایک نے اس بات کا تذکرہ اپنے گھر والوں سے کیا (گھر والوں کو چونکہ حضرت عبداللہ کے یہاں بیٹا ہونے کی خبر ہو چکی تھی اس لئے) انہوں نے اپنے مردوں کو بتلایا کہ آج رات تو عبداللہ ابن عبدالمطلب کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام انہوں نے محمد رکھا ہے۔ اب یہ قریشی پھر ملے اور سب یہودی کے پاس پہنچے اور اس کو یہ بات بتلائی (ی) انہوں نے اس یہودی سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارے یہاں (یعنی قریش میں) ایک لڑکا پیدا ہوا ہے (یہودی پہلے ہی جانتا تھا اور اس بچے کو دیکھنے اور اپنی بات کی تصدیق کرنے کے لئے بے قرار تھا اس لئے) اس نے کہا کہ میرے ساتھ تم لوگ چلو تاکہ میں ایک نظر اس بچے کو دیکھ لوں۔ قریشی اسے لے کر چلے اور آنحضرت ﷺ کی والدہ (حضرت آمنہ) کے پاس لائے۔ یہودی نے کہا کہ ذرا اپنے بچے کو ہمیں دکھلائیے۔ حضرت آمنہ نے بچے کو کپڑے سے نکالا تو ان لوگوں نے آپ کی کمر کھول کر دیکھی۔ یہودی کو جیسے ہی مہر نبوت نظر آئی وہ (غم و ہیبت کی وجہ سے) فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے کچھ ہوش آیا اور وہ سنبھلا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا تھا اس نے جواب دیا:۔

("میں اس غم میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا) کہ بنی اسرائیل میں سے (یعنی میری قوم میں سے) نبوت ختم ہو گئی، کیا تم اس بات پر خوش ہو۔ قریشیو! قسم ہے خدا کی کہ یہ شخص تم پر زبردست غلبہ حاصل کرلے گا اور اس کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی"۔

**قریش میں ولادت پیغمبر کا اعلان**...... (ی) علامہ واقدی سے روایت ہے کہ مکے میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام یوسف تھا۔ اس دن یعنی اس وقت جبکہ رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو اس سے پہلے کہ قریشیوں کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر ہوتی اس یہودی نے قریشیوں سے کہا۔

"اے قریش کے لوگو! آج رات تمہارے اس علاقے میں اس امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے"۔

اس کے بعد وہ قریش کے گھرانوں میں (بچے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے) پھرنے لگا مگر اسے کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آخر (گھومتے گھومتے) وہ عبدالمطلب کی مجلس میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی اس نے (بچے کے متعلق) تحقیق کی تو اس کو بتلایا گیا کہ ابن عبدالمطلب یعنی حضرت عبداللہ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس یہودی نے (یہ سنتے ہی) کہا کہ توریت کی قسم وہ اس امت کا نبی ہے۔

**شامی یہودی کی پیشینگوئی**...... (اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ) مرّ ظہران کے مقام پر ملک شام کا ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام عیص تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے زبردست علم دیا تھا۔ وہ ہر وقت ایک عبادت گاہ میں رہتا تھا جو اسی کی تھی۔ وہ جب بھی مکے آتا تو لوگوں سے ملتا اور کہتا :۔

"بہت قریب زمانے میں تمہارے درمیان ایک بچہ پیدا ہو گا اور سارا عرب اس کے راستے (یعنی دین) پر چلے گا (ی) اور اس کے سامنے ذلیل اور پست ہو جائے گا۔ وہ عجم کا بھی یعنی اس کے شہروں اور علاقوں کا بھی مالک ہو جائے گا۔ یہی اس کا زمانہ ہے جو اس کو یعنی اس کی نبوت کے زمانے کو پائے گا اور اس کی پیروی کرے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ (ی) جس خیر اور بھلائی کی وہ امید کرتا ہے (وہ اس کو حاصل ہو گی) اور جو شخص

اس کی نبوت کا زمانہ پائے گا مگر اس کی مخالفت کرے گا وہ اپنے مقصد اور آرزوؤں میں ناکام ہوگا"۔
چنانچہ مکے میں (اس زمانے میں) جو بھی بچہ پیدا ہوتا وہ اس کے بارے میں تحقیق کرتا اور کہتا کہ ابھی وہ بچہ نہیں پیدا ہوا۔ آخر جب وہ صبح ہوئی یعنی وہ وقت آیا جس میں کہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو عبدالمطلب (اپنے گھر سے) نکلے اور عیص کے پاس آئے اور اس کی عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اس کو آواز دی۔ عیص نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں عبدالمطلب ہوں۔ پھر انہوں نے اس راہب سے پوچھا کہ اس بچے کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا۔

**عیص یہودی کی تصدیق ولادت**...... تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو۔ بے شک وہ بچہ پیدا ہو گیا جس کے بارے میں میں تم سے کہا کرتا تھا۔ اور وہ ستارہ (ی) جس کا طلوع ہونا اس بچے کی پیدائش کی علامت ہے آج رات نکل آیا ہے اور اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس وقت اس بچے کو درد ہو رہا ہے۔ یہ تکلیف اسے تین دن رہے گی اور اس کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔
بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ عیص یہودی کے پاس آنے والے آدمی (عبدالمطلب کے بجائے) آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی وفات اس وقت نہیں ہوئی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ ماں کے پیٹ میں تھے (بلکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ان کا انتقال ہوا اس سلسلے کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے)۔ (ی) شاید یہ بات ماننے والے لوگ اس بناء پر ایسا کہتے ہیں کہ راہب سے جب پوچھا گیا کہ تم اس بچے کے متعلق کیا کہتے ہو تو اس نے پہلا جملہ یہ کہا کہ تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ (راہب نے جو یہ بات کہی کہ وہ بچہ تین دن تک تکلیف میں رہے گا اس کی تفصیل یہ ہے کہ) (ی) آپ نے تین رات تک دودھ نہیں پیا (اس بارے میں ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ نے دو رات تک دودھ نہیں پیا۔ اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ) یہ روایت اس قول کے خلاف نہیں ہوتی (جس سے دودھ نہ پینے کے متعلق معلوم ہوتا ہے)۔

**عیص سے عبدالمطلب کی ملاقات**...... (جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ راہب کے پاس جانے والے حضرت عبداللہ تھے اور دلیل یہ ہے کہ راہب نے کہا تھا کہ تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) راہب کے اس قول سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ وہاں جانے والے آنحضرت ﷺ کے والد یعنی عبداللہ ہی تھے کیونکہ (عربوں کے قاعدے کے مطابق) عبدالمطلب کو بھی آنحضرت ﷺ کا باپ ہی کہا جاتا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کو عبدالمطلب کا بیٹا کہا جاتا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آنحضرت ﷺ نے خود ایک موقعہ پر فرمایا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں (کیونکہ عرب میں اکثر دادا کو بھی باپ اور پوتے کو بیٹا کہا جاتا ہے) واللہ اعلم۔

**ولادت کو راز رکھنے کی ہدایت**...... (اس کے بعد پھر عیص یہودی کے واقعہ کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) پھر اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ (اس بارے میں) اپنی زبان بند ہی رکھنا (ی) یعنی جو کچھ میں نے تم سے (اس بچے کے متعلق بتلایا ہے) اس کا کسی سے ذکر مت کرنا اس لئے کہ لوگ اس بچے سے) اتنا زبردست حسد کریں گے کہ آج تک کسی سے نہیں کیا) ہوگا اور اس کی اتنی سخت مخالفت ہوگی کہ کبھی کسی کی نہیں ہوئی ہوگی (پوتے کے متعلق یہ باتیں سن کر) عبدالمطلب نے عیص سے پوچھا کہ اس بچے کی عمر کتنی ہوگی۔ اس نے کہا۔

**عمر مبارک کی پیشینگوئی......** "اگر اس کی عمر لمبی ہوئی تو بھی ستر سال تک کی نہیں ہوگی بلکہ اس سے پہلے ہی اکسٹھ (۶۱) سال یا تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر تک اس کی وفات ہو جائے گی...... ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ...... یہ عمر (یعنی اکسٹھ سال یا تریسٹھ سال) اس کی امت کی زیادہ سے زیادہ عمر ہوگی (یعنی عمر طبیعی یہی ہوگی) اور اس کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت ٹوٹ کر گر گئے ہیں"۔

اس بارے میں ایک روایت پچھلے صفحوں میں گزر چکی ہے کہ دنیا کے بت آنحضرت ﷺ کے حمل کے وقت ٹوٹ کر گرے ہیں (جیسا کہ قدیم کتابوں میں آپ ﷺ کی پیدائش کی علامت کے طور ر لکھا ہوا تھا) نیز اسی سلسلے میں یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ بتوں کے دو مرتبہ ٹوٹ کر گرنے کو مان لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے (کیونکہ اس طرح دونوں روایتیں درست ہو جاتی ہیں کہ دنیا کے بت آپ ﷺ کے حمل کے وقت بھی ٹوٹ کر گرے اور پھر دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ٹوٹ کر گرے)

**ولادت پر بتوں کا زوال......** حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی وہ ساری چیزیں جو معبود کی حیثیت سے پوجی جاتی ہیں، اس طرح گر پڑی تھیں کہ ان کے سر زمین پر تھے اور وہ سجدہ کی سی حالت میں ہو گئیں اور اس کیفیت کو دیکھ کر شیطان گھبرا اٹھا تھا۔

**شیاطین کی حیرانی......** چنانچہ حضرت وہب ابن منبہؒ سے روایت ہے کہ جب وہ رات آئی جس میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو دنیا کے سارے بت سر کے بل اوندھے ہو کر زمین پر گر پڑے (یعنی جیسے سجدہ کی حالت میں انسان اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے لوگ یہ دیکھ کر ان کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے) مگر جب بھی وہ اٹھا کر سیدھے کئے جاتے تو وہ پھر گر پڑتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر تمام شیاطین حیران و پریشان تھے مگر انہیں اس کی وجہ (یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی خبر) نہیں تھی۔ وہ سب ابلیس کے پاس فریاد لے کر گئے (مگر اس وقت تک اسے بھی اس بات کی وجہ معلوم نہیں تھی اس لئے) وہ ساری دنیا میں گھوما اور پھر (اس کا سبب معلوم کرنے کے بعد) ان شاطین کے پاس واپس آکر بولا کہ۔

میں نے ایک بچہ (یعنی حضرت عیسیٰؑ کو) دیکھا جسے فرشتے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اس لئے میں اس کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ میرے اور تم سب کے اوپر کوئی نبی اتنا بھاری نہیں ہوا جتنا یہ ہے۔ میری آرزو ہے کہ جتنے آدمیوں کو وہ ہدایت پر اور سیدھے راستے پر لگائے میں ان سے زیادہ آدمیوں کو گمراہ کر دوں"۔

(جیسا کہ پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت دنیا کے بتوں کے ٹوٹ کر گرنے کے متعلق معلوم ہوا اس کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ)

**آنحضرت ﷺ کی خصوصیت......** (اقول) مؤلف کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا کے بت آنحضرت ﷺ کے لئے دو مرتبہ گرے۔ ایک مرتبہ آپ کے حمل کے وقت اور دوسری مرتبہ آپ کی ولادت کے وقت۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیت بتوں کا آپ کے حمل کے وقت گرنا تھا کیونکہ ولادت کے وقت تو حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی دنیا کے بت گرے تھے۔ مگر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "خصائص صغریٰ" میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت گر پڑے تھے (مگر جیسا کہ بیان کیا گیا دنیا کے بُت حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت بھی گرے تھے) اس لئے اس کی روشنی میں علامہ سیوطیؒ کے اس قول کو درست نہیں کہا جا سکتا۔ (ہاں اگر آپ کے حمل کے وقت

بتوں کے گرنے کو آپ کی خصوصیت کہا جائے تو صحیح ہوگا کیونکہ حمل کے وقت صرف آپ ہی کے لئے بت گرے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حمل کے وقت ایسا نہیں ہوا تھا)۔

دیوار کعبہ کا اعلان ولادت...... عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میں کعبے میں تھا اچانک میں نے دیکھا کہ کعبہ کے بت اپنی جگہوں سے گر پڑے اور سجدے کی سی حالت میں زمین پر لوندھے ہوگئے۔ ساتھ ہی میں نے کعبے کی دیوار میں سے آنے والی ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی کہ وہ محبوب خدا پیدا ہوگئے جن کے ہاتھوں کفار ہلاک ہوں گے اور جو مکہ کو بتوں کی پوجا سے پاک کردیں گے اور جو لوگوں کو اس خدا کی عبادت کا حکم دیں گے جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

(پیچھے دو روایتیں گزری ہیں۔ ایک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس جب تحقیق کے لئے مکہ میں پہنچا تو وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا مگر اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو بھیجا جنہوں نے ٹھوکر مار کر اسے آپ کے پاس سے دور کردیا۔ دوسری روایت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ابلیس تحقیق کے لئے وہاں پہنچا تو حضرت عیسیٰؑ کے چاروں طرف فرشتوں کے گھیرے کی وجہ سے وہ ان کے قریب نہیں جاسکا)۔

شیطان کی بے چینی...... اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تو شیطان نے یہ کہا کہ میں ان کے قریب نہیں پہنچ سکا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق اس نے یہ کہا کہ جب میں ان کے قریب پہنچا تو جبرئیل نے ٹھوکر مار کر مجھے وہاں سے دور کردیا (تو حضرت عیسیٰؑ کے مقابلے میں وہ آنحضرت ﷺ کے قریب کیسے پہنچ سکا۔ کیونکہ اگرچہ ٹھوکر مار کر اسے وہاں سے ہٹادیا گیا مگر قریب پہنچ تو گیا جبکہ عیسیٰؑ کے قریب پہنچ ہی نہیں سکا تھا)

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ جانے سے مراد اس جگہ کے قریب پہنچ جانا ہو جہاں آپ تھے نہ کہ آپ کے جسم اطہر کے قریب پہنچ جانا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے قریب نہ پہنچ سکنے سے مراد یہ ہو کہ ان کے جسم کے قریب نہیں پہنچ سکا (اس طرح دونوں روایتوں سے مطلب ایک ہی نکلے گا کہ ابلیس نہ حضرت عیسیٰؑ کے جسم کے قریب پہنچ سکا اور نہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے قریب پہنچ سکا)

ہر فرزند آدم کو شیطان کے کچوکے...... اسی سلسلے میں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰؑ) کے کوئی بچہ ایسا نہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھوتا نہ ہو جس سے کہ وہ چیخیں مار کر رونا شروع کردیتا ہے۔ اس روایت کو شیخین نے نقل کیا ہے (یعنی پیدائش کے فوراً بعد بچہ جو روتا ہے وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے ہی روتا ہے اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ دوسرے تمام نبیوں کو بھی پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا ثابت ہوتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ بھی شامل ہوجاتے ہیں حالانکہ آپ کو سارے نبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور حضرت مریم کا شیطان کے چھونے سے محفوظ ہونا)...... حضرت مریم کی والدہ کے اس قول کی وجہ سے تھا (جو انہوں نے دعا کے طور پر حضرت مریم پر پڑھا تھا کہ) میں مریم اور اس کی اولاد کے لئے شیطان لعین سے (بچاؤ کے واسطے) تیری پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ کا استثناء...... اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ سوائے عیسیٰ ابن مریم کے ہر ابن آدمؑ (یعنی

آدمی) کے پہلو میں اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنی انگلیوں سے کچو کے لگاتا ہے وہ جب (عیسیٰؑ کے) کچو کے مارنے کے لئے گیا تو وہ چوٹ اس پردے میں لگی جو اس سے حفاظت کے لئے ان کے اوپر ڈھک دیا گیا تھا۔)۔ ی۔ اس سے مراد وہ جھلّی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ غالباً اس حدیث میں پہلو سے مراد بایاں پہلو ہے (جس طرف دل ہوتا ہے اور جس میں وہ سیاہ دلنہ یعنی شیطان کا حصہ اور ٹھکانہ ہوتا ہے جس کا بیان گزر چکا ہے)۔

(اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں میں شیطان کے قریب آنے اور کچو کے لگانے سے صرف حضرت عیسیٰؑ بچے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ بھی نہیں بچے)

اسی طرح حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے ہر بچے کے پہلو میں شیطان اپنی انگلیوں سے کچو کے لگاتا ہے جس سے وہ بچہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ ان دونوں کے اوپر (یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ پر) اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ تان دیا تھا اس لئے شیطان کے کچو کے اس پردے پر لگے ان دونوں تک اس کا کوئی اثر نہیں پہنچا۔ (اس حدیث سے بھی یہ خصوصیت صرف عیسیٰؑ اور مریمؑ کی ہی معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بھی نہیں تھی) یہاں بھی غالباً پردے سے مراد وہی جھلّی ہے لیکن ہو سکتا ہے جھلّی کے علاوہ کوئی اور پردہ مراد ہو (جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی)۔

**تمام انبیاء کا استثناء**...... (اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے) کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ پیدائش کے وقت عیسیٰؑ جس طرح شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اسی طرح سارے انبیاء علیہم السلام محفوظ رہے (جس سے وہ اشکال ختم ہو گیا کہ یہ دوسرے تمام انبیاء کے مقابلے میں نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت تھی بلکہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچالیا۔ چنانچہ اب یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس خصوصیت اور حفاظت میں حضرت عیسیٰؑ آنحضرت ﷺ سے بڑھے ہوئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں میں افضل ہیں) مگر یہ بات ایسی ہے جس کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہے (اب یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مجاہد کی اس حدیث کو مان لینے کے بعد ان حدیثوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰؑ کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ) مجاہد کی اس روایت کو مان لینے کے بعد ان احادیث کے متعلق جن میں صرف حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کا ذکر ہے یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جب آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی کہ تمام انبیاء حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی طرح ہیں (اور شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے ہیں۔ یعنی اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعد میں دی)۔

**بچے کی شیطان سے حفاظت کی دعا**...... گزشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی بھی بچہ پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکوں سے محفوظ نہیں رہتا) مگر ان روایتوں سے قاضی بیضاوی کے بیان کی تردید ہوتی ہے جس میں انہوں نے ایک حدیث ہی کی بنیاد پر (بچے کے شیطان سے محفوظ رہنے کے متعلق لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جائے اور یہ دعا پڑھے"

اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا

"یعنی اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھئے اور جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھئے"

اگر اس ہم بستری کے نتیجے میں ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو شیطان کبھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا

سکے گا۔

(اس حدیث سے ایک طرف تو معلوم ہوا کہ ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس طرح بچہ شیطان کے کچوکوں اور نقصان پہنچانے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جبکہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی بھی بچہ شیطان سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ) اس سے مراد ہے کہ صرف وہ بچہ (جس کے حمل کے وقت یہ دعا پڑھی گئی تھی) محفوظ رہے گا اس کے علاوہ دوسرے بچے محفوظ نہیں رہیں گے (گویا قدرت کا اصول تو یہی ہے کہ ہر بچے کو شیطان پریشان کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بچاؤ کی تدبیر اور علاج بھی بتلادیا ہے جو یہی دعا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)۔

پچھلے صفحات میں گزرنے والی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کے قریب نہیں پہنچ سکا تھا (کیونکہ حضرت جبرئیلؑ نے اس کو ٹھوکر مار کر دور کر دیا تھا) حالانکہ پچھلے صفحات میں ہی حافظ ابن حجرؒ کی ایک روایت گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک دودھ نہیں پیا تھا کیونکہ جنّات میں سے ایک عفریت نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ روایت کو مان لینے کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے خاص طور پر ابلیس کو ہی آنحضرت ﷺ کے قریب آنے سے روکا گیا ہو (جبکہ آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھنے والا ابلیس نہیں بلکہ جنّات میں سے ایک عفریت تھا)

<u>ہر نو مولود کو ورغلانے کی تمنا</u>...... کتاب کشاف کے مصنف نے (بچے کو شیطان کے) چھونے اور کچوکے مارنے کے متعلق کہا ہے کہ اس سے اس کے اصل معنی مراد نہیں ہیں (کہ شیطان سچ مچ بچے پر ہاتھ پھیرتا اور کچوکے لگاتا ہے) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کو اس بات کا لالچ اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس کو ورغلالے۔ یہی رائے قاضی بیضاوی کی بھی ہے۔ اس سلسلے میں جو تفصیلی بحث ہے وہ اگلے صفحات میں آئے گی جہاں آنحضرت ﷺ کے شق صدر (یعنی سینہ مبارک چاک کئے جانے وغیرہ) کی تفصیل آئے گی۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے فوراً کا رونا اس لئے نہیں ہوتا کہ شیطان اس کو کچوکے لگاتا ہے)

<u>نو مولود کے رونے کا سبب</u>...... (بچہ کے اسی رونے کے سبب کے متعلق) شیخ محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ دراصل ہر انسان کو جنت میں پہنچنے تک کچھ نہ کچھ تکلیف اور سختی سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد برزخ میں پہنچنے سے بھی اسے مشقت و تنگی پیش آتی ہے۔ اس مشقت اور تنگی کا کم سے کم درجہ (قبر میں) منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں (جو ایک امتحان اور آزمائش ہوتی ہے اور ہر امتحان اور آزمائش میں انسان کو مشقت اور تنگی محسوس ہوتی ہے) پھر جب وہ حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس میں بھی اسے اپنے یا دوسرے کے خوف کی ہی تکلیف اور مشقت ہوگی۔ چنانچہ دنیا میں آنے کے بعد بچے کو جو سب سے پہلا صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے جس سے وہ چیخ چیخ کر روتا ہے اس کو ماں کے رحم اور اس کی (آرام دہ) گرماہٹ سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے کیونکہ رحم سے باہر آنے کے بعد اس کو ہوا لگتی ہے جس سے اسے تکلیف دہ ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ اب اگر وہ (اسی وقت اس ٹھنڈک کی تکلیف سے) مر گیا تو گویا (اتنے تھوڑے وقت کے لئے دنیا میں آنے کے باوجود) اس کو دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں میں سے اس کا حصہ مل گیا۔

<u>وَالسَّلَامُ عَلَيَّ کی تفسیر</u>...... اس کے بعد علامہ ابن عربیؒ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں (جس میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متعلق کہا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ (پ ۱۶ سورہ مریم ع ۲) آیت ۳۳
ترجمہ :لور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوالور جس روز میں مروں گالور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔
کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شیطان سے حفاظت لور بچاؤ جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے کچو کے لگانے پر متعین ہے جبکہ بچہ باہر آجانے کے بعد اس کے کچوکوں سے چیختا ہے (چنانچہ اسی حفاظت لور سلامتی کی وجہ سے وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے لور) روئے نہیں کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو زمین پر آکر اللہ کے حضور میں سجدہ کی حالت میں واقع ہوئے۔
بحالت سجدہ ولادت......اب علامہ ابن عربیؒ کی یہ بات قابل غور ہو گئی کیونکہ اسی قول کے شروع میں وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پیدائش کے وقت بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ اس کو ماں کے رحم اوراس کی آرام دہ گرمی سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اور ادھر وہ ٹھنڈک کی تکلیف محسوس کرتا ہے (جب کہ آخر میں وہ حضرت عیسیٰؑ کے نہ رونے کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے تھے۔ اس طرح یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہو گئیں)۔
علامہ ابن عربیؒ نے اپنے اس قول میں کہا ہے کہ عیسیٰؑ ماں کے پیٹ سے نکل کر سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیدائش کے بعد سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہونا صرف آپ کی خصوصیات میں سے نہیں تھا واللہ اعلم
بت کے پیٹ سے اعلان ولادت......(اصل بیان یہ چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت لوندھے ہو کر گر پڑے تھے اس کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ) کہا جاتا ہے کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ ابن نوفل۔ زید ابن عمرو ابن نفیل لور عبد اللہ ابن جحش بھی تھے ایک بت کے پاس آیا کرتے تھے، جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس رات میں جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بت لوندھے منہ پڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی لور انہوں نے جلدی سے اس کو اٹھا کر سیدھا کیا مگر پھر وہ اسی طرح بالکل الٹا ہو کر گر گیا۔ انہوں نے پھر تیسری دفعہ اس کو سیدھا کیا مگر وہ بت تیسری دفعہ بھی اوندھا ہو کر گر گیا۔ (اب ان لوگوں کو یہ بات اہم معلوم ہوئی اور) انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔
پھر ان لوگوں میں سے ایک نے کچھ شعر پڑھے جس میں اس بت سے خطاب تھا لور اس کی اس حالت پر حیرانی ظاہر کی گئی تھی (ان شعروں میں پڑھنے والے نے) اس بت سے اس کے اوندھا ہو جانے کا سبب پوچھا تھا۔ اچانک اس نے سنا کہ اس کے پیٹ سے ایک آواز آرہی ہے لور کوئی کہنے والا بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے۔

تروی لمولود اضاءت بنوره
جميع فجاج الارض بالشرق والغرب

ترجمہ: ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام گوشے منور ہو گئے ہیں۔
اسی واقعے کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے :۔

وتوالت بشرى الهواتف ان قد
ولد المصطفىٰ وحق الهناء

یعنی پکارنے والوں کی (مراد ایسا شخص جس کی آواز سنائی دے مگر بولنے والا نظر نہ آئے) یہ خوش خبریاں مسلسل ہیں کہ بے شک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پیدا ہوگئے ہیں جو دنیا کی ساری مخلوق میں پسندیدہ اور منتخب ترین انسان ہیں اور اس خوشخبری یعنی آپ کی ولادت کے نتیجے میں ساری مخلوق کے لئے خوشی اور مسرت ظاہر ہوئی۔

**وقت ولادت زلزلہ**...... (اسی طرح آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت جو عجیب واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات میں کعبے میں زلزلہ آیا اور وہ تین دن اور تین رات تک ہلتا رہا (جو اس بات کی علامت تھی کہ کعبے جیسی مقدس جگہ جس کو کفار نے بتوں کا اڈا بنا رکھا تھا اس کو بتوں سے پاک کرنے اور اس کا احترام کرنے کا وقت آگیا) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامتوں میں یہ پہلی علامت تھی جس کو قریش نے دیکھا (اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی پیدائش کے وقت) کسریٰ نوشیرواں (یعنی ایرانی سلطنت کے شہنشاہ) کا محل ہلنے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔

**نوشیرواں کے محل میں لرزش**...... نوشیرواں کے معنی ہیں مجدّد ملک یعنی لئے سرے سے سلطنت بنانے والا۔ نوشیرواں کا یہ محل ایک نہایت مضبوط و مستحکم عمارت تھی جو بڑے بڑے پتھروں اور چونے سے بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی کوئی کمزور چیز استعمال نہیں کی گئی تھی (مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آگ کے پجاری کا یہ محل تنکے کی طرح لرز کر پھٹ گیا جس سے پوری سلطنت میں دہشت پھیل گئی) نوشیرواں اس محل میں تقریباً بیس سال تک رہا۔ اس محل کے پھٹنے کی بڑی زبردست اور خوفناک آواز ہوئی اور اس کے بعد اس کے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر گئے۔ یہ شگاف عمارت کی کسی کمزوری اور خامی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ یہ بتلایا جاچکا ہے کہ یہ ایک نہایت مضبوط اور پتھر کی عمارت تھی) بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہ عمارت کی پھٹن اس کے نبی کی ایک نشانی بن کر دنیا میں (ایک طویل عرصہ تک) باقی رہے۔

**قصر نوشیرواں کا انہدام**...... (بعد میں اس محل کا جو انجام ہوا اس کے متعلق کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ ابن خالد برمکی کو جو جعفر اور فضل برمکی کا باپ تھا حکم دیا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھادیا جائے۔ یحییٰ نے اس پر کہا کہ آپ اس عمارت کو مت گرایئے جو اپنے بنانے والے (یعنی کسریٰ نوشیرواں) کی عظمت کا نشان ہے (یحییٰ ابن خالد برمکی خود اصل میں ایرانی تھا اس لئے اس نے اپنے ملک کے ایک پچھلے بادشاہ کی نشانی کو ڈھانے سے خلیفہ کو روکنا چاہا۔ ہارون رشید نے اس بات کو سمجھ لیا اس لئے اس نے طنزیہ انداز میں) کہا کہ کیوں نہیں اے مجوسی (یعنی آگ کو پوجنے والے) اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ آخر یحییٰ ابن خالد نے اس محل کو ڈھانے میں جو خرچہ آتا تھا وہ خلیفہ کو پیش کیا۔ خلیفہ ہارون رشید کو یہ خرچہ زیادہ معلوم ہوا (اور اس نے اس کا اظہار کیا تو یحییٰ نے خلیفہ پر طنز کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اس عمارت کو ڈھانے سے بھی عاجز ہوں جس کو آپ ہی جیسے ایک بادشاہ نے بنوایا تھا۔ (یہاں تک خلیفہ ہارون رشید سے متعلق واقعہ ہے)

مگر (اس واقعہ کے برخلاف) میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو اس نے چاہا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا کر وہاں شہر بسائے کیونکہ بغداد اور کسریٰ کے اس محل کے درمیان ایک دن کا فاصلہ تھا (یعنی مسافر ایک دن میں جتنا فاصلہ چلتا ہے) چنانچہ اس بارے میں اس نے خالد ابن برمک سے مشورہ کیا جو اس کا وزیر تھا۔ خالد نے خلیفہ کو اس ارادہ سے روکا اور کہا :۔

"یہ اسلام کی ایک نشانی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں شگاف پڑ گیا تھا) ہر دیکھنے والا اسے دیکھ کر جان لے گا کہ جس کا یہ محل ہے اس کا معاملہ (عبرت کی چیز بن کر دنیا کے سامنے) موجود ہے۔ پھر یہ کہ یہاں حضرت علیؓ نے نماز پڑھی ہے۔ اس کی ڈھانے پر جو خرچہ آئے گا وہ اس کی تعمیر سے بھی زیادہ ہوگا"۔

ہو سکتا ہے کہ خلیفہ منصور اور اس کے پوتے خلیفہ ہارون رشید دونوں نے (اپنے اپنے زمانے میں) اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا ہو۔

**انہدام رکوانے کی برامکہ کی سعی**...... (جب خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی نے اسکو اس سے روکا تو خلیفہ نے یحییٰ کو مجوسی یعنی آتش پرست کہہ کا پکارا تھا حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں) خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ کو مجوسی اس لئے کہا تھا کہ اس کا دادا یعنی خالد برمکی کا باپ برمک اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا اور شروع میں وہ مجوسی یعنی آگ کو پوجنے والا تھا پھر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ ایک نہایت ہوشمند اور عقلمند، لکھنے والا (یعنی فرمان اور تحریریں مرتب کرنے والا) تھا اور بہت سے علم جانتا تھا۔ یہ برمک بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک شام میں آگیا تھا اور عبدالملک ابن مروان کے خاص اور مقرب لوگوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یہاں اس کو ترقی کے بہت اچھے مواقع ملے اور اس کی حیثیت دربار شاہی میں بہت بڑھ گئی۔

اس کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہو گئی اور بنی عباس کی خلافت کا زمانہ آگیا تو یہ برمک (بنی عباس کے پہلے خلیفہ) سفاح کا وزیر بن گیا۔ پھر سفاح کے بعد اس کے بھائی یعنی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کا وزیر بن گیا۔

**خالد برمکی کا ہند میں عجیب تجربہ**...... اسی برمک کے متعلق میں نے ایک بڑی عجیب حکایت پڑھی ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہندوستان کے بادشاہ یعنی مہاراجہ سے ملنے کے لئے گیا۔ مہاراجہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے ساتھ محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آیا اس کے بعد مہاراجہ نے برمک کے لئے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ (برمک کہتا ہے کہ) میں نے کھایا یہاں تک کہ (پیٹ بھرنے کے بعد) میں نے ہاتھ روک لیا۔ مہاراجہ نے مجھ سے اور کھانے کے لئے کہا مگر (چونکہ میرا پیٹ بھر چکا تھا اس لئے) میں نے کہا کہ جہاں پناہ اب اور کھانے کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ راجہ نے یہ سن کر غلام سے ایک درخت کی ٹہنی لانے کو کہا اور اس کے بعد وہ ٹہنی لے کر اس نے میرے سینے پر پھیری۔ اس کے لگتے ہی مجھے ایسا لگا گویا میں نے کچھ کھایا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ میں نے پھر پورا کھانا کھایا اور پیٹ بھرنے کے بعد ہاتھ روک لیا۔ راجہ نے پھر مجھ سے اور کھانے کے لئے کہا مگر میں نے جواب دیا کہ نہیں بادشاہ سلامت۔ اب اور گنجائش نہیں ہے۔ راجہ نے پھر وہ ٹہنی میرے سینے پر لگائی اور مجھے پھر ایسا محسوس ہوا گویا میں نے کبھی کچھ کھایا ہی نہیں۔ میں نے پھر پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ روک لیا۔ راجہ نے پھر کہا کہ اور کھاؤ مگر میں نے کہا کہ اب مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ راجہ نے تیسری دفعہ پھر وہی ٹہنی میرے سینے پر پھیرنی چاہی تو میں نے فوراً کہا کہ جہاں پناہ! جو کچھ پیٹ میں پہنچ چکا ہے وہ اب نکلنا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد اس نے وہ ٹہنی میرے سینے پر نہیں پھیری۔ اب میں نے راجہ سے اس ٹہنی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میرے پاس یہ ایک بادشاہ کا تحفہ ہے۔

**یحییٰ برمکی کے مقولے**...... یحییٰ ابن خالد برمکی کے جو مقولے اور خاص قول پیچھے گزر چکے ہیں ان کے علاوہ اس کا ایک قول یہ بھی مشہور ہے کہ۔

"جب تم کسی شخص سے بلاوجہ محبت کرنے لگو تو اس سے بھلائی اور خیر کی امید رکھو اور جب تم کسی شخص سے بلاوجہ ناراض رہنے لگو تو اس کی برائی سے بچتے رہنا چاہئے"۔

**برمکی مظالم کا انجام**...... اسی کا ایک قول یہ بھی مشہور ہے جو اس زمانے کا ہے جب وہ اپنے بیٹے کے ساتھ (غداری کے جرم میں) خلیفہ ہارون رشید کی قید میں تھا۔ خلیفہ اس کے بیٹے جعفر برمکی کو (اس جرم میں) قتل کر کے اس کی لاش کو سربازار لٹکوا چکا تھا اور تمام برمکی خاندان کے مال و دولت کو تباہ کرا چکا تھا۔ اس وقت قید خانے میں یحییٰ برمکی کے دوسرے بیٹے نے جو غالباً فضل ہی ہو گا اپنے باپ سے کہا کہ ابّا جان از بردست اعزاز و احترام اور حکمرانی کے بعد ہم اس حال کو پہنچ گئے۔ اس کے جواب میں یحییٰ برمکی نے کہا:۔

"بیٹے! مظلوموں کی آہیں اور بددعائیں رات کے اندھیروں میں (آسمانوں کی طرف جا رہی تھیں ہم ان سے غافل ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ تو ان بددعاؤں سے غافل نہیں تھا۔" (یعنی ہماری زیادتیوں اور ظلم کے نتیجے میں مظلوموں کے دلوں سے جو بددعائیں راتوں کو چھپ چھپ کر نکلی تھیں وہ آج رنگ لا رہی ہیں۔ ہم ان سے غافل ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ ان آہوں کو سن رہا تھا)

**ظلم و مقام مظلومیت**...... ی۔ (مظلوم کی بددعا کے سلسلے میں) حضرت ابوالدرداءؓ کا قول ہے کہ:۔

"یتیم کے آنسو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ راتوں کو اس وقت چلتی ہے جب کہ لوگ غافل سوئے ہوئے ہوتے ہیں"۔

(ی) مظلوم کی بددعا کا یہ اثر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اگر میں ظالم آدمی کے ظلم سے غافل ہو جاؤں تو میں سب سے بڑا ظالم ہوں گا"۔

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو۔ اس لئے کہ وہ بددعا اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کا حق نہیں روکتا"۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کو بددعا سے ڈرو اس لئے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا (یعنی مظلوم کی بددعا اللہ تعالیٰ فوراً سنتا ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو اس لئے کہ وہ بادلوں پر سوار ہو کر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا چاہے کچھ دیر کے بعد ہی کروں۔

یہاں بادل سے مراد وہ سفید بادل ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ لآئیہ پ ۱۹ سورۂ فرقان ع ۳

ترجمہ: اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا۔

(ی) یعنی اگر وہ گر جائے تو کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو اٹھا سکے۔

یہاں مظلوم کی بددعا کی مدد کرنے سے مراد اس کی قبولیت ہے چاہے وہ ایک لمبی مدت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم کو چھوٹ دے سکتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو اس لئے کہ وہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے جیسے آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے۔ (دی) یعنی ساتویں آسمان کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے بعد اس چیز کی طرف جو اس سے اوپر ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو چاہے وہ مظلوم آدمی کافر ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس بددعا کے آگے کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے میں ایک شاعر کا قول ہے :۔

تَنَامُ عَیْنَاکَ وَالْمَظْلُوْمُ مُنْتَبِہٌ
یَدْعُوْعَلَیْکَ وَعَیْنُ اللّٰہِ لَمْ تَنَمْ

ترجمہ : تیری آنکھیں سوجاتی ہیں مگر مظلوم جاگتا رہتا ہے (اور راتوں کو) تیرے لئے بددعا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کبھی نہیں سوتی۔

<u>برامکہ کی فیاضی</u>...... اسی یحییٰ خالد ابن خالد کے بارے میں ایک قصیدہ لکھا گیا ہے جس میں اس کی زبردست تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس میں کے دو شعر یہ ہیں :۔

سألت الندی هل انت حُرٌّ فقال لا
وَلکنّنی عَبْدٌ لیحییٰ بنْ خالد

ترجمہ : میں نے سخاوت اور خیر سے پوچھا کہ کیا تو آزاد ہے تو اس نے کہا کہ نہیں میں آزاد کہاں ہوں میں تو یحییٰ ابن خالد کی غلام ہوں۔

فقلتُ شراءٌ فقال لابل وراثةٌ
توارثنی من والدٍ بعد والدٍ

پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا یحییٰ نے تجھے خریدا ہے (یعنی کیا یہ بھلائی اور سخاوت یحییٰ کی اپنی ہی عادت ہے) تو اس نے کہا کہ نہیں (اس کے تو سارے خاندان اور باپ دادا سے یہ شرافت چلی آرہی ہے اور) اس نے مجھے وراثت میں اپنے باپ دادا سے حاصل کیا ہے۔

یحییٰ کے باپ خالد کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تین دن کے بعد (کسی بچے کی) مبارکباد دینا اس بچے کی توہین ہے (یعنی مبارک کباد بروقت اور فوراً ہو تو مبارکباد ہے ورنہ توہین ہے۔

یحییٰ برمکی کے بیٹے کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :۔

"بدترین مال وہ ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے تمہیں گناہ کرنا پڑے اور اس کو (نیک کاموں میں خرچ کرنے سے ثواب نہ ملے"۔

اسی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ :۔

"برا آدمی دوسروں کے متعلق بھی برا خیال ہی رکھتا ہے اس لئے کہ وہ ان کو اپنے مزاج اور طبیعت کی آنکھ سے دیکھتا ہے"۔

جعفر ابن یحییٰ برمکی کے متعلق ایک شاعر نے قصیدہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :۔

تَرُوْمُ الملوك ندی جعفر
وَلا یصنعُوْنَ کما یصنعَ

ترجمہ :۔ جعفر کی سخاوت و فیاضی بادشاہوں سے بڑھی ہوئی ہے کہ ایسی سخاوت بادشاہوں کے یہاں بھی نہیں دیکھنے میں آتی۔

وَلَیْسَ بِا وسعهم فِی الغِنٰی
وَلٰکِن مَعرُوفه اوسع

وہ دولت میں بادشاہوں سے بڑھا ہوا نہیں ہے مگر اس کی سخاوت اور بھلائیاں ضرور ان سے بڑھی ہوئی ہیں۔

ولادت پر آتش فارس سرد...... (اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ آپ کی پیدائش کے وقت) فارس کی آگ (جو مستقل جلتی رہتی تھی) اچانک بجھ گئی۔ (ی) حالانکہ (مجوسی عبادت گاہوں کے) خادم اس کو برابر جلانے کی کوشش کرتے رہے (مگر وہ نہیں جل سکی)

(ی) اس کے متعلق فارس کے بادشاہ کو لکھا گیا تھا کہ اس رات میں یعنی جس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی) تمام آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی ہو گئی جبکہ اس سے پہلے ایک ہزار سال سے یہ آگ (جس کو مجوسی پوجتے ہیں اور جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس چیز ہے) ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ اور (اسی رات میں) دریائے ساوہ کا (جو فارس کا مشہور دریا ہے) پانی ختم ہو گیا۔ (ی) یعنی اس طرح سوکھ گیا جیسے اس میں کبھی پانی رہا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ یہ دریا زبردست اور نہایت لمبا چوڑا تھا۔ فارس کے بادشاہ کو یہ بات اس کے یمن کے گورنر نے لکھ کر بھیجی تھی۔ اسی واقعہ کی طرف صاحب اصل (یعنی کتاب عیون الاثر کے مصنف) نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

لِمَوْلِدِهٖ اَیْو اَنِ کِسْرٰی تَشَقَّقَتْ
مَبَانِیهِ وَ انحطّت عَلَیْهِ شُئُونَه

ترجمہ : آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی برکت سے کسریٰ شاہ فارس کے محل کی بنیادیں پھٹ گئیں اور ان پر اس کی دیواریں گر گئیں۔

لِمَوْلِدِهٖ خَرَّتْ عَلاَ شرفاتَهٗ
فلاشَرَفَ لِلفُرسِ یَبقِي حَصِینَهٗ

آپ ﷺ کی پیدائش سے اس کی بلندیاں جھک گئیں۔ اب فارس والوں کا کوئی ایسا اعزاز نہیں رہا جس سے ان کی عظمت باقی رہے۔

لمولدہٖ نیران فارس آخمدت
نَوْرُهم اخمادهٗ کان خَصِینَهٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی برکت سے فارس کے آتش کدوں کی آگ بجھ گئی

لِمَوْلِدِه غَاضَتْ بُحَیْرَةُ سَاوَةَ
وَاعقَبَ ذَاكَ المدّ جُورِیشِینهٗ

آپ کی پیدائش سے دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا اور پانی کے اس اتار کے بعد اس میں اور خرابی پیدا ہو گئی۔

کَاَنْ لَمْ یَکُن بِالْاَ مُس رَیا لنا هل
وَوِردَ العَین المُستهام مُعِینَهٗ

گویا کل اس چشمہ پر کوئی تری نہیں تھی اور نہ ایک پیاسے کے لئے وہاں آنے میں کوئی دل کشی تھی۔

اسی واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اشارہ کیا۔

وَتَدَاعٰی اِیْوَانُ کِسْرٰی وَلَوْلَا
اٰیَۃٌ مِنْکَ مَاتَدَ اعٰی الْبِنَاءُ

کسریٰ کا محل ٹوٹ گیا۔ اگر یہ بات آپ کی پیدائش کی نشانی نہ ہوتی تو اس کی بنیادیں ہر گز نہ گرتیں۔

وَغَدَا کُلُّ بَیْتَ نَارٍ وَفِیْہِ
کُرْبَۃٌ مِنْ خُمُوْدِھَا وَبَلَاءٌ

آگ کے بجھ جانے کی وجہ سے ہر آتش کدے میں صف ماتم بچھ گئی۔

وَعُیُوْنٌ لِلْفُرْسِ غَارَتْ فَھَلْ کَا
نَ لِنِیْرَا نِھِمْ بِھَا اِطْفَاءُ

فارس والوں کے پانی کے تمام چشمے سوکھ گئے تو کیا اسی پانی نے آتش کدوں کی آگ کو بجھایا تھا (جس کی وجہ سے وہاں کے سارے چشمے اور دریا سوکھ گئے :)

<u>ولادت اور عجائبات کا ظہور</u>...... (قصیدہ ہمزیہ کے ان شعروں کا مطلب بتلاتے ہوئے کہتے ہیں) یعنی آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات میں (یعنی ولادت کے وقت دنیا میں) جو عجائبات ظاہر ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسریٰ نوشیرواں کا وہ محل اچانک گر گیا جس میں وہ اپنی حکومت کے ذمہ داروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا (خاص طور پر فارس کے بادشاہ کا محل گرنے کا سبب غالباً یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس سلسلے میں آپ نے بادشاہوں کے نام فرمان یعنی خط بھیجے تو جس نے آپ کے فرمان کی سب سے زیادہ توہین کی وہ کسریٰ فارس ہی تھا۔ اگرچہ وہ کسریٰ نوشیرواں نہیں تھا بلکہ دوسرا بادشاہ تھا جس کا ذکر آئے گا۔ اس نے قاصد سے وہ خط لے کر اس کو پھاڑ ڈالا اور اپنے یمن کے گورنر کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو گرفتار کر کے ہمارے پاس لاؤ۔ اس کے بعد اس بادشاہ کا جو کچھ انجام ہوا اس کی تفصیل تو آگے آئے گی البتہ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو گئی۔ چنانچہ آنے والے چند ہی سال میں آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور کسریٰ کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اسلام کے قدموں میں آگری۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی ولادت کے ساتھ سب سے زیادہ بربادی کی علامتیں جس سلطنت میں ظاہر ہوئیں وہ کسریٰ فارس کی سلطنت تھی۔ ہزاروں سال سے مسلسل جلتی ہوئی قدیم اور مقدس آگ بجھ گئی، دریاؤں کا پانی سوکھ گیا اور اس عظیم محل کی بنیادیں ہل کر اس میں شگاف پڑ گئے اور اس کے چودہ جھرو کے اچانک ٹوٹ کر گر گئے حالانکہ) اپنی کشادگی، بناوٹ اور مضبوطی کے لحاظ سے یہ محل دنیا کے عجائبات میں سے سمجھا جاتا تھا (چنانچہ شاعر کہتے ہیں کہ) اگر وہ علامتیں ظاہر نہ ہوتیں جو آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کی وجہ سے ظاہر ہوئیں تو یہ عظیم الشان اور عظیم و مستحکم عمارت نہ گرتی۔ پھر ان ہی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس رات فارس کے تمام آتش کدوں کی وہ آگ بجھ گئی جس کو وہ لوگ پوجتے تھے۔ ایک ہی وقت میں ان تمام آتش کدوں کی آگ بجھ جانے کے وجہ سے ان میں زبردست صف ماتم بچھ گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ کے وجود میں آنے کی ان ہی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ظاہر ہوئی کہ فارس کی سرزمین میں تمام چشموں کا پانی سوکھ گیا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب علامتیں فارس والوں کو (ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے) سزا دیئے جانے کا اشارہ تھیں۔ اسی لئے کہا

جاتا ہے کہ کیا آتش کدوں کی آگ اسی پانی سے بجھی تھی جو چشموں میں سے اچانک غائب ہو گیا تھا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ نہیں (چشموں کا پانی اس آگ کو بجھانے کی وجہ سے ختم یا غائب نہیں ہوا تھا) بلکہ آتش کدوں کی آگ اس عظیم پیغمبر کے وجود میں آجانے کی وجہ سے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

**ولادت پر پیشوائے فارس کا خواب**...... فارسیوں کا بڑا قاضی جو شخص ہوتا تھا اس کو موبذان کہا جاتا تھا۔ علامہ ابن محدث کہتے ہیں کہ موبذان بڑی یعنی مقدس آگ کا خادم ہوتا تھا اور اس کا مرتبہ حکومت سے بھی اونچا ہوتا تھا۔ لوگ مذہب کے معاملات میں اسی کا حکم مانتے تھے اس موبذان نے (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت) خواب میں دیکھا کہ جفاکش اونٹ عربی گھوڑوں کو ہنکارہے ہیں (یہ گھوڑے ترکی گھوڑوں کی نسل کے علاوہ ہوتے ہیں) اور انہوں نے دجلہ یعنی بغداد کی نہر کو پار کر لیا ہے اور وہاں کے شہروں میں پھیل گئے۔

اس خواب میں اونٹوں سے عوام کی طرف اشارہ ہے۔

**عجائبات اور کسریٰ کی گھبراہٹ**...... ادھر کسریٰ نے اپنے محل کو لرزتے اور اس کے جھروکوں کو گرتے دیکھا جس سے وہ سخت گھبر ا گیا ہوا اور خوفزدہ تھا مگر اس خیال سے کہ اپنی کمزور ظاہر نہ ہو اس نے صبر سے کام لیا اور صبح کو اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے فوجی افسروں اور بہادر سرداروں سے چھپا نہیں سکتا چنانچہ اس نے ان سب سرداروں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے کہلا دیا۔ اس کے بعد کسریٰ نوشیرواں نے اپنا تاج سر پر پہنا اور شاہی تخت پر جا کر بیٹھ گیا اور سرداروں کو اطلاع کرادی۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے ان سے کہا

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے"؟

**پیہم حیرتناک حوادث**...... درباریوں نے کہا کہ نہیں ہمیں معلوم نہیں ہے۔ جہاں پناہ ہی ہمیں بتلائیں گے۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بادشاہ کے پاس (کسی دوسرے علاقے سے) ایک خط آیا جس میں (اس حیرتناک واقعے کی) اطلاع دی گئی تھی کہ (جس رات میں بادشاہ کا محل پھٹا تھا اسی) رات میں ہمارے آتش کدوں (یعنی عبادت گاہوں) کی آگ بجھ گئی۔ (ی) کسریٰ کے پاس ایک خط ایلیا کے گورنر کا آیا کہ رات دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔ ایک خط شام کے گورنر کے پاس سے آیا کہ رات وادی سماوہ کا راستہ (زلزلہ کی وجہ سے) پھٹ کر ختم ہو گیا۔ اسی طرح ایک خط طبریہ کے گورنر کے پاس سے آیا کہ دریائے طبریہ میں اچانک پانی کا بہاؤ بند ہو گیا (ان میں سے ہر حادثہ اسی رات میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اور یہ ساری علامتیں آپ کی پیدائش کی وجہ سے ہی ظاہر ہوئیں) چنانچہ کسریٰ کو اب تک اپنے ہی واقعے کا رنج و غم کم نہیں ہوا تھا کہ اچانک یہ سب اندوہناک خبریں ملیں جس سے اس کا غم اور گھبراہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ آخر کسریٰ نے (یہ سب خبریں سننے کے بعد) حاضرین کو وہ واقعہ سنایا جو خود اس کی پیش آیا تھا اور جس سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ (ی) یعنی محل کا لرزنا، اس میں شگاف پڑجانا اور اس کو چودہ کھڑکیوں کا بغیر کسی کمزوری کے گر پڑنا۔

یہ ساری باتیں سن کر موبذان یعنی اسی بڑے راہب نے کہا۔

"خدا بادشاہ کو سلامت رکھے میں نے بھی اس رات ایک خواب دیکھا تھا"۔

**تحقیق کے لئے گورنر حیرہ کو فرمان**...... اس کے بعد موبذان نے وہی اپنا اونٹوں والا خواب بیان کیا (جو پچھلی سطروں میں ذکر ہو چکا ہے) کسریٰ نے یہ سب کچھ سن کر پوچھا

"وہ کیا بات ہو سکتی ہے (جس کی وجہ سے یہ حادثے پیش آرہے ہیں)"؟

موبذان نے کہا

"یہ کوئی ایسا واقعہ ہے جو عرب کے علاقے میں پیش آیا ہے۔ حیرہ میں جو آپ کا گورنر ہے آپ اس کے پاس پیغام بھیجئے کہ وہ اپنے علاقے سے (یعنی عربوں میں سے) کسی عالم کو آپ کے پاس بھیجے۔ یہ لوگ نئے پیش آنے والے حادثوں کے متعلق بہت علم رکھتے ہیں۔

(کسریٰ کو یہ مشورہ پسند آگیا اور) اس نے اسی وقت حیرہ کے گورنر کو یہ خط لکھا۔

"(یہ فرمان ہے) شہنشاہ کسریٰ کی طرف سے (حیرہ کے گورنر) نعمان ابن منذر کے نام۔ تم میرے پاس اپنے کسی عالم کو بھیجو کیونکہ میں اس سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں"۔

**مدائن سے جابیہ تک کھلبلی**...... (جب نعمان ابن منذر کو یہ شاہی فرمان ملا تو) اس نے (ایک زبردست عالم اور کاہن) عبدالمسیح غسّانی کو کسریٰ کے پاس بھیجا۔ (ی) یہ عبدالمسیح غسّانی ان چند لوگوں میں سے ہے جس کی بہت زیادہ عمر ہوئی۔ یہ ڈیڑھ سو سال زندہ رہا۔ جب عبدالمسیح، کسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے (اس کے علم کا امتحان لینے کے لئے) اس سے پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے میں تجھ سے کس چیز کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے۔ مگر عبدالمسیح نے یہ جواب دیا کہ جہاں پناہ مجھ سے جو باتیں معلوم کریں گے اگر میں ان کو جانتا ہوں گا تو بتلادوں گا اور اگر نہیں جانتا ہوں گا تو ایسے آدمی کا نام بتلادوں گا جو ان باتوں کا جواب دے سکتا ہو۔ اب کسریٰ نے عبدالمسیح کو وہ واقعہ بتلایا جس کے متعلق معلومات کرنے کے لئے عبدالمسیح کو بلایا تھا عبدالمسیح نے واقعہ سن کر کہا کہ اس بات کا جواب میرا ماموں دے سکتا ہے جو شام کے بالائی علاقے میں رہتا ہے یعنی مشہور شہر جابیہ میں۔ اس عالم کا نام سطیح ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے وہ سب باتیں پوچھو جو میں نے تم سے پوچھی ہیں۔ پھر ان سب کا جواب لیکن میرے پاس آؤ اور مجھے بتلاؤ۔

**جابیہ کا کاہن سطیح**...... عبدالمسیح اسی وقت شام کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ (کچھ دن بعد وہ) سطیح کے پاس پہنچا۔ جب عبدالمسیح سطیح کے پاس پہنچا (تو سطیح کا آخری وقت قریب آچکا تھا اور وہ اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت سطیح کی عمر تین سو سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت وہ سات سو سال کا تھا۔ (اگرچہ سطیح کی عمر کے متعلق یہ روایتیں ہیں مگر شاید یہ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ) علامہ ابن جوزی نے (ان روایتوں کے باوجود سطیح کو ان لوگوں میں شمار نہیں کیا جن کی بہت زیادہ عمریں ہوئی ہیں۔

**یہ عجیب الخلقت بوڑھا**...... یہ سطیح کاہن صرف ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح کا تھا۔ یعنی اس کے نہ ہاتھ تھے نہ ٹانگیں اور پیر وغیرہ تھے اسی وجہ سے وہ بیٹھ نہیں سکتا تھا (بلکہ پڑا رہتا تھا) ہاں جب اسے کسی بات پر غصہ آتا تھا تو اس کا بدن پھولنے لگتا تھا جس سے وہ اچانک خود بخود بیٹھ جاتا تھا۔ اس کا چہرہ اس کے سینے میں تھا (یعنی گردن بالکل ہی نہیں تھی بلکہ چہرے کی شکل اس کے سینے پر بنی ہوئی تھی) اسی طرح اس کے سر بھی نہیں تھا۔ کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سوائے سر کی ہڈی کے اس کے پورے بدن میں کہیں کوئی ہڈی نہیں تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ سوائے کھوپڑی اور ہاتھوں کی ہڈی کے اس کے پورے بدن میں نہ تو کہیں ہڈی تھی اور نہ پٹھے اور اعصاب تھے۔

**خلقت میں زن و مرد کے نطفے کا عمل**...... انسان کے بدن میں ہڈی اور پٹھوں کی بناوٹ کاہے سے ہوتی

ہے)اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث آگے آئے گی کہ (انسان کے بدن میں) مرد کے نطفے یعنی منی سے تو ہڈی اور پٹھے اور اعصاب بنتے ہیں اور عورت کے نطفے یعنی منی سے گوشت اور خون بنتا ہے۔

یہ بات آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمائی تھی۔ یہودیوں نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ بچہ کن چیزوں سے بنتا ہے۔اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بات بتلائی جو اوپر ذکر کی گئی۔ یہ سن کر ان یہودیوں نے کہا۔

"آپ سے پہلے بزرگ یعنی انبیاءؑ بھی یہی کہتے تھے"۔

**خلقت عیسیٰؑ**...... یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بدن میں ہڈی اور پٹھے مرد کے نطفے سے بنتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ جو صرف ایک نطفے سے پیدا ہوئے تھے یعنی اپنی والدہ حضرت مریم کے نطفے سے تو ان کے بدن میں ہڈیاں اور پٹھے کیسے بنے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم کے سامنے فرشتہ ایک نوجوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جس سے حضرت مریم کی شہوت یعنی نطفہ ان کے رحم کے اندر اتر گیا تھا۔

**تخلیق عیسیٰ بغیر نطفے کے**...... حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور تخلیق کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی پیدائش اور تخلیق میں کسی بھی نطفہ کا دخل نہیں تھا (یعنی وہ مرد یا عورت کسی کے بھی نطفے سے نہیں بنے ہیں) پہلی بات کے متعلق (کہ حضرت عیسیٰؑ صرف اپنی والدہ کے نطفے سے بنے ہیں) شیخ محی الدین ابن عربی نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکماء اس بات کو نہیں مانتے کہ مرد یا عورت میں سے کسی ایک کے نطفے سے بچہ بن سکتا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق سے ان حکماء کا قول غلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنی والدہ کے نطفے (یعنی منی) سے بنے ہیں اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت مریم کے سامنے فرشتہ ایک حسین و جمیل انسان کی صورت میں آیا تو ان کو دیکھنے سے حضرت مریم کو ایک شدید لذت کا احساس ہوا اور اس کے ساتھ ہی ان کا نطفہ (یعنی مادۂ منی) ان کے رحم میں اتر گیا چنانچہ اسی مادہ سے حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق ہوئی جو حضرت مریمؑ میں ایک ہیجان انگیز لذت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ صرف اپنی والدہ کے نطفے سے بنے۔ یہاں تک شیخ ابن عربیؒ۔ کا کلام ہے۔

(اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعے یعنی سطیح کاہن کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس کا چہرہ اس کے سینے پر تھا۔ اس حیرت ناک بات کے متعلق کہتے ہیں) سطیح کے بارے میں جو یہ بات کہی گئی کہ اس کا چہرہ اس کے سینے پر تھا۔ یہ صرف سطیح کی ہی خصوصیت نہیں تھی کیونکہ نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ عمرو ذی الاذعار نامی ایک شخص تھا ذی الاذعار عمرو کا لقب تھا جس کے معنی ہیں خوفناک چیزوں والا) اس کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ اس نے ایک ایسی قوم کو پکڑ کر اپنا قیدی بنا لیا تھا جن کے چہرے ان کے سینوں پر تھے۔ لوگ ان قیدیوں کو دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہوئے یہ عمرو حضرت سلیمان ابن داؤدؑ کے زمانے میں تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان سے تھوڑے زمانے پہلے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کی بیوی بلقیس نے حکومت سنبھالی۔ اس وقت عمرو ان قیدیوں کو (لوگوں کے ڈرنے کی وجہ سے) قتل کر چکا تھا۔

**سطیح سے پوچھنے کا طریقہ**...... (غرض سینے پر چہرہ ہونے کی یہ بھیانک خصوصیت صرف سطیح کی ہی نہیں تھی بلکہ قدیم زمانے میں ایک پوری قوم ہی ایسی تھی بہر حال چونکہ سطیح کے ہاتھ پیر اور گردن وغیرہ نہیں تھے اور وہ

صرف گوشت کا ایک لو تھڑا تھا جو نہ چل سکتا تھا اور نہ حرکت کر سکتا تھا اس لئے) اسکے واسطے ایک کھجور کی ٹہنیوں اور پتّوں کا ایک پلنگ بنوا دیا گیا تھا۔ جب اس کو کسی ضرورت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہوتا تو اس کے پیروں سے لے کر (یعنی پیروں کی جگہ سے لے کر) ہنسلی تک اس کو اس طرح لپیٹ دیا جاتا جس طرح کپڑے کو لپیٹ دیا جاتا ہے (کیونکہ سطیح کے بدن میں ہڈیاں نہیں تھیں اس لئے اسے اس طرح لپیٹ دیا جاتا تھا) اور پھر اسے اس پلنگ پر ڈال کر جہاں لے جانا ہوتا وہاں پہنچا دیا جاتا تھا۔ جب اس سے اگلی پچھلی اور چھپی ہوئی باتیں معلوم کرنی ہوتیں تو سطیح کو اس طرح ہلایا جاتا جیسے مکھن نکالنے کے لئے دودھ کو برتن میں ڈال کر ہلایا جاتا ہے۔ اس طرح ہلانے سے سطیح کے اندر ایک ہیجان پیدا ہوتا اور اس کا سانس تیزی سے چلنے لگتا۔ اس وقت اس سے جو کچھ پوچھنا ہوتا پوچھا جاتا اور وہ فوراً اس کا جواب دیتا تھا۔ سطیح کی کھوپڑی اس قدر نرم اور ملائم تھی کہ اگر اس کو (ہاتھ یا کسی چیز سے) چھوا جاتا تو اس پر گڑھا سا پڑ جاتا تھا۔

**سطیح مشہور کاہنہ کا جانشین** ...... کہا جاتا ہے کہ سطیح عرب کا پہلا کاہن تھا (یعنی جس نے اتنی شہرت حاصل کی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سطیح کاہن اپنے ساتھی شق نامی کاہن سے بڑھا ہوا تھا جس کا ذکر چاہ زمزم کی کھدائی کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ عبدالمطلب اور قریش کے دوسرے لوگ جس کاہنہ عورت کے پاس اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے گئے اس نے (مرتے وقت اپنے دونوں چیلوں یعنی شاگردوں) سطیح اور شق کے منہ میں تھوکا تھا اور کہا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد سطیح اس کا جانشین ہوگا۔ (یہ واقعہ اس وقت کا ہے اور سیرت حلبیہ اردو کی قسط دوم میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ جب عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودا جس کے متعلق انہیں خواب میں بشارت ہوئی تھی تو قریش کے لوگ زمزم پر اپنا حق بھی جتانے لگے مگر عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے تم لوگوں کی مدد کے بغیر یہ کنواں کھودا ہے اس لئے اس پر میرے سوا کسی کا حق نہیں ہے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں فریق اپنا جھگڑا بنی سعد ابن ہذیم کی ایک کاہنہ عورت سے طے کرائیں جس کی بہت شہرت تھی۔ یہ کاہنہ شام کے بالائی علاقے میں رہتی تھی سطیح اور شق اسی کاہنہ کے شاگرد اور چیلے تھے۔ اس کاہنہ کے یہ دونوں چیلے عجیب و غریب اور ہیبت ناک تھے کہ سطیح تو ایک گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تھا جس کے بدن میں نہ ہڈیاں تھیں اور نہ گردن اور نہ ہاتھ پیر وغیرہ تھے، دوسرا چیلہ شق تھا جس کا بدن سر سے لے کر پیر تک آدھا تھا یعنی آدھا چہرہ اور اس کے نیچے آدھی گردن، ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ اور پیر۔ عبدالمطلب وغیرہ اس کاہنہ کے پاس اس وقت پہنچے تھے جب وہ موت کے کنارے آچکی تھی۔ اس نے سطیح اور شق کے منہ میں تھوکا اور سطیح کے بارے میں اعلان کیا کہ وہ اس کے بعد اس کا جانشین ہوگا)۔

**سطیح فن کہانت کا ماہر** ...... بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ کہانت کے فن میں سطیح سے زیادہ عالم اور ماہر کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ یہ سطیح غسّان میں تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ سطیح (آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا بلکہ یہ نزار ابن سعد ابن عدنان کے زمانے میں تھا (یہ عدنان وہی ہیں جن تک آنحضرت ﷺ کے نسب کا سلسلہ تحقیق کے ساتھ معلوم ہے جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے بہر حال جو مؤرخ سطیح کو نزار ابن سعد ابن عدنان کے زمانے میں مانتے ہیں) وہ کہتے ہیں کہ سطیح نے ہی نزار کی اولاد یعنی مضر اور اس کے بھائیوں میں ان کے باپ کی میراث تقسیم کی تھی (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزار کی اولاد میں باپ کے ترکہ کی تقسیم پر جھگڑا ہوا تھا)۔

سطیح کی طویل عمر ...... (پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ سطیح کاہن کی عمر سات سال ہوئی ہے۔ اب اس روایت سے کہ سطیح نزار کے زمانے میں تھا) اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ سطیح کی عمر سات سو سال ہوئی ہوگی (کیونکہ آنحضرت ﷺ اور نزار کے درمیان تقریباً اتنے ہی سال کا عرصہ ہوگا)

یہ لوگ کاہنوں میں بہت اونچے درجے کے فنکار اور گہرا اور ٹھوس علم رکھنے والے لوگ تھے۔ (یہاں مراد ہیں بنی سعد ابن ہذیم کی کاہنہ، سطیح، اور شق) کیونکہ یوں تو (دوسرے بھی کاہن تھے مثلاً) بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب تھا (جس نے آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں خود بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کا بیان آگے آئے گا) اسی طرح قبیلہ بنی تمیم میں ایک عورت سجاح تھی جو کاہنہ تھی (اس نے بھی آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے متعلق بھی تفصیلات آگے آئیں گے) سجاح نام کی ہی ایک دوسری عورت بھی کاہنہ تھی جو قبیلہ بنی سعد میں سے تھی۔

کہانت کی حقیقت ...... کہانت کا مطلب چھپی ہوئی باتوں کے متعلق بتلانا اور ان کی پہلے ہی خبر دینا ہے۔ کہانت کا تعلق انسان کے نفس سے ہوتا ہے نفس میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کو نفسانیت (اور پستی سے) روحانیت اور بلندی کی طرف موڑا جاسکتا ہے اور روحانیت، نفس کے مقابلے میں بلند ہوتی ہے۔

قاصد کسریٰ سطیح کے پاس ...... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل قصے کا ذکر کرتے ہیں جو عبدالمسیح کے سطیح کے پاس جانے کا واقعہ ہے چنانچہ شاہ کسریٰ کی طرف سے عبدالمسیح ملک شام میں سطیح کے پاس پہنچا جو اس وقت اپنے آخری سانس پورے کر رہا تھا) عبدالمسیح نے وہاں پہنچ کر سطیح کو سلام کیا اور اس سے باتیں کیں مگر سطیح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر عبدالمسیح نے سطیح کے سامنے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک مصرعہ یہ ہے :۔

اَصَمَّ ام یَسْمع غطْریف الیمن

یعنی یمن کا سردار بہرا ہو گیا ہے یا میری بات سن رہا ہے

جب سطیح نے عبدالمسیح کے یہ شعر سنے تو اس نے اپنا سر اٹھایا (یہاں سر اٹھانے کا ذکر ہے جبکہ پچھلی سطروں میں گزر چکا ہے کہ سطیح کے سر تھا ہی نہیں۔ اس اشکال کو صاف کرتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ یہاں سطیح کے سر کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے اس کے سر نہ ہونے کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ اس بارے میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سر کا لفظ ہونے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے سر سے مراد چہرہ ہو۔ پچھلے صفحات میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ سطیح کے بدن میں سوائے اس کی کھوپڑی کے کہیں کوئی ہڈی نہیں تھی۔ اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سر تھا۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ دوسروں کے سروں کے مقابلے میں چونکہ اس کی کھوپڑی اور سر اتنا ملائم تھا کہ اس میں ہاتھ لگانے سے گڑھا پڑ جاتا تھا اس لئے (اس کے سر ہونے سے انکار کیا گیا اگرچہ سر موجود تھا جو نہ ہونے کے برابر تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ) اس کے سر تھا بھی اور نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

بغیر پوچھے سطیح کا جواب ...... غرض (سطیح نے عبدالمسیح کے شعر سن کر) سر اٹھایا اور (عبدالمسیح کے بتلانے سے پہلے اس کے آنے کا مقصد بتلاتے ہوئے) کہا

عبدالمسیح ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر سطیح کے پاس آیا جبکہ سطیح قبر کے کنارے پہنچ چکا ہے۔ تجھے شاہ ساسان نے بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ اس کا محل لرز اٹھا اور آتش کدوں کی آگ بجھ گئی اور موبذان

(یعنی بڑے عابد) کے ایک خواب کی وجہ سے بھیجا ہے جس میں اس نے دیکھا ہے کہ کمزور اونٹ عربی گھوڑوں کو ہنکار ہے ہیں اور انہوں نے دریائے دجلہ کو پار کر لیا ہے اور وہ دریائے دجلہ کے علاقے کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔

اے عبدالمسیح! اگر تلاوت یعنی قرآن پاک کی تلاوت بڑھ گئی (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی) اور عصا یعنی چھڑی لے کر چلنے والا (مراد ہیں آنحضرت ﷺ) ظاہر ہو گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا اور فارس کی آگ بجھ گئی (یعنی مجوسی مذہب ختم ہو گیا) تو جفاکش اونٹوں کے مقابلے میں گھوڑوں کو کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور نہ سطیح کے لئے ملک شام، شام رہے گا، ان ہی میں سے (یعنی فارسیوں میں سے) اپنے اپنے مرتبے کے اعتبار سے کچھ بادشاہ اور ملکہ ہوں گے مگر جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا"۔

اس کے بعد سطیح اسی وقت مر گیا۔

**سطیح نے حضور کو عصا والا کہا**...... (پچھلی سطروں میں عصا والے کا ذکر ہوا ہے) عصا سے مراد موٹی چھڑی ہے اور عصا والے سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں کیونکہ آپ چلنے کے دوران اکثر ہاتھ میں عصا رکھا کرتے تھے اور اس کو اپنے سامنے رکھتے تھے۔ نماز کے وقت اس عصا کو اپنے سامنے کھڑا کر کے نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی سترہ کے طور پر تاکہ سامنے سے گزرنے والوں کی وجہ سے نماز میں خلل نہ ہو اور گزرنے والوں کو بھی تکلیف نہ ہو۔

**عصا مومن کی علامت**...... (عصا ہاتھ میں لے کر چلنے والوں کی فضیلت احادیث میں آتی ہے) ایک حدیث میں ہے کہ عصا لے کر چلنا مومن ہونے کی علامت ہے اور نبیوں کی سنت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد عصا لے کر نہیں چلتا وہ (بڑائی اور غرور ظاہر) کرتا ہے۔

بہر حال یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عصا سے سطیح کی مراد (محض چھڑی نہیں ہے جس کو سہارے کے طور پر ہاتھ میں لے کر آدمی چلتا ہے بلکہ) وہ عصا ہے جس کو آپ نماز کے وقت اپنے سامنے کھڑا کر لیا کرتے تھے۔ ایسا آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جبکہ مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ عصا (جو نماز کے وقت سامنے کھڑا کرنے کے لئے ساتھ لیا جائے) آنحضرت ﷺ سے پہلے نبیوں میں سے کوئی نہیں رکھتے تھے۔

**کسریٰ کے خواب میں عصا والا**...... علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ فارس کے بادشاہ پرویز ابن ہرمز نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور اس سے بولا۔ کہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ عصا والے کو دے دے۔ اس خواب کے بعد سے شاہ پرویز سخت خوفزدہ اور گھبرایا ہوا رہتا تھا یہاں تک کہ آخر اس کو اس کے گورنر نعمان ابن منذر نے مکے میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی اس وقت شاہ پرویز سمجھ گیا کہ یہ سلطنت جلد ہی اس نبی کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

**کاہن کی موت**...... غرض جب عبدالمسیح کو جواب دے کر سطیح کاہن مر گیا تو عبدالمسیح اٹھ کر اپنی سواری پر سوار ہوا اور کچھ شعر پڑھنے لگا جس میں سے چند یہ ہیں:۔

شمر فانك ماضى العزم شمير
ولا يغرنك تفريق و تغيير

ترجمہ: سمیٹ لے اس لئے کہ تو اپنے ارادہ کو ضرور پورا کرتا ہے، حالات کی تبدیلی اور انتشار تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

والناس اولاد علات فمن علموا
ان قدا قل فمحتورو مهجورا

ترجمہ : تمام انسان علاتی اولاد ہیں (یعنی جن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں) اب ان میں سے جس کو بے عزت کر دیا گیا وہ ذلیل اور تنہا ہو گیا۔

وهم بنو الام اما ان رأوانشا
فذاك بالغيب محفوظ و منصور

اور سب انسان ایک ماں کی اولاد ہیں مگر ان میں سے جو شخص ہمت کر کے آگے بڑھتا ہے اس کی غیب سے حفاظت اور مدد کی جاتی ہے۔

والخير والشر مقرونان في قرن
فالخير متبع والشر محذور

بھلائی اور برائی دونوں اسی دنیا میں پائی جاتی ہیں مگر بھلائی کو اختیار کیا جاتا ہے اور برائی سے بچا جاتا ہے۔

**کسریٰ تک تباہ کُن پیشینگوئیاں**...... اس کے بعد عبد المسیح واپس کسریٰ کے پاس آیا اور جو کچھ سطیح نے کہا تھا وہ بادشاہ کو بتایا (یعنی ایک عصا والے نبی ﷺ ظاہر ہوں گے جو عرب و شام پر چھا جائیں گے اور تمہارے اوپر حاکم ہوں گے ...... اور یہ کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ کسریٰ نے غالباً دوسرے کاہنوں سے بھی معلومات کی تھیں چنانچہ) اس نے عبد المسیح کی بات سن کر کہا۔

"(عرب کے نبی کا فارس پر اس وقت تک قبضہ نہیں ہو گا) جب تک کہ ہم میں سے چودہ (یعنی فارسیوں میں سے) چودہ شخص بادشاہ نہیں بن جاتے"۔

**پیشینگوئی خلافت عثمان میں پوری**...... (یعنی اگرچہ یہ سلطنت فارسیوں اور مجوسیوں کے ہاتھوں سے نکل کر اس نبی کی امت میں پہنچ جائے گی مگر ابھی ایسا ہونے میں بہت مدت باقی ہے کیونکہ ابھی فارس کے ہی چودہ آدمی اور بادشاہت کریں گے۔ کسریٰ اس سے یہ سمجھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ چودہ بادشاہتوں کے لئے بہت لمبی مدت درکار ہوتی ہے کوئی بادشاہ دس سال حکومت کر سکتا ہے کسی کی حکومت تیس سال چالیس سال رہ سکتی ہے اور کسی کی حکومت پچاس ساٹھ سال بھی ہو سکتی ہے اس طرح چودہ بادشاہوں کے لئے بہت لمبی مدت اور کئی صدیاں درکار ہیں۔ اس طرح فوری پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے (مگر یہ تو ہوا کہ اس کے بعد چودہ دوسرے بادشاہ ہوئے) لیکن ان میں سے دس کا زمانہ تو صرف چار سال میں پورا ہو گیا اور باقی چار بادشاہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے میں حکومت کر کے اپنا وقت پورا کر گئے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے آخری (یعنی کسریٰ نوشیرواں کے بعد سے چودہواں) بادشاہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے شروع ہی میں ہلاک ہو گیا (اور اس طرح اتنی مدت میں چودہ بادشاہ ہو گزرے جتنی مدّت صرف ایک دو بادشاہوں کی حکومت ہو سکتی ہے)

(ی) فارس میں مجوسیوں کی حکومت تین ہزار ایک سو چھیالیس سال رہی۔

**نبی کے خوف سے کسریٰ کا عربوں پر ظلم**...... فارس کے ساسانی بادشاہوں میں ایک بادشاہ سابور ہوا ہے جس کا لقب ذوالاکتاف یعنی مونڈھوں والا تھا اس کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ عربوں میں سے جس کسی پر بھی اس کو غلبہ اور کامیابی حاصل ہوتی تو شاہ سابور اس شخص کے مونڈھے اتروا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ جب اس نے عرب پر حملہ کیا اور وہ قبیلہ بنی تمیم کے علاقے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سب لوگ اس سے اور اس کے لشکر سے ڈر کر

بھاگ گئے ہیں صرف ایک شخص عمیر ابن تمیم وہاں موجود ملا جس کی عمر تین سو سال ہو چکی تھی (اور اسی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ بھی نہیں سکا) وہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا بلکہ کھجور کی ٹوکری کے ایک جھولے میں لٹکا رہتا تھا۔ شاہ سابور کے سپاہی اس بوڑھے کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لائے۔ سابور نے اس بوڑھے یعنی عمیر سے کچھ بولنے کے لئے کہا۔ جب عمیر نے بات کی تو شاہ سابور کو معلوم ہوا کہ بوڑھا عمیر نہایت شائستہ اور مہذب گفتگو کرتا ہے اور بہت عالم آدمی ہے۔ عمیر نے سابور سے کہا۔

"اے بادشاہ! تو نے عربوں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کیا"؟

**ایک عرب کی کسریٰ کو فہمائش**...... کسریٰ سابور نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ عرب سمجھتے ہیں کہ ہماری سلطنت (یعنی فارس کی سلطنت) ایک ایسے نبی کے ہاتھوں ان کے قبضے میں چلی جائے گی جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا"۔

اس پر عمیر نے جواب دیا۔

بادشاہوں جیسی رواداری اور عقلمندی تم میں کیوں نہیں ہے (تم نے عربوں کو ستانے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا کہ) اگر یہ پیشین گوئی غلط ہے تو تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر سچ ہے تو (تمہارے اچھے معاملے کی وجہ سے اپنے دور میں) وہ تمہارے ساتھ بھلائی کریں گے۔ تم ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں نہیں کرتے کہ اپنے دور میں وہ تمہیں اس کا اچھا بدلہ دیں اور آج تمہاری حکومت میں تمہاری عزت اور احترام کریں!)"

(سابور کسریٰ کے یہ بات سمجھ میں آگئی اور) وہ واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے عربوں سے الجھنا چھوڑ دیا بلکہ اس واقعہ کے بعد وہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے لگا۔

(گذشتہ صفحہ میں سطیح کاہن کا یہ قول گذرا ہے کہ فارسیوں میں مرد اور عورتیں بادشاہ ہوں گے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) میں اس واقف نہیں کہ ان میں کوئی عورت بھی بادشاہ ہوئی۔ ہاں ایک عورت بادشاہ بنی جس کا نام "بوران" تھا جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اس سلسلے میں فرمایا۔

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے ایک عورت کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور دے دی"۔

یہ عورت بوران ایک سال تک بادشاہ رہی اس کے بعد یہ مر گئی۔

**پوتے کو لے کر دادا کی حرم میں دعا**...... ان ضمنی واقعات کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کا حال بیان کرتے ہیں کہ) ابن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب کو خبر بھیجی کہ آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے اس کو آکر دیکھ لیجئے۔ عبدالمطلب فوراً آئے اور آکر بچے کو دیکھا۔ پھر حضرت آمنہ نے جو کچھ (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دیکھا تھا وہ ان سے بیان کیا۔ عبدالمطلب آپ کو گود میں لے کر کعبہ میں آئے۔ (ی) جہاں وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہے۔ (ی) اور ان کے گھر والے آمین کہتے رہے۔ عبدالمطلب نے اللہ کی اس دین اور نعمت پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد عبدالمطلب آپ کو لے کر واپس حضرت آمنہ کے پاس آئے اور بچہ کو ان کے حوالے کیا۔

پچھلے صفحات میں ہم نے اس کے بیان کرنے کے متعلق وعدہ کیا تھا (کہ یہ روایت آگے آئے گی۔ نیز اس بارے میں جو اختلاف ہے وہ بھی گزر چکا ہے۔

**پالنے میں تکبیر و حمد**...... (قال) آنحضرت ﷺ نے ولادت کے بعد شروع کے دنوں میں ہی

جھولے میں کلام فرمایا آپ نے جو پہلا کلمہ بولا وہ یہ تھا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور بزرگ و برتر ہے اور اس کی تعریفیں بے شمار ہیں۔ الخ

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ پچھلے صفحات میں یہ روایت گزری ہے جس کو سہیلیؒ نے واقدیؒ سے نقل کیا ہے کہ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد آپ نے یہ کلمہ فرمایا تھا۔ جلال ربی الرفیع یعنی میرے بلند و برتر پروردگار کے جلال کی قسم ہے۔ نیز یہ بھی گزرا ہے کہ ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لانے کے بعد آپ نے جو کلمہ فرمایا وہ یہ تھا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہر عیب سے پاکی ہے صبح اور شام۔ (ان تینوں روایتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ) ممکن ہے آپ نے یہ کلام کئی مرتبہ یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے وقت، ولادت کے وقت (یعنی فوراً بعد) اور جھولے میں لٹائے جانے کے وقت فرمایا ہو۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے تیسری مرتبہ (کے کلام) میں وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا بھی فرمایا۔ اب گویا یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہوئی کہ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت بھی آپ نے کلام فرمایا۔ اس خصوصیت میں سوائے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کے دوسرے کوئی نبی آپ کے شریک نہیں ہیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک جھولے میں آپ کے کلام فرمانے کا سوال ہے تو اس کے متعلق آگے بیان آئے گا کہ ممکن ہے جھولے میں گفتگو کرنے سے مراد (یہ نہ ہو کہ آپ ﷺ نے جھولے میں لیٹے ہوئے ہی کلام فرمایا بلکہ یہ مراد ہو کہ) آپ نے اس عمر اور زمانے میں کلام فرمایا جس میں عام طور پر بچے گفتگو اور بات نہیں کر سکتے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کلام (یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ نے جھولے میں فرمایا تھا یہ کلام) آپ ﷺ نے دودھ چھوٹنے کے وقت فرمایا تھا۔

(اسی سلسلے میں) یہ بھی گزر چکا ہے کہ آپ نے پیدائش کے وقت الحمد للہ کہا تھا جس کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ کو چونکہ چھینک آئی تھی اس لئے آپ نے یہ کلمہ فرمایا۔ اس میں جو اشکال تھا وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

یہ بھی مانا جا سکتا ہے کہ آپ نے ولادت کے وقت یہ تینوں کلمے فرمائے ہوں یعنی جلال ربی الرفیع اور اللہ اکبر کبیراً اور الحمد للہ کثیرا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ان میں سے کون سا جملہ پہلے فرمایا اور کون سا بعد میں فرمایا اس کا جاننا روایتوں پر موقوف ہے چنانچہ ان کے بولنے میں اولیت یعنی یہ کہ پہلے کون سا کلمہ فرمایا۔ یا تو حقیقی ہو گی اور یا اضافی ہو گی (یعنی تینوں میں سے ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد میں) یہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ آپ کے جلال ربی الرفیع فرمانے کو اللہ اکبر کبیرا اور الحمد للہ کثیرا کے مقابلے میں جو اولیت اور پہل ہے وہ اضافی ہے (یعنی ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد میں)

پالنے میں بولنے والے بچے...... (قال) جن لوگوں نے جھولے میں جھولنے کی عمر میں کلام کیا وہ بہت سے حضرات ہیں جن کے ناموں کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے چند شعروں میں جمع کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہیں :۔

تکلم فی المهدا النبی محمد
ویحیٰی و عیسٰی و الخلیل و مریمٌ

ترجمہ: گہوارہ میں آنحضرت ﷺ نے کلام فرمایا
اور حضرت یحیٰیؑ عیسٰیؑ ابراہیمؑ اور مریمؑ نے

ومبری جو یج لم شاهد یوسفٌ
وطفل لدی الاخدود یرویه مسلم

اور اس بچے نے جس نے کہ برأت کی تھی جُریج کی اور اس نے کہ جس نے گواہی دی تھی حضرت یوسفؑ کی اور اس نے کہ جس نے کلام کیا تھا کھائی کے پاس جیسا کہ امام مسلم کی روایت ہے۔

وطفل علیه مر بالامة التی
یقال لها تزنی ولا تتکلم

اور اس بچے نے جسے اس کی ماں لے کر گزری تھی جس کے بارے میں سب کہتے تھے کہ یہ بدکار ہے مگر وہ خود کچھ نہ بولتی تھی۔

وما شطة فی عهد فرعون طفلها
وفی زمن الهادی المبارك یختم

اور فرعون کے زمانے میں ایک عورت ماشطہ کے بچہ نے کلام کیا اور امیر المومنین ہادی کے دور میں بھی ایک بچہ نے کلام کیا۔

**ایک نومولود اور ماں کی برائت**...... (اس طرح یہ کل گیارہ بچے ہیں جنہوں نے جھولا جھولنے کی عمر میں کلام کیا۔ ان کی تفصیل اگلی سطروں میں آرہی ہے) لیکن اس سلسلے میں ایک حدیث ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے (بچپن میں کلام کرنے والوں میں) صرف تین نام گنائے مگر اس میں آنحضرت ﷺ نے خود انحصار نہیں فرمایا وہ حدیث یہ ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے:۔

"جھولے میں جن بچوں نے کلام کیا وہ صرف تین ہیں ایک حضرت عیسٰیؑ، دوسرے حضرت جُریج (ان کے متعلق تفصیل آرہی ہے) اور تیسرا اس عورت کا لڑکا جس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کے بارے میں لوگ الزام لگاتے تھے کہ اس نے زنا کیا (مگر حقیقت میں وہ عورت پاکدامن اور پاکباز تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پاکبازی اس طرح ظاہر فرمائی کہ ایک معصوم بچے نے اس عورت کی پاکدامنی کی گواہی دی۔

امام بخاری نے اس واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، اس کے سامنے سے ایک سوار گزرا بڑی شان کا اور آن بان کا سوار تھا۔ عورت نے اس کو دیکھا تو دعا کی کہ خداوندا! اس بچے کو اس جیسا کر دے۔ بچے نے فوراً دودھ چھوڑا اور کہا:۔

"خداوندا! مجھے اس جیسا نہ بنا"۔

کچھ دیر بعد وہاں سے ایک باندی گزری۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہاں سے ایک باندی اس حالت میں گزری کہ لوگ اس کو کھینچتے ہوئے لے جارہے تھے۔ ماں کی زبان سے نکلا، خداوندا! میرے بچے کو اس جیسا نہ کرنا بچے نے اس دعا کے جواب میں فوراً پھر ماں کا دودھ چھوڑا اور دعا کی۔

"خداوندا! مجھے اس جیسا بنا"۔

ماں نے بچے سے حیران ہو کر کہا کہ یہ الٹی دعا کیسی؟

بچے نے جواب دیا کہ ابھی جو سوار گزرا تھا (وہ ظاہر میں تو بڑی آن بان کا تھا مگر) بڑا ظالم اور سرکش بادشاہ ہے جس کا انجام بہت زیادہ خراب ہوگا۔ اور یہ باندی جو گزری وہ (بظاہر تو بہت بری حالت میں ہے مگر) بے قصور اور پاکدامن ہے۔ لوگ اس پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے چوری کی، زنا کیا مگر یہ باندی کوئی جواب نہیں دیتی بلکہ صرف یہ کہتی رہتی ہے کہ

حَسْبِیَ اللّٰہ مجھے بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

حضرات علماء نے یہاں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ اہل حقیقت کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے اور اہل ظاہر صرف دنیاوی بھڑک اور تب و تاب کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، جیسا کہ جب عام لوگوں نے قارون کو دیکھا تو اس کی دولت سے ان کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں اور وہ کہنے لگے کاش یہ دولت جو قارون کو میسر ہے ہمیں بھی ملی ہوتی۔ مگر جن کی نگاہیں حقیقت پر تھیں انہوں نے ان جلد باز دعا کرنے والوں سے کہا۔

"تمہارا برا ہو یہ دنیا چند روزہ ہے تمنا ثواب کی کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب ہمیشہ رہنے والا ہے"۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود اپنا اور دوسروں کا ذکر نہیں کیا) اس کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ صرف تین آدمیوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کے تین بچے جنہوں نے جھولنے میں میں کلام کیا۔ یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ بعد میں آپ نے ایسے لوگوں میں جن کا اضافہ فرمایا ان کے متعلق آپ کو اس وقت تک (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) خبر نہیں دی گئی تھی۔

**بولنے کے وقت عیسیٰ کی عمر** ...... کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جس وقت کلام کیا اس وقت وہ صرف ایک رات کے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت وہ چالیس دن کے تھے۔ انہوں نے جب کلام کیا تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اونچی آواز کے ساتھ فرمایا۔

"میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

**واقعۂ مریم و عیسیٰؑ** ...... حضرت عیسیٰؑ نے یہ کلام اس وقت کیا تھا جب کہ ...... ایک روز بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کا حضرت مریمؑ کے پاس گذر ہوا۔ اس وقت حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔ ان اسرائیلیوں کو (چونکہ خبر تھی کہ حضرت مریمؑ کنواری ہیں اس لئے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا اور انہیں) یہ بات بہت بری لگی۔ (جب انہوں نے حضرت مریمؑ سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی تو) انہوں نے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے ہی پوچھ لو۔ اسرائیلی حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور) انہوں نے اپنے منہ پیٹتے ہوئے کہا کہ کیا ہم جھولے میں پڑے ہوئے ایک بچے سے بات کریں۔ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو کچھ کہا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔

میں نے اس واقعے کو معراج کے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی پیدائش کے دن جو بات کی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان کی والدہ حضرت مریمؑ کے ماموں یوسف نجّار (کو جب ایک روز حضرت مریمؑ نہیں ملیں تو وہ) ان کی تلاش میں نکلا۔ حضرت مریمؑ اس وقت زچگی کی تکلیف میں مبتلا ہو رہی تھیں اور اس کی وجہ سے بیت المقدس سے باہر ایک سوکھے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ ان کی برکت سے وہ درخت اسی وقت ہرا ہو گیا اور اسی کے سر سبز شاخیں لٹکنے لگیں اور اس کے نیچے سے ایک پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت مریمؑ نے

اسی جگہ حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا۔ (یوسف نجار حضرت مریم کو ڈھونڈھتا ہوا یہاں پہنچا اور ان کو اس حال میں پایا تو اسے یہ بات بہت بری معلوم ہوئی مگر حضرت عیسیٰؑ جو اسی وقت پیدا ہوئے تھے فوراً بول اٹھے)

"خوش خبری ہو تمہیں اے یوسف! تم خوش رہو اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں، مجھے میرے پروردگار نے ماں کے پیٹ کے اندھیاروں سے جگمگاتی ہوئی دنیا میں پہنچادیا۔ میں بنی اسرائیل کے لئے (ایک نبی کی حیثیت میں) ظاہر ہوں گا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں گا"۔

(یوسف نجار بچہ کا یہ کلام سن کر حیران رہ گیا اور) وہاں سے حضرت زکریاؑ کے پاس پہنچا اور انہیں حضرت مریم کے یہاں بچہ پیدا ہونے کے متعلق بھی بتلایا اور اس بچے نے جو کچھ بات کی تھی وہ بھی ان کو بتلائی۔

**شکم مادر میں بھی عیسیٰ کا کلام**...... کتاب نطق مفہوم میں یہ روایت ہے کہ اسی یوسف نجار سے حضرت عیسیٰؑ نے جو کلام اور بات کی وہ (اپنی پیدائش سے بھی پہلے) ماں کے پیٹ ہی میں سے کی تھی۔ یوسف نجار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جسے سب سے پہلے حضرت مریمؑ کے حمل سے ہونے کے متعلق معلوم ہوا وہ یہی یوسف ہے۔ (یہ پتہ چلنے پر انہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت مریمؑ) یعنی اپنی بھانجی سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے زنا اور بدکاری سے اپنی برأت اور صفائی کی کہ میں ہرگز کسی بدکاری میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اس پر یوسف نجار نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اے مریم! کیا زمین میں بغیر بیج کے بھی کھیتی ہوا کرتی ہے اور کیا بغیر مرد کے بھی بچہ ہوا کرتا ہے"؟

یہ سن کر حضرت عیسیٰؑ اپنی والدہ کے پیٹ میں سے بولے۔

"اٹھو اور جا کر عبادت کرو اور جو کچھ بدگمانی تمہارے دل میں پیدا ہوئی ہے اس پر خدا تعالیٰ سے استغفار کرو"۔

(اس طرح گویا یوسف نجار کو حضرت عیسیٰؑ کے اپنی والدہ کے پیٹ میں سے بولنے پر اور ان کی صفائی اور برأت کرنے پر احساس ہوا کہ یہ کوئی عام حمل اور عام بچہ نہیں ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بچپن میں (یعنی جھولے میں جھولنے کی عمر میں) تین مرتبہ کلام کیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ اس عمر کو پہنچنے تک نہیں بولے جس میں کہ بچے عام طور پر بولنے لگا کرتے ہیں۔ (ی) غالباً یہ تیسری مرتبہ کا ہی کلام تھا جس میں انہوں نے اس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف بیان کی کہ اس جیسی کانوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ انہوں نے یہ تعریف ان الفاظ میں بیان کی۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْقَرِیْبُ فِیْ عُلُوِّکَ الْمُتَعَالِیْ فِیْ دُنُوِّکَ، الرَّفِیْعُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مِنْ خَلْقِکَ ھَارَتِ الْاَبْصَارُ دُوْنَ النَّظْرِ اِلَیْکَ

ترجمہ:۔ اے اللہ! تو انتہائی بلند ہونے کے باوجود ہم سے کتنا قریب ہے، اپنی تمام مخلوق پر غالب اور چھائے ہوئے ہے آپ کی ہستی میں غور کرنے سے ہر ایک حیران اور عاجز ہے۔

**ابن جُریج کا جھولے میں کلام**...... (پچھلی سطروں میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے جو شعر نقل کئے گئے ہیں جن میں ان بچوں کے نام جمع کئے گئے ہیں جو بچپن میں بولے ہیں ان میں سے ایک جُریج کی برأت اور صفائی کرنے والا بچہ ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) جُریج کی برأت کرنے والا بچہ بھی اسی طرح اپنی ماں کے پیٹ میں سے بولا تھا۔ اس سے پوچھا گیا تھا کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا تھا کہ فلاں قوم کا غلام ہے جو ایک چرواہا ہے۔ یہ بچہ دوسری مرتبہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد (یعنی پیدا ہو جانے کے بعد) بولا تھا۔ اس

طرح یہ بچہ دو مرتبہ بولا۔ ایک مرتبہ اس وقت جبکہ یہ ماں کے پیٹ میں تھا اور دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ یہ بالکل بچہ تھا۔ کتاب نطق مفہوم میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن میں اس سے واقف نہیں کہ یہ بچہ کس وقت بولا اور کیا بولا۔

ابن جُریج کا واقعہ...... (جُریج کا واقعہ نہایت عجیب و غریب اور حیرت ناک ہے جس کو امام بخاریؒ نے بھی چند جگہ نقل کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا واقعہ بیان فرمایا کہ یہ جُریج بنی اسرائیل کے ایک نیک اور بزرگ آدمی تھے۔ ان کی نیکی اور بزرگی کی جب شہرت پھیل گئی تو کچھ برابری کے لوگ ان کے دشمن بن گئے اور وہ ان کی شہرت اور نیک نامی سے جلنے لگے۔ آخر انہوں نے جُریج کو بدنام کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک بدکار عورت کو اس پر تیار کیا کہ وہ تنہائی میں جُریج کے پاس جائے اور ان کو بدکاری اور زنا کی طرف متوجہ کرے تاکہ اس کے بہانے ان کو بدنام کیا جاسکے۔ یہ عورت جُریج کے پاس پہنچی اور انہیں اپنے ساتھ بدکاری کے لئے ورغلایا مگر جُریج حرامکاری کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ آخر یہاں سے مایوس ہو کر یہ عورت ان کے پاس سے نکلی اور پھر ایک چرواہے سے اس نے زنا کرایا۔ جب اس کو حمل ہو گیا تو اس نے لوگوں کے پوچھنے پر بتلایا کہ یہ جُریج کا حمل ہے۔ وہ لوگ جو موقعہ کی تلاش میں تھے فوراً جُریج پر چڑھ دوڑے اور ان کو مارنے لگے۔ جُریج نے ان سے پوچھا کہ آخر تم لوگ مجھے کیوں مارتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تو نے اس بزرگی کے پردے میں فلاں عورت سے زنا کیا۔ انہوں نے اس الزام سے انکار کیا اور کہا کہ اس بچے سے پوچھ لو کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔ آخر لوگوں نے اس بچے سے پوچھا جو بالکل نو مولود تھا۔ خدا کی قدرت سے وہ بچہ فوراً بول اٹھا اور اس نے بتلایا کہ میں فلاں چرواہے کا بیٹا ہوں جو فلاں قوم کا آدمی ہے۔ لوگوں کو اس پر بڑی حیرانی ہوئی اور انہیں جُریج کی بے گناہی کا یقین آگیا۔ پھر انہوں نے جُریج سے پوچھا کہ اتنے بزرگ ہونے کے باوجود تم پر یہ گندا الزام کیوں لگا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نفلیں پڑھنے کھڑا ہوا تو میری ماں کسی کام سے مجھے پکارتی ہوئی آئی مگر میں اس کو جواب دینے کے بجائے یہ سوچتا رہا کہ ماں کی بات سننے کے لئے نفل چھوڑ دوں یا نہیں۔ میں یہ سوچتا رہا اور ماں غصہ میں واپس چلی گئی۔ میری ماں نے غصہ میں مجھے بددعا دی کہ خدا کرے تو اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ تجھ پر زنا کا الزام نہ لگ جائے۔ چنانچہ ماں کی یہ بددعا قبول ہوئی اور جُریج پر یہ بہتان لگا۔ (بخاری ص ۴۸۹)

(علامہ سیوطیؒ کے ان ہی مذکورہ اشعار میں حضرت یحییٰؑ کے متعلق بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بچپن میں کلام کیا) انہوں نے تین سال کی عمر میں کلام کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا تھا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں"۔

(ان ہی اشعار میں حضرت خلیل یعنی ابراہیم کے متعلق بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بچپن میں کلام کیا ہے انہوں نے عین اپنی پیدائش کے وقت کلام کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہاں یہ اشکال ہے کہ ولادت کے وقت بولنے سے مراد جھولا جھولنے کی عمر میں بولنا ہے جبکہ حضرت یحییٰؑ کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں بولے (حالانکہ یہ عمر جھولا جھولنے کی یعنی بالکل بچپن کی نہیں ہے۔ ہاں یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جھولے میں بولنے سے مراد اس عمر میں بولنا ہے جس میں بچے عام طور پر بولنے کے قابل نہیں ہوتے۔

آگ کے پاس بچے کا کلام...... بچپنے میں بولنے والے ان بچوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی

بولنے والے کی عمر کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے ہاں ایک اس بچے کے متعلق واقف ہوں جو آگ کے شعلوں کے قریب بولا تھا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ اس بچے کی ماں کو آگ میں ڈالنے کے لئے لایا گیا کہ وہ یا تو کفر کا کلمہ کہہ دے ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس وقت یعنی آگ کے پاس پہنچ کر وہ ہچکچا گئی اس وقت یہ بچہ جو ماں کے ساتھ تھا بول اٹھا۔

"ماں! صبر کر اس لئے کہ تو حق اور سچائی پر ہے"۔

"ابن قیتبہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس بچے کی عمر سات مہینے تھی۔

ان ہی شعروں میں شاہد یوسف یعنی حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کی گواہی دینے والے بچے کا بھی ذکر ہے)اس کے متعلق کتاب نطق مفہوم میں ہے کہ (جب اس بچے نے کلام کیا اور حضرت یوسفؑ کے حق میں گواہی دی تو)اس کی عمر صرف دو مہینے کی تھی اور وہ زلیخا کی دایہ کا لڑکا تھا۔

**شیر خوار بچے اور نبوت کی گواہی**...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے حق میں دودھ پیتے بچوں نے کلام کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دی۔ اس بات کو بدر الدما میتیؒ نے ذکر کیا ہے۔ یہاں تک خصائص صغری کا حوالہ ہے۔

**عیسیٰ کے بولنے کی حکمت**...... اس بات میں اشکال ہے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے بچوں میں سے سوائے ایک بچے مبارک یمامہ کے کسی اور نے (دودھ پینے کے زمانے میں) آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دی (مبارک یمامہ کا واقعہ آگے آرہا ہے)

علامہ ابن عونؒ کی کتاب "اجوبتہ المُسکتہ" میں ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ہمیشہ نبی نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ انہوں نے پوچھا پھر آپ نے دودھ پینے کی عمر میں کلام کیوں نہیں کیا جیسا کہ اس عمر میں حضرت عیسیٰؑ بولے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا تھا اس لئے اگر وہ دودھ پینے کی عمر میں نہ بولتے تو حضرت مریم کے لئے (اپنی صفائی اور برأت کا) کوئی عذر نہ ہوتا اور ان پر اسی طرح تہمت لگتی جیسی کہ ایسے معاملے میں ایک عورت پر لگ سکتی ہے جبکہ میں ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہوا ہوں۔" یہاں تک علامہ ابن عون کا کلام ہے۔

پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی دودھ پینے کی عمر میں بولے ہیں جب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس عمر میں کلام نہیں کیا۔ اس بات کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں نے جو آپ سے سوال کیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بچپن کی عمر میں وہی کلام کیوں نہیں فرمایا جو عیسیٰؑ نے فرمایا تھا (کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں وغیرہ وغیرہ) یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا جواب دینے میں آنحضرت ﷺ نے ڈھیل دی (کیونکہ حقیقت میں آپ نے بھی بچپن میں کلام فرمایا تھا) بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

**شیر خوارگی میں کلام ابراہیم**...... (پچھلے شعروں میں گزرا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے بچپن میں کلام فرمایا اس کے متعلق لکھتے ہیں) میں نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق پڑھا ہے کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر زمین پر آئے تو دونوں قدموں پر سیدھے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ . لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ . اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہی حکومت کے لائق ہے اور وہی ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور تعریف ہے اس بات پر کہ اس نے اس (سیدھے راستے اور سچائی) کی طرف ہمیں راستہ دکھلایا"۔

کتاب نطق مفہوم میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک غار میں پیدا ہوئے تھے اور یہ وہی غار تھا جس میں حضرت نوحؑ اور حضرت ادریسؑ پیدا ہوئے تھے۔ توریت میں اس غار کو غار نور کہا گیا ہے۔

**بنت ابن عربی کا کلام**...... (بچپن میں بولنے والے جن بچوں کا ذکر کیا گیا ہے) ان ہی میں وہ واقعہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے جس کو شیخ محی الدین ابن عربی نے ذکر کیا ہے کہ میری ایک بچی جو ابھی دودھ پیتی تھی اور جس کی عمر تقریباً ایک سال تھی میں نے ایک روز اس سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جس نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی ہو مگر اسے انزال نہ ہوا ہو تو اس پر غسل واجب ہوا یا نہیں؟) بچی فوراً بول پڑی اور کہنے لگی کہ اس پر غسل واجب ہے (اس بارے میں مسئلہ یہی ہے کہ ہم بستری میں اگر عضو تناسل اتنا داخل ہو گیا کہ حشفہ یعنی اس کا اگلا حصہ نظر نہ آئے تو چاہے انزال سے پہلے ہی دونوں الگ ہو جائیں مگر غسل واجب ہو جائے گا) غرض بچی کے جواب دینے پر تمام لوگ جو وہاں موجود تھے حیران رہ گئے (اسی بچی کی ذہانت کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ) اس کے بعد میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں ایک سال تک اس بچی سے دور رہا سال بھر بعد میں نے اپنی بیوی کو لکھا کہ وہ بھی حج کرنے کے لئے مکے آ جائے۔ چنانچہ وہ شامی حاجیوں کے قافلے کے ساتھ آ گئی (مجھے جب معلوم ہوا کہ قافلہ آ رہا ہے جس کے ساتھ میرے گھر والے ہیں تو) میں ان کی پیشوائی اور استقبال کے لئے نکلا۔ وہ بچی اس وقت تک دودھ پیتی تھی۔ اس نے لونٹ پر سے مجھے دیکھا اور اتنی چھوٹی عمر اور ایک سال تک دور رہنے کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا اور اپنی ماں سے بہت صاف آواز میں کہا کہ یہ میرے باپ ہیں۔ اس کے بعد وہ ہنسنے لگی اور لپک کر میری گود میں آ گئی۔

**ایک اور واقعہ**...... علامہ ابن عربیؒ ہی کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے بچے کے بارے میں بھی سنا ہے جس کی ماں کو جب ایک بار چھینک آئی تو بچے نے پیٹ ہی میں سے ماں کو (الحمد للہ کہنے کے جواب میں) یرحمک اللہ کہا۔ اس وقت جتنے لوگ بھی موجود تھے ان سب نے پیٹ میں سے آنے والی بچے کی یہ آواز سنی اس کے متعلق معتبر گواہوں نے مجھے بتلایا جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ علامہ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یہ تنہا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس بچے کو ماں کے پیٹ میں ہی اس بات کا (یعنی یرحمک اللہ کہنے کا) علم عطا فرمایا۔

(اس بارے میں قرآن پاک کی ایک آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اس آیت کی روشنی میں علامہ ابن عربی کی اس روایت پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ بچہ ماں کے پیٹ ہی میں اس بات کو کیسے جان سکتا ہے اس کے بارے میں جواب دیتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) یہاں آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو اس واقعہ کے خلاف دلیل نہ بنائیں (وہ آیت یہ ہے)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا۔ (لآیۃ پ ۱۴ سورۂ نحل رکوع ۱۱)

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک عالم آدمی کے ساتھ اس کا علم ہر وقت ہی ہو۔ پیدا ہونے والا مستقبل کے لحاظ سے عالم ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ عالم نہیں ہوتا جبکہ پیدا ہوا ہے۔ اس آیت پاک سے یہی مراد ہے۔

**حضرت یوسف کا کلام**...... کتاب نطق مفہوم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ بھی ماں کے پیٹ میں سے ہی بولے تھے اور (اپنے متعلق) کہا۔

"میں ایک لمبی مدت کے لئے گم اور اپنے والد کی نظروں سے اوجھل ہونے والا ہوں"۔

حضرت یوسفؑ کا یہ کلام ان کی والدہ نے سنا تو انہوں نے یہ بات اپنے شوہر (حضرت یعقوبؑ) سے بتلائی۔ انہوں نے سن کر کہا کہ اس بات کو پوشیدہ رکھو۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ حضرت نوحؑ اپنی پیدائش کے فوراً بعد بولے تھے۔ ان کی والدہ اپنی اور اپنے ہونے والے بچے کی جان کے خوف سے دشمنوں سے چھپ کر ایک غار میں آئیں اور وہیں ان کے یہاں حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب وہ پیدائش کے مرحلے سے فارغ ہو گئیں تو بچے کو وہیں غار میں چھوڑ کر جانے لگیں اور (چلتے وقت بچے کو حسرت سے دیکھ کر) کہنے لگیں۔ آہ۔ اے نوح۔!

**نوح و موسیٰ کی گویائی**...... یہ سن کر حضرت نوحؑ بول اٹھے۔

"ماں! میری جان کے متعلق کسی کی دشمنی سے مت ڈرو۔ اس لئے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری حفاظت فرمائے گا"۔

اسی طرح روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ان کو جنم دیا تو حضرت موسیٰؑ پیٹ سے باہر آنے کے بعد سیدھے بیٹھ گئے اور اپنی والدہ سے کہا (جو فرعون کے خوف سے بچے کو چھپا رہی تھیں کیونکہ فرعون کو یہ پیشین گوئی پہنچ چکی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گیا جو نبی ہو گا اور فرعونی سلطنت کو تباہ کر دے گا اس لئے فرعون نے یہ حکم دے دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ کتنے ہی معصوم بچے اس حکم کی بھینٹ چڑھ گئے اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بیٹے کی جان کا خوف تھا مگر پیدا ہوتے ہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی والدہ کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا)۔

"ماں! فرعون کا خوف مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

**شیر خوار کی حضور ﷺ کے لئے شہادت**...... (اس تفصیل کے بعد پھر ان بچوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق گزشتہ شعروں میں ذکر ہوا ہے اور جن میں مبارک یمامہ کا بھی تذکرہ ہے کہ) مبارک یمامہ کے واقعہ کے متعلق صحابہ میں سے کسی نے روایت کیا ہے کہ میں ایک روز ایک گھر میں گیا جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور وہاں میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص ایک بچے کو لئے ہوئے آیا جسے اس نے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ بچہ اسی دن پیدا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس بچے سے پوچھا کہ اے لڑکے میں کون ہوں۔ اس (ایک دن کے بچے) نے فوراً بہت صاف لہجے میں جواب دیا۔

"آپ خدا کے پیغمبر ہیں"۔

آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے۔ اس کے بعد بچہ کچھ نہیں بولا۔ اس واقعہ کے بعد سے (جس میں آنحضرت ﷺ نے اس کو برکت کی دعا دی) ہم اس بچہ کو مبارک یمامہ کہنے لگے۔ یہ واقعہ

حجتہ الوداع میں پیش آیا(یعنی ۱۰ھ میں جس میں آپ ﷺ نے آخری حج فرمایا اسی وجہ سے اس کو حجتہ الوداع یعنی رخصتی حج کہا جاتا ہے)

آنحضرت ﷺ دودھ پینے کی عمر میں چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے(مراد ہے بچہ کا غوں غاں کرنا) کہا جاتا ہے کہ عورت نے بچے کے ساتھ غوں غاں کر کے بات کی یعنی بچے سے اس طرح بولی جس سے بچہ خوش ہوتا ہے۔ چاند کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا باتیں کرنا آپ کی خصوصیات میں گنا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے فرمایا۔

یارسول اللہ! میں نے آپ کی نبوت کی ایک علامت دیکھی تھی جس کی وجہ سے میں آپ کے دین میں شامل ہوا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرماتے تھے اور آپ اپنی انگلی سے چاند کو جس طرف بھی اشارہ فرماتے وہ اسی طرف سرک جاتا تھا"۔

**ایک عجیب خصوصیت**...... آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے بہلائے رکھتا تھا۔ جب وہ یعنی چاند عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنا کرتا تھا(یعنی جب چاند ایک دھما کے کے ساتھ عرش کے نیچے گرتا تھا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا سجدہ ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کے سجدہ کرنے یعنی گرنے کی آواز سنا کرتے تھے)

اس حدیث کے راویوں میں بعض مجہول لوگ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب المتن ہے (یعنی اس کے روایوں میں بعض ایسے نامعلوم لوگ ہیں جن کے پورے حالات کا پتہ نہیں ہے اور ان کے معتبر ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا)

حافظ ابوالفتح یعنی عیون الاثر کے مصنف کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر کتنی تھی(جب آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے)

آنحضرت ﷺ کا جو جھولا یعنی پالنا تھا اس کو ملائکہ یعنی فرشتے ہلایا کرتے تھے اور اسی سے وہ ہلتا رہتا تھا۔ اسی لئے علامہ ابن سبع نے اس کو بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔(چاند سے یا چاند کے باتیں کرنے سے یہ مراد ہے کہ آپ اس کو دیکھ کر غوں غاں کیا کرتے تھے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاند کو آپ کے دل بہلانے کے ذریعہ بنادیا تھا)

# باب ششم (۶)

## آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی محمد اور احمد رکھنے کا بیان

یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جتنے بھی اسماء گرامی اور نام ہیں وہ تمام کے تمام ان صفات اور خوبیوں سے بنے ہیں جو آپ میں پائی جاتی تھیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ کی تعریف بھی ضروری ہوتی ہے اور آپ کا مکمل ترین انسان ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر وصف اور خوبی سے آپ کا ایک نام بنتا ہیں۔
(قال) جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بھی ایک ہزار نام ہیں۔
ابو جعفر محمد بن علی ابن حسین ابن علی ابن ابوطالب سے روایت ہے کہ آپ علم کا ایک اتھاہ سمندر ہیں۔

جب حضرت آمنہ کے پیٹ میں آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں تھے تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ آپ کا نام نامی "احمد" رکھیں (جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) مگر ابن اسحاق سے جو روایت ہے اس میں ہے کہ آپ کا نام "محمد" رکھیں (جس کے معنی ہیں وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)۔
یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ (قال) دوسری روایت (یعنی محمد نام رکھنے کی روایت) دوسری روایات کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہے۔ (ی) پہلی (یعنی احمد نام رکھنے کی) روایت حافظ دمیاطیؒ نے نقل کی ہے۔
<u>محمد نام عرب میں پہلی بار</u>...... آپ کا نام "محمد" رکھنے والے آپ کے دادا عبدالمطلب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو ولادت کے ساتویں دن آپ کے دادا عبدالمطلب نے ایک بھیڑ ذبح کر کے آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی "محمد" رکھا (یہ نام اس وقت تک عربوں میں نہیں رکھا جاتا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے اسی لئے قریش کو یہ نام اوپرا لگا) چنانچہ عبدالمطلب سے کہا گیا۔

"اے ابوالحرث! کیا وجہ ہے کہ تم نے اس بچے کا نام اس کے باپ دادا کے نام پر نہیں رکھا بلکہ محمد رکھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ حالانکہ یہ نام نہ تمہارے باپ داوا میں سے کسی کا ہے اور نہ تمہارے قوم ہی میں کسی کا ہے؟"

عبدالمطلب نے جواب دیا۔
اس سے میری تمنا یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پر لوگ اس کی تعریف کریں" الخ اقول۔ مؤلف کہتے ہیں

**یہ نام منجانب اللہ**...... یہ بات اس مشہور قول کے مطابق ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کا نام محمد، اللہ تعالیٰ کی جانب سے دل میں ڈالے جانے کی بنا پر رکھ تھا جس میں یہ فال نیک بھی تھی کہ آپ کی ان عمدہ صفات اور خوبیوں کی وجہ سے جن کی تعریف کی جاتی ہے ساری مخلوق آپ کی بہت زیادہ تعریف کرے۔ اسی وجہ سے یہ نام زیادہ عمدہ اور مراد کے لحاظ سے صحیح ہے (یوں تو محمود کے معنی بھی وہی ہیں جو محمد کے ہیں یعنی وہ جس کی تعریف کی جائے مگر محمد کے معنی ہیں وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے) اسی بات کی طرف حضرت حسانؓ ابن ثابت نے جو صحابی ہیں اور شاعر اسلام کہلاتے ہیں) اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

فَشَقَّ له من اسْمِه ليجله
فذوا العرش مَحْمُودٌ وهذا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: آنحضرت ؐ کی عظمت کی وجہ سے آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے بنایا گیا پس اللہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ ؐ محمد ہیں۔

**خواب میں اس نام کا اشارہ**...... جیسا کہ بیان ہوا عبدالمطلب کے دل میں بات ڈالی گئی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کا نام محمد رکھیں۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں جاتی کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ہو کہ مجھے خواب میں اپنے بچے کا نام محمد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عبدالمطلب کے دل میں بھی یہ بات ڈالی گئی ہو اور پھر حضرت آمنہ نے بھی ان سے یہی کہا ہو کیونکہ آپ کا نام محمد رکھنے سے عبدالمطلب کی تمنا یہ تھی کہ آسمان اور زمین میں سب آپ کی تعریف، کریں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی اور آنحضرت ﷺ میں وہ تمام خوبیاں اور بلند ترین صفات جمع فرمادیں جن کی وجہ سے لوگ کسی کو پسند کرتے ہیں۔ اسی بناء پر آپ ﷺ کو خالق اور مخلوق سب کی مکمل محبت حاصل ہوئی اور آپ کے نام نامی (یعنی محمد جس کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف کریں) کے معنی حقیقت بن کر ظاہر ہوئے۔

**اس کے معنی**...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے نکلا ہے۔ نیز یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نام احمد ﷺ رکھا گیا جبکہ آپ سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ اس لفظ یعنی محمد کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے یعنی محمد صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ یہ تعریف ان خوبیوں اور اونچے اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس ذات میں پائی جاتی ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی محمد مبالغہ کے صیغوں میں ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے مگر یہ کثرت اور مبالغہ (اس لفظ کو اس طرح) استعمال کرنے کے لحاظ سے ہے ورنہ یہ لفظ حقیقت کے لحاظ سے مبالغہ کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ مبالغہ کے معنی دینے والے جو صیغے ہیں ان کے اوزان صرف پانچ ہیں اور لفظ محمد ان وزنوں میں سے نہیں ہے۔

**نام ولادت کے ساتویں دن**...... حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت پیچھے گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ نام آپ کے عقیقہ کے دن رکھا گیا ہے اور آپ کا عقیقہ پیدائش کے ساتویں دن ہوا ہے لیکن

ایک روایت پیچھے بیان ہوئی ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے یہاں رات میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے محمد رکھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ نام آپ کی پیدائش کی رات یا پیدائش کے دن میں ہی رکھ دیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ابن عباسؓ کی روایت میں جو یہ لفظ ہیں کہ عبدالمطلب نے بھیڑ ذبح کر کے آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی محمد رکھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (اگرچہ نام تو پیدائش کے وقت ہی رکھ دیا گیا تھا مگر) عام لوگوں کے سامنے آپ کا نام عقیقہ کے دن ظاہر کیا۔

**اسم کا اثر مسمّٰی پر**...... آنحضرت ﷺ کا نام نامی محمد رکھنے کی جو وجہ اوپر بیان کی گئی ہے (کہ زمین و آسمان میں آپ کی تعریف کی جائے) اس سے یہ مقولہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسم اور مسمّٰی یعنی نام اور اور نام والے میں اچھائی و برائی اور پاکیزگی اور عدم پاکیزگی کے لحاظ سے مناسبت اور موافقت ہونی چاہئے (یعنی جو نام کے معنی ہیں وہ صفات نام والے میں بھی ہونی ضروری ہیں کہ اگر کسی کا نام فاضل ہے تو اس شخص کو بھی عالم و فاضل ہونا چاہئے۔ یا اگر نام شریف ہے تو اس نام والے شخص کو بھی شریف اور نیک ہونا چاہئے تاکہ یہ نام اس کو سجے) اسی وجہ سے اکثر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے قدیم اور برے نام بدل کر (اس نام والے کی خوبیوں کے مطابق) اچھے نام رکھ دیئے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ (کفّار کے) اچھے ناموں کو بدل کر برے نام رکھ دیئے جیسا کہ آپ نے عمرو بن ہشام یعنی ابوالحکم کا نام بدل کر ابو جہل رکھ دیا تھا (یہاں تک کہ یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ لوگ ابو جہل کا اصل نام بھول گئے اور اب وہ صرف اسی نام سے مشہور ہے) اسی طرح ایک اور دشمن اسلام ابو عامر کو ابو عامر راہب کہا جاتا تھا مگر آپ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا تھا۔

**اچھے معنی کا نام پسندیدہ**...... حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک صحابی سے فرمایا کہ کسی شخص کو بلاؤ جو میری اونٹنی کا دودھ دوھ دے، وہ صحابی ایک شخص کو لائے آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا حرب (یعنی جنگ بمعنی قتل و قتال اور موت) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جاؤ۔ اس کے بعد وہ صحابی ایک دوسرے شخص کو لائے آپ ﷺ نے اس سے بھی پوچھا تمہارا کیا نام ہے اس نے کہا "یعیش" (یعنی زندگی) آپ نے اس سے کہا کہ تم اونٹنی کا دودھ نکالو (اس طرح گویا آپ نے اس برے نام والے کے مقابلے میں ایک اچھے نام والے آدمی کو پسند فرمایا)۔

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو کنواں کھودنے کے لئے بلایا چنانچہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا "مرّہ" (یعنی کڑوا اور بخیل) آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ (یعنی آپ ﷺ نے اس شخص سے کام لینا پسند نہیں فرمایا)

**اسلام میں بدشگونی نہیں**...... (یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بدشگونی کو ناپسند فرمایا ہے جبکہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بدشگونی کی وجہ سے ان برے نام والے لوگوں سے کام نہیں لیا۔ اس کا جواب دیتے ہیں) کہ یہ وہ بدشگونی نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے اور جس سے آپ ﷺ نے روکا ہے بلکہ یہ برے ناموں سے آپ کی ناپسندیدگی کا اظہار ہے (یعنی یہ اس بات کا اظہار تھا کہ آپ ایسے ناموں کو پسند نہیں فرماتے جن کے معنی برے ہوں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ ایسے نام والے لوگوں سے

کام لینے میں بد شگونی اور ناکامی ہوتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے عالموں (یعنی علاقائی گورنروں) کو لکھا کرتے تھے کہ تم جب بھی میرے پاس کوئی ایلچی اور قاصد بھیجو تو ایسا بھیجو کہ جس کا نام بھی اچھا ہو اور ظاہری وجاہت بھی رکھتا ہو۔

(چونکہ آنحضرت ﷺ نے شگون وغیرہ لینے کو ناپسند فرمایا اور اس سے روکا ہے اس لئے) جب یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک برے نام والے آدمی کو لونٹنی کا دودھ دوہنے اور اسی طرح ایک شخص کو کنواں کھونے سے منع فرمادیا تو حضرت عمرؓ کے ذہن میں بھی یہی اشکال ہوا کہ آپ نے تو بد شگونی کو روکا ہے پھر ان برے نام والے لوگوں سے کام لینے سے کیوں انکار فرمایا چنانچہ انہوں) نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں حیران ہوں کہ اس بارے میں کچھ پوچھوں یا خاموش رہوں۔ آپ نے فرمایا پوچھو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں بد شگونی کو ماننے سے روکا ہے (جبکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شگون لیتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔

"میں نے کسی شگون کے خیال سے ایسا نہیں کیا بلکہ میں اچھے نام کو (برے نام کے) مقابلے میں زیادہ پسند کرتا ہوں"۔

آنحضرت بُرے نام بدل دیتے...... آنحضرت ﷺ نے صحابہ اور غیر صحابہ میں جن لوگوں کے نام بدلے ہیں ان سب کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے مگر میں اس کے نام سے واقف نہیں ہوں۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حزن ابن ابو وہب فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ یہ حضرت سعید ابن مسیب کے دادا ہیں (چونکہ ان کا نام حزن تھا جس کے معنی ہیں رنج و غم جو ایک برا نام ہے اس لئے) آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ ان کا نام بدل دیں اور اس کے بجائے سہل رکھ دیں مگر حزن نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں وہ نام نہیں بدلوں گا جو میرے ماں باپ نے رکھا ہے۔ چنانچہ ان کے پوتے حضرت سعیدؒ کہتے ہیں کہ ہمارے گھرانے میں ہمیشہ غم اور صدمے رہے۔ واللہ اعلم۔

شانِ رحمۃ للعالمین پر شکر...... (ی) ایک حدیث میں ہے کہ نبوت ملنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی جانب سے خود عقیقہ فرمایا۔ مگر امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ حدیث منکر[1] حدیث کی ایک کمزور قسم ہے لیکن ایسی حدیث باطل نہیں ہوتی جیسا کہ اس لفظ سے وہم ہوتا ہے مگر حافظ سیوطیؒ نے اس حدیث کے منکر ہونے پر توجہ نہیں دی بلکہ انہوں نے اس کو میلاد کے لئے دلیل بنالیا ہے اس سلسلے میں علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اصل میں عقیقہ تو دوبارہ کیا نہیں جاتا (صرف ایک بار پیدائش کے ساتویں دن ہونا چاہئے) اس لئے اس کا مطلب ہے کہ یہ عقیقہ جو آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا وہ (دراصل عقیقہ نہیں بلکہ) اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر تھا کہ اس نے آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنایا، نیز یہ کہ اس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو ہتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان پر شکر کا اظہار کیا جانا چاہئے جیسا کہ آپ ﷺ اسی اظہار شکر کے لئے اپنے اوپر درود بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے مستحب ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دن

---

[1] حدیث منکر کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے۔

شکر کا اظہار کریں۔ یہاں تک حافظ سیوطیؒ کا کلام ہے۔

میلاد النبی منانا بدعت...... (میلاد النبی کا منانا حقیقت میں ایک بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کا اظہار کرنا ہے اس کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات انسان پر ہر روز اور ہر وقت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا میں رحمت بنا کر بھیجنا حق تعالیٰ کا بنی آدم پر سب سے بڑا احسان ہے اس لئے اتنے عظیم احسان پر اظہار شکر ہر وقت اور ہر گھڑی ہونا چاہئے جب بھی شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ اتنے زبردست احسان پر سال میں صرف ایک بار اظہار شکر کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ خود اپنی ذات بابرکات پر درود بھیجا کرتے تھے مگر اس کے لئے آپ نے اپنی ولادت مبارکہ کا دن متعین نہیں فرمایا تھا اور پھر آج میلاد النبی جس طرح منایا جاتا ہے کہ اس میں گانا بجانا ہوتا ہے اس کو کسی حالت میں بھی درست نہیں کہا جا سکتا۔

عبد المطلب کا خواب اور یہ نام...... (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے متعلق کہتے ہیں) ایک روایت ہے کہ عبد المطلب نے آپ کا محمد ﷺ نام ایک خواب کی وجہ سے رکھا انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کمر سے ایک (نور کا) سلسلہ نکل رہا ہے جس کا ایک سرا زمین میں ہے اور دوسرا آسمان میں۔ اسی طرح ایک سرا مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ پھر اس نے ایک درخت کی صورت اختیار کی جس کے ہر پتے پر نور چمک رہا تھا اور مشرق اور مغرب کے لوگ اس درخت سے لگے ہوئے تھے۔

عبد المطلب نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر دی گئی کہ ان کی صلب یعنی نطفے سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی مشرق اور مغرب کے لوگ پیروی کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی تعریف کریں گے۔ اسی لئے عبد المطلب نے آپ کا نام محمد رکھا۔ (ی) یعنی اس کے علاوہ (یہ نام رکھنے کا) ایک سبب وہ بھی تھا کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے ان کو اپناوہ خواب بتلایا تھا جو انہوں نے دیکھا تھا جس کا بیان گزر چکا ہے۔

خواب میں شجر طیب...... ابو نعیم عبد المطلب سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عبد المطلب نے کہا

ایک روز میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جس سے میں بے حد خوفزدہ اور پریشان ہو گیا۔ چنانچہ میں (تعبیر پوچھنے کے لئے) قریش کی کاہنہ کے پاس آیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ میرے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ سردار قریش کو کیا ہو گیا۔ آپ کے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے، کیا کوئی حادثہ پیش آگیا ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"رات جب کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک درخت اُگ آیا جس کی چوٹی تو آسمان کو چھونے لگی اور شاخیں مشرق اور مغرب تک پھیل گئیں اس درخت سے جو روشنی اور نور نکل رہا تھا) میں نے اس سے زیادہ چمک دار نور کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عرب اور عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ درخت ہر گھڑی پھیلتا جا رہا تھا اور ہر گھڑی زیادہ روشن اور زیادہ اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے قریش کی ایک جماعت کو دیکھا جو اس درخت شاخوں سے لٹکی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی میں نے قریش کی ایک دوسری جماعت کو دیکھا جو اس درخت کو کاٹنے کی کوشش میں ہے مگر یہ لوگ جب بھی اس کے قریب پہنچتے تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان کہ اتنا حسین و جمیل آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کو اس درخت سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اس نوجوان میں سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ یہ نوجوان ان قریشیوں کی

(جو اس درخت کو کاٹنا چاہتے تھے) کمر توڑ دیتا اور ان کی آنکھیں نکال لیتا۔ میں نے اس درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس میں سے میں بھی اپنا حصہ حاصل کر لوں مگر اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اسی کے ساتھ انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں میری آنکھ کھل گئی"۔

کاہنہ کی زبانی تعبیر خواب...... (یہ خواب سنانے کے بعد) میں نے کاہنہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جارہا ہے۔ آخر وہ بولی۔

"اگر تمہارا خواب سچا ہے تو یقیناً تمہاری صلب یعنی نطفے سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو مشرق اور مغرب کا مالک بن جائے گا اور لوگ اس کے راستے یعنی دین پر چلیں گے"۔

یہ سن کر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابو طالب سے کہا کہ شاید وہ بچہ تم ہی ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ابو طالب اس واقعہ کا تذکرہ کیا کرتے اور کہتے کہ وہ درخت جو ان کے والد عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا تھا) محمد ﷺ ہیں۔

کیا دادا نے نام قثم رکھا...... کتاب اُمتاع میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے عبدالمطلب کے ایک بیٹے قثم کا تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تو عبدالمطلب کو اس کا بے حد رنج اور صدمہ ہوا، اسی لئے جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا نام قثم رکھا۔ مگر پھر حضرت آمنہ نے ان کو بتلایا کہ مجھے خواب میں کہا گیا ہے کہ اس بچے کا نام محمد (ﷺ) رکھیں۔ چنانچہ پھر عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

(ی) اگر امتاع کی اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی جیسا کہ ظاہر ہے اس میں اور پچھلی روایتوں میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہ ممکن ہے (آنحضرت ﷺ کا نام قثم رکھتے وقت) عبدالمطلب اپنے اس خواب کو بھول گئے ہوں (جو انہوں نے قریشی کاہنہ سے بیان کیا تھا) اور پھر بعد میں انہیں وہ یاد آگیا ہو۔

(اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عبدالمطلب نے آپ کا نام پہلے قثم رکھا تھا اور قریش کو اس کی خبر ہو گئی تھی تو انہوں نے عبدالمطلب سے یہ سوال کیوں کیا کہ تم نے کس بناء پر اس بچے کا نام محمد رکھا۔ انہیں اس کے بجائے یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ تم نے کس وجہ سے اس بچے کا نام بدل دیا اس بارے میں کہتے ہیں کہ) قریش کا عبدالمطلب سے یہ پوچھنا کہ تم نے اپنے باپ داوا اور قوم کے نام چھوڑ کر اس بچے کا نام محمد کیوں رکھا۔ اس کے معنی اب یہ ہوں گے کہ (پہلا نام چھوڑ کر) تم اس نام یعنی محمد ﷺ پر آکر کیسے ٹھہرے۔

کیا پہلے بھی یہ نام رکھا گیا...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب میں تین آدمیوں کے سوا کسی کا یہ نام سننے میں نہیں آیا۔ (ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان تینوں کی پیدائش سے پہلے) ان کے باپ (کسی ضرورت سے) ایک بادشاہ کے پاس گئے۔ یہ بادشاہ تورات و زبور کا عالم تھا اس نے ان عربوں کو بتلایا کہ جلد ہی ملک حجاز میں ایک نبی ظاہر ہوں گے جن کا نام محمد (ﷺ) ہوگا۔ اتفاق سے یہ تینوں آدمی اپنے گھروں سے جب چلے تھے تو اپنی بیویوں کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے تھے کہ وہ حاملہ تھیں۔ اس لئے اب بادشاہ کی یہ بات سن کر ان تینوں نے طے کیا کہ اگر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیں گے (چنانچہ ان کے یہاں لڑکے ہی پیدا ہوئے اور) انہوں نے ان کے نام محمد رکھے (یہی تین آدمی ہیں جن کے نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھے گئے)۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پرانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نام محمد لکھا ہوا تھا (احمد

نہیں تھا)

**محمد و احمد دونوں اولین نام**...... مگر کتاب شفا میں یہ لکھا ہے کہ ان دو ناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت ﷺ کی زبردست نشانیاں اور عظیم خصوصیات چھپی ہوئی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دو ناموں کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی دوسرے کے رکھے جائیں۔ ان دونوں ناموں میں سے جہاں تک احمد نام کا تعلق ہے یہ پرانی کتابوں (یعنی آسمانی کتابوں) میں آیا ہے اور انبیاءؑ کو (آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق) اسی نام سے خوش خبری دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جب سے کہ دنیا پیدا کی گئی اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہ نام یعنی احمد کسی دوسرے شخص کا نہ رکھا جائے اور نہ کوئی شخص اس لفظ سے پکارا جائے ــــ علامہ زین عراقی نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ کے صحابہ کے زمانہ میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہ رکھا جائے تاکہ کمزور اعتقاد لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ نہ پیدا ہو (یعنی تاریخی کتابوں میں اگر یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی کا ہوتا تو کمزور اعتقاد کے لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کس زمانے کے ہیں)

**یہ نام انبیاء میں آپ کی خصوصیت**...... (ی) چنانچہ یہ نام رکھا جانا بھی ان تمام لوگوں پر آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں۔ مگر حافظ سیوطیؒ نے کتاب خصائص صغریٰ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام یعنی احمد رکھے جانے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت صرف انبیاءؑ پر ہے (یعنی انبیاء میں آپ کے سوا کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا البتہ عام لوگوں کا یہ نام رکھا گیا)۔

**احمد و محمد میں معنوی فرق**...... اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ناموں میں احمد نام کو محمد نام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے احمد نام محمد سے زیادہ اونچا ہے (اس کی فضیلت عربی زبان کے اس قاعدے کے تحت ہے جس کے مطابق) لفظ احمر (بہت سرخ) اور لفظ اصفر (بہت زرد) محمّر اور مُصَفّر کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ پُرزور ہیں۔ غالباً احمد نام کی فضیلت اس لئے ہے کہ یہ اَفعَلُ التَّفضِیل کا صیغہ ہے (اَفعَلُ التَّفضِیل عربی کا ایک وزن ہے یعنی اَفعَل ہے۔ وہ وزن لفظ کے معنی میں شدّت اور زیادتی پیدا کرنے کے لئے ہے جو لفظ بھی اس وزن پر لایا جائے گا اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی۔ مثلاً لفظ حامد ہے جس کے معنی ہیں تعریف کرنے والا اس کو جب اَفعَل کے وزن پر لائیں گے تو یہ احمد ہو جائے گا۔ اور اب اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اسی لئے علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ احمد نام محمد کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ اونچا ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور آپ کی ان ہی خوبیوں اور حمد و ثنا کی وجہ سے آپ کے لئے مقام محمود میں وہ مقام عطا ہوا جو آپ سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں کھولا گیا۔

**احمد و محمد اور حمادؑ کے معنی**...... مگر کتاب ہُدیٰ میں یہ لکھا ہے کہ۔ اگر آپ کا نام نامی احمد اس لحاظ سے ہے کہ آپ اپنے رب کی بہت حمد و ثنا اور تعریف کرنے والے ہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ۔ آپ کا نام "حماد" ہوتا (کیونکہ اس کے معنی میں اور بھی زیادہ شدت ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا) جیسا کہ آپ کی امت کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام یعنی احمد کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کی آسمان والے اور زمین

والے اور دنیا والے اور آخرت والے سب تعریف کریں یہ تعریف آپ کی ان خوبیوں اور عمدہ صفات کی وجہ سے ہے جن کا شمار کرنا اور جن کا اندازہ کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ اس کے تمام مخلوقات سے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے چنانچہ احمد نام محمد کے معنی میں ہے (محمد یعنی جس کی تعریف کی جائے) اب گویا لفظ احمد میں یہ فعل یعنی تعریف و حمد کرنا وہ فعل نہیں ہے جو فاعل یعنی آنحضرت ﷺ سے واقع ہو رہا ہے بلکہ یہ حمد اور تعریف کرنے کا فعل ایک ایسا فعل ہے جو دوسروں سے سرزد ہو رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات) اس فعل کا وہ مفعول ہے جس پر یہ فعل واقع ہو رہا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے نام نامی احمد کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آپ سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں بلکہ یہ محمد کے معنی میں ہے کہ وہ ذات جس کی زمین و آسمان والے بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ مگر اس طرح محمد اور احمد کے معنی ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا باریک اور لطیف فرق بتلاتے ہیں کہ) اب محمد اور احمد کے معنی میں یہ فرق ہو گا کہ محمد تو وہ جس کی لوگ بہت زیادہ تعریف کریں۔ اور احمد وہ کہ لوگ جن کی تعریف کرتے ہیں ان میں اس کی تعریف سب سے زیادہ فضیلت والی ہو۔

**سب سے زیادہ لائق تعریف شخصیت**...... چنانچہ آگے شفا کے حوالے سے یہ بیان آئے گا کہ آنحضرت ﷺ اَحْمَدُ الْمَحْمُوْدِیْنَ اور اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ ہیں یعنی جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی تعریف کی گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف و حمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت ﷺ کے بجائے دوسروں سے آپ کی ذات کے لئے واقع ہو رہا ہے اور ساتھ ہی حمد و تعریف کرنے کا فعل وہ فعل بھی ہے جو فاعل یعنی آنحضرت ﷺ سے ہی سرزد ہو رہا ہے (چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ آپ ہی وہ ہیں جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ حمد و ثنا فرمانے والے ہیں اور آپ ہی وہ ذات ہیں جن کی حمد و تعریف تمام مخلوق نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ افضل اور اعلیٰ انداز میں کی)

**سب سے زیادہ حمد کرنے والے**...... مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد ﷺ پہلے ہیں اور محمد ﷺ بعد میں ہیں (یعنی آپ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ثنا بیان کرنے والے ہیں۔ گویا کتاب شفا کے مصنف قاضی عیاضؒ کی رائے کے برخلاف علامہ سہیلیؒ احمد کے معنی یہی لیتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرے۔ اسی لئے علامہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ شان پہلے ہے کہ آپ احمد یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف اور حمد و ثنا بیان کرنے والے ہیں) اسی لئے آپ کا تذکرہ محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ذریعہ پہلے کیا گیا (اس بات کی تفصیل آگے آرہی ہے) کیونکہ دوسروں کے ذریعہ آپ کی تعریف ہونے کی شان آپ میں بعد میں ہے اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی بہت زیادہ تعریف بیان فرماتے ہیں۔ علامہ سہیلی نے اس پر بہت مفصل کلام کیا ہے۔

**محمد نام میں زیادہ تعظیم**...... شافعی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ احمد نام میں وہ تعظیم اور احترام نہیں ہے جو محمد نام میں ہے اس لئے کہ یہی نام یعنی محمد ﷺ آپ کے ناموں میں سب سے زیادہ مشہور اور افضل ہے۔ اسی لئے (نماز کے دوران) تشہد یعنی التحیات میں محمد کے بجائے احمد کہنا کافی نہیں ہے۔

دیگر پسندیدہ نام...... (اسی سلسلے میں افضلیت کے لحاظ سے ان ناموں کی ترتیب بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں میں عبدالرحمٰن کے مقابلے میں عبداللہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس میں عبدیت یعنی غلامی اور بندگی کی اضافت و نسبت لفظ اللہ کی طرف ہے جو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جبکہ لفظ رحمٰن کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے اگرچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو عبداللہ نام سے یاد کیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے :-

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ الخ الآیۃ پ ۲۹ سورۂ جن رکوع ۲

ترجمہ :- اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

(پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ساتھ قرآن پاک میں پہلے کیا گیا۔ اب پسندیدہ ناموں کی جو ترتیب ہے اس کے مطابق محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ آپ کا تذکرہ پہلے کئے جانے کا مطلب ہے کہ عبدالرحمٰن نام کے بعد احمد نام ذکر کیا گیا (اور اس کے بعد محمد نام ذکر ہوا) جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ الخ الآیۃ پ ۱۹ سورۂ فرقان رکوع ۶

ترجمہ :- اور (حضرت) رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

(یہاں عبدالرحمٰن (عباد الرحمٰن عبدالرحمٰن کی جمع ہے یعنی رحمٰن کے بندے) کا ذکر ہوا تو گویا سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ، پھر عبدالرحمٰن پھر احمد اور پھر محمد ہے)۔ ی۔ اور اس کے بعد ابراہیم نام پسندیدہ ہے۔ اگرچہ اس کے بر خلاف بعض نے ابراہیم نام کو ترتیب میں عبدالرحمٰن کے بعد بتلایا ہے۔

حضور کے بعد پہلا احمد نامی شخص...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس شخص کا نام احمد رکھا گیا وہ حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے ہیں۔ (اس سے پہلے زین العراقی کا قول گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہیں رکھا گیا) یہاں جو قول ذکر کیا گیا ہے وہ زین عراقی کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد رکھا گیا وہ) خلیل کے والد ہیں۔ غالباً یہاں خلیل سے مراد خلیل ابن احمد ہیں جو علم عروض یعنی شعروں کے وزن کے مشہور عالم ہیں۔ میں نے اس کی تصدیق کے لئے زین العراقی کی کتاب دیکھی جنہوں نے (خلیل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا ہے کہ اسلام میں پہلا آدمی جس کا نام احمد رکھا گیا وہ علم عروض کے ماہر خلیل ابن احمد کے والد (احمد) ہیں۔

صحابہ اور محمد نام...... عراقی کے اس قول میں اور اس قول میں مخالفت ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا، ادھر خود اس قول میں بھی اشکال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے احمد نام خلیل ابن احمد کے والد کا رکھا گیا۔ کیونکہ ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا۔ اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عراقی کے نزدیک یہ

قول صحیح نہیں ہوگا (کہ سب سے پہلے حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ سے مراد عراقی کے نزدیک وہ صحابہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے اس طرح حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا جانا قابل اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں شہید ہوگئے تھے (اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے صحابہؓ کے زمانے میں بھی کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہوں)

یہ خلیل ابن احمد جو ہیں (جن کے والد کا نام سب سے پہلے احمد رکھا گیا) اپنے باپ کے پانچ بیٹوں میں سے ایک ہیں یا چھ بیٹوں سے ایک ہیں اور ان میں سے ہر ایک خلیل ابن احمد کہلاتا تھا۔

احمد نام کی طرح ہی محمد نام بھی وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وجود اور پیدائش سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ جب یہ بات مشہور ہوگئی (جو کسی عالم بادشاہ نے کہی تھی) کہ بہت جلد ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہوگا اور وہ ملک حجاز میں ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ اس اطلاع کے بعد چند لوگوں نے (یعنی تین آدمیوں نے جیسا کہ گزر چکا ہے) جو عرب تھے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت و قدرت سے ان تینوں میں سے کسی نے بھی نہ تو نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا، نہ ہی ان میں سے کسی پر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے لوگ ان کو نبی سمجھ بیٹھتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ (محمد نام کے لوگوں میں) صرف آنحضرت ﷺ کے لئے ہی نبوت ثابت ہوئی (اور ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی کہ کمزور اعتقاد کے لوگوں کو شک و شبہ یا مغالطہ ہو سکے)

**کتب قدیم میں آپ کا نام**...... جہاں تک (بعض مؤرخین کی) اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے...... تو یہ دعویٰ اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے بیان ہو چکی ہے (کہ ایک بادشاہ جو قدیم کتابوں کا عالم تھا اس نے تین عربوں سے کہا تھا کہ محمد ﷺ نام کے ایک نبی جلد ہی ظاہر ہونے والے ہیں) اس کے علاوہ انجیل اور تورات کا حوالہ جو آگے آرہا ہے اس کے بھی یہ بات خلاف ہے (کہ قدیم کتابوں میں آپ کا نام محمد کے بجائے احمد ذکر کیا گیا ہے) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدیم کتابوں سے مراد (تمام کتابیں نہیں بلکہ) اکثر کتابیں ہیں۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کتاب میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا ہے کسی میں احمد ہے اور کسی میں احمد اور محمد دونوں نام ذکر ہیں۔

**راہب اور حضور کے لئے پیشینگوئی**...... علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ میں نے محمد ابن عدی سے سنا کہ اس سے کسی نے پوچھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تیرے باپ نے تیرا نام محمد کیسے رکھا۔ محمد ابن عدی نے جواب دیا کہ میں نے بھی اپنے باپ سے اسی کے متعلق سوال کیا تھا تو اس نے جواب دیا۔

ایک دفعہ بنی تمیم کے چار آدمی جن میں سے ایک میں بھی تھا ملک شام جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ ہم نے ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالا یہاں ایک خانقاہ بھی تھی (جب ہم وہاں ٹھہرے تو) خانقاہ کا محافظ (ہماری گفتگو سن کر) ہمارے پاس آیا اور بولا کہ جو زبان تم لوگ بول رہے ہو یہ اس علاقے کے لوگوں کی زبان تو ہے نہیں یہ تو کسی دوسری قوم کی زبان ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم مضر کی اولاد میں سے ہیں (یعنی قریش ہیں) اس نے پوچھا مضر کی اولاد میں کس شاخ سے ہو؟ ہم نے کہا خندف کی اولاد میں سے ہیں۔ تب اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تم میں ایک نبی ظاہر فرمائے گا اس لئے تم لوگ فوراً اس کی پیروی کرنا اور اس نبی کی

ذات سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہبری پالیا اس لئے کہ وہ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر ہوں گے“۔

**قبل ولادت آپ کے چرچے** ...... یہ سن کر ہم نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا نام کیا ہوگا اس نے کہا۔ محمد ﷺ۔ اتنا کہہ کر وہ اپنی خانقاہ میں واپس چلا گیا۔ خدا کی قسم اس کی یہ بات سننے کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے خاموشی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میرے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی لڑکا دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا۔ کیونکہ جو کچھ اس کا خانقاہ والے راہب نے بتلایا تھا ہمیں اس کا لالچ تھا۔ (ی) یعنی ہم میں سے ہر ایک نے منت مان لی۔ یہ بات پچھلی روایت کے مطابق ہی ہے۔ غرض اس کے بعد جب ہم وطن واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس آرزو میں اپنے بچے کا نام محمد رکھا کہ ان میں سے کوئی وہ پیغمبر ہو جائے۔ مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری سے کس کو نوازنے والا ہے“۔

(اس سے پہلے اسی قسم کی ایک روایت تین آدمیوں کے متعلق گزر چکی ہے جن سے یہی بات ایک بادشاہ نے کہی تھی اس لئے)

**مختلف لوگ اور یکساں پیشینگوئی** ......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ممکن ہے ان چاروں آدمیوں میں سے ہی وہ تینوں بھی ہوں جو کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے اور اس طرح ان (میں سے تین) کو یہی بات دو مرتبہ معلوم ہوئی ایک دفعہ بادشاہ سے اور دوسری مرتبہ خانقاہ کے راہب سے (پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ بادشاہ سے یہ بات سننے کے بعد تینوں نے یہ منّت مانی کہ اپنے ہونے والے لڑکے کا نام محمد رکھیں گے۔ لیکن اس روایت میں ہے کہ چاروں نے خاموشی سے دل میں یہ فیصلہ کیا) لیکن خاموشی سے دل میں فیصلہ کرنا منّت ماننے کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے منّت بھی خاموشی سے دل میں مانی ہو) اور اس طرح دل میں فیصلہ کرنے کا مطلب جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا منّت ماننا ہی ہے۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ چار آدمی جن کو راہب نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بتلایا ان تین عربوں کے علاوہ ہوں جنہیں بادشاہ نے اس بات کی خبر دی تھی۔ اس طرح یہ کُل ملا کر سات آدمی ہوں۔

**کاہنہ کی زبان سے حق بات** ......ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ سفیان ابن مجاشع کا قبیلہ بنی تمیم کی ایک بستی میں سے گزرا اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک کاہنہ عورت کے پاس جمع ہیں اور وہ کہہ رہی ہے۔

”عزت والا وہ ہے جو اس کا ساتھی ہو گیا اور ذلیل وہ ہے جو اس سے دور رہا“۔

**سیاہ و سرخ سب انسانوں کا نبی** ......سفیان نے یہ جملہ سن کر اس کاہنہ سے پوچھا کہ خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم کس کا ذکر کر رہی ہو؟ کاہنہ نے جواب دیا

”اسی کا جو ہدایت والا ہے، علم والا یعنی عالم ہے جو جنگ کا بھی ماہر ہے اور امن و سلامتی والا بھی ہے“۔

سفیان نے پوچھا۔ ”خدا تجھے خوش رکھے وہ کون ہے؟ کاہنہ نے کہا

”ایک نبی جو آنے والا ہے، جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے۔ جو سیاہ اور سرخ سب انسانوں کے لئے آئے گا اور جس کا نام محمد ﷺ ہوگا“۔

سفیان نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نبی عربی ہوگا یا عجمی یعنی غیر عرب ہوگا۔ کاہنہ نے جواب دیا۔

”آسمان کی بلندیوں کی قسم اور پُر پیچ شاخوں والے درختوں کی قسم وہ نبی معد ابن عدنان کی نسل سے ہوگا۔ بس اتنا کافی ہے۔ تم نے بہت کچھ پوچھ لیا اے سفیان“۔

چنانچہ اس کے بعد سفیان نے اس کاہنہ سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور اپنے گھر واپس آگیا۔ اس کی بیوی کو اس زمانے میں حمل تھا، جب (کچھ عرصہ بعد) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو سفیان نے بچے کا نام اس تمنا میں محمد رکھا کہ وہ نبی یہی ہو جائے جس کے اوصاف اس کاہنہ نے بیان کئے تھے۔ واللہ اعلم۔

**محمد نامی افراد کی تعداد**...... محققین میں سے کسی نے ایسے لوگوں کی تعداد سولہ بتلائی ہے جن کا نام (آنحضرت ﷺ سے پہلے) محمد رکھا گیا اور ان سب کو ان شعروں میں ذکر کیا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ سُمُّوْا بِاِسْمِ مُحَمَّدٍ
مِنْ قَبْلَ خَیْرِ الْخَلْقِ ضِعْفُ ثَمَانٍ

ترجمہ :- مخلوق میں سب سے بہترین انسان (یعنی آنحضرت ﷺ) سے پہلے جن لوگوں کا نام محمد رکھا گیا وہ آٹھ کے دو گنے یعنی سولہ ہیں۔

اِبْنُ الْبَرَاءِ مُجَاشِعِ بِنْ رَبِیْعَۃَ
ثُمَّ ابْنُ مُسْلِم یحمدی حِرْمَانِی

لَیْثِی السلیمی و ابن اسامہ
سَعدی و ابن سواء ۃ ھمدانی

وَابْنُ الْجَلَامِحِ مع الاسیدی یافتی
ثُمَّ الفقیمی ھکذا الحمرانی

ایک مورّخ نے کہا ہے کہ ان میں دو آدمی (جن کے نام محمد تھے) ذکر نہیں ہیں وہ دو محمد ابن حَرث اور محمد ابن...... عُمر ابن مُغفِل ہیں (مُغفِل اسی طرح پڑھا جائے جس طرح لکھا گیا ہے) اس بارے میں مورّخین کا زبردست اختلاف ہے کہ ان (سولہ یا اٹھارہ) لوگوں میں سب سے پہلا کون ہے جس کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ابن ہائم کی کتاب "شرح کفایہ" میں ہے کہ وہ چار یا سات آدمی (جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ یا کاہنہ سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سن کر اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے) ان کے علاوہ جن دوسرے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے انہوں نے بھی (آنحضرت ﷺ کے متعلق وہ پیشین گوئی ان ہی چار یا سات آدمیوں سے سن کر) اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھ دیئے ہوں اور اسی آرزو میں رکھے ہوں کہ وہ نبی ان کا بیٹا ہو جائے (کیونکہ پچھلی روایتوں میں صرف چار یا سات آدمیوں کا تذکرہ ہے جب کہ ان شعروں میں سولہ یا اٹھارہ ایسے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا نام محمد رکھا گیا۔

**یوسفؑ کی زبانی موسیٰؑ کی بشارت**...... اسی طرح کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ حضرت یوسفؑ جو بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ خبر سن کر حضرت یوسفؑ سے عرض کیا۔

"اے خدا کے پیغمبر! ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہمارے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ہمارے دین کے معاملات کا کیا بنے گا"؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

"تمہارا دین اسی طرح باقی اور قائم رہے گا یہاں تک کہ تم میں ایک قبطی شخص (یعنی فرعون پیدا ہوگا جو بے حد ظالم اور سرکش ہوگا۔ یہ شخص خدائی کا دعویٰ کرے گا، تمہارے بچوں کو ذبح کرے گا اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کرے گا۔ آخر تم بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام موسیٰ ابن عمران ہوگا۔ اللہ اسی شخص کے ذریعہ تمہیں قبطیوں سے نجات دلائے گا"۔

یہ سننے کے بعد بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اس کا نام عمران (یعنی موسیٰ کے والد کا نام) رکھ دیتا اور اس آرزو میں رکھتا کہ کاش وہ نبی اس بیٹے کی اولاد میں ہوجائے (کیونکہ اپنے بیٹوں کا نام موسیٰ تو اس لئے نہیں رکھ سکتے تھے کہ حضرت یوسفؑ نے حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام عمران بتلادیا تھا جبکہ ان لوگوں میں کسی کا نام عمران نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام عمران رکھتے تاکہ موسیٰؑ ان کے بیٹے عمران کے یہاں پیدا ہوجائیں اور یہ اعزاز اس کو مل جائے)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد عمران اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم کے والد عمران (ایک نہیں ہیں بلکہ ان) کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کو بنی اسرائیل کا پہلا نبی اس لئے کہا گیا کہ "اسرائیل اللہ" کا لقب ان کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے)

**آپ کے زمانے میں محمد نامی لوگ**...... جن لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا ان میں سے ان لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا، محمد ابن ربیعہ، محمد ابن حرث اور محمد ابن مسلمہ۔ اگرچہ ان میں سے محمد ابن مسلمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نہیں ہیں بلکہ) یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے پندرہ سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جس کا نام سب سے پہلے محمد رکھا گیا وہ محمد ابن حاطب ہیں۔

محمد نام کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ حدیث بیان کرتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

"قرآن پاک میں میرا نام (ی) یعنی تورات کی طرح۔ محمد ﷺ ذکر ہے اور انجیل میں احمد ﷺ"۔

**محمد نام رکھنے کی فضیلت**...... اس نام یعنی محمد نام رکھنے کی فضیلت کے متعلق بہت احادیث اور مشہور روایات ہیں۔ (ی) ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری عزت اور جلال کی قسم۔ میں کسی ایسے شخص کو جہنم کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہو"۔

(ی) یعنی آپ کے مشہور نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ پر جس کا نام ہو۔

**محمد نام سے رزق میں برکت**...... ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"ہر ایسا دستر خوان جس کو بچھانے کے بعد اس پر (کھانا کھانے کے لئے) کوئی ایسا شخص آئے جس کا نام احمد یا محمد ہو۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ جس پر میرے نام کا کوئی شخص کھانا کھائے۔ اللہ تعالیٰ اس مکان کو (جس میں یہ دستر خوان بچھا ہے) ہر روز دو مرتبہ بابرکت اور پاک کرتا ہے"۔

**محمد و احمد نام کے لوگ جنتی**...... ان ہی میں سے ایک حدیث ہے۔

("میدان حشر میں) دو بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔(ی) جن میں سے ایک کا نام احمد ہوگا اور دوسرے کا نام محمد ہوگا۔ ان کے متعلق حکم ہوگا کہ ان کو جنت میں پہنچادیا جائے، وہ دونوں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! تونے کس بناء پر ہمارے لئے جنت کو آسان فرمادیا جب کہ ہم نے ایسا کوئی نیک عمل نہیں کیا جس کے بدلے میں تو ہمیں جنت عطا فرماتا؟ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تم دونوں جنت میں پہنچ جاؤ اس لئے کہ میں نے اپنی قسم کھائی ہے کہ ایسے کسی شخص کو جہنم میں نہیں بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا"۔

**بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں**...... مگر بعض محدّثین کہتے ہیں کہ محمد نام کی فضیلت میں جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں جتنی روایتیں بھی آتی ہیں وہ سب موضوع یعنی من گھڑت ہیں۔ بعض محدّثین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں جو سب سے زیادہ صحیح ہونے کے قریب ہے وہ صرف یہ ہے کہ :-

"جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہوں گے"۔

**محمد نامی شخص کا اعزاز چاہیئے**...... ابورافع اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں جنھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ

"اگر تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ اس سے پرہیز کرو"۔

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے بعض راویوں کے متعلق یہ الزام ہے کہ وہ حدیث گھڑتے تھے۔ کہ (جس بچے کا نام محمد رکھ دو) نہ اس کو گالی دو نہ ذلیل کرو اور نہ اس سے نفرت کرو بلکہ اس کی عزت و احترام اور اعزاز کرو، س کی قسم کا پاس کرو اور (جب وہ تمہارے مجلس میں آئے تو) اس کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرو، اس کو کوسنا مت دو اللہ تعالیٰ نے محمد نام میں برکت رکھی ہے اور اس گھر میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نام کا آدمی ہو اور اس مجلس میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نامی شخص ہو"۔

ایک روایت میں ہے کہ "(یہ بات بہت بری ہے کہ) تم بچے کا نام محمد رکھو اور پھر اسے گالی دو"۔

ایک روایت ہے جس کے بعض راویوں کو غیر معتبر کہا گیا ہے کہ :-

"کیا تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی کہ (اپنے محمد نام کے بچے کو) اے محمد کہہ کر اسے مارو"

**محمد نام اولاد میں نہ رکھنا جہالت**...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

"جس شخص کے یہاں تین لڑکے ہوگئے اور اس نے ان میں سے کسی کا نام محمد نہیں رکھا اس نے جہالت کا ثبوت دیا۔ (ی) ایک روایت میں ہے کہ اس نے بُرا کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے میرے ساتھ برائی کی"۔

**محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہوگا**...... ایک محدّث نے ایک اور حدیث نقل کی ہے اگرچہ وہ مرفوع احادیث میں سے نہیں ہے وہ حدیث یہ ہے

جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل سے لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنا ہاتھ حاملہ بیوی کے پیٹ پر رکھ یہ کہے کہ۔ "اگر اس حمل سے میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا۔ تو اس (نیت کے اثر سے) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا"۔

ایک حدیث ہے جس کو عطاء نے نقل کیا ہے کہ :۔

"جس بچے کا نام (اس کی پیدائش سے پہلے) ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے محمد رکھ دیا جائے تو وہ لڑکا ہی پیدا ہوگا"۔

ابن الجوزی نے موضوعات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا سلسلہ بعض محدثین نے حضور ﷺ تک پہنچایا ہے۔

**مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت**...... (ی) ایک روایت ہے کہ "۔جو لوگ بھی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں محمد یا احمد نام کا بھی کوئی شخص ہو اور انہوں نے اس شخص کو بھی مشورہ میں شریک کیا تو ان کے لئے ضرور اس معاملہ میں خیر اور بھلائی ظاہر ہوگی جس کے لئے انہوں نے مشورہ کیا ہے اور جس گھر میں بھی محمد نام (کا کوئی شخص ہوگا اس گھر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے"۔

**یہ نام اور کھانے میں برکت**...... اس روایت کے راوی پر اتہام ہے کہ وہ مجروح ہے (یعنی اس کی سچائی، راست بازی اور حافظہ پر علماء نے شک کا اظہار کیا ہے۔

ایک روایت ہے کہ "جو لوگ بھی کوئی حلال کھانا کھانے بیٹھیں اور ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو اس میں ان کے لئے دوگنی برکت ظاہر ہوگی۔" یہاں نام سے آنحضرت ﷺ کے مشہور نام احمد یا محمد مراد ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

**اس نام پر گھر کی حفاظت**...... کتاب شفا میں ہے کہ۔ "اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ (یعنی فرشتے) ایسے ہیں جن کا کام ایسے گھروں کی حفاظت کرنا ہے جس میں محمد نام ہو"۔

حافظ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؓ ابن علی ابن ابو طالبؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

جس شخص کی بیوی کے حمل ہو اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس (ہونے والے بچے) کا نام محمد رکھے گا تو چاہے وہ بچہ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا بنا دیتا ہے"۔

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے یہاں ساتھ مرتبہ یہ نیت کی اور سب کا نام محمد ہی رکھا (یعنی ہر مرتبہ اس حدیث کی سچائی کا تجربہ ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا اور میں نے نیت کے مطابق ہر ایک کا نام محمد رکھا)۔

نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

"جس شخص کی بیوی حاملہ ہو اور وہ شخص یہ فیصلہ کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا عطا فرماتا ہے"۔

**آپ کے نام کی خیر و برکت**...... ایک مرتبہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا "حق تعالیٰ کے نام پر یہ فیصلہ کر لو کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائیں اس کا نام محمد رکھو گی"۔

چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں اس کا وہ لڑکا زندہ رہا۔

**جنت میں آدم کا لقب ابو محمد**...... عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کسی شخص کی عظمت اور احترام کرتے تھے

تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی اولاد میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ :-

"جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر حضرت آدمؑ کو ابو محمد ﷺ (محمد ﷺ کے باپ) کہہ کر پکارا جائے گا جس سے حضرت آدمؑ کی تعظیم اور آنحضرت ﷺ کی توقیر اور احترام مقصود ہوگا"۔

یہ حافظ دمیاطیؒ کا قول ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ

"کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدمؑ کے ایسا نہیں ہوگا جس کو کوئی لقب دیا جائے ان کو یعنی حضرت آدمؑ کو ابو محمد ﷺ کا لقب دیا جائے گا"۔

**قیامت میں محمد نام کی پکار**...... ایک حدیث میں ہے جو معضل[1] ہے کہ :-

جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا۔ اے محمد! اٹھو اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جاؤ۔" اس آواز پر ہر وہ شخص اٹھ کر بڑھے گا جس کا نام محمد ہوگا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے احترام کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہیں روکا جائے گا"۔

**محمد نام کے احترام میں مغفرت**...... کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم، وہب ابن منبّہ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس نے سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (اور گناہ کرتا رہا) اس کے بعد جب وہ مر گیا تو تو لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر (اس سے نفرت کی وجہ سے) کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو وہاں سے نکالو اور اس کی نماز پڑھو۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔

"اے پروردگار! بنی اسرائیل نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ اس نے سو برس تک تیری نافرمانی کی"۔ مگر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ہاں وہ ایسا ہی تھا مگر اس کی ایک عادت تھی کہ وہ جب بھی (اللہ تعالیٰ کی کتاب) تورات کو کھولتا تھا اور اس میں محمد ﷺ کے نام پر اس کی نظر پڑتی تھی تو وہ اس کو چومتا تھا اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا میں نے اس کی اس ادا کو قبول کر لیا اور اس کے گناہ معاف کر کے ستّر حوروں کے ساتھ اس کو بیاہ دیا"۔

لوگوں میں یہ عادت پھیل گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ کا حال سنتے ہیں تو آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام یعنی کھڑا ہونا بالکل ایک بدعت ہے جس کی (شریعت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔

---

[1] حدیث معضل وہ ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں دو یا اس سے زائد راوی کم ہو رہے ہوں۔ مرتب

## باب ہفتم (۷)

# رضاعت یعنی شیر خوارگی اور اس سے متعلق واقعات

آپ کو دودھ پلانے والیاں...... کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دس عورتوں کا دودھ پیا ہے جن میں خولہ بنت منذر بھی شامل ہیں۔ اُمّ ایمن عزیزہ کہتی ہیں کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا۔ (ی) یعنی آپ کی والدہ کے بعد جیسا کہ آگے آرہا ہے___ وہ ثویبہ ہیں۔ (قال) یہ ثویبہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب کی باندی تھیں۔ اس عورت کو ابولہب نے اس وقت آزاد کردیا تھا جب اس نے ابولہب کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خوشخبری آکر دی تھی (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد) ثویبہ نے ابولہب سے آکر کہا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ تمہارے بھائی عبداللہ کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے"؟

آپ کی برکت اور ابولہب...... یہ سنتے ہی ابولہب نے (خوش ہو کر) کہا کہ تو آزاد ہے۔ (آنحضرت ﷺ کی ولادت سے خوش ہونے کی وجہ سے) ابولہب کو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ پیر کے دن (جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا دن ہے) اس کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے اور اس کو اس رات میں جہنم میں پانی پلادیا جاتا ہے۔ یہ پانی اس کو اتنی مقدار میں دیا جاتا ہے جتنا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیانی فاصلے میں آسکتا ہے (یعنی ایک گھونٹ پانی) یعنی اس کے عذاب میں پیر کی رات میں جو کمی ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کو اتنی مقدار میں پانی پلادیا جاتا ہے۔

باندی آزاد کرنے کا انعام...... کہا جاتا ہے کہ ابولہب کے رشتہ داروں میں سے کسی نے (ی) یعنی اس کے بھائی حضرت عباسؓ نے اس کو ایک رات خواب میں (اس کے مرنے کے بعد) بہت بُری حالت میں دیکھا۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد ایک سال تک میں نے اس کو خواب میں نہیں دیکھا۔ اس کے بعد ایک رات اسے دیکھا تو بہت بُرے حال میں پایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو وہاں کن حالات سے دوچار ہوا۔ ابولہب نے جواب دیا کہ تمہارے سے جدا ہونے کے بعد مجھے بالکل سکون نہیں ملا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ بہت بُرے حالات سے دوچار ہوا۔ پھر اس نے اپنے انگوٹھے اور انگلی سے اسی مقدار کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس ثویبہ کو (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری سن کر) آزاد کرنے کے بدلے میں مجھے اتنا پانی پلادیا جاتا ہے"۔

اس روایت کو حافظ دمیاطیؒ نے بیان کیا ہے۔ کتاب مواہب میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد اس کو خواب میں دیکھا گیا۔ دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں جہنم میں ہوں بس یہ رعایت ہے کہ ہر پیر کی رات میں میرے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے اور مجھے ان دو انگلیوں کے درمیان فاصلے کے برابر پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (ابولہب نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) یہ رعایت مجھے اس لئے ملی ہے کہ میں ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے مجھے نبی کریم ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری سنائی اور اس کے بعد اس نے آپ کو دودھ پلایا"۔

**ثویبہ باندی کی آزادی کب**...... روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابولہب نے ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کو ہجرت فرمائی۔ (ی) یعنی حضرت خدیجہؓ ثویبہ کی بہت عزت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ثویبہ کو ابولہب سے خریدنا چاہا تاکہ ان کو آزاد کر دیں مگر ابولہب نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے لگے تو ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق) کہ بھی کہا جاتا ہے یہ دونوں درست ہو سکتی ہیں کیونکہ ممکن ہے ابولہب نے ثویبہ کو (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ہی) آزاد کر دیا ہو مگر ان کی اس آزادی کو ظاہر نہ کیا ہو اور حضرت خدیجہؓ کے ہاتھ ثویبہ کو اس نے بیچنے سے بھی اسی لئے انکار کیا ہو کہ وہ آزاد تھیں (جن کو بیچا نہیں جا سکتا تھا) پھر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت اس نے ثویبہ کی آزادی کو ظاہر کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

**ثویبہ بھی حضور کی دودھ پیاری**...... ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے آنے سے پہلے صرف چند دن دودھ پلایا ہے اس زمانے میں یہ اپنے بیٹے مُسروح کے دودھ سے تھیں (مُسروح نام کو۔م کے پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ نور میں اسی طرح لکھا ہے لیکن سیرت شامی نے اس کو م کے زبر کے ساتھ مَسروح لکھا ہے) ثویبہ نے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے چچا حرث کے بیٹے ابوسفیان کو بھی دودھ پلایا تھا۔

**ابوسفیان بچپن کے دوست**...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان بچپن سے آنحضرت ﷺ کے گہرے دوست تھے، ان میں آپ کی شباہت بھی تھی اور وہ آپ کی نبوت سے پہلے آپ سے بے حد محبت کرتے تھے مگر جب آپ ﷺ کو نبوت ملی تو ابوسفیان آپ کے دشمن ہو گئے اور دوستی چھوڑ کر آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی شان میں توہین آمیز شعر کہنے لگے اس لئے کہ یہ ایک نہایت بہترین شاعر تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ آگے آئے گا۔ یہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے وہاں پہنچے تھے۔

**ابوسفیان و حمزہ آپ کے رضاعی بھائی**...... حضرت ثویبہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسفیان کو دودھ پلانے سے پہلے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار سال بڑے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہ بات (کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال یا چار سال بڑے تھے) اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزری ہے کہ عبدالمطلب نے بنی زہرہ کے خاندان میں ہالہ بنت وہیب سے شادی کی اور حضرت عبداللہ کی شادی اسی خاندان میں حضرت آمنہ سے ہوئی اور عبدالمطلب کے یہاں ہالہ

سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے اور یہ دونوں شادیاں ایک ہی وقت میں ہوئیں۔ نیز اس روایت میں یہ بھی گزرا ہے کہ حضرت آمنہ آنحضرت ﷺ کے حمل سے اسی وقت حاملہ ہو گئی تھیں جب کہ حضرت عبداللہ نے ان سے (پہلی بار) ہمبستری کی اور حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ کا مالک بننے کے بعد ان سے ہمبستری کی تھی ظاہر ہے کہ اس روایت کی روشنی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے تھے (جبکہ دونوں کے ماں باپ کی ایک ہی وقت میں شادی ہوئی اور فوراً ہی حمل ٹھہر گئے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ اور حضرت حمزہؓ کی ایک ہی عمر ہونی چاہئے) اس اختلاف کو یہ کہہ کر ہی دور کیا جا سکتا ہے کہ پچھلی روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ اور عبدالمطلب نے ایک ہی وقت میں اپنی بیویوں سے ہمبستری کی تھی۔

باپ بیٹے کی شادی ایک ساتھ ...... علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی پھوپی ہالہ بنت وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ سے عبدالمطلب نے اپنی شادی اور اپنے بیٹے عبداللہ کی آمنہ کی ساتھ شادی ایک ہی وقت میں کی چنانچہ اس کے نتیجہ میں عبدالمطلب کے یہاں ہالہ سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے اور عبداللہ کے یہاں آمنہ سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے پھر ان دونوں کو ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ یہاں تک سہیلی کا کلام ہے۔

پیچھے کتاب اُسد الغابہ کی عبارت گزری ہے کہ ...... عبدالمطلب نے اپنی اور اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی ایک ہی مجلس میں کی۔ اس عبارت کی طرح سہیلی کی عبارت سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ نے ایک ہی وقت میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کی اور اس طرح یہ امکان باقی رہتا ہے کہ شادی سے مراد صرف رشتہ دینا ہو جیسا کہ پچھلے صفحات میں یہ تصریح گزری ہے کہ (شادی سے مراد یہ ہے کہ) عبدالمطلب نے اسی مجلس میں ہالہ سے اپنا رشتہ دیا جس مجلس میں عبداللہ کا رشتہ آمنہ سے دیا۔ (اس طرح یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان دونوں رشتوں کے بعد عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کی جو شادیاں ہوئیں وہ ایک وقت میں نہ ہوئی ہوں۔ اس کے بعد یہ بھی مانا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے ہوں) واللہ اعلم۔

حضور اور حمزہ کی عمر کا فرق ...... پھر میں نے اس سلسلے میں کتاب استیعاب دیکھی جس میں لکھا ہے، حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے چار سال بڑے تھے لیکن یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت حمزہؓ کو ثوبیہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دودھ پلایا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ثوبیہ نے (حضرت حمزہؓ اور رسول اللہ ﷺ) دونوں کو دو مختلف زمانوں میں دودھ پلایا ہو۔ یہاں تک استیعاب کی عبارت ہے۔

اس قول میں ایک تو وہی اشکال ہے جو گزر چکا اور ایک اشکال یہ بھی ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ دونوں کو دو...... مختلف زمانوں میں دودھ پلایا تو آگے ایک روایت آئے گی کہ ثویبہ دونوں کو دودھ پلانے کے زمانے میں اپنے بیٹے مسروح کے دودھ سے تھیں (اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے چار سال بڑے تھے تو) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ثویبہ کے ایک ہی بیٹے کا دودھ چار سال تک باقی رہا یہاں تک کہ انہوں نے یہی دودھ آنحضرت ﷺ کو پلایا (کیونکہ ایک بیٹے سے عورت کی چھاتیوں میں جو دودھ اترتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال تک چل سکتا ہے اس کے بعد بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اور وہ چھاتیوں میں سے خشک ہو جاتا ہے) اس اشکال کا جو جواب ہے وہ بھی آگے آئے گا۔

ابو سلمہ بھی رضاعی بھائی ...... آنحضرت ﷺ کے بعد ثُویبہ نے ابو سلمہ ابن عبد العُزّیٰ کو دودھ پلایا۔

(ی) یعنی جو آپ کی پھوپی کے لڑکے تھے اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان کے پہلے شوہر تھے۔

اس طرح گویا حضرت ثویبہ نے پہلے حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا۔ پھر ابو سفیان کو پھر رسول اللہ ﷺ کو اور پھر ابو سلمہ کو دودھ پلایا۔ مگر یہ روایت بظاہر اس بات کے خلاف ہے جو علامہ مُحِبّ طبری نے کہی ہے کہ :-

ابو لہب کی باندی ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا اور آپ کے ساتھ حضرت حمزہؓ اور ابو سلمہ عبداللہ ابن عبدالاسد ابن عبد العُزّیٰ کو بھی پلایا اور ثویبہ کے یہ دودھ ان کے بیٹے مَسروح کا تھا۔ یہاں تک محب طبری کا کلام ہے۔

اس میں جو اشکال ہے اس کا ذکر ہو چکا ہے (کہ اگر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا گیا ہے اور دونوں کو مَسروح کا ہی دودھ پلایا گیا ہے تو دونوں کی عمروں میں چار سال کا فرق کیسے ہو سکتا ہے) اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے (ثویبہ نے دونوں کو دودھ تو اپنے بیٹے مَسروح کا ہی پلایا ہے لیکن الگ الگ زمانوں میں پلایا ہو اور) انہیں اس مدّت میں دوسرا حمل نہ ہوا ہو جس کی وجہ سے ان کا یہی دودھ باقی رہا جو مَسروح کی پیدائش سے اترا تھا۔ نیز ثویبہ نے حضرت حمزہؓ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حضرت ابو سفیان کو بھی یہی دودھ پلایا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

**ابو سلمہ کی روایت حدیث**...... حضرت ابو سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے صرف ایک حدیث بیان کی ہے جو یہ ہے۔

حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ابو سلمہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے :-

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے آج ایک ایسی بات سنی ہے جس سے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان پر کوئی بھی مصیبت آئے اگر وہ اِنّا لِلّٰہ پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ عَلٰی خَیْرٍ مِنْھَا (یعنی اے اللہ! مجھے اس مصیبت کا نیک بدلہ عطا فرما اور اس میں سے میرے لئے خیر اور بھلائی ظاہر فرما) تو اس دعا کا نتیجہ ضرور ایسا ہی نکلتا ہے"۔

ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ (حدیث حسن اور غریب کا مطلب گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے)

حضرت اُمّ حبیبہؓ کی ایک روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے عرض کیا۔ کیا آپ میری بہن یعنی ابو سفیان کی بیٹی عزّہ کو (بیوی بنانا) پسند فرمائیں گے؟ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کیا آپ میری بہن حمنہ بنت ابو سفیان کو (بیوی بنانا) پسند فرمائیں گے؟ مسلم شریف میں یہ قول اس طرح ہے کہ میری بہن عزّہ سے نکاح کر لیجئے۔ (ی) اور بخاری میں ہے کہ میری بہن یعنی ابو سفیان کی بیٹی سے نکاح کر لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر پوچھا کہ کیا تم ایسا چاہتی ہو؟ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں نہیں چاہتی کہ آپ اس کو نکاح میں نہ لائیں۔ (ی) میں چاہتی ہوں کہ اس نیکی اور بھلائی میں شریک ہونے والی میری بہن ہی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میرے لئے ایسا کرنا جائز اور حلال نہیں ہے (یعنی بیوی کی سگی بہن سے نکاح کرنا)"

اُمّ حبیبہ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر مجھے اس بات کی خبر ہوئی۔

(ی) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام...... "کہ ہم باتیں کر رہے تھے (تو) حضرت اُمّ حبیبہؓ نے عرض کیا کہ آپ دُرّہ سے رشتہ دیجئے۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کیا آپ ابو سلمہ کی بیٹی دُرّہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ دُرّہ سے حضرت اُمّ حبیبہ کی مراد خود اپنی بیٹی تھیں جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ سے تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر پوچھا کہ کیا ابو سلمہ کی بیٹی سے۔ (حضرت اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کیا میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا)

"خدا کی قسم! اگر میری وہ سوتیلی بیٹی میری پرورش اور نگرانی میں نہ بھی ہوتی تب بھی وہ میرے لئے حلال نہیں تھی وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔ اس کو (یعنی ابو سلمہ کو) اور مجھے ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔"

(ی) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اگر میں اُمّ سلمہ یعنی اُمّ حبیبہؓ سے جو دُرّہ کی ماں ہیں نہ بھی نکاح کرتا تب بھی وہ یعنی دُرّہ میرے لئے حلال نہیں تھی کیونکہ اس کا باپ میرا دودھ شریک بھائی ہے۔ (ی) اور جہاں تک تمہاری بہن (یعنی حَمنہ یا عزّہ بنت ابو سفیان) کا تعلق ہے وہ اگر میرے دودھ شریک بھائی ہے۔ (ی) اور جہاں تک تمہاری ہوتی تو بھی تو یہ میرے لئے حلال نہیں ہے کہ میں تمہاری سگی بہن کو تمہارے ہوتے ہوئے بیوی بناؤں۔ اس لئے اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کیا کرو۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت کا جو قول ہے کہ۔ اگر میری وہ سوتیلی بیٹی میری پرورش اور نگرانی میں نہ ہوتی (تو بھی دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ میرے لئے حلال نہیں تھی)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم الخ پ۴ سورہ نساء رکوع ۴ الآیۃ ۲۳

ترجمہ :۔ (تم پر حرام کی گئیں) ............ تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔

ربیبہ کا حکم...... تو یہ دونوں اقوال داؤد ظاہری کے لئے اس بات کی دلیل بنتی ہیں کہ سوتیلی بیٹی اپنی ماں کے شوہر کے لئے صرف اس وقت ہی حرام ہوتی ہے جبکہ وہ اس کی پرورش اور نگرانی میں ہو لیکن اگر وہ سوتیلے باپ کی پرورش و نگرانی میں نہ ہوتی تو اس کے لئے حلال ہے۔ (چونکہ داؤد ظاہری قرآن پاک اور حدیث کے صرف ظاہری معنی پر ہی مسئلہ نکالتے ہیں اور حق تعالیٰ اور آنحضرتؐ کے ان ارشادات میں سوتیلی بیٹی کے ساتھ یہ قید بھی ہے کہ جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہوں۔ اس لئے داؤد ظاہری کے واسطے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سوتیلی بیٹی اگر اپنی ماں کے شوہر کی پرورش اور نگرانی میں نہ ہو تو سوتیلے باپ کے لئے اس سے نکاح حلال ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ مرد کے لئے اپنی بیوی کی پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ اس وقت حرام ہو جاتی ہے جب کہ مرد نکاح کے بعد اس عورت سے ہم بستری کر لے۔ یعنی صرف نکاح سے حرام نہیں ہوتی بلکہ نکاح کے بعد جب وہ بیوی سے ہم بستری کر لیتا ہے تب اس کے پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ حرام ہو جاتی ہے)

سوتیلی بیٹی کو عربی میں ربیبہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ رب سے بنا ہے جس کا مطلب ہے اصلاح و پرورش۔ چونکہ سوتیلا باپ اس کی پرورش اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے سوتیلی بیٹی کو ربیبہ کہا جاتا ہے۔

**سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام**...... گذشتہ روایت میں حضرت اُمّ حبیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بہن کی پیش کش کی تھی مگر آنحضرت ﷺ نے جواب میں ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ سے نکاح کے لئے نہ پیش کرو۔ حالانکہ ذکر صرف بہن کا تھا اس کے متعلق کہتے ہیں) یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بظاہر جواب میں صرف بہنوں کا ذکر ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے صرف اپنی بہن کی پیشکش کی تھی اپنی بیٹی دُرّہ کی پیش کش نہیں کی تھی (کیونکہ جس روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ جواب ہے اس میں صرف بہن کی پیشکش کی گئی تھی جبکہ آپ کے جواب میں بہن اور بیٹی یعنی نسبتی بہن اور سوکیلی بیٹی دونوں کو پیش کرنے سے روکا ہے)

**آنحضرت ﷺ کا جامع جواب**...... اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اُمّ حبیبہؓ کو جو جواب دیا ہے اس کو آپ ﷺ نے ایک ایسا عام جواب بنا دیا ہے جو آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات یعنی بیویوں کے لئے عام ہے کیونکہ یہ حکم کسی ایک بیوی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام بیویوں کے لئے ہے (تاکہ تمام ازواج مطہرات کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کے پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ اور بیوی کی سگی بہن دونوں مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔)

اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اس جواب پر یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی بیویوں میں سے کسی نے اپنی بیٹی کو آپ کی پیشکش کی ہے تو آنحضرت ﷺ کا یہ جواب صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے جواب میں جو یہ لفظ ہیں کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کیا کرو اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ پر (نکاح کے لئے) پیش کرو۔ اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے جواب میں یہ لازم نہیں آتا کہ جواب دینے کے وقت یا اس سے پہلے آپ کی سوکیلی بیٹی کی پیش کش ہو چکی ہو۔

میں نے اس سلسلے میں امام نوویؒ کی کتاب دیکھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ سے نکاح کے لئے اپنی بہن کی پیش کش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ (تمام امت کی طرح) آنحضرت ﷺ کے لئے بھی ایسی دو عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز ہے جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ اس کے بعد امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اسی طرح جس نے حضرت اُمّ حبیبہؓ کی (پہلے شوہر سے) بیٹی کے آنحضرت ﷺ سے نکاح کی پیش کی وہ بھی یہ نہیں جانتی تھیں کہ سوکیلی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ یہاں تک امام نووی کا کلام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے (یعنی ازواج مطہرات میں سے کسی نے) حضرت اُمّ سلمہ کی بیٹی (یعنی آنحضرت ﷺ کی سوکیلی بیٹی کی پیش کش کی تھی اور جب کہ یہ پیشکش آنحضرت ﷺ کی بیویوں سے کسی کی طرف سے تھی تو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا۔

بالکل درست ہو گیا کہ مجھ پر اپنی بیٹیاں مت پیش کرو (کیونکہ بیٹیوں کو نکاح کے لئے پیش نہ کرنے کا حکم چند مخصوص رشتوں کو چھوڑ کر صرف بیویوں کے لئے ہی ہو سکتا ہے عام آدمیوں کے لیے نہیں ہو سکتا) پھر بھی یہ تاویل قابل غور ہے۔

اس حدیث سے ان علماء کے لئے دلیل ملتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (عام امت کی طرح) آنحضرت ﷺ کے لئے بھی ایسی دو عورتوں سے نکاح جائز نہیں تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ دونوں میں یہی قول زیادہ

مضبوط اور قوی ہے۔ لیکن کچھ دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس بارے میں (عام امت کے مقابلے میں خصوصیت حاصل تھی (یعنی عام امت کے مقابلے میں آپ ﷺ کو اس کی اجازت تھی کہ ایک عورت اور اس کی بہن سے نکاح فرما سکتے تھے)

ماں بیٹی کو نکاح میں لینا حرام...... اسی طرح کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی (عام امت کی طرح) آپ ﷺ کے لئے جائز نہیں تھا لیکن علامہ رافعی اس قول کے خلاف گئے ہیں۔ حالانکہ وہ حدیث اس پہلو کو بھی غلط قرار دیتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں نے اُمّ سلمہ سے نکاح نہ بھی کیا ہوتا تب بھی وہ یعنی ان کی بیٹی میرے لئے حلال نہیں تھی۔

اس بارے میں کتاب خصائص صغریٰ میں یہ لکھا ہے کہ دونوں باتوں میں (یعنی ایک یہ کہ ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے اور دوسرا یہ کہ ناجائز ہے) ان میں سے ایک کے مطابق آپ کے لئے عورت اور اس کی بہن، عورت اور اس کی پھوپی اور عورت اور اس کی خالہ کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ علامہ رافعیؒ کے قول کے مطابق آپ کے لئے عورت اور اس کی بیٹی کو بھی نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ روضہ کتاب کے مصنف نے بھی علامہ رافعیؒ کے اس قول کو قبول کیا ہے حالانکہ عام علماء علامہ رافعیؒ کی رائے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

بنت حمزہ...... ایسے ہی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ کو (نکاح کے لئے لڑکی پسند کرنے کے سلسلے میں) قریش کی طرف رغبت نہیں ہے؟ (ی) یعنی آپ قریش میں سے کسی کو پسند کر کے اس سے نکاح کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ذہن میں کوئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حمزہؓ کی بیٹی جن کا نام اُمامہ ہے وہ قریش میں سب سے خوبصورت دوشیزہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے (یعنی میرے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ بھتیجی ہے)

(ی) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت علیؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دودھ شریک بھائی کی بیٹی آنحضرت ﷺ کے لئے (عام امت کی طرح) حرام ہے۔ یا ممکن ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی ہیں۔

مگر ایک روایت ہے جس سے یہ ماننے میں اشکال ہوتا ہے (کہ حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی ہیں اور دودھ شریک بھائی کی بیٹی حرام ہوتی ہے) چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کا جواب) اس طرح ذکر ہے کہ :-

"کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہو چکی ہے کہ وہ یعنی حمزہؓ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دودھ کے رشتے میں بھی ان سب رشتوں کو حرام فرمایا ہے جو نسب کے رشتے میں حرام ہوتے ہے" (یعنی بھتیجی بھانجی وغیرہ وغیرہ)

آنحضرت ﷺ کے اس طرح پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی (ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جملے سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہو کہ یہ بات جان لو کہ حمزہؓ میرے دودھ

شریک بھائی ہیں)

**حمزہ سے دوہری رضاعت**...... (پچھلی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کو ایسا ہی جواب دیتے ہوئے دُرّہ کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ تو میرے دودھ شریک بھائی ابو سلمہؓ کی بیٹی ہے، اس کو اور مجھے ثویبہ نے دودھ پلایا ہے مگر اس روایت میں امامہ بنت حمزہؓ کے متعلق جواب دیتے ہوئے) غالباً آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حمزہؓ کو اور مجھے ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ حالانکہ ثویبہ نے حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا پھر رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا اور پھر حضرت ابو سلمہ کو پلایا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت حمزہ ثویبہ کے علاوہ بھی ایک عورت سے آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی ہیں۔ یہ عورت قبیلہ بنی سعید کی تھی مگر حضرت حلیمہ سعدیہ کے علاوہ تھی (اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ) حضرت حمزہؓ بنی سعد کی اس عورت کے پاس دودھ پیتے تھے (اور آنحضرت ﷺ بھی اس زمانے میں بنی سعد کی خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس دودھ پیتے تھے ایک دن اس عورت نے جو حضرت حمزہؓ کو دودھ پلاتی آنحضرت ﷺ کو بھی اپنا دودھ پلادیا۔ (ی) اس طرح حضرت حمزہ دو عورتوں سے رسول اللہ ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے ایک تو ثویبہ سے اور دوسرے بنی سعد کی اس عورت سے جس کا نام میں نہیں جانتا۔ چنانچہ اگر آنحضرت ﷺ (حضرت علیؓ کو حضرت حمزہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے) صرف ثویبہ کا ذکر فرماتے تو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حضرت حمزہؓ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی دوسری عورت سے دودھ کا رشتہ حاصل نہیں ہے۔

**کیا خولہ بھی آپ کی دودھیاری**...... اصل یعنی کتاب "عیون الاثر" میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے والی عورتوں میں خولہ بنت منذر کا بھی ذکر کیا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے مگر جس محقق کا یہ قول ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے وہم ہوا ہے کیونکہ خولہ بنت منذر جو اُمّ بُردہ کہلاتی ہیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلایا۔ اس کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے خولہ بنت منذر نام کی دو عورتیں ہوں اور ایک نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا ہو اور دوسری نے آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلایا ہو۔ اور یہ کہ وہ خولہ جس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا ہے وہ خولہ سعدیہ ہیں جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا ہے اور جن کے بارے میں علامہ شمس شامی کا یہ قول گزرا ہے کہ میں ان کا نام نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔

ثویبہ کے مسلمان ہونے کے متعلق سوائے ابن مندہ کے کسی نے نہیں لکھا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ کتاب طبقات ابن سعد میں جو کچھ ان کے متعلق لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں مگر اس بات سے ابن مندہ کا قول کمزور نہیں ہوتا۔

کتاب خصائص صغریٰ میں یہ لکھا ہے کہ جس دودھ پلانے والی یعنی دایہ نے بھی آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا (اسکی برکت سے) وہ مسلمان ہو گئی مگر میں ثویبہ کے بیٹے مَسروح کے اسلام قبول کرنے کے متعلق نہیں جانتا۔

**کافر مَسروح بھی رضاعی بھائی**...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- ایک کمزور روایت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مَسروح مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

وہ یہ روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) جب قیامت کا دن ہو گا تو میں اپنے ایک جاہلیت کے

بھائی کے لئے شفاعت اور سفارش کروں گا۔ اس کے متعلق علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس بھائی سے مراد آپ کا دودھ شریک بھائی ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ علامہ سیوطی کی اس وضاحت کے باوجود یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دودھ شریک بھائی مُسروح ہی ہے کیونکہ اس وضاحت میں بھی مُسروح کا نام نہیں ہے) اس لئے ممکن ہے کہ اس دودھ شریک بھائی سے مراد حضرت حلیمہ کے بیٹے عبداللہ ہوں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی اپنی والدہ حلیمہ کا دودھ پیا کرتے تھے انہوں نے اسلام کا زمانہ بھی نہیں پایا اور ان کا مسلمان ہونا معلوم بھی نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آگے ابن حجرؒ کی ایک روایت آئے گی کہ حلیمہ کے بیٹے عبداللہ مسلمان ہوگئے تھے۔ واللہ اعلم

دودھیار کی خبر گیری...... (ی) ایک روایت اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثویبہ اور ان کے بیٹے مُسروح دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ثویبہ کے لئے (مدینہ منورہ سے) خرچہ وغیرہ بھیجا کرتے تھے ثویبہ مکے میں تھیں۔ یہاں تک کہ ۷ھ میں جب آنحضرت ﷺ خیبر فتح فرمانے کے بعد واپس ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کو ثویبہ کی وفات کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے پوچھا ان کا بیٹا مُسروح کیا کرتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ وہ ثویبہ سے بھی پہلے مر چکا ہے۔

(ی) یعنی اگر یہ دونوں مسلمان ہوگئے ہوتے تو (مکے میں نہ ہوتے بلکہ ہجرت کر کے مدینے پہنچ چکے ہوتے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مُسروح نے اسلام کا زمانہ پایا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے ان کا انتقال نہیں ہوا تھا۔ اس بارے میں علامہ سہیلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس روایت کے خلاف ہے کہ ثویبہ اور مُسروح کی موت کی خبر آنحضرت ﷺ کو قلعہ خیبر سے واپسی میں ملی (وہ روایت یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ثویبہ کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہاں آنحضرت ﷺ نے ثویبہ اور ان کے بیٹے مُسروح کے متعلق فرمایا۔ آپ کو بتلایا گیا کہ ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے (گویا پچھلی روایت کے مطابق آپ ﷺ کو ان دونوں کے مرنے کی خبر ۷ھ میں ہوئی اور اس روایت کے مطابق اس کی خبر ۸ھ میں ہوئی کیونکہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ہے) اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے مکہ میں ان دونوں کے گھر پہنچ کر آپ نے اس خبر کی تصدیق فرمانے کے لئے دوبارہ پوچھا ہو۔

پچھلی سطروں میں یہ بات گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ ثویبہ کی خبر گیری فرماتے تھے جو کے میں تھیں اور اگر وہ مسلمان ہوگئی ہوتیں تو مدینے کو ہجرت کرتیں اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثویبہ اور مُسروح دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے اس بارے میں کہتے ہیں کہ) یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں مسلمان ہوتے تو ہجرت کر کے مدینے جاتے اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں کو کوئی ایسی مجبوری پیش آگئی ہو کہ یہ ماں بیٹے ہجرت نہ کر سکے۔ واللہ اعلم۔

آمنہ کا دودھ کتنے دن پیا...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت آمنہ نے آپ کو صرف نو دن اپنا دودھ پلایا ہے

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔علامہ قضاعی کی کتاب عیون المعارف میں ہے کہ حضرت آمنہ نے آپ کو سات دن دودھ پلایا ہے مگر کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت آمنہ نے ساتھ مہینے اپنا دودھ پلایا ہے اس کے بعد چند دن ثویبہ نے دودھ پلایا۔ یہاں تک امتاع کی روایت ہے۔

ماں کی بعد پہلا دودھ ثویبہ کا......اس روایت میں یہ کہنا کہ ثویبہ نے حضرت آمنہ کے بعد آپ کو دودھ پلایا یہ اس قول کے خلاف ہے جو پیچھے گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا وہ ثویبہ ہیں۔ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت میں سب سے پہلے دودھ پلانے والی عورت سے مراد یہ ہے کہ جس نے آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے آپ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ مگر علامہ ابن محدث نے کتاب عیون الاثر کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ سب سے پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ کے پیٹ میں پہنچا وہ ثویبہ کا دودھ ہے کتاب عیون الاثر میں یہ ہے کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو اپنا دودھ پلایا وہ ثویبہ ہیں۔ علامہ ابن محدث اس سے یہ سمجھے ہیں کہ پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ کے پیٹ میں پہنچا وہ ثویبہ کا ہے حالانکہ جیسا کہ بیان کیا گیا دودھ پلانے کے سلسلے میں ثویبہ کو جو اولیت حاصل ہے وہ اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے بعد سب سے پہلے انہوں نے ہی آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا۔ مگر خود علامہ ابن محدث نے اس طرح نہیں لکھا کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ نے پیا وہ ثویبہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

بچپن میں معجزہ......(قال) آنحضرت ﷺ کو قبیلہ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے بھی دودھ پلایا ہے۔ انہوں نے اپنی چھاتیاں کھول کر آنحضرت ﷺ کے منہ میں دیں اور (خدا کی قدرت سے ایک دم) ان سے دودھ کی دھاریں نکل کر آنحضرت ﷺ کے منہ میں پہنچیں۔ ان تینوں عورتوں کا نام عاتکہ تھا ان ہی کے متعلق آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا میں نبی سلیم کی عاتکہ یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔ جیسا کہ یہ بات پچھے صفحات میں گزر چکی ہے۔

کیا اُمّ ایمن بھی دودھ پیاری......یہ روایت جو گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اُمّ ایمن نے بھی دودھ پلایا ہے اس کا کتاب خصائص صغریٰ میں انکار کیا گیا ہے۔ بلکہ کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی (پیدائش کے وقت) دائی تھیں آپ کی دایہ یعنی دودھ پلانے والی نہیں ہیں۔ اگر ان کے دودھ پلانے کو صحیح مان لیا جائے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کے اس وقت کون سا بچہ تھا (جس کی وجہ سے ان کی چھاتیوں میں دودھ تھا) کیونکہ ان کے صرف دو ہی بیٹے مشہور ہیں ایک ایمنؓ اور دوسرے اسامہؓ اور یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بہت عرصے بعد پیدا ہوئے ہیں) ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُمّ ایمن کی چھاتیوں میں بچے کے بغیر ہی دودھ پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں کے ساتھ ہوا جو بیان ہو چکا ہے۔

دایہ حلیمہ سعدیہ......اسی طرح آنحضرت ﷺ کو حضرت حلیمہ بنت ابوذُویب نے بھی دودھ پلایا۔ ان کا لقب اُمّ کبشہ یعنی کبشہ کی ماں تھا جو ان کی بیٹی کبشہ کے نام پر تھا۔ حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی کبشہ کے والد کا لقب بھی اسی بیٹی کے نام پر یعنی ابو کبشہ تھا (ی) حضرت حلیمہ سعدیہ قبیلہ بنی ہوازن سے تھیں یعنی بنی سعد ابن بکر ابن ہوازن کی اولاد میں تھیں۔ ان کے مسلمان ہونے کے متعلق تفصیل آگے آئے گی۔

حلیمہ کے شوہر مسلمان ہوئے......حضرت حلیمہ سے ہی روایت ہے کہ وہ اپنی بستی سے روانہ ہوئیں ان

کے ساتھ ان کا دُودھ پیتا بچہ بھی تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور ان کے شوہر بھی تھے۔(قال) شوہر کا نام حرث ابن عبدالعزیٰ تھی اور لقب ابو ذُویَب تھا (ی) جیسے کو ابوکبشہ بھی ان کا لقب تھا۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام ابوداؤد نے عمرو ابن سائب سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ یعنی دودھ کے رشتے کے باپ مجلس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ فوراً ان کے اعزاز میں کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حرث یعنی آپ کے رضاعی باپ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سے بعض علماء کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اکثر علماء جنہوں نے صحابہ کرام کے نام جمع کئے ہیں انہوں نے ان میں حرث کا نام شامل نہیں کیا (کیونکہ صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو)۔

رضاعی باپ کا واقعہ اسلام...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- پہلی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرث صحابہ میں داخل ہیں اس کی تائید بظاہر اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ :-

"یہ حرث مکے میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے اس زمانے میں مکے آئے جبکہ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہو چکا تھا، مکے میں ان سے قریش کے لوگوں نے کہا۔

"اے حرث! کیا تمہیں معلوم ہے تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے"۔

حرث نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں میں سے اٹھائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں جن میں سے ایک میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور دوسرے میں ان لوگوں کو نیک بدلہ دیتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ (ی) یعنی بُروں کو دوزخ میں عذاب دیتا ہے اور نیکوں کو انعام میں جنت دیتا ہے۔ ان باتوں سے اس نے ہم لوگوں میں پھوٹ اور تفرقہ پیدا کر دیا ہے"۔

حرث یہ سُن کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"اے بیٹے! کیا بات ہے تمہاری قوم کے لوگ تمہاری شکایت کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تم ایسا ایسا کہتے ہو؟ (ی) یعنی لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس کے بعد جنت اور جہنم میں جائیں گے"۔

"آپ نے فرمایا۔ "ہاں میں ایسا کہتا ہوں۔" ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "ہاں میرا دعویٰ یہی ہے اور ابا جان! اگر آج وہ دن ہوتا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اس بات کا ثبوت دیتا"۔

یہ سن کر حرث مسلمان ہوگئے اور شریعت کے بہت پابند ہوئے (ی) جب وہ مسلمان ہوگئے تو یہ کہا کرتے تھے۔

"اگر میرا بیٹا اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو مجھے جنت میں داخل کئے بغیر نہ چھوڑتا"۔

(مؤلف نے اس روایت کے شروع میں کہا ہے کہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرث صحابہ میں داخل تھے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) ہم نے بظاہر کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس روایت میں (جہاں حرث کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے وہاں) یہ لفظ ہے کہ اس کے بعد حرث مسلمان ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے، کیونکہ اس روایت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں (یا اسی وقت) مسلمان ہو گئے تھے۔

**حلیمہ سعدیہ مومنہ تھیں**...... ابن حجرؒ کی کتاب شرح ہمزیہ میں اس سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حلیمہ کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ وہ بھی مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر بھی اور ان کے بچے بھی مسلمان ہوئے یعنی عبداللہ، شیماؓ اور انیسہ۔ یہاں تک ابن حجر کا کلام ہے۔

**رضاعی ماں باپ کی تکریم**...... کتاب اصابہ میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک کپڑا بچھائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے کپڑے کا کچھ حصہ چھوڑ دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ کی رضاعی ماں یعنی حلیمہ حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے چادر کا دوسرا کنارہ چھوڑ دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے رضاعی بھائی پہنچے تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

**دودھ شریک بھائی کا اعزاز**...... اس روایت کے بیان کرنے والے معتبر ہیں۔ یہاں آپ کے سامنے بیٹھنے سے مراد غالباً یہ ہے کہ آپ کے مقابل بیٹھ گئے اس طرح گویا آنحضرت ﷺ اپنے بھائی کے مقابل یعنی سامنے بیٹھ گئے۔ مطلب یہ ہوا کہ بھائی کو آتا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے اور چادر پر اپنی جگہ بھائی کو بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے آپ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ آپ کے رضاعی ماں باپ اور بھائی سب آپ کی چادر پر ہی بیٹھیں۔ واللہ اعلم۔

**دایہ حلیمہ اور برکات کا ظہور**...... (اس تفصیل کے بعد حضرت حلیمہ کی وہ روایت پھر شروع کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے مکے آنے اور دودھ پلانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو حاصل کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے) وہ کہتی ہیں کہ میں سعد ابن بکر ابن ہَوازِن کی دس عورتوں یعنی دایاؤں کے ساتھ روانہ ہوئی۔ ہم سب دودھ پلانے کے لئے بچے حاصل کرنے نکلے تھے۔ یہ سال بہت خشک سالی اور قحط کا تھا اور ہمارا سواری کا خچر کمزور ہو گیا تھا۔ ہمارے پاس یعنی دایہ حلیمہ کے پاس) ایک بوڑھی اونٹنی تھی جس کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ بھی نہیں رہا تھا۔ دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم کبھی پوری رات آرام سے سو نہیں سکتے تھے کیونکہ ہمارا بچہ بھوک سے روتا اور بلکتا رہتا تھا۔ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہیں تھا جو اس کو کافی ہو سکتا اور نہ ہمارے اونٹنی کے تھنوں میں ہی دودھ تھا جس سے بچے کا پیٹ بھر سکتا۔ یعنی اتنا دودھ نہیں تھا جسے پی کر بچہ سر اٹھا سکتا اور سیراب ہو کر آرام سے پڑ سکتا۔ دایہ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس کے باوجود ہمیں امید تھی کہ اطمینان اور فراغت حاصل ہو گی۔ چنانچہ میں اپنے اسی کمزور خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس کمزور اور دُبلی پتلی اونٹنی کی وجہ سے قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھی جس سے سب لوگ پریشان ہوتے تھے آخر ہم لوگ مکے پہنچ گئے اور دودھ پینے والے بچے تلاش کرنے لگے"۔

**عرب میں دودھ پلائیوں کا دستور**...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- عربوں کا یہ دستور اور طریقہ تھا کہ جب ان کے یہاں بچہ ہوتا تھا تو وہ اس کے لئے دوسرے قبیلے کی دایہ تلاش کیا کرتے تھے تاکہ (ان میں رہ کر) بچہ فصیح زبان سیکھ جائے اور شائستہ بن سکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب اپنے بچے کو کسی دایہ کے حوالے اس لئے کرتے تھے کہ ان کے نزدیک عورت کا اپنے بچے کو خود دودھ پلانا عار اور شرم کی بات تھی۔ (انتہی) یعنی ماں کا اپنے بچے کو

مستقل دودھ پلانا شرم کی بات سمجھی جاتی تھی (دایہ کے آنے سے پہلے چند دن تک ماں اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی تھی)

**دایہ تربیت کی بھی ذمہ دار**...... مگر اس بارے میں پہلا قول جو ہے کہ بچے کو فصیح اور شائستہ بنانے کے لئے دوسرے قبیلے کی دایہ کے حوالہ کیا جاتا تھا) اس کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں عربی بولنے کے لحاظ سے تم لوگوں میں زیادہ فصیح و بلیغ ہوں کیونکہ میں قریشی ہوں اور بن سعد میں میں نے دودھ پیا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا آپ نے فرمایا:۔

"کیسے نہیں ہوں گا۔ میں قبیلے کے لحاظ سے قریشی ہوں اور بنی سعد میں نے دودھ پیا ہے"۔

**زبان کی فصاحت دیہات میں**...... چنانچہ اسی وجہ سے قریش اپنے بچوں کو دودھ کے زمانے میں دیہاتی عورتوں کے حوالے کیا کرتے تھے (کیونکہ عرب کی دیہاتی آبادی بہت زیادہ فصیح و بلیغ عربی بولتی تھی اور ان کا کلام نہایت شائستہ ہوتا تھا) اسی وجہ سے عبد الملک ابن مروان کے متعلق روایت ہے کہ وہ کہا کرتا تھا ہمارے لئے ولید (یعنی اس کے بیٹے) کی محبت رکاوٹ بن گئی کیونکہ اس نے بیٹے سے بہت زیادہ محبت کی وجہ سے اس کو دیہات میں دودھ پینے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس کی ماں کے پاس شہر ہی میں یعنی اپنے پاس ہی رکھا۔ اس لئے صحیح عربی نہیں بولتا تھا جبکہ اس کا بھائی سلیمان نہایت فصیح و بلیغ عربی بولتا تھا کیونکہ اس نے دیہات میں دایہ کے پاس دودھ پیا تھا۔

**دایہ یتیم بچہ نہ لیتی**...... (اس کے بعد دایہ حلیمہ کی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب ہمارا یعنی دایاؤں کا قافلہ مکے پہنچا اور بچوں کو تلاش کرنے لگا تو) ہم میں سے ہر ایک دایہ کو رسول اللہ ﷺ پیش کئے گئے (یعنی عبد المطلب نے ہر ہر دایہ سے آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے کہا) مگر جب ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ بچہ یتیم ہے تو ہم آپ ﷺ کو لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ کیونکہ بچہ لینے سے ہمارا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بچے کا باپ ہمیں کافی انعام وغیرہ دے (جبکہ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔) اس لئے ہم کہا کرتے تھے کہ اس بچے کی ماں اور دادا کیا انعام دیں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

**دایاؤں میں حلیمہ بچے سے محروم**...... میری ساتھی عورتوں میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف میں بغیر بچے کے باقی رہ گئی۔ آخر (مایوس ہو کر) جب ہم نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا۔

"خدا کی قسم! مجھے یہ بات بہت بُری معلوم ہو رہی ہے کہ میں اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ بغیر بچے کے واپس جاؤں اب میں خدا کی قسم اسی بچے کے پاس جاؤں گی (یعنی عبد المطلب کے پوتے کے پاس) اور اسے ہی لے لوں گی"۔

**یتیم عبد اللہ اور حلیمہ کی سعادت**...... میرے شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ خدا ہمارے لئے اسی بچے کے ذریعہ خیر و برکت ظاہر فرمائے چنانچہ میں جا کر اسی بچے کو لے آئی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اس تفصیل سے بعض علماء کے اس قول کی مخالفت ہوتی ہے جس میں کہا گیا

ہے کہ عبدالمطلب خود آنحضرت ﷺ کے لئے دودھ پلانے والی تلاش کرنے کے لئے نکلے اور انہیں دایہ حلیمہ مل گئیں۔ روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے عبدالمطلب نے دایہ حلیمہ کے سوادوسری دایاؤں میں سے کسی کو حاصل کرنے کے لئے خود تلاش کی ہو اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا ہو۔ اس کے بعد جب دایہ حلیمہ کو بھی کوئی بچہ نہیں ملا اس وقت عبدالمطلب نے ان سے آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے کہا ہو۔ اس بارے میں کتاب شفاء الصدور میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ دایہ حلیمہ نے کہا۔ مجھ سے عبدالمطلب ملے اور کہنے لگے تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت ہوں :۔ انہوں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

**حضور کے لئے حلیمہ کا مشورہ**...... میں نے کہا حلیمہ! یہ سن کر عبدالمطلب مسکرائے اور بولے۔

"واہ۔ واہ سعادت اور حلم (یعنی خوش بختی اور بُردباری و شرافت) دونوں ایسی خوبیاں ہیں جن میں زمانے کی بھلائی اور ہمیشہ ہمیشہ...... کی عزت ہوتی ہے، اے حلیمہ۔ میرے پاس ایک یتیم لڑکا ہے جسے میں نے دودھ پلانے کے لئے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں سے بات کی مگر انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یتیم بچے کو لے کر ہمیں کیا مل جائے گا۔ ہم بچوں کے باپ سے انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے بچے لیتے ہیں ...... اس لئے تم بتاؤ کیا تم اس بچے کو دودھ پلانے کے لئے لے سکتی ہو۔ ممکن ہے وہ بچہ تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائے"۔

میں نے کہا۔ "مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے شوہر سے بھی مشورہ کرلوں۔"

**حلیمہ کی رضامندی اور خوش بختی**...... یہ کہہ کر میں نے اپنے شوہر کے پاس واپس آئی اور اس کو یہ بات بتلائی۔ اس بات کو سن کر ایسا لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا دل خوشی اور مسرت سے بھر دیا۔ چنانچہ اس نے فوراً کہا کہ حلیمہ اس بچے کو لے لو۔ میں اسی وقت عبدالمطلب کے پاس واپس پہنچی تو دیکھا کہ وہ میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا لائیے بچے کو دے دیجئے۔ یہ سن کر عبدالمطلب کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آمنہ کے مکان میں لے گئے۔ آمنہ نے مجھے دیکھ کر خوش آمدید کہا اور مجھے اس گھر یعنی حجرے میں لے گئیں جن میں حضرت محمد ﷺ تھے۔ یہاں میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آپ ﷺ کے نیچے سبز رنگ کا ایک ریشمی کپڑا تھا۔ آپ سیدھے لیٹے ہوئے سو رہے تھے اور آپ کے سانس کی آواز کے ساتھ مُشک کی سی خوشبو نکل کر پھیل رہی تھی۔ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہیں کیا اور پیار سے اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھ دیا آپ فوراً مسکرائے اور آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پہنچ گیا جبکہ میں اس کو دیکھ رہی تھی (یعنی حجرہ کے اندر ہونے کے باوجود انہوں نے یہ دیکھا)

**جبین اقدس پر حلیمہ کا بوسہ**...... میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں پیار کیا اور آپ کو گود میں لے لیا۔ آپ کو لینے کا سبب میرے لئے یہی تھا کہ مجھے آپ کے سوا کوئی دوسرا بچہ نہیں ملا تھا ورنہ آپ کے جو اوصاف میں نے ذکر کئے ہیں وہ خود اس کا تقاضہ کرتے ہیں کہ آپ کو حاصل کیا جائے"۔

**عجائبات کا آغاز**...... (ی) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دایہ حلیمہ نے اس سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تھا

بلکہ آپ کو دیکھے بغیر ہی انہوں نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ کہتی ہیں۔

"آپ کو لے لینے کے بعد میں آپ کو اپنے قافلے میں لائی جب میں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے گود میں لٹایا۔ آپ میری چھاتیوں سے (ی) یعنی داہنی چھاتی سے دودھ پینے لگے اور خدا کے حکم سے سیر ہو گئے"۔

آپ ایک چھاتی سے دودھ پیتے......(ی) کیونکہ انہوں نے دوسری چھاتی آپ کے منہ میں دینی چاہی تو آپ نے اس کو نہیں پکڑا پھر دایہ حلیمہ کہتی ہیں۔

"اس کے بعد آپ کی یہی حالت رہی۔ (ی) کہ آپ صرف ایک داہنی چھاتی پکڑتے تھے۔ ہمدانی کی کتاب سبعیات میں ہے کہ حلیمہ سعدیہ کی ایک چھاتی میں دودھ نہیں ہوتا تھا مگر جب انہوں نے اس کو آنحضرت ﷺ کے منہ کو لگایا تو اس میں سے دودھ کی دھاریں بہنے لگیں" پھر آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے بھائی (یعنی دایہ حلیمہ کے بیٹے عبداللہ) نے بھی دودھ پیا اور سیر ہو کر سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس (کے بھوکا رہنے) کی وجہ سے خود ہم بھی نہیں سو سکتے تھے۔ یعنی اس کا نہ سونا بھوکے رہنے کی وجہ سے ہوتا تھا اس کے بعد میرے شوہر اٹھ کر ہماری اسی کمزور اونٹنی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں انہوں نے اس کا دودھ نکالا اور ہم دونوں نے سیر ہو کر پیا اور بڑے آرام کیساتھ رات گزاری۔ صبح کو میرے شوہر مجھ سے کہنے لگے۔

"حلیمہ! کیا تمہیں معلوم ہے خدا کی قسم تم بڑا مبارک بچہ لائی ہو۔" میں نے کہا کہ خدا کی قسم میری آرزو یہی ہے۔

برکت اور سواری کی تیز رفتاری......اس کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے۔ میں اپنے خچر پر سوار ہوئی اور اسی پر اپنے ساتھ میں نے آنحضرت ﷺ کو بھی بٹھالیا۔ اب یہ خچر اتنا تیز چلا کہ سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ گیا۔ یہاں تک کہ ساتھیوں میں سے کسی کا گدھا بھی چلنے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکا آخر میری ساتھی دایائیں مجھ سے کہنے لگیں :۔

"اے بنت اُبُوذُوَیب! تمہیں کیا ہو گیا۔ اتنا تیز مت چلو ذرا ہمارا بھی خیال رکھو۔ کیا یہ وہی خچر نہیں ہے جس پر تم آئی تھیں اور جسے ایک ایک قدم چلنا مشکل ہوتا تھا"۔

میں نے ان سے کہا۔ ہاں ہاں خدا کی قسم یہ وہی ہے۔ وہ کہنے لگیں۔ خدا کی قسم اس کا معاملہ تو عجیب ہے۔

خچر کی گویائی......دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے سنا کہ میرا خچر بولا اور اس نے یہ کہا۔

"خدا کی قسم میرا معاملہ تو عجیب سے عجیب اور خاص سے بھی زیادہ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد (یعنی انتہائی کمزوری کے بعد) دوبارہ زندہ کیا اور کمزوری کے بعد مجھے طاقت و قوت عطا فرمائی۔ اے بنی سعد کی عورتو! تمہارا برا ہو تم بڑی غفلت اور بے خبری میں ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ میری کمر پر کون ہے؟ میری کمر پر وہ ہیں جو بہترین نبی ہیں، پیغمبروں کے سردار ہیں، اگلوں اور پچھلوں سب میں بہترین انسان ہیں اور پروردگار عالم کے محبوب ہیں۔" یہ قول کتاب نُطق مفہوم میں نقل کیا گیا ہے

جانور کا سجدہ شکر......اسی خچر کے متعلق حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب انہوں نے مکے سے روانگی کا ارادہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ اس خچر نے تین مرتبہ کعبہ کی طرف سجدہ کیا یعنی اپنا سر جھکایا پھر اس نے اپنا سر آسمان کی

طرف اٹھایا اور چل پڑا۔ اس کے بعد دایہ حلیمہ کہتی ہیں۔

بنجر خط میں ہریالی...... "آخر ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے، اس وقت میرے خیال میں روئے زمین پر سب سے زیادہ خشک اور قحط زدہ علاقہ یہی تھا مگر (آنحضرت ﷺ کی برکت سے) جس وقت سے ہم وہاں پہنچے تو میری بکریاں اس حال میں شام کو واپس گھر آتی تھیں کہ ان کے پیٹ بھرے ہوتے تھے اور تھن دودھ سے لٹکے ہوتے تھے۔ چنانچہ ہم ان کا دودھ دوہتے اور جتنا دل چاہتا پیتے۔ حالانکہ خدا کی قسم دوسروں کو (قحط کی وجہ سے اپنے جانوروں میں) ایک قطرہ دودھ بھی نہیں ملتا تھا اور ان کے تھن سوکھے ہوتے تھے یہاں تک کہ گھروں میں رہنے والے لوگ ہماری قوم کے آدمیوں سے کہتے کہ آخر تمہیں کیا ہو گیا۔ تم لوگ اپنی بکریوں کو وہیں کیوں نہیں چراتے جہاں بنت ابوذُوَیب یعنی حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ مگر ان کی بکریاں اس حال میں چرتیں کہ وہ بھوکی رہتیں اور دودھ سے خالی ہوتیں جب کہ میری بکریاں پیٹ بھر کر چرتیں اور خوب دودھ دیتیں...... ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی خیر و برکت رہی کہ آنحضرت ﷺ کی عمر کے دو سال گذر گئے۔ آپ اتنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے کہ عام بچے اس طرح نہیں بڑھتے۔ چنانچہ دو ہی سال کی عمر میں آپ ایک تندرست اور مضبوط لڑکے معلوم ہوتے تھے"۔

نو ماہ کی عمر میں صاف گفتگو...... حضرت حلیمہؓ سے ہی روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ دو مہینے کے ہوئے تو آپ ہر طرف پھرتے تھے۔ اس روایت سے کتاب متاع کی وہ روایت کمزور ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات ماہ کی عمر تک اپنی والدہ حضرت آمنہ کا دودھ پیا پھر حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ آٹھ مہینے کے ہوئے تو آپ اس طرح بولنے لگے تھے کہ آپ کی بات سنی اور سمجھی جانے لگی تھی۔ اور جب آپ نو مہینے کے ہوئے تو آپ بہت صاف گفتگو فرمانے لگے تھے۔ پھر جب آپ دس مہینے کے ہوئے تو آپ بچوں کے ساتھ تیر چلا لیتے تھے...... دایہ حلیمہؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ میری گود میں تھے کہ سامنے سے میری بکریاں گزریں۔ ان میں سے ایک قریب آئی اور اس نے آپ کو سجدہ کیا آپ کے سر مبارک کو چوما اور دوسری بکریوں میں جا ملی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ آنحضرت ﷺ کو بکریوں نے بھی سجدہ کیا ہے اور اسی طرح آپ کی نبوت اور ہجرت کے بعد اونٹوں نے بھی سجدہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ انصاریوں میں سے کسی کے باغ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور کچھ انصاری صحابہ بھی تھے۔ اس باغ میں اس وقت ایک بکری پھر رہی تھی اس نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ہم اس بکری کے مقابلے اس کے زیادہ حقدار تھے کہ آپ کو سجدہ کرتے۔"

"آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میری امت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کو سجدہ کرے۔ لیکن اگر انسان کو انسان کا سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ "اگر مرد اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ وہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جاتی رہے تو عورت کا یہ فرض اور حق ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔

جانور کی تسخیر...... (آنحضرت ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ) ایک مرتبہ ایک اونٹ

غضبناک یعنی پاگل ہو گیا کسی شخص میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے پاس جا سکے (اور اسے قابو میں کر سکے) صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو کھول دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اسے کھول دینے کی صورت میں ہمیں اس سے آپ کے متعلق خطرہ ہے مگر آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم لوگ اس کو کھول دو چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر لوگوں نے اسے کھول دیا۔ اونٹ نے جیسے ہی آنحضرت ﷺ کو سامنے دیکھا وہ ایک دم سجدہ میں گر گیا۔ (ی) آپ نے اس کو پیشانی پر سے پکڑا اور اس کے مالک کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے کام لو مگر اس کو چارہ وغیرہ اچھی طرح دو۔ یہ واقعہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وحشی جانور کے مقابلے میں ہم اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ آپ کو سجدہ کرتے۔ آپ نے جواب میں وہی فرمایا جو پچھلی حدیث میں گزر چکا ہے ____ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیوی پر شوہر کے کتنے زبردست حقوق ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک حدیث اور بھی ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی مگر ہم عورتیں پابند اور پردہ نشین ہیں، گھروں کے اندر رہتی ہیں، مردوں کی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہیں اور ان کی اولاد کا بوجھ اٹھاتی ہیں، جبکہ مردوں کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، جنازے کی نماز ادا کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے ہیں، جب وہ لوگ جہاد میں جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی ہیں۔ تو اب یا رسول اللہ! کیا اس اجر اور ثواب میں ہم عورتوں کو بھی حصہ ملے گا جو مردوں کو حاصل ہوتا ہے"؟

حضرت اسماء کا یہ سوال سننے کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کی طرف مڑے اور ان سے پوچھا۔

"کیا تم نے اس عورت کی بات سنی جس کے ذریعہ اس نے اپنے دین کے متعلق ایک بہت اچھا سوال کیا ہے"؟

صحابہ نے عرض کیا۔ "ہاں یا رسول اللہ! ہم نے اس کی بات سن لی ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا

جاؤ اسماء اور اس بات کو جان لو کہ تم میں سے (یعنی عورتوں میں سے) جس نے اپنے شوہر کی ناز برداری کی، اس کی رضامندی کا خیال کیا اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کی فرمانبرداری کی تو اس عورت کا ایسا کرنا مردوں کی ان تمام فضیلتوں کے برابر ہوگا جن کا تم نے ذکر کیا۔ (ی) یعنی مردوں کو جماعت میں شریک ہونے، جنازہ کی نماز پڑھنے اور جہاد کی جو فضیلت حاصل ہے اس کے برابر ہی اس کو بھی ثواب حاصل ہوگا (اگر وہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری اور اس کی خوشنودی کے لئے کوشش کرے۔)

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سن کر حضرت اسماء خوشی کی وجہ سے کلمہ پڑھتی ہوئی اور تکبیر کہتی ہوئی وہاں سے واپس گئیں۔ واللہ اعلم

**روزانہ نور کا نزول**...... اس تفصیل کے بعد پھر حضرت حلیمہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ) انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ پر روزانہ ایک ایسی روشنی اور نور اترتا تھا جیسا کہ سورج کی روشنی ہوتی ہے اور پھر وہ اوجھل ہو جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے واقعہ کے متعلق قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ

کیا ہے۔

وبدت فی رضاعه معجزات
لیس فیها عن العیون خفاء

اذاتته لیتمه مرضعات
قلن مافی الیتیم عنا غناء

فاتته من ال سعد فتاة
قدابتها لفقرها للمرضعاء

اوضعته لبانها فسقتها
وبنیها البا نهن الشاء

اصبحت شولا عجانا وامست
مابها شائل ولا عجفاء

اخصب العیش عندها بعد محل
اذغد اللنبی منها غذاء

یالها منه تعد صو عف الاجر
علیها من جنسها و الجزاء

واذا سخرا لا له اناسا
لسعید فانهم سعداء

(مطلب) یعنی آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے زمانہ میں اور خود دودھ پینے میں بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جو سب نے کھلی آنکھوں دیکھے۔ ان ہی میں سے ایک یہ تھا کہ دودھ پلانے والی عورتوں نے رسول اللہ کے یتیم ہونے کی وجہ سے آپ کو لینے سے انکار کر دیا مگر بنی سعد کی ایک نوجوان عورت جسے اس کی غربت کی وجہ سے بچوں کے ماں باپ نے اپنا بچہ دینے سے انکار کر دیا تھا اور خود جس نے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا تھا وہ دوبارہ آپ کو لینے آئی۔ اس نے آپ ﷺ کو اپنا دودھ پلایا۔ آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کی برکت فوراً ہی یہ ظاہر ہوئی کہ اس دودھ پلانے والی کی بکریاں جو بہت کمزور اور بے دودھ کی تھیں اچانک دودھ دینے لگیں اور انہوں نے دایہ حلیمہ اور ان کے بیٹے کو دودھ سے سیراب کیا۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ زبردست خشک سالی اور قحط کے بعد ان کو زندگی کا آرام و عیش حاصل ہوا۔ یہ صرف اس کی برکت تھی کہ دایہ حلیمہ کو آنحضرت ﷺ کے لئے غذا اور خوراک حاصل کرنی تھی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ کی یہ سعادت کتنی زبردست تھی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنا دودھ پلایا کہ انکو اس نعمت کے بدلے میں دوہری نعمت و سعادت ہوئی اور جو نعمت انہوں نے آنحضرت ﷺ پیش کی تھی اسی قسم کی نعمت ان کو حاصل ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ آدمی جس قسم کی نیکی کرتا ہے اسی قسم کی اس کو جزا دی جاتی ہے (یعنی مثلاً آدمی اپنے مال

میں سے زیادہ سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرماتے ہیں اور جو اس نے خرچ کیا وہی چیز اس کو دو گنی اور تین گنی ہو کر مل جاتی ہے) چنانچہ جب حضرت حلیمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دودھ سے سیراب کیا تو خود ان کو بھی دودھ اور غذا سے سیراب کیا گیا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک اور شریف انسان کی محبت کے لئے کچھ لوگوں کو انتخاب فرماتا ہے تو خود وہ لوگ بھی اس شریف انسان کی وجہ سے شریف اور خوش قسمت ہو جاتے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ یہ روایت جو نظم میں بیان کی گئی ہے کہ حلیمہ سعدیہ کو لوگوں نے ان کے غریب ہونے کی وجہ سے اپنے بچے دینے سے انکار کر دیا تھا یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ شاعر نے جو یہ بات لکھی ہے وہ حضرت حلیمہ کے اس قول کی وجہ سے لکھی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ میرے ساتھ آنے والی دلیاؤں میں میرے سوا کوئی عورت ایسی نہیں رہی کہ اس کو کوئی نہ کوئی بچہ نہ مل گیا ہو اور میں آنحضرت ﷺ کو صرف اسی وجہ سے لینے پر تیار ہوئی کہ مجھے آپ کے سوا کوئی بچہ نہیں مل سکا (یعنی حضرت حلیمہؓ کے اس قول سے شاعر نے یہ سمجھا ہے کہ بچے والوں نے حلیمہ سعدیہ کو ان کے غریب ہونے کی وجہ سے اپنے بچے دینے سے انکار کر دیا تھا) حالانکہ ان کے اس قول سے یہ مطلب نکلنا ضروری نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے دوسری دایائیں حلیمہ سعدیہ سے پہلے بچے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں اور دایہ حلیمہ کو دیر ہو جانے کی وجہ سے بچہ نہ مل سکا ہو......) اس سلسلے میں بعض واعظوں نے علامہ حافظ ابن حجرؒ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے متعلق واقعات جب وعظ و نصیحت کے جلسوں میں بیان کئے جاتے ہیں تو وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو سن کر دلوں میں آنحضرت ﷺ کی عظمت کا احساس ہونے کے بجائے سننے والوں کے دلوں میں رنج و غم پیدا ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک ایسی بن کر سامنے آتی ہے جس پر رحم اور ترس آتا ہے۔ ایسی بن کر سامنے نہیں آتی جس سے عظمت اور بلندی کا احساس ہو۔ وعظوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ دودھ پلانے والیاں بچے لینے کے لئے مکے پہنچیں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا کیونکہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں تھا (اور آپ یتیم تھے) اس لئے ایسے واقعات بیان کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں"؟

علامہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا جس کو قبول کیا گیا ہے کہ :۔

"بیان کرنے والے کو چاہئے کہ وہ خبر یعنی حدیث میں سے وہ حصہ بیان نہ کرے جس سے اس (ذات) کی اہمیت و عظمت کم ہوتی ہو جس کے متعلق وہ خبر ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات ایسا کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہمارے امام حضرت شافعیؒ کے ساتھ واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسی عورت کا ہاتھ (چوری کی سزا میں) کٹوا دیا جو بڑے مرتبہ والی عورت تھی۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا :۔

"اگر فلاں معزز عورت بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کے ہاتھ کٹوا دیتا"۔

یہاں فلاں عورت کا لفظ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے متعلق استعمال کیا گیا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نام لے کر یہ بات فرمائی لیکن) امام شافعیؒ نے جب یہ حدیث نقل کی تو اس میں حضرت فاطمہؓ کا نام نہیں لیا۔ امام شافعیؒ نے انتہائی ادب کی وجہ سے ایسا کیا تاکہ ایسے معاملے میں اور ایسے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کا نام نہ آئے۔ خود آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا تو آنحضرت ﷺ کی

زبردست عظمت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک شریعت کے معاملے میں ساری مخلوق یعنی تمام انسان برابر ہیں۔ دوسری طرف اس بات سے امام شافعیؒ کے انتہائی ادب کا اظہار بھی ہوتا ہے یعنی اگر کوئی حدیث ایسی ہے کہ جس سے آنحضرت ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی کے احترام و عظمت میں کمی آتی ہو تو حدیث کے ایسے حصہ کو بیان نہ کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ایسی بات جو خود آنحضرت ﷺ کی شان کے مناسب نہ ہو اس کی بیان نہ کرنا تو یقیناً جائز ہو گا" علامہ حافظ ابن حجرؒ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی عورتوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

**دودھ چھڑانے کے وقت تکبیر**...... (قال) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس وقت دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑایا تو آپ ﷺ نے اس وقت پہلا کلام یہ فرمایا اللّٰہ اکبَرُ کبیراً، وَالْحَمْدُ للّٰہ کثیراً، وسُبْحَانَ اللّٰہ بکرۃً وَّ اَصِیْلاً" یعنی اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بے حد اور تعریف ہے اور اس کے لئے صبح اور شام پاکی ہے۔ ...... لیکن پیچھے ایک روایت گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلام پیدا ہوتے ہی فرمایا

ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ دایہ حلیمہ کے یہاں تھے تو ایک رات میں سب سے پہلا کلام جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھا۔ لا الہ الا اللّٰہ قدُّوْساً قدُّوْساً ،نَامَتِ الْعیُوْنُ وَ الرَّحْمٰنِ لَاتَاْخذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

ترجمہ: کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے جو پاک ہے، پاک ہے۔ تمام آنکھوں سو چکی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو جو نہایت مہربان ہے نہ اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند۔

**بنی سعد کے گھروں میں خوشبو**...... آنحضرت ﷺ کسی چیز کو بھی بغیر بسم اللہ کے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ دایہ حلیمہ سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے مکان میں داخل ہوئی تو قبیلہ بنی سعد کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس میں سے ہمیں مُشک کی خوشبو نہ آنے لگی ہو۔ اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی محبت اور آپ کی برکت کا اعتقاد جم گیا یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے بدن پر کوئی (پھوڑا پھنسی یا زخم یا دوسری کوئی) تکلیف ہو جاتی تو وہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ ﷺ کا ہاتھ تکلیف کی جگہ رکھ دیتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تکلیف اسی وقت دور ہو جاتی۔ اسی طرح اگر کسی کا اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی (تو لوگ اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لا کر آپ کا دست مبارک اس پر چھوا دیتے اور جانور فوراً تندرست ہو جاتا)

# شقِّ صدر

## یعنی فرشتوں کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا جانا

دایہ حلیمہؓ کہتی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ دو سال کے ہوگئے تو ہم آپ ﷺ کو لے کر آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے پاس آئے (کیونکہ اس عمر تک بچے کو واپس ماں باپ کے پاس پہنچادیا جاتا تھا) مگر ہم رسول اللہ ﷺ کی برکتیں دیکھ چکے تھے اس لئے ہماری تمنا تھی کہ ابھی آنحضرت ﷺ کو کچھ عرصہ اور اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ ہم نے اس بارے میں آپ کی والدہ سے بات کی۔ میں نے ان سے کہا۔

"بڑا اچھا ہو اگر آپ بچے کو ذرا بڑا ہونے تک اور میرے پاس چھوڑ دیں"!

علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ دایہ حلیمہؓ نے حضرت آمنہ سے یوں کہا تھا۔

"ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بچے کو ایک سال اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس پر مکے کی بیماریوں اور آب وہوا کا اثر نہ پڑ جائے"۔

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ ہم اسی طرح حضرت آمنہ پر اصرار کرتے رہے آخر وہ مان گئیں اور ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس ہوئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آمنہ نے دایہ حلیمہؓ سے خود یہ کہا

"میرے بیٹے کو واپس اپنے ساتھ لے جاؤ، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس پر مکے کی بیماریوں کا اثر نہ پڑ جائے، کیونکہ خدا کی قسم یہ بچہ بڑا شان والا ہوگا"۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے جب دایہ حلیمہ نے حضرت آمنہ سے کہا ہو کہ بچے کو ایک سال اور ہمارے پاس رہنے دیجئے تو حضرت آمنہ نے جواب میں ان سے کہا ہو کہ میرے بچے کو ابھی واپس لے جاؤ اس لئے کہ تمہاری طرح میں بھی ڈرتی ہوں کہ اس پر مکے کی بیماریوں کا اثر نہ ہو جائے"۔

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس اپنے گھر آئے۔ آپ کو دوبارہ لانے کے چند مہینے بعد (جزری کہتے ہیں دو ماہ یا تین ماہ بعد) ایک دن آپ اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ مویشیوں کے گلے میں تھے جو ہمارے مکان کے پیچھے تھا کہ اچانک آپ کا دودھ شریک بھائی پریشان اور بھاگتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہنے لگا۔

"میرا جو وہ قریشی بھائی ہے اس کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا ہے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس کو انہوں نے زمین پر لٹا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا ہے اور اپنے ہاتھ اس کے پیٹ میں ڈالے ہوئے ہیں"۔

دایہ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں اور میرے شوہر فوراً اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے ہیں اور آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ زرد ہو رہا ہے (ی) یعنی چہرۂ مبارک کا رنگ پیلا ہو رہا ہے جیسے کہ مُردہ کا رنگ ہوا کرتا ہے۔

آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ فرشتوں کو دیکھنے کی وجہ سے بدلا ہوا اور اڑا ہوا تھا اس لئے نہیں کہ آپ کو اس سینہ چیرنے کے عمل سے کوئی مشقت اور تھکن ہوئی تھی کیونکہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مجھے شق صدر یعنی سینہ کھولے جانے کا کوئی احساس اور تکلیف نہیں ہوئی اسی لئے ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ اس سے (یعنی ملائکہ کے دیدار سے) آپ پر گھبراہٹ طاری ہوئی اور یہ گھبراہٹ...... اور بعض حضرات کے الفاظ میں۔ آپ کے چہرے کے رنگ کا اس طرح بدلنا صرف اسی پہلی مرتبہ میں ہوا جبکہ آپ بنی سعد میں (دایہ حلیمہ کے ہاں) تھے اور آپ کی عمر تھوڑی تھی۔

غرض اس کے بعد دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر میں اور میرا شوہر مستقل آنحضرت ﷺ کے پاس رہے اور ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ "بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا"؟

آپ نے فرمایا۔

میرے پاس دو آدمی آئے تھے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے (ی) یعنی وہ دونوں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ تھے (ی) یہی دونوں اس دوسری روایت میں بھی مراد ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دو سفید رنگ کے پرندے آئے جو عقاب کی طرح تھے (غرض ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہی ہیں دوسرے نے کہا۔ ہاں۔ پھر وہ دونوں میرے قریب آئے اور انہوں نے مجھے پکڑ کے لٹا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرا پیٹ کھولا، اس میں کوئی چیز تلاش کرنے لگے آخر انہیں وہ چیز مل گئی اور انہوں نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا، مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی"۔

آگے روایت آئے گی کہ جس چیز کے بارے میں آپ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی۔ وہ ایک سیاہ دانہ تھا جسے انہوں نے آپ کے قلب میں سے نکال کر پھینک دیا تھا (اس سیاہ دانے کے متعلق پیچھے بیان گزر چکا ہے کہ یہ انسان کے جسم میں شیطان کا گھر ہوتا ہے اور شیطان انسان کے بدن میں یہیں سے اپنے اثرات ڈالتا ہے) بہر حال اس روایت میں یہ بیان تفصیل سے نہیں بتلایا گیا ہے۔ اس کا ذکر بعض دوسری روایتوں میں آئے گا۔

ایک غریب روایت میں ہے کہ :۔

"آپ ﷺ پر دو سارس پرندے اترے ان میں سے ایک نے اپنی چونچ سے آنحضرت ﷺ کا پیٹ کھولا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں برف اور ٹھنڈک ڈالی"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ پرندے عقاب جیسے بھی ہوتے ہیں اور سارس جیسے بھی۔ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کا عقاب کی صورت میں آنا ایک لطیفہ ہے کیونکہ عقاب پرندوں کا سردار کہلاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ :۔

"میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے انسانوں کے سردار آدمؑ ہیں، آپ اولاد آدم کے سردار ہیں، روم کے سردار صہیبؓ ہیں، فارس کے سردار سلمان فارسیؓ ہیں، حبشیوں کے سردار بلال حبشیؓ ہیں، درختوں کا سردار "سدر" یعنی بیری کا درخت ہے۔ (سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان پر عرش اعظم کی دائیں جانب بیر کا درخت ہے جو انسانوں کے اعمال کی آخری حد ہے اور ملائکہ کے علم کی انتہا وہیں تک ہے) اور پرندوں کا سردار عقاب ہے"۔

بحر العلوم میں ہے۔:

ملائکہ یعنی فرشتوں کے سردار حضرت اسرافیلؑ ہیں (جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے) شہیدوں کے سردار ہابیل ہیں (جو آدمؑ کے بیٹے ہیں اور دنیا میں سب سے پہلے قتل کئے گئے ان کو ان کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا) پہاڑوں کا سردار جبل موسیٰ ہے (یعنی طور پہاڑی جہاں حضرت موسیٰؑ نے حق تعالیٰ کی تجلّی دیکھی) مویشیوں کا سردار بیل ہے، وحشی جانوروں کا سردار ہاتھی ہے اور درندوں کا سردار شیر ہے۔ بعض حضرات نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ مہینوں کا سردار رمضان ہے، دنوں کا سردار جمعہ ہے، کلاموں کی سردار عربی ہے، عربیت کا سردار قرآن پاک ہے اور قرآن کی سردار سورۂ بقرہ ہے"۔

## ہابیل اور قابیل کا واقعہ

(ہابیل اور قابیل کا واقعہ قرآن پاک میں بھی ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمؑ کے یہاں ہر مرتبہ دو دو بچے پیدا ہوتے تھے جن میں سے ایک لڑکا ہوتا تھا اور ایک لڑکی۔ ان کی شادیاں اس طرح ہوا کرتی تھیں کہ ایک دفعہ کا لڑکا اور دوسری دفعہ کی لڑکی کو بیاہ دیا جاتا کیونکہ اس وقت ضرورت کی بناء پر دو پیٹ کی اولادیں دو مختلف نسب کے برابر قرار دے دی گئی تھیں۔ غرض حضرت آدمؑ کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہابیل اور قابیل رکھے گئے دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی چنانچہ قاعدہ کے مطابق ہابیل کی شادی قابیل کی بہن سے طے پائی اور قابیل کی ہابیل کی بہن سے، ان میں قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی۔ اس لئے قابیل نے ضد کی کہ اپنی بہن سے وہ ہابیل کی شادی نہیں ہونے دے گا بلکہ خود اس سے شادی کرے گا۔ قابیل کو حضرت آدمؑ نے بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانا۔ آخر حضرت آدمؑ نے یہ فیصلہ دیا کہ تم دونوں یعنی ہابیل اور قابیل، اللہ تعالیٰ کے نام کی کچھ نذر و نیاز کرو جس کی نیاز اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے وہ لڑکی اسی سے بیاہ دی جائے گی حضرت آدمؑ جانتے تھے کہ ہابیل حق پر ہے اللہ تعالیٰ اسی کی نیاز قبول فرمائیں گے۔ غرض ہابیل اور قابیل دونوں نے اپنی اپنی نیاز حاضر کی۔ ہابیل تو ایک عمدہ قسم کا دنبہ لایا اور قابیل کسی غلّے کے چند خوشے لایا اور ان کو کہیں رکھ دیا اچانک آسمان سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ اس وقت یہی علامت قبولیت کی تھی۔ غرض قابیل کی نیاز پڑی رہ گئی اور وہ اس آسمانی فیصلے میں بھی ہار گیا۔ اس پر قابیل بجائے شرمندہ ہونے کے بہت غضبناک ہوا اور بھائی کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرو کی روایت ہے کہ اگرچہ ہابیل زیادہ طاقتور تھا مگر خدا کے خوف سے اس نے بھائی پر ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا۔

ابو جعفر باقر نے لکھا ہے کہ آدمؑ ان دونوں کے نیاز حاضر کرنے سے اور ہابیل کی نیاز قبول ہونے سے خوش تھے۔ اس پر قابیل نے آدمؑ سے کہا۔

"اس کی نیاز اس لئے قبول ہو گئی ہے کہ آپ نے اس کے لئے دعا کی تھی جبکہ میرے لئے آپ نے دعا نہیں کی"۔

قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو ڈرایا دھمکایا۔ چنانچہ ایک رات جبکہ ہابیل کو چراگاہ سے آنے میں دیر ہوئی تو آدمؑ نے قابیل کو حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا، قابیل وہاں پہنچا تو اس نے ہابیل کو وہاں موجود پایا۔ قابیل نے وہاں بھی ہابیل سے کہا کہ تیری نیاز قبول ہوگئی اور میری نہیں ہوئی۔ ہابیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کی نیاز قبول کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ یہ سن کر قابیل غضبناک ہو گیا اور اس نے بھائی پر چھرے سے حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ قابیل نے ہابیل کے سر پر اس وقت پتھر مارا تھا جبکہ ہابیل سویا ہوا تھا اور اس سے ہابیل ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قابیل نے اس کا بڑے زور سے گلا گھونٹا اور درندوں کی طرح اس کو دانتوں سے کاٹا جس سے ہابیل ہلاک ہو گیا۔

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو ہابیل نے جواب میں جو کچھ کہا وہ قرآن پاک میں ذکر ہے۔

لَئِنْ بَسَطتَ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآاَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ. اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔
الآیۃ پ ۶ سورۂ مائدہ ع ۷

ترجمہ: اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست دازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہابیل ایک نیک اخلاق کا آدمی تھا اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر اس کے دل میں بسا ہوا تھا اسی لئے اس نے اسی بری نیت کے ساتھ بھائی کے مقابلے میں آنے کی کوشش نہیں کی جس نیت سے قابیل اس پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ اسی سے یہ حدیث ثابت ہو جاتی ہے جس کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جبکہ دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابلے میں آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔" اس پر صحابہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! قاتل کا جہنمی ہونا تو ٹھیک ہے مگر مقتول کیوں جہنم میں جائے گا"۔

آپ نے فرمایا۔

"اس لئے کہ وہ یعنی مقتول بھی مقابل کو قتل کرنے کی فکر میں تھا"۔

یہ دوسری بات ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوا اور نہ اس کا بس چل جاتا تو وہ بھی قتل کر دیتا۔

مگر ہابیل کا معاملہ بالکل مختلف رہا کہ قابیل اس کو قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے اور ہابیل کے پاس قابیل کو قتل کرنے کا سبب بھی ہے کہ وہ اس کو مار ڈالنا چاہتا ہے مگر وہ صرف اس لئے حملہ نہیں کرتا کہ اس کے پاس کوئی ایسی کھلی دلیل نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ایسے میں ہم مذہب بھائی کو قتل کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ اس لئے وہ ہاتھ روکے رکھتا ہے اور صرف خدا کے خوف کی وجہ سے جان دے دیتا ہے۔

غرض قابیل نے ہابیل کو مار تو دیا مگر اب حیران پریشان کھڑا تھا کہ اس لاش کو کیا کروں کہ یہ راز کھلنے نہ پائے۔ بعض محققین لکھتے ہیں کہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد قابیل اس کی لاش کو ایک سال تک اپنی کمر پر اٹھائے پھرا۔ بعض نے لکھا ہے کہ سو سال تک اسی طرح حیران و پریشان اس لاش کو کمر پر لادے پھرتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وہاں دو کوّے بھیجے جو آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ کوا زمین پر آیا اور چونچ

اور پنجوں سے مٹی کھودنے لگا اور پھر اس مُردہ کو لے کر اس گڑھے میں ڈال کر اسے دفن کر دیا۔ قابیل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔

یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۷ الآیۃ ۳۱

ترجمہ: افسوس میری حالت پر، کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اس کوّے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ سو بڑا شرمندہ ہوا۔

غرض اس طرح کوّے کے ذریعہ قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔ قتل کے وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی آنحضرت ﷺ کا قابیل کے متعلق ارشاد ہے :۔

جو مظلوم بھی قتل کیا جائے گا تو اس کے قتل کا گناہ قاتل کے ہی برابر آدم کے بیٹے (قابیل) پر بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔ (تفسیر بیان القرآن والبدایہ والنہایہ جلد اص ۹۲/۹۴۔ مرتب)

(اس کے بعد پھر دایہ حلیمہ کی روایت کا اگلا حصہ بیان کرتے ہیں)

اس کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر اپنے مکان پر واپس آگئے۔ وہاں میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس لڑکے کو کچھ نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس لئے اس سے پہلے کہ اس طرح کی کوئی بات پیش آئے اس کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو"۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگوں نے کہا۔

"اس بچے کو اس کے دادا کے پاس پہنچا دو اور اس امانت کی ذمہ داری سے نکل جاؤ"۔

اس روایت میں یوں ہے کہ میرے شوہر نے مجھ سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لوٹا دو تاکہ وہ اس کا علاج وغیرہ کرائیں۔ خدا کی قسم اگر اس بچے کو کچھ ہوا تو وہ صرف فلاں خاندان والوں کی طرف سے حسد اور جلن کی وجہ سے ہوگا کیونکہ وہ لوگ اس بچے کی زبردست برکت کی وجہ سے جلنے لگے ہیں"۔

چنانچہ دایہ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر روانہ ہوئے اور مکے میں آپ کی والدہ کے پاس پہنچے۔

واقدی کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ اپنی والدہ کے پاس واپس تشریف لائے تو آپ پانچ سال کے تھے۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ آپ پانچ سال دو دن کے تھے۔ ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ آپ چار سال کی عمر میں اپنی والدہ کے پاس واپس تشریف لائے۔ اموی کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ پچھلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دایہ حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے پہلے حضرت آمنہ کے پاس لے کر آئی تھیں۔ نیز یہ کہ اس وقت آپ کی عمر دو سال چند مہینے تھی۔ اس بارے میں جو اشکال ہے وہ آگے ذکر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دایہ حلیمہ کہا کرتی تھیں۔

جب آنحضرت ﷺ کچھ بڑے ہوگئے تو آپ باہر نکل کر بچوں کو دیکھتے جو کھیلتے ہوتے تھے، مگر آپ

ان سے دور رہتے تھے۔ ایک روز آپ نے مجھ سے کہا۔

"امّاں جان! کیا بات ہے دن میں میرے بھائی بہن نظر نہیں آتے"؟

آپ کی مراد اپنے دودھ شریک بھائی بہنوں سے تھی جن کے نام عبداللہ ، انیسہ اور شیماء تھے اور جو حرث کی اولاد تھے (دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ) میں نے جواب دیا۔

"تم پر میری جان قربان ہو، وہ ہماری بکریاں چراتے ہیں اور رات کو جا کر رات ہی کو آتے ہیں (یعنی منہ اندھیرے چلے جاتے ہیں اور دن چھپے تک بکریاں لے کر واپس آتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیا کیجئے۔

دایہ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ جانے لگے اور) خوش خوش جاتے اور خوش خوش واپس آتے۔

(ی) اس بارے میں دایہ حلیمہ کی ایک روایت یہ گذری ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمارے مویشیوں کے گلّے میں تھے جو ہمارے مکان کے پیچھے تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ تھا جہاں ہم مویشی چرا رہے تھے۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں اپنے گھر والوں سے علیٰحدہ وادی میں تھے اور میرے ہمجولی بچے میرے ساتھ تھے۔ ان تمام روایتوں میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ اسی طرح ایک دن سب بچے صبح ہی بکریوں کو لے کر چلے گئے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ اچانک آنحضرت ﷺ کا بھائی۔ یعنی۔ میرا بیٹا ضمرہ پریشان اور بھاگتا ہوا آیا، اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے روتے ہوئے پکار کر کہا۔

"ابّا جان۔ امّاں جان۔ جلدی سے میرے بھائی محمد کے پاس پہنچو۔ تم وہاں نہیں پہنچو گے تو وہ ختم ہو جائیں گے"۔

میں نے پوچھا۔ کیا بات ہو گئی۔ اس نے جواب دیا۔

ہم وہاں کھڑے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ محمد کو ہمارے درمیان میں سے جھپٹ کر لے گیا اور انہیں پہاڑ کی چوٹی پر لے کر چڑھ گیا۔ ہماری نظریں ان ہی پر لگی ہوئی تھیں کہ اس شخص نے محمد کا سینہ پیٹ تک چاک کر دیا۔ اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ اس آدمی نے کیا کیا"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہاں ضمرہ سے شاید آپ کے وہی دودھ شریک بھائی مراد ہیں جن کا نام عبداللہ ہے چونکہ وہ بہت دُبلے پتلے تھے اس لئے شاید ان کو ضمرہ کہتے تھے۔ (ضمر کے معنی دُبلے کے ہیں)

اس واقعہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ (جب وہ شخص مجھے آکر وہاں سے لے گیا اور اس نے میرا سینہ چاک کیا تو) میرے جو ہمجولی ساتھ میں تھے وہ بھاگتے ہوئے بستی میں پہنچے اور چیخ چیخ کر یہ واقعہ بتلانے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ ان بھاگ کر جانے والوں میں سب سے پہلے ضمرہ بستی میں پہنچا ہو۔ واللہ اعلم۔

غرض دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ (بیٹے سے آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ خبر سنتے ہی) محمد ﷺ کے باپ اور میں دوڑتے ہوئے وہاں گئے مگر وہاں پہنچ کر ہم نے یہ منظر دیکھا کہ آپ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں، نگاہیں آسمان کی طرف ہیں اور لبوں پر تبسم ہے۔ میں جلدی سے جھکی اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر میں نے آپ

سے کہا۔

"تم پر میری جان قربان ہو۔ تمہیں کیا پریشانی ہو گئی تھی"؟

آپ نے فرمایا

"اماں جان! خیر ہی ہے! ابھی جبکہ میں کھڑا ہوا تھا تو میرے پاس تین آدمی آئے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک چاندی کا برتن تھا (یہاں اصل عبارت میں لفظ ابریق ہے جس کے معنی ہیں لوٹا۔ عربی میں ابریق اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی لگی ہوئی ہو) دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرّد کا ایک طباق تھا وہ تینوں مجھے پکڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ پھر انہوں نے آہستہ سے مجھے وہاں لٹا دیا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ پھر وہ مجھے وادی کے اوپری حصے میں لے گئے وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک نے بڑھ کر مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرا سینہ پیٹ تک چاک کر دیا۔ (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ غرض آپ نے فرمایا کہ جب انہوں نے میرا سینہ چاک کیا تو) میں انہیں دیکھ رہا تھا مگر مجھے کوئی تکلیف اور احساس نہیں ہوا۔

اس روایت میں قلب اور اس کے چاک کئے جانے کی تفصیل ذکر نہیں ہے۔

پچھلی روایت میں دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے آپ کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان دونوں باتوں میں اختلاف دور کرنے کی صورت یہ ہے۔ کہ ممکن ہے کھڑے ہوئے ہونے سے دایہ حلیمہ کی مراد یہ ہو کہ ہم نے آپ کو زندہ سلامت پایا اور بیٹھے ہوئے ہونے سے مراد یہ ہو کہ آپ اسی جگہ موجود ملے۔ ایسے ہی پچھلی روایت میں ہے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ جبکہ اس روایت میں ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو ہنستے مسکراتے دیکھا۔ کیونکہ مسکرانے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ گھبرائے ہوئے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنے رضائی باپ اور ماں کو پریشان اور تعجب کی حالت میں دیکھا تو اس پر آپ مسکرا دیئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

## آنحضرت ﷺ کی گم شدگی اور بازیابی

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں:۔ شقّ صدر (یعنی سینہ چاک کئے جانے کے) اس واقعہ کے بعد جبکہ آنحضرت ﷺ چار یا پانچ یا چھ سال کے ہو چکے تھے جب دایہ حلیمہ آنحضرت ﷺ کو مکے لا رہی تھیں تاکہ آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دیں تو مکے کے بالائی علاقے میں آپ ﷺ ایک جگہ دایہ حلیمہ سے کھو گئے (دایہ حلیمہ سخت پریشانی کی حالت میں مکے آئیں اور) آپ کے دادا عبدالمطلب سے کہنے لگیں۔

"میں آج رات محمد کو لے کر آ رہی تھی جب میں مکے کے بالائی علاقے میں پہنچی تو وہ کہیں گم ہو گئے۔ اب خدا کی قسم میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں"؟

عبدالمطلب یہ سُن کر فوراً کعبے کے پاس کھڑے ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کے مل جانے کی دعا کرنے لگے۔ کتاب مرآۃ زمان میں ہے کہ عبدالمطلب نے اس وقت یہ شعر پڑھ کر دعا مانگی۔

يَارَبِّ رُدَّ وَلَدِيْ مُحَمَّدًا
ارْدُدْهُ رَبِّيْ وَاصْطَنِعْ عِنْدِيْ يَدًا

ترجمہ: پروردگار۔ میرے بیٹے محمد کو واپس بھیج دے۔ اس کو میرے پاس بھیج دے اور اسے میرا دست وبازو بنادے۔

آگے ایک واقعہ آئے گا جس میں ہے کہ یہ شعر عبدالمطلب نے اس وقت پڑھا تھا جب ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ اور اسے تلاش کرنے کے لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے عبدالمطلب نے یہ شعر دونوں موقعوں پر پڑھا ہو۔

(غرض جب عبدالمطلب نے دایہ حلیمہ سے یہ وحشت ناک خبر سن کر کعبے کے پاس دعا مانگی اور یہ شعر پڑھا تو) انہیں آسمان سے آواز آئی کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے۔

"لوگو! پریشان مت ہو، محمد کا پروردگار موجود ہے وہ نہ اس کو رسوا کرے گا اور نہ ضائع ہونے دے گا"۔

عبدالمطلب نے کہا کہ ان کو ہمارے پاس کون پہنچائے گا۔ آواز آئی

"وہ تہامہ کی وادی میں شجر یمنی کے پاس ہیں"۔

عبدالمطلب اسی وقت سوار ہو کر اس طرف روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ورقہ ابن نوفل بھی گئے۔ ورقہ ابن نوفل کے متعلق تفصیل آرہی ہے۔ غرض جب یہ دونوں اس جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ درخت بہت زیادہ گھنا اور شاخوں والا تھا۔ عبدالمطلب نے آپ سے پوچھا۔

"لڑکے تم کون ہو"۔

آپ نے فرمایا کہ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اس پر عبدالمطلب نے کہا۔

"تم پر میری جان قربان ہو۔ میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں"۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے آپ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور رونے لگے، پھر عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو اپنے گھوڑے پر آگے بٹھایا اور آنحضرت ﷺ کو لے کر مکے آئے، یہاں انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور مکے والوں کی دعوت کی"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ عبدالمطلب کا آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھنا کہ تم کون ہو، شاید اس لئے تھا کہ آپ اس عمر میں جتنے بڑے ہو گئے تھے اتنے عام طور پر اس عمر کے بچے نہیں ہوتے جیسا کہ اس بارے میں دایہ حلیمہ کا قول بھی گزرا ہے کہ آپ اس طرح تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ عام طور پر بچے نہیں بڑھتے (اسی لئے عبدالمطلب کو جنہوں نے ایک عرصہ کے بعد آپ کو دیکھا تھا پوتے کو پہچاننے میں دشواری ہوئی کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ آپ تندرستی کی وجہ سے اس عرصے میں اتنے بڑے ہو گئے ہوں گے)

اس واقعہ کے متعلق سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ آپ کو پانے والے (عبدالمطلب کے بجائے) ورقہ ابن نوفل اور ایک دوسرا قریشی تھا اور پھر یہی دونوں آپ کو لے کر عبدالمطلب کے پاس آئے۔

کہا جاتا ہے کہ عمرو ابن نفیل (یہ غالباً وہی دوسرا شخص ہے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) آپ کو پہچانتا نہیں تھا اس نے جب آپ کو دیکھا تو بولا کہ لڑکے تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ہوں عمرو نے فوراً آپ کو اٹھا کر اپنی سواری پر آگے بٹھایا اور عبدالمطلب کے پاس لایا۔

قرآن کریم کی اس آیت۔

وَوَجَدَكَ ضَالاًّ فَهَدٰى الآیۃ پ ۳۰ سورۂ ضحیٰ ع ۱۷

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا۔

کی تفسیر میں بعض مفسرین نے آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہوئے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے۔
"میں اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس سے گم ہو گیا تھا، اس وقت میں بچہ تھا۔ اس وقت وہ یعنی عبدالمطلب کعبے کا پردہ پکڑ کر یہ شعر پڑھنے لگے۔

یارب رد ولدی محمداً

ترجمہ: پروردگار میرے بیٹے محمد کو واپس بھیج دے۔

اسی وقت سامنے سے ابو جہل ایک اونٹنی پر سوار آگیا اور میرے دادا سے کہنے لگا۔
"تمہیں معلوم نہیں تمہارے بیٹے کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا"؟
انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ ابو جہل نے جواب دیا۔
میں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور محمد ﷺ کو پیچھے بٹھالیا۔ اب اونٹنی کو اٹھانا چاہا تو بالکل نہیں اٹھی۔ پھر میں نے محمد ﷺ کے آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ گئی۔

اگر ان سب روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں آپس میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا ہو اس واقعہ کے کئی بار پیش آنے کا اشارہ بعض مفسرین کے اس قول سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے وَوَجَدَكَ ضَالاًّ فَهَدٰى (ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلا دیا) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب آپ چھوٹے تھے تو ایک قول کے مطابق آپ اپنی دایہ حضرت حلیمہؓ کے پاس سے گم ہو گئے اور ایک قول کے مطابق اپنے دادا کے پاس سے کھو گئے تھے۔

(اس کے بعد دایہ حلیمہؓ کی وہی روایت بیان کرتے ہیں جس میں وہ کہتی ہیں کہ جب میں اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو واپس حضرت آمنہ کے پاس لے کر پہنچی تو) انہوں نے مجھ سے کہا۔
"دایہ! تم ان کو کس وجہ سے خود ہی لے آئیں حالانکہ تمہاری تو خواہش تھی کہ یہ ابھی اور تمہارے پاس رہیں"؟
میں نے جواب دیا۔
"اب یہ بڑے ہو گئے ہیں اور خدا کی قسم میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکی ہوں، مجھے یہ ڈر رہتا تھا کہ کہیں ان کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے اسلئے اب میں آپ کی خواہش کے مطابق ان کو آپ کے سپرد کرتی ہوں"۔

حضرت آمنہ (کو اس پر حیرت ہوئی اور انہوں) نے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے مجھے سچ سچ بتلاؤ۔ حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب تک میں نے ان کو ساری بات نہیں بتلا دی اس وقت تک انہوں نے مجھ کو نہیں چھوڑا۔ (پوری تفصیل سن لینے کے بعد) حضرت آمنہ نے کہا کہ کیا تمہیں ان کے متعلق شیطان سے خوف ہو تا تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں! وہ کہنے لگیں۔

ہرگز نہیں! خدا کی قسم شیطان ان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔ میرے بچے کی تو شان ہی نرالی ہے، کیا میں تمہیں ان کے متعلق بتلاؤں۔ میں نے کہا ضرور بتلایئے۔ حضرت آمنہ نے کہا۔
"ان کے حمل کے وقت مجھ میں سے ایک نور نکلا تھا جس سے ملک شام کے علاقے میں بصریٰ کے

محلات تک روشن ہو گئے تھے۔ پھر جب میں ان سے حاملہ ہو گئی تو حمل اس قدر ہلکا اور آسان تھا کہ اس سے ہلکا حمل میں نے کبھی نہیں جانا۔ پھر جب یہ پیدا ہوئے تو اس طرح باہر آئے کہ ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا"۔

**نبی آخر الزّماں کی طرف سے یہود کا خوف**...... (قال) دایہ حلیمہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت کا ان کے پاس سے گزر ہوا (چونکہ یہودی آسمانی کتاب اور شریعت کے ماننے والے تھے اور ان میں بڑے بڑے عالم اور کاہن تھے اس لئے) دایہ حلیمہؓ نے ان سے کہا:۔

"کیا آپ لوگ میرے اس بیٹے کے متعلق کچھ بتلائیں گے، میں ایسے ایسے اس سے حاملہ ہوئی، ایسے ایسے اس کو جنا اور ایسے ایسے میں نے نور دیکھا"۔

دایہ حلیمہ نے جو باتیں حضرت آمنہ سے سنی تھیں وہ سب اس طرح بیان کیں جیسے خود ان پر گزری ہوں۔ کیونکہ حضرت آمنہ نے یہ سب باتیں ان سے دو مرتبہ بیان کی تھیں ایک دفعہ اس وقت جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دایہ حلیمہؓ کے سپرد کیا تھا اور ایک دفعہ اس وقت جب دایہ حلیمہ سے آپ کو واپس لیا۔ غرض جب حضرت حلیمہؓ نے یہودیوں کو وہ سب باتیں بتلائیں جو انہوں نے حضرت آمنہ سے سنی تھیں تو وہ یہودی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس بچے کو قتل کر دو۔ پھر انہوں نے دایہ حلیمہ سے پوچھا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے۔ دایہ حلیمہ نے کہا نہیں یہ اس کے باپ موجود ہیں اور میں اس کی ماں ہوں۔ یہ سن کر ان یہودیوں نے کہا کہ اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر دیتے (کیونکہ انہوں نے قدیم آسمانی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ ایک نبی آخر الزّماں آنے والے ہیں جن کا دین سارے عالم میں پھیل جائے گا اور جن کا ہر طرف بول بالا ہو گا، ان کی پیدائش وغیرہ کی یہ یہ علامتیں ہوں گی اور یہ کہ وہ یتیم ہوں گے۔ دایہ حلیمہ نے ان کو آپ کی پیدائش وغیرہ کی جو تفصیلات بتلائیں ان کو سن کر تو یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ ہی وہ عظیم ہستی ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اسی لئے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر جب انہوں نے مزید اطمینان کے لئے دایہ حلیمہ سے یہ پوچھا کہ یہ بچہ یتیم ہے یا نہیں اور دایہ حلیمہ نے کہا کہ نہیں تو ان کا شک ختم ہو گیا اور انہوں نے قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا)

(پچھلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے دایہ حلیمہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے حمل اور پیدائش کے حالات اس وقت بتلائے ہیں جب وہ آنحضرت ﷺ کو واپس پہنچانے آئی تھیں کیونکہ یہ حالات بتلانے سے پہلے حضرت آمنہ نے دایہ حلیمہؓ سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں اپنے بچے کے حالات بتلاؤں۔ اس پر دایہ حلیمہ نے کہا کہ ضرور بتلایئے۔ ان جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ دایہ حلیمہ کو ان حالات کی اس زمانے میں خبر نہیں تھی جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس رہتے تھے۔ اب اشکال یہ ہے کہ پھر انہوں نے یہودیوں کو آنحضرت ﷺ کے متعلق کیسے بتلایا۔ اس کا جواب دیتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ حضرت آمنہ کا یہ پوچھنا کہ کیا میں تمہیں ان کے حالات بتلاؤں اور دایہ حلیمہ کا یہ جواب کہ ضرور بتلایئے اس دوسری روایت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے حضرت آمنہ کو یہ یاد نہ رہا ہو کہ وہ یہ باتیں پہلے بتلا چکی ہیں اور یا انہیں یہ خیال ہوا ہے کہ شاید حضرت آمنہ اس دفعہ کچھ اور زیادہ

تفصیلات بتلانے والی ہیں۔

اس دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے دایہ حلیمہ کو جو باتیں بتلائیں کہ حمل کے وقت مجھ میں سے ایک نور نکلا تھا ان کے اور آپ کے یتیم ہونے کے متعلق قدیم کتابوں میں ذکر ہو کہ یہ سب چیزیں اس نبی کی علامتیں ہیں جس کا دنیا میں انتظار ہے۔ واللہ اعلم۔

دایہ حلیمہؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کو عکاظ کے میلے میں لائیں۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ ایک مشہور میلہ تھا جہاں بازار لگا کرتا تھا۔ یہ طائف اور نخلہ کے مقام کے درمیان میں لگتا تھا۔ عرب کے لوگ جب حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزارتے (کھیل کود کے علاوہ) یہاں ہر شخص بڑھ چڑھ کر اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتا تھا۔ عکظ کے معنی ہیں فخر و غرور اور بڑائی بیان کرنے میں دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا۔ اس باز کو عکاظ اسی لئے کہا جاتا تھا کہ یہاں لوگ اپنی بڑائیاں بیان کرنے میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کیا کرتے تھے۔ بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ یہ میلہ بنی ثقیف اور قیس غیلان کا تھا۔

غرض جب دایہ حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر وہاں پہنچیں تو) کسی کاہن کی آپ پر نظر پڑی (اور اس کو آپ ﷺ میں نبوت کی وہ تمام علامتیں نظر آئیں) اس نے فوراً پکار کر کہا۔

"میلے والو! اس لڑکے کو قتل کر دو اس لئے کہ یہ ایک سلطنت کا بادشاہ بننے والا ہے"۔

دایہ حلیمہ اس کاہن کی یہ آواز سن کر (گھبرا گئیں) اور جلدی سے آنحضرت ﷺ کو لے کر اس راستے سے سرک گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت فرمائی۔

کتاب وفا میں ہے کہ: جب عکاظ کا میلہ شروع ہوا تو دایہ حلیمہ آنحضرت ﷺ کو لے کر قبیلہ ہُذیل کے ایک کاہن کے پاس آئیں۔ لوگ اس کاہن کو اپنے بچے دکھایا کرتے تھے (اور یہ ان کا چہرہ مہرہ دیکھ کر ان کے متعلق آئندہ کی باتیں بتلایا کرتا تھا جیسے ہی اس کی نظر آنحضرت ﷺ پر پڑی وہ ایک دم چلّایا۔

"اے بنی ہُذیل کے لوگو! اے گروہ عرب!..............."

اس کی آواز سن کر وہ سب لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے جو حج کے ارادہ سے آئے ہوئے تھے۔ کاہن نے ان لوگوں سے کہا۔

"اس بچے کو قتل کر دو.........."

دایہ حلیمہ یہ سنتے ہی نظر بچا کر وہاں سے نکل گئیں۔ اب لوگ چاروں طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ کس بچے کو قتل کرنے کو کہہ رہے ہو تو وہ کاہن کہتا کہ اس بچے کو (مگر اب وہاں چونکہ کوئی بچہ نہیں تھا، اس لئے لوگ حیران ہوتے رہے آخر لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے تو کاہن نے جواب دیا۔

"میں نے ابھی ایک لڑکا دیکھا۔ معبودوں کی قسم وہ تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ تم سب پر غالب آجائے گا۔" اب لوگ پھر آپ کو تلاش کرنے لگے مگر مایوس ہوئے۔

دایہ حلیمہ سے ہی روایت ہے کہ وہ جب آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس ہو رہی تھیں تو راہ میں ان کا گزر ذی المجاز کے میلے سے ہوا۔ یہ بھی زمانۂ جاہلیت کا ایک میلہ تھا جو عرفات سے ایک فرسخ کے (یعنی تھوڑے ہی) فاصلے پر تھا۔ اس سے پہلے ایک اور میلہ تھا جس کا م مجنہ تھا۔ جب عرب عکاظ کے میلے سے فارغ ہوتے تو

یہاں مجنہ کے بازار میں آتے اور یہاں ذیقعدہ کے مہینے کے بیس تاریخیں گزارتے، پھر یہاں سے ذی الحجاز کے بازار میں پہنچتے اور یہاں حج کے دنوں تک ٹھہرا کرتے تھے اس ذی الحجاز کے بازار میں ایک نجومی تھا جس کے پاس لوگ اپنے بچے لے کر آتے اور وہ ان کو دیکھ کر ان کی قسمت کی حال بتلاتا تھا (جب دایہ حلیمہؓ کا آپ ﷺ کے ساتھ یہاں سے گزر ہوا تو اس نجومی کی آپ نظر پڑی (ی) یعنی مہر نبوت اس کی نظر سے گزری اور ساتھ ہی آپ کی آنکھوں میں جو ایک (خاص قسم کی) سرخی تھی اس پر نظر پڑی۔ وہ یہ دیکھتے ہی ایک دم چلانے لگا۔

اے گروہ عرب! اس لڑکے کو قتل کر دو، یہ یقیناً تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور یہ تم لوگوں پر غالب ہوگا، یہ آسمان کی طرف سے ظاہر ہونے والے معاملات کو دیکھ رہا ہے۔"

پھر وہ آنحضرت ﷺ کی طرف جھپٹا جس کے نتیجہ میں وہ اسی وقت پاگل ہو گیا اور اسی دیوانگی میں مر گیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حبش کے عیسائیوں کی ایک جماعت کا آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزر ہوا۔ اس وقت آپ اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے ساتھ تھے جو آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس پہنچانے لا رہی تھیں اور آپ کا دودھ چھڑ لیا جا چکا تھا۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھا اور پھر آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت اور آپ کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے دایہ حلیمہ سے پوچھا۔

"کیا اس بچے کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے"؟

حضرت حلیمہؓ نے کہا کہ نہیں (تکلیف تو کوئی نہیں ہے) مگر یہ سرخی کسی وقت بھی آنکھوں سے ہٹتی نہیں۔ تب ان عیسائیوں نے کہا۔

"ہم اس بچے کو لے رہے ہیں، ہم اس کو اپنے ساتھ اپنے ملک اور وطن میں لے جائیں گے۔ یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے ہم اس کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں"۔

حضرت حلیمہ فوراً ان لوگوں سے بچ کر نکل گئیں اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

**آنحضرت ﷺ کے قلب اور باطن کی صفائی**...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ میں قبیلہ بنی سعد میں (دایہ حلیمہ کے پاس) دودھ پیتا تھا ایک روز جبکہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مکان کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا میرے پاس دو آدمی آئے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک سونے کا طباق تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ پھر ان دونوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور میرا دل باہر نکال لیا۔ پھر انہوں نے اس قلب کو بھی چاک کیا اور اس میں سے ایک سیاہ دانہ نکالا اور اس کو پھینک دیا۔ (ی) اور کہا کہ اے اللہ کے حبیب یہ شیطان کا حصہ تھا (اس سیاہ دانے کے متعلق جس کو عربی میں عَلَقہء سوداء کہتے ہیں بحث گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔ مزید کچھ تفصیل آگے کی سطروں میں آرہی ہے)

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ (ان دونوں آدمیوں نے قلب کو چاک کر کے اس میں سے) دو سیاہ دانے نکالے روایتوں کے اس فرق سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دانہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہو۔

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ ان دونوں نے قلب میں سے شیطان کی جگہ نکالی۔ اس سے وہی

شیطان کا حصہ مراد ہے جیسا کہ پچھلی روایت میں ذکر ہوا۔

پچھلی روایت میں (جہاں آنحضرت ﷺ نے دایہ حلیمہ کو یہ واقعہ بتلایا ہے اس میں ہے کہ ان دونوں آدمیوں نے میرا پیٹ پاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کر کے نکالی اور اسے پھینک دیا یہ بتلا کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی۔ روایتوں کے اس اختلاف کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے (اس وقت تک آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر نہ دی ہو اور پھر) جب آپ اس کا علم ہو گیا تو آپ نے دوسروں کو یہ بات بتلائی۔

گزشتہ روایت میں شیطان کی جگہ سے مراد شیطان کا مرکز ہے یعنی وہ جگہ جہاں شیطان کی طرف سے غلط باتیں ڈالی جاتی ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب میں یہ عَلَقہ سوداء یعنی سیاہ دانہ پیدا کیا ہے جو شیطانی وسوسوں کا گھر ہوتا ہے اس کو آنحضرت ﷺ کے قلب سے نکال دیا گیا اور اس طرح آپ کے جسم مبارک میں ایسی کوئی جگہ نہیں رہی جہاں شیطان کوئی وسوسہ ڈال سکے (یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ اس سیاہ دانے کے ساتھ آپ کو پیدا کرنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کی تخلیق مکمل ہو اس میں کوئی کمی اور نقص نہ ہو)

بعض حضرات کی عبارتوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت (جبکہ یہ سیاہ دانہ آپ میں موجود تھا اس وقت) یہ شیطان کا مقام تھا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے اس شیطان کی جگہ کے نکالے جانے سے پہلے آپ ﷺ کے جسم اطہر میں شیطان کی پہنچ تھی۔

امام سبکیؒ نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ شیطانی وسوسوں کو سمونے والی جگہ کے موجود ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسی وقت اس میں شیطانی وسوسے بھی پائے جاتے ہوں۔

امام سبکیؒ سے سوال کیا گیا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے جیسی شریف و عظیم ذات میں ایسی چیز کو پیدا ہی کیوں کیا (جو شیطانی وسوسوں کا مرکز بن سکتی ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شیطان کی جگہ کو پیدا ہی نہ فرماتے۔

امام سبکیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عَلَقۂ سوداء یعنی شیطان کا حصہ انسان کے بدن کا ایک لازمی جز ہے اس واسطے............ اس کو آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں پیدا تو اس لئے کیا گیا تاکہ آپ کی تخلیق اور جسمانی بناوٹ مکمل ہو اور اس کو بعد میں نکال اس لئے دیا گیا تاکہ آنحضرت ﷺ کی عظمت و کرامت ظاہر ہو۔ (ی) یعنی تاکہ اس طرح مخلوق کے سامنے آپ کی عظمت و معصومیت اور بلندی ظاہر ہو اور جس طرح آپ کے باطن کا کمال لوگوں کے سامنے تھا اسی طرح آپ کے ظاہر کا کمال بھی سامنے رہے۔ (ی) نیز یہ کہ اگر آنحضرت ﷺ کو اس سیاہ دانے کے بغیر پیدا کیا جاتا تو آپ کا یہ اعزاز اور کرامت سامنے نہ آتی جواب آئی (کہ اللہ تعالیٰ نے دو بزرگ فرشتوں کو آپ کے پاس بھیجا جنہوں نے آپ کا سینہ چاک کر کے اس سیاہ دانے کو جسم مبارک سے نکال دیا اور اس کے نتیجے میں اس معجزے کو دیکھنے اور سننے والوں کے دل آنحضرت ﷺ کی عظمت سے بھر گئے۔

(یہ بحث پیچھے بھی گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق کو مکمل رکھنے کے لئے اگر جسم مبارک میں یہ سیاہ دانہ رکھا گیا تو اعتراض ہوتا ہے کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے جس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جھلی کے بغیر پیدا ہوئے جو ختنہ کے وقت کاٹی جاتی ہے اور جس کے ساتھ ہر انسان پیدا ہوتا ہے تو یہاں بھی

تخلیق اور جسمانی بناوٹ کے مکمل یا نامکمل ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں فرق ہے کہ عضوِ تناسل کی اس جھلی کو بعد میں ختنہ کے وقت کاٹنا ہوتا ہے اور اس وقت اس کی وجہ سے مرد کے جسم کے پوشیدہ حصے دوسروں کے سامنے آتے ہیں جس سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ اب دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی جسمانی بناوٹ میں اگر یہ کوئی نقص اور کمی تھی تو یہی آپ ﷺ کی تخلیق میں زبردست کمال تھا (کہ اس نقص اور کمی کی وجہ سے آپ اس بے پردگی سے محفوظ رہے جس کا تقریباً ہر شخص کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اس جھلی کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ ایسے تھے جیسے ایک ختنہ شدہ آدمی ہوتا ہے اور اسی لئے آپ کی ختنہ کرانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اس بارے میں تفصیلی بحث گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے کہ آپ کی ختنہ کرائی گئی یا نہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی ختنہ کرائی تھی۔ ان روایتوں کے متعلق تفصیل جلد اول میں دیکھی جا سکتی ہے)

علامہ سہیلیؒ نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے قلب میں سیاہ دانہ تھا۔ انہوں نے لکھا ہے :۔

"چونکہ عیسیٰؑ انسان کی منی سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ حضرت جبرئیلؑ کے پھونک مار دینے سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شیطان کی اس جگہ سے محفوظ رہے (یعنی انسان کے قلب میں جو سیاہ دانہ ہوتا ہے وہ حضرت عیسیٰؑ میں نہیں تھا کیونکہ وہ انسانی مادّہ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے پیدا ہوئے اس لئے ان کے قلب میں شیطان کی یہ جگہ نہیں تھی) پھر مزید کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ پر حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ شیطان کی یہ جگہ آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر میں سے نکال دی گئی تھی۔ یہاں تک علامہ سہیلیؒ کا کلام ہے۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ سیاہ دانہ وہ جگہ ہوتی ہے جس میں شیطان ایسی باتیں ڈالتا ہے جو مناسب نہیں ہوتیں اور یہ سیاہ دانہ ہر انسان میں پیدا کیا جاتا ہے جن میں عیسیٰؑ کے بھی تھا اور ان کے علاوہ ہر ایک کے ہوتا ہے لیکن سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی کے قلب میں سے اس کو نہیں نکالا گیا۔

(اس بارے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سیاہ دانہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں جب پیدائش کے وقت موجود تھا تو اس کا مطلب ہے کہ اس وقت جسم مبارک میں شیطان کے لئے راستہ اور جگہ موجود تھی۔ اس کا جواب امام سبکیؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ کسی ایسی جگہ کے موجود ہونے سے جس میں شیطانی وسوسے ڈالے جا سکتے ہوں یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں اسی وقت یہ وسوسے موجود بھی رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرت ﷺ کی حفاظت مقصود تھی تو شیطان کر قلب مبارک میں وسوسے ڈالنے کی کیا مجال ہو سکتی تھی۔ اگر حق تعالیٰ...... اس سیاہ دانے کو قلب مبارک سے نہ نکالتے تب بھی اس حفاظت کے سامنے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں شیطان کو وسوسے ڈالنے کی طاقت نہیں تھی لیکن جیسا کہ بیان ہوا اس واقعہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ کی عظمت ظاہر فرمانی مقصود تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سیاہ دانے کے بغیر بھی پیدا فرما سکتا تھا لیکن اگر آپ اس کے بغیر پیدا ہوئے ہوتے تو کرامت و عظمت کا یہ اظہار نہ ہوتا)

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ

ان دونوں آدمیوں نے پھر میرے قلب سے وہ سیاہ دانہ نکال کر پھینک دیا پھر انہوں نے اس برف سے میرا قلب دھویا۔ (ی) جو کہ ایک سنہری طباق میں اس کے ساتھ تھا۔ غرض انہوں نے میرے قلب کو دھو کر بالکل پاکیزہ و صاف کر دیا۔ (ی) ایک روایت میں ہے کہ اور اس کو حکمت اور ایمان سے بھر دیا۔

(ی) ایک روایت میں ہے کہ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے سکینت (یعنی وقار و اطمینان) دو۔ اور پھر اس نے وہ سکینت میرے قلب میں ڈال دی۔ جس سکینت یعنی وقار و اطمینان کا یہاں ذکر ہے ممکن ہے یہ وہی حکمت و ایمان ہو جس کے متعلق دوسری روایت میں گزرا ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سکینت یعنی وقار و اطمینان دوسری ہی چیز رہی ہو۔

اس گزشتہ روایت میں اور آنے والی روایت میں کہا گیا ہے کہ وہ طشت یا طباق (جو ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تھا) وہ سونے کا تھا جبکہ اس سے پچھلی روایت میں ہے کہ وہ سبز زمرّد کا تھا۔ اس بارے میں ضرورت ہے کہ روایتوں میں موافقت پیدا کی جائے اس کا آگے ذکر کیا جارہا ہے۔

ایسے ہی آنے والے روایت میں ہے کہ برف ایک طشت یعنی طباق میں تھا اور اس سے پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا ایک برتن تھا (یعنی ابریق جو ٹونٹی دار برتن کو کہا جاتا ہے) یہاں بھی دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہے کیونکہ دایہ حلیمہ کے پاس رہتے ہوئے پیش آنے والا واقعہ ایک ہی ہے۔

آپ کے قلبِ مبارک کو برف سے دھونے میں حکمت یہ ہے کہ دل میں یقین اور ایمان کی ٹھنڈک پیدا کر دی گئی یہ علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے سونے کا طشت ہونے میں جو حکمت ہے اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(اس کے بعد اسی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہوں نے میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت رکھ دی جیسے کہ وہ اب بھی موجود ہے (پچھلی روایتوں میں مُہرِ نبوّت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے)

(سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ صفحات میں ایک حدیث ذکر ہوئی ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک بڑے شیخ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ سوالات کئے اور پوچھا کہ آپ نے پیغمبری کا جو دعویٰ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کے سوالات پسند آئے اور آپ نے تفصیل سے اس کو جواب دیا۔ ان صفحات کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اس کا آخری اور مکمل حصہ رضاعت (یعنی دودھ پینے کے بیان میں آئے گا) یہ آنحضرت ﷺ کے اسی جواب کا بقیہ حصہ ہے جو آپ نے بنی عامر کے بھائی کو دیا ہے۔

جب میں قبیلہ بنی سعد میں (دایہ حلیمہ کے پاس) دودھ پیتا تھا تو ایک دن میں گھر والوں سے علیحدہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ وادی میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس تین آدمی آئے ان کے ساتھ سونے کا ایک طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا وہ لوگ مجھے میرے ساتھیوں کے بیچ میں سے پکڑ کر لے گئے۔ میرے ساتھی (یہ دیکھ کر) بھاگتے ہوئے وادی کے کنارے پر آئے۔ اس کے بعد وہ ان تینوں آدمیوں کے سامنے آئے اور بولے۔

آپ اس لڑکے سے کیا چاہتے ہیں یہ ہم میں سے نہیں ہے بلکہ یہ سردار قریش کا بیٹا ہے۔ یہ ہمارے

قبیلہ میں دودھ پیتا ہے یہ یتیم ہے اس کے باپ نہیں ہیں اس لئے اس کو قتل کرنے سے آپ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اگر آپ کسی نہ کسی کو قتل کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہم میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیجئے وہ اس قریشی کے بدلے آپ کے سامنے آجائے گا آپ اسے قتل کر دیں مگر اس لڑکے کو چھوڑ دیجئے کیونکہ یہ یتیم ہے۔

مگر بچوں نے دیکھا کہ وہ لوگ کوئی جواب ہی نہیں دیتے تو وہ بھاگتے ہوئے بستی میں گئے اور پکار پکار کر انہیں واقعہ بتلانے لگے اور چیخنے لگے۔

ادھر ان تینوں آدمیوں میں سے ایک میری طرف بڑھا اور اس نے مجھے آہستہ سے زمین پر لٹا دیا۔ پھر اس نے میرا سینہ پیٹ تک چاک کیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر مجھے معمولی سا بھی احساس اور تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر اس نے میرے پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں (حدیث میں "احشاء بطنی" کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پیٹ کے اندر کی چیزیں احشاء عربی میں پسلیوں کے یا پیٹ کے اندر کی چیزوں کو اور آنتوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے جنہیں اس شخص نے نکالا) اور ان کو اس برف سے خوب اچھی طرح دھویا (جو وہ سونے کے طشت میں لے کر آئے تھے) پھر انہوں نے ان کو واپس ان کی جگہ پر رکھ دیا"۔

پچھلی روایتوں میں پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالنے اور ان کو دھوئے جانے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ پیٹ اور سینے کے اندر کی چیزوں میں قلب بھی شامل ہے (یعنی اس حدیث میں قلب کا ذکر خاص طور سے نہیں کیا گیا پیٹ اور سینے کے اندر کی چیزوں کا ذکر ہے جس میں قلب بھی شامل ہے)

(پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں) ان میں سے دوسرے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ وہ ہٹ گیا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں ڈالا اور میرا دل باہر نکالا جبکہ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر اس نے دل کو پھاڑا یعنی کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکالا جس کو پچھلی سطروں میں سیاہ دلنہ لکھا گیا ہے اور اس کو پھینک دیا، پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کوئی چیز پکڑ رہا ہے اچانک اس کے ہاتھ میں نور کی ایک مہر نظر آئی جو ایسی چمک رہی تھی کہ اس پر نظریں نہیں ٹھہرتی تھیں پھر اس نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی۔ (ی) یعنی دل کو دوبارہ جوڑ دینے کے بعد (اس مہر کے لگنے سے دل نور سے بھر گیا۔ یہ نور نبوت اور حکمت کا نور تھا۔ پھر اس نے دل کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔ میں ہمیشہ اس مہر کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا ہوں"۔

## مُہرِ نبوّت

## نیز قلب مبارک کا مہر زد کیا جانا

پچھلی روایت میں لفظ نور نبوت اور حکمت کے بجائے یہ ہے کہ پھر اس نے دل کو حکمت اور ایمان سے بھر دیا اور وقار و اطمینان اس میں ڈال دیا (اسی طرح دل میں مہر کی ٹھنڈک محسوس کرنے کے بجائے) ایک روایت میں ہے کہ میں اب تک رگوں اور جوڑوں میں اس مہر کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: شیخ نجم الدین الغیطی نے مغازی ابن عائذ سے اس حدیث کے تحت جو نبی

عامر کے شیخ کے متعلق ہے یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

پھر وہ فرشتہ سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک مہر تھی جس سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، پھر اس فرشتے نے وہ مہر آنحضرت ﷺ کے دونوں مونڈھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں لگادی۔" روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

پچھلی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس فرشتے نے پھر میرے دل کو چیرا (یعنی کھولا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کو فرشتے نے ہاتھ سے چیرا کسی آلے یعنی اوزار کی مدد سے چاک نہیں کیا۔ تو اب گویا چاک کرنے سے مراد یہ ہوگی کہ آپ کا قلب بغیر کسی آلے کے چیر اگیا یعنی کھولا گیا۔ اس روایت میں دل کو حکمت اور ایمان سے بھر دینے پر اس میں اطمینان اور وقار ڈال دینے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔ اس سے پچھلی روایت میں ہے کہ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں تھی۔ اور ابن عائذ کی روایت میں ہے کہ دونوں مونڈھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں تھی۔ ان میں مطابقت کی ضرورت ہے۔ نیز بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر لگانے والے حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

خَتمَہٗ یُمْنَیَ الاَمِیْنُ

اس سلسلے میں ضروری تفصیل آگے آئے گی مگر اس واقعہ میں نہیں بلکہ دوسرے واقعہ کے تحت میں آئے گی واللہ اعلم۔

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اسی ارشاد کا بقیہ حصہ نقل کرتے ہیں کہ ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"پھر تیسرے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ۔ وہ ہٹ گیا تو اس نے میرے سینے سے پیٹ تک اپنا ہاتھ پھیرا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چاک اور پھٹن برابر ہوگئی اور پھر اس نے اس پر مہر لگائی"۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب اسے سی دو۔ چنانچہ اس نے سی دیا

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ کہا جاتا ہے کہ سی دینے کا مطلب ہے کہ گوشت سے بھر دیا۔ چنانچہ دوسرے نے اسے سی دیا یعنی گوشت سے بھر دیا۔ یعنی اس چاک پر اپنا ہاتھ پھیرا جس سے وہ جگہ گوشت سے بھر کر برابر ہوگئی۔ اب یہ بات پچھلی روایت کے خلاف نہیں رہی ( جس میں سی دینے کے بجائے چاک کو برابر کر دینے کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک حدیث صحیح میں اس کے متعلق جو لفظ ہیں وہ بھی اس روایت کے بعد صاف ہو جاتے ہیں (وہ لفظ یہ ہیں کہ )

"آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر سلائی (یعنی ٹانکوں) کا نشان نظر آتا تھا"۔

کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ ایسے نشان نظر آیا کرتے تھے جیسے سلائی کے نشان ہوتے ہیں۔ یہ حضرت جبرئیلؑ کے ہاتھ پھیرنے کا اثر تھا جو آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر نظر آتا تھا۔ یہ تفصیل پچھلی

روایتوں میں بیان نہیں کی گئی ہے۔
(پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس چاک کو برابر کردینے کے بعد) انہوں نے اس پر مہر لگائی۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مہر آپ کے سینہ پر تھی۔ یہی بات ابن عائذ نے بھی کہی ہے کہ مہر آپ کی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں تھی۔ مگر اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں مونڈھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں مہر تھی۔ ادھر یہ بھی ایک روایت گزری ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔
ان سب روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے مہر ان سب جگہوں پر رہی ہو یعنی آپ کے قلب مبارک میں بھی ہو، سینہ پر بھی رہی ہو اور دونوں مونڈھوں کے درمیان میں بھی ہو۔ تو گویا دل میں اس لئے مہر لگائی گئی کہ اس میں جو کچھ حکمت و ایمان ہے اس کی حفاظت ہو۔ پھر سینے اور مونڈھوں پر بھی اسی کی اور زیادہ حفاظت کے لئے مہریں لگائی گئی ہوں کیونکہ تمام جسم کے مقابلہ میں سینہ دل کا زیادہ قریبی ظرف اور خانہ ہے (یعنی جس میں دل رکھا ہوا ہے) پھر اس کے لئے دونوں مونڈھوں کے بیچ کی جگہ اس لئے چنی گئی کہ باقی جسم کے مقابلہ میں یہ حصہ دل سے زیادہ قریب ہے (جس کی حفاظت کرنی ہے)
اس روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے ایک بات کتاب شفاء میں بھی لکھی ہے۔ وہ یہ کہ (اصل مہر آپ ﷺ کے سینہ پر تھی) اب رہی مونڈھوں کے درمیان کی مہر تو وہ اسی سینے کی مہر کا اثر اور نشان تھا۔ مگر پہلی بات جو اوپر ذکر ہوئی وہ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ "پھر اس نے میرے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں مہر لگائی"۔
اس روایت میں دل میں مہر رکھے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ ادھر یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے کہ سینے سے دل مراد لیا جائے (یعنی یہ کہا جائے کہ سینہ کہنے سے آپ کا مقصود دل ہے) کیونکہ اس صورت میں اس روایت میں سینے کی مہر کا معاملہ ختم ہو جائے گا (جبکہ صاف لفظوں میں اسی کا ذکر ہے)
اسی بات کا ایک جواب علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی دیا ہے کہ ممکن ہے مہر قلب پر ہی ہو مگر اس کا نشان اور اثر آپ ﷺ کی کمر پر بائیں مونڈھے کے پاس ظاہر ہو گیا ہے اس لئے کہ دل بائیں طرف ہی ہوتا ہے مگر اس جواب سے بھی وہی پہلی بات زیادہ اچھی اور دل لگتی ہے کیونکہ ان دونوں جوابوں میں یہ اشکال ہے کہ آپ کے بائیں مونڈھے کے قریب جو مہر تھی وہ تو وہ مہر نبوت تھی جو پیدائشی تھی اور جو آپ ﷺ کی نبوت کی ایک علامت اور نشانی تھی (یعنی مہر نبوت کے ساتھ تو آپ پیدا ہوئے تھے جو آپ کے بائیں مونڈھے کے قریب تھی اور جو آپ کی نبوت کی ایک پیدائشی علامت تھی۔ اور جو مہر آپ کا سینہ چاک کئے جانے کے وقت لگائی گئی وہ مہر نبوت نہیں تھی بلکہ وہ اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لئے بعد میں لگائی تھی اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ بعد والی مہر دل پر لگائی گئی اور اس کا نشان آپ کے بائیں مونڈھے پر ظاہر ہو گیا تو یہ بات غلط ہو جائے گی کیونکہ جو مہر بائیں مونڈھے پر تھی وہ کسی اندرونی مہر کا نشان نہیں تھی بلکہ وہ تو پیدائشی تھی اور مہر نبوت تھی) یہی بات صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔
کتاب خصائص صغریٰ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی کمر پر مہر نبوت ٹھیک دل کے مقابلے میں لگائی گئی جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوا دوسروں کے بدن میں گھستا ہے (یعنی بائیں طرف تھی) جبکہ دوسرے تمام پیغمبروں کی مہر نبوت ان کی کمر پر دائیں طرف تھی۔ چنانچہ کتاب

مستدرک میں وہب ابن منبّہ کی روایت ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی پیدا فرمائے ان سب کی نبوت کی علامت ان کے دائیں ہاتھ میں تھی (یعنی دائیں ہاتھ کے مونڈھے کے قریب تھی) لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانی آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں تھی۔" یہاں تک وہب ابن منبّہ کا قول ہے۔

لیکن میں نہیں جانتا کہ دوسرے پیغمبروں کی نبوت کی یہ نشانیاں کیا تھیں۔

علامہ شہاب قسطلانی نے کتاب خصائص کے حاشیہ میں لکھاہے :۔

"یہ قول کہ مہر نبوت آپ کی کمر پر (ٹھیک دل کے مقابلے میں لگائی گئی جہاں سے شیطان آپ ﷺ کے سوادوسروں کے بدن میں گھستاہے) ماننا شکل ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو جاتاہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوادوسرے نبیوں کے جسموں میں شیطان کے داخل ہونے کاراستہ مہر بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس قول کو ماننے سے جو غلط مطلب نکلتاہے وہ ظاہر ہے۔ اس سے زیادہ غلط اور بے سر وپابات اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں تک قسطلانی کا کلام ہے۔

(مؤلف اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) یہ جو قول ہے کہ "جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوادوسروں کے بدن میں گھستا ہے۔" اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوااور دوسرے نبیوں کو چھوڑ کر آدمی کے بدن میں گھستاہے۔ کیونکہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام پیغمبر شیطان سے پوری طرح محفوظ ہیں اور معصوم ہیں اور ان تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت بخشی گئی ہے کہ شیطان کے داخل ہونے کے اس راستے کو مہر بند بھی کر دیا گیا تاکہ شیطان سے اور زیادہ حفاظت ہو اور آپ کے جسم مبارک کی طرف وہ لالچ بھی نہ کر سکے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

(اوپر کی سطروں میں شق صدر کے وقت کی مہر کے بارے میں دو قول بیان کئے گئے ہیں کہ یہ مہر اصل میں دل پر لگائی گئی تھی اور اسی کا نشان کمر پر دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر تھی وہ تو وہ مہر نبوت تھی جو آپ کے بدن مبارک پر پیدائشی تھی) مگر اس پر بھی یہ کہا جاسکتاہے کہ بعض علماء تو یہی مانتے ہیں کہ مہر نبوت پیدائشی نہیں تھی بلکہ بعد میں لگائی گئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی عیاضؒ کے جو قول اوپر بیان ہوئے وہ اسی بنیاد پر ہوں کہ مہر نبوت (پیدائشی نہیں تھی بلکہ) بعد میں دل پر لگائی گئی اور اس کا نشان کمر پر ظاہر ہو گیا۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مہر نبوت پیدائشی نہیں تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد لگائی گئی (تو بھی یہ شق صدر کی مہر سے پہلے کی ہے کیونکہ) ابو نعیم سے ان کی کتاب دلائل النبوہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو (ایک) فرشتے نے آپ کو تین بار پانی میں نہلایا اس کے بعد اس نے ایک سفید ریشمی تھیلی نکالی اس میں ایک مہر تھی جسے اس نے ایک صاف ستھرے انڈے کی طرح آپ کے مونڈھے پر لگادیا۔

اس روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مہر نبوت اس شق صدر کی مہر کا نشان نہیں تھی (کیونکہ اول تو اس روایت میں صاف بیان ہے کہ مہر نبوت دونوں مونڈھوں کے بیچ میں لگائی گئی اور دوسرے یہ کہ شق صدر کا

واقعہ اور اس وقت لگائی جانے والی مہر آپ کی ولادت کے بہت بعد کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ حلیمہؓ کے پاس تھے اور پاؤں چلنے لگے تھے)

علامہ سہیلیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہر ہی مہر نبوت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جو آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے زمانے کی ہے اور شق صدر (سینہ چاک کئے جانے) کے واقعہ کے متعلق ہے اس سے واقعہ زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے یعنی مہر نبوت کے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ آپ کے جسم مبارک پر پیدائشی ہے یا آپ کی پیدائش کے فوراً بعد لگائی گئی یا آپ کو نبوت ملنے کے وقت لگائی گئی۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ وہ کب لگائی گئی، کیسے لگائی گئی اور کس نے لگائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم میں برکت عطا فرمائے۔ یہاں تک علامہ سہیلیؒ کا کلام ہے۔ (یعنی ابو نعیم کی اس روایت میں مہر نبوت کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے علامہ سہیلیؒ کے نزدیک یہ آنحضرت کی پیدائش کے وقت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ حلیمہ کے یہاں رہتے تھے اور وہاں شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا)۔

اس بارے میں علامہ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ :۔

وہ تمام حدیثیں جن میں سینہ چاک کئے جانے اور مہر لگائے جانے کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ کے جسم مبارک پر آپ کی ولادت کے وقت موجود نہیں تھی بلکہ یہ پہلی بار اسی وقت رکھی گئی جبکہ دایہ حلیمہ کے پاس رہنے کے زمانے میں آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور اسی وقت مہر لگائی گئی) یہ بات ان علماء کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مہر نبوت آپ کے جسم میں پیدائشی تھی یا یہ کہ اس وقت رکھی گئی جب آپ پیدا ہوئے۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔

مگر اس سلسلے میں ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ مہر نبوت اور چیز ہے اور سینہ چاک کئے جانے کے وقت جو مہر لگائی گئی وہ دوسری چیز ہے (یعنی مہر نبوت نہیں تھی) یہ بات زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا ماننے میں دونوں قول مان لئے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتے (کیونکہ اس طرح یہ قول کہ مہر پیدائشی تھی یوں صحیح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد مہر نبوت ہے اور یہ قول کہ مہر پیدائشی نہیں تھی بلکہ شق صدر کے وقت لگائی گئی یوں درست ہو جاتا ہے کہ یہ مہر نبوت نہیں تھی بلکہ یہ مہر اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لئے لگائی گئی تھی جو آپ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا تھا اس طرح دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں یعنی درست قرار پا جاتے ہیں) اور دونوں قول جمع کر دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ مہر نبوت کے پیدائشی ہونے کے قول کو کمزور کہا جائے۔

پھر اگر یہ مانا جائے کہ شق صدر کے وقت لگائی جانے والی مہر ہی مہر نبوت ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مہر نبوت کئی جگہ تھی یعنی دونوں مونڈھوں کے بیچ میں بھی تھی، سینہ پر بھی تھی اور قلب مبارک پر بھی تھی۔

اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اعتراض کو پہلے ہی صاف کیا جا چکا ہے کہ آپ کے مونڈھوں کے درمیان جو مہر تھی وہ آپ کے دل اور سینے کی مہر کا ہی نشان تھا۔ کیونکہ ابو نعیم کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس سے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے (اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں مہر رکھی گئی (یعنی وہ کسی دوسری چیز کا نشان نہیں تھی بلکہ خاص اسی جگہ مہر رکھی گئی تھی) اس کے علاوہ بعض ایسی روایتیں بھی گزر چکی ہیں جن میں صاف ذکر ہے کہ (شق صدر کے وقت) فرشتہ آیا اس کے ہاتھ میں مہر تھی جسے اس نے آپ کے دونوں مونڈھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں رکھ دیا۔

پھر یہ کہ (اگر شق صدر کی مہر کو ہی مہر نبوت مانا جائے تو) یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ مہر آپ کی نبوت کے وقت بھی لائی گئی اور پھر معراج کے وقت بھی لائی گئی۔ کیونکہ نبوت کے واقعہ میں بھی ذکر ہے کہ (فرشتے نے آکر) مجھے اس طرح الٹا کر دیا جیسے برتن کو الٹا کر دیا جاتا ہے اور پھر میری کمر میں مہر رکھ دی۔ ان دونوں روایتوں سے بھی یہ قول غلط ہو جاتے ہیں کہ آپ کی کمر اور دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر تھی وہ اس مہر کا نشان تھی جو آپ کے سینے اور قلب میں موجود تھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبوت اور معراج کے واقعہ میں جس مہر کا ذکر ہے وہ مہر نبوت نہیں ہے بلکہ مہر نبوت تو اسی مہر کا نشان اور اثر ہے جو آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں آپ کے سینے اور قلب میں لگائی گئی تھی۔ پھر نبوت اور معراج دونوں کے موقعوں پر اسی نشان پر دوبارہ مہر لگائی گئی۔

مگر اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک ہی جگہ پر بار بار مہر لگائے جانے کے کیا معنے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا مقصد حفاظت میں زیادتی ہے کیونکہ یہ زیادتی تو اس طرح ہوتی کہ کئی جگہ مہر لگائی جاتی جہاں ایک بار مہر کے ذریعہ حفاظت کی جاچکی ہے وہاں دوبارہ اور سہ بارہ لگانے کا کیا مطلب!

پھر یہ بات (کہ مہر نبوت صرف اس مہر کا عکس اور نشان تھی جو دایہ حلیمہ کے یہاں آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں لگائی تھی) خود ان ہی لوگوں کے اس قول کے خلاف ہو جاتی ہے کہ تینوں جگھوں پر مہر نبوت لگائی گئی تھی (جس کا مطلب ہے کہ فرشتے کے پاس جو مہر تھی اس سے انہوں نے تینوں جگھوں پر ٹھپّہ لگایا) حالانکہ معراج کے واقعہ میں جو قول ذکر ہے ...... کہ پھر اس فرشتے نے مہر نبوت کی مہر آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں لگادی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں رکھ دیا گیا تھا اور نہ مہر نبوت سے محض ٹھپّہ لگانے کے کوئی معنے نہیں ہوتے۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر مہر نبوت اور دوسری مہروں کو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں مانا جائے تو حدیث کے اس لفظ کا کیا مطلب ہوگا کہ پھر مہر نبوت سے مہر لگائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ خود آنحضرت ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ روایت بیان کرنے والے کے الفاظ ہیں پھر یہ کہ ممکن ہے کہ اس لفظ سے راوی کی مراد یہ ہو کہ "پھر مہر نبوت کے ساتھ مہر لگائی گئی۔" (کیونکہ عربی میں دونوں باتیں ایک ہی طرح کہی جاتی ہیں صرف کہنے والے کی مراد کا فرق ہو سکتا ہے)

اس بحث کے بعد پھر اسی حدیث کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اپنے شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں کہ ان تینوں فرشتوں میں سے تیسرے نے میرے قلب میں سے سیاہ دلنہ نکالے جانے کے بعد سینے کے چاک پر ہاتھ پھیرا جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چاک برابر ہو گیا اور پھر اس نے اس پر مہر لگائی) پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بہت آہستگی کے ساتھ اس جگہ سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ پھر اس تیسرے نے اسی پہلے فرشتے سے کہا جس نے میرا سینہ چاک کیا تھا کہ اب ان کو ان کے بیس امتیوں کے مقابلے میں تولو، چنانچہ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان بیس پر بھاری رہا۔ پھر اس نے کہا کہ اب سو امتیوں کے مقابلے میں وزن کرو۔ اس نے پھر وزن کیا تو میں ان سو پر بھی بھاری رہا۔ پھر اس نے کہا کہ اب ایک ہزار امتیوں کے مقابلے میں تولو۔ اس نے اب ایک ہزار کے مقابلے میں میرا وزن کیا تو میں ان ایک ہزار پر بھی بھاری رہا۔ اس نے کہا کہ بس اب چھوڑ دو اس لئے کہ اگر تم ان کو ان کی پوری امت کے مقابلے میں بھی وزن کرو

گے تو یہ ان سب پر بھاری رہیں گے۔ اس کے بعد ان تینوں فرشتوں نے مجھے اپنے اپنے سینوں سے لگایا اور میری آنکھوں کے بیچ میں میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اے خدا کے حبیب! گھبرائیے نہیں۔ اگر آپ یہ جان لیں کہ آپ سے کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بعض روایتوں میں یوں ہے کہ (سب سے پہلے اس فرشتے نے بیس امتیوں کے بجائے) دس امتیوں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کا وزن کئے جانے کے لئے کہا تھا اور اس کے بعد سو کے مقابلے میں) گویا اس روایت میں بیس کا ذکر چھوڑ دیا گیا اور اس روایت میں دس کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(قال) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (یعنی آپ ﷺ اور وہ تینوں فرشتوں) اسی حالت میں تھے کہ اچانک بستی کے لوگوں کا مجمع وہاں پہنچ گیا ان میں آگے آگے میری دایہ یعنی حضرت حلیمہؓ تھیں جو بہت زور زور سے چیخ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں

"ہائے بے چارہ..........."؟

یہ سن کر وہ تینوں فرشتے مجھ پر جھکے اور انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور انہوں نے میرا سر اور میری پیشانی چومی اور بولے۔

"اے خوشا کہ آپ بے چاروں میں سے ہیں"۔

پھر میری دایہ نے کہا۔

"ہائے (میرا بچہ) کیسا اکیلا رہ گیا"۔

ان فرشتوں نے پھر مجھے اپنے سینوں سے لگالیا اور میرا سر اور پیشانی چوم کر کہا۔

اے خوشا آپ اکیلوں میں سے ہیں آپ اکیلے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہیں اور اس کے فرشتے اور زمین والوں میں مومنین آپ کے ساتھ ہیں"۔

پھر میری دایہ نے کہا۔

"ہائے یہ یتیم اور بے کس بچہ .......... اپنے ساتھیوں میں تو ہی سب سے کمزور تھا اور اپنی کمزوری کے سبب ہی تو قتل کر دیا گیا"۔

یہ سن کر ان فرشتوں نے پھر مجھے اپنے سینوں سے لگالیا اور میرا سر اور پیشانی چوم کر کہنے لگے۔

"اے خوشا کہ آپ یتیموں میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا کتنا اکرام اور اعزاز ہے۔ اگر آپ جان لیں کہ آپ کے ذریعہ کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں"۔

**کاہن کا خوف**...... اب بستی کے لوگ وادی کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ جب میری ماں یعنی میری دایہ نے مجھے (قریب پہنچ کر) دیکھا تو (خوش ہو کر) بولیں کہ میں تو تمہیں زندہ ہی دیکھ رہی ہوں۔ پھر وہ میرے پاس آکر مجھ پر جھک پڑیں اور مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔ پس قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ان کی (یعنی دایہ حلیمہ کی) گود میں تھا جنہوں نے مجھے لپٹا رکھا تھا مگر میرے ہاتھ ان فرشتوں کے ہاتھوں میں تھے لیکن دوسروں کو اس کی خبر نہیں تھی یعنی ان کو نظر نہیں آرہا تھا (کہ میرے ہاتھ فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں) پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص آگے آیا اور کہنے لگا۔

اس لڑکے پر اثر ہو گیا ہے یعنی جنون کا اثر ہو گیا ہے یا کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ اسے کسی کاہن کے پاس لے چلو تاکہ وہ اسے دیکھ لے اور اس کا علاج کرلے"

میں نے (یہ سن کر) کہا۔

"تم جو کہہ رہے ہو ان میں سے مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میرے (بدن کے) تمام اعضاء بالکل صحیح سالم ہیں اور میرا دل بھی بالکل ٹھیک ہے مجھے کوئی بیماری نہیں ہے کہ کسی کو دکھانے کی ضرورت ہو"۔

میرے والد یعنی میری دایہ کے شوہر نے (یہ سن کر) کہا۔

"کیا تم لوگ نہیں دیکھ رہے ہو کہ اس کی بات چیت بالکل ٹھیک ہے مجھے یقین ہے کہ میرے بچے کو کوئی بیماری نہیں ہے"۔

مگر سب لوگوں کا فیصلہ یہی ہوا کہ مجھے کاہن کے پاس لے چلیں چنانچہ جب وہ لوگ مجھے لے کر وہاں پہنچے اور میرا واقعہ اس کو بتلایا تو اس نے کہا۔

"تم لوگ چپ رہو تاکہ میں خود اس لڑکے سے سنوں اس لئے کہ وہ اپنا معاملہ تم سے زیادہ خود جانتا ہے"

پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اس کو شروع سے آخر تک ساری بات بتلائی (واقعہ سن کر) وہ ایک دم کھڑا ہوا اور جلدی سے مجھے اپنے سینے سے بھینچ لیا اس کے بعد وہ بلند آواز کے ساتھ پکارنے لگا۔

"اے عرب والو...... اے عرب والو!! اس آفت سے بچو جو سر پر آگئی ہے، اس لڑکے کو قتل کردو اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی قتل کر ڈالو، کیونکہ لات اور عزیٰ کی قسم!! اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا اور یہ سمجھ اور دانائی کی عمر کو پہنچ گیا تو یہ لڑکا تمہارے دین کو بدل ڈالے گا، تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو بے عقل بتلائے گا، تمہاری باتوں کی مخالفت کرے گا اور تمہارے پاس ایک ایسا دین لے کر آئے گا کہ اس جیسے دین کے متعلق تم نے کبھی سنا بھی نہ ہو گا"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

"یہ تمہاری عقلوں کو خراب بتلائے گا، تمہارے بتوں کو جھٹلائے گا اور تمہیں ایک ایسے پروردگار کی طرف بلائے گا جسے تم جانتے بھی نہیں اور ایسے دین کی طرف بلائے گا جس کا تم انکار کرتے ہو"۔

(یہ سن کر) میری دایہ آگے بڑھیں اور مجھے اس کی گود میں سے کھینچ کر اس سے بولیں

"تو خود ہی مجنون اور پاگل ہو گیا ہے۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ تو یہ کہے گا تو میں اس بچے کو لے کر تیرے پاس نہ آتی۔ جسے بلانا ہو خود اپنے آپ کو قتل کرانے کے لئے بلاؤ۔ میں اس لڑکے کو قتل کرنے والی نہیں ہوں"۔

پھر وہ (یعنی بستی کے لوگ) مجھے اپنے یہاں لے آئے۔ میرے ساتھ ان فرشتوں نے جو معاملہ کیا تھا میں اس سے گھبرا گیا ہوا تھا (۔ی) یعنی مجھے میرے ہمجولیوں کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گئے اور زمین پر لٹایا۔ یعنی خاص طور پر اس بات سے گھبرائے ہوئے نہیں تھے کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس چاک کا نشان میرے سینے سے لے کر پیٹ کے آخر تک تھا۔ یعنی اس چاک کے بھرے جانے کا نشان جو فرشتے کے اس عمل کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ نشان ایک تسمہ کی طرح کا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: تسمہ سے مراد جوتے کے بندوں میں سے ایک بند ہے۔ شاید اس نشان کے باقی رکھے جانے کی حکمت اور سبب یہ تھا کہ یہ شقِ صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کی علامت کے طور پر ہے۔

واضح رہے کہ چونکہ دایہ حلیمہ کے پاس رہنے یعنی دودھ پینے کے زمانے میں شقِ صدر کا واقعہ ایک ہی ہے اس لئے ان سب روایتوں سے مراد ایک ہی ہوگی۔ بس فرق یہ ہے کہ بعض روایتوں میں واقعہ کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے اور بعض میں وہ سب تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جو پیش آئیں۔

اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ نے دو فرشتوں کے آنے کی خبر دی ہے اور بعض میں تین کے آنے کی اس سے بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا نیز (ان تین کاموں یعنی) آپ کو پکڑ کر لے جانے، پھر لٹانے اور اس کے بعد پیٹ یا سینہ چاک کرنے کا کام دو فرشتوں کی موجودگی میں ہوا ہو یا تین کی، اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان فرشتوں میں یہ عمل کرنے والا ایک ہی تھا جیسا کہ اس بارے میں آپ کے بھائی نے بھی خبر دی ہے اور بعض روایتوں میں اس کی صراحت بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض روایتوں میں پیٹ چاک کئے جانے کا ذکر ہے مگر جیسا کہ بعض دوسری روایتوں میں کہا گیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ پیٹ کے آخر تک سینہ چاک کیا گیا تھا، نیز یہ کہ پیٹ چاک کئے جانے یا سینہ چاک کئے جانے سے دل کا چاک کیا جانا مراد نہیں ہے جیسا کہ اس روایت میں گزرا ہے۔

"پھر اس نے میرے پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں، پھر انہیں دھویا اور پھر ان کو واپس ان کی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ اس کو ہٹانے کے بعد اس فرشتے نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں ڈالا اور میرا دل باہر نکالا اور پھر اس کو پھاڑا"۔ (حدیث)

(واضح رہے کہ دل کو پھاڑنے سے مراد اس میں شگاف دینا ہے چاک کرنا اور علیٰحدہ علیٰحدہ کر دینا مراد نہیں ہے)

(جو طشت یا طباق وہ فرشتے لے کر آئے تھے اس کے متعلق پہلی روایوں میں سے ایک میں یہ ہے کہ وہ سبز زمرّد یعنی پتھر کا تھا اور ایک میں ہے کہ وہ سونے کا تھا۔ اس اختلاف کے متعلق کہتے ہیں) ممکن ہے کہ طشت ایک سے زیادہ ہوں۔ ایک سبز زمرّد کا ہو اور دوسرا سونے کا ہو اور ان میں سے پہلا خالی رہا ہو کہ اس میں چاندی کے لوٹے کا وہ پانی جمع کیا جاتا رہے جس سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کا اندرونی حصہ یعنی اندرونی اعضاء جن میں دل کا خول بھی شامل ہے دھویا ہوگا اور دوسرا طشت برف سے بھرا ہوا رہا ہو تاکہ اس سے آپ کا دل یعنی اس کا اندرونی حصہ دھویا جائے اب مطلب یہ ہوا کہ بعض روایتوں میں صرف قلب کا ذکر کیا گیا اور بعض میں قلب اور جسم کے دوسرے اندرونی اعضاء دونوں کا اس سلسلے میں ذکر کیا گیا۔

پھر شقِ صدر کے واقعہ میں ایک روایت تو یہ ہے کہ واقعہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوا۔ (یعنی فرشتے آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے تھے) اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ وادی کے کنارے پر ہوا (یعنی آپ کو وادی کے ایک کنارے پر لے جایا گیا اور وہاں سینہ چاک کیا گیا) اس فرق کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ پہاڑ کی چوٹی وادی کے کنارے کی طرف ہو (اور اس لئے ایک روایت میں وادی کا کنارہ کہا گیا اور دوسری میں پہاڑ کی چوٹی کہا گیا جبکہ مراد دونوں سے ایک ہی بات ہے)

پھر وہ چیز جو آپ کے قلب میں سے نکال کر پھینکی گئی اس کو ایک روایت میں عَلَقہ سوداء کہا گیا (جس کو

ہم نے سیاہ دانہ لکھا ہے) اور ایک روایت میں اس کو مضغہ کہا گیا (جس کو ہم نے گوشت کا لوتھڑا لکھا ہے) اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ مضغہ (یعنی گوشت کا لوتھڑا اپنی بناوٹ میں) علقہ (یعنی سیاہ دانے کے) قریب قریب ہو۔ انسان کے قلب میں ایک دانہ اور بھی ہوتا ہے جس کو حبتہ القلب کہتے ہیں اسی سے لفظ محبت بنا ہے ممکن ہے یہاں سیاہ دانے سے یہ حبتہ القلب مراد نہ ہو مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

اس واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے (شعروں کا مطلب بعد میں دیا گیا ہے۔

وَأَتَتْ جَدَّهُ وَقَدْ فَصَلَتْهُ وَبِهَا مِنْ فِصَالِهِ الْبُرَحَاءُ

إِذْ أَحَاطَتْ بِهِ مَلَائِكَةُ اللّٰهِ فَظَنَّتْ بِأَنَّهُمْ قُرَنَاءُ

وَرَأَى وَجْدَهَا بِهِ وَمِنَ الْوَجْدِ لَهِيبٌ تَصْلَى بِهِ الْأَحْشَاءُ

فَارَقَتْهُ كُرْهًا وَكَانَ لَدَيْهَا ثَاوِيًا لَا يُمَلُّ مِنْهُ الثَّوَاءُ

شُقَّ عَنْ قَلْبِهِ وَأُخْرِجَ مِنْهُ مُضْغَةٌ عِنْدَ غَسْلِهِ سَوْدَاءُ

خَتَمَتْهُ يُمْنَى الْأَمِينِ وَقَدْ أُو دِعَ مَا لَمْ يُذَعْ لَهُ الْأَنْبَاءُ

صَانَ أَسْرَارَهُ الْخِتَامُ فَلَا الْفَضُّ مُلِمٌّ بِهِ وَلَا الْإِفْضَاءُ

مطلب...... جب آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑایا جا چکا تو دایہ حلیمہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس لے کر آئیں۔ جبکہ ان کا حال یہ تھا کہ آپ کا دودھ چھڑا دینے اور آپ کی واپسی کی وجہ سے وہ بے حد غمگین اور اداس تھیں (کیونکہ آپ کی برکتیں دیکھ کر وہ آپ ﷺ سے سگی ماں سے زیادہ پیار کرنے لگی تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کبھی بھی ان سے جدا ہوں) مگر انہیں آنحضرت ﷺ کو اس لئے واپس حضرت آمنہ کے سپرد کرنا پڑا کہ (آپ کے ساتھ شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا اور اس موقعہ پر) آپ کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرے میں لے لیا تھا جنہیں دایہ حلیمہ شیاطین سمجھیں (اور انہیں آپ کی جان کا خوف ہو گیا چنانچہ جب وہ آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس لائیں تو) انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی بے انتہا محبت اور وارفتگی کا اندازہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کی جدائی سے ان کو ایسا غم تھا جس کے شعلوں سے ان کا دل جگر سُلگ رہا تھا مگر آپ کو واپس عبدالمطلب کے سپرد کر کے وہ حسرت کے ساتھ آپ سے جدا

ہو گئیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ اتنے عرصہ ان کے ساتھ رہے مگر آپ سے کبھی ان کا دل نہیں بھرا ادھر (وہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ) آپ کے دل کو چاک کیا گیا اور اس کو صاف کرنے کے وقت اس میں سے ایک سیاہ لو تھڑا نکال کر پھینکا گیا پھر جبرئیل امین نے اس دل پر اپنے دائیں ہاتھ سے مہر لگائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پاک دل میں اپنے ایسے رازہائے سربستہ عنایت فرمائے تھے جو کبھی کسی پر نہیں کھلے اور ان رازوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس مہر کے ذریعہ ان ہی پوشیدہ رازوں کی حفاظت کی گئی تھی۔ چنانچہ نہ تو اس مہر کا ٹوٹنا کبھی ممکن تھا اور نہ ان رازوں کا عام ہونا ہی ممکن ہو سکتا تھا۔

شق صدر کے مزید واقعات...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کا سینہ اس کے علاوہ دو مرتبہ اور بھی چاک کیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ اس وقت جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور تیسری بار اس وقت جب آپ کو معراج ہوئی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ (چوتھی مرتبہ) اس وقت بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا جب آپ کی عمر دس برس کی ہوئی تھی جیسا کہ مسلم میں ہے۔ اسی طرح پانچویں بار ان ہی علماء کے نزدیک) اس وقت شق صدر ہوا جب آپ کی عمر بیس سال کو پہنچی۔ کتاب مواہب نے پانچویں بار شق صدر ہونے کے متعلق جو لکھا ہے شاید وہ اسی قول کی بناء پر ہے۔ مگر یہ پانچویں بار سینہ چاک کئے جانے کا قول ثابت نہیں ہے۔ یہ پانچویں بار شق صدر کا قول کتاب دُرِّ منثور کے حوالے سے آگے بیان ہو گا اور اس میں جو اشکال ہے وہ بھی بیان کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(قال) جب آنحضرت ﷺ کی عمر دس سال اور کچھ مہینے کی ہوئی (اس وقت جو سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا) اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میرے پاس دو آدمی آئے پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ ان کو لٹادو۔ چنانچہ اس نے مجھے چت لٹادیا۔ پھر انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا۔ ان میں سے ایک شخص ایک سونے کے طشت میں پانی لئے پیچھے کھڑا تھا اور دوسرا میرے پیٹ کو دھو رہا تھا۔ پھر اس نے میرا دل چاک کیا۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا کہ اس میں سے یعنی دل میں سے حسد اور برائی نکال ڈالو۔ چنانچہ اس نے دل میں سے وہ دانہ (یا لو تھڑا) نکالا اس سے مراد وہی سیاہ دانہ ہے جس کے بارے میں پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ دل میں شیطان کا حصہ اور اس کے کچو کے مارنے کی جگہ ہوتا ہے (گویا انسان کے بدن میں شیطان کا مرکز ہوتا ہے) اس لئے یہی حسد اور برائی کا گھر بھی ہوتا ہے"۔

اب اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ سیاہ دانہ تو اس سے پہلے نکال کر پھینکا جا چکا تھا اور اب اس کا دوبارہ پیدا ہو جانا ممکن نہیں ہے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سیاہ دانے سے مراد اس کا کوئی بچا ہوا ٹکڑا یا ریزہ ہو جو اس سیاہ دانے کے پھٹ جانے یا ٹوٹ جانے کی وجہ سے باقی رہ گیا ہو کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ دو سیاہ دانے نکالے گئے تھے۔

اس کے جواب میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دانہ یا لو تھڑا نکالنے کے لئے کہنے سے فرشتے کی مراد یہ تھی کہ وہ چیز نکال ڈالو جو لو تھڑے یا دانے جیسی ہے (یعنی یہاں وہ لو تھڑا یا سیاہ دانہ مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو حقیقت میں اسی وقت نکالا جا چکا تھا جب پہلی بار آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا یہاں دوسری ہی چیز مراد ہے جو اسی سیاہ دانے جیسی تھی)

اس کے بعد پھر اسی حدیث کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اس وقت کے شق

صدر کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جب آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ چنانچہ جب فرشتے نے آپ کے دل میں سے وہ دلنہ نکالا جو برائی اور حسد کا گھر ہوتا ہے تو اس کے بعد اس نے دل میں چاندی کے جیسی کوئی چیز ڈالی۔ پھر اس نے ایک سفوف نکالا جو اس کے ساتھ تھا اور اسے اس چاک پر یعنی دل کے چاک پر چھڑکا تاکہ یہ چاک برابر ہو کر پھر گوشت سے بھر جائے۔ اس کے بعد اس نے میرا انگوٹھا ہلایا اور کہا "۔ جایئے آپ کی ہر صبح سلامتی والی ہو "۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت میں مہر لگائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ نیز اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کے چاک پر صرف اس سفوف کے چھڑکنے سے گوشت پیدا ہو گیا اور وہ جڑ گیا جبکہ رضاعت کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ چاک جو برابر ہوا تھا وہ فرشتے کے اس ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے ہوا تھا اور اس چاک کے برابر ہونے کا نشان ایک تسمے کی طرح باقی رہا تھا۔

کتاب دُرِّ منثور میں مسند امام احمد کی روایت ہے جسے ابی بن کعبؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! نبوت کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ نے جو چیز دیکھی وہ کیا تھی "؟

آنحضرت ﷺ اس سوال پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔

"تم نے خوب سوال کیا ابو ہریرہ! جب میری عمر بیس سال اور کچھ مہینے کی تھی تو میں ایک روز صحراء میں تھا کہ مجھے اچانک اپنے سر کے اوپر کسی کے بولنے کی آواز آئی اور پھر میں نے سنا کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا ہے۔

"کیا وہ یہی ہیں "؟

اس کے بعد وہ دونوں میرے سامنے آگئے، ان کے چہرے ایسے تھے کہ میں نے آج تک کسی مخلوق کے ایسے چہرے نہیں دیکھے، ان کے کپڑے بھی ایسے تھے کہ میں نے ان جیسے کپڑے پہنے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر وہ بڑھ کر میرے قریب آگئے اور دونوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے مگر مجھے ان کے پکڑنے کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کو لٹاؤ چنانچہ انہوں نے مجھے بڑی آہستگی سے لٹا دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، ان کا سینہ چاک کرو۔ چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے میرا سینہ چاک کر دیا مگر نہ خون نکلا اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی، پھر اسی نے کہا کہ کینہ اور حسد نکال ڈالو۔ چنانچہ اس نے کوئی چیز نکالی جو ایک لو تھڑے (یعنی دانے) جیسی تھی اس نے اسے لے کر پھینک دیا۔ پھر اسی نے دوسرے سے کہا کہ اس میں نرمی اور رحمت ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسی ہی ایک چیز (ی) اس میں ڈالنے کے لئے نکالی جو چاندی جیسی تھی۔ پھر اس نے میرے دائیں پیر کا انگوٹھا ہلایا اور کہا کہ جایئے آپ کی ہر صبح سلامتی والی ہو۔ چنانچہ میں وہاں سے لوٹ آیا اور پھر میری ہر صبح اس طرح ہوتی ہے کہ میرے دل میں چھوٹوں کے لئے محبت اور بڑوں کے لئے نرمی ہے "۔

اس مرتبہ کے واقعہ میں بدن کے اعضا کے دھوئے جانے کا ہی ذکر نہیں ہے چہ جائے کہ اس کا ذکر ہو کہ کس چیز سے دھوئے گئے۔ اسی طرح مہر کا بھی ذکر نہیں ہے مگر اس میں ان دونوں آدمیوں کا آپ کے متعلق یہ پوچھنا کہ کیا یہی وہ شخص ہیں اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں فرشتے حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ نہیں تھے کیونکہ وہ دونوں فرشتے تو آپ کو پہچانتے تھے اس لئے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں انہوں نے

ہی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا تھا۔

یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ روایت اور وہ روایت جو اس سے پہلے بیان کی گئی (جو اس وقت کی ہے جب کہ آپ کی عمر دس سال کی تھی) دونوں ایک ہی ہیں۔ اس میں (دس کے بجائے) بیس سال کا لفظ راوی کی غلطی کی وجہ سے آیا ہے ورنہ یہاں دس سال کا لفظ ہی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے مزید تحقیق کی تو اس دعویٰ کی تصدیق بھی ہوئی کیونکہ ایک جگہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر دس حج (یعنی دس سال تھی)

اسی مرتبہ کے واقعہ کو یعنی جو بیس سال کی عمر کا ہے خواب کا واقعہ بھی کہا جاتا ہے اگرچہ یہ بات حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔

**نبوت کے وقت شق صدر کا واقعہ**...... (وحی کے نازل ہونے کی ابتداء میں بھی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے اس دفعہ کے شق صدر کے بارے میں فرمایا جو وحی کی ابتداء یعنی نبوت ملنے کے وقت ہوا کہ :۔

"میرے پاس جبرئیل اور میکائیل آئے پھر جبرئیل نے مجھے پکڑ کر چت لٹادیا، پھر انہوں نے میرا دل چاک کیا اور اسے باہر نکال لیا۔ پھر اس میں سے انہوں نے وہ چیز نکال لی جس کو خدا نکالنا چاہتا تھا یہاں آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا چیز تھی۔ غرض پھر انہوں نے اس دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ پھر انہوں نے اس چاک کو برابر کر دیا (۔ی) یعنی اس سفوف کے ذریعہ سے یا ہاتھ پھیر کر یا دونوں طریقوں سے اس چاک کو برابر کر دیا پھر انہوں نے مجھے اس طرح الٹا کیا جیسے برتن کو اوندھا کر دیتے ہیں اور اس کے بعد میری کمر پر مہر لگائی"۔

یہاں ممکن ہے مہر لگانے کی وہ جگہ مراد نہ ہو جہاں شیر خوارگی کے زمانے میں مہر لگائی گئی تھی یعنی دونوں مونڈھوں کے درمیان میں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہی جگہ مراد ہو جہاں شیر خوارگی کے واقعہ میں بھی مہر لگ چکی تھی۔ مگر اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک ہی جگہ پر دوبارہ مہر لگانے کے کوئی معنے نہیں ہوتے۔

ممکن ہے شق صدر کے سلسلے میں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کے بھیجے جانے میں یہ حکمت رہی ہو کہ حضرت میکائیلؑ رزق کے فرشتے ہیں جس سے بدن اور جسم کی زندگی باقی رہتی ہے اور حضرت جبرئیلؑ وحی کے فرشتے ہیں جس سے دل اور روح کو زندگی ملتی ہے (اور اس طرح گویا حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی جسمانی اور روحانی تکمیل فرمادی۔

(معراج کے موقعہ پر بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا اس بارے میں آگے تفصیل آئے گی۔ اس میں کہا گیا ہے کہ مہر دونوں مونڈھوں کے درمیان میں لگی حالانکہ ایسا ماننے میں وہی اعتراض پیدا ہوتا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے (کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو مہر تھی وہ مہر نبوت تھی اور آپ کے جسم مبارک پر پیدائشی تھی) یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ جہاں آپ کا سینہ اور پیٹ چاک کئے جانے کا ذکر ہے وہاں اس سے دل کا چاک کیا جانا مراد نہیں ہے (یعنی دل جو کھولا گیا وہ بغیر کسی آلے کے فرشتے نے ہاتھ سے کھولا اور اس کو دو ٹکڑے نہیں کیا گیا بلکہ اس کو چیر کر اس میں سے سیاہ دلنہ نکالا گیا جو آدمی کے بدن میں شیطان کا گھر ہوتا ہے) یہ دل چاک کیا جانا ہے اور سیاہ دلنہ نکالا جانا دوسرے نبیوں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

(یہاں ایک دوسری بات بیان کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں ایک تابوت تھا جس کو قرآن پاک نے "تابوت سکینہ" کہا ہے اس تابوت میں بنی اسرائیل کے نبیوں کے تبرکات اور آثار محفوظ تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے کچھ نبیوں کے کپڑے اور جوتے اور دوسری نشانیاں اور تبرکات بھی تھے۔ نیز بعض روایتوں میں ہے کہ اس میں وہ طشت بھی محفوظ تھا جس میں نبیوں کے دل دھوئے اور صاف کئے گئے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ دل کا صاف کیا جانا آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت نہیں تھی بلکہ دوسرے نبیوں کے بھی دل صاف کئے گئے اس کے متعلق کہتے ہیں) بعض روایتوں سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ میں وہ طشت محفوظ تھا جس میں نبیوں کے دل دھوئے گئے تھے تو اس سے مراد دل کا باہری اور اوپری حصہ ہے کیونکہ دوسرے نبیوں کے (متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے بدن کے ،اندرونی اعضاء دھوئے گئے چنانچہ دل بھی بدن کے اندرونی اعضاء میں شامل ہے (لیکن ان کے دل کھول کر ان کو اندر سے نہیں دھو گیا گیا اور نہ ان میں سے سیاہ دانہ نکالا گیا۔ اس طرح یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ خصوصیت صرف آنحضرت ﷺ کی ہی ہے دوسرے نبیوں کی نہیں ہے) مگر ابن دحیہ کے نزدیک یہ قول باطل اور غلط ہے (تابوت سکینہ اور طالوت کا واقعہ احقر مترجم نے تفسیر بیان القرآن اور البدایہ والنہایہ سے لیا ہے)۔

**تابوت سکینہ اور شاہ طالوت کا واقعہ** ...... وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ،اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا،قَالُوْا،اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ،قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ،وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ ،الْمَلٰٓئِكَةُ ،اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ لآیہ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۱۶

ترجمہ :۔ اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے جواب میں فرمایا کہ اول تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے، مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور دوسرے علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور تیسرے اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور چوتھے اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں۔ اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تسکین اور برکت کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ چھوڑ گئے ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

(بنی اسرائیل میں یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے عمالقہ کی قوم نے جو کافر تھے بنی اسرائیل پر تاخت کی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔ عمالقہ نے بنی اسرائیل میں بے شمار قتل و غارت کیا اور ان گنت آدمیوں کو گرفتار کیا تمام مال و دولت لوٹ لیا یہاں تک کہ کفار عمالقہ ان کے پاس سے تابوت سکینہ بھی چھین کر لے گئے۔ اس تابوت یعنی صندوق میں بنی اسرائیل کے پچھلے نبیوں کے تبرکات اور نشانیاں محفوظ تھیں جس کو بنی اسرائیل بڑے احترام سے رکھتے تھے اور اس سے ان کو تسکین اور برکت حاصل ہوتی تھی اور اسی کی برکت

سے یہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی تابوت میں سونے کا وہ طشت بھی محفوظ تھا جس میں پچھلے پیغمبروں کے سینے دھوئے اور صاف کئے جاتے تھے۔ غرض کفار عمالقہ کی اس طوفانی یلغار کے بعد بنی اسرائیل میں ایک حاملہ عورت باقی رہ گئی۔ یہ عورت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتی کہ اس کے یہاں لڑکا پیدا ہو۔ چنانچہ اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے شمویل رکھا عبرانی زبان میں اس کے معنی اسماعیل ہوئے یعنی میری دعا قبول ہوئی۔ جب یہ بڑے ہوئے تو ماں نے ان کو ایک بزرگ کے سپرد کر دیا جو مسجد میں رہے تھے ماں نے ان کو وہاں بھیج دیا تاکہ یہ اس بزرگ کی تربیت میں رہ کر ان میں بھی وہی خوبیاں پیدا ہو جائیں۔ جب شمویل جوان ہو گئے، تو ایک رات وہ سو رہے تھے کہ انہیں مسجد سے ایک آواز آئی اس کو سن کر یہ گھبرا گئے انہوں نے سمجھا کہ شاید ان کے شیخ انہیں بلا رہے ہیں۔ انہوں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔ ان بزرگ کو خیال ہوا کہ رات گئے یہ نوجوان نہ جانے کیا سن کر پوچھنے آئے ہیں اگر میں نے انکار کر دیا تو یہ اور خوف زدہ ہو جائیں گے، اس لئے انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے ہی بلایا تھا بس اب جاؤ اور سو رہو۔ یہ آکر پھر سو گئے مگر دوسری بار پھر ویسی ہی آواز آئی اور اسی طرح تیسری مرتبہ کسی کے پکارنے کی صدا آئی۔ پھر اچانک دیکھا کہ جبرئیلؑ ان کو پکار رہے ہیں۔ حضرت شمویل ان کے پاس آئے تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا۔

"تمہارے پروردگار نے تمہیں تمہاری قوم کی طرف نبی بنایا ہے"۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویلؑ کو بنی اسرائیل کی اصلاح اور بہتری کے لئے مقرر فرمایا جنہیں کچھ عرصہ پہلے کفار عمالقہ کے ہاتھوں رسوائی اور بربادی نصیب ہو چکی تھی۔

ایک روز قوم کے لوگ حضرت شمویلؑ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور پھر اللہ کی راہ میں اپنے دشمنوں سے جہاد کریں۔ اس پر حضرت شمویل نے یہ فرمایا جو قرآن پاک میں ذکر ہے۔

"ایسا نہ ہو کہ تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے اور تم جہاد نہ کرو"۔

انہوں نے کہا

"کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کریں گے حالانکہ ہمیں ہماری بستیوں سے اجاڑ دیا گیا اور ہمارے بچوں کو ہم سے جدا کر دیا گیا"۔

چنانچہ ان کی درخواست منظور ہو گئی اور ان کے پیغمبر یعنی حضرت شمویلؑ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے"۔

یہ طالوت حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے تھے یعنی حضرت یوسفؑ کے بھائی بن یامین کی ساتویں پشت میں پوتے ہوتے تھے۔ مگر طالوت ایک غریب گھر کے لڑکے تھے بنی اسرائیل نے حالانکہ خود بادشاہ مقرر کرنے کے لئے حضرت شموئیلؑ سے درخواست کی تھی مگر اب انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ ایک غریب آدمی ان پر حکومت کرے چنانچہ انہوں نے کہا۔

"ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے ان کی بہ نسبت حکمرانی کی ہم زیادہ مستحق ہیں ان کی تو مالی حیثیت بھی کچھ نہیں ہے"۔

شمویلؑ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور علم (یعنی جنگی معاملات یا عام علم) اور جسم (یا جمال و وجاہت) میں ان کو زیادتی دی ہے اللہ تعالیٰ اپنے ملک جسے چاہیں دیں اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (جسے چاہیں مال و دولت دے دیں) جاننے والے ہیں (کہ کس میں لیاقت اور صلاحیت ہے)۔

پھر جب ان لوگوں نے کہا کہ طالوت کے بادشاہ بننے کی کوئی ظاہری دلیل اور ان کی صلاحیت بھی معلوم ہو جائے تو ہمیں ان کو بادشاہ مان لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں رہے گی۔ چنانچہ ان کو بتلایا گیا کہ

"ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس وہ تابوت یعنی صندوق آجائے گا جس میں (تمہارے لئے) تسکین کی چیز ہے۔ اور اس میں کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان کی نشانیاں اور تبرکات اس میں محفوظ ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے (یعنی اس تابوت کو فرشتے تمہارے پاس لے کر آئیں گے اور تم کھلی آنکھوں اس کو دیکھو گے اور یہ واقعہ میری اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی اور دلیل بھی ہو گئی اور اس نیک اور صالح انسانی کی بزرگی کی تمہارے لئے علامت ہو گی) اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

ادھر جب جالوت نے بنی اسرائیل پر فتح حاصل کی تھی تو وہ اپنے ساتھ یہ تابوت سکینہ بھی لے گیا تھا جس میں پچھلے نبیوں کے تبرکات اور نشانیاں تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں تورات کا نسخہ بھی تھا۔ کفار عمالقہ اس تابوت کو اپنے ملک میں لے گئے اور وہاں انہوں نے اس کو اپنے بت کے نیچے زمین پر رکھ دیا۔ مگر صبح کو جب وہ لوگ وہاں آئے تو انہوں نے یہ منظر دیکھا کہ یہ تابوت اس کے سر پر رکھا ہوا ہے انہوں نے پھر اس کو بت کے نیچے رکھ دیا مگر اگلے دن پھر انہوں نے دیکھا کہ تابوت ان کے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ جب بار بار ایسا ہی ہوا تو انہیں یقین کرنا پڑا کہ یہ معاملہ تو خدا کی طرف سے ہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس تابوت کو اپنے شہر سے ہٹا کر اپنے ہی علاقہ کے ایک گاؤں میں رکھ دیا مگر اللہ تعالیٰ کو اس تابوت کا واپس بنی اسرائیل میں پہنچانا منظور تھا۔

چنانچہ .......... ان میں بیماری اور وبا پھیلی جو طول پکڑ گئی انہوں نے گھبرا کر تابوت کو ایک گاڑی میں لادا اور اس میں دو گائیں جوت کر انہیں ہانک دیا۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ ان گایوں کو دو فرشتے ہانکنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اس کو لے کر بنی اسرائیل کے مجمع میں پہنچ گئے اور جیسا کہ ان کے نبی نے ان کو خبر دی تھی وہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

(تفسیر بیان القرآن پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۱۵۔ البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ص ۵ تا ۷)

(اصل بیان شق صدر یعنی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کئے جانے اور مہر نبوت کے متعلق چل رہا ہے۔ اس بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ سینہ اور پیٹ چاک کئے جانے سے دل کا چاک کیا جانا مراد نہیں ہے بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ اور مستقل چیزیں ہیں۔ لیکن اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے اقوال اور روایتوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف سینہ چاک کئے جانے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ آپ کا قلب چاک نہیں کیا گیا تھا۔ اس بارے میں کہتے ہیں) مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکان بول کر مکین یعنی مکان میں رہنے والا مراد لیا جاتا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ برتن بول کر مراد وہ چیز ہو جو برتن میں رکھی ہوئی یا بھری ہوئی ہو۔ جیسے اکثر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے ایک گلاس پی لیا۔ یہاں گلاس بول کر مراد لیا گیا ہے پانی۔ چنانچہ معراج

کے واقعہ میں روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ پھر...... حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا ایک طشت لایا گیا اور اسے آنحضرت ﷺ کے سینے میں ڈال دیا گیا (تو یہاں سینہ بول کر دل مراد لیا گیا ہے یعنی سینہ مکان ہے اور اس کے اندر پایا جانے والا دل مکین ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کا دل چاک نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف سینہ چاک کیا گیا تھا)۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا جانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے (یہاں بھی سینہ سے مراد دل ہے کیونکہ اگر دل مراد نہ ہو بلکہ سینے کے لفظ سے سینہ ہی مراد ہو تو پھر یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں رہتی کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دوسرے نبیوں کے بھی سینے چاک کئے گئے اور دھوئے گئے ہیں۔ مقصد یہی ثابت کرنا ہے کہ سینے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا دل بھی چاک کر کے دھویا گیا اس میں سے سیاہ دانہ یعنی شیطان کا گھر نکالا گیا اور پھر اس میں حکمت اور ایمان اور تسکین بھری گئی اور شق صدر کے واقعہ کا یہ حصہ سارے نبیوں میں صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے) اس سلسلے میں تفصیلی بحث معراج کے واقع میں آئے گی۔

**آنحضرت ﷺ پر بادل کا سایہ فگن رہنا**...... دایہ حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ مکے سے آنحضرت ﷺ کو (حضرت آمنہ سے اجازت لے کر) جب دوبارہ اپنی بستی میں آئیں تو کبھی آنحضرت ﷺ کو تنہا کہیں دور نہیں جانے دیتی تھیں۔ مگر ایک روز دوپہر کے وقت وہ آپ کی طرف سے غافل ہو گئیں (اور آپ کے ساتھ نہیں جا سکیں جب خیال آیا اور آپ نہیں ملے) تو وہ آپ کی تلاش میں نکلیں۔ آخر ایک جگہ انہوں نے آپ ﷺ کو شیماء کے ساتھ دیکھا (جو آنحضرت ﷺ کی دودھ شریک بہن تھیں) اور جو اپنی والدہ دایہ حلیمہ کے ساتھ ساتھ خود بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں حصہ لیتی تھیں اسی وجہ سے ان کو بھی اُمّ نبی یعنی آپ کی ماں کہا جاتا تھا وہ اکثر آپ ﷺ کو کھلاتے ہوئے اُچھل اُچھل کر یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

هٰذَا اَخٌ لِی لَمْ تَلِدْهُ اُمِّیْ

وَلَيْسَ مِنْ نَسْلِ اَبِیْ وَعَمِّیْ

ترجمہ :۔ یہ میرے ایسے بھائی ہیں جن کو میری ماں نے نہیں جنا۔ اور نہ ہی یہ میرے باپ یا چچا کی اولاد میں سے ہیں۔

(یعنی خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے)

فَاَنْمِهِ اللّٰهُمَّ فِيمَا تَنْمِی

پس اے اللہ! تو ان کو نشوونما دے

(غرض دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ کو جب وہاں شیماء کے ساتھ دھوپ میں کھڑے دیکھا تو) انہوں نے کہا۔

"اتنی گرمی اور دھوپ میں (تم کو انہیں یہاں نہیں رکھنا چاہئے تھا)!۔

شیماء نے کہا

"امّاں میرے بھائی کو گرمی نہیں ستاتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بدلی ان پر سایہ کئے رہتی ہے۔ جب

یہ کہیں ٹھیرے تو وہ بھی ٹھہر گئی اور جب یہ چلنے لگے تو وہ بھی ان کے اوپر اوپر چلنے لگی یہاں تک کہ یہ اس جگہ تک آگئے"۔

دایہ حلیمہ نے (یہ سن کر تعجب سے) پوچھا

"بیٹی کیا تو سچ کہہ رہی ہے"!

شیماء نے جواب دیا کہ ہاں خدا کی قسم (ایسا ہی ہے) حضرت حلیمہ یہ سن کر کہنے لگیں۔

"اے اللہ! میں ہر اس برائی اور شر سے تیری پناہ مانگتی ہوں جو میرے بیٹے پر آئے"۔

(ی) ایک روایت میں خود دایہ حلیمہؓ کے متعلق ہے کہ انہوں نے ایک بدلی دیکھی جو آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھی جب آپ رکے تو وہ بھی رک گئی اور جب آپ چلے تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلی۔

روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دایہ حلیمہ کا بدلی کو دیکھنا اس معنی میں ہے کہ انہوں نے اس معجزے کے متعلق سنا تھا (گویا یہاں دیکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا تھا بلکہ اس معنی میں ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق سنا) اور شیماء کا دیکھنا جو ہے وہ حقیقی ہے کہ اپنی آنکھوں سے انہوں نے یہ واقعہ دیکھا۔ اس طرح روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

یا ممکن ہے دایہ حلیمہ نے اس معجزے کے متعلق سننے کے بعد خود اسے دیکھا ہو جیسا کہ اس بات کی طرف اس قول سے اشارہ ملتا ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے متعلق اس خبر نے ان کو گھبرا دیا (۔ی) یعنی شیماء کے بتلانے کے بعد وہ اس سے گھبرا گئیں اور آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لے کر گئیں (یعنی خود دیکھ کر نہیں بلکہ اس معجزہ کے متعلق خبر نے ان کو گھبرا دیا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خود بھی دیکھا ہو)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: واقدی سے روایت ہے کہ جب حضرت حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر (درمیان میں) مکے آئیں تاکہ آنحضرت ﷺ کو واپس آپ کی والدہ کے سپرد کر دیں تو انہوں نے راستے میں دیکھا کہ ایک بدلی ہے جو آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ جب آپ چلتے تو وہ بھی چلنے لگتی اور جب آپ رکتے تو وہ بھی رک جاتی۔

اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانا اس وقت ہوا جبکہ ایک دفعہ وہ آپ کو مکے لے جا کر واپس لا چکی تھیں اور یہ واقعہ شق صدر سے پہلے ہوا۔ اس طرح یہ آنحضرت ﷺ کو دوسری مرتبہ لے کر جانے میں ہو گویا پہلی مرتبہ جب وہ آپ کو لے کر گئیں تو آپ کی عمر دو سال کی تھی۔ اور اس دفعہ آپ کی عمر دو سال اور چند مہینے کی تھی۔ اب گویا اس دوسری مرتبہ کے بعد ہی شق صدر کا واقعہ پیش آیا جیسا کہ شق صدر کے بیان کے شروع میں پیچھے دایہ حلیمہ کا یہ قول ذکر ہوا ہے کہ پھر خدا کی قسم ہمارے مکے سے (آنحضرت ﷺ کو واپس لے کر) آنے کے بعد...... (یہ اسی روایت کا شروع کا حصہ ہے جس میں شق صدر کا بیان ہوا ہے اور جو پچھلے صفحوں میں گزر چکی ہے۔

اس کے بعد تیسری مرتبہ جب دایہ حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر مکے گئیں اور آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر کے آئیں اس وقت آپ کی عمر چار سال کی رہی ہو گی۔ اسی سال میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت (یعنی جب آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد کیا گیا) آپ کی عمر پانچ سال کی تھی اور ایک قول ہے کہ چھ سال کی تھی۔ یہاں ہو سکتا ہے کہ راوی کو غلط فہمی

ہو گئی ہو اور وہ دوسری مرتبہ کے مکے لائے جانے کو جو کہ اصل میں شق صدر سے پہلے کی بات ہے اس کو ہی تیسری مرتبہ کا لایا جانا سمجھ بیٹھا ہو۔ بہر حال اس سے شبہ پیدا ہو ہی گیا جس پر غور کرنا ضروری ہے۔

(دایہ حلیمہؓ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر کے گئیں اس کے بعد) وہ آپ ﷺ کے پاس اس وقت آئیں جبکہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے اپنی مالی پریشانی اور غربت کا ذکر کیا آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق حضرت خدیجہؓ سے بات کی۔ انہوں نے امداد کے طور پر دایہ حلیمہ کو بیس بکریاں اور جوان اونٹ دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ چالیس بکریاں اور اونٹ دیئے۔

اس کے بعد دایہ حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس غزوۂ حنین کے وقت آئیں جبکہ آپ ﷺ نے ان کے احترام میں اپنی چادر بچھائی تھی اور ان کو اس پر بٹھایا تھا (۔ ی) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دینے کے بعد دایہ حلیمہؓ نے آنحضرت ﷺ کو اپنی زندگی میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی کے بعد۔ (ی) یہی وہ موقعہ ہو سکتا ہے جس میں وہ اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی اسی چادر پر بٹھایا تھا جس پر آپ خود بیٹھے ہوئے تھے جیسا

کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسری مرتبہ وہ غزوۂ حنین کے وقت آئیں۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دایہ حلیمہ (آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد) حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں آئیں اور انہوں نے بھی اس کے ساتھ وہیں احترام کا معاملہ کیا کہ ان کے لئے اپنی چادر بچھائی۔ پھر اس کے بعد وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں آئیں اور انہوں نے بھی ان کا ویسا ہی احترام کیا۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے وقت دایہ حلیمہؓ کے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی روایت بہت غریب ہے کیونکہ اس طرح دایہ حلیمہؓ کی عمر بہت زیادہ ماننی پڑے گی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے وقت سے لے کر غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت تک ساٹھ سال سے زیادہ کی مدت ہوتی ہے۔ اُدھر آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے وقت دایہ حلیمہ کی کم سے کم عمر تیس سال بتلائی جاتی ہے (اس طرح نوے ۹۰ سال تو یہی ہو گئے) اور پھر حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا آنا اس مدت کو سو سال سے بھی زیادہ ظاہر کرتا ہے۔

ابو طفیلؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ غزوۂ حنین سے واپسی میں جعرانہ کے مقام پر گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ میں اس وقت نوجوان تھا اس وقت ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی جب آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھائی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو بتلایا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی رضائی والدہ ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے جس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا آپ کے پاس آنے کی اجازت مانگی جب وہ اندر آئی تو آپ فوراً امّی...... امّی (یعنی میری ماں ...... میری ماں) پکار اٹھے اور فوراً اپنی چادر لے کر ان کے لئے بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا۔

شرح ہمزیہ کے حوالے سے علامہ ابن حجرؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ بات حضرت حلیمہؓ کی سعادت اور

خوش بختی کی دلیل ہے کہ انہیں، ان کے شوہر کو اور ان کی اولاد کو مسلمان ہونے کی توفیق ہوئی۔

مگر کتاب عیون الاثر میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دایہ حلیمہ کے اسلام قبول کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے شیخ حافظ دمیاطیؒ کا نام لیا ہے کیونکہ وہ بھی ان لوگوں میں ہیں جو دایہ حلیمہ کے اسلام سے انکار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں کہا ہے۔

"حلیمہ کو نہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میسر آئی اور نہ وہ مسلمان ہوئیں۔ ان کے متعلق بہت سے لوگوں کو وہم ہو گیا اور انہوں نے حلیمہ کو صحابیات میں سے شمار کیا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔"

مگر یہاں حافظ دمیاطیؒ کو کہنا یہ چاہئے تھا کہ ...... "کچھ لوگوں نے ان کے مسلمان ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے مگر ایسی بات نہیں ہے۔" اپنے قول کے آخر میں حافظ دمیاطیؒ نے صرف دایہ حلیمہ کے صحابیات میں ہونے سے انکار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان تو ہو گئی ہوں مگر اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی زیارت نہ کر سکیں اس لئے صحابہ میں ان کا شمار نہیں کیا گیا۔)

ابن کثیرؒ کی تحقیق بھی اسی کے مطابق ہے کہ دایہ حلیمہ نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا (یعنی آنحضرت ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی)

مگر بعض علماء نے اس قول کو غلط بتلایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت کے نزدیک حلیمہ کے اسلام میں کوئی شک نہیں ہے اس لئے بعد کے علماء کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ ان کا مسلمان ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ ابن حبان نے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے جو دایہ حلیمہ کے مسلمان ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

(پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ دایہ حلیمہ غزوۂ حنین کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تھیں) مگر حافظ دمیاطیؒ نے اس سے انکار کیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس آنے والی عورت آپ کی دودھ شریک بہن شیماء تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اگرچہ اس وقت آنے والی عورت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ ایک دم امّی امّی (یعنی میری ماں میری ماں) پکار اٹھے تھے مگر اس سے حافظ دمیاطی کی بات غلط نہیں ہوتی (کہ آنے والی عورت آپ کی دودھ شریک بہن تھیں) کیونکہ شیماء کو بھی "اُمّ النبیؐ" یعنی آنحضرت ﷺ کی ماں کہا جاتا تھا اس لئے کہ اپنی والدہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں شریک تھیں۔

(اسی پچھلی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب اس عورت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر بچھادی تو کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ آنے والی عورت کو آپ کی دودھ شریک بہن ماننے میں) صحابہ کے اس قول سے بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی ماں ہیں کیونکہ جب اس عورت کو آنحضرت ﷺ کی ماں کہا گیا تو ممکن ہے سننے والے نے رضاعی ماں سمجھ لیا ہو اس لئے کہ آپ کی حقیقی والدہ کا تو انتقال ہو ہی چکا تھا۔

مگر غزوۂ حنین کے وقت اس آنے والی عورت کو (دایہ حلیمہ کے بجائے) شیماء کہنے والے صرف حافظ دمیاطیؒ ہی ہیں۔

(قال) حافظ ابن حجرؒ نے جب مختلف روایتیں ایسی دیکھ لیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آنے

والی عورت آپ کی رضاعی والدہ تھیں اور مختلف راویوں کی اس بات سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بات یہی ٹھیک ہے تب انہوں نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنے والی آپ کی دودھ شریک بہن تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ان مختلف روایتوں سے آنے والی عورت کے آپ کی بہن ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے شیماء کو بھی آنحضرت ﷺ کی ماں کہا جاتا تھا۔ اس لئے کچھ صحابہ نے ان کو جب آنحضرت ﷺ کی ماں کہا تو سننے والے نے اپنی سمجھ کے مطابق ان کو حلیمہ سمجھ لیا۔ اس کا ثبوت اس آنے والی روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ہے کہ :۔

غزوۂ حنین میں بنی ہُوازِن کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں شیماء بھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے گرفتار کرنے والوں سے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ چنانچہ صحابہ ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائے تو شیماء نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں آپ کی بہن ہوں"۔

(چونکہ ایک مدّت بعد دیکھنے کے وجہ سے آپ ﷺ ان کو پہچان نہیں سکے تھے اس لئے) آپ نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔

"میری کمر پر آپ کے دانتوں کا وہ نشان ہے جبکہ آپ نے میرے کاٹ لیا تھا اور میں نے آپ کو پرے ہٹا دیا تھا"۔

"آنحضرت ﷺ اس سے ان کو پہچان گئے اور پھر ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ ان کیلئے اپنی چادر بچھا کر انہیں اس پر بٹھایا اور (بہن کے اس حال پر) آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے"۔ یہ پورا واقعہ آگے آئے گا۔

اس بارے میں کتاب مواہب میں جو ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ ایک میں تو آپ کی دودھ شریک بہن آئی ہیں اور دوسرے میں آپ کی دودھ شریک والدہ آئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ روایت کیا جاتا ہے کہ :۔

"آنحضرت ﷺ کے ایک گھوڑے سوار دستے نے بنی ہُوازِن پر یلغار کی۔ اس میں انہوں نے آپ کی دودھ شریک بہن کو بھی گرفتار کر لیا جس پر انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کے بہن ہوں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا اور شیماء مسلمان ہو گئیں"۔

(پھر دوسرے واقعہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ) آپ کی دودھ شریک والد غزوۂ حنین کے وقت آئی تھیں جن کے احترام میں آپ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنی چادر پر بٹھایا۔

(مگر مؤلف کہتے ہیں کہ) یہ واقعہ ایک ہی ہے اگرچہ اوپر کے اس قول سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جس دستے نے بنی ہُوازِن پر یلغار کی تھی اور جس میں آپ کی بہن گرفتار ہو گئی تھیں وہ غزوۂ حنین کے وقت کا واقعہ نہیں ہے اور یہ کہ آپ کی رضاعی والدہ بنی ہوازن کے قیدیوں میں شامل نہیں تھیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور بنی ہُوازِن غزوۂ حنین کے دوران ہی گرفتار ہوئے تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ غزوۂ حنین کے وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آپ کی رضاعی والدہ اور بہن دونوں آئی ہوں مگر بہن تو قیدی کی حیثیت سے آئیں اور والدہ خود سے آئیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے احترام میں اپنی چادر بچھائی (یہ کتاب مواہب میں ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں)۔

علامہ ابن عبدالبر نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں کہ غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس دایہ حلیمہ آئیں جن کے لئے آپ نے اپنی چادر بچھائی۔ اس واقعہ کو دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ سے اور دایہ حلیمہ سے عبداللہ ابن جعفر نے روایت کیا ہے اس کے بعد علامہ ابن عبدالبرؒ نے (ایک علیحدہ واقعہ کے طور پر) شیماء کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ بنی ہوازن کے قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے پاس لائی گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب مواہب نے علامہ ابن عبدالبر کی بات قبول کر کے خود بھی یہی بات کہی ہے۔

مگر ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن جعفرؓ کا دایہ حلیمہ سے یہ واقعہ سننا سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ عبداللہ اپنے والد حضرت جعفرؓ ابن ابو طالب کے ساتھ ہجرت کے چند سال بعد غزوۂ خیبر کے وقت ملک حبش سے آئے ہیں اور اس وقت تک دایہ حلیمہ کا زندہ ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ غزوۂ حنین غزوہ خیبر کے بعد ہوا اور پھر (جیسا کہ پیچھے گزرا ہے) دایہ حلیمہ کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس جانا تو اور بھی زیادہ ناقابل یقین ہو جاتا ہے جیسا کہ اس بارے میں ابن کثیر کی رائے بیان ہوئی ہے۔ اس لئے یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ غزوۂ حنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کی دودھ شریک بہن ہی آئیں جیسا کہ حافظ دمیاطی نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(قال) ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ پھر حلیمہ آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کی نبوت کے بعد حاضر ہوئیں اور مسلمان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اس لئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دایہ حلیمہؓ کا آنحضرت ﷺ کے پاس آنا تو ہم مانتے ہیں مگر مسلمان ہونا کیسے معلوم ہوا (گویا انہوں نے ابن جوزی کے اس دعوی کو دایہ حلیمہ کے مسلمان ہونے کی دلیل بنالیا ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ (یہ تو ابن جوزی کا اپنا قول اور دعویٰ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آکر دایہ حلیمہ مسلمان بھی ہوئیں اس لئے اس کو تو ان کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا) اس کو اسی طرح بیان کرنا چاہئے کہ ابن جوزی نے جہاں دایہ حلیمہؓ کے آنحضرت ﷺ کے پاس نبوت کے بعد آنے کو لکھا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں کیونکہ ان کے آنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان بھی ہو گئی تھیں (جبکہ روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے ابن جوزی کا یہ کہہ دینا کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں کوئی دلیل نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ تو خود ایک دعویٰ ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے سوائے اس کے کہ کہنے والا یہ کہے کہ ابن جوزی کا قول ہی ہمارے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے واللہ اعلم۔

علامہ ذہبیؒ یہ کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے واپسی میں جعرانہ کے مقام پر جو عورت آپ کے پاس آئی وہ ثویبہ تھیں (جو آنحضرت ﷺ کی ایک دوسری رضاعی ماں تھیں) مگر اس قول میں بھی شبہ ہے کیونکہ ثویبہ تو ۷ھ میں ہی اس وقت وفات پاچکی تھیں جب آنحضرت ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے تھے (جبکہ غزوۂ حنین غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ کتاب نور میں ہے کہ حافظ مغلطائی نے دایہ حلیمہ کو مسلمان ثابت کرنے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "التحفۃ الجسیمہ فی اسلام الحلیمہ" ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے کہ) جس دایہ نے بھی آنحضرت

ﷺ کو دودھ پلایا وہ بعد میں مسلمان ہو گئی۔ یہی حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو دودھ پلانے والی چار عورتیں ہیں ایک تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ دوسری حلیمہ سعدیہ، تیسری ثویبہ اور چوتھی اُمّ ایمن۔

اس سے علامہ ابن مندہ کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ثویبہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ البتہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے اسلام کے متعلق ہم آگے بحث کریں گے۔

اُمّ ایمن کو آنحضرت ﷺ کی دایہ ماننے میں جو اشکال ہے وہ گزر چکا ہے۔

# باب ہشتم (۸)

## آنحضرت ﷺ کی والدہ کی وفات، اُمّ ایمن کی نگرانی اور عبد المطلب کی کفالت

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی تھی، ایک روایت ہے چار سال کی عمر تھی جیسا کہ کتاب مواہب میں ہے۔ اس چار سال کی روایت کو ماننے سے وہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ جب دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ کو واپس آپ کی والدہ کے سپرد کیا تو اس وقت آپ کی عمر پانچ یا چھ سال تھی۔

(اس بارے میں بہت سے قول ہیں) کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔ یہ بھی ہے کہ آٹھ سال تھی۔ ایک قول ہے کہ نو سال تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ بارہ سال ایک مہینہ یا بارہ سال دس دن کی عمر تھی۔

حضرت آمنہ کی وفات ابواء کے مقام پر ہوئی جو مکے اور مدینے کے بیچ میں ہے مگر مدینے سے زیادہ قریب ہے اس جگہ کو ابواء اسلئے کہتے ہیں کہ بوء کے معنی ٹھکانہ پکڑنے کے ہیں چونکہ یہاں نشیب ہونے کی وجہ سے سیلاب کا پانی جمع ہو جاتا تھا یعنی ٹھکانہ بنالیتا تھا اس لئے اس جگہ کو ابواء کہا جانے لگا۔ حضرت آمنہ کو یہیں دفن کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ عمرۂ حدیبیہ کے وقت جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام سے گزرے تو آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے محمد کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی ماں کی قبر دیکھنے جا سکتا ہے"۔

چنانچہ آپ ﷺ حضرت آمنہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر آپ (اپنی والدہ کو یاد کر کے) روئے۔ آنحضرت ﷺ کو روتا دیکھ کر سب مسلمان رونے لگے۔

جب آنحضرت ﷺ سے آپ کے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

"مجھے ماں کی محبت اور شفقت یاد آگئی جس سے میں رودیا"۔

اس بارے میں علامہ ابن کثیرؒ نے واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

آنحضرت ﷺ کی والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینے گئیں۔ ان کے ساتھ اُمّ ایمن بھی تھیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر چھ سال تھی۔ حضرت آمنہ آنحضرت ﷺ کی نانہال (یعنی عبدالمطلب کی نانہال) والوں کے ساتھ رہیں۔ اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ ایک دن مدینے کے یہودیوں میں سے دو آدمی میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"محمد کو ذرا ہمارے سامنے لاؤ ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔

(جب وہ آنحضرت ﷺ کو لائیں تو) انہوں نے آپ کو اچھی طرح دیکھا اس کے بعد ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا "یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ یہاں زبردست جنگ ہوگی اور قیدی پکڑے جائیں گے"۔

جب آنحضرت ﷺ کی والدہ کو یہودیوں کی اس بات کی خبر ہوئی تو وہ ڈر گئیں اور آنحضرت ﷺ کو لے کر مدینے سے واپس روانہ ہو گئیں مگر راستے ہی میں ابواء کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا (۔البدایۃ والنہایہ ص ۲۷۹ ج دوم۔ مرتب)

حضرت آمنہ کا انتقال اس وقت ہوا تھا جبکہ وہ مدینے میں آنحضرت ﷺ کی نانہال یعنی آپ کے دادا کے نانہال والوں سے مل کر واپس مکے آرہی تھیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب کی نانہال مدینے میں بنی نجار کا خاندان تھا، حضرت آمنہ وہاں ایک مہینے ٹھہری تھیں (اس کے بعد واپسی میں) راستے میں وہ بیمار ہو گئی تھیں۔ اس سفر میں ان کے ساتھ اُمّ ایمن برکۂ حبشیہ بھی تھیں (جو حضرت عبداللہ کی باندی تھیں) اور آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کے ورثے میں ملی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو کھلایا بھی تھا۔

غرض حضرت آمنہ کے انتقال کے پانچ دن بعد یہ اُمّ ایمن آنحضرت ﷺ کو لے کر مکے پہنچیں اور آپ کو عبدالمطلب کے سپرد کیا (آنحضرت ﷺ کے سر سے بچپن ہی میں باپ کے بعد ماں کا سایہ بھی اٹھ جانے سے) آپ کے لئے عبدالمطلب کا اتنا دل دکھا اور انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کا بھی اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔

بعض مورّخین یہ کہتے ہیں کہ ابواء کے مقام پر اپنی والدہ کے انتقال کے بعد آپ بالکل تنہا رہ گئے تھے، یہاں تک کہ مکے خبر پہنچی اور وہاں سے حضرت عبداللہ کی باندی اُمّ ایمن آکر آنحضرت ﷺ کو مکے سے لے گئیں جبکہ حضرت آمنہ کے انتقال کو پانچ دن گذر چکے تھے روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت آمنہ کا انتقال عبدالمطلب کی زندگی میں ہوا تھا یہی مشہور قول ہے اس کے خلاف کوئی قول نہیں ہے (گویا ان بعض مورّخین کی اس تحقیق سے) اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ عبدالمطلب کا انتقال حضرت آمنہ کی وفات سے دو سال پہلے ہو گیا تھا۔

(حضرت آمنہ کے انتقال کے بعد) آنحضرت ﷺ اُمّ ایمن سے فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کے بعد تم ہی میری ماں ہو (دوسروں سے بھی) آپ یہی فرماتے کہ میری والدہ کے بعد اُمّ ایمن ہی میری ماں ہیں۔

کتاب قاموس میں یہ ہے کہ مکے میں ایک مکان ہے جس کو دار رابغہ کہا جاتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی والدہ کی قبر ہے۔ مگر میں مکے میں اس نام کے کسی مکان سے واقف نہیں ہوں۔

**حضرت آمنہ کے اسلام کی روایت**...... (قال) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آمنہ جحون کے مقام پر شعب ابوذویب میں دفن ہوئی ہیں مگر یہ قول غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ساتھ حجتہ الوداع (یعنی آخری حج) کو تشریف لے گئے عقبہ حجون کے پاس سے جب آپ گزرے تو آپ بہت غمگین اور اداس ہوگئے اور رونے لگے، آپ کو روتے دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے حمیرا ذرا ٹھہرو (پھر آپ کہیں تشریف لے گئے) میں اونٹ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی یہاں تک کہ آپ کو گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی۔ اس کے بعد جب آپ واپس آئے تو آپ بہت خوش تھے اور مسکرا رہے تھے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ جب آپ میرے پاس سے تشریف لے گئے تھے تو آپ بہت اداس تھے اور رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی تھی مگر اب آپ واپس آئے تو بہت خوش بخوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ ایسی کیا بات پیش آئی ہے"؟

آپ نے فرمایا۔

"میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا۔ وہاں میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ فرمادیا۔ پھر وہ ایمان لائیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ موت دے دی"۔

(تو گویا آنحضرت ﷺ کی یہ خوشی اس بناء پر تھی کہ آپ کی والدہ کو بھی اسلام کی سعادت اور عزت میسر آگئی) مگر بہت سے محدّثین نے اس حدیث کو کمزور بتلایا ہے (یعنی زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے) ان محدّثین میں حافظ ابوالفضل ابن ناصر الدین /جوز قانی ابن جوزی اور علامہ ذہبی شامل ہیں۔ مگر ابن شاہین اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس حدیث سے وہ حدیثیں منسوخ ہو جاتی ہیں جن میں حضرت آمنہ کی مغفرت کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے روکا گیا ہے۔

(ایسی حدیثیں جن سے ان کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت آئی ہے) ان میں سے ایک یہ ہے کہ :۔

جب رسول اللہ ﷺ مکے تشریف لائے غالباً عمرۂ قضا کی دفعہ میں کیونکہ اس کے سوا آنحضرت ﷺ صحابہ کے ساتھ حجتہ الوداع سے پہلے دن کے وقت مکے تشریف نہیں لائے تھے۔

غرض اس وقت جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر پہنچے تو آپ وہاں بیٹھ گئے اور آپ نے بہت دیر تک دعا اور مناجات کی۔ اس کے بعد آپ رونے لگے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو روتے دیکھ کر ہم بھی رونے لگے پھر آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھ گئے اور ہمیں آپ نے بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ کس لئے رو رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کو روتا دیکھ کر رونے لگے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"یہ قبر جس کے پاس جا کر میں بیٹھا تھا وہ آمنہ کی قبر ہے۔ (عبداللہ ابن عباسؓ کی اسی حدیث کو کتاب سیرت النبویہ والآثار المحمدیہ نے حاکم کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آپ نے بہت دیر تک مناجات اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ رونے لگے تو ہم بھی آپ کو روتے دیکھ کر رونے لگے۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے تو حضرت عمر فاروقؓ بھی اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ہمیں بھی بلایا اور فرمایا کہ تم کس لئے رو رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ

کو روتے دیکھ کر رونے لگے ہیں آپ نے فرمایا۔

"یہ قبر جس کے پاس جاکر میں بیٹھا تھا آمنہ کی قبر ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس قبر پر جانے کی اجازت مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی۔ پھر میں نے ان کے لئے دعا کرنے اور ایک روایت میں ہے کہ مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی۔

مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى الآیۃ پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۴

ترجمہ: پیغمبر کو اور دوسرے مسلمان کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اسی بات سے مجھے صدمہ ہوا جو قدرتی طور پر ایک بیٹے کو اپنے باپ (یاماں) سے تعلق کی بناء پر ہونا چاہئے)

ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپ اس سے خطاب کرنے لگے۔ اس کے بعد وہاں سے بہت غمگین اور اداس ہو کر اٹھ گئے۔ کسی صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی حالت دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں نے اپنی والدہ کی قبر پر جانے کے لئے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے ان کی مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا۔

"ایسے شخص کے لئے مغفرت مت مانگئے جو مشرک کی حیثیت سے مرا ہو"۔

(راوی کہتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ جتنا اس وقت روئے اتنا روتے ہوئے آپ کبھی نہیں دیکھے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان کی مغفرت کی دعا کرنے کے لئے جب اجازت مانگی تو اجازت نہیں دی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی (جو پیچھے ذکر ہو چکی ہے)۔

اس بارے میں قاضی عیاض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا رونا اس افسوس کی وجہ سے تھا کہ حضرت آمنہ کو آپ کی نبوت کا زمانہ حاصل نہیں ہو سکا کہ وہ آپ پر ایمان لاتیں جس سے انہیں آخرت میں فائدہ پہنچتا۔ اسی بات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اس حدیث سے وہ دوسری حدیثیں منسوخ ہو جاتی ہیں جن میں ان کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت آئی ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان حدیثوں کی بعض سندیں بالکل صحیح ہیں جن کو امام مسلم اور ابن حبان نے اپنی حدیث کی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان کی قبر پر جاؤں تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ اس لئے قبروں پر جایا کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:۔

"قبریں تمہیں موت کی یاد دلاتی ہیں"۔

اب یہ کہا جائے گا کہ حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث (جس میں ہے کہ حضرت آمنہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لائیں وہ حدیث) من گھڑت تو نہیں مگر کمزور ہے اور اسی لئے اس سے وہ صحیح حدیثیں منسوخ نہیں ہو سکتیں

(جن میں ان کے لئے مغفرت چاہنے کی ممانعت آئی ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں (جس میں انہوں نے قرآن پاک کی آیتوں کے نازل ہونے کے سبب بیان کئے ہیں کہ وہ کس موقعہ پر اور کس سلسلے میں نازل ہوئیں) لکھا ہے کہ یہ دو آیتیں

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ لآیہ پ۱۱ اور دوسری آیت
وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ الخ لآیہ پ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۴

ترجمہ: اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا صرف وعدے کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہو کر مرا) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے۔

اس وقت نازل ہوئی ہیں جب آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ان کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگی۔ جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کے لئے دعا مانگی تو مسلمانوں نے کہا۔

"اب ہمارے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ ہم اپنے باپ داوا اور رشتہ داروں کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں کیونکہ ادھر تو رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے لئے (جو کافر تھے) مغفرت مانگ رہے ہیں اور ادھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کی تھی (چنانچہ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو اس سے روکا گیا کہ وہ ان باپ دادا کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں جو کفر کی حالت میں مرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیتیں ابو طالب کے انتقال کے بعد نازل ہوئی ہیں (واضح رہے کہ ان آیتوں میں سے پہلی آیت وَمَا کَانَ لِلنَّبِیِّ کے نازل ہونے کا سبب ابن مسعودؓ کی حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ کی مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی جس پر آپ کو روکا گیا)۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ "مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ اس وقت جب آپ نے اپنے چچا کے لئے مغفرت چاہی اور دوسرے اس وقت جب والدہ کے لئے چاہی۔

مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے روکا آپ نے نعوذ باللہ اس کو پھر کیا جو ایک نبی اور خاص طور پر آپ کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

یا پھر حضرت عائشہؓ کی حدیث کے ناسخ ہونے یعنی دوسری حدیثوں کو منسوخ کرنے والی ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ حدیث ان حدیثوں کے مخالف ہے جن میں مغفرت مانگنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہاں حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے مغفرت کی ممانعت والی حدیثوں کے منسوخ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں کیونکہ مغفرت مانگنے کی ممانعت تو اسی وقت تک تھی جب تک کہ وہ مسلمان نہیں تھی لیکن اگر اس حدیث کی روشنی میں یہ مان لیا جائے کہ حضرت آمنہ دوبارہ زندہ ہو کر مسلمان ہوگئی تھیں تو پھر مغفرت مانگنے کی ممانعت ہی نہیں رہتی۔

حضرت آمنہ کے دفن ہونے کی جگہ...... (اس کے بعد حضرت آمنہ کی قبر کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کا تعلق حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث سے ہے کہ) حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو مان لینے کی صورت میں یہ ان لوگوں کے لئے دلیل بن جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی قبر مکے میں ہے۔ جہاں تک یہ

قول ہے کہ ان کی قبر ابواء کے مقام پر ہے (جو مکے اور مدینے کے بیچ میں ہے اور مدینے سے زیادہ قریب ہے) یہ صرف حافظ دمیاطی اور ابن ہشام کی تحقیق ہے۔ اس بارے میں وفا میں یہ ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر کو مکے میں بتلانا غلط ہے بلکہ حقیقت میں ان کی قبر ابواء کے مقام پر ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں حدیثوں کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے ان کو ابواء کے مقام پر دفن کیا گیا ہو اور اس کے بعد (عزیزوں کی خواہش پر) وہاں سے ان کی لاش کو مکے لے جاکر دفن کر دیا گیا ہو۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا رونا اس سے پہلے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو آپ کے سامنے دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائیں۔ (چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر مکے میں تھی۔ اس لئے حافظ سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ من گھڑت ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت آمنہ کا ایمان لانا صحیح نہیں ہے) مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس کو موضوع یعنی من گھڑت تو نہیں کہا جاسکتا ہاں سند کے لحاظ سے کمزور ہے۔ یہاں تک سیوطی کا کلام ہے۔

پھر ایک حدیث ہے جس کے متعلق حاکم نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ صحیح ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں سے ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری ماں اور تم دونوں کی ماں جہنم میں ہیں (اس کو ماننے کی صورت میں حضرت عائشہؓ والی حدیث پھر غلط ہو جاتی ہے مگر اس اشکال کو دور کرنے کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ) اگر حاکم کے قول کے مطابق اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی حضرت عائشہؓ والی حدیث غلط نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی ہو جبکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو آپ کے سامنے دوبارہ زندہ نہیں کیا تھا جیسا کہ اسی قسم کی نظیر آپ کے والد حضرت عبداللہ کے متعلق بھی گزر چکی ہے۔ (یہاں مؤلف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر حاکم کے دعوے کے مطابق اس حدیث کو درست مان لیا جائے۔ اس شرط کی ضرورت اس لئے ہے کہ محدّثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاکم کسی حدیث کو صحیح ماننے سے پہلے پوری تحقیق نہیں کرتے بلکہ اس میں سستی کرتے ہیں اس لئے اگر کسی حدیث کو تنہا حاکم ہی صحیح قرار دیں تو یہ قبول نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلے میں یہ بات اور اس کو جواب بھی گزر چکا ہے کہ (اگر حضرت آمنہ کا دوبارہ زندہ ہو کر مسلمان ہو جانا مان بھی لیا جائے تو) اس میں یہ اشکال ہے کہ مرنے کے بعد ایمان لانا کیسے فائدہ مند ہو گا۔

(جو حدیث اوپر گزری ہے کہ میری ماں اور تم دونوں کی ماں جہنم میں ہیں۔ اس کے بارے میں احقر مترجم نے کتاب سیرت النبویہ میں دیکھا کہ اس حدیث کی سند کمزور ہونے کے باوجود اگر اس کو مانا جائے تو بھی اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ حضرت آمنہ جہنم میں ہیں کیونکہ ممکن ہے یہاں ان دونوں آدمیوں کی ماں کے ساتھ ان کے ہونے سے مراد یہ ہو کہ وہ عالم برزخ میں ہوں جو جنت اور دوزخ کے درمیان کا مقام ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کی خاطر یہ لفظ استعمال فرمائے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد آپ پر وحی آئی ہو کہ وہ جنتی ہیں جیسا کہ تبّع نامی شخص کے متعلق ہوا کہ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ ........ میں نہیں جانتا کہ وہ ملعون ہے یا نہیں۔ پھر اس کے بعد جب ان کے متعلق آپ پر وحی نازل ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ تبّع کو برا مت کہو اس لئے کہ وہ مسلمان ہو

گیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے پہلے آپ کے پاس حضرت آمنہ کے بارے میں کوئی وحی نہ آئی ہو چنانچہ آپ نے ان دونوں آدمیوں سے یہ فرمادیا کہ میری ماں اور تمہاری ماں دونوں جہنم میں ہیں۔ لیکن اس کے بعد حضرت آمنہ کے بارے میں آپ کو وحی کے ذریعہ خبر دی گئی ہو۔

پھر حضرت عائشہؓ کی حدیث کو مانتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ توحید پرست یعنی خدا کو ایک مانتی تھیں لیکن حشر و نشر سے واقف نہیں تھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہاں تک کہ وہ حشر و نشر اور آنحضرت ﷺ کی پوری شریعت پر ایمان لائیں کیونکہ خدا کی وحدانیت کو تو وہ پہلے ہی مانتی تھیں جو سب سے اہم بنیاد ہے۔ اب ان کو آنحضرت ﷺ کی پوری شریعت پر ایمان لانے کی وجہ سے ہی اسلام کے شروع کے زمانے میں دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا بلکہ حجتہ الوداع کے وقت زندہ کر کے انہیں اسلام کی توفیق دی گئی جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا اور دین اسلام مکمل ہو چکا تھا جس کی آپ نے حجتہ الوداع میں خبر بھی دی تھی۔ تو گویا حضرت آمنہ کو اتنی دیر اور تاخیر سے اسی لئے زندہ کیا گیا تاکہ شریعت اسلامی مکمل ہو جائے اور وہ پوری شریعت پر ایمان لائیں)

**اہل فترت کا انجام**...... علامہ ذہبیؒ نے اس حدیث کو کمزور بتلایا ہے اور اس کے صحیح نہ ہونے پر قسم کھائی ہے کہ جہاں تک حضرت آمنہ کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت کا تعلق ہے اس کی بنیاد یہ قول بن سکتا ہے کہ :۔

"زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے جس نے (پچھلے نبی کی شریعت میں) تبدیلی یا تغیّر کیا یا بتوں کی پوجا کی وہ عذاب میں ڈالا جائے گا"۔

اور یہ ایک کمزور قول ہے جو اس بنیاد پر ہے کہ ایمان اور توحید یعنی خدا کو ایک جاننا انسان کے لئے عقل کے لحاظ سے واجب ہے (یعنی اس قول کے مطابق خدا کو ایک جاننے کے لئے انسانی فطرت اور عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے جس کے لئے آدمی کو کسی پیغمبر اور بتلانے والے کی ضرورت نہیں ہے) مگر اہل سنت والجماعت میں اکثر حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ یعنی توحید کا قائل ہونا پیغمبروں کے آئے بغیر واجب نہیں ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیلؑ کے بعد (آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔ اور اسماعیلؑ کی شریعت دوسرے پیغمبروں کی طرح اس کے وفات کے ساتھ ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ پیغمبر کی موت کے بعد بھی اس کی شریعت کا قائم رہنا صرف آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے۔ اب اس بنیاد پر وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ اور اسماعیلؑ کے درمیانی زمانے میں ہوئے ان پر کوئی عذاب نہیں چاہے انہوں نے دین میں تبدیلی یا تغیّر کیا ہو یا بتوں کی پوجا کی ہو۔ اب رہ گئیں وہ حدیثیں جن میں ایسے لوگوں کو عذاب دیئے جانے کی خبر ہے جنہوں نے (اپنے دین میں تبدیلی یا تغیّر کیا یا بتوں کی پوجا کی وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے تو ان حدیثوں کی تاویل کی گئی ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ بعض علماء نے اس مسلک کو اپنایا ہے کہ ایک شخص کے لئے بت پرستی کے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کو ایک جاننا تو کسی نبی کے صرف وجود سے ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جس نے لوگوں کو توحید اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہو چاہے وہ رسول اس شخص کے لئے یعنی اس کے دور یا اس کی قوم کے لئے نہ بھیجا گیا ہو اور اس نے اس نبی کا زمانہ بھی نہ پایا ہو لیکن اس کو یہ خبر پہنچی ہو کہ اس نبی نے توحید اور ایمان کی طرف لوگوں کو بلایا تھا (یا اگر یہ خبر نہ بھی پہنچی ہو تو) اس کے لئے یہ معلومات حاصل کر لینا ممکن رہا ہو (تو اس

صورت میں بھی اس کے لئے توحید کا قائل ہونا اور اللہ پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے) لیکن اس (توحید اور ایمان) کے سوا اس شریعت کی تفصیلات (یعنی احکام و عبادات) کا جاننا اس کے لئے تبھی ضروری ہو گا جبکہ وہ نبی اس شخص یعنی اس کی قوم کے لئے بھیجا گیا ہو اور اس شخص تک اس نبی کی دعوت پہنچی ہو۔

اس کی بنیاد پر ایسا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ پایا ہو (یعنی آپ کی نبوت سے پہلے گزرا ہو) اور نہ ہی اس کو پچھلے نبیوں میں سے کسی کا زمانہ ملا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور بت پرستی کرنے پر عذاب دیا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس کو توحید اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے متعلق پچھلے نبیوں میں سے کسی کی دعوت نہیں پہنچی لیکن وہ اس پر قادر تھا کہ اس کا علم حاصل کرے اس لئے اس کو عذاب دیا جائے گا مگر اس عذاب کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نبی کے بھیجے بغیر دیا گیا بلکہ یہ عذاب نبی کے آنے کے بعد بھی شرک اور بت پرستی کرنے کا نتیجہ ہو گا (کیونکہ اس کائنات کے خالق اور پیدا کرنے والے کی جستجو کرنا اور اس کو ایک سمجھنا انسان کی فطرت کا تقاضہ ہے چنانچہ جو شخص اس تقاضہ کو پورا نہیں کرتا تو یہ اس کی کوتاہی اور قصور ہے جس پر وہ سزا کا مستحق ہے)۔

اب یہ حدیث بالکل درست ہو جاتی ہے جو طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں :۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کوئی نبی بھیجتا ہے تو اس کے انتقال کے بعد جو فترت کا دور ہوتا ہے (یعنی وہ زمانہ جس میں کوئی نبی نہ ہو) اس زمانے (کے لوگوں) سے اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرتا ہے"۔

(یعنی اس دور کے لوگ اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس گذشتہ نبی کی اس تبلیغ کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس پر ایمان لانے کی تعلیم دی تھی یا اگر ان کو اس تبلیغ کے متعلق علم ہو چکا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ فترت کے زمانے کے لوگ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں مگر) شاید یہاں جہنم کو ان لوگوں کے ذریعہ بھرنے سے مراد اس میں مبالغہ کرنا مقصود ہے (کیونکہ فترت کے دور میں سب ہی لوگ وہ نہیں ہوتے تھے جو پچھلے نبی کی تعلیمات کو بھلا کر شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو توحید کو ماننے والے ہوتے تھے اور بت پرستی نہیں کرتے تھے جیسے کہ حضرت اسماعیلؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیانی زمانے میں عبدالمطلب اور کچھ دوسرے لوگ تھے۔ لیکن چونکہ ایسے زمانوں میں اکثر لوگ توحید کو بھلا کر بت پرستی اور شرک کرتے تھے اس لئے اس حدیث میں مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے کہ ایسے فترت کے زمانوں کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرتا ہے حالانکہ اس دور کے سارے لوگ مراد نہیں ہیں) کیونکہ امام بخاری اور حضرت امام مسلم نے حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جہنم کو ہمیشہ (گناہ گاروں سے) بھرا جاتا رہتا ہے لیکن (اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور) وہ کہتی رہتی ہے کہ اور ہوں تو لائیے یہاں تک کہ آخر میں رب العزّت اس پر اپنا قدم رکھ دے گا جس سے وہ (اتنا تنگ ہو گی کہ) پکار اٹھے گی بس بس...... یعنی تیرے عزت اور تیرے کرم کے صدقے میں مجھے کافی ہو گیا۔ (غرض ان علماء کا یہ مسلک تو اہل فترت یعنی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہے جس میں کوئی نبی نہ ہو یہ حکم توحید اور حق تعالیٰ پر

ایمان لانے کے متعلق ہے جو بنیادی چیز ہے) اب جہاں تک اس کے علاوہ شریعت کی جزئیات اور تفصیلات کا تعلق ہے ان پر (اگر ان لوگوں نے عمل نہیں کیا تو) وہ عذاب کے مستحق نہیں ہوں گے کیونکہ ان تفصیلات کو بتلانے کے لئے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔

مختصر یہ کہ اگر اہل فترت حق تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن یہ کہ کر بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہوں کہ ان بتوں کو ہم صرف وسیلہ اور ذریعہ بنا کر خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں تو وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کا یہ جواب قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے (کہ وہ لوگ اپنی بت پرستی کے لئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ)۔

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى لآیہ۳ پ ۲۳ سورۂ زمر ع ۱

ترجمہ: ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرّب بنادیں۔

جب کہ اس شرک اور بتوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنانے کی پچھلے تمام نبیوں نے ممانعت کی ہے (اور اہل فترت یعنی ان نبیوں کے بعد کے لوگ بھی اس کو جانتے تھے اور اگر نہ بھی جانتے ہوں تو ان کے لئے اس کا جان لینا ممکن تھا)۔

اب جہاں تک ایمان اور توحید اور اس کے مقابلے میں شریعت کی جزئیات اور دوسرے احکام کے درمیان فرق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور توحید کے لحاظ سے تمام شریعتیں ایک ہی شریعت کی طرح ہیں کیونکہ یہ اصولی بات تمام شریعتوں میں مشترک ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت پاک سے بھی یہی مراد ہے:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا لآیہ۱۳ پ ۲۵ سورۂ شوریٰ ع ۲ ۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرّر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی حد تک سارے پیغمبروں کی شریعتیں ایک ہی ہیں کہ یہ بنیادی حکم جس پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہوتی ہے سب شریعتوں میں مشترک ہے) چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے (جو پیچھے نقل ہوئی) یہی مراد ہے کہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اقرار کرنا سب شریعتوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے آیت کے اس بقیہ حصے میں فرمایا ہے کہ:۔

وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ لآیہ۱۳ پ ۲۵ سورۂ شوریٰ ع ۲

ترجمہ:۔ اور اس میں تفریق نہ ڈالنا۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ لآیہ۵۹ پ ۸ سورہ اعراف ع ۱۴

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے لائق نہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يٰا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ، الآیہ پ ۱۲ سورہ ہود ع ۶

ترجمہ :۔ اور ہم نے قوم ثمود پر ان کے بھائی صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔

(تو ان سب آیات پاک سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جہاں تک تمام نبیوں کی لائی ہوئی شریعتوں کی اصل اور بنیاد کا تعلق ہے وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ہے) اسی وجہ سے بعض انبیاء نے اپنی قوم کے علاوہ دوسروں سے بھی اس بنا پر جنگ کی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اب اگر ایمان باللہ اور توحید کا اقرار (ہر شریعت میں) ضروری نہ ہوتا تو نبی مشرکین سے جنگ نہ کرتے۔

اب جہاں تک فروع اور تفصیلات کا تعلق ہے ان میں سب شریعتوں میں فرق ہے۔ بعض علماء نے شریعتوں کے اس فرق کا سبب یہ لکھا ہے کہ مختلف امتوں اور قوموں کی قابلیت اور صلاحیت مختلف تھی (اور پچھلی شریعتیں قومی مزاج کے مطابق احکام لے کر آتی تھیں اس لئے وہ احکام ہر قوم کے موافق نہیں ہو سکتے تھے لیکن اسلامی شریعت چونکہ ساری دنیا کے لئے بھیجی گئی اس لئے اس کے تمام احکام کو مخصوص قومی مزاج کے بجائے انسانی مزاج کے مطابق بنایا گیا تاکہ ہر قوم اور ہر انسان اس پر عمل کر سکے اسی لئے اس کو دین فطرت کہا گیا اور فطرت ہر انسان کی ایک ہوتی ہے جبکہ مزاجوں میں فرق ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے)۔

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ایمان اور توحید کے معاملے میں سارے نبی اور ساری شریعتیں ایک ہیں تو اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ :۔

اَلْاَنْبِيَاءُ اَوْلَادُ عَلَّاتٍ (حدیث)۔

ترجمہ : تمام نبی علاتی یعنی باپ شریک بھائی ہیں۔

(ی) یعنی ان کے دینوں کی اصل اور بنیاد ایک ہے اور وہ ہے توحید۔ ہاں شریعتوں اور احکام میں اختلاف ہو سکتا ہے اس لئے کہ علات کے معنی ہیں سوکنیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام پیغمبر ایک ہی باپ کی اولاد ہیں البتہ ان کی مائیں مختلف ہیں (اور سوکنوں میں اختلاف فطری ہے)۔

اس حدیث کی یہ تفسیر خود بعض حدیثوں سے ہی ثابت ہے مثلاً

اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ، اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَ دِيْنُهُمْ وَاحِدٌ (الحدیث)۔

ترجمہ : تمام پیغمبر آپس میں باپ شریک بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔

(اس سے معلوم ہوا ہے کہ توحید اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی حد تک سب نبیوں کا دین ایک ہے ہاں مسائل اور احکام مختلف پیغمبروں کی شریعتوں میں مختلف ہیں)۔

(خلاصہ یہ نکلا کہ اہل فترت یعنی وہ لوگ جن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا اگر اس پر قادر تھے کہ پچھلے نبیوں کی بنیادی تبلیغ کو معلوم کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے ___ اور پھر وہ بت پرستی نہ کرتے ہوئے صرف اس بنیادی حقیقت کا اقرار کرتے ہوں تو ان پر عذاب نہیں ہوگا لیکن) علامہ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ بالکل صاف حقیقت جس میں کوئی دھندلاہٹ نہیں یہ ہے کہ ان تمام اہل فترت کی نجات ہوگی جن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا جو ان کو اللہ عزّوجل پر ایمان لانے کی تبلیغ کرتا۔ اس لئے عرب کے لوگ یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے زمانے کے عرب بھی اہل فترت میں سے ہیں اس لئے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں نے بھی (صرف اپنی قوم بنی اسرائیل کو توحید اور ایمان کی تبلیغ کی) عربوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلایا اور ان کو اس پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کہتے ہیں کہ ہاں اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں میں سے جن کے متعلق کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ وہ جہنمی اور دوزخی ہیں تو اگر ان کے متعلق کوئی تاویل کی جاسکتی ہے (مثلاً حدیث کمزور ہو یا دوسری حدیث سے منسوخ ہو چکی ہو جیسا کہ تبع کے معاملے میں ہوا جس کا بیان گزر چکا ہے) تو ٹھیک ہے ورنہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس مخصوص فرد کے متعلق یہی عقیدہ رکھیں کہ وہ جہنمی ہے۔

اب یہاں ایک اشکال ہے کہ علامہ فخر رازی کا قول ہے کہ تمام پیغمبروں کی یہ تعلیم ہمیشہ سب کو معلوم رہی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی (اس لئے عربوں کو بھی یہ تعلیم معلوم رہی ہو گی باوجود یہ کہ اس دوران میں ان کے لئے کوئی نبی نہیں آیا۔ لہٰذا یہ بات جاننے کے باوجود جب انہوں نے توحید کا اقرار نہیں کیا تو ان کو نجات یافتہ کیسے کہا جاسکتا ہے)۔

ابن حجر ہیثمی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا (ساری دنیا کے لئے ان میں کوئی نبی نہیں تھا) اس لئے وہ قوم جس کے پاس کوئی نبی نہیں بھیجا گیا (جیسے کہ حضرت اسماعیلؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیانی زمانے کے عرب ہیں) ان پر کوئی عذاب نہیں ہو گا۔

پھر دوسرا اشکال یہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں کو عذاب دیئے جانے کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اس لئے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان پر کوئی عذاب نہیں ہو گا۔ علامہ ہیثمی کہتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اہل فترت کو عذاب دیئے جانے کے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ خبر واحد کے درجہ کی ہیں (خبر واحد حدیث کی سب سے کمزور قسم کو کہتے ہیں) اس لئے قطعی اور مضبوط درجے کی حدیثوں کے مقابلے میں خبر واحد کے درجے کی حدیثوں کو نہیں مانا جائے گا۔ یا پھر اگر اس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تو پھر عذاب دیئے جانے کو صرف اسی حدیث کی حد تک منحصر اور محدود کرنا پڑے گا۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا چنانچہ اس کے متعلق بزار نے ثوبان سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جب قیامت کا دن ہو گا تو زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے بتوں کو اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے ان کا پروردگار ان سے بت پرستی کے متعلق سوال فرمائے گا، تو وہ عرض کریں گے۔

"اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول اور پیغمبر نہیں بھیجا تھا جو ہمیں تیرے احکام پہنچاتا۔ اگر تو ہمارے پاس کوئی پیغمبر بھیجتا تو ہم تیرے سب سے زیادہ فرماں بردار بندے ہوتے"۔

اس پر ان کا پروردگار ان سے ارشاد فرمائے گا۔

"میں اگر تمہیں حکم دوں تو کیا تم اس کو مانو گے"؟

(وہ لوگ جب اقرار کریں گے تو) حق تعالیٰ ان سے اس پر عہد و پیمان لیں گے۔ اس کے بعد ان کو حکم فرمائیں گے کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور ان کو (جہنم کی طرف) بھیج دیں گے۔ وہ اس طرف چلیں گے۔ یہاں تک کہ جب جہنم کو دیکھیں گے تو ایک دم گھبرا جائیں گے اور وہاں سے واپس لوٹ آئیں گے اور عرض،

کریں گے۔

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے دور رکھ ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے"۔

(ان کی اس نافرمانی پر) حق تعالیٰ حکم دیں گے۔

"اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں داخل ہو جاؤ"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اگر وہ لوگ پہلی مرتبہ میں اس میں داخل ہو جاتے تو وہ آگ ان کے لئے گل و گلزار ہو جاتی"۔

(اس حدیث کی روشنی میں) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خیال یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال (ی) جو آپ کی نبوت سے پہلے فوت ہو گئے وہ اس امتحان میں حق تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے جو آنحضرت ﷺ کے اعزاز و اکرام کے طور پر ہو گا تاکہ اس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

عبدالمطلب اور آنحضرت ﷺ کے والدین کی نجات ہو گی یا نہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ۔

مقصود یہ ہے کہ عبدالمطلب جاہلیت کے دین پر ہی مرے ہیں۔ اس بارے میں صرف شیعوں کا فرقہ عبدالمطلب اور ان کے بیٹے ابو طالب کے متعلق اختلاف کرتا ہے۔ بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ان حدیثوں کا ذکر کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کی نجات نہیں ہو گی) لکھا ہے۔

"آپ کے والدین اور دادا کا آخرت میں یہ انجام کیوں نہیں ہو گا جبکہ وہ بتوں کو پوجتے تھے اور مرنے تک انہوں نے عیسیٰؑ کا دین قبول نہیں کیا (جو اس وقت سچا آسمانی مذہب تھا) مگر ان کے کافر ہونے سے آنحضرت ﷺ کے نسب میں کوئی برائی پیدا نہیں ہوتی اس لئے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ لوگ اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوتے تھے تو ان پر نکاح کی تجدید کرنا یا ان عورتوں کو چھوڑ دینا ضروری نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ یہ اسلام میں جائز ہے۔" یہاں تک ان کا کلام ہے۔

پھر علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ کا اپنے والدین اور دادا کے متعلق یہ خبر دے دینا کہ وہ جہنم والوں میں سے ہیں۔ اس حدیث کے خلاف نہیں جو مختلف سندوں سے ملتی ہے کہ اہل فترت یعنی جاہلیت کے زمانے کے لوگ اور بچے اور پاگل اور گونگے آدمیوں کا قیامت کے دن حق تعالیٰ امتحان لیں گے۔ اب ان میں سے کچھ لوگ کامیاب ہو جائیں گے (تو وہ جنت میں جائیں گے) اور کچھ لوگ ناکام ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ (یعنی آپ کے والدین اور عبدالمطلب) ان لوگوں میں سے ہوں گے جو ناکام ہو جائیں گے اس لئے دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۲

مگر اس سلسلے میں میں مناسب اور بہتر روش یہ ہے کہ سکوت اور خاموشی اختیار کی جائے کیونکہ ان کے مقابلے میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کو حق تعالیٰ نے آپ کے اعزاز میں دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ حق تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات کچھ بعید بھی نہیں کہ اس نے اپنے محبوب کی تسلی کی خاطر آپ کے واسطے یہ خصوصیت رکھی ہو۔ جیسا

کہ اس طرف علامہ حافظ ابن حجر اور علامہ حافظ سیوطیؒ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ تاہم مختصر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین اور عبدالمطلب کے متعلق سکوت اور خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب ہے۔

اور یہ اسی لئے نہیں کہ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے ماں باپ اور دادا تھے کیونکہ آخرت کی نجات کے لئے اسلام میں نسبت کی فضیلت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ عبدالمطلب کے متعلق تو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی اور زمانۂ جاہلیت کی دوسری برائیوں میں مبتلا نہیں تھے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں نسب نامے کے تحت اس کی تفصیل گزری ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے والدین کے بارے میں بت پرستی ثابت نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی برکت سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ جن کے صلب سے آپ تھے اور وہ جن کے رحم میں آپ نے نو ماہ گزارے ان کی حق تعالیٰ نے ان برائیوں سے حفاظت فرمائی ہو اور آپ کی برکت سے وہ آخرت کے امتحان میں کامیاب ہونے والوں میں سے ہوں۔ البتہ ابوطالب کے متعلق مختلف صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ ان کو اسلام کا زمانہ ملا، اسلام پیش کیا گیا مگر انہوں نے توحید کا اقرار نہیں کیا بلکہ کفر و شرک پر ہی مرے جس کے نتیجے میں وہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا ہونے اور آپ سے بے اندازہ محبت کرنے کے باوجود آخرت کی باز پُرس اور حق تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ مرتب)۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ امید یہ ہے کہ عبدالمطلب بھی اس جماعت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے والوں میں ہوں گے جو فرمانبرداروں کی جماعت ہوگی۔ لیکن ابوطالب ان میں سے نہیں ہوں گے اس لئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ پایا مگر آنحضرت ﷺ کی خواہش کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔

(ابوطالب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی وہ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے بہت قریب تھے اور آپ سے انہیں بے حد محبت تھی اس لئے ان کے متعلق حدیث میں ہے کہ ان کو مشرکوں میں سب سے کم عذاب دیا جائے گا) اس سے حافظ سیوطیؒ نے دلیل پیدا کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں باپ جہنم میں نہیں ہوں گے اس لئے کہ اگر وہ جہنم میں ہوتے تو سب سے کم عذاب ان کو ہونا چاہئے کیونکہ ابوطالب کے مقابلے میں وہ آنحضرت ﷺ سے زیادہ قریب تھے اور ان کا عذر بھی مضبوط ہے کہ انہیں نہ تو نبوت کا زمانہ ملا اور نہ ہی یہ ہوا کہ ان کو اسلام پیش کیا گیا ہو اور انہوں نے انکار کر دیا ہو لیکن آنحضرت ﷺ کا فرمان ابوطالب کے متعلق ہے کہ ان کو سب سے کم عذاب دیا جائے گا (حالانکہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ بھی ملا اور اسلام بھی پیش کیا گیا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا) اس لئے آپ کے والدین جہنم میں نہیں ہیں۔ حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اہل اصول کے نزدیک اس طرح کی دلیل کو دلالت اشارہ کہتے ہیں (یعنی ایک روایت کے مفہوم اور مطلب سے کوئی دوسرا نتیجہ خود بخود نکل آنا۔

**آنحضرت ﷺ پر عبدالمطلب کی شفقت و محبت**...... بیان اس کا چل رہا ہے کہ حضرت آمنہ کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی نگرانی اور پرورش میں آگئے تھے۔ عبدالمطلب کو آپ سے جو بے انتہا محبت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ) کعبے کے سائے میں عبدالمطلب کے لئے ایک فرش بچھایا جاتا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے اور ان کے احترام میں ان کے گھر والوں یا قریش میں سے کوئی شخص اس پر نہیں بیٹھا کرتا تھا چنانچہ ان کے بیٹے اور سرداران (قریش اس فرش کے چاروں طرف بیٹھا کرتے تھے مگر رسول

اللہ ﷺ جو اس وقت ایک نوعمر مگر تندرست لڑکے تھے وہاں تشریف لاتے تو سیدھے اس فرش پر جا کر بیٹھ جاتے (آپ کے چچا یہ دیکھتے تو عبدالمطلب کے لوب کی وجہ سے) آپ کو پکڑ کر وہاں سے ہٹانا چاہتے تاکہ اس فرش سے علیحدہ آپ کو بٹھائیں مگر عبدالمطلب جب یہ دیکھتے تو فوراً کہتے۔

"میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم یہ بڑی شان والا ہے"۔

اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے پاس اس فرش پر بٹھاتے اور آپ کی کمر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے رہتے اور آپ کی باتیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے۔

(قال۔ اسی روایت میں عبدالمطلب کا جو جملہ نقل ہوا) اس کو حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب کہتے۔

"میرے بیٹے کو یہیں بیٹھنے دو اس لئے کہ اس کو خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ اس کی شان بڑی ہے۔ میری آرزو ہے کہ یہ ایسا بلند مرتبہ پائے جو کسی عرب کو نہ اس سے پہلے حاصل ہوا ہو اور نہ بعد میں ہو۔" ایک روایت میں ہے کہ۔ "میرے بیٹے کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے مزاج میں طبعی طور پر بلندی ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ "میرے بیٹے کو میرے اس فرش پر ہی واپس بھیج دو اس لئے کہ اس کی طبیعت اسے خود یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ ایک عظیم بادشاہی کرے گا۔ اس کی شان بڑی نرالی ہو گی"۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میرے والد (یعنی حضرت عباسؓ) فرمایا کرتے تھے۔

"حجر اسود کے پاس کعبے میں عبدالمطلب کے لئے ایک فرش بچھا ہوا تھا جس پر ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھتا تھا حرب ابن امیہ اور دوسرے بڑے بڑے قریشی سردار تک اس سے ہٹ کر اس کے چاروں طرف بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت تک آپ جوان نہیں ہوئے تھے اور نوعمر لڑکے تھے۔ آپ آکر سیدھے اس فرش پر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے (عبدالمطلب کے ادب کی وجہ سے) آپ کو پکڑ کر کھینچا اور وہاں سے ہٹا دیا۔ آپ ایک دم رو پڑے۔ اس وقت عبدالمطلب کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ انہوں نے (آپ ﷺ کے رونے کی آواز سنی تو) پوچھا۔

"میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے"؟

لوگوں نے بتلایا کہ یہ فرش پر بیٹھنا چاہتے تھے اس سے انہیں روک دیا گیا۔ عبدالمطلب نے کہا

"میرے بیٹے کو اس فرش پر ہی بیٹھنے دو کیونکہ وہ خود اپنا مرتبہ پہچانتا ہے۔" یعنی انہیں خود یقین ہے کہ وہ بڑی شان والے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اس کو وہ مرتبہ حاصل ہو جو نہ اس سے پہلے کسی عرب کا ملا ہو اور نہ اس کے بعد ملے"۔

(ی) چنانچہ اس کے بعد لوگ آپ کو اس فرش پر بیٹھنے سے بالکل منع نہیں کرتے تھے چاہے عبدالمطلب وہاں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

(ان روایتوں میں عبدالمطلب کا کہا ہوا جملہ کئی انداز کا ہے جس کا مطلب ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے اس فرش پر بیٹھنا چاہا اور ہر دفعہ لوگوں نے آپ کو وہاں سے ہٹا دیا جس پر عبدالمطلب ان کو روکنے سے منع کر دیا کرتے۔ مگر اس آخری روایت میں یہ ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد پھر آپ کو کبھی کسی نے اس فرش پر بیٹھنے سے نہیں روکا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ) شاید یہ آخری موقعہ تھا جب قریش نے آپ

کو روکا (اس کے بعد انہوں نے روکنا چھوڑ دیا) یا پھر یہ ممکن ہے کہ واقعہ تو ایک ہی دفعہ کا ہو مگر مختلف راویوں نے عبدالمطلب کا جملہ مختلف انداز میں بیان کیا ہو۔

نبوت کی نشانیاں اور گواہیاں...... بنی مُدلج کے کچھ لوگوں نے جو قیافہ شناس تھے اور چہرہ مہرہ دیکھ کر آدمی کے مستقبل کے متعلق بتلادیا کرتے تھے ایک دفعہ عبدالمطلب سے کہا۔

"اس بچے کی حفاظت کرو اس لئے کہ مقام ابراہیم پر (حضرت ابراہیمؑ کے) قدم کا جو نشان ہے اس سے شباہت رکھنے والا قدم ہم نے اس بچے کے سوا کسی کا نہیں دیکھا۔" (یعنی یہ بچہ قوم کی اس شباہت کی وجہ سے کچھ خاص ہی شان والا ہے اس لئے اس کی پوری حفاظت کرو۔ مبادا اسے کوئی گزند اور نقصان پہنچ جائے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔(ی) مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کعبے کی تعریف کے وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس پتھر پر بطور معجزہ ان کے پیروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ یہ ہی پتھر ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور جو مقام ابراہیم کہلاتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی کی طرف آنحضرت ﷺ کے چچا نے اپنے قصیدے میں اشارہ کیا ہے۔

وَبِالحَجَرِ المُسَوَّدِ اذ يَلثِمونَهُ
اِذَاً كَتِفُوهُ، فِي الضُّحىٰ وَالاَصَائِلِ

ترجمہ : قسم ہے اس حجر اسود کی جس کو لوگ چومتے ہیں اور جبکہ اس کو صبح اور شام اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔

وَمَوطَئي ابراهيم في الصخر رطبة
عَلىٰ قَدَمَيهِ حَافِيًا غَيرَ نَاعِلِ

ترجمہ :اور قسم ہے حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کی اس جگہ کی جو پتھر میں آج بھی تازہ ہے جو ان کے قدموں کے برابر بغیر جوتے کے ننگے پیر کا نشان ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک اس پتھر میں دھنس کر اپنا نشان چھوڑ گئے اور یہ بغیر جوتے کے ننگے پاؤں کا نشان ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے مقام ابراہیم یعنی اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ (کے پاؤں) کی انگلیوں اور ایڑیوں کے نشان دیکھے نیز کسی قدر تلوے کا نشان بھی ہے مگر لوگوں کے اس کو (برکت کے لئے) چھونے نے اس نشان کو ختم کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کے حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان سے مشابہ ہونے سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نسل اور خاندان کے آدمیوں کے ہیں (یعنی اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں سے ہیں اور یہ روایت آپ کے شجرۂ نسب کا ثبوت بنتی ہے کیونکہ گزشتہ ابواب میں ایک واقعہ ذکر ہوا ہے کہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ جن سے رسول اللہ ﷺ کو بہت تعلق تھا وہ کالے رنگ کے تھے کیونکہ ان کی ماں اُمّ یمن برکہ حبشیہ سیاہ فام تھیں مگر اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ گورے چٹے تھے اس لئے منافقین حضرت اسامہ کے نسب میں شبہ اور طعن کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت زیدؓ کے بیٹے نہیں ہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو رنج اور تشویش تھی کہ اچانک قبیلہ مُدلج کے ایک مشہور قیافہ شناس مجز زمُدلجی نے دیکھا کہ دو آدمی ایک چادر اوڑھے پڑے سو رہے ہیں جن کے پیر نظر آرہے تھے اگرچہ ان میں سے دو پیر سیاہ تھے اور دو سفید مگر مجز زنے علم

قیافہ سے دیکھتے ہی حیرت سے کہا کہ یہ پیرز جو رنگ کے لحاظ سے بہت مختلف لگتے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کے۔ اس خبر سے آنحضرت ﷺ کو بہت اطمینان ہوا اور منافقوں کی زبانیں بھی بند ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے چونکہ مُدلجی کی اس خبر پر اطمینان فرمایا اس لئے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ علم قیافہ کے ذریعہ نسب کا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قدموں کو حضرت ابراہیمؑ کے نشان قدم کے مشابہ بتلاتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ہی نسل کے آدمیوں کے پیر معلوم ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا علم قیافہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو شرعی دلیل بھی ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قدموں کے نشان بھی پتھر میں نقش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ معراج کی رات میں جب آپ بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے پتھر پر آپ کا نشان قدم نقش ہو گیا جو آج تک موجود ہے۔

مگر علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں ایسی کسی روایت سے واقف نہیں ہوں آنحضرت ﷺ کے قدموں کے نشان بھی پتھر پر جم جاتے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں کسی دوسرے ایسے محدّث سے بھی واقف نہیں جس نے ایسی کوئی حدیث پیش کی ہو۔ اسی طرح جیسا کہ ایک روایت لوگوں میں مشہور ہے کہ جب ایک دفعہ آپ کی کہنی دیوار سے رگڑی گئی تو اس کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا اور اسی وجہ سے مکے میں یہ جگہ آنحضرت ﷺ کی کہنی کے نشان سے مشہور ہو گئی۔ مگر علامہ سیوطیؒ نے اس کے متعلق بھی اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا ہے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قول کے باوجود علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "خصائص صغریٰ" میں لکھا ہے کہ :۔

"کوئی پتھر ایسا نہیں جس پر آنحضرت ﷺ کا قدم مبارک پڑا ہو اور اس پر اس قدم کا نشان نقش نہ ہو گیا ہو"۔

یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا کلام ہے۔

اس بارے میں یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک کی اس تاثیر کے متعلق انکار کرنے کے بعد علامہ سیوطی کو کوئی معتبر روایت ملی ہو۔

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ جس پتھر پر بھی آنحضرت ﷺ نے قدم رکھا اس پر نشان قدم جم گیا۔ یہ قابل غور ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ امام سبکیؒ نے آپ ﷺ کے قدم مبارک کی اس تاثیر کے متعلق اپنے قصیدے میں یہ لکھا ہے :۔

وَاَثَرٌ فِی الْاَحْجَارِ مَشْیُكَ ثُمَّ لَم
یُوثر بِرَمْلٍ اَوْبِبَطْحَاءِ رَطْبَةٍ

ترجمہ : آپ کے قدموں کے نشان پتھروں میں پڑ گئے مگر ریت اور نرم مٹی میں نہیں پڑے۔

اس قصیدے کی شرح کرنے والے نے اس سلسلے میں لکھا کہ شاید ریت میں آپ کے قدموں کے نشان نہ پڑنے سے مراد یہ ہے کہ جب آپ نے رات کے وقت مکے سے ہجرت فرمائی اور پہلے غار ثور میں جا کر چھپے اس وقت (راستے میں) ریت پر آپ کے قدموں کے نشان نہیں پڑے (تاکہ قریشی دشمن ان نشانوں کو

دیکھتے ہوئے آپ تک نہ پہنچ جائیں) (ی) تو گویا ہمیشہ آپ کی یہ شان نہیں تھی کہ ریت میں پیروں کے نشان نہ پڑتے ہوں۔ چنانچہ (اس رات مکے سے غار ثور کو جاتے ہوئے آپ جب قدم اٹھاتے تو حضرت ابو بکرؓ سے فرماتے تھے کہ اپنے پیر میرے قدموں کے نشانوں پر رکھتے چلو تاکہ ریت میں نشان نہ رہیں۔

اس سے آپ اپنے قدموں کے نشانوں کو چھپانا چاہتے تھے تاکہ قریش جو آپ کی تلاش میں نکلیں گے بھٹک جائیں،

مگر اس روایت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آپ کے قدموں کے نشان پڑتے تھے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نشان نہیں پڑتے تھے۔ پھر اسی بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو آگے آرہا ہے کہ قریشی دشمن پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں چلے یہاں تک کہ ایک غار کے پاس جاکر وہ نشانات ختم ہوگئے۔ اس وقت پاؤں کے نشانوں کو پرکھنے والے ماہر نے ان لوگوں سے کہا۔

یہ نشانات ابن ابو قحافہ یعنی ابو بکر کے پیروں کے ہیں۔ جہاں تک دوسرے پیروں کے نشانات کا معاملہ ہے تو ان کو میں نہیں پہچانتا ہاں وہ نشانات اس قدم کے نشان جیسے ہیں جو مقام یعنی مقام ابراہیم پر ہیں"۔

اس پر قریش نے کہا کہ اس کے آگے تو کوئی نشان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آگے ہجرت کے بیان میں آئے گی۔

اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کے پیر کے نشان کے ساتھ دوسرے قدم کا نشان بھی پہچانا جارہا تھا تو پھر آنحضرت ﷺ کے ابو بکرؓ سے یہ فرمانے کا کیا مطلب ہوگا کہ اپنے پیر میرے قدموں کے نشانوں پر رکھتے چلو تاکہ ریت میں نشان نہ رہیں۔

اس کے جواب میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابو بکرؓ کا پیر آنحضرت ﷺ کے قدم کے برابر نہ ہو (یعنی چھوٹا ہو) اب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ٹھیک ہوجاتا ہے تاکہ ریت میں نشان نہ رہے۔ کیونکہ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ ریت میں (میرے پیر کا) صاف اور واضح نشان نہ رہے۔ چنانچہ اب نشان قدم کے ماہر کا یہ کہنا بھی ٹھیک ہوگیا کہ یہ تو ابو بکرؓ کے پیروں کے نشان ہیں اور دوسرے قدم کے نشان کو میں نہیں پہچان سکا (اس لئے کہ وہ صاف اور واضح نہیں تھا)۔

(امام سبکی کے قصیدے کی) اس شرح کرنے والے نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے قدم کے نشان پتھروں میں نقش ہوجاتے تھے، بلکہ اس کو جن بنیادوں پر قبول کیا ہے وہ بھی کمزور نہیں ہیں۔

(اس قصیدے میں آپ کے نشان قدم پڑنے کے متعلق پتھر کے بجائے) "پتھروں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ کے قدم کے نشان (کسی خاص موقعہ پر ہی نہیں بلکہ) بار بار پتھروں پر پڑے ہیں۔ مگر علامہ سیوطی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کی یہ شان نہیں تھی کہ جس پتھر پر بھی آپ چلے اس پر نشان قدم ہوگئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(قال) ایک دن عبدالمطلب بیت اللہ میں حجر اسود کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس اس وقت نجران کے عیسائیوں کا اسقف اعظم یعنی بڑا پادری بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اسقف عیسائیوں کے مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں جس کے معنی ہیں بہت زیادہ عبادت کرنے اور خدا سے ڈرنے والا۔ غرض یہ پادری عبدالمطلب سے باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ :۔

"ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامتیں ہیں جو اسماعیلؑ کی اولاد میں ہونا باقی ہے۔ یہ شہر اس کی جائے پیدائش ہوگا اور اس کی یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔ اسی وقت کوئی رسول اللہ ﷺ کو لے کر وہاں آگیا۔ پادری کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے فوراً آپ کی آنکھوں اور پیٹھ (جہاں مہر نبوت تھی) اور پیروں کو دیکھ (یعنی جن جگہوں پر علامتیں پائی جانے کی متعلق وہ جانتا تھا) اور پھر ایک دم بول اٹھا۔

"وہ نبی یہی ہے۔ یہ تمہارے کیا ہوتے ہیں"؟

عبدالمطلب نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔

اسقف اعظم نے کہا۔

"مگر ہم اپنی کتابوں میں تو یہ لکھا پاتے ہیں کہ اس نبی کا باپ زندہ نہیں ہوگا"!

تب عبدالمطلب نے کہا

"یہ میرا پوتا ہے۔ اس کے والد کا اس وقت ہی انتقال ہو گیا تھا جب یہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا"۔

اسقف نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔

پھر عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

"اپنے بھتیجے کی پوری طرح حفاظت کرو کیونکہ تم نے سن ہی لیا ہے کہ اس کے متعلق کیا کہا جارہا ہے"۔

اُم ایمن سے روایت ہے کہ :۔

"جس زمانے میں نبی کریم ﷺ کی میں پرورش اور دیکھ بھال کرتی تھی تو ایک دن آپکی طرف سے غافل ہو گئی۔ مجھے اس وقت پتہ نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں کہ اچانک عبدالمطلب وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے۔

اے برکہ! میں نے کہا حاضر ہوں۔ پھر وہ بولے

"تمہیں معلوم ہے مجھے میرا بیٹا کہاں ملا"۔

میں نے کہا۔ مجھے نہیں معلوم۔ کہنے لگے۔

میں نے اس کو بچوں کے ساتھ اس درخت کے پاس پایا۔ تم میرے بیٹے کی طرف سے اس طرح غافل مت ہوا کرو۔ اس لئے کہ اہل کتاب کہتے ہیں یعنی یہودی اور عیسائی جن میں سے ایک سیف ابن ذی یزن بھی تھا جیسا آگے اس کا واقعہ آئے گا) کہ یہ اس امت کا نبی ہوگا۔ اب مجھے ان کی طرف سے اس کے متعلق اندیشہ پیدا ہو گیا ہے"۔

(اسی طرح عبدالمطلب کی آنحضرت ﷺ سے محبت کا یہ حال تھا کہ) وہ جب بھی کھانا کھانے بیٹھتے تو کہتے کہ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ جب بھی کھانا آتا تو عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کو ہمیشہ اپنے برابر میں یا اکثر اپنی گود میں بٹھایا کرتے اور سب سے اچھا کھانا آنحضرت ﷺ کو دیتے تھے۔

اسی طرح ایک شخص سے روایت ہے یہ شخص حیدہ ابن معاویہ عامری ہے۔ یہ بہت زیادہ عمر والے لوگوں میں سے ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اتنی عمر والے تھے کہ) جب ان کی وفات ہوئی تو یہ ایک ہزار مردوں اور عورتوں کے چچا تھے۔ غرض ان سے روایت ہے کہ :۔

"ایک مرتبہ جاہلیت کے زمانے میں میں حج کے لئے مکے گیا۔ وہاں میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو......... ایک روایت میں ہے کہ ایسے بوڑھے کو دیکھا جو بہت لمبے قد کا تھا۔ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:۔

یارَبِّ رُدَّرا کبی محمداً ﷺ
اردوہ ربی واصطنع عندی یداً

ترجمہ: اے میرے پروردگار میری سواری کو محمد ﷺ طرف پھیر دے اور اسے میرا دست و باز و بنا دے۔

تھوڑے فرق سے یہی شعر اس واقعہ میں بھی گزرا ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ دایہ حلیمہ کے پاس سے اس وقت راہ میں گم ہو گئے تھے جبکہ وہ آپ کو لے کر مکے آرہی تھیں پھر جب انہوں نے مکے آکر عبدالمطلب کو آپ کی گمشدگی کے متعلق بتلایا تو انہوں نے ورقہ ابن نوفل کو آپ کی تلاش میں بھیجا اور خود بیت اللہ میں آکر یہ شعر پڑھنے لگے۔ اس جگہ شعر میں تھوڑا سا فرق ہے جو موقعہ کے مطابق ہے یہ واقعہ گزر چکا ہے)۔

(غرض حیدہ ابن معاویہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اس بوڑھے شخص کو یہ شعر پڑھتے دیکھا تو) میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا۔ "یہ عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے جو گم ہو گیا ہے (اور ان کا وہ پوتا ایسا ہے کہ) جب بھی اسے کسی چیز کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ اسے لے کر ہی آتا ہے"۔

(قال) ایک روایت میں اس طرح ہے کہ "یہ قریشی سردار عبدالمطلب ہیں۔ ان کے پاس بہت سے اونٹ ہیں اگر ان میں سے کوئی گم ہو جاتا ہے تو اس کی تلاش میں یہ اپنے بیٹوں کو بھیجتے ہیں۔ اگر ان کو نہ ملے تو پھر یہ اپنے پوتے کو بھیجتے ہیں اپنے اس پوتے کو یہ جس کام اور مقصد کے لئے بھی بھیجتے ہیں وہ اس میں ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ اب انہوں نے اس کو ایک ایسے کام کے لئے بھیجا ہے جس میں ان کے بیٹے ناکام ہو گئے ہیں۔ اب اس کو گئے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ ("اس لئے عبدالمطلب پریشان ہو کر یہ دعا مانگ رہے ہیں)۔
روای کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ اونٹ کو لئے تشریف لا رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے آپ کو دیکھ کر کہا۔
"میرے بیٹے! میں تمہارے طرف سے اتنا فکر مند اور غمگین ہو گیا تھا کہ شاید اس کا اثر میرے دل سے کبھی نہ جائے"۔
اس سلسلے میں بعض مفسرین کی جو رائے گزر چکی ہے اس کو یہاں دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(یعنی پچھلے صفحات میں گزرا ہے کہ بعض مفسرین نے آیت وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مراد ہے آنحضرت ﷺ کا دایہ حلیمہ کے پاس سے گم ہو جانا اور یہ شعر بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس واقعہ میں گزرا ہے)۔

**قحط سالی کے وقت آنحضرت ﷺ کی برکات**...... رقیقہ بنت ابو سیفی عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔

ابو سعد نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مسلمان تھیں اور ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر ابو نعیم کہتے ہیں کہ میری رائے میں ان کو اسلام کا زمانہ نہیں ملا اور ابن حبان یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابیہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان رقیقہ سے روایت ہے کہ :۔

قریش پر مسلسل کئی سال بڑے سخت قحط اور خشک سالی کے گزرے یہاں تک کہ مال و متاع بھی ختم ہو گیا اور جانوں پر بن گئی۔ کہتی ہیں کہ میں نے اسی زمانے میں خواب میں ایک شخص کو کہتے سنا۔

"اے گروہ قریش! تم میں سے جو نبی ظاہر ہونے والا ہے اس کے ظہور کا وقت آگیا ہے، اس کے ذریعہ تمہیں زندگی یعنی خوب بارش اور سرسبزی و شادابی بسر ہو گی۔ تم اپنے معزز کوگوں میں سے ایک ایسا آدمی تلاش کرو جو بڑے ڈیل ڈول کا ہو، گورے رنگ کا ہو اور جس کی بھنویں یعنی ابرو ملے ہوئے ہوں، جس کی پلکیں لانبی ہوں، پلتے رخسار ہوں ستواں ناک ہو یہ بھی لفظ ہیں کہ ناک کا بانسہ پتلا ہو وہ اپنی تمام اولاد کے ساتھ نکلے اور تم میں سے ہر خاندان کا ایک آدمی نکلے، سب پاک صاف ہوں اور خوشبو لگائیں اور رکن کو بوسہ دیں۔ پھر سب جبل ابو قبیس نامی پہاڑ پر چڑھیں پھر وہ شخص (جس کی علامتیں اور صفات بیان کی گئی ہیں) آگے بڑھے اور پانی کی دعا مانگے اور تم سب آمین کہو تو تمہیں سیراب کر دیا جائے گا"۔

صبح ہوئی تو رقیقہ نے اپنا یہ خواب قریش سے بیان کیا۔ (جب انہوں نے ان نشانیوں کو تلاش کیا تو) یہ سب نشانیاں اور صفات انہیں عبدالمطلب میں مل گئیں، چنانچہ سب ان کے پاس جمع ہو گئے اور ہر خاندان سے ایک ایک آدمی آیا۔ پھر انہوں نے وہ سب شرطیں پوری کیں جو رقیقہ نے ان کو بتلائی تھیں اور اس کے بعد یہ سب ابو قبیس پہاڑ پر چڑھ گئے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی تھے جو اس وقت نوعمر تھے۔ پھر عبدالمطلب آگے بڑھے اور انہوں نے دعا۔

"اے اللہ! یہ سب تیرے غلام اور تیرے غلاموں کی اولاد ہیں، اور تیری باندیاں اور تیری باندیوں کی اولاد ہیں ہم پر جو وقت پڑا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ ہم مسلسل قحط سالی کا شکار ہیں اب اونٹ، گائیں، گھوڑے، خچر اور گدھے سب کچھ ختم ہو چکے ہیں اور جانوں پر بن آئی ہے۔ اس لئے ہماری یہ خشک سالی ختم فرما دے اور ہمیں زندگی اور سرسبزی و شادابی عطا فرما دے۔"

"ابھی وہ یہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ (بارش ہو گئی اور) وادیاں پانی سے بھر گئیں"۔

(قال) ایک دوسری روایت میں رقیقہ سے ہی روایت ہے کہ :۔

"قریش پر مسلسل کئی سال ایسی خشک سالی اور تنگی کے گزرے کہ ہڈی سے چمڑا الگ گیا۔ اسی زمانے میں ایک رات جبکہ میں نیم غنودگی اور نیم بیداری کی حالت میں تھی میں نے ایک ایسے پکارنے والے کی آواز سنی جو نظر نہیں آرہا تھا وہ بڑی کرخت اور گرجدار آواز میں کہہ رہا تھا۔

"اے گروہ قریش! یہ جو نبی تم ہی میں سے ظاہر ہونے والا ہے اس کے ظہور کے دن قریب آگئے اور اب وہ ظاہر ہی ہوا چاہتا ہے اور تمہارے لئے زندگی اور شادابی کا مژدہ لے کر آئے گا۔ پس سنو! اپنے معزز لوگوں میں سے ایک ایسا آدمی تلاش کرو جو بہ زیادہ ڈیل ڈول کا اور گورا چٹا ہو، لانبی پلکوں والا ہو اور ہلکے رخساروں والا ہو، اونچی ناک والا ہو، ایسے مرتبے والا ہو کہ اس کے سامنے کوئی دم نہ مارتا ہو اور ایسے طریقوں والا ہو کہ ان پر

عمل کیا جاتا ہو، وہ اپنے بیٹوں اور پوتوں سب کے ساتھ نکلے اور ہر خاندان کا ایک ایک آدمی اس کے ساتھ آئے وہ سب غسل کریں اور خوشبو لگائیں پھر سب رکن کو بوسہ دیں اور بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کریں۔ اس کے بعد ابو قبیس نامی پہاڑ پر چڑھیں۔ وہاں وہ شخص پانی کے لئے دعا مانگے اور سب لوگ آمین کہیں جو پاک صاف ہوں۔ پس تمہاری جیسا کہ تم چاہتے ہو مدد کی جائے گی"۔

رقیقہ کہتی ہیں کہ صبح کو میں اٹھی تو بہت گھبرائی ہوئی تھی میرا بدن کانپ رہا تھا اور میرے حواس بجانہ تھے، میں نے یہ خواب بیان کیا تو ایک دم سارے مکے کی گھاٹیوں میں اس کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر تھا کہ وہ شخص شیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب ہیں۔ قریش کے لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور ہر خاندان کا ایک ایک آدمی ان کے پاس پہنچ گیا، پھر ان لوگوں نے غسل کیا، خوشبو لگائی اور رکن کو بوسہ دے کر طواف کیا، پھر سب لوگ ابو قبیس پہاڑ پر چڑھے جہاں قوم کے لوگ ایک دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہوئے عبدالمطلب کے قریب چاروں طرف سے جمع ہو گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تھے۔ تب عبدالمطلب نے کہنا شروع کیا۔

"اے اللہ! تو مصیبتوں کو دور کرنے والا اور پریشانیوں کو ہٹانے والا ہے، تو سب کچھ جاننے والا ہے اور تجھے کسی بتلانے والے کی ضرورت نہیں ہے، تو بغیر بخل کے بخشش کرنے والا ہے۔ یہ تیرے حرم کے غلام اور باندیاں ہیں جو تجھ سے اس قحط سالی کی فریاد کرتے ہیں جس نے ان کے اونٹوں اور گایوں کو خشک کر دیا۔ پس اے اللہ! ان کو جلد باران رحمت عطا فرما"۔

لوگ یہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک آسمان سے پانی پھٹ پڑا اور وادیاں بھر گئیں۔ پھر میں نے قریشی بزرگوں کو عبدالمطلب سے یہ کہتے سنا۔

"اے ابو البطحا! یعنی وادی بطحاء کے سردار! مبارک ہو تمہارے ذریعہ بطحاء کے لوگوں نے زندگی پائی"۔

(ی) بظاہر یہ واقعہ ایک ہی ہے (لیکن روایتوں میں تھوڑا سا فرق ہے) اس لئے ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے غور کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روایتوں کا یہ اختلاف راویوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے کہ ان میں سے کسی نے روایت کے اصل الفاظ نقل کرنے کے بجائے اس کے مفہوم اور مقصد کو اپنے لفظوں میں بیان کر دیا (جبکہ دوسرے راوی نے اصل الفاظ کے ساتھ روایت کی جس کی وجہ سے دونوں میں فرق پیدا ہو گیا۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ کون سی روایت اصل الفاظ کے ساتھ ہے)۔

عبدالمطلب کے ذریعہ لوگوں کی سیرابی جو در حقیقت آنحضرت ﷺ کی برکت سے حاصل ہوئی اس کا رقیقہ نے ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

بِشَیْبَۃِ الْحَمْدِ اَسْقَی اللّٰہُ بَلْدَتَنَا
وَقَدْ عَدِمْنَا الحَیَا وَاجلَوَّذَ المَطر

ترجمہ: شیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیرابی عطا فرمائی جبکہ ہم مدتوں سے بارش اور سرسبزی کو ترس رہے تھے۔

فَجَادَ بِالْمَاءِ جَوْنِیٌّ لَہٗ سُبُلٌ دَانٍ
فَعَاشَتْ بِہٖ الانعَامُ وَ الشَّجَرُ

ترجمہ: پس اس نے اپنے خزانوں سے ایسی زبردست بارش عطا فرمائی کہ اس سے جانوروں اور درختوں کو بھی زندگی مل گئی۔

مَنّا مِنَ اللّٰهِ بِالْمَيْمُون طَائِرَهُ
وَخَيْرِ مِن بشرت يَوْماً بِهِ مُضَرُ

ترجمہ: اس کی خوش بختی خدا کی طرف سے اس پر ایک احسان ہے اور اسی بہترین انسان کے ساتھ قبیلہ بنی مضر کو خوشخبری دی گئی (جس کا واقعہ آگے آرہا ہے)

مُبارك الاِسْم يَسْتَسْقي الغَمَام به
مَافِي الانَام له عَدل وَلا خَطر

اس کے مبارک نام کے ساتھ بادلوں سے پانی مانگا گیا............اور پوری کائنات میں جس کا کوئی مثل اور مشابہ نہیں ہے۔

(ی) قریش کو یہ سیرابی حاصل ہو گئی مگر یہ بارش قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کی قریبی بستیوں میں نہیں ہوئی (چنانچہ جب ان کو مکے کے اس واقعے اور عجوبے کا پتہ چلا تو) ان قبیلوں کے سب سردار جمع ہوئے اور کہنے لگے۔

"ہم اس زبردست قحط اور خشک سالی کا شکار ہیں مگر اللہ نے قریش کو عبدالمطلب کے ذریعہ سیرابی عطا فرمادی ہے اس لئے سب ان کے پاس چلو شاید وہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں بھی دعا کریں"۔

چنانچہ وہ لوگ مکے آکر عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور سلام کیا۔ عبدالمطلب نے ان کو دعا دی کہ یہ چہرے ہمیشہ خوش رہیں۔ اس پر ان کا مقرر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"ہم کئی سال سے قحط اور خشک سالی کا شکا ہیں آپ کی برکت کے متعلق ہمیں معلوم ہوا ہے اور بالکل صحیح معلوم ہوا۔ اس لئے آپ ہمارے لئے بھی اسی سے مہربانی مانگئے جس نے آپ کی دعا قبول کی تھی اور بادلوں کو آپ کے لئے برسادیا تھا"۔

عبدالمطلب نے کہا۔

"میں کل عرفات کے میدان میں آپ کے لئے دعا کروں گا"۔

صبح کو عبدالمطلب مقررہ جگہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ان کے بیٹے اور رسول اللہ بھی تھے (عرفات میں) عبدالمطلب کے لئے ایک کرسی بچھائی گئی جس پر وہ بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ کو انہوں نے اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرنے لگے۔

"اے اللہ! چمکنے والی بجلی کے پروردگار اور کڑکنے والی گرج کے مالک، پالنے والوں کے پالنے والے اور مشکلات کو آسان کرنے والے! یہ قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کے آدمی ہیں جو بہترین لوگ ہیں، ان کے دماغ پراگندہ ہوگئے اور کمریں جھک گئیں یہ تجھ سے اپنی لاچاری اور بے کسی کی فریاد کرتے ہیں اور جان و مال کی بربادی کی شکایت کرتے ہیں۔ پس اے اللہ! ان کے لئے خوب برسنے والے بادل بھیج دے اور آسمان سے ان کے لئے رحمت عطا فرما تاکہ ان کی زمینیں سرسبز ہو جائیں اور ان کی تکلیفیں دور ہو جائیں"۔

عبدالمطلب نے ابھی اپنی دعا پوری نہیں کی تھی کہ ایک سیاہ اور پانی سے بھری ہوئی بدلی اٹھی اور

عبدالمطلب کی طرف آئی اور اس کے بعد قبیلہ قیس اور قبیلہ بنی مضر کی بستیوں کی طرف اس کا رخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے کہا۔

"اے گروہ قیس و مضر! جاؤ تمہیں سیرابی حاصل ہو گئی"۔

چنانچہ وہ لوگ اسی وقت واپس ہو گئے اور اس طرح سیراب ہوئے۔

**زمانۂ جاہلیت میں بارش مانگنے کا طریقہ**...... بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں پانی کی دعا مانگنے کا عربوں میں عام طریقہ یہ تھا کہ اگر قحط سالی ہوتی تو وہ تین مخصوص درختوں کی لکڑیاں لیتے ان میں سے ایک درخت کا نام سلع ہے (جو ایک کڑوا درخت ہوتا ہے) دوسرے کا عشر اور تیسرے کا شبرق ہے وہ ان کی لکڑیوں کا ایک گٹھر بناتے اور اس کو ایک مضبوط بیل کی کمر پر باندھ دیتے پھر اس گٹھر میں آگ لگا کر بیل کو چھوڑ دیتے جب بیل کو گرمی پہنچتی تو وہ بھاگتا یہاں تک کہ وہ لکڑیاں جل کر ختم ہو جاتیں اور ساتھ ہی بیل بھی ہلاک ہو جاتا۔ اس طرح وہ سیرابی مانگتے تھے۔

کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ :۔

جب عرب اپنے لئے پانی کی دعا مانگتے تو گایوں کی دموں میں آگ لگا کر چھوڑ دیتے اور اس سے بارش ہو جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے ان پر رحم فرما دیتا تھا (مگر یہ بات صحیح نہیں کہ ان کے اس ظالمانہ طریقے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا تھا بلکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں جو مختلف بیہودہ طریقے تھے یہ بھی ان ہی میں سے ایک تھا جن کی کوئی تاثیر نہیں تھی بلکہ بارش تو اپنے وقت پر ہی ہوتی تھی لیکن اگر اس رسم کے بعد اتفاقاً بارش ہو گئی تو وہ یہ سمجھتے کہ یہ اسی عمل کی برکت ہے)۔

**آشوب چشم کا واقعہ**...... (قال) ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ :۔

آنحضرت ﷺ جب سات سال کے ہوئے تو آپ کو بہت سخت قسم کا آشوب چشم ہوا یعنی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ مکہ میں آپ کا علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عبدالمطلب سے کسی نے کہا کہ عکاظ کے علاقے میں ایک راہب ہے جو آنکھوں کی تکلیف کا علاج کرتا ہے۔ عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کو لے کر وہاں گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا اس لئے عبدالمطلب نے اس راہب کو آواز دی مگر راہب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا اور راہب کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں عمارت اس پر ہی نہ گر جائے۔ اس لئے ایک دم باہر نکل آیا۔ اور اس نے عبدالمطلب سے کہا (جنہیں غالباً وہ پہچانتا تھا)

"اے عبدالمطلب! یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے۔ اگر میں باہر نہ نکل آتا تو یہ عبادت گاہ یقیناً میرے اوپر گر پڑتی اس لڑکے کو لے کر فوراً لوٹ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو کہ کہیں اہل کتاب (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے"۔

اس کے بعد اس نے آپ کی آنکھوں کا علاج کیا اور کچھ دوا ساتھ کر دی۔

مگر ایک کتاب ہے جس کا نام کَرِیْمُ النُّدَمَاءِ وَ نَدِیْمُ الْکُرَمَاءِ ہے میں نے اس میں یہ واقعہ اس طرح دیکھا ہے کہ

"جب رسول اللہ ﷺ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کو آشوب چشم کی تکلیف ہو گئی اور کئی دن تک آپ کو تکلیف رہی۔ کسی نے عبدالمطلب سے کہا کہ مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک راہب ہے جو آشوب چشم کا علاج کرتا

ہے اس کے ہاتھوں ایک مخلوق شفاء حاصل کر چکی ہے"۔

عبدالمطلب یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر اس راہب کے پاس گئے جیسے ہی راہب نے آپ کو دیکھا وہ فوراً عبادت خانے میں گیا اور نہا دھو کر کپڑے بدلے اور پھر ایک صحیفہ یعنی کتاب نکال کر لایا۔ پھر کبھی وہ اس کتاب میں کچھ دیکھتا اور پھر آنحضرت ﷺ کی طرف دیکھتا۔ آخر اس نے کہا:۔

"یہ خدا کی قسم خاتم النبیین ہیں"۔

پھر اس نے عبدالمطلب سے کہا۔

"اے عبدالمطلب! کیا انہیں آشوب چشم ہو گیا ہے"؟

"عبدالمطلب نے کہا۔ "ہاں"۔

اس نے کہا

"اس کی دوا تو خود ان کے پاس ہی موجود ہے۔ اے عبدالمطلب! ان کا لعاب دہن لو اور انکی آنکھوں پر لگا دو"۔

عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا کہ آپ کا لعاب دہن لے کر آپ کی آنکھوں پر لگا دیا۔ آپ کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔ پھر راہب نے کہا۔

"اے عبدالمطلب! خدا کی قسم یہی وہ انسان ہے کہ جس کے نام پر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو بیماروں کو شفاء ہو جاتی ہے اور آشوب چشم ٹھیک ہو جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے کیوں کہ واقعہ کا مختلف ہونا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے واللہ اعلم۔

# باب نہم (۹)

# عبدالمُطّلِب کی وفات اور ابو طالب کی کفالت

جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا (اور ماں باپ کے بعد چاہنے والے دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا) دادا کے انتقال کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں بہت سے قول ہیں مگر مشہور قول یہی ہے کہ آپ اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ آگے آنے والی ایک روایت سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

انتقال کے وقت عبدالمطلب کی عمر پچانوے (۹۵) سال کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر تھی اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک سو چالیس سال کی تھی مگر ایک سو چالیس سال کی عمر کا قول کمزور ہے اور شاید اسی وجہ سے علامہ ابن جوزی نے عبدالمطلب کو ان لوگوں میں شمار نہیں کیا جن کی عمریں بہت زیادہ ہوئی ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب کی عمر بانوے (۹۲) سال ہوئی۔ مگر یہ صرف حافظ دمیاطی کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سو چوالیس سال ہوئی۔

ایک دفعہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔

"یار سول اللہ! کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے"؟

آپ ﷺ نے فرمایا

"ہاں۔ اس وقت میں آٹھ سال کا تھا"۔

اُمِّ ایمن بیان کرتی ہیں کہ (جب عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو) آنحضرت ﷺ ان کے پلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر ان کے دادا قصیٰ کے پاس دفن کیا گیا"۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میرے دادا عبدالمطلب کو بادشاہوں اور معزز لوگوں کی پوشاک میں اٹھایا جائے گا"۔

جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہو گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو آپ کے سگے چچا ابو طالب کے سپرد کیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ابو طالب بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے باپ عبدالمطلب کی طرح جاہلیت کے زمانے میں بھی شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ (ابو طالب ان کا لقب تھا۔ جہاں تک ان کے نام کا تعلق ہے) اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس ان کا نام عبد مناف تھا۔

شیعہ حضرات کا ایک غلط دعویٰ...... شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ "ابو طالب کا نام عمران تھا اور قرآن پاک کی اس آیت میں :۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ لا آیہ ۳۳ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۳

ترجمہ :۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے حضرت آدمؑ کو اور حضرت نوحؑ کو اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے بعضوں کو اور عمران کی اولاد میں سے، بعضوں کو تمام جہان پر۔

عمران سے مراد ابو طالب ہی ہیں (کیونکہ وہ حضرت علیؓ کے والد ہیں)"۔

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہاں شیعوں نے ایک بہت بڑی اور زبردست غلطی کی ہے۔ انہوں نے اس قسم کا بہتان اٹھانے سے پہلے اس آیت پاک پر غور ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اس آیت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا الآیہ ۳۵ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۳

ترجمہ :۔ جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا۔

(اوپر کی آیت میں عمران سے مراد موسیٰؑ کے والد ہیں ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے جن کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا ان میں اولاً تو خود حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ ہیں اور پھر اگلی نسلوں میں جا کر حضرت مریم کی نسبت سے حضرت عیسیٰؑ ہیں اس لئے اس آیت میں یا تو حضرت موسیٰؑ مراد ہیں اور یا حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں۔ ابو طالب اور ان کی اولاد کے مراد ہونے کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسا کہ اگلی آیت سے صاف ظاہر ہے جس میں عمران کی بیوی یعنی حضرت مریم کی والدہ کے نذر ماننے کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل بیان القرآن میں ان ہی آیتوں کے تحت دیکھی جاسکتی ہے)

جب عبدالمطلب نے اپنے اخیر وقت میں آنحضرت ﷺ ک ابو طالب کے سپرد کر دیا تو وہ آپ ﷺ سے اتنی محبت کرنے لگے کہ اپنے بیٹوں میں سے بھی کسی سے نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوتے تھے تب بھی آنحضرت ﷺ کو اپنے برابر لٹایا کرتے تھے جو بہترین کھانا ہوتا تھا وہ آنحضرت ﷺ کو کھلایا کرتے تھے۔

(ی) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ ان کے انتقال کے بعد) ابو طالب اور زبیر نے جو دونوں آنحضرت ﷺ کے سگے چچا تھے آپس میں قرعہ ڈالا کہ آنحضرت ﷺ کی کفالت کا دونوں میں سے کون ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ قرعہ ابو طالب کے نام پر نکلا (اور وہ آنحضرت ﷺ کے کفیل ہوئے)۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا تھا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے لئے ابو طالب کی غیر معمولی شفقت اور محبت

دیکھتے تھے اس لئے عبدالمطلب کی وفات سے پہلے خود آپ ﷺ نے ہی ابو طالب کے پاس رہنا پسند فرمایا تھا۔ مگر آگے بیان آئے گا کہ ابو طالب کے ساتھ زبیر بھی آپ کی نگرانی اور کفالت میں شریک تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر ہی آپ ﷺ کے کفیل ہوئے تھے۔ پھر ان کے انتقال کے بعد آپ کو ابو طالب نے اپنی تربیت و نگرانی میں لے لیا۔

کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ اس قرعہ اندازی کے سلسلے میں جس کا اوپر ذکر ہوا یہ کہنا کہ زبیر حلف فضول[1] کے وقت زندہ تھے جبکہ آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک بیس سال سے کچھ زائد ہو چکی تھی۔ یہ غلط قول ہے۔

خود یہ قول بھی قابل غور ہے کہ حلفِ فضول کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک بیس سال سے زائد تھی کیونکہ آگے بیان ہوگا کہ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ :۔

"جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ اپنے دونوں سگے چچاؤں زبیر اور ابو طالب کی سرپرستی میں آگئے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو زبیر کا انتقال ہو گیا اور ابو طالب آپ کے تنہا کفیل ہو گئے۔

"جہاں تک آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب اور ان کے بعد ابو طالب کے آنحضرت ﷺ کی کفالت کرنے کا تعلق ہے اس کے متعلق قدیم کتابوں میں ذکر ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی (کہ بچپن میں آپ کے والد و والدہ کا انتقال ہو جائے گا اور پہلے آپ کے دادا آپ کے کفیل ہوں گے اور پھر ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا کفیل ہوں گے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بعض ایسی روایتیں بھی گزری ہیں)

چنانچہ سیف ابن ذی یزن جس کا واقعہ آگے آرہا ہے اس کی پیشین گوئی میں ہے (جو قدیم آسمانی کتابوں کی بنیاد پر ہے کہ) اس نبی آخر الزماں کے والد اور والدہ کا اس کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا ہوگا اور پہلے اس نبی کی کفالت اس کے دادا کریں گے اور پھر ان کے انتقال کے بعد اس کے چچا کفیل بنیں گے۔

**عبدالمطلب کی اپنے مرثیئے سننے کی فرمائش**......(ی) سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ :۔

"جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب موت سر پر آچکی ہے تو انہوں نے اپنی تمام بیٹیوں کو جمع کیا یہ سب ملا کر کل چھ عورتیں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) صفیہ۔ جو حضرت زبیر ابن العوام کی والدہ تھیں۔ (۲) بُرّہ۔ (۳) عاتکہ۔ (۴) اُمِّ حکیم بیضاء جو حضرت عثمان غنیؓ کی والدی تھیں۔ (۵) امیمہ اور (۶) اروی۔

جب یہ سب بہنیں جمع ہو گئیں تو عبدالمطلب نے ان سے کہا

"تم سب مجھ پر روتا کہ میں مرنے سے پہلے سن سکوں کہ تم کس طرح میرا ماتم کرو گی"۔

---

[1] حلف فضول قریش کا وہ معاہدہ ہے جو حرب فجار کے بعد ہوا۔ یہ معاہدہ عبداللہ ابن جدعان تیمی کے مکان میں ہوا تھا۔ حرب فجار اور حلف فضول کی تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں۔ مرتب

چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے عبدالمطلب کی تعریف میں شعر پڑھے۔ یہ شعر سیرت ابن ہشام میں ذکر ہیں۔

جب عبدالمطلب یہ سب شعر سن چکے تو انہوں نے (اپنی پسندیدگی کے اظہار کے لئے) سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں اسی طرح میرا ماتم کرنا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جب امیمہ کے شعر سنے تب یہ اشارہ کیا تھا۔ امیمہ کے شعروں میں سے کچھ یہ ہیں۔

اَعِیْنَیَّ جُوداً بِدَمْعٍ دُرَرٍ
عَلٰی مَاجِدِ الخَیْمِ وَالْمُعْتَصِرِ

ترجمہ :۔ میری آنکھیں موتیوں کے جیسے آنسو برسا رہی ہیں اس شخص پر جو بہترین صفات اور بلند مرتبے والا تھا۔

عَلٰی مَاجِد الجد وَارِی الزِّنَادِ
جَمِیْلُ المُحَیَّا عَظِیْمُ الخَطَرِ

ترجمہ :۔ اور جو ہمیشہ کامیاب و کامران رہا۔ اور بڑا داناو بینا انسان تھا۔

عَلٰی شَیْبَۃِ الحَمْدِ ذِی المَکْرُمَاتِ
وَذِی المَجْدِ وَالعِزِّ وَالمُفْتَخَرِ

ترجمہ :۔ اس شیبۃ الحمد پر جو بڑی خوبیوں، بڑی عظمت اور بڑی آن بان والا تھا۔

وَذِی الحِلْمِ وَالفَضْلِ فِی النَّائِبَاتِ
کَثِیْراً لِمَفَاخِرِ جَمِّ الفَخَرِ

جو بڑا با مروت اور بہت اونچی صفات کا مالک تھا اور بے شمار قابل فخر خصوصیتوں کا انسان تھا۔

لَہٗ فَضْلُ مَجْدٍ عَلٰی قَوْمِہٖ
مَتِیْنٌ یَلُوْحُ کَضَوْءِ القَمَرِ

جو اپنی قوم میں بڑے زبردست مرتبے اور عزت والا تھا اور جس کی عظمت کا ستارہ چاندنی کی طرح دمکتا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے شعر جاننے والوں میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو ان شعروں کو جانتا ہو ہاں ابن اسحاق نے جب ابن مسیّب کی روایت میں یہ شعر دیکھے تو ان کو لکھ لیا۔

بعض مورّخین کہتے ہیں کہ جیسا عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کا ماتم کیا گیا ایسا کسی شخص کا ماتم نہیں کیا گیا۔ عبدالمطلب کے انتقال پر مکے میں کئی دن تک بازار بند رہے (اور اس طرح قریش اپنے سردار کی موت پر ماتم کرتے رہے)

**سیف ابن ذی یزَن کی پیشین گوئی**......ابو نعیم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ :۔

جب سیف ابن ذی یزَن حمیری حبشیوں پر غالب ہوا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دو سال بعد کا ہے۔ تو اس کے پاس عرب کے بہت سے وفد مبارکباد دینے کے لئے پہنچے جن میں عرب کے معزز لوگ اور شاعر بھی شامل تھے۔ (ی) یہ لوگ حبشہ کے بادشاہوں کی شکست اور سیف کی حکمرانی قائم ہونے پر مبارکباد کے لئے پہنچے تھے۔ حمیر یمن کا قبیلہ تھا اور سیف ابن ذی یزَن کے باپ دادا اس ملک پر حکومت کرتے تھے۔ اس پر حبش نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا اور حبشیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ یمن ستر سال تک حبشیوں کے

قبضے میں رہا۔ اس کے بعد سیف ابن یزن (کا زمانہ آیا تو یہ) اچانک اٹھا اور اس نے (طاقت کے ذریعہ) اپنے وطن کو حبشیوں کے قبضے سے نکال لیا اور اپنے باپ دادا کی طرح دوبارہ اس کی حکومت حاصل کر لی۔ (چونکہ یمن عرب کا علاقہ تھا اس لئے اس پر حبشیوں کے قبضے سے قدرتی طور پر عربوں کو افسوس تھا اور جب سیف نے اپنے ملک کو غلامی سے نکال لیا تو فطری طور پر عربوں کو خوشی ہوئی) چنانچہ چاروں طرف سے عربوں کی وفد سیف کو مبارک باد دینے کے لئے یمن پہنچنے لگے۔

ان ہی وفدوں میں سے ایک مکے کے قبیلہ قریش کا وفد بھی تھا اس وفد میں عبدالمطلب، امیہ ابن عبد شمس اور دوسرے بہت سے معزز سردار تھے۔ (ی) جیسے عبداللہ ابن جدعان جو حضرت عائشہؓ کا چچازاد بھائی تھا، ایسے ہی اسد ابن عبدالعزیٰ، وہب ابن عبد مناف اور قصیٰ ابن عبدالدار بھی اس وفد میں شامل تھے۔

(سیف ابن ذی یزَن کے آباء واجداد میں یمن کا آخری حکمراں ذو جَدَن حِمیَری تھا۔ اس کے زمانے میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کیا اور حمیر کی حکومت ختم کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت قائم کر دی۔ حبشیوں میں سے یمن پر پہلا حکمراں ارباط تھا اس کے بعد تین حکمراں اور ہوئے جو حبشیوں میں سے تھے اور حبش کی حکومت کی طرف سے گورنر کی حیثیت سے یمن پر حکومت کرتے تھے۔

ان حبشی گورنروں میں دوسرا گورنر ابرہہ تھا جس نے عبدالمطلب کے زمانے میں مکے پر چڑھائی کر کے بیت اللہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اس لئے قدرتی طور پر عربوں کو یمن کے حبشی حکمرانوں سے نفرت اور دشمنی تھی۔

آخر سیف ابن ذی یزن کا زمانہ آیا۔ اس نے فارس کے بادشاہ کسریٰ نوشیرواں سے مدد مانگی کہ وہ حبشیوں کو یمن سے نکال کر حمیر کو ان کا ملک واپس دلانے میں ان کی مدد کرے۔ نوشیرواں نے سیف کی درخواست منظور کر لی اور اپنے ایک سالار کو مجوسیوں کی فوج کے ساتھ سیف کی مدد کے لئے ان کے ساتھ بھیجا۔ اس لشکر نے یمن پر چڑھائی کی اور حبشیوں کو شکست دے کر یمن کی حکومت حمیر کو واپس دلائی اور سیف ابن ذی یزن کو کسریٰ فارس کے گورنر کی حیثیت سے یمن کا حکمران بنا دیا۔ (تاریخ ابو الفداء ص ۶۸ ج ۱)

عرب اپنے پڑوسی عرب ملک کے اس انقلاب سے بہت خوش تھے چنانچہ ان کے وفد سیف ابن ذی یزن کو مبارکباد دینے کے لئے اس کے پاس پہنچنے لگے جن میں قبیلہ قریش کی طرف سے عبدالمطلب وغیرہ بھی ایک وفد لے کر مبارکباد کے لئے یمن گئے)۔

جب قریشی وفد وہاں پہنچا تو سیف شہر صنعاء میں اپنے محل میں تھا وہ خوشبوؤں سے معطر تھا۔ وہ چادریں اوڑھے ہوئے تھا اور سر پر تاج پہنے ہوئے تھا، تلوار سامنے رکھی ہوئی تھی اور حمیری سردار اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے (سیف کو قریشی وفد کی اطلاع دی گئی اور) وفد کے آدمیوں کے مرتبے کے متعلق بتلایا گیا۔ سیف نے قریشی سرداروں کو آنے کی اجازت دی۔ پھر یہ وفد دربار میں پہنچا اور عبدالمطلب آگے بڑھ کر سیف کے قریب پہنچ گئے۔ کتاب وفاء میں اس طرح ہے کہ :-

(قریشی وفد جب دربار میں داخل ہوا تو) اس نے سیف کو ایک سونے کی کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا اور اس کے اردگرد یمن کے معزز لوگ بھی سونے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قریشی سردار وہاں پہنچے تو ان کے لئے بھی کرسیاں بچھوائی گئیں۔ پھر عبدالمطلب کے سوا سب لوگ بیٹھ گئے۔ عبدالمطلب سیف کے سامنے

جا کر کھڑے ہوئے اور بولنے کی اجازت چاہی۔ سیف نے کہا۔
"اگر تم بادشاہوں کے سامنے بولنے کے آداب سے واقف ہو تو ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے"۔
اب عبدالمطلب نے کہا۔
"اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بلند، عظیم الشان اور باعزت مرتبہ عطا فرمایا ہے اور آپ کے لئے عزت و عظمت کا ایک ایسا درخت اگایا ہے جس کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہیں اور جس کی شاخیں بہترین جگہوں اور مبارک مقامات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ ایسے کاموں سے بالکل محفوظ ہیں جن پر عرب کے معززو معتمد اور سربر آوردہ لوگ آپ کو ملامت اور لعن طعن کر سکیں، آپ کے پچھلے بزرگ گذشتہ دور کے بہترین لوگوں میں سے تھے اور آپ ہمارے لئے ان کے بہترین جانشین ہیں۔ اس لئے ان کے تذکرے بھی کبھی فنا نہیں ہوں گے جن کا جانشین آپ جیسا انسان ہے اور ان کے تذکرے بھی کبھی نہیں مٹیں گے جو آپ جیسے شخص کے جانشین ہوں گے (یعنی آپ کے کارناموں سے آپ کے بزرگوں کو بھی عزت ملے گی اور آپ کی آنے والی نسلوں کو بھی سربلندی حاصل ہو گی)۔
"ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے خادم اور اس کے گھر کے محافظ ہیں۔ ہم آپ کے پاس اپنی مسرت کی سوغات لے کر حاضر ہوئے ہیں کہ اس برائی کا زمانہ ختم ہو گیا جو ہم سب پر بوجھ بنی ہوئی تھی (یعنی یمن پر حبشی سلطنت اور عرب کی غلامی) اس لئے ہم لوگ مبارکباد اور تہنیت کا پیغام لے کر آئے ہیں (آپ کے بزرگوں کی تعزیت کرنے نہیں آئے"۔
سیف ابن ذی یزن عبدالمطلب کی یہ فصیح اور رواں تقریر سن سن کر حیران ہو رہا تھا وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور ان سے پوچھنے لگا۔
"بولنے والے! تم کون ہو"؟
انہوں نے کہا کہ میں عبدالمطلب ابن ہاشم ہوں۔
عبدالمطلب کی والدہ چونکہ مدینے کے قبیلہ خزرج کی تھیں اور خزرجی قبیلہ اصل میں یمن کا تھا اس لئے سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا۔
"تب تو آپ ہماری بہن کے لڑکے ہوئے"!
عبدالمطلب نے کہا "ہاں"!
سیف نے کہا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ۔ اس کے بعد وہ عبدالمطلب اور وفد کے دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔
"آپ سب کو ہم خوش آمدید اور آپ کی سواریوں اور قافلے کو ہم مرحبا کہتے ہیں جو آرام دہ ٹھکانے میں آئے ہیں۔ آپ فیاض اور کھلے دل کے لوگوں کے پاس آئے ہیں جو بڑی داد و دہش والے ہیں۔ بادشاہ نے آپ کی گفتگو سن لی اور آپ سے عزیز دارانہ تعلق کو جان لیا اور آپ کے جذبات کو قبول کر لیا۔ کیونکہ آپ ہمارے دن اور رات کے ہمدم ہیں۔ آپ جب تک بھی یہاں ٹھہریں آپ کے اعزاز و اکرام میں کمی نہیں کی جائے گی اور جب آپ ہم سے رخصت ہوں گے تو آپ کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا"۔

اسکے بعد اس قریشی وفد کو سرکاری مہمان خانے میں پہنچادیا گیا اور ان پر داد و دہش کی بارش ہونے لگی ان لوگوں کو یہاں ٹھہرے ہوئے ایک مہینہ گذر گیا مگر نہ تو ان کو پھر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور نہ واپس ہی جانے کی اجازت ملی۔ آخر ایک مہینے بعد سیف ابن ذی یزن کو ان کا اچانک خیال آیا۔ چنانچہ اس نے فوراً عبدالمطلب کو بلا بھیجا۔ جب وہ آگئے تو سیف نے ان کو بالکل اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

"اے عبدالمطلب! میں اپنے علم کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک ایسا راز تمہیں بتلا رہا ہوں کہ تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ہرگز اس کو نہ بتلاتا۔ مگر تمہیں میں اس راز کیلئے صحیح رازدار سمجھتا ہوں اور اس کی اطلاع دے رہا ہوں۔ تم بھی اس وقت تک اس راز کو راز ہی رکھنا جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو نہ کھول دے۔

میں نے پوشیدہ کتاب اور علم کے اس سربستہ ذخیرے میں جس کو ہم صرف اپنا خزانہ سمجھتے ہیں اور دوسروں سے اس کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس میں میں نے ایک بہت عظیم الشان خبر اور ایک بڑے خطرے کے متعلق پڑھا ہے جس میں تمام لوگوں کے لئے عام طور پر اور آپ کے خاندان کے لئے خاص طور پر زندگی کا بھی عزّ و شرف ہے اور موت کی بھی فضیلت ہے"۔

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا۔

"خدا کرے جہاں پناہ کو بھی ایسی ہی بھلائی اور خوش قسمتی نصیب ہو اور آپ پر ہمیشہ اہل دولت قربان ہوں وہ خبر کیا ہے"؟

سیف نے کہا

"جب تہامہ کی وادی یعنی مکے میں ایسا بچہ پیدا ہو جس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں بالوں کا گچھا (یعنی مہر نبوت) ہو تو اس کو امامت اور سرداری حاصل ہو گی اور اس کی وجہ سے تم لوگوں کو قیامت تک کے لئے اعزاز اور عظمت حاصل ہو گی"۔

عبدالمطلب نے کہا۔

"اے بادشاہ! خدا کرے آپ کو بھی ایسی خوش بختی میسر آئے۔ اگر باشاہ کا ادب و اعزاز اور ہیبت میری زبان نہ روکتی تو میں دریافت کرتا کہ اس بچے کا زمانہ کب ہو گا تاکہ اس کے بعد میری مسرت اور خوشی اور زیادہ بڑھ جاتی۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔

یہی اس کا زمانہ ہے جس میں وہ پیدا ہو گا یا پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام "محمد (ﷺ)" ہو گا، اس کے والد اور والدہ کا انتقال ہو جائے گا اور اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم بھی اس کے آرزومند رہے کہ وہ بچہ ہمارے یہاں پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو کھلے عام ظاہر فرمائے گا اور اس کے لئے ہم میں سے (یعنی مدینے کے قبیلہ خزرج میں سے جو اصل میں یمن کے لوگ تھے ان میں سے) اس نبی کے مددگار و انصار بنائے گا جس کے ذریعہ اس نبی کے خاندان اور قبیلے والوں کو عزت و سربلندی حاصل ہو گی اور جن کے ذریعہ اس کے دشمنوں کو ذلت و خواری ملے گی اور جن کے ذریعہ وہ تمام لوگوں سے مقابلے کرے گا اور جن کے ذریعہ روئے زمین کے اہم علاقے فتح ہو جائیں گے۔ وہ نبی رحمٰن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو دھتکائے گا، آتشکدوں کو ٹھنڈا کر دے گا اور بتوں کو توڑ ڈالے گا، اس کی ہر بات آخری فرمان ہو گی اور اس کے احکام انصاف والے ہوں گے۔ وہ نیک کاموں کا حکم

دے گا اور خود بھی اس پر عمل کرے گا اور برائیوں سے روکے گا اور ان کو مٹا ڈالے گا"۔

عبد المطلب نے (سیف ابن ذی یزن سے دعاؤں کے ساتھ) کہا

"آپ کامیاب اور صاحب نصیب ہوں، آپ کی سلطنت ہمیشہ باقی رہے اور آپ کے عزت و اقبال میں ترقی ہوں۔ لیکن کیا جہاں پناہ کچھ اور تفصیل بتلائیں گے جیسا کہ کچھ وضاحت کر چکے ہیں"؟

بادشاہ نے کہا

"بات ابھی ڈھکی چھپی ہے اور علامتیں پردوں میں پوشیدہ ہیں مگر اے عبد المطلب! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم اس شخص کے دادا ہو"۔

(قال) یہ خوش خبری سن کر عبد المطلب فوراً سجدے میں گر گئے۔ پھر سیف نے ان سے کہا۔

"اپنا سر اٹھاؤ اور (اس خوش خبری سے) اپنا سینہ ٹھنڈا کرو اور اپنی پیشانی اونچی کرو۔ مجھے بتلاؤ کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے کیا ان میں سے کوئی علامت تم نے اپنے یہاں دیکھی ہے"؟

عبد المطلب نے کہا

"ہاں جہاں پناہ! میرا ایک بیٹا تھا جسے میں بہت چاہتا تھا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا میں نے ایک شریف اور معزز لڑکی آمنہ بنت وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ سے اس کی شادی کی جو میری قوم کے انتہائی معزز اور شریف خاندان سے تھی۔ اس سے میرے بیٹے کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے "محمد (ﷺ) رکھا۔ اس بچے کے باپ اور ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس میں اور اس کا چچا ابو طالب اس بچے کی پرورش اور نگہداشت کرتے ہیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد المطلب یہ وفد لے کر سیف ابن ذی یزن کے پاس اس وقت گئے تھے جبکہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

مگر اس روایت کے شروع میں کہا گیا ہے کہ سیف ذی یزن جب حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر حکمراں ہوا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ کو دو سال ہوئے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک دو سال تھی حالانکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ جب حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چار سال تھی) مگر یہ اشکال درست نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی عمر دو سال اس وقت تھی جب سیف نے یمن کو حبشیوں کی غلامی سے نکالا لیکن عبد المطلب دو سال بعد مبارکبادی کا وفد لے کر گئے جبکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس طرح یہ روایت صحیح ہو جاتی ہے۔

ادھر اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کی وفات کے بعد عبد المطلب کی زندگی میں بھی ابو طالب ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی پرورش میں شریک تھے اور پھر جب عبد المطلب کی وفات ہو گئی تو ابو طالب تنہا ہی آنحضرت ﷺ کی کفالت اور پرورش کے ذمہ دار ہو گئے۔

(خود سیف نے اپنی پیشین گوئی میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو علامتیں بتلائی تھیں ان میں اس نے کہا تھا کہ اس بچے کے باپ اور ماں کا انتقال ہو جائے گا اور اس کے دادا اور چچا اس کے کفیل اور ذمہ دار ہوں گے) سیف ابن ذی یزن کا یہ قول دونوں صورتوں میں درست رہتا ہے (کہ عبد المطلب کی زندگی تک تو دادا اور چچا دونوں آپ ذمہ دار رہے اور ان کے انتقال کے بعد ابو طالب تنہا کفیل ہوئے)

(غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد سیف ذی یزن کے واقعہ کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب سیف نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی علامتیں بتلا کر عبدالمطلب سے اس کی تصدیق کر لی کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں اور عبدالمطلب ہی آپ کے دادا ہیں تو) سیف نے عبدالمطلب سے کہا۔

"میں نے جو کچھ تم سے بتلایا ہے وہ واقعہ اسی طرح ہے۔ اب تم اپنے بیٹے (یعنی پوتے) کی پوری حفاظت کرو اور اسے یہودیوں سے بچائے رکھو اس لئے کہ وہ اس کے دشمن ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اس پر ہرگز قابو نہیں پانے دے گا"۔

یعنی یہودیوں سے آپ کی حفاظت اور بچاؤ صرف احتیاط کے طور پر اور آنحضرت ﷺ کے بلند مقام کی وجہ سے کرنی چاہئے۔

اس کے بعد سیف نے کہا :۔

میں نے جو کچھ تم سے بتلایا ہے اس بات کو اپنے ان قافلے والوں سے ذکر مت کرنا جو تمہارے ساتھ ہیں اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ اس خبر سے ان لوگوں میں حسد اور جلن کا جذبہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ سربلندی اور عظمت اس کو کیوں ملنے والی ہے۔ اس لئے یہ لوگ اس کے لئے رکاوٹیں اور بندشیں کھڑی کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس قسم کی حرکتیں یہ لوگ یا تو خود کریں گے یا (اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہے تو) ان کی اولادیں کریں گی، اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ اس نبی کے ظہور سے پہلے ہی موت مجھ پر جھپٹنے والی ہے تو میں اپنے اونٹوں اور کارواں کے ساتھ روانہ ہو کر اس کی سلطنت کے مرکز یثرب میں پہنچتا۔ کیونکہ میں اس عظیم کتاب میں جو پچھلے علوم سے بھری ہوئی ہے یہ خبر پاتا ہوں کہ شہر یثرب ان کی سلطنت کا مرکز ہوگا، ان کی طاقت کا سرچشمہ ہوگا، ان کی مدد اور نصرت کا ٹھکانہ ہوگا اور ان کا مدفن اور جائے وفات ہوگا۔ اگر مجھے اپنے اور خود ان کے مصیبتوں میں گرفتار ہو جانے کی خبر نہ ہوتی تو میں ان کی اس کم عمری کے باوجود ان کی عظمت و فضیلت کا اعلان کر دیتا اور عربوں کے سامنے ان کی سربلندی اور اونچے مرتبے کی داستانیں بنا دیتا لیکن میں تمہارے ساتھیوں کو چھوڑ کر صرف تمہیں یہ راز سپرد کر رہا ہوں۔"

اس کے بعد سیف نے عبدالمطلب کے ساتھیوں کو بلوایا اور ہر ایک کو دس دس حبشی غلام، دس دس حبشی باندیاں اور دو، دو دھاری دار یمنی چادریں، دس دس رطل (یعنی پانچ پانچ سیر) سونا، دس دس رطل چاندی، سو سو اونٹ اور عنبر سے بھرے ہوئے ڈبے دیئے۔ پھر عبدالمطلب کو اس انعام سے دس گنا زیادہ دیا اور کہنے لگا۔

"سال گزرنے پر میرے پاس ان کی خبر لے کر آنا اور ان کے حالات بتلانا۔"

مگر اس کے بعد ایک سال پورا ہونے سے پہلے ہی اس بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب اکثر اپنے اس وفد کے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے۔

"بادشاہ نے مجھے جو زبردست انعام و اکرام دیا اس پر تم میں سے کسی کو رشک نہیں کرنا چاہئے بلکہ میرے متعلق وہ اس بات پر رشک کر سکتا ہے جو میرے لئے ہمیشہ باقی رہے گی اور جس کے تذکرے میرے بعد تک رہیں گے اور جو حقیقت میں فخر کی چیز ہے۔"

جب لوگ ان سے پوچھتے کہ وہ کیا چیز ہے تو عبدالمطلب جواب میں کہتے۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب کے سامنے آجائے گا اگرچہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔"

یہ محل جس میں شاہ سیف ابن ذی یزن رہتا تھا اس کو "بیت غمدان" کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زہرہ ستارے کی عبادت گاہ تھی جس میں زہرہ ستارے کو پوجا جاتا تھا۔

اس کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔

"عرب اس وقت تک فلاح نہیں پا سکتے جب تک کہ ان کی سر زمین میں "بیت غمدان" یعنی زہرہ ستارے کی عبادت گاہ موجود ہے۔"

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس عبادت گاہ کو مسمار کرا دیا۔

ابو طالب کے گھر آنحضرت ﷺ کی برکات...... اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کی کفالت و پرورش ابو طالب کرتے تھے انہیں یوں بھی آنحضرت ﷺ سے بے حد محبت تھی اور پھر جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی برکتیں اور معجزے دیکھے تو آپ ﷺ سے انکی محبت و فریفتگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا، ابو طالب غریب آدمی تھے (دونوں وقت کھانا اتنا کم ہوتا تھا کہ) کہ ان کی اولاد کو چاہے وہ اکٹھے بیٹھ کر کھائیں اور چاہے علیحدہ علیحدہ کھائیں، پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا تھا اور سب بھوکے ہی اٹھا کرتے تھے، مگر جب ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی کھاتے تو (آپ کی برکت سے) سب سیر ہو کر اٹھتے۔ اسی لئے جب دوپہر یا رات کے کھانے کا وقت ہوتا اور سب دسترخوان پر بیٹھ جاتے تو ابو طالب ان سے کہتے۔

"یوں ہی بیٹھے رہو تاکہ میرا بیٹا آجائے۔"

یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آتے اور انکے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ آپ ﷺ کی برکت اس طرح ظاہر ہوتی کہ سب کے سیر ہو جانے کے بعد بھی کھانا بچ رہتا۔

اگر دودھ ہوتا تو پہلے اس میں سے رسول اللہ ﷺ پی لیتے اور پھر وہ لکڑی کا پیالہ ابو طالب کے بیٹے اٹھاتے اور دودھ پیتے یہاں تک کہ اس ایک ہی پیالہ سے وہ سارے کے سارے سیراب ہو جاتے۔ اگر کبھی ان میں سے کوئی ایک ہی اس سارے پیالے کا دودھ پی جاتا (جس میں سے آنحضرت ﷺ نے پیا تھا) تو ابو طالب اس سے کہتے کہ تو بہت مبارک ہے (کہ یہ سعادت میسر آئی)

اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ کتاب امتاع میں یہ ہے کہ۔

"ابو طالب صبح ہوتے ہی اپنے بچوں کے پاس جاتے اور انہیں بہت سویرے اٹھا دیتے اور وہ سب اٹھ کر کھانے کے لئے بیٹھتے اور آپس میں چھین جھپٹ کرتے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اپنا ہاتھ روک لیتے اور ان کی چھین جھپٹ میں بالکل شریک نہیں ہوتے تھے۔ جب ابو طالب نے یہ دیکھا (اور آنحضرت ﷺ کی فطری شائستگی اور سنجیدگی کا اندازہ کیا) تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کھانا علیحدہ دیئے جانے کی ہدایت کر دی۔" یہاں تک کہ کتاب امتاع کا کلام ہے۔

(پچھلی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی برکت دیکھ کر آپ کو خاص طور پر اپنے بیٹوں کے ساتھ کھلانا شروع کیا تھا ب کہ اس دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کھانے کا علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ روایتوں کے اس فرق کے متعلق کہتے ہیں کہ پچھلی روایت میں اس میں کوئی

اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ علیحدہ انتظام خاص طور پر صبح کے کھانے کے لئے کیا گیا ہو جس کو ناشتہ کہا جاتا ہے جبکہ دوپہر اور رات کا کھانا آنحضرت ﷺ اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ ہی اس طرح کھاتے ہوں کہ سب سے پہلے آپ سے شروع کرایا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

(ابو طالب کے) سب بچے جب صبح کو اٹھتے تو اس حال میں ہوتے کہ بال الجھے ہوئے ہوتے اور آنکھوں میں میل بھرا ہوتا تھا مگر (آنحضرت ﷺ کی یہ بھی خصوصیت اور معجزہ تھا کہ) آپ جب صبح کو اٹھتے تو آپکے بال سنورے ہوئے ہوتے تھے اور آنکھوں میں سرمے کی ڈوریں ہوتی تھیں۔

اُم ایمن جو آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں۔ اور آپ کو اپنے والد کے ترکے میں ملی تھیں وہ کہتی ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کو بھوک کی شکایت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ بچپن میں اور نہ بڑے ہونے کے بعد۔

اسی طریقے سے آنحضرت ﷺ کا صبح کا ناشتہ اس طرح ہوتا کہ آپ زمزم کا پانی نوش فرمالیتے تھے پھر جب ہم آپ کو ناشتہ پیش کرتے تو آپ یہ فرمادیتے کہ میں سیر ہوں۔

(اس میں اور پچھلی روایت میں اختلاف ہوتا ہے اس لئے مؤلف کہتے ہیں کہ (اس کا مقصد یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا (ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا) چنانچہ پچھلی روایت میں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

ابو طالب کے لئے ایک تکیہ رکھا رہتا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو آکر سیدھے اس تکیہ پر بیٹھ جاتے۔ ابو طالب یہ دیکھ کر کہتے۔

"میرے بیٹے کو اپنے بلند مرتبے کا احساس ہے۔"

بارش کے لئے دعا...... (قال) ابو طالب نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ بارش کی دعا بھی مانگی تھی۔ جلہمہ ابن عرفطہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس زمانے میں مکے آیا جب قریش خشک سالی اور قحط کا شکار تھے (اس پریشانی اور مصیبت میں) کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ لات اور عزیٰ پر بھروسہ کرو (یعنی ان بتوں سے ہی بارش کی دعا مانگو) کچھ لوگ کہتے کہ نہیں تیسرے بڑے بت منات پر بھروسہ کرو۔ اسی بیچ میں ایک خوبصورت باوقار بوڑھے نے کہا۔

"تم حق اور سچائی سے کس طرح بھاگ رہے ہو حالانکہ تم میں ابراہیمؑ کی نشانی اور اسماعیلؑ کی اولاد موجود ہے۔ (ی) یعنی تم اسے چھوڑ کر ایک غلط راستے پر کیوں جارہے ہو۔

لوگوں نے کہا کہ شاید (اسماعیلؑ کی نشانی سے) تمہاری مراد ابو طالب ہیں!

اس نے کہا۔ "ہاں"!

اب یہ سب لوگ ابو طالب کے گھر کی طرف چلے، میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے دروازے پر دستک دی تو ایک خوبصورت شخص باہر آیا جس نے ایک تہبند لپیٹ رکھا تھا۔ سب لوگ اس کی طرف بڑھے اور کہنے لگے۔

"اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑ رہا ہے اور بچے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس لئے آؤ اور ہمارے لئے بارش کی دعا کرو"۔

چنانچہ ابو طالب باہر آئے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا جو ایسا لگتا تھا کہ اچانک اندھیرے میں سورج

نکل آیا ہو اور ان کے چاروں طرف بہت سے دوسرے بچے تھے۔ ابو طالب نے اسی بچے کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پھر وہ کعبہ سے لگ کر کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اس بچے کی انگلی پکڑ کر طواف کرنے لگے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دوسرے بچے نظریں اٹھا اٹھا کر آسمان میں دیکھ رہے تھے جہاں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا کہ اچانک ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے اور اتنی زبردست بارش ہوئی کہ وادی پانی سے بھر گئی اور شہر اور جنگل سیراب ہو گئے"۔

ابو طالب اسی واقعہ کی طرف اپنے اس قصیدے میں کہتے ہیں جس میں انہوں نے اسی سے زائد شعروں میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہٗ
ثمال الیتامی عصمۃً للارامل

ترجمہ :۔ بادل ان ہی کے چہرے سے پانی حاصل کرتے ہیں جو یتیموں کا ٹھکانہ اور غریبوں اور مسکینوں کا سہارا ہیں۔

اس شعر میں لفظ ارامل جو ہے اس کے معنی ہیں غریب و مسکین مرد اور عورتیں مگر زیادہ تر ارامل غریب و بے کس عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس قصیدے کی بنیاد پر شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے یہ قصیدۂ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ظہور کے بعد لکھا تھا۔ مگر ان کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے کے متعلق تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

علامہ دمیری نے طبرانی اور ابن سعد کے حوالہ سے اپنی کتاب شرح منہاج میں نقل کیا ہے کہ :۔

"یہ قصیدہ جس کا ایک شعر اوپر بیان کیا گیا ہے، ابو طالب کا لکھا ہوا نہیں بلکہ عبد المطلب کا لکھا ہوا ہے"۔

مگر یہ بات غلط فہمی اور وہم ہے کیونکہ عام طور پر سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ یہ قصیدہ ابو طالب کا ہی ہے اور یہ کہنا کہ ممکن ہے دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ کہا ہو مگر اتفاق سے دونوں کے قصیدے بالکل یکساں ہو گئے (جسے شاعروں کی اصطلاح میں توارد ذہنی کہتے ہیں) یہ ظاہر ہے ایک لغویات اور تاویل ہو گی۔

اس قصیدے کے سلسلے میں ابو طالب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قصیدے کو عبد المطلب کا کہا ہوا کہنا صرف وہم ہے۔ یہ حدیث بھی آگے ذکر ہو گی۔ واللہ اعلم۔

<u>چند حیرت خیز واقعات</u>..... (قال) ابو طالب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ذی المجاز کے میلے میں تھا یہ عرفات سے ایک فرسخ (یعنی بارہ ہزار گز جو تقریباً آٹھ کلو میٹر کا فاصلہ ہوتا ہے) کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام تھا جہاں زمانۂ جاہلیت میں ایک بازار یا میلہ لگا کرتا تھا (غرض ابو طالب کہتے ہیں کہ میں وہاں گیا ہوا تھا اور)۔

میرے ساتھ میرا بھتیجا بھی تھا یعنی نبی کریم ﷺ۔ اچانک مجھے پیاس لگی۔ میں نے بھتیجے سے پیاس کا ذکر کیا اور کہا۔

"بھتیجے مجھے بہت پیاس لگی ہے"۔

میں نے اان سے یہ بات اس لئے نہیں کہی تھی کہ ان کے پاس پانی وغیرہ تھا بلکہ صرف اپنی بے تابی کا اظہار کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ (ی) یعنی صرف بے صبری اور پیاس کی شدت میں یہ بات کہہ دی تھی۔

ابو طالب کہتے ہیں کہ وہ یہ سن کر فوراً اپنی سواری سے اترے اور مجھ سے کہنے لگے۔

"چچا جان! کیا پیاس لگی ہے"؟

میں نے کہا۔ "ہاں"......!

انہوں نے زمین پر اپنی ایڑی ماری ایک روایت میں ہے کہ ایک پتھر پر اپنا پیر مارا اور زبان سے کچھ کہا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں سے ایسا عمدہ پانی پھوٹ نکلا کہ میں نے اس جیسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر انہوں نے مجھ سے پانی پینے کے لئے کہا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پی لیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا آپ سیر ہو گئے"؟

میں نے کہا۔ "ہاں"!

انہوں نے پھر اس جگہ اپنی ایڑی ماری اور وہ جگہ دوبارہ ایسی ہی خشک ہو گئی جیسی پہلے تھی۔ (ی)

آنحضرت ﷺ چند سال اپنے دوسرے سگے چچا زبیر ابن عبد المطلب کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ اسی زمانے میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے ان چچا کے ساتھ ایک قافلے میں یمن تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک ایسی وادی سے گزر ہوا جس میں ایک سرکش نر اونٹ رہتا تھا اور ہر مسافر کو وہاں سے گزرنے سے روکتا تھا۔ مگر جب اس اونٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو فوراً بیٹھ گیا اور زمین سے اپنی چھاتی رگڑنے لگا۔ آنحضرت ﷺ اپنے اونٹ سے اترے اور اس اونٹ پر سوار ہو گئے۔ یہ اونٹ آپ کو لے کر چلا اور وادی پار کرادی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اونٹ کو چھوڑ دیا۔

جب یہ قافلہ سفر سے واپس ہوا تو ایک ایسی وادی سے اس کا گزر ہوا جو طوفانی پانی سے بھر ہوئی تھی اور پانی موجیں مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کہ آنحضرت ﷺ نے قافلے والوں سے فرمایا:۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ"۔

پھر آپ اطمینان کے ساتھ وادی میں داخل ہو گئے اور باقی لوگ آپ کے پیچھے پیچھے ہو گئے۔ اللہ عزّ و جل نے اپنی قدرت سے پانی کو خشک کر دیا (اور آنحضرت ﷺ پورے قافلے کو لے کر پانی سے پار ہو گئے)۔

جب یہ قافلہ مکے پہنچا تو قافلے والوں نے یہ حیرت ناک واقعات بیان کئے۔ لوگ یہ سن کر کہنے لگے۔

"اس لڑکے کی شان ہی کچھ نرالی ہے"۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ :۔

بنی لہب کا ایک شخص بڑا قیافہ شناس تھا (اور لوگوں کی صورت دیکھ کر ان کے مستقبل کے متعلق پیشنگوئی کیا کرتا تھا) جب وہ مکے آتا تو قریش کے لوگ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لے کر آیا کرتے تھے اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر ان کے مستقبل کے بارے میں خبریں دیا کرتا تھا۔

(ایک دفعہ جب یہ مکے آیا تو) ابو طالب آنحضرت ﷺ کو بھی اس کے پاس لے کر پہنچے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نوعمر لڑکے ہی تھے۔

اس قیافہ شناس نے آنحضرت ﷺ کی طرف ایک نظر دیکھا اور اس کے بعد وہ کسی دوسرے کو دیکھنے

میں لگ گیا۔ پھر جب وہ فارغ ہو گیا تو اس نے کہا "اس لڑکے کو میرے سامنے پیش کرو"......

(جب اس نے آپ کو نہیں پایا تو وہ چلاّنے لگا)۔

"تمہارا برا ہو میرے سامنے اس لڑکے کو لاؤ جس کو میں نے ابھی دیکھا تھا۔ خدا کی قسم وہ بڑی شان والا ہے"......

ابو طالب نے جب آنحضرت ﷺ کے لئے اس کا غیر معمولی اشتیاق دیکھا تو وہ آپ ﷺ کے لے کر وہاں سے چپکے سے نکل آئے۔ واللہ اعلم

باب دہم (۱۰)

# ابو طالب کے ساتھ ملک شام کا سفر

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ :۔

"جب ابو طالب نے (تجارتی سلسلے میں ملک شام کے) سفر کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ساتھ جانے کے لئے اپنے انتہائی شوق کا اظہار فرمایا۔ بعض[1] راوی کہتے ہیں کہ آپ نے ابو طالب سے ضد کی کہ آپ بھی سفر میں ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ ان بعض راویوں سے صرف حافظ دمیاطی نقل کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہی ہیں کہ جب ابو طالب نے سفر کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی ساتھ جانے کے لئے ضد کی۔ ابو طالب کو آپ ﷺ کے اس شوق کا بہت خیال ہوا اور وہ کہنے لگے۔

"خدا کی قسم! میں اس کو ضرور ساتھ لے کر جاؤں گا نہ یہ کبھی مجھ سے جدا ہو سکتا ہے اور نہ میں اس کو کبھی اپنے سے جدا کر سکتا ہوں"۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور فرمایا۔

"چچا جان! آپ مجھے کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں میرے نہ ماں ہیں اور نہ باپ ہیں"۔

معتبر قول کے مطابق اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک نو سال تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بارہ سال دو مہینے دس دن کی عمر تھی۔ (ی) یہ کمزور قول امتاع میں ہے جسے انہوں نے کہا ہے کہ زیادہ ثابت شدہ قول یہی ہے۔

(ی)، اسی لئے محب طبری نے صرف یہی قول لیا ہے۔

دور اہبوں کی پیشین گوئیاں...... محب طبری نے آگے ذکر کیا ہے کہ (ابو طالب آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر) چلے اور آپ کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ راستے میں وہ ایک عیسائی خانقاہ کے پاس ٹھہرے۔ خانقاہ کے

---

[1] بعض راویوں نے اس روایت میں لفظ ضَبِثَ استعمال کیا ہے جو ضَرِبَ کے وزن پر ہے اور جس کے معنی ہیں کہ آپ اپنے چچا سے لپٹ گئے اور ان کو پکڑ کر بیٹھ رہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ضَبِثْتُ عَلَیْہِ یعنی میں نے اس کو پکڑ لیا۔

عابد نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر ابو طالب سے پوچھا۔

"یہ لڑکا تمہارا کون ہے"؟

ابو طالب نے کہا۔"میرا بیٹا ہے"۔عابد نے کہا

"یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو۔یہ نبی ہے"۔

(ی) یعنی جس میں یہ نشانیاں ہوں جو اس میں موجود ہیں تو وہی نبی ہوگا جس کا انتظار ہے۔

اور پرانی کتابوں میں ان پیغمبر کی علامت یہ لکھی ہوئی ہے کہ ان کے باپ کا انتقال اسی زمانے میں ہو جائے گا جب کہ وہ نبی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہوں گے اور یا ان کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہو جائے گا(لہٰذا اس لڑکے کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں اس آنے والے نبی کی ساری علامتیں موجود ہیں)اس بارے میں کچھ بیان گزر چکا ہے اور کچھ آگے آئے گا۔

(ی) اسی طرح ان قدیم کتابوں میں اس نبی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ان کے بچپن ہی میں ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو جائے گا جیسا کہ یہ بات سیف ابن ذی یزن کی پیشین گوئی میں گزر بھی چکی ہے۔اور کچھ اہل کتاب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کا صرف یہ خبر دینا کہ آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہی ہو جائے گا جبکہ آپ ماں کے پیٹ میں ہوں گے۔اس دوسری پیشین گوئی کے خلاف نہیں ہوتا (کہ یا آپ کے والد کا انتقال آپ کی پیدائش کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہو جائے گا)

(غرض جب اس خانقاہ کے عابد نے ابو طالب سے یہ کہا کہ یہ بچہ نبی ہے تو)ابو طالب نے اس سے پوچھا کہ نبی کسے کہتے ہیں۔عابد نے کہا۔

"نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور پھر وہ زمین والوں کو ان کی اطلاع دیتا ہے"۔

ابو طالب نے کہا۔

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے"۔

اس کے بعد اس عابد نے ابو طالب کو ہدایت کی۔

"یہودیوں سے اس لڑکے کی حفاظت کرنا"۔

اس کے بعد ابو طالب وہاں سے آگے روانہ ہوئے تو راہ میں ایک اور راہب کے پاس ٹھہرے یہ بھی ایک خانقاہ کا عابد تھا (اس نے بھی آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو ابو طالب سے) پوچھا کہ یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟ ابو طالب نے اس سے بھی یہی کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔راہب نے کہا۔

"یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے۔اس کا باپ زندہ ہی نہیں ہو سکتا"

ابو طالب نے پوچھا۔"کیوں؟"تو راہب نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ اس کا چہرہ ایک نبی کا سا چہرہ ہے اور اس کی آنکھیں ایک نبی کی سی آنکھیں ہیں۔"

(ی) یعنی اس نبی کے جیسی جو اس آخری امت کے لئے بھیجے جانے والے ہیں اور جن کی علامتیں قدیم آسمانی کتابوں میں ذکر ہیں۔

ابو طالب نے کہا۔

سبحان اللہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے "۔
اس کے بعد ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔
" بھتیجے! کیا تم نے اس راہب کی بات سنی "؟
آپ نے فرمایا۔
"ہاں چچا جان! اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہ سمجھئے۔" واللہ اعلم۔

**بحیرَا راہب کا واقعہ**...... اس کے بعد یہ قافلہ روانہ ہو کر بصری شہر میں پہنچا جہاں بحیرا، نام کا راہب اپنی خانقاہ میں رہتا تھا اس کا نام جرجیس تھا، بعض لوگوں نے سرجیس لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ بحیراء اس کا لقب تھا، غرض یہ راہب (اتنا زبردست عالم تھا کہ) نصرانی مذہب کا علم اس پر آکر ختم ہو گیا تھا (یعنی اس مذہب کا اس سے بڑا عالم اس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا)۔ ی۔ کیونکہ اس بڑی خانقاہ کا عابد وہی شخص ہو سکتا تھا جس پر نصرانی مذہب کا علم ختم ہو جاتا ہو۔ عیسیٰؑ کے جانشینوں کے وقت سے پشت در پشت اس خانقاہ کا عابد ایسا ہی زبردست عالم بنتا آرہا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں نصرانی مذہب کا سب سے بڑا عالم بحیراء ہی تھا۔ بحیراء کے بارے میں بعض مورّخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر تیماء کے یہودیوں میں سے تھا اور یہودی عابد ہی تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے بحیراء پہلے یہودی ہی رہا ہو اور اس کے بعد اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہو جیسا کہ ورقہ ابن نوفل کے ساتھ ہوا جن کا واقعہ آگے آرہا ہے۔

(جہاں تک بحیراء راہب کی قیام گاہ کا تعلق ہے اس کے متعلق) ابن عساکر کہتے ہیں کہ بحیراء ایک گاؤں میں رہتا تھا جس کو کفو کہا جاتا تھا۔ اس بستی اور شہر بصریٰ کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بحیراء شام کے علاقے میں بلقاء کے پاس ایک گاؤں میں رہتا تھا جس کا نام میفعہ تھا۔ اب ان مختلف رواتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ ان دونوں دیہات میں اس طرح رہتا ہو کہ کچھ عرصے ایک میں اور کچھ عرصہ دوسرے میں اور کبھی کبھی اس خانقاہ میں بھی آکر ٹھہرا کرتا ہو۔ بہر حال یہ جواب بھی قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ایک دفعہ اسے کسی پکارنے والے کی آواز سنائی دی تھی جو یہ کہہ رہا تھا۔

"سنو! اس زمین کے بستیوں میں تین آدمی سب سے بہترین ہیں۔ ریاب ابن براء، بحیراء راہب اور تیسرا وہ جس کے بعد کوئی اور نہیں آئے گا۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ۔ تیسرا وہ جس کا انتظار کیا جارہا ہے "یعنی آنحضرت ﷺ۔

اس روایت کو ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ ریاب اور ان کے بعد ان کے بیٹے دونوں کی قبروں پر ہمیشہ ہلکی ہلکی بارش دیکھنے میں آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

(اس کے بعد پھر اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ) قریش کے لوگ اکثر (اپنے تجارتی سفروں کے دوران) بحیراء راہب کے پاس سے گزرا کرتے تھے مگر وہ کبھی ان سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ مگر اس سال اس

نے ان کے لئے بہت سا کھانا تیار کر لیا۔ جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تھا تو بحیراء نے قافلے میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ لوگوں کے درمیان آپ پر ایک بدلی سایہ کئے ہوئے تھی۔ پھر جب یہ قافلہ ایک درخت کے نیچے آکر ٹھہرا تو اس نے بدلی کی طرف دیکھا جو، اب اس درخت پر سایہ ڈال رہی تھی اور اس درخت کی شاخیں اس طرف کو جھک گئی تھیں جدھر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ جب آنحضرت ﷺ اس درخت کی سائے میں آکر بیٹھے تو بہت سی شاخوں کا آپ پر جھمگھٹ ہو گیا۔ (ی) کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ درخت کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ لوگ پہلے ہی سائے دار حصے پر قبضہ کر چکے تھے۔ چنانچہ اب جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو (سائے میں اپ کو جگہ نہیں ملی مگر) درخت کی شاخوں نے آپ کی طرف جھک کر آپ کو اپنے ٹھنڈے سائے میں لے لیا۔

غرض (جب قافلہ خانقاہ کے سامنے آکر ٹھہر گیا اور بحیرا راہب نے آنحضرت ﷺ کی یہ شان دیکھی تو) اس نے قریشیوں کے پاس کہلایا۔

"اے گروہ قریش! میں نے آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کرایا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ میں سے تمام لوگوں کھانا کھانے کے لئے یہاں آئیں جن میں بچے بھی ہوں، بڑے بھی ہوں، غلام بھی ہوں اور آزاد بھی ہوں"۔

(یہ پیغام سن کر) ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ کہا۔

"اے بحیراء! آج تو تم نرالی بات کر رہے ہو! ہم اکثر تمہارے پاس سے گزرتے ہیں مگر تم نے ہمارے ساتھ یہ برتاؤ تو کبھی بھی نہیں کیا، آج کیا خاص بات ہوئی ہے!"؟

بحیراء نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو اور بات بھی ایسی ہی تھی۔ مگر آپ لوگ مہمان ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں آپ لوگوں کا اعزاز و اکرام کروں اور آپ سب کے لئے کھانا تیار کروں اور آپ سب لوگ یہیں کھائیں"۔

غرض تمام لوگ بحیراء کے پاس پہنچ گئے صرف رسول اللہ ﷺ پڑاؤ ہی میں رہ گئے کیونکہ آپ کم عمر تھے۔ آپ وہیں درخت کے نیچے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اب بحیراء نے جب لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے کسی میں اسے وہ صفت اور نشانی نظر نہیں آئی جو ظاہر ہونے والے نبی آخر الزماں کی تھی اور جو اس نے آپ میں دیکھی تھی

(ی) اودھر اسے ان لوگوں میں سے کسی کے اوپر وہ بدلی بھی نظر نہیں آئی بلکہ اس نے دیکھا کہ وہ بدلی وہیں پڑاؤ میں رسول اللہ ﷺ کے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے، تو اس نے کہا۔

"اے گروہ قریش! آپ میں سے کوئی بھی میری اس دعوت سے رہنا نہیں چاہئے"

قریش نے کہا۔

"اے بحیراء! جن کو آپ کی اس دعوت میں آنا ضروری تھا ان میں کوئی نہیں رہا، ہاں ایک لڑکا رہ گیا ہے جو سب میں کم عمر ہے"۔

بحیراء نے کہا

"نہیں ایسا مت کیجئے اس کو بھی بلائیے اس کو بھی آپ کے ساتھ ہونا چاہئے"۔

(ی) پھر اس نے کہا

"یہ کس قدر بری بات ہے کہ آپ سب آئیں اور آپ میں سے ایک آدمی رہ جائے! حالانکہ میں نے اس کو آپ ہی کے ساتھ دیکھا تھا"۔

قریش نے کہا۔

"خدا کی قسم ویسے وہ ہم میں نسب کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔ وہ اس شخص کا بھتیجا ہے۔" انہوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کیا۔ "اور عبد المطلب کی اولاد میں سے ہے"۔

پھر قریش میں سے ہی ایک شخص نے کہا

"لات اور عزیٰ کی قسم! ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے عبداللہ ابن عبد المطلب کا بیٹا کھانے میں شریک نہ ہو"۔

اس کے بعد وہ شخص اٹھ کر گیا اور آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر آیا اور اس نے آپ کو سب کے ساتھ بٹھایا (ی) یہ شخص آنحضرت ﷺ کا چچا حرث ابن عبد المطلب تھا۔ یہ اگرچہ عمر میں (اپنے بھائی) ابو طالب سے بھی بڑا تھا مگر اس نے آپ ﷺ کو اپنا بھتیجا شاید اس لئے نہیں کہا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا سگا بھائی نہیں تھا، جبکہ ابو طالب عبداللہ کے سگے بھائی یعنی آنحضرت ﷺ کے سگے چچا تھے، اگرچہ قافلے میں ابو طالب ہی امیر تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو پڑاؤ میں سے لے کر آنے والے حضرت ابو بکرؓ تھے، علامہ ابن محدث نے گذشتہ قول کے مقابلے میں اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے (کہ آپ کو پڑاؤ میں سے لانے والے حضرت ابو بکرؓ تھے) بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

بہت حال جو بھی آپ ﷺ کو لایا جب وہ آپ کو پڑاؤ سے لے کر چلا تو وہ بدلی بھی آنحضرت ﷺ کے سر پر ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ جب بحیراء نے یہ منظر دیکھا تو وہ آپ ﷺ کو اور زیادہ غور سے دیکھنے لگا اور آپ ﷺ کے جسم مبارک میں وہ علامتیں تلاش کرنے لگا جو ان کے نزدیک آپ میں ہونی چاہئے تھیں۔ غرض جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے اور ادھر ادھر ہو گئے تو بحیراء آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے بولا۔

"میں آپ سے لات اور عزّیٰ کے نام پر چند باتیں پوچھتا ہوں اور جو کچھ میں پوچھوں آپ اس کے متعلق مجھے بتلائیں۔

بحیراء نے لات اور عزیٰ کے نام پر اس لئے پوچھا کہ وہ جانتا تھا کہ آپ کی قوم کے لوگ ان ہی دونوں بتوں کے نام پر قسم اور حلف لیتے ہیں۔ (ی) کتاب شفاء میں یہ ہے کہ بحیراء کو یہی بتلایا گیا تھا (کہ ان بتوں کے نام پر سوال کیا جائے) غرض رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر بحیراء سے فرمایا۔

"لات اور عزّیٰ کے نام پر مجھ سے کوئی بات مت پوچھو، کیونکہ خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ ان ہی سے نفرت ہے۔"

بحیراء نے کہا:۔

"تب پھر خدا کے نام پر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں تم مجھے اس کے متعلق بتلانا"۔

آپ نے فرمایا۔
"پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"
اب بحیراء نے آپ ﷺ سے آپ کی مختلف باتوں کے متعلق پوچھنا شروع کیا، آپ کی سونے کے متعلق، آپ کی عادتوں اور آپ کے طور طریقوں کے متعلق پوچھا اور آنحضرت ﷺ اس کو جواب دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کے تمام جوابات ان ساری علامتوں کے مطابق تھے جو نبی آخر الزماں کے متعلق بحیراء جانتا تھا۔ (ی) اس کے بعد بحیراء نے آپ کی کمر کھولی اور مہر نبوت کو بھی بالکل ویسا ہی پایا جیسا اس نے پڑھا تھا۔ اس نے فوراً مہر نبوت کی جگہ کو بوسہ دیا۔ قریش (جو بحیراء کی یہ ساری باتیں اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کی محویت دیکھ رہے تھے) کہنے لگے۔
"اس راہب کے نزدیک محمد (ﷺ) کی بہت قدر اور مرتبہ ہے"!
آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کے بعد بحیراء راہب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟
ابوطالب نے کہ "میرا بیٹا ہے!"
بحیراء کہنے لگا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے باپ زندہ ہوں۔
تب ابوطالب نے کہا کہ اصل میں یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے۔
بحیراء نے کہا کہ پھر ان کے باپ کا کیا ہوا؟ ابوطالب نے کہا
"ان کا اس وقت ہی انتقال ہو چکا تھا جبکہ یہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے"۔
بحیراء نے کہا "تم سچ کہتے ہو۔" اس کے بعد اس نے کہا:۔
"ان کی ماں کا کیا ہوا"؟
ابوطالب نے کہا۔ "ان کا ابھی تھوڑا عرصہ پہلے انتقال ہو گیا"۔
بحیراء نے کہا:۔
ٹھیک کہتے ہو۔ اب اپنے بھتیجے کو لے کر واپس وطن چلے جاؤ اور یہودیوں سے ان کی پوری طرح حفاظت کرو کیونکہ خدا کی قسم اگر انہوں نے اس کو دیکھ لیا اور ان میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو میں نے دیکھی ہیں تو وہ ان کے ساتھ بہت برا معاملہ کریں گے اس لئے کہ تمہارا یہ بھتیجا نبی ہے اور اس کی بہت بڑی شان ہے۔ (ی) جو ہم اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں اور اپنے باپ دادا سے بھی سنتے آئے ہیں۔ یہ بات سمجھ لو کہ میں نے تمہیں یہ نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کر دیا اس لئے اسے جلد سے جلد وطن واپس لے جاؤ"۔
ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب ابوطالب نے بحیراء کو بتلایا کہ یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے تو بحیراء نے ابوطالب سے پوچھا
"کیا تم اس کے سرپرست اور نگراں ہو"؟
ابوطالب نے کہا۔ "ہاں"! تو بحیراء نے کہا۔
"تب خدا کی قسم اگر تم اسے ملک شام لے گئے۔ (ی) یعنی اس جگہ سے آگے بڑھ کر ملک شام کے اندرونی علاقے میں داخل ہو گئے جو یہودیوں کا گڑھ ہے ___ تو یہودی اس کو قتل کر دیں گے"۔

چنانچہ ابو طالب (بحیراء کی باتیں سن کر آپ کی طرف سے خوفزدہ ہوگئے اور) آپ کو لے کر مکے واپس آگئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (بحیراء کی بات سن کر) ابو طالب نے اس سے کہا :۔

"اگر یہ بات ٹھیک ہے جو تم بتا رہے ہو تو پھر یہ اللہ عزّوجل کی ہی حفاظت میں ہے "

(روایتوں کے اس فرق کے متعلق) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ بحیراء نے جو کچھ کہا تھا وہ اسی عام طریقے اور عادت کے مطابق کہا تھا جو کسی کی حفاظت کے سلسلے میں کہہ دیا جاتا ہے (ورنہ وہ خود بھی جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کے حوالے نہیں کرے گا بلکہ آپ کی خود حفاظت فرمائے گا یہاں تک کہ آپ اُپنے اس عظیم مقصد کو پورا فرمائیں گے جس کے لئے آپ کو اس دنیا میں ظاہر فرمایا گیا ہے)

غرض اس کے بعد جب ابو طالب شام میں تجارت سے فارغ ہوگئے تو وہ آپ کو لے کر واپس مکے پہنچے مگر کتاب ہُدیٰ میں یہ ہے کہ ۔(بحیراء سے یہ باتیں سننے کے بعد) آپ ﷺ کے چچا نے آپ کو اپنے کسی لڑکے کے ساتھ مدینے بھیج دیا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب (یعنی رومیوں) کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو بحیراء نے دیکھی تھیں۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہا تو بحیراء نے ان کو روکا اور انہیں خدا کی طرف توجہ دلائی اور وہ باتیں یاد دلائیں جن میں انکی آسمانی کتاب میں آنحضرت ﷺ کا اور آپ کی نشانیوں کا ذکر ہے، اور منع کیا کہ اگر وہ سب مل کر آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانا بھی چاہیں تو آپ ﷺ ان کی دسترس اور پہنچ سے دور رہیں گے چنانچہ وہ اپنے ارادہ سے باز آئے اور وہاں سے لوٹ گئے۔

اس دوسری روایت میں (آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر کا یہ پورا واقعہ) اس طرح ہے کہ :۔

ابو طالب کچھ دوسرے قریشی بزرگوں کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کے سفر پر روانہ ہوئے، آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ قافلہ بحیراء راہب کی خانقاہ کے پاس جاکر ٹھہرا۔ اس سے پہلے جب بھی قریش قافلے یہاں سے گزرا کرتے تھے تو بحیراء نہ تو باہر نکل کر آتا تھا اور نہ ان کی طرف توجہ دیتا تھا مگر (اس مرتبہ جبکہ ابھی یہ پڑاؤ ڈال رہے تھے یہ راہب آکر ان کے درمیان گھومنے لگا یہاں تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر کہنے لگا۔

"یہ تمام عالموں کا سردار ہے۔ یہ پروردگار عالم کا پیغمبر ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ظاہر فرمائیں گے"۔

قریشی بزرگوں نے (یہ سنا تو حیران ہو کر) پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا راہب نے کہا؟

"جب تم اس گھاٹی پر پہنچے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہیں رہا جو سجدے میں نہ گر گیا ہو۔ اور (درخت اور پتھر) نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔(ی) اور یہ کہ ایک بدلی دوسروں کو چھوڑ کر صرف آپ پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ اور میں ان کو اس مہر نبوت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو ان کے مونڈھے کی ہڈی سے نیچے چھوٹے سیب کی شکل کی موجود ہے"۔

اس کے بعد بحیراء راہب واپس خانقاہ میں آیا اور اس نے قریشیوں کے لئے کھانا تیار کرلیا۔ پھر جب

بحیراء ان کے پاس کھانا لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ اونٹوں کی نگرانی فرما رہے تھے۔ قافلے والوں نے آپ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ بدلی آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ پہلے اس حصے میں بیٹھ چکے ہیں جہاں درخت کا سایہ تھا۔ چنانچہ آپ (دھوپ ہی میں بیٹھ گئے مگر درخت کا سایہ فوراً ہی آپ کی طرف آگیا۔ راہب نے یہ منظر دیکھا تو فوراً بولا

اس درخت کے سائے کو دیکھو کہ اس لڑکے کی طرف آگیا ہے"۔

رومیوں کی آمد...... اس کے بعد جبکہ راہب قریشیوں کے پاس کھڑا ہوا ان سے یہ وعدہ لے رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو رومی سرزمین یعنی شام کے اندرونی علاقے میں نہیں لے جائیں گے کیونکہ رومیوں (یعنی عیسائیوں) نے اگر آپ ﷺ کو پہچان لیا تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اچانک بحیراء نے دیکھا کہ سات رومی باشندے وہاں پہنچ گئے۔ راہب ان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کس لئے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔

"ہم اس نبی کے لئے آئے ہیں جو اس مہینے میں سفر میں نکلا ہوا ہے، اس لئے تمام راستوں پر (اس کی تلاش میں) لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے۔ اور ہمیں یہ خبر ملی تھی کہ وہ نبی آپ کے اس راستے میں موجود ہے"۔

بحیراء نے کہا

"کیا تم سمجھتے ہو کوئی ایسا معاملہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کوئی انسان اس کو روک سکے؟"

رومیوں نے کہا نہیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے بحیراء راہب کے سامنے عہد کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو کوئی نقصان اور تکلیف نہیں پہنچائیں گے، نہ آپ کو پکڑنے کی کوشش کریں گے اور جس مقصد سے ان کو بھیجا گیا ہے اس کو پورا نہیں کریں گے۔

اس کے بعد وہ سب رومی وہیں بحیراء کے پاس ٹھہر گئے کیونکہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کو گرفتار کئے بغیر واپس جاتے تو انہیں ان لوگوں کی طرف سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا جنہوں نے ان کو آنحضرت ﷺ کی تلاش میں بھیجا تھا۔

پھر بحیراء نے قریش سے کہا:۔

"میں تم سے خدا کے نام پر پوچھتا ہوں کہ ان کا یعنی آنحضرت ﷺ کا ولی اور سرپرست کون ہے"؟

انہوں نے کہا کہ ابو طالب ہیں۔ اب بحیراء ابو طالب پر اصرار کرتا رہا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو واپس مکے بھیج دیں۔ آخرکار ابو طالب راضی ہو گئے اور انہوں نے حضرت بلال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو واپس بھیج دیا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بلال کو بھیج دیا۔ بحیراء نے کیک اور زیتون کا تیل ناشتے کے طور پر آپ کے ساتھ کیا۔

"یہاں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر کے واقعات ہیں مگر چونکہ دونوں روایتوں میں فرق ہے اس لئے کہتے ہیں۔ (ی) اگر یہ واقعہ ایک ہی ہے تو پھر یہ بات ظاہر ہے کہ اس کو بیان کرنے میں راویوں کی طرف سے فرق ہو گیا ہے جیسا کہ اس کی ایک نظیر پچھلے صفحات میں بھی گزر چکی ہے (یعنی

وہ واقعہ جس میں عبدالمطلب کی بیوی رقیقہ کے خواب اور بارش کے لئے عبدالمطلب کی دعا کا ذکر ہوا ہے) چنانچہ اس روایت میں بھی کچھ راویوں نے واقعات کو آگے پیچھے کر دیا جس کی دلیل میں کتاب ہُدیٰ کی یہ بات ہے کہ کتاب ترمذی وغیرہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا (ی) اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلال کو بھیجا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت بلالؓ تو شاید اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو بھی نہ وہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے ساتھ تھے اور نہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تھے۔

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہے کہ اس روایت میں کئی باتیں سن کر یعنی ناقابل اعتبار ہیں چنانچہ اصل کی مصنف لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس روایت کی سند میں وہی راوی ہیں جن کی روایتیں صحیح احادیث میں ہیں مگر سند کے صحیح ہونے کے باوجود اس روایت کے متن یعنی عبارت میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو منکر ہیں (حدیث منکر کی تعریف سیرت حلبیہ اردو کے گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے) مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حضرت بلالؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھیجنا۔ اس لئے کہ حضرت بلالؓ کو (جو غلام تھے) حضرت ابو بکرؓ نے اس واقعہ کے تیس سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد خریدا تھا (اور ظاہر ہے ان کا مالک ہونے سے پہلے حضرت بلالؓ کو اس طرح بھیج دیا جانا سمجھ میں نہیں آتا) پھر یہ کہ اس وقت (جبکہ آنحضرت ﷺ نے شام کا یہ سفر فرمایا تھا) خود حضرت ابو بکرؓ کی عمر دس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کیونکہ آنحضر ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں دو سال سے بھی کچھ زیادہ بڑے تھے یعنی دو سال اور ایک مہینہ بڑے تھے۔

ادھر یہ بیان ہو چکا ہے کہ اس سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک نو سال تھی جو زیادہ صحیح قول کی بنیاد پر ہے۔ (ی) اس کا مطلب ہے کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر سات سال کے قریب رہی ہوگی۔ پھر یہ کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ سے بھی چھوٹے تھے اس لئے یہ قول کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ (ی) کیونکہ اس وقت (جبکہ ابو بکرؓ سات سال کے تھے) قاعدے کے مطابق وہ اس قابل ہی نہیں تھے کہ کسی کو کہیں بھیجیں۔ اسی طرح حضرت بلال بھی اس وقت اس قابل نہیں تھے کہ ان کے ساتھ کسی کو بھیجا جائے (کیونکہ اتنی تھوڑی عمر کے بچے کو نہ تو کسی کے ساتھ بھیجا کرتے ہیں اور نہ ان کو ہی دُسراہت یا حفاظت کے لئے کسی کے ساتھ بھیجا جا سکتا ہے)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں بڑے تھے تو حدیثوں، سیرت کی کتابوں اور آثار (یعنی صحابہ کی روایتوں) کی بنیاد پر جمہور علماء (یعنی اکثر علماء) کا یہی قول ہے۔

لیکن اس بارے میں ایک حدیث یہ بھی آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا۔

"ہم میں سے بڑا کون ہے ___ میں یا تم"؟

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

"آپ ہی زیادہ معزز اور شریف ہیں اور آپ ہی بڑے ہیں مگر عمر میں میں زیادہ ہوں"۔

اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں وہم اور مغالطہ ہے اور یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے۔

اسی طرح جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں چھوٹے تھے اس بارے میں ابن حبان کا قول اس دعویٰ کے خلاف ہے (اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ کے ہم عمر تھے یعنی تقریباً برابر عمر تھی۔ اس بات کو مانا جائے تو پھر علامہ ذہبیؒ کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر سے واپسی کے وقت) حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(قال) علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھیجا تھا۔ راوی کا وہم ہے کیونکہ اسی راوی کی ایک اور حدیث ہے جس سے یہ بات غلط ہو جاتی ہے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں:۔ اسی وہم کی وجہ سے علامہ ذہبیؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ میں سمجھتا ہوں یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے کیونکہ اس کا کچھ حصہ بالکل باطل اور بے بنیاد ہے یعنی واقعہ کے مطابق نہیں ہے (ی) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ حدیث میں گھڑت ہے مگر اس کا کچھ حصہ واقعہ کے مطابق بھی ہے جبکہ کچھ حصہ واقعہ کے خلاف ہے۔

اب اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی اس حدیث کے متن یعنی عبارت میں ناقابل اعتبار چیزیں ہیں (جیسا کہ اوپر کی سطروں میں بیان ہوا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی عبارت میں باطل اور غلط چیزیں ہیں جیسا کہ میں نے وہاں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ اگرچہ حدیث منکر محدّثین کی اصطلاح میں موضوع یا باطل حدیث کو نہیں کہتے بلکہ یہ کمزور حدیثوں میں سے ایک حدیث ہوتی ہے مگر اب یہاں منکر کا وہ مطلب نہیں۔ یہاں اس کا وہ اصطلاحی مطلب نہیں ہوگا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی جو ضعیف حدیث کی ایک قسم ہوتی ہے۔ اس میں ضعف اور کمزور سے مراد حدیث کی سند یعنی راویوں کے سلسلے میں کوئی کمی اور نقص ہوتا ہے اور سند کی کمزوری سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کا جو متن اور عبارت ہے وہ کمزور اور غیر صحیح اور غیر یقینی ہے چہ جائے کہ اس کو باطل قرار دیا جائے۔

حافظ دمیاطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دو وہم ہیں۔ پہلا وہم تو یہ ہے کہ (ان سات رومیوں نے بحیراء کی بات سن کر آنحضرت ﷺ کی سلامتی کا) عہد کیا اور اپنی جانوں کے خوف سے بحیراء کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ دوسرا وہم یہ قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلال کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھیجا۔ حالانکہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر یہ کہ اس وقت نہ تو حضرت بلال مسلمان ہی تھے اور نہ حضرت ابو بکر کی ملکیت میں تھے۔

(یہاں خود حافظ دمیاطیؒ کے اس قول پر بھی اعتراض ہے کہ حدیث میں جہاں یہ ذکر ہے کہ پھر ان رومیوں نے۔ بحیراء سے۔ وعدہ اور عہد کیا۔ فَبَایَعُوْہُ۔ اس سے حافظ دمیاطیؒ نے یہ سمجھ ہے کہ ان رومیوں نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ اور عہد کیا (اسی لئے انہیں حدیث کے اس حصہ میں بھی وہم نظر آیا) حالانکہ ظاہر ہے انہوں نے یہ عہد بحیراء سے کیا تھا۔ لہٰذا حدیث کے اس حصے میں تو کوئی وہم نہیں رہتا۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے اس کا جواب ظاہر ہے یہی ہوگا۔ کہ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں ساتھ نہیں تھے تو اعتراض ٹھیک ہے ورنہ کسی بات کے صرف انکار کرنے سے تو وہ بات غلط نہیں سمجھی جا سکتی۔ اب جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ بلال اس وقت مسلمان بھی نہیں تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی ملک میں بھی نہیں تھے تو ان کے متعلق تو اس

وقت ہی کچھ کہا جاسکتا ہے جب پہلے یہ مان لیا جائے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت بلال اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (جب حافظ دمیاطی یہی نہیں مانتے کہ یہ دونوں آپ کے ساتھ تھے تو پھر حضرت بلال کے مسلمان ہونے اور حضرت ابو بکر کی ملک میں ہونے کے متعلق ان کا کچھ کہنا تو زائد بات ہی ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ماننے کی صورت میں یہ مان لینا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ کے ساتھ بھیج دیا ہوگا، اس پر موقوف نہیں ہے کہ حضرت بلال مسلمان ہوں اور حضرت ابو بکر کی ملک میں آچکے ہوں _ ممکن ہے اس وقت حضرت بلال کا جو مالک تھا یعنی امیہ ابن خلف اس نے اپنی کسی ضرورت سے حضرت بلال کو اس قافلے کے ساتھ بھیجا ہو، مگر پھر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو حکم دیا ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ واپس ہو جائیں تاکہ راستے میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بھی کریں اور آپکا دل بھی بہلا رہے اور اطمینان بھی رہے۔ یہ حکم حضرت ابو بکرؓ نے اس بھروسہ پر دیا ہو کہ حضرت بلال کا مالک اس پر ناراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت بلال کو بھیجنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر ان کے مالک ہی رہے ہوں۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت اس قابل نہیں تھے کہ کسی کو کہیں بھیج سکیں اس سلسلے میں جو شبہ ہے وہ گزر چکا ہے (یعنی وہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر حضرت ابو بکر نے بتلایا کہ وہ عمر میں بڑے ہیں) واللہ اعلم۔

(قال) ابن مندہ کمزور سند کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ :۔

"ایک مرتبہ وہ یعنی حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کے سفر پر گئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ بیس سال کے تھے۔ (ی) یعنی رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے دو سال (ی) اور ایک مہینہ بڑے تھے۔ دو سال پر یہ تھوڑی سی زیادتی یعنی ایک مہینے کی زیادتی اس روایت میں صاف نہیں ہے اس کو ابن مندہ نے ذکر کیا۔

"(غرض حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شام کے سفر پر گئے") یہاں تک کہ جب وہ ایک منزل پر ٹھہرے جو شام کے علاقے میں بصری کا بازار تھا۔ یہاں ایک درخت تھا، آنحضرت ﷺ اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکرؓ (وہاں رہنے والے) ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیراء تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اس راہب کے پاس کسی چیز کے بارے میں پوچھنے گئے تھے۔ اس راہب نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا۔

"یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے سائے میں بیٹھا ہے"؟

حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یہ محمد ﷺ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہیں۔ راہب نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ اس امت کا نبی ہے۔ اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے بعد محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں بیٹھا"۔

(ی) اور حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ :۔

"اس درخت کے سائے میں میرے بعد نبی اُمّی وہاشمی کے سوا کوئی نہیں بیٹھے گا"۔ یہ روایت آگے تفصیل سے آئے گی۔

اس سلسلے میں علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت ابو بکرؓ کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ سفر اس سفر کے علاوہ ہو جس میں ابو طالب گئے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔وہ یہ آپ کا سفر ہے جس میں آپ حضرت خدیجہ (کی طرف سے تجارت کے سلسلے میں ان) کے غلام میسرہ کے ساتھ گئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ملک شام کو سفر کرنا دو مرتبہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے (جن میں سے ایک مرتبہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بچپن میں تشریف لے گئے اور دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے تشریف لے گئے) چنانچہ اس روایت میں ہے کہ وہ یعنی آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی تجارتی سلسلے میں ملک شام کے سفر پر جا رہے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ تجارت کے لئے ایک دفعہ کے سوا شام نہیں گئے۔ جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے کہ یہ بات (جو اوپر والی روایت میں بحیراء راہب نے کہی) وہ اصل میں نسطورا راہب نے کہی تھی بحیراء نے نہیں اور اس نے یہ بات میسرہ سے کہی تھی حضرت ابو بکرؓ سے نہیں کہی تھی۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس راہب نے یہ بات میسرہؓ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں سے کہی ہو۔ مگر اس میں پھر اشکال رہتا ہے کہ اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ میسرہؓ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی بیس سال نہیں تھی۔ یہ ماننے کے بعد ضروری ہے کہ یہ درخت نسطوراء راہب کے خانقاہ کے سامنے ہوگا بحیراء کی خانقاہ کے سامنے نہیں۔ لیکن روایت میں بحیراء راہب کی جگہ نسطوراء راہب کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ نیشاپوری نے اپنی کتاب "شرف المصطفیٰ" میں لکھا ہے کہ یہ راوی کی طرف سے وہم اور مغالطہ ہے جو اس وجہ سے ہو گیا کہ دونوں (راہبوں کی خانقاہوں) کی جگہ ایک ہی تھی یعنی بصری کا بازار کہ دونوں کی خانقاہیں یہیں تھیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثلاً ممکن ہے بحیراء راہب کے مرنے کے بعد نسطوراء راہب اس خانقاہ میں اس کا جانشین بنا ہو۔ یہ جواب اس جواب سے زیادہ اچھا ہے کہ یوں کہا جائے کہ دونوں کی خانقاہیں بھی الگ الگ تھیں اور ان کے سامنے) درخت بھی الگ الگ تھے۔ یعنی ایک بحیراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دوسرا نسطوراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دونوں کے متعلق حضرت عیسیٰؑ نے وہی بات فرمائی تھی جو پیچھے ذکر ہوئی۔

اسی طرح یہ جانشینی کا جواب اس جواب سے بھی بہتر ہوگا کہ یوں کہا جائے کہ درخت تو ایک ہی تھا لیکن (دونوں راہبوں کی خانقاہیں الگ الگ تھیں اور) یہ درخت بحیراء راہب کی خانقاہ اور نسطورا راہب کی خانقاہ دونوں کے درمیان میں تھا اور یہ کہ وہ قافلہ جس میں ابو طالب تھے ایسی جگہ ٹھہرا تھا جہاں سے بحیراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی اور وہ قافلہ جس میں حضرت ابو بکرؓ اور میسرہ غلام تھے درخت کی اس جانب میں ٹھہرا تھا جدھر سے نسطوراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی۔

جہاں تک خود بحیراء اور نسطورا راہب کا معاملہ ہے اس کے بارے میں آگے بحث آئے گی کہ یہ دونوں اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ آنحضرت ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ سب لوگ اہل فترت میں سے ہیں اہل اسلام میں سے نہیں ہیں (اہل فترت کے متعلق سیرت حلبیہ کے گذشتہ ابواب میں تفصیل گذر چکی ہے کہ اہل فترت وہ لوگ ہوتے ہیں جو دو نبیوں کے درمیان پائے جانے والے اس دور کے لوگ ہوتے ہیں جس میں پچھلے نبی کی شریعت وقت گزر کے ساتھ بھلائی جاچکی ہو اور اگلا نبی اس وقت تک ظاہر نہ ہوا ہو۔ ان کے انجام کے متعلق بھی گذشتہ ابواب میں مفصّل بحث گزر چکی ہے۔ بہر حال بحیراء اور نسطورا وغیرہ راہبوں کو اہل فترت میں شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا، اگرچہ حافظ ابن

حجرؒ یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ بحیراء راہب کو نبوت کا زمانہ ملا یا نہیں۔

بحیراء نام کے ایک صحابی بھی ہیں مگر) یہ بحیراء وہ نہیں ہے جو صحابی تھے۔ اور جو حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبش سے آنے والے آٹھ آدمیوں میں سے تھے۔ بحیراء نام کے ان صحابی سے شراب کے حرام ہونے کے سلسلے میں ایک حدیث بھی روایت ہے۔ چنانچہ بعض حضرات اس حدیث کو منکر یعنی کمزور قرار دیتے ہیں مگر وہ لوگ وہ ہیں جو بحیراء کے نام کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہی بحیراء راہب ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات شام کے سفر کے دوران ہوئی تھی۔ (حالانکہ یہ بحیراء نامی صحابی دوسرے ہیں) واللہ اعلم

# باب یازدھم (۱۱)

# جاہلیت کی برائیوں سے حفاظت

اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کی ان تمام برائیوں اور عیبوں سے رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی جو آخرکار آپ کی لائی ہوئی شریعت میں بھی حرام قرار دی گئیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کا اعزاز مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کے نتیجہ میں آپ اپنی قوم میں اخلاق و عادات کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اسی طرح سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ امانت دار اور ان تمام برائیوں سے سب سے زیادہ دور تھے جو انسان کو بے وقت بناتی ہیں۔ (ی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت اور بااخلاق تسلیم کئے گئے، آپ ہمیشہ ایک بہترین دوست اور ایک بہترین پڑوسی ثابت ہوئے، بے انتہا نرم دل، انتہائی امانت دار اور اپنی بات کے بے حد سچے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں نرم مزاجی صبر و شکر، انصاف پسندی، زہد و تقویٰ، تواضع و انکساری، پاک دامنی، سخاوت و فیاضی، شجاعت و بہادری، شرم و حیا اور مروت و رواداری جیسی بلند و بالا صفات اور شریفانہ عادتیں پیدا فرمائی تھیں اس لئے قریش نے آپ کا لقب "امین" یعنی امانت دار رکھ دیا تھا۔

**برہنگی پر ممانعت و تنبیہ**..... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی اس کی مثال میں ایک واقعہ یہ ہے جس کو اسحاقؒ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"ایک مرتبہ (بچپن میں) میں کچھ قریشی لڑکوں کے ساتھ تھا جو ایک کھیل کے سلسلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پتھر لے جا رہے تھے، ہم میں سے ہر ایک اپنا تہبند اتار کر برہنہ ہو گیا اور پتھر رکھ کر لے جانے کے لئے اسے گردن پر رکھ لیا۔ میں بھی ان بچوں کے ساتھ اسی طرح آ جا رہا تھا کہ اچانک (ی) ایک فرشتے نے میرے اتنا سخت ہاتھ مارا جو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ کہ بہت زور سے میرے ہاتھ مارا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہاتھ سخت ہونے کے باوجود وہ آنحضرت ﷺ کے لئے تکلیف دہ نہیں تھا۔ غرض اس کے بعد اس فرشتے نے مجھ سے کہا کہ اپنا تہبند باندھ لیجئے۔ چنانچہ میں نے فوراً

اپنا تہبند باندھ لیا اور پھر اپنے ساتھی لڑکوں کے ساتھ تہبند باندھے باندھے میں گردن پر پتھر رکھ کر لے جانے لگا۔

آنحضرت ﷺ کو اسی طرح کا یعنی بچپن میں برہنگی کی حالت میں پتھر اٹھا کر لے جانے کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا تھا جبکہ ابو طالب زمزم کے کنویں کی مرمّت کر رہے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاقؒ کی روایت ہے جس کو ابو نعیم نے بھی صحیح قرار دیا ہے کہ :۔

"ابو طالب زمزم کے کنویں کی مرمّت کر رہے تھے۔ اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کم عمر تھے اور آپ اس مرمّت کے کام میں (چچا کی مدد کے طور پر) پتھر ڈھوتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر اس میں پتھر باندھ لئے، مگر اسی وقت آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو ابو طالب نے پوچھا (کہ کیا بات ہو گئی تھی)

آپ ﷺ نے فرمایا

"میرے پاس ایک آنے والا آیا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے مجھ سے کہا کہ اپنا سَتر (یعنی بدن کے چھپائے جانے والے حصے) ڈھک لیجئے"۔

"اس کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے پوشیدہ حصے کبھی نہیں دیکھے گئے"۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ :۔

"آنحضرت ﷺ کو برہنگی اور پوشیدہ حصے کھولنے سے نبوت سے پانچ سال پہلے ہی روک دیا گیا تھا (یعنی اگرچہ بچپن کے ان دو ایک واقعات کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود اپنی فطری شرم و حیا اور ادب کی بنا پر کبھی اپنے بدن کے پوشیدہ حصوں کو کھلنے نہیں دیا، لیکن پھر نبوت سے پانچ سال پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ کو سَتر کھولنے کی ممانعت آگئی) پھر اسی طرح کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبے کی بنیاد کے وقت بھی پیش آیا جس میں آپ کو سَتر کھولنے سے روکا گیا۔ یہ واقعہ آگے آرہا ہے اس میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے بیان ہوگا۔

**لہو ولعب میں شرکت سے حفاظت**...... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے زمانۂ جاہلیت کی برائیوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جو خاص حفاظت فرمائی گئی اس کا) ایک واقعہ یہ ہے جو حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ :۔

"جاہلیت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کا میں نے ساری عمر میں (بچپن کے دوران) صرف دو مرتبہ ارادہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ جل شانہ، نے میری حفاظت فرمائی یعنی ان پر عمل کرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان برائیوں سے بچالیا۔ (ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ) ایک قریشی لڑکا مکے کے بالائی حصے میں اپنی بکریاں لئے ہوئے میرے ساتھ تھا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں نے مکے کے ایک لڑکے سے کہا جبکہ ہم اپنے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرا رہے تھے (مؤلف کہتے ہیں کہ) میں اس لڑکے کے نام سے واقف نہیں ہوں (غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے کہا)۔

"تم ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال رکھو تاکہ آج میں بھی قصہ گوئی کی اس مجلس میں شریک ہوں جہاں سب لڑکے جاتے ہیں۔" اس لڑکے نے کہا۔ "اچھا" (حدیث میں لفظ سمر استعمال کیا گیا ہے) جس کے معنی ہیں رات میں قصہ گوئی کرنا۔ اس کے بعد میں روانہ ہوا۔ جب میں مکے کے مکانوں میں سے ایک مکان کے

قریب پہنچا تو مجھے گانے کی اور باجے گاجے کی آواز آئی میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا "فلاں آدمی کی قریش کے فلاں شخص کی لڑکی سے شادی ہو رہی ہے"۔

"میں اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے جھکنے لگیں اور میں سو گیا۔ اس کے بعد اس وقت میری آنکھ کھلی جبکہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا مگر اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کر دیا۔ پھر خدا کی قسم دھوپ کی گرمی سے ہی میری آنکھ کھلی۔ غرض پھر میں وہاں سے واپس اپنے ساتھی کے پاس آیا (جو بکریوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا) اس نے مجھ سے پوچھا کہ۔ تم نے جا کر کیا کیا تو میں نے اس کو واقعہ بتلایا۔ پھر اگلی رات میں گیا تو پھر یہی صورت پیش آئی"۔

(یعنی قریش کی یہ مجلسیں کھیل کود اور لغویات کی ہوتی تھیں۔ اس لئے اللہ نے آنحضرت ﷺ کو ان میں شریک ہونے سے بچایا۔ اسی طرح باہر رہتے ہوئے بھی آپ کے کانوں میں جب گانے بجانے کی آواز پڑی اور آپ ﷺ کم عمری کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آوازوں کو آپ کے کانوں تک نہ پہنچنے دیا اور آپ ﷺ پر نیند طاری فرما دی)

حدیث کے شروع میں یہ لفظ ہیں کہ جاہلیت کی برائیوں میں پڑنے سے "دونوں مرتبہ اللہ عزو جل نے میری حفاظت فرمائی۔" لیکن آگے چل کر اس حدیث کی ایک روایت میں تو یہ لفظ ہیں کہ میں اس (گانے بجانے کی) آواز کی طرف متوجہ ہو گیا"۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں وہاں (اس گانے بجانے کی آواز کو) سننے کے لئے بیٹھ گیا۔" اس کے متعلق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ حدیث کے شروع کے یہ الفاظ جو ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ میری حفاظت فرمائی۔" ان کے لحاظ سے دوسری روایت کے یہ لفظ مناسب ہیں کہ "میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا۔ ("لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آوازیں آپ کے کانوں میں نہیں پڑنے دیں اور اس طرح حق تعالیٰ کی حفاظت کے نتیجہ میں آپ اس کا صرف ارادہ ہی کرنے کے بعد محفوظ ہو گئے اور وہ ارادہ پورا نہیں ہو سکا) لیکن پہلی روایت کے یہ لفظ اس کے مناسب نہیں کہ "میں اس (گانے بجانے کی آواز کی طرف) متوجہ ہو گیا۔" (کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے وہ آوازیں سنیں اور اس طرح آپ ﷺ کا ارادہ پورا ہو گیا۔ جبکہ حدیث کے شروع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ میں نے دو مرتبہ ارادہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ حالانکہ ارادہ پورا ہو جانے سے حفاظت ثابت نہیں ہوتی) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے۔ "کہ میں نے اس آواز کی طرف متوجہ ہونا چاہا" (مگر متوجہ ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا) واللہ اعلم

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"پس خدا کی قسم جاہلیت کی ان برائیوں میں سے جن میں لوگ مبتلا تھے ان دو موقعوں کے سوا میں نے کبھی کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا"۔

ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ:۔

"ان دو موقعوں کے سوا نہ میں ان چیزوں کی طرف لوٹا اور نہ ان کا ارادہ کیا۔ (ی) یعنی ان چیزوں کا جن میں جاہلیت کے لوگ مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا"۔

بتوں سے فطری نفرت اور پرہیز...... ایسے ہی (حق تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی اس کا ایک واقعہ ہے جس کو ام ایمن ؓ نے روایت کیا ہے کہ :۔

قریش کا ایک بت تھا جس کا نام بوانہ تھا۔ قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اور اس کی بے حد عزت و عظمت کرتے تھے۔ اس کے پاس یہ لوگ قربانی کا جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے اور پورا دن اس کے پاس اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ابو طالب بھی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیا کرتے تھے (قریش اس سالانہ موقعہ کو ایک عید کی طرف مناتے تھے چنانچہ ابو طلب آنحضرت ﷺ سے بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ان کے ساتھ اس عید میں شریک ہوا کریں مگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ وہاں جانے سے انکار فرما دیا تھا کرتے تھے آخر ایک مرتبہ ابوطالب کو غصہ آگیا۔ اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ اس دن میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پھوپیاں بھی بے حد غضب ناک ہو رہی تھیں۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگیں۔

"تم جو ہمارے معبودوں سے اس طرح بچتے اور پرہیز کرتے ہو تو ہمیں تمہاری طرف سے ہی ڈر ہو گیا"۔

پھر وہ کہتیں :۔

"محمد ﷺ! تم یہ نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شریک ہو اور مجمع میں اضافہ کرو"۔

وہ سب اسی طرح آنحضرت ﷺ پر اصرار (اور ناراضگی کا اظہار کرتی رہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے چلے گئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں سے غائب رہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو اس طرح کہ آپ ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے تھے آپ کی پھوپیوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ اتنے دہشت زدہ کیوں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔

"مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر بھوت پریت کا اثر نہ ہو گیا ہو......!"

انہوں نے کہا۔

"اللہ عزّ و جل تمہیں شیطان کے اثر سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا کیونکہ تم میں بہت نیک اور اچھی خصلتیں ہیں۔ مگر تم نے کیا دیکھا (جو یہ خیال پیدا ہوا"؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میں جب بھی ان میں سے کسی بت کے قریب ہوا۔ یعنی جن کے درمیان میں وہ بڑا بت نصب تھا جس کا نام بوانہ تھا۔ تو میرے سامنے ایک سفید رنگ کا اور بہت قد آور آدمی ظاہر ہوتا (ی) جو فرشتوں میں سے ایک تھا۔ اور وہ پکار کر مجھ سے کہتا۔

"محمد! پیچھے ہٹو، اس کو چھونا نہیں......!"

("یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد) اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ کبھی قریش کی کسی عید میں تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ آپ کو نبوت عطا ہوئی"۔

(اس روایت میں لمم کا لفظ آیا ہے جو جنوں اور دیوانگی کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ رضاعت کے قصے میں بھی ایک روایت میں آیا ہے جس میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت فرشتوں نے آکر آپ کا سینہ چاک کیا تو آپ کے رضاعی باپ نے کہا تھا کہ شاید ان پر دیوانگی کا اثر ہو گیا ہے مگر وہاں بھی اس کے

معنے یہی لئے گئے کہ کوئی اوپرا اثر ہو گیا ہے۔ بہر حال لفظ لمم کے اصل معنے دیوانگی کے ہیں مگر اس روایت میں علامہ شامی نے اس کے معنی شیطان کے یعنی اوپرے اثر کے بتلائے ہیں جس کو عربی میں لَمّۃ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اس روایت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ لَمَم شیطان کا یعنی اوپرا اثر ہوتا ہے اب گویا یہ لفظ لَمَّۃ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی شیطانی اثر یعنی اوپرے اثر کے ہیں اور گویا لمم کو لمۃ کے معنی میں لیا گیا ورنہ لمم جنون کی ایک قسم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ رضاعت میں بھی گزرا ہے (مگر وہاں بھی مترجم نے اس کے معنی اوپرے اثر کے کئے ہیں) اور اسی رضاعت کے واقعہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لمم اوپرے اثر کے بجائے بیماری وغیرہ کو کہتے ہیں (جبکہ یہاں اس کے معنی اوپرے اثر کے ہی لئے گئے ہیں۔ صحاح کی روایت میں بھی یہی ہے کہ لمم جنون کی ایک قسم ہوتی ہے جبکہ لمۃ اوپرے اثر کو کہتے ہیں (ی) اس طرح انہوں نے ان دونوں لفظوں میں فرق کیا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح...... اسی سلسلہ میں ایک واقعہ البدایہ والنہایہ نے حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے نقل کیا ہے کہ :۔

(بیت اللہ میں) تانبے کے بنے ہوئے دو بت تھے جن کے نام اساف اور نائلہ تھے۔ جب مشرکین طواف کرتے تو ان کو برکت حاصل کرنے کے لئے چھوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ (نبوت سے پہلے) رسول اللہ ﷺ اور میں بیت اللہ کا طواف کرر ہے تھے۔ جب میں طواف کے دوران ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی ان کو چھوا رسول اللہ ﷺ نے فوراً مجھے روکا کہ ان کو ہاتھ مت لگاؤ۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پھر طواف میں مشغول ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب کے پھر اس کو ضرور چھوؤں گا تا کہ معلوم تو ہو کہ کیا ہوتا ہے (اور آنحضرت ﷺ نے کس لئے اس سے روکا ہے) چنانچہ میں نے اس کو پھر چھوا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا۔

"کیا تمہیں اس کو ہاتھ لگانے سے روکا نہیں گیا تھا"؟

اس کے بعد زید کہتے ہیں کہ :۔

"پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو یہ عزت عطا فرمائی اور آپ ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں چھوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مرتبہ پر سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔" (البدایۃ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۸۸)

حرام گوشت کے کھانے سے حفاظت...... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی گئی اس کا) ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ :۔

"میں نے زید ابن عمرو ابن نفیل کو ہر اس قربانی کی برائی کرتے ہوئے سنا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی جاتی تھی (ی) چنانچہ وہ قریش سے کہا کرتا تھا کہ۔ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسی نے اس کے لئے آسمان سے پانی اتارا اور زمین سے گھاس اگائی مگر تم ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ (اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) میں نے کوئی ایسی چیز کبھی نہیں چکھی جو بتوں کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا"۔

زید ابن عمرو...... یہ زید ابن عمرو آپ کی نبوت سے پہلے تھے اور اہل فترت میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے

دین پر قائم تھے (یعنی حق تعالیٰ کو ایک جانتے تھے، اور شرک و کفر نہیں کرتے تھے (یہ نہ تو یہودی ہوئے اور نہ عیسائی ہوئے بلکہ یہ بت پرستی سے دور رہتے تھے اور ان قربانیوں کا گوشت کھانے سے بچتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کی جاتی تھیں، اسی طرح یہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ ان کے متعلق یہ تفصیل (قسط اول میں) بیان ہو چکی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا تو اس کو اس کے باپ سے لے کر بچالیا کرتے تھے اور اس کی پرورش اور کفالت کیا کرتے تھے (اور لڑکی کے بڑے ہونے کے بعد اس کا باپ چاہتا تو اس کو واپس بھی دے دیا کرتے تھے)

جب یہ زید کعبے میں داخل ہوتے تو یہ کہا کرتے تھے :۔

"میں تیرے حضور میں حاضر ہوں سچائی کے ساتھ، بندگی کے ساتھ اور صدق دلی کے ساتھ اور میں بھی اسی کی پناہ مانگتا ہوں جس کی پناہ ابراہیمؑ نے مانگی تھی"۔

اس کے بعد زید کعبے کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ :۔

"قیامت میں یہ زید ایک پوری امت کے برابر درجے میں زندہ کئے جائیں گے"

یعنی (اپنے کارناموں اور خدمات کی وجہ سے) یہ تنہا ہی ایک پوری جماعت کے قائم مقام ہوں گے۔

(ی) چنانچہ ایک دفعہ ان زید ابن عمرو کے بیٹے سعید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! زید جیسے تھے ان کو آپ نے دیکھا ہی ہے اور ان کے متعلق آپ نے سنا بھی ہے، اس لئے ان کے واسطے مغفرت کی دعا فرمایئے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا

"ہاں! میں ان کے لئے مغفرت مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن ایک پوری امت کے برابر ہو کر اٹھیں گے"۔

بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

"آنحضرت ﷺ کی وحی نازل ہونے سے پہلے (یعنی نبوت ملنے سے پہلے ایک دفعہ) زید ابن عمرو ابن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی نے کھانا پیش کیا تھا جس میں ایسی بکری کا گوشت بھی تھا جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی تھی۔ یا پھر یہ صورت تھی کہ) آنحضرت ﷺ نے وہ گوشت (جو آپ کو پیش کیا گیا تھا) زید ابن عمرو کے سامنے پیش کیا مگر زید نے اس کو کھانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے"۔

"میں ایسی چیز ہرگز نہیں کھاؤں گا جو تم لوگ (یعنی عام قریش کے لوگ) اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو، میں صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس کو ذبح کرنے کے وقت خدا کا نام لیا گیا ہو"۔

(اس سلسلے میں زید ابن عمرو کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد اوپر ذکر ہوا ہے) یہ واقعہ غالباً اس سے پہلے کا ہے اور شاید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا سبب یہی واقعہ تھا (جس کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے زید ابن عمرو کو ہر اس چیز کی برائی کرتے ہوئے سنا جو حق تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔

امام سہیلیؒ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زید کو کیسے اس بات کی توفیق دی کہ وہ ان چیزوں کو نہ کھائیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کی گئی ہوں۔

حالانکہ جاہلیت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول اس فضیلت کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ آپ کے متعلق یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت تھی (چنانچہ علامہ شامی کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ ایسا گوشت خود اپنی پاک فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے چھوڑ دیتے تھے ایسا نہیں تھا کہ چونکہ زید ابن عمرو نہیں کھاتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے بھی نہیں کھایا۔ اسی لئے اس کا جو جواب علامہ سہیلیؒ نے دیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔

علامہ سہیلی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کھانے میں سے خود تناول فرمایا تھا (جو آپ نے زید کو پیش کیا تھا)۔ (ی)۔ یہ ہم مانے لیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے ایسے جانور کا گوشت کھایا ہو جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا مگر (اس سے کوئی شبہ اس لئے نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ) حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں (یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے) ایسے گوشت کے کھانے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ اس کی ممانعت اسلام نے کی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کے متعلق شریعت ممانعت نہ کرے اس وقت تک ہر چیز اپنی اصل کے لحاظ سے جائز ہوتی ہے (لہذا ایسے گوشت کی چونکہ شریعت ابراہیمی میں ممانعت نہیں تھی اس لئے اس وقت تک اس کا کھانا جائز تھا یہاں تک کہ اسلام نے آکر اس کو ناجائز قرار دیا تو وہ حرام ہو گیا)

مگر علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا گوشت کبھی نہیں کھایا۔ نہ تو اس میں سے کھایا جو آپ نے زید ابن عمرو کو پیش فرمایا تھا اور نہ اس سے پہلے یا بعد میں کبھی آپ نے کھایا۔ اسی لئے علامہ شامی کے اس قول کی روشنی میں علامہ سہیلی کا جواب مناسب نہیں رہتا کیونکہ اس جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا گوشت کھایا ہے) جبکہ علامہ شامی ایسے گوشت کے کھانے کو زمانۂ جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی قرار دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بچپن میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔

اسی طرح کسی نے زید ابن عمرو کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے یہ بات اس کے بھی خلاف جاتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ زید ابن عمرو قریش کے ان چار آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے قوم کو چھوڑ دیا تھا، انہوں نے بت پرستی، مردار جانور کا گوشت اور ایسے جانور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(اب گویا اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا گوشت کھانا زمانۂ جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی تھی جبکہ علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں ایسا گوشت حرام نہیں تھا اس لئے اس کو زمانۂ جاہلیت کی برائی قرار نہیں دیا جاسکتا۔۔۔ زید ابن عمرو اور دوسرے تین قریشیوں کے متعلق جو بات اوپر بیان کی گئی اس کا واقعہ یہ ہے)

**جاہلیت کے چار نیک خصلت قریشی**...... ایک مرتبہ قریش کے بتوں میں سے کسی بت کا میلہ تھا، اس دن قریش کے لوگ اس بت کے سامنے جانور ذبح کر رہے تھے، اس کے پاس بیٹھ کر اعتکاف کر رہے تھے اور اس بت کا طواف کر رہے تھے (یہ چاروں بھی اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھ رہے تھے) ان چاروں کے نام یہ ہیں۔

"زید ابن عمرو۔ ورقہ ابن نوفل، عبید اللہ ابن جحش جو آنحضرت ﷺ کا پھوپی زاد بھائی تھا۔ اور عثمان ابن حویرث اس میلے میں قریش کی یہ حرکتیں دیکھ کر) ان میں سے کسی نے اپنے تینوں ساتھیوں سے کہا۔

"خدا کی قسم! تم دیکھتے ہو تمہاری قوم کیسی نادان ہے! انہوں نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کو خراب کر دیا ہے۔ یہ پتھر کیا ہے جس کے گرد یہ طواف کر رہے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے......!"

(اس واقعہ کے بعد یہ چاروں مکہ چھوڑ کر ادھر ادھر دوسرے شہروں کو اس تلاش میں نکل گئے کہ کہیں ان کو حضرت ابراہیمؑ کا سچا اور صحیح دین مل سکے"۔

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں بھی پہلے تو خود بھی بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ لیکن آگے علامہ ابن جوزی کا ایک قول آرہا ہے جس میں ہے کہ انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔

علامہ ابن جوزی نے ان چاروں کے علاوہ جن کے نام اوپر ذکر کیے گئے قریشیوں کی ایک اور جماعت کا بھی ذکر کیا ہے (جنہوں نے ان چاروں کی طرح اپنی قوم کو چھوڑ دیا تھا) اس جماعت کے متعلق آگے اس جگہ بحث آئے گی جہاں یہ بیان ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر کون ایمان لایا۔

یہ زید ابن عمرو، حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطاب کے سوتیلے بھتیجے یعنی حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے (ان چاروں میں کے دوسرے شخص) ورقہ ابن نوفل کو نبوت کا زمانہ نہیں ملا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو عیسائی ہو گئے تھے (ی) اس سے پہلے انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہو گا۔

ان میں کا تیسرا شخص عبید اللہ ابن جحش ہے۔ اس کو نبوت کا زمانہ ملا اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسلام قبول کیا اور پھر پہلی ہجرت میں جب مسلمان (آنحضرت ﷺ کی اجازت سے) حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تو عبید اللہ بھی ہجرت کر کے وہاں چلا گیا تھا۔ مگر وہاں پہنچ کر یہ عیسائی ہو گیا۔ اس کا واقعہ بھی آگے آئے گا۔ یہ عیسائی ہو جانے کے بعد جب مسلمانوں کے پاس سے گزرتا تو ان سے کہتا۔

"ہماری تو آنکھیں کھل گئیں مگر تم لوگ ابھی بھٹکتے ہی پھر رہے ہو"۔

(ی) یعنی ہمیں تو روشنی نظر آگئی مگر تم ابھی تک روشنی کی تلاش میں ہی ہو جو تمہیں نظر نہیں آئی۔ پھر یہ عیسائی مذہب پر ہی مر گیا۔

ان چاروں میں کے چوتھے شخص عثمان ابن حویرث ہیں، ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا۔ یہ مکے سے نکل کر روم کے بادشاہ قیصر کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے پاس جا کر عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ زید ابن عمرو ابن نفیل اکثر قریش کو برا بھلا کہا کرتے تھے اور ان سے کہتے۔

حق کی تلاش...... "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں زید ابن عمرو کی جان ہے کہ میرے سوا تم میں سے کوئی بھی ابراہیمؑ کے دین پر قائم نہیں ہے"۔

یہاں تک کہ ان کی اس قسم کی باتوں کی وجہ سے ان کے چچا خطاب نے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ کے والد نے) ان کو مکے سے نکال دیا تھا اور انہیں حراء میں ٹھہرا دیا تھا۔ اس نے باقاعدہ ایسے آدمیوں کو متعین کر دیا جو زید کو مکے میں داخل نہ ہونے دیں کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ یہ ہمارے دین میں فساد پھیلاتا ہے۔ آخر زید مکے کے

علاقے سے نکل کر دین ابراہیم کی تلاش میں پھرنے لگا۔ یہ راہبوں اور پادریوں کے پاس پہنچ کر ابراہیمؑ کے دین کی تحقیق کرتے۔ اسی طرح پھرتے پھراتے یہ موصل شہر میں پہنچ گئے پھر وہاں سے یہ شام چلے گئے۔ یہاں ایک راہب سے ملے (یہ راہب بہت بڑا عالم تھا اور عیسائیت کا علم اس پر آکر ختم ہو گیا تھا (یعنی اس مذہب کا اپنے وقت میں سب سے بڑا عالم تھا) زید نے اس راہب سے بھی دین ابراہیمی کے متعلق دریافت کیا۔ اس راہب نے کہا۔

"تم اس دین کی تلاش کر رہے ہو جس کو بتلانے والا آج تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔ مگر۔ اس نبی کا زمانہ تم سے قریب آگیا ہے جو خود تمہارے ہی وطن سے ظاہر ہونے والا ہے، اس وطن سے جس کو چھوڑ کر تم آرہے ہو وہ نبی، ابراہیمؑ کے دین حنیف کے ساتھ ظاہر ہوں گے، اس لئے تم اس دین کو قبول کرو اس لئے کہ وہ نبی اب ظاہر ہو چکے ہیں۔ یہ ان ہی کا زمانہ ہے"۔

یہ سن کر زید بڑی تیزی کے ساتھ مکے کو روانہ ہوئے مگر جب وہ راستے میں بنی لخم کی بستیوں کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ یہ جس جگہ دفن ہوئے اس کو میفعہ کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حراء پہاڑ کے دامن میں دفن کئے گئے۔

**زید کی تمنا اور محرومی**...... علامہ واقدی نے زید ابن عمرو کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا تھا۔

"میں اسماعیلؑ کی اولاد میں ظاہر ہونے والے ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں۔ مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ان کا زمانہ نہیں پا سکوں گا تاکہ ان کا دین قبول کر سکوں، ان کی تصدیق کر سکوں اور گواہی دے سکوں کہ وہ پیغمبر ہیں اس لئے اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان سے میرا سلام کہنا...... !"

چنانچہ عامر ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ جب میں (آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر) مسلمان ہو گیا تو میں نے آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچایا۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کو رحمت کی دعا دی"۔

اس سلسلے میں یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ زید کے بیٹے حضرت سعید نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ انکے باپ کیلئے مغفرت کی دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہاں میں ان کیلئے مغفرت مانگتا ہوں۔

**زید کے متعلق بشارت**...... (قال) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں زید ابن عمرو کے نام کے دو بہت بڑے بڑے درخت دیکھے"۔

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت اچھی ہے۔ (ی) مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ البتہ یہ روایت احادیث کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ ایک روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ :۔

"میں نے زید ابن عمرو کو جنت میں دامن لٹکا کر (یعنی بڑے آدمیوں کی طرح ناز سے) چلتے دیکھا"۔

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانے کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ) زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے جانور کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی ہے جو جنّات کے لئے اور ان کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک قول یہ ہے کہ اگر جانور کے ذبح کرنے کے وقت یہ کہا جائے کہ بِسْمِ اللهِ وَاِسْمِ مُحَمَّدٍ یعنی (ذبح کرتا ہوں) اللہ کے نام پر اور محمد ﷺ کے نام پر ___ تو

ایسے گوشت کا کھانا جائز ہے اگرچہ ایسا قول حرام ہے کیونکہ اس میں شرک کا گمان ہوتا ہے (مگر اس گوشت کے استعمال کی اجازت ہونے کا مطلب یہ ہی ہے کہ) یہ ایک استثنائی چیز ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

"جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے محمد ﷺ) تمہارا ذکر بھی میرے ساتھ کیا جاتا ہے"۔

آنحضرت ﷺ کا اعزاز...... (یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصیت اور اعزاز حاصل ہوا کہ اس کے نام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا نام بھی لیا جاتا ہے (جیسا کہ کلمے میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کا اقرار کیا جاتا ہے اور اسی طرح نماز کے دوران التحیات میں بھی آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتا ہے) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ :۔

میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہنے لگے۔

"میرا اور آپ کا پروردگار آپ سے فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں میں نے کس طرح آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔ (ی) یعنی کس طریقے سے میں نے آپ کے ذکر کو بلند کیا اور عزت دی ہے۔ جیسا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی ذکر ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط لآیہ تا آیہ پ ۳۰

ترجمہ :۔ کیا ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ اور ہم نے آپ ﷺ پر سے آپ ﷺ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا آوازہ بلند کیا۔

(غرض جب حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ یہ فرمان پہنچایا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے کس طرح آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے (میں نہیں جانتا) تو...... انہوں نے کہا :۔

"جہاں بھی میرا نام لیا جاتا ہے وہاں آپ کا بھی نام لیا جاتا ہے"۔

یعنی اکثر موقعوں پر (کیونکہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر موقعوں پر آپ ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے) کہیں یہ ذکر واجب ہے اور کہیں مستحب اور باعث برکت ہے۔

(چنانچہ سورۂ الم نشرح کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا آوازہ بلند کیا۔ یہ مطلب ہے کہ شریعت میں اکثر جگہوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک بھی ملا دیا گیا ہے۔ کتاب درمنثور میں حدیث قدسی مرفوع[1] سند کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيْ

یعنی جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مثلاً خطبہ میں تشہد یعنی التحیات میں، نماز میں (یعنی التحیات کے علاوہ نماز ہی میں دوسرے موقع پر مثلاً

---

[1] حدیث مرفوع جس کی تعریف سیرت حلبیہ کے گذشتہ ابواب میں بھی گزر چکی ہے اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ براہ راست آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ حدیث جس کی سند کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ہی جاکر ختم ہوتا ہو۔

درود شریف پڑھا جاتا ہے) اسی طرح اذان میں آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کی گواہی دی جاتی ہے اور اسی طرح اقامت یعنی تکبیر میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے نام کی بلندی اور عظمت ظاہر ہے کہ اس کی کوئی برابری ہی نہیں ہے۔ لہذا جو نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اس کے قریب رہے گا اس کی بلندی کا کیا ٹھکانہ ہے۔ حق تعالیٰ نے اس انداز سے آنحضرت ﷺ کو نوازا جو آپ ﷺ کی عظیم ترین خصوصیات میں سے ایک ہے۔ (خلاصہ از تفسیر بیان القرآن۔ مرتب)

بت پرستی اور شراب سے حفاظت ...... اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانہ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی جو خاص حفاظت فرمائی گئی اس کی ایک مثال یہ ہے جو) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا۔

"کیا آپ نے بچپن میں) کبھی بت پرستی کی ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "نہیں"

پھر پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں! بلکہ میں ہمیشہ اس بات کو جانتا تھا کہ جس شخص نے شراب پینے کا ارادہ کیا اس نے کفر کیا حالانکہ اس وقت تک مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کتاب اللہ کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ زمانۂ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر لینا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ زمانۂ جاہلیت میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے شراب کو اپنے لئے حرام کر رکھا تھا ان میں سے کچھ کا ذکر گزر چکا ہے اور کچھ کا ذکر آگے آئے گا۔

(اس حدیث میں شراب پینے کو کفر بتلایا گیا ہے حالانکہ شراب پینے والا مسلمان اس کے پینے سے کافر نہیں ہوتا۔ اس بارے میں کہتے ہیں کہ) شراب پینے کو کفر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پینے سے اسی طرح بچنا چاہئے جیسے کفر سے بچا جاتا ہے۔ نیز غالباً آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جبکہ شراب کو اسلام نے حرام قرار دے دیا تھا۔ اس لئے شراب خوری کو کفر بتلانے میں اس سے بچتے رہنے اور دور رہنے کے حکم میں مبالغہ اور شدّت کرنا مقصود ہے اس لئے کہ یہ اُمّ الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے (کہ شراب پینے والا آدمی پھر دوسری طرح طرح کی برائیوں اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے) ادھر یہ کہ اس زمانے میں اکثر لوگ شراب کے بہت زیادہ عادی اور شوقین تھے (اس لئے اس کی برائی اور گناہ کو خوب کھول کر اور صاف صاف بتلایا گیا تاکہ لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت نکل جائے اور وہ شراب نوشی کے وبال اور ادبار سے بچیں)

(مؤلف نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ شراب سے اس طرح بچنا چاہئے جیسے کفر سے بچا جاتا ہے۔ گویا شراب نوشی اور کفر قریب قریب ہی ہیں ایسے ہی) ایک حدیث اور ہے جس سے یہ مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے (کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور بولے

"اپنی امت کو یہ خوش خبری دے دیجئے کہ جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے حق تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا (ی) ان سب باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے مرا جو میں لے کر آیا ہوں تو وہ جنت میں داخل ہو گیا (ی) یعنی یقیناً جنت میں داخل ہو گا چاہے (دوسرے گناہوں کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے) دوزخ

میں داخل کیا جائے"۔

میں نے کہا۔ "اے جبرئیل! چاہے اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو"؟

جبرئیلؑ نے فرمایا۔ "ہاں!"

میں نے پھر کہا کہ چاہے اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انہوں نے کہا۔ "ہاں!"

میں نے پھر کہا کہ چاہے اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انہوں نے کہا

"ہاں! اور چاہے اس نے شراب ہی کیوں نہ پی ہو"۔

(گویا اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شراب نوشی اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے) شراب کے حرام کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے اسلام کے آنے کے بعد حرام ہوئی ہے ورنہ کتاب خصائص صغریٰ میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ :۔

آنحضرت ﷺ کے لئے شراب کی حرمت کا حکم آپ کی نبوت اور لوگوں پر شراب کے حرام ہونے سے بھی بیس سال پہلے ہو چکا تھا (اگرچہ آپ نے کبھی نہیں پی اور اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت کی وجہ سے آپ ہمیشہ شراب سے نفرت کرتے رہے) واللہ اعلم۔

(قال) جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جسے جابر ابن عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ :۔

"آنحضرت ﷺ (نوعمری میں) مشرکوں کے ساتھ ان کی زیارت گاہوں پر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کی آواز سنی جن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہمارے ساتھ آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ دوسرے نے کہا۔

"ہم ان کے پیچھے کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ان کا زمانہ بتوں کو چومنے کا ہے"۔

اس کے بعد پھر کبھی آنحضرت ﷺ مشرکوں کے ساتھ ان کی زیارت گاہوں میں نہیں گئے۔

اس روایت کے متعلق علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کو منکر[1] اور ناپسندیدہ روایت کہا ہے (ی) چنانچہ امام احمدؒ نے کہا ہے جیسا کہ کتاب شفا میں ہے کہ یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے یا موضوع روایت کی طرح ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ ابن ابوشیبہ کو اس روایت کی سند میں دھوکہ ہوا ہے۔ مجموعی طور پر یہ روایت منکر اور ناپسندیدہ ہے اس لئے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔ اس میں جو بات منکر ہے وہ فرشتے کا یہ قول ہے کہ اس سے پہلے ان کا زمانہ بتوں کو چومنے کا ہے...... کیونکہ ان ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ نے بتوں کو چوما تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان زیارت گاہوں میں مشرکوں کو اس وقت دیکھا جب کہ وہ بتوں کو چوم رہے تھے۔ (ی) یعنی اس وقت جبکہ آپ ﷺ ان کی کسی زیارت گاہ پر ان کے ساتھ تشریف لے گئے جہاں ان کے بت بھی ہوتے تھے۔

دار قطنی کے علاوہ دوسرے علماء میں سے کسی نے کہا ہے کہ ان زیارت گاہوں سے جن پر آپ ﷺ

---

[1] حدیث منکر جیسا کہ سیرت حلبیہ کے پچھلے ابواب میں بیان ہوا اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور اس نے قوی کی مخالفت کی۔

تشریف لے گئے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں حلف وغیرہ اور اسی قسم کے دوسرے معاملے ہوا کرتے تھے جیسے دعوتیں وغیرہ جن کا بیان آگے آئے گا وہ زیارت گاہیں مراد نہیں ہیں جہاں بتوں کو چوما جایا کرتا تھا اس لئے کہ اُمِّ ایمن کی وہ روایت جو پیچھے بیان ہوئی اس کو غلط ثابت کر دیتی ہے کہ یہ بتوں کو چومنے کی جگہیں تھیں۔

(ی) اسی طرح یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس قول سے بھی غلط ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ جب بحیراء راہب نے آپ ﷺ کو لات اور عزیٰ بتوں کے نام کی قسم دی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ مجھ سے ان بتوں کے نام پر کوئی بات مت پوچھو، اس لئے کہ خدا کی قسم ان دونوں سے زیادہ میں کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا۔ (تو جیسے آپ نے اس قول میں ان بتوں سے اپنے نفرت کا اظہار فرمایا تو) ان دونوں کے علاوہ جو بت تھے وہ بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی قابل نفرت تھے۔ اسی طرح آگے آنحضرت ﷺ کا ایک قول آئے گا جو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ جتنا میں ان بتوں سے نفرت کرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں کرتا۔

اسی طرح جیسے کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :۔

"جب میں کچھ بڑا ہو گیا تو مجھے بتوں سے بھی نفرت ہو گئی اور شعر و شاعری سے بھی"۔ واللہ اعلم۔

(اب ان تمام روایتوں کی روشنی میں یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آسکتی کہ آنحضرت ﷺ مشرکوں کے ساتھ ان زیارت گاہوں پر تشریف لے گئے ہوں گے جہاں ان کے بتوں کو چوما جاتا تھا۔ بلکہ وہ مقامات مراد ہو سکتے ہیں جہاں قریش کے عہد معاہدے اور بڑی دعوتیں وغیرہ ہوتی ہوں)

# باب دوازدھم (۱۲)

## آنحضرت ﷺ کا بکریاں چرانا

(قال) بکریاں چرانے[1] سے مراد بکریاں چرانے کی ہیئت ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اس باب میں آنحضرت ﷺ کا یہ فعل بیان کیا گیا ہے اس کی ہیئت نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا اس نے بکریاں چرانے کا کام کیا ہے"۔

صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا

"میں نے مکے والوں کے لئے قراریط (سکّہ) کے بدلے میں بکریاں چرائی ہیں"۔

(ی) قراریط (قیراط کی جمع ہے جو) درہم اور دینار کا چھوٹا جز ہوتا ہے جس سے چھوٹی موٹی چیزیں خریدی جاتی تھیں (قیراط) ایک دینار کا ۶/۴ واں حصہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے دینار کا دسواں حصہ بتلایا ہے۔ دینار سونے کا ایک پرانا سکّہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے قراریط پر مکے والوں کے لئے بکریاں چرائی ہیں۔ قراریط کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد سکّہ ہے یا کسی جگہ کا نام۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے سکّہ مراد ہے یعنی بکریاں چرانے کی اجرت میں مکے والوں سے قراریط لیا کرتے تھے۔ مگر کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ قراریط سے مراد مکے کے قریب کی کوئی جگہ ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ قراریط کے مقام پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ علامہ شامی کا اس بارے میں یہ قول ہے

---

[1] بکریاں چرانے کو عربی میں رعیۃ غنم کہتے ہیں۔ اگر اس میں ر پر زیر پڑھا جائے تو مراد ہوگی اس عمل کی ہیئت جیسا کہ علامہ شامی نے کہا ہے کہ اگر ق پر زبر پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے خود یہ فعل جیسا کہ مؤلف نے کہا ہے (مرتب)

کہ قراریط سے سکّہ مراد ہے کہ اس سکّے کے عوض مکے والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ حدیث میں جو الفاظ ہیں ان سے دونوں معنی پیدا کئے جاسکتے ہیں)

سوید ابن سعید کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہر بکری ایک قیراط کے بدلے میں چراتے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قیراط (سے سکّے مراد نہیں ہیں بلکہ یہ) مکے کے قریب کسی جگہ کا نام ہے۔

ابراہیم عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ قراریط کسی جگہ کا نام ہے۔ اس سے چاندی اور سونے کے قراریط یعنی سکے مراد نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بات یوں بھی ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ان قراریط کو جانتے ہی نہیں تھے جو سونے چاندی کے سکّے ہوتے تھے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جس میں (مسلمانوں سے کہا گیا ہے)۔

"عنقریب تم وہ علاقے فتح کروگے جہاں قیراط (سکّے) چلتے ہیں"۔

پھر یہ بات کہ (قراریط سے مراد سکّے نہیں بلکہ جگہ ہے) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی بکریاں اجرت پر نہیں چرائی ہوں گی (ی) جیسا کہ عادت اور دستور یہی ہے (کہ آدمی اپنے گھر کا کام پیسوں پر نہیں کیا کرتا) پھر یہ کہ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپ ﷺ نے قراریط کے بجائے اجیاد کا لفظ فرمایا ہے (جو مکے کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قراریط بھی جگہ کا ہی نام ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے کبھی قراریط فرمایا اور کبھی اجیاد فرمایا (کیونکہ ممکن ہے دونوں جگہیں قریب قریب ہوں)

مگر بعض مورّخین کہتے ہیں کہ مکے والے وہاں ایسی کسی جگہ کو نہیں جانتے تھے جس کا نام قراریط ہو۔ اس لئے وہ روایت جس میں آپ نے مکے والوں کے بجائے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرانے کو فرمایا ہے اس میں گھر والوں سے مراد مکے والے ہوں گے کیونکہ گھر والوں کے لئے تو ظاہر ہے اجرت پر بکریاں چرائی نہیں ہوں گی (اور قراریط کو جگہ کا نام نہ مانا جائے تو مراد سکّے ہی ہوں گے جو آپ ﷺ نے بکریاں چرانے کی اجرت کے طور پر لئے۔ اب جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ گھر والے کہہ کر مکے والے کیسے مراد ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خاص طور پر عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر دو چیزوں میں تھوڑا سا بھی تعلق ہے تو ایک کو بول کر دوسری چیز مراد لے لی جاتی ہے (چنانچہ وطن والوں اور برادری کے لوگوں کو آدمی ازراہ تعلق اکثر اپنے گھر کے لوگ کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے بھی مکے والوں کو ہم وطن ہونے کی وجہ سے اپنے گھر کے لوگ فرمایا) چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے (کہ قراریط سے مراد سکّے ہی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے)

"میں مکے والوں کی بکریاں قراریط پر یعنی قراریط کے بدلے میں) چراتا تھا"۔

بخاری نے اس کو باب الاجارہ میں بھی اس معنی میں ذکر کیا ہے (یعنی جس باب میں اجرت وغیرہ کے مسائل ہیں) اس سے یہ بات غلط ہوجاتی ہے کہ قراریط کسی جگہ کا نام ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بات بھی غلط ہوجاتی ہے کہ عرب کے لوگ ان قراریط کو جانتے ہی نہ تھے جو چاندی سونے کے سکّے ہوتے تھے۔ (ی) اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو اوپر بیان ہوا ہے کہ۔ عنقریب تم وہ علاقے فتح کروگے جہاں قیراط سکے چلتے ہیں......... اس سے جو مطلب لیا گیا ہے وہ بھی غلط ہوجاتا ہے کہ قراریط سے مراد جگہ ہے۔

اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ تم وہ علاقے فتح کرو گے جہاں قراریط سکّے بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور ان کا چلن بہت ہے۔ یا پھر اس حدیث میں قراریط سے مراد سکے ہیں ہی نہیں بلکہ پیائش اور مسافت مراد ہے (کیونکہ قراریط اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک قیراط ایک انگلی کی چوڑائی کے برابر پیائش کو بھی کہتے ہیں)

حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے گھر والوں یعنی رشتہ داروں کی بکریاں تو بغیر اجرت کے چرائیں اور دوسروں کی بکریاں اجرت پر چرائی ہیں اور آپ نے گھر والے جو فرمایا ہے اس سے مراد مکے والے ہی ہیں مگر ان سے مراد اپنے رشتہ دار اور عام مکے والے سب ہیں۔ اس کے بعد ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ دونوں روایتیں ٹھیک ہو جاتی ہیں (جن میں سے ایک میں قراریط کا لفظ ہے اور دوسری میں اجیاد کا لفظ ہے اور) مطلب یہ ہو گا کہ جس حدیث میں آپ نے قراریط فرمایا ہے اس میں آپ نے اجرت فرمائی ہے اور جس میں اجیاد فرمایا ہے اس میں آپ ﷺ نے وہ جگہ بتلائی ہے جہاں آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ یہاں تک ابن حجر کے کلام کا خلاصہ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دونوں باتیں سرزد ہوئی ہیں۔ یہ بات ایسی ہے کہ اس کو ماننا کسی ایسی روایت کے اوپر ہی موقوف ہے جس سے یہ بات کھل کر سامنے آرہی ہو۔

**بکریاں چرانا انبیاء کی سنت ہے**...... (جہاں تک آنحضرت ﷺ کے خود بکریاں چرانے کا تعلق ہے اس بارے میں) علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ دونوں نے بکریاں چرائی ہیں۔ مگر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صرف قبیلہ بنی سعد میں (جہاں آپ دایہ حلیمہؓ کی پرورش میں تھے) اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرائی ہیں (اس کے بعد مکے واپس آکر نہیں چرائیں) اس کی دلیل میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے آنحضرت ﷺ کے بکریاں چرانے کے متعلق صرف یہی روایت بیان کی ہے (مگر ابن جوزی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں بھی بکریاں چرائی ہیں اور اسی لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰؑ دونوں کو بکریاں چرانے والا کہا ہے) چنانچہ اس قول کی روشنی میں ان بعض علماء کی بات غلط ہو جاتی ہے (جو ابن اسحاق کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف قبیلہ بنی سعد میں اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرائی ہیں جبکہ آپ بہت بچے تھے۔ اس کے بعد نہیں۔ مگر علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ۔ (ی)۔ صرف علامہ ابن جوزیؒ کے اس ایک قول سے ان بعض علماء کا قول غلط نہیں ہو سکتا ہاں ان دوسری روایتوں سے ضرور ہو جاتا ہے جن میں سے کچھ گزر چکی ہیں اور کچھ آگے بیان ہوں گی (کہ آنحضرت ﷺ نے دایہ حلیمہ کے یہاں سے آنے کے بعد بھی بکریاں چرائیں ہیں) پھر کتاب ہُدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے اجرت پر بکریاں چرانے کا کام کیا ہے۔

**بکریاں چرانے کی حکمت و فضیلت**...... (پیغمبروں کے بکریاں چرانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) :۔

اس میں حق تعالیٰ کی زبردست حکمت ہے (کہ اس نے پیغمبروں سے بکریاں چرانے کا کام لیا) کیونکہ بکری کمزور اور ضعیف ترین جانور ہے۔ جو شخص بکریاں چرانے کا کام کرتا ہے اس میں قدرتی طور پر نرمی، محبت اور

انکساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا (کیونکہ ہر کام اور پیشہ کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں اور وہ خصوصیات اس شخص میں پیدا ہو جاتی ہے جو وہ کام کرتا ہے مثلاً قصاب کے دل میں قدرتی طور پر اپنے کام کی وجہ سے خشونت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح بکریوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے سے دل میں نرمی اور لطف و کرم پیدا ہوتا ہے جو خود اس جانور کی فطرت ہوتی ہے) چنانچہ وہی شخص جب مخلوق کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پہلے ہی اس کی طبیعت کی گرمی اور مزاجی سختی ختم ہو چکی ہوتی ہے اور مخلوق کی تربیت کے وقت وہ بہترین مزاج اور طبیعت کا مالک ہوتا ہے (جو ایسے بڑے اور اہم کام کے لئے سب سے ضروری چیز ہے کیونکہ نرم مزاجی، نرم گفتاری اور خوش اخلاقی ہی آدمی کا ایسا جوہر ہیں جو سب کا دل موہ لیتی ہیں اور آدمی کو ہر خاص و عام میں ہر دلعزیز بنا دیتی ہیں)

چنانچہ ایک دفعہ اونٹ چرانے والوں اور بکریاں چرانے والوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کے سامنے اس پر بات چل پڑی کہ کونسا زیادہ اچھا کام ہے دونوں طرف کے آدمی اپنے کام کی بڑائی بیان کرنے لگے۔ جب بحث لمبی چل گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"موسیٰؑ کو نبی بنایا گیا تو وہ بھی بکریاں چراتے تھے، پھر داؤدؑ کو نبوت دی گئی تو وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور مجھے پیغمبری ملی تو میں بھی اجیاد کے مقام پر اپنے گھر والوں کی بکریاں چرانے والا ہوں"۔

یہ اَجیاد مکے کے جنوب میں جو گھاٹیاں ہیں وہاں ایک جگہ کا نام ہے اس کو بغیر الف کے صرف "جِہَاد" بھی کہا جاتا ہے"۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے (حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کے متعلق) فرمایا ہے کہ وہ "بکریاں چرانے والے"۔ اور اسی طرح اپنی متعلق فرمایا ہے کہ "میں بکریاں چرانے والا ہوں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰؑ اور داؤدؑ نے ایک زمانہ میں) بکریاں چرائی ہیں (اور اسی طرح خود اپنے متعلق ارشاد فرمانے کا مطلب ہے کہ ایک زمانے میں) میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں کیونکہ جس وقت یہ بات فرمائی گئی اس وقت آپ بکریاں نہیں چراتے تھے۔ اور نہ ہی حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ نے ہمیشہ بکریاں چرائی ہیں (بلکہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص حکمت کے سبب اس کام میں لگایا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بکریاں چرانے والوں میں اپنے علاوہ جن نبیوں کا ذکر فرمایا وہ صرف، حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ کا ایک یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی ظاہر فرمایا اس نے بکریاں چرائی ہیں۔

اسی طرح آپ کا ایک ارشاد آگے آرہا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اب اس حدیث میں خصوصیت سے صرف ان ہی دو نبیوں کا ذکر کرنے میں یقیناً کوئی حکمت ہے جس پر غور کرنا چاہئے۔

(بکریوں کے متعلق) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"بکری اپنے مالک کے لئے برکت کی چیز ہے اور اونٹ عزت ہے"۔

اس طرح آپ ﷺ نے بھیڑ کے متعلق فرمایا۔

"اس کا گھی ہماری غذا ہے، اس کا اون ہمارا لباس ہے اور اس کے گرم کپڑے ہمارا اوڑھنا بچھونا ہیں"

ایک روایت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ بھیڑ کا گھی غذا ہوتی ہے اور اس کا اون لباس ہوتا ہے
(ی) ایک حدیث میں ہے۔
"اونٹ والوں میں فخر اور بڑائی کا جذبہ ہوتا ہے اور بھیڑ والوں میں سیکھنت اور وقار ہوتا ہے"۔
اس کے مقابلے میں عربی میں ایک کہاوت اس طرح مشہور ہے کہ بھیڑ چرانے والا سب سے زیادہ جاہل یا سب سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ مگر اس کہاوت اور اس حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ا بیث میں تو وہ خصوصیت بیان کی گئی ہے جو بھیڑ چرانے والوں کے مزاج میں پیدا ہوتی ہے یعنی انکساری اور د ۔اور اس کہاوت میں بھیڑ چرانے والوں کو احمق کہنے کا مطلب ہے کہ) بھیڑیں ہر چیز سے بدک کر بھاگتی رہ ں اور چرانے والا جو ہے وہ مستقل ان کو اکٹھا کرنے کے لئے ان کے پیچھے بھاگتا پھرتا رہتا ہے۔اس کہاوت مہ ی کو حماقت کہا گیا ہے۔بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے اور اونٹ والوں میں فخر و غرور اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یا کاری ہوتی ہے۔
(قال) اس سے پچھلے باب میں جو روایت گذری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ مکے کی محفلوں میں سے ایک محفل میں جانے کا ارادہ فرمایا تھا۔وہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔
اسی طرح (آنحضرت ﷺ کا بکریاں چرانا) اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کو حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے،
ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیلو کے درکت کے پکے ہوئے پھل توڑ رہے تھے۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"پیلو کے پھل میں سیاہ پھل ہی توڑا کرو کیونکہ وہ زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔میں جب بکریاں چرایا کرتا تھا تو میں وہی توڑا کرتا تھا"۔
ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔
"ہاں! کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں"۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ لیکن اگر کسی شخص کو بکریاں چرانے پر عار اور شرم دلائی جائے تو اس کے لئے یہ جواب دینا مناسب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تو بکریاں چرائی ہیں۔اگر وہ شخص جواب میں ایسا کہتا ہے تو اس کو سرزنش کرنا ضروری ہے۔کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا یہ (بکریاں چرانا صرف نبیوں کے حق میں ہی کمال اور عظمت کا ذریعہ ہے دوسروں کے حق میں نہیں۔اسی لئے اس کو دلیل بنا کر دوسرے لوگوں کے لئے اس عمل کی نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی صورت دوسری بہت سی ایسی باتوں میں بھی ہے جو آنحضرت ﷺ کے حق میں کمال تھیں جیسے اُمّی یعنی اَن پڑھ ہونا۔یہ دوسروں کے لئے کمال کی بات نہیں ہے (اور نہ اس کی نقل کرنا مناسب ہے) چنانچہ اگر کسی (ان پڑھ آدمی کو) اُمّی کہہ دیا جائے اور وہ جواب میں یہ کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ بھی تو اُمّی تھے۔ تو اس شخص کو سرزنش کرنا ضروری ہے (کیونکہ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے حق میں کمال تھی دوسروں کے لئے ہرگز نہیں اسی لئے احادیث میں مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے) واللہ اعلم۔

## باب سیز دھم (۱۳)

# آنحضرت ﷺ کی حربِ فجار میں شرکت

یہ لفظ فِجار، ف کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں خوں ریزی (حرب فِجار چار ہیں۔ ان میں سے جس میں آنحضرت ﷺ نے شرکت فرمائی ہے وہ جنگ "فِجار براض" کے نام سے مشہور ہے۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس میں یعنی حرب فجار (براض) میں گیا اور میں نے بھی اس میں تیر چلائے اور مجھے کبھی یہ حسرت نہیں ہوئی کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا (یعنی مجھے اس جنگ میں اپنی شرکت پر کبھی کوئی افسوس نہیں ہوا کہ میں کیوں اس میں شریک ہوا اور وہاں میں نے کیوں تیر چلائے) اس جنگ کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ یہ چوتھی فجار کی لڑائی تھی (فِجار کے معنی پھٹن اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کے ہیں۔ اور ف کے زبر کے ساتھ فَجار کے معنی گناہگار اور بڑائی کرنے والے کے ہیں۔ ان لڑائیوں کو فِجار اس لئے کہا گیا کہ عربوں نے ان مہینوں میں قتل و قتال کیا جن میں وہ جنگ کو حرام کہتے تھے۔ مگر آگے کچھ ایسی روایتیں آئیں گی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجار کی لڑائیاں حرام مہینوں میں نہیں ہوئیں۔ بہر حال فجار کی اس چوتھی لڑائی ہی میں رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے ہیں)۔ فجار کی پہلی لڑائی کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک دس سال تھی۔

فجار کی اس پہلی لڑائی جس کو "فجار اول" کہا جاتا ہے، کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک شخص تھا جس کا نام بدر ابن معشر غفاری تھا۔ عکاظ کے میلے میں ایک اڈا یعنی مجلس تھی جہاں بیٹھ کر یہ لوگوں کے سامنے اپنی بہادری کے تذکرے کیا کرتا تھا اور اپنی بڑائیاں بیان کرتا تھا۔ ایک دن اس مجلس میں یہ اپنے پیر پھیلا کر کہنے لگا۔

**پہلی جنگ فِجار** ...... "میں عربوں میں سب سے زیادہ باعزت آدمی ہوں۔ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ عزت والا ہے تو تلوار کے زور سے اس کو ثابت کر کے دکھائے۔ (بدر کی یہ ڈینگیں اور لن ترانیاں سن کر ایک

شخص کو غصہ آگیا اور) وہ ایک دم بدر پر جھپٹا اور اس کے گھٹنے پر تلوار ماری جس سے اس کا گھٹنا کٹ گیا۔ کچھ مورّخین کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ گھٹنے میں ہلکا سا زخم آگیا تھا۔ غرض اس بات پر ان دونوں کے قبیلوں میں جنگ پھوٹ پڑی۔

**دوسری جنگ فجار**...... فجار دوم کا سبب یہ ہوا تھا کہ قبیلہ بنی عامر کی ایک عورت عکاظ کے ایک بازار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ قبیلہ قریش میں بنی کنانہ کا ایک نوجوان اس عورت کے گرد منڈلانے لگا اور اس سے بولا کہ اپنا چہرہ کھول کر دکھا (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا) غرض اس عورت نے اپنا چہرہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ (اس نوجوان نے اس طرح بات نہ بنتے دیکھ کر یہ کیا کہ) چپکے سے اس عورت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور اس کی بے خبری میں اس کا نچلا دامن ایک کانٹے میں باندھ دیا اب جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ اس پر لوگوں نے خوب قہقہے لگائے۔ اس عورت نے "اے عامر کی اولاد" کہہ کر اپنی قوم کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا۔ اس فریاد کو سن کر بنی عامر کے لوگ ہتھیار اٹھا اٹھا کر وہاں پہنچ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر اس نوجوان نے "اے کنانہ کی اولاد" کہہ کر اپنی قوم کو مدد کے لئے پکار لیا۔ بس اسی بات پر دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ ہو گئی (جس کو فجار دوم کہا جاتا ہے)

اس روایت میں گزرا ہے کہ جب اس نوجوان نے اس عورت سے چہرہ کھولنے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عورتیں اپنا چہرہ کھولنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ (اگرچہ اس روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر دوسری بہت سی روایتیں وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔ اس لئے بظاہر اس ایک روایت سے یہ نتیجہ نکالنا...... درست نہیں معلوم ہوتا)

**تیسری جنگ فجار**...... فجار سوم یعنی تیسری جنگ فجار کا سبب یہ تھا کہ بنی عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی پر کچھ قرضہ تھا۔ بنی کنانہ کا یہ قرض دار آدمی قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا تھا اس پر دونوں کے درمیان دشمنی ہو گئی جو آخر کار دونوں کے قبیلوں کے درمیان جنگ اور خون ریزی کا سبب بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ آخر عبداللہ ابن جدعان نے اپنے مال میں سے یہ قرض ادا کر دیا اور اس پر لڑائی ختم ہوئی۔

**چوتھی جنگ فجار میں آنحضرت ﷺ کی شرکت**...... اس کے بعد فجار چہارم یعنی چوتھی جنگ فجار ہے جس کے "فجار براض" کہا جاتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی شرکت کے متعلق کہتے ہیں کہ )ایک کمزور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجار براض میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ مگر یہ دعویٰ صرف کتاب وفاء میں ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ نے اس جنگ میں تیر نہیں چلائے بلکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ :۔

"جب دشمن تیر چلاتے تھے تو میں ان تیروں کو اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتا تھا"۔

اس اختلاف کو دور کرنے کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں دعوؤں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اس عبارت میں یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ ﷺ نے تیر نہیں چلائے بلکہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے اس لئے ممکن ہے اکثر تو آپ ﷺ نے یہی کیا ہو کہ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے اور کبھی کبھی آپ ﷺ نے خود بھی تیر اندازی فرمائی ہو کیونکہ اب یہ مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کی برکت...... بعض حضرات نے لکھا ہے کہ فجار براض کی جنگ جو چار دن تک چلتی رہی اس میں ابو طالب آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نو عمر تھے (آپ ﷺ کی آمد کی برکت یہ ہوتی تھی کہ) جب آپ ﷺ آجاتے تو قیس یعنی بنی ہُوازن کے لوگوں کو (جو قریش کے مقابلے میں تھے) شکست ہونے لگتی تھی اور جب آپ نہ آتے یعنی ان چار دونوں میں جس دن آپ ﷺ نہ آتے اس دن بنی کنانہ یعنی قریش کو شکست ہونے لگتی تھی (آنحضرت ﷺ کی اس برکت کو بنی کنانہ نے بھی محسوس کر لیا تھا، اس لئے وہ آپ سے کہتے۔

"تم ہمارے پاس سے غائب مت ہوا کرو") یعنی جنگ میں ہمارے ساتھ موجود رہا کرو)

چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں موجود رہتے تھے یہ بات کتاب "امتاع" میں بیان کی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جنگ کے دوران کسی دن ابو براء کے نیزہ مارا تھا۔ یہ ابو براء اس جنگ میں بنی قیس کا سردار اور ان کا علمبردار یعنی جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔

اس روایت میں نیزہ مارنے کے لئے فتن کا لفظ استعمال کیا ہے جس کو تیر مارنا بھی کہا جاسکتا ہے (یعنی جیسا کہ پیچھے بیان ہوا آنحضرت ﷺ اس جنگ میں اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اور اس میں کبھی آپ ﷺ نے خود بھی تیر اندازی فرمائی۔ تو گویا یہاں نیزہ مارنے کے بجائے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے جب تیر اندازی فرمائی تو وہ تیر ابو براء کے لگا کیونکہ نیزہ مارنے کو ماننے میں یہ اشکال ہے کہ) ان علماء کے قول کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس جنگ میں سوائے تیر اندازی فرمانے کے اور کسی قسم کا حصہ نہیں لیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے تیر اندازی تو فرمائی مگر آپ کے تیروں سے کسی کو نقصان نہ پہنچا ہے کیونکہ اگر کسی کو آپ کے تیر سے زخم آیا ہوتا تو اس کا کسی نہ کسی روایت میں ذکر ہوتا (اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی باتیں روایتوں میں مل جاتی ہیں) لہذا اس واقعہ کا تذکرہ ملنا بھی ضروری تھا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے تیر سے کسی کو اتنا معمولی نقصان پہنچا ہو کہ اس کو کسی روایت میں بیان نہیں کیا گیا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

فجار نام رکھنے کا سبب...... (قال) اس جنگ (اور بقیہ تینوں جنگوں) کا نام "جنگ فجار" اس لئے رکھا گیا کہ ان میں عربوں نے یہ گناہ کیا تھا کہ ان مہینوں میں جنگ کی جن میں ان کے یہاں خوں ریزی حرام تھی۔ یہ چار مہینے تھے جن کو عربی میں اشہر حرام کہا جاتا ہے۔ وہ مہینے یہ ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس جنگ کا نام فجار رکھنے سے یہاں فجار کی چاروں ہی جنگیں مراد ہیں۔ یعنی فجار براض اور اس سے پہلے کی تینوں فجار کی جنگیں۔ علماء کے جو قول اس بارے میں آتے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ چوتھی فجار کی جنگ یعنی فجار براض کے سوا کسی میں شریک نہیں ہوئے۔ اس بارے میں کتاب وفاء میں بھی یہی ہے جس کا آگے ذکر ہوگا۔ (یہاں کہا گیا ہے کہ فجار کی جنگ کا نام فجار اس لئے رکھا گیا کہ یہ لڑائی حرام مہینے میں ہوئی تھی مگر) اس سے اگلے باب میں ایک روایت آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی حرام مہینے میں نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ خود اس باب میں بھی ایسی روایت آئے گی کہ یہ لڑائی حرام مہینے میں نہیں ہوئی تھی بلکہ جو واقعہ اس لڑائی کا سبب بنا وہ حرام مہینے میں پیش آیا تھا۔ (اب گویا اس جنگ کا نام فجار یعنی گناہگاروں کی لڑائی اس لئے رکھا گیا کہ اس کا سبب اس مہینے میں پیش آیا جس میں خون ریزی حرام تھی)

**فجار برّاض کا سبب**......اس کا سبب یہ تھا کہ برّاض نامی شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس کا نام عروۃ الرحال تھا (اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ) عروۃ الرحال بنی ہوازن کا ایک شخص تھا اس نے نعمام ابن منذر کے ایک تجارتی قافلے کو مکے میں تجارت کرنے کے لئے پناہ دی۔ یہ نعمان ابن منذر حیرہ کا بادشاہ یعنی وہاں کسریٰ فارس کا گورنر تھا اس تجارتی قافلے میں خوشبوئیں اور کپڑے وغیرہ تھے نعمان ابن منذر اس تجارتی قافلے کو عکاظ کے میلے میں فروختگی کے لئے بھیجا کرتا تھا اور اس کے بدلے میں طائف کا چمڑا منگایا کرتا تھا۔ حیرہ کا بادشاہ اس تجارتی سامان کو عربوں میں کے کسی معزز اور بڑے آدمی کی پناہ میں دے کر بھیجا کرتا تھا (تاکہ مکے میں اس کا مال لُٹ نہ جائے کیونکہ اس وقت عرب میں جنگل کا قانون تھا اور لوٹ مار عام تھی۔ ایک آدمی بڑے سے بڑا جرم کر لیتا تھا اور اگر کوئی اس پر زبان کھولتا تھا تو اس مجرم کا پورا قبیلہ اس کی طرف سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اسی لئے باہر کے تاجر کے مکے میں آنے سے پہلے کسی بڑے سردار کی حمایت اور پناہ حاصل کر لیتے تھے اور پناہ دینے والا اس کا اعلان کر دیتا تھا کہ یہ شخص میری پناہ و حفاظت میں ہے۔ اس طرح آنے والے کو اس سردار کے پورے قبیلے کی حمایت اور پناہ حاصل ہو جاتی تھی اور اس قبیلے کے ڈر کی وجہ سے کوئی شخص اس آنے والے سے نہیں الجھتا تھا۔ چنانچہ نعمان ابن منذر کے تجارتی قافلے کو بنی ہوازن کے آدمی یعنی عروۃ الرحال نے اپنی پناہ دے دی۔

جب نعمان ابن منذر کا تجارتی قافلہ تیار ہوا تو اس وقت اس کے پاس عرب کے لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں براض بھی تھا جو بنی کنانہ کے خاندان کا تھا اور عروۃ الحال بھی تھا جو بنی ہوازن کے خاندان سے تھا (جب تجارتی قافلہ تیار ہو گیا اور نعمان ابن منذر نے اس کے لئے پناہ اور حفاظت مانگی تو براض نے کہا "میں اس تجارتی قافلے کو بنی کنانہ (یعنی اپنے قبیلے) کی پناہ دیتا ہوں۔" (یعنی میری قوم کی طرف سے یہ قافلہ محفوظ رہے گا)۔

اس پر نعمان نے کہا

"میرا مقصد (کسی ایک قبیلے کی طرف سے حفاظت نہیں ہے بلکہ) یہ ہے کہ کوئی آدمی مجھے سارے نجد اور تہامہ (یعنی مکے) والوں کی طرف سے حفاظت دے"۔

اس پر عروۃ الرحال نے کہا۔

"میں آپ کے لئے اس تجارتی سامان کو اس قسم کی پناہ دیتا ہوں"۔

(یہ بات برّاض کو بری لگی کہ عروۃ الرحال سب قبیلوں کی طرف سے پناہ دے رہا ہے جن میں براض کا خاندان بنی کنانہ بھی شامل ہے اس لئے) براض نے کہا۔

"کیا تو بنی کنانہ (یعنی میرے قبیلے) کے مقابلے میں بھی اس تجارتی قافلے کو پناہ دے رہا ہے"؟

عروہ نے کہا۔

"ہاں شیح اور قیصوم کے قبیلوں کے مقابلے میں بھی!۔ (سیرت ابن ہشام میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہاں بلکہ ساری مخلوق کے مقابلے میں!)

یہ بات برّاض کے دل میں چبھ گئی (اور وہ عروہ کا دشمن ہو گیا) اس کے بعد جب عروہ وہاں سے روانہ ہوا تو برّاض بھی چپکے سے اس کے پیچھے لگ گیا کہ عروہ کسی وقت غافل ہو تو اس کا کام تمام کر دے۔ آخر ایک جگہ براض کو موقعہ مل گیا اور اس نے جھپٹ کر عروہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ (ی) در اصل یہاں پہنچ کر (جو

عروہ کا اس راستے میں خاص اڈہ تھا) عروہ نے شراب پی تھی اور لڑکیوں کا گانا سن کر بدمست ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسی وقت براض اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس نے قتل کرنے سے پہلے عروہ کو جگایا (اب موت سر پر کھڑی دیکھ کر عروہ گڑگڑانے لگا اور) اس نے براض سے کہا۔

"میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے قتل مت کر اس لئے کہ وہ بات لغزش میں میرے منہ سے یونہی نکل گئی تھی کہ میں نے سب کے مقابلے میں نعمان کے تجارتی قافلے کو اپنی پناہ دے دی)

مگر براض نے عروہ کی خوشامد پر کوئی دھیان نہیں دیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ حرام مہینے میں پیش آیا تھا جن میں قتل اور خون ریزی حرام تھی۔

(برّاض) جو قاتل تھا اس کے خاندان والے یعنی) بنی کنانہ کے لوگ اس وقت عکاظ کے میلے میں تھے اور وہاں مقتول عروہ کے خاندان والے یعنی بنی ہوازن کے لوگ بھی موجود تھے۔ بنی کنانہ کو کسی نے وہیں عکاظ کے مقام پر آکر خبر دی اور کہا) :۔

"(تمہارے خاندان کے آدمی) براض نے (بنی ہوازن کے شخص) عروۃالرحال کو حرام مہینے میں قتل کر دیا ہے"۔

(بنی کنانہ کے لوگ اس خبر پر پریشان ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اول تو ویسے بھی بنی ہوازن عروہ کے قتل کا بدلہ ہم سے یعنی قاتل کے خاندان والوں سے لیں گے اور اب جبکہ یہ قتل حرام مہینے میں ہوا ہے تو بات بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ ادھر یہ کہ بنی ہوازن کے لوگ وہیں عکاظ میں موجود تھے اس لئے بنی کنانہ نے اسی میں عافیت دیکھی کہ ) فوراً وہاں سے مکے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت تک بنی ہوازن کو اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی تھی (اس لئے بنی کنانہ کو بھاگ جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی مگر) اس کے بعد جب بنی ہوازن کو اس حادثے کی خبر ملی تو انہوں نے بنی کنانہ کا پیچھا کیا مگر وہ بنی کنانہ کو اس وقت پا سکے جبکہ وہ حرم میں داخل ہونے والے تھے (اور حرم میں خون بہانا عربوں میں حرام تھا) اس لئے بنی ہوازن نے اپنے ہاتھ روک لئے (اور اس دن کوئی لڑائی نہیں ہو سکی) مگر اگلے دن بنی کنانہ کے لوگ خود بھی مقابلے پر نکل آئے اور ان کی مدد پر قبیلہ قریش بھی سامنے آگیا (اور اس طرح فجار کی یہ چوتھی جنگ ہوئی)

اب اس روایت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ لڑائی حرام مہینوں میں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر حرام مہینہ ہوتا تھا تو عرب بالکل جنگ نہیں کرتے تھے چاہے مقابل حرم میں داخل ہو یا نہ ہو (جبکہ اس روایت میں ہے کہ اس دن لڑائی اس لئے نہ ہوئی کہ بنی کنانہ کے لوگ حرم کے قریب پہنچ گئے تھے) اب گویا بنی ہوازن کا اس وقت جنگ سے اس لئے رک جانا کہ بنی کنانہ حرم کے قریب پہنچ گئے تھے اور پھر اگلے دن دونوں قبیلوں کا جنگ کے لئے میدان میں نکل آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حرام مہینے نہیں تھے (کیونکہ حرام مہینے ہوتے تو اگلے دن بھی جنگ نہ ہوتی) غرض اس کے بعد ان میں یہ جنگ چار دن تک چلتی رہی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ عروہ کا قتل اگرچہ حرام مہینے میں ہوا تھا مگر بنی کنانہ کو اس قتل کی اطلاع کتنے دنوں کے بعد ملی اس کے متعلق روایت میں کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے یہ گمان ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ یعنی فجار براض حرام مہینے میں نہیں ہوئی بلکہ بنی کنانہ کو عروہ کے قتل کی خبر حرام مہینہ گزر جانے کے بعد ملی)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ :۔ علامہ سہیلی کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ لڑائی چھ دن تک چلی۔ واللہ اعلم

(قال) فجار براض کی جنگ کے ان دنوں میں سے بعض میں آنحضرت ﷺ بھی اس میں شریک ہوئے آپ کو آپ کے چچا اس جنگ میں لے کر گئے تھے (یہاں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جنگ کے تمام دنوں میں شریک نہیں ہوئے بلکہ بعض دنوں میں شریک ہوئے) اس سے وہ قول صحیح ہو جاتا ہے جو پیچھے بیان ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں پہنچ جاتے تو بنی کنانہ کو فتح ہونے لگتی اور جب آنحضرت ﷺ وہاں نہ پہنچتے تو ان کو شکست ہونے لگتی تھی (یاد رہے کہ بنی کنانہ براض یعنی قاتل کا خاندان تھا اور قریش کا قبیلہ ان ہی کی مدد پر تھا)

اس جنگ کے دنوں میں سے ایک دن جبکہ لڑائی سب سے زیادہ سخت ہو رہی تھی اور جو کہ لڑائی کا تیسرا دن تھا اس میں امیہ ابن امیہ اور حرب ابن امیہ ابن عبد شمس اور ابوسفیان ابن حرب نے اپنے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں تاکہ اگر دشمن کا زور بڑھنے لگے تب بھی وہ ڈر کر میدان جنگ سے نہ بھاگ سکیں۔ ان لوگوں کا نام عنابس یعنی سیاہ پڑ گیا تھا (ی) ان تینوں میں حرب یعنی ابوسفیان کا باپ اور اس کا بھائی امیہ کفر کی حالت میں مرے اور ابوسفیان مسلمان ہوئے جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

**التواء جنگ اور صلح**...... (غرض اصل واقعہ جنگ فجار کا چل رہا ہے کہ جب بنی کنانہ کا پیچھا کرتے ہوئے بنی ہوازن کے لوگ ان کے پاس پہنچے تو وہ حرم کے قریب پہنچ چکے تھے اس لئے اس دن تو جنگ نہیں ہوئی مگر اگلے دن بنی کنانہ کے لوگ قبیلہ قریش کی حمایت کے ساتھ میدان میں آئے اور پھر چار دن یا چھ دن تک جنگ ہوئی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اس لئے) دونوں دشمن قبیلوں نے اگلے سال عکاظ کے مقام پر پھر پنجہ آزمانے کا اعلان کیا (اور میدان جنگ سے چلے گئے) جب اگلا سال ہوا تو دونوں قبیلے وعدہ کے مطابق عکاظ کے مقام پر پہنچ گئے۔ اس دفعہ قبیلہ قریش اور کنانہ کا سالار عبداللہ ابن جدعان تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سپہ سالار ابوسفیان کا باپ حرب ابن امیہ تھا کیونکہ اس وقت قریش اور بنی کنانہ کا سردار وہی تھا۔ اس زمانے میں حرب کے بھائی ربیعہ کا بیٹا عتبہ جو یتیم ہو گیا تھا حرب کی پرورش اور نگرانی میں تھا (کیونکہ اس کے باپ ربیعہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حرب کو اپنے اس بھتیجے سے بہت پیار تھا اس لئے وہ محبت کی وجہ سے اس کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے کر نہیں گیا کہ کہیں اس کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے عتبہ جو بڑا ہو چکا تھا) چچا کی اجازت اور مرضی کے بغیر چپکے سے نکل کر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ حرب کو بھتیجے کے میدان جنگ میں آنے کی اس وقت خبر ہوئی جبکہ وہ دشمنوں کی صفوں کے بیچ میں پہنچ کر یہ پکار رہا تھا۔

"اے مضر کی جماعت! (یعنی اولاد!) تم آخر کس بات پر مر کٹ رہے ہو!"؟

بنی ہوازن نے یہ سن کر پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟

عتبہ نے کہا۔

"صلح...... صلح...... اس رعایت کے ساتھ کہ ہم تمہارے مرنے والوں کی جان کی قیمت دے دیں گے اور تم ہمارے خون معاف کر دو"۔ )

(ی) کیونکہ اس جنگ میں قریش اور بنی کنانہ کا پلہ بھاری تھا اور بنی ہوازن شکست کھا رہے تھے قریش اور بنی کنانہ نے ان میں زبردست خوں ریزی کی تھی اور ان کو قتل کیا تھا۔ (ی) مگر اس سے وہ بات غلط نہیں ہوتی

کہ بعض دنوں میں (جب آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں نہیں پہنچتے تھے تو) قریش اور بنی کنانہ کو شکست ہونے لگتی تھی۔ (بہر حال جب عتبہ نے اچانک میدان میں آکر صلح کی پیشکش کی تو) بنی ہوازن نے کہا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ کیسے ہوگا؟ عتبہ نے کہا

"ہم اپنے اس وعدے کی ضمانت میں تمہارے پاس اپنے میں سے (کچھ معزز لوگوں کو) رہن رکھ دیں گے یہاں تک کہ ہم اپنا وعدہ پورا کردیں"

(یعنی تمہارے مرنے والوں کی جان کی قیمت ادا کرنے تک ہمارے کچھ معزز آدمی تمہارے پاس رہن یعنی گروی رہیں گے اور وعدے کے مطابق ہم تمہارے مرنے والوں کا خون بہادے کر ان لوگوں کو چھڑالیں گے)

"بنی ہوازن نے کہا کہ اس وعدہ کا ضامن اور ذمہ دار کون ہوگا"۔

عتبہ نے کہا...... "میں"!...... انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔

اس نے کہا کہ میں عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس ہوں۔ اس پر بنی ہوازن، قریش اور بنی کنانہ کے لوگ صلح کرنے پر راضی ہوگئے۔

اب قریش نے بنی ہوازن کو اپنے چالیس معزز آدمی رہن کے طور پر دیئے۔ ان لوگوں میں حکیم ابن حزام بھی تھے یہ ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد کے بھتیجے تھے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے (ان کے متعلق مزید تفصیل وحی کے بیان میں بھی آئے گی) غرض جب یہ رہن کے لوگ بنی ہوازن کے قبضہ میں آگئے تو انہوں نے اپنے مرنے والوں کا خون قریش اور بنی کنانہ کو معاف کردیا اور ان لوگوں کو چھوڑ دیا اور اس طریقہ سے یہ جنگ فجار ختم ہوگئی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ قریش نے ہوازن کے مقتولوں کی لاشیں ان کو لوٹا دیں اور جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں بھی نتیجہ ایک ہی رہتا ہے کہ جنگ ختم ہوگئی اور وادی میں امن ہوگیا۔ غرض اس جنگ کو ختم کرانے کا سہرا عتبہ ابن ربیعہ کے سر رہا۔ یہ عتبہ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں قتل ہوا حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ تھا اور حضرت امیر معاویہؓ کا نانا تھا (یہ عتبہ اگرچہ غریب آدمی تھا مگر اپنے قبیلہ کا سردار تھا) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غریب اور فقیر ہوتے ہوئے صرف دو ہی آدمی اپنی قوم میں سردار ہوئے ایک یہ عتبہ ابن ربیعہ اور دوسرے ابوطالب۔ اس لئے کہ یہ دونوں مال و دولت نہ ہونے کے باوجود اپنی قوم کے سردار تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عتبہ ابن ربیعہ اور ابوطالب اپنی قوم کے سردار ہوئے حالانکہ یہ دونوں ابو مزلق سے بھی زیادہ غریب اور نادار تھے۔ یہ ابو مزلق بنی عبد شمس کا ایک شخص تھا۔ یہ شخص نان شبینہ کا محتاج تھا اسی طرح اس کا باپ، دادا، پردادا اور اس کے دلوا، پڑدلوا تک ایسے ہی مفلس اور فقیر مشہور رہے ہیں۔

(پچھلی سطروں میں جنگ فجار کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ اس نام سے چار جنگیں ہوئی ہیں اور ان چاروں جنگوں کے سبب بھی بیان کئے گئے ہیں مگر) کتاب وفاء میں اس طرح ہے کہ فجار کی صرف دو جنگیں ہوئی ہیں۔ پہلی فجار کی جنگ میں تین مرتبہ لڑائی ہوئی۔ ایک مرتبہ بدر ابن معشر غفاری کے معاملے پر لڑائی ہوئی (جو پیچھے بیان ہوا کہ وہ عکاظ کے میلے میں بیٹھ کر اپنی بڑائیاں بیان کر رہا تھا اور لوگوں کو للکار رہا تھا تو کسی نے طیش میں آکر تلوار سے اس کا گھٹنا زخمی کردیا) پھر اسی جنگ فجار میں دوسری مرتبہ ایک عورت کی وجہ سے لڑائی ہوئی (جیسا کہ

پیچھے بیان ہوا کہ بنی عامر کی اس عورت کو عکاظ کے میلے میں ایک قریشی نوجوان نے چھیڑا اور اس سے منہ کھولنے کے لئے کہا اور اس کے انکار کرنے پر چپکے سے اس کا پچھلا دامن ایک کانٹے میں پھنسا دیا یہاں تک کہ جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کی پیٹھ کھل گئی اور پھر اس عورت نے چیخ چیخ کر اپنے قبیلے والوں کو مدد کے لئے پکارا)۔

پھر اسی پہلی جنگ فجار میں تیسری لڑائی قرض کے معاملے میں ہوئی (کہ بنی عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی پر قرض تھا جسے ادا کرنے میں وہ ٹال مٹول کر رہا تھا جس پر آخر کار دونوں قبیلوں میں جنگ ہو گئی) پہلی جنگ فجار کے ان تینوں واقعات میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں ہوئے (یہ تو گویا فجار کی پہلی جنگ ہوئی) اس کے بعد فجار کی دوسری جنگ ہوئی جو بنی ہوازن اور بنی کنانہ کے درمیان تھی (جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے) اس دوسری جنگ فجار میں آنحضرت ﷺ شریک ہوئے ہیں۔

کتاب وفاء کے اس قول کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ مطلب کے لحاظ سے اس میں اور جو کچھ پیچھے بیان ہوا اس میں کوئی فرق نہیں ہے (صرف لفظوں کا اور بیان کا فرق ہے کیونکہ جو کچھ پیچھے بیان ہوا ہے اس میں چار واقعات کو چار مستقل جنگوں کا سبب بتایا گیا ہے اور اس روایت میں ان میں سے تین واقعات کو ایک جنگ کا سبب بیان کیا گیا ہے اور چوتھے واقعے کو ایک مستقل جنگ کا سبب بتلایا گیا ہے۔

شاید اس کا سبب یہ ہو کہ پہلی تین جنگوں میں ہر دفعہ ٹکراؤ خاندان بنی عامر اور خاندان بنی کنانہ میں ہوا اس لئے تینوں واقعات کو ایک جنگ کے تحت بیان کر دیا گیا کیونکہ تینوں مرتبہ کے ٹکراؤ کا نام بھی ایک ہی رہا یعنی جنگ فجار اور چوتھے واقعہ کو ایک مستقل جنگ کا نام اس لئے دیا کہ یہ خاندان بنی ہوازن اور خاندان بنی کنانہ میں ہوا۔ اگرچہ نام تو اس ٹکراؤ کا بھی جنگ فجار ہی رہا مگر لڑنے والے فریقوں میں سے ایک فریق بدل گیا۔ مختصر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے) واللہ اعلم

## باب چہاردھم (۱۴)

# آنحضرت ﷺ کی حلف فُضُول میں شرکت

(حلف فضول سے مراد عربوں کا ایک عہد نامہ ہے جو انہوں نے حلف اٹھا کر اس بات پر کیا تھا کہ آئندہ سے ہم میں سے ہر ایک شخص مظلوم کی مدد کرے گا، اس کو اس کا حق دلوائے گا اور ظالم کا مقابلہ کرے گا اس کے متعلق تفصیلات آگے آرہی ہیں) یہ عربوں کا سب سے زیادہ معزز اور شریفانہ عہد نامہ تھا۔

حلف کے اصل معنی عہد اور قسم کے ہیں۔ یہاں عہد کے بجائے اس کا نام حلف اس لئے رکھا گیا کہ عربوں نے یہ عہد نامہ کرتے وقت حلف اٹھائے تھے (اس میں فضول کا جو لفظ ہے اس کی تشریح آگے آرہی ہے) یہ عہد نامہ اس وقت کیا گیا جبکہ قریش جنگ فجار سے واپس ہوئے تھے (یعنی اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد یہ عہد نامہ کیا گیا) جنگ فجار شوال کے مہینے میں ہوئی تھی (ی) ایک قول یہ بھی ہے کہ حرام مہینے میں نہیں ہوئی تھی بلکہ شعبان کے مہینے میں ہوئی تھی جیسا کہ پچھلے باب میں بیان ہوا اس جنگ کا سبب عُروۃ الرّحّال کا قتل تھا جسے براض نے قتل کیا اور یہ واقعہ حرام مہینے میں ہوا تھا۔

یہاں کہا گیا ہے کہ یہ عہد نامہ قریش کی جنگ فجار سے واپسی کے وقت ہوا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ یہ عہد نامہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہوا اور اگلے سال اعلان کے مطابق دوبارہ میدان جنگ میں آنے کے بعد ہوا (یہ مطلب اس لئے ہوگا کہ اگلے سال وہاں دونوں فریقوں کے آنے کے باوجود جنگ نہیں ہو سکی تھی (کیونکہ عتبہ ابن ربیعہ نے صلح کرادی تھی) ہاں اگر یہی مطلب لیا جائے (کہ یہ حلف نامہ اگلے سال کی صلح کے بعد ہوا) تو جنگ فجار سے واپسی کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ اگلے سال جنگ نہیں ہوئی مگر بہر حال دونوں فریق آئے تو اسی غرض سے تھے کہ جنگ کریں گے (اس لئے اس صلح کے بعد واپسی کو بھی جنگ سے واپسی کہا گیا)

حلف فضول یعنی یہ عہد نامہ ذی قعدہ کے مہینہ میں ہوا۔ اس عہد کے لئے سب سے پہلے زبیر ابن عبدالمطلب نے آواز اٹھائی جو آنحضرت ﷺ کے سگے چچا تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اس ابن عبدالعزیٰ تینوں خاندانوں کے لوگوں کو بلایا۔ یہ سب عبداللہ ابن جدعان تیمی کے گھر جمع

ہوئے۔

عبداللہ ابن جُدعان کی سخاوت...... (یہ گھر "دار ابن جُدعان تیمی" کے نام سے ہی مشہور تھا اس خاندان کے لوگ جو بنو تیم کہلاتے تھے تیم کی اولاد میں سے تھے) یہ سب لوگ تیم کی زندگی میں ایسے متحد اور ایک تھے جیسے ایک ہی گھر کے لوگ ہوتے ہیں۔ تیم ہی ان سب کو کھلاتا پہناتا تھا۔ یہ عبداللہ ابن جدعان ہر روز اپنے گھر میں کئی اونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور شہر میں اس کے آدمی پکار پکار کر اعلان کیا کرتے تھے کہ جو شخص بھی گوشت اور چربی کا شوقین ہو (یعنی کھانا چاہتا ہو) وہ ابن جدعان کے گھر پہنچ جائے۔ وہ اپنے یہاں فالودہ پکوایا کرتا تھا (جو ایک میٹھا کھانا ہوتا تھا) اور اس سے قریش کی تواضع کیا کرتا تھا (ی) فالودہ تیار کرانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ۔ اس سے پہلے ابن جدعان کھجور اور ستو سے آنے والوں کی تواضع کیا کرتا تھا اور پھر دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص امیہ ابن ابی صلت (سفر میں تھا کہ اس) کا گزر بنی مدان کے لوگوں کے یہاں ہوا اس نے ان کا کھانا دیکھا جو گیہوں اور شہد سے بنایا جاتا تھا (یہ بھی میٹھا کھانا ہوتا تھا) یہاں سے آکر امیہ ابن ابی صلت نے ان کی تعریف میں یہ شعر کہے۔

وَلَقَدْ رَأَيْتَ الفَاعِلِيْنَ وَ فِعْلَهُمْ
فَرَأَيْتُ أَكْرَمَهُمْ بَنِي الْمَدَانِ

ترجمہ:۔ میں نے بہت سے میزبان بھی دیکھے اور ان کی میزبانی بھی دیکھی مگر ان سب میں میں نے بنی مدان کو سب سے زیادہ بہتر اور افضل پایا۔

البِرُّ يُلْبَكُ بِالشَّهَادِ طَعَامُهُمْ
لَا مَا يُعَلِّلُنَا بَنِي جُدْعَانَ

ترجمہ:۔ جب تم ان کی دعوت وضیافت میں پہنچے تو حسن سلوک اور خوش اخلاقی تمہارا استقبال کرے گی بمقابلہ بنی جدعان کے جن کی یہ خصوصیت بیان کی جاتی ہے۔

اس کے یہ شعر عبداللہ ابن جدُعان کے کانوں تک بھی پہنچے (جس پر اس کو شرم آئی کہ اس کا کھانا کم درجہ کا ہوتا ہے) اس لئے اس نے ملک شام میں بصری شہر میں اپنے آدمی بھیجے اور وہاں سے اس نے گیہوں، شہد اور گھی منگایا اور اس کے بعد اپنے آدمیوں کے ذریعہ اعلان کرایا کہ لوگ عبداللہ ابن جدُعان کے دستر خوان پر پہنچ جائیں (اس طرح اس نے اس عار کو ختم کیا) چنانچہ اب امیہ ابن ابی صلت نے عبداللہ ابن جدُعان کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں:۔

أَأَذْكُرُ حَاجَتِي أَمْ قَدْ كَفَانِي
حَيَاؤُكَ إِنَّ شِيْمَتَكَ الْحَيَاءُ

ترجمہ:۔ کیا میں تیرے سامنے اپنی حاجت وضرورت بیان کروں یا تیری حیاو مروت میری طرف سے اس کو بھی گوارا نہیں کرے گی جیسا کہ میں نے تیری حیاء کی وجہ سے تیرا نام ہی مجسم حیاو شرم رکھ دیا ہے۔

إِذَا أَثْنَى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا
كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِكَ الثَّنَاءُ

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص ایک دفعہ ہی تیری تعریف اور مدح سرائی کر دے تو اس کو ہر روز تیری قصیدہ خوانی کے بجائے یہ ایک ہی دفعہ کی تعریف مقصد بر آری کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔

كَرِيْمٌ لَا يُغَيِّرُهُ صَبَاحٌ

عَنِ الخلق الجَمِیلِ وَلاَ مَسَاءَ

ترجمہ :۔ تم ایک ایسے شریف و کریم ہو کہ جس کی شرافت اور خوش اخلاقی صبح و شام یکساں ہی رہتی ہے۔

یُبَارِی الرِّیحَ مَکْرُمَةً وَجُوداً
اِذَا مَا الضَّبُّ اَحْجَرَهُ الشِّتَاءُ

ترجمہ :۔ جب گوہ جانور (جو کہ سردیوں کا موسم برداشت نہیں کر سکتا) اپنے بِل میں چھپ کر بیٹھ رہتا ہے اس وقت تیرے کرم اور فیاضی کی ہوائیں اس تک بھی پہنچ کر اس کو زندگی کا پیغام دیتی رہتی ہیں۔

**عبداللہ ابن جدعان کی شراب سے توبہ**...... عبداللہ ابن جُدعان (جس کے مکان میں حلف فضول یعنی وہ عہد نامہ کیا گیا) ایک عمر رسیدہ اور بہت معزز آدمی تھا، یہ بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے پر شراب حرام کر لی تھی (یعنی کبھی نہیں پیتا تھا) اگرچہ پہلے یہ بہت شراب پیتا تھا اور نشے میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کے شراب چھوڑنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ رات کے وقت یہ نشہ میں دُھت تھا (رات کا وقت تھا اور چاند چمک رہا تھا) اسی نشہ کی جھونک میں اس نے چاند کی روشنی کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اچھلنا شروع کر دیا۔ اس کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ اس کی اس احمقانہ حرکت پر ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے جب اس کا نشہ اتر گیا تو لوگوں نے اس کو اس حماقت کے متعلق بتلایا (یہ چونکہ سنجیدہ اور باعزت آدمی تھی اس لئے یہ واقعہ سن کر اس کو سخت شرمندگی ہوئی اور) اس نے اسی وقت حلف اٹھایا کہ آج کے بعد کبھی شراب نہیں پیوں گا)

اسی طرح جن دوسرے لوگوں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی ان میں عثمان ابن مظعون بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے بھی اسی قسم کی ایک حرکت پر شراب چھوڑنے کا عہد کیا تھا) اور کہا تھا۔

"میں ایسی چیز کبھی نہیں پیوں گا جس سے میری عقل جاتی رہے اور میرے سے کمتر درجہ کے لوگ مجھ پر قہقہے لگائیں اور جو چیز مجھے خود اپنی ہی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے پر اکسائے جس بات کو میں سوچ بھی نہیں سکتا"۔

(اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ یعنی حلف فضول کے متعلق بتلاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر ابن عبدالمطلب نے اس شریفانہ عہد کی تحریک کی تھی اور اس تحریک پر قبیلہ قریش میں سے بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اسد ابن عبدالعزیٰ کے لوگ ان کے پاس عبداللہ ابن جدعان کے مکان میں آکر جمع ہوئے) عبداللہ ابن جُدعان نے ان لوگوں کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان کیا کہ جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے یہاں تک کہ اس کو اس کا حق دلوا دیں۔

**ابن جدعان کا انجام**...... (یہ عبداللہ ابن جدعان اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر سماجی طور پر ایک شریف مزاج آدمی تھا اور غریبوں کی خبر گیری کیا کرتا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"عبداللہ ابن جدعان غریبوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، مہمانوں کی عزت اور تواضع کیا کرتا تھا اور بہت سے

اچھے کام کیا کرتا تھا تو کیا یہ اچھے کام قیامت کے دن اس کو کوئی فائدہ پہنچائیں گے"؟

آپ نے فرمایا۔

"نہیں! اس لئے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس نے دن اور رات کے کسی بھی حصے میں یہ نہیں کہا کہ میرے پروردگار! روز جزاء میں میری خطائیں معاف فرما دیجئے"۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (ی) اس سے مراد یہ ہے کہ عبداللہ ابن جدعان مسلمان نہیں ہوا اس لئے کہ یہ قول (یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا مسلمان ہی کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث کا منشاء ہے کہ اگر وہ یہ بات کہہ دیتا (یعنی حق تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی مغفرت مانگ لیتا تو کافر ہونے کے باوجود اس کی مغفرت ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے یہ مراد اس لئے لی گئی ہے کہ ابن جدعان ان لوگوں میں سے (نہیں ہے جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا بلکہ اہل فترت یعنی جاہلیت کے دور میں حق تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے تھے بلکہ یہ ان لوگوں میں سے) ہے جن کو اسلام کا زمانہ ملا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔ ہاں اس جگہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ۔ چونکہ عبداللہ ابن جدعان مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ یا۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا (اس لئے اس کی مغفرت نہیں ہوگی بلکہ یہ فرمایا۔ کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ میرے پروردگار میری خطاؤں کو روز جزاء میں معاف فرما دیجئے)

عبداللہ ابن جدعان کا لقب ابو زہیر تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (ابن جدعان کو اسی لقب سے یاد کرتے ہوئے) غزوۂ بدر میں کفار کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا۔

"اگر ابو زہیر یا مطعم ابن عدی زندہ ہوئے اور ان میں سے کوئی مجھ سے ان قیدوں کو مانگتا تو میں یہ قیدی اس کو ہبہ کر دیتا"۔

عبداللہ ابن جدعان کی سخاوت اور فیاضی مشہور تھی) کہا جاتا ہے کہ اس کے یہاں کھانے کا برتن اتنا بڑا تھا کہ اونٹ سوار اونٹ پر بیٹھے بیٹھے اس میں سے کھانا کھا لیتا تھا (چنانچہ البدایہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ اس برتن یا دیگ میں گر گیا تھا جو اسی میں ڈوب کر مر گیا)

(ی) آگے غزوۂ بدر کے بیان میں ذکر آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ اور ابو جہل، ابن جدعان کے دستر خوان پر جمع ہوئے، اس وقت آپ ﷺ اور ابو جہل دونوں کم عمر تھے۔ ابو جہل آنحضرت ﷺ کو دھکیل کر آگے آنے کی کوشش کرنے لگا، آپ ﷺ نے اس کو دھکا دیا تو وہ گھٹنوں کے بل گرا جس سے اس کے چوٹ آئی اور نشان پڑ گیا۔

عبداللہ ابن جدعان کے کھانے کے برتن کے متعلق) ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں سخت دوپہر کے وقت ابن جدعان کے برتن کے سائے میں بیٹھ جایا کرتا تھا"۔

(اس حدیث میں دوپہر کے لئے ظہیرہ یا ہاجرہ کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے صَکَّۃَ عُمَیٍّ کا لفظ استعمال کیا گیا جو محاورہ میں دوپہر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس محاورہ کے متعلق تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) ہاجرہ یعنی دوپہر کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں لفظ عُمَی جو ہے وہ لفظ اعمیٰ کی تصغیر ہے جیسے ابن بمعنی بیٹا

کی تصغیر بنی ہے بمعنی چھوٹا سا بیٹا۔ بہر حال یہ اعمیٰ قوم عمالیق میں کا ایک شخص تھا جس کو ایسے ہی وقت میں یعنی جلتی دوپہر میں ایک دشمن نے قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اعمی نامی شخص قوم عدوان میں سے تھا اور جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا بہت بڑا مذہبی عالم اور مفتی تھا۔ ایک دفعہ یہ شخص اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ جب یہ مکے سے دو منزل کے فاصلے پر رہ گیا تو بھری دوپہر میں اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔

"جو شخص کل ایسے ہی وقت مکے پہنچ جائے تو اس کو دو عمروں کا ثواب ملے گا"۔

(حالانکہ اس وقت تک یہ لوگ مکے سے دو مرحلوں کے فاصلے پر تھے اور عام رفتار سے چوبیس گھنٹوں میں مکے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مگر اس شخص سے یہ سن کر کہ کل اس وقت تک مکے پہنچنے سے ثواب دوگنا ہو جائے گا) انہوں نے پوری رفتار سے اپنے اونٹوں کو دوڑا دیا یہاں تک کہ اگلے دن عین اسی دوپہر ٹھٹھار میں یہ لوگ مکے پہنچ گئے (عربی میں جانور کو تیز چلانے کے لئے صک کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ادھر یہ کہ ان لوگوں نے اعمی کے کہنے پر اپنی سواریوں کو جلتی دوپہر میں دوڑایا تھا اس لئے محاورہ میں دوپہر کو ہی صُکَّۃ اعمی کہا جانے لگا۔ چنانچہ ایک قول میں حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسی لفظ کو استعمال کیا ہے جو تقریباً اسی معنی میں ہے اور) شاید ان کا یہ قول اس تشریح کے خلاف نہیں جو ہم نے پیش کی ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ نے ایک دفعہ فرمایا)

"ہم نے مسجد نبوی میں پہنچنے کے لئے صکۃ اعمی میں بہت جلدی کی"۔

ان سے پوچھا گیا کہ یہ صکۃ اعمی کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ جو اس بات کا کوئی خیال نہ کرے کہ کس وقت روانہ ہوتا ہے (یعنی چاہے جلتی دوپہر ہی کیوں نہ ہو وہ وقت ناوقت کا خیال کئے بغیر چل پڑے)

**ابن جدعان کی دولت کا عجیب راز**...... یہ عبداللہ ابن جدعان اپنے لڑکپن اور نوجوانی میں بیمار اور فقیر آدمی تھا مگر اس کے باوجود بہت شریر اور جرائم پیشہ قسم کا شخص تھا اکثر کوئی نہ کوئی جرم کر گزرتا تھا اور اس کے باپ اور قوم کے لوگوں کو اس کی غلطیوں اور جرموں کا بھگتان کرنا پڑتا تھا۔ آخر اس کے خاندان والے اس کی غلطیوں اور جرموں سے تنگ آگئے اور اس کے باپ نے اس کو گھر سے نکال کر عہد کیا کہ اب کبھی اس کو واپس نہیں لائے گا۔ ابن جدعان باپ کے گھر سے نکل کر مکے کی گھاٹیوں میں بھٹکنے لگا اور پریشان حالی اور مایوسی کی وجہ سے موت کی آرزو کرنے لگا۔ ایک دن اس کو ایک پہاڑ میں ایک دراڑ سی نظر آئی۔ یہ اس میں گھس گیا اچانک اس نے دیکھا کہ اس میں ایک بڑا زبردست سانپ بیٹھا ہوا ہے جس کی دونوں آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں اور جیسے ہی یہ اس کے قریب ہوا اس نے اس پر حملہ کیا مگر جب یہ پیچھے ہٹا تو سانپ بھی اپنی جگہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ اس نے کئی دفعہ ایسا ہی کیا اور ہر دفعہ یہی تجربہ ہوا (کہ سانپ اس کے قریب آنے پر اچھلتا تھا اور اس کے پیچھے ہٹتے ہی پھر اپنی جگہ سکون سے بیٹھ جاتا تھا) آخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ اصلی سانپ نہیں ہے بلکہ مصنوعی ہے۔ چنانچہ اب یہ بے جھجک اس کے قریب پہنچ گیا اور اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سانپ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کی جگہ دو یاقوت رکھے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً اس سانپ کو توڑ دیا۔ اس کے بعد ابن جدعان اس غار کے اندر داخل ہوا جس کے دروازے پر یہ سانپ بٹھایا گیا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ پرانے بادشاہوں کی لاشیں رکھی ہوئی ہیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس غار میں بے حد مال و دولت رکھا ہوا ہے جس میں سونا چاندی، جواہرات، یاقوت، موتی اور دوسرے قیمتی پتھر تھے۔ ابن جدعان نے جلدی جلدی جتنا مال نکالنا

ممکن تھاوہ نکال لیا اور باہر آخر اس غار کے قریب کچھ نشانات بنا دیئے (تاکہ دوبارہ یہاں پہنچنے میں کچھ مشکل نہ ہو) اس کے بعد وہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا مال و دولت نکالتا رہا۔ اسی غار میں اس کو سنگ مرمر کی ایک تختی ملی جس پر لکھا ہوا تھا۔

"میں نُفَیلہ ابن جُرہُم ابن قحطان ابن ہُودؑ نبی اللہ ہوں۔ میں پانچ سو سال زندہ رہا۔ میں دولت و عزت اور سلطنت حاصل کرنے کے لئے زمین کے چپّہ چپّہ پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوما مگر یہ تمام مال و دولت اور حکومت مجھے موت سے نہ بچا سکی"۔

غرض اس کے بعد عبداللہ ابن جدعان نے اس دولت میں سے کافی مال اپنے باپ کو بھیجا جو اس مال کے بدلے میں تھا جو باپ نے اس کے جرموں اور شراتوں کے تاوان میں لوگوں کو لوا کیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کو بھی کافی مال و دولت دی۔ اس پر ان لوگوں نے اس کو اپنا سردار بنالیا۔ اس کے بعد عبداللہ ابن جدعان اس خزانے میں سے خوب فیاضی سے خرچ کرنے لگا، لوگوں کو کھانا کھلاتا اور دوسرے نیک کاموں پر اپنی دولت خرچ کرتا۔

**حلف فضول**...... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعے یعنی حلف فضول کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کے بارے میں پچھلی سطروں میں بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر ابن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اسد کے لوگ عبداللہ ابن جدعان کے گھر پر جمع ہوئے جہاں ان سب کو اس نے کھانا کھلایا اور اس کے بعد ان سب نے خدا کے نام پر عہد اور حلف کیا کہ جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے اور اس کا حق اس کو دلاتے رہیں گے) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ :۔

"انہوں نے اس بات پر حلف کیا کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا حق اس کو واپس دلائیں گے اور مظلوم کے مقابلے میں کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دیں گے"۔

"(ی) حلف فضول میں فضول سے مراد وہ مال یا حق ہے جو ظلم اور زبردستی کے ذریعہ کسی سے چھینا گیا ہو۔

(اس دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا حق یعنی فضول اس کو واپس دلائیں گے (ان لفظوں کے متعلق کہتے ہیں کہ) بعض علماء کی رائے میں یہ الفاظ راوی کی طرف سے اضافہ کئے گئے ہیں (اصل روایت میں نہیں ہیں) بعض علماء نے ان لفظوں کے ساتھ اس روایت میں یہ اضافہ بھی بتلایا ہے کہ :۔

"جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے اور جب تک حراء اور ثُبَیر پہاڑ اپنی جگہوں پر موجود ہیں (ہم مظلوم کا حق دلاتے رہیں گے")۔

(ی) جیسا کہ بیان ہوا ان سب باتوں سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ تک ہم اس حلف کی پابندی کرتے رہیں گے۔

**حلف فضول کی عظمت**...... اس عہد اور حلف کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ بھی قریش کے ساتھ موجود اور شریک تھے (چونکہ یہ حلف نامہ ایک شریفانہ عہد تھا جس میں مظلوم کی حمایت کا عہد کیا گیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس عہد کو ہمیشہ پسند فرمایا اور اس کو پوری تائید اور حمایت فرمائی) چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :۔

"میں بنی جدعان کے مکان پر جس عہد نامے میں شریک ہوا اگر اس سے غدّاری کرنے کے بدلے میں مجھے کوئی سرخ اونٹوں کی بھی پیش کش کرے تو میں اس سے غداری پسند نہیں کر سکتا"۔

(قال) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ :۔

"میں عبداللہ ابن جدعان کے مکان میں ہونے والے عہد نامے میں شریک تھا۔ اگر اس کے بدلے میں مجھے کوئی سرخ اونٹ پیش کرے تو میں نہیں لوں گا اور اگر اس عہد کے نام پر اسلام میں بھی کوئی آواز دے تو میں لبیک کہوں گا"۔

(ی) یعنی اگر کوئی مظلوم آج بھی۔ اے حلف فضول والو! کہہ کر دہائی دے تو میں اس کی فریاد کو پہنچوں گا، کیونکہ اسلام تو آیا ہی اس لئے ہے کہ سچائی کا نام بلند کرے اور مظلوم کی مدد اور حمایت کرے۔

"زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جنگ یا مصیبت کے وقت آدمی اپنے حمایتیوں کے پکارتا تھا اور لفظوں میں فریاد کیا کرتا تھا کہ۔ اے آل فہر۔ اے آل غالب۔ اے آل فلاں۔ اس پکار کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ میری مدد کو پہنچو۔ چنانچہ جس کا نام لے کر پکارنے والا پکارتا تھا اس کی اولاد کے لوگ ہتھیار لے کر دوڑ پڑتے تھے اور پوچھ کچھے بغیر اس پکارنے والے کی جوان کے خاندان یا قبیلہ کا آدمی ہوتا تھا اس کی حمایت کرنا شروع کر دیتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کی فریاد اور باپ دادا کے نام پر اس کی اولاد کو پکارنے کا طریقہ ختم کر دیا۔ مگر اس حدیث کی جو تشریح کی گئی ہے اس میں اسی قسم کے لفظوں سے فریاد کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر پکارنے والا مظلوم یہ کہے کہ اے آل حلف فضول۔ اے حلف فضول والو۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے اس طریقے کو ختم کر دیا ہے کہ یا فلاں اور یا آل فلاں کہہ کر جنگ یا مصیبت کے وقت فریاد کی جائے (اس لئے اس حدیث کا یہ مطلب لینے میں اشکال ہوتا ہے مگر علامہ شامیؒ کہتے ہیں) کہ یہ پکار مستثنیٰ ہے اس لئے اس کے ساتھ اس طرح فریاد کرنا جائز ہے (کیونکہ یہ پکار ایک مظلوم کی ہوگی جو اپنے جائز حق کے لئے ان لوگوں کو پکارے گا جو اس کا حق دلانے میں اس کی سچی مدد کریں گے محض قومی، خاندانی یا قبائلی جذبے سے اندھی حمایت نہیں کریں گے کہ حق اور ناحق دیکھے بغیر اپنے خاندان کے آدمی کی مدد شروع کریں)

ایک اور روایت میں آنحضرت ﷺ نے اسی حلف فضول میں اپنی شرکت کے متعلق فرمایا۔

"میں نے قریش کے کسی بھی حلف اور عہد نامے میں شرکت نہیں کی سوائے حلف مطیبین کے کہ اس میں میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوا۔ اب اگر اس عہد کو توڑنے کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں اس عہد کو نہیں توڑوں گا۔ (ی) یعنی اگر کوئی اس عہد کو توڑنے کے لئے سرخ اونٹ (جیسی قیمتی چیز) دینے کا بھی مجھے لالچ دے تو میں اس کو توڑنا گوارا نہیں کروں گا۔ اور مطیبون جن کو کہا جاتا ہے وہ ہاشم، زہرہ امیہ اور مخزوم ہیں"۔

**حلف مطیبین اور حلف فضول کا فرق**...... اس روایت میں حلف فضول کو حلف مطیبین کہا گیا ہے حالانکہ حلف مطیبین کے متعلق سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ صفحات پر تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ عہد بنی عبد مناف نے اپنی حمایت میں لیا تھا۔ بنی عبد مناف کعبے کے مناصب اپنے چچا عبدالدار کی اولاد سے چھیننا چاہتے تھے اس پر انہوں نے اپنے حمایتیوں سے عہد لیا تھا جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ بنی عبد مناف کی ایک عورت امّ حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب نے جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی تھیں خوشبو سے بھرا ہوا ایک پیالہ نکالا اور اسے اپنے

حامیوں کے لئے حرم میں رکھ دیا۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ اس پیالہ ڈبوئے۔ ان ہاتھ ڈبونے والوں میں بنی عبد مناف کے حامی قبیلے بھی تھے جو یہ ہیں بنی زہرہ بنی اسد ابن عبد العزیٰ، بنی تمیم ابن مُرّہ اور بنی حرث ابن فہر۔ اس طرح قریش کے ان پانچ خاندانوں نے یہ خوشبو لگا کر عہد کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ چونکہ خوشبو کو عربی میں طیب کہتے ہیں اس لئے ان خوشبو لگانے والوں کو مطیبون کہا گیا۔ ان کے مقابلے میں بنی عبد الدار نے اپنے ساتھی خاندانوں سے اپنی مدد کا عہد اور حلف لیا اور ان کا نام احلاف پڑ گیا تھا۔

غرض یہ معاہدہ مطیبین کا معاہدہ کہلایا لیکن اس وقت آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف نہیں لائے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں حلف فضول کو ہی حلف مطیبون کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ حلف مطیبون سے اصل حلف مطیبون تو مراد لیا نہیں جا سکتا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا واقعہ ہے اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ)

اس حدیث میں مطیبون کی جو تشریح کی گئی ہے اس کے متعلق، علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ مطیبین کی یہ تشریح اسی طرح روایت کی گئی ہے جو بعد میں اس میں شامل کی گئی ہے (کیونکہ مطیبون کی اصل تشریح جو اوپر گزری ہے یہ اس سے مختلف ہے) اور میں نہیں جانتا کہ یہ تشریح کس نے کی ہے۔

علامہ بیہقیؒ کی کتاب سنن کبریٰ میں اس بارے میں ان کی عبارت یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تشریح ابو ہریرہؓ کے قول میں ہے یا کسی اور کے قول میں۔ یہاں تک علامہ بیہقیؒ کا کلام ہے۔

اصل یہ ہے کہ حلف مطیبین کے زمانے میں آنحضرت ﷺ موجود ہی نہیں تھے۔ (ی) اس لئے کہ جیسا کہ گزر چکا ہے یہ معاہدہ بنی عبد مناف کی اولاد یعنی ہاشم اور ان کے بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل نے بنی زہرہ، بنی اسد ابن عبد العزیٰ، بنی تمیم اور بنی حرث ابن فہر کے ساتھ کیا تھا۔ یہی لوگ مطیبون کہلاتے ہیں۔ یہ معاہدہ انہوں نے اپنے چچا کی اولاد عبد الدار ابن قصی اور ان کے حمایتیوں یعنی بنی مخزوم وغیرہ کے مقابلے میں کیا تھا۔ ان لوگوں کو احلاف کہا جاتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہوا تھا۔ اب چونکہ آنحضرت ﷺ حلف مطیبون کے زمانے میں موجود ہی نہیں تھے اس لئے اس حدیث میں مطیبون کا لفظ بھی راوی کا داخل کیا ہوا ماننا چاہئے صرف مطیبون کی تشریح ہی داخل کردہ نہیں کہلائے گی جیسا کہ علامہ بیہقیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب گویا حدیث کی اصل عبارت یہ ہوگی کہ۔

"میں نے قریش کے کسی بھی حلف اور عہد نامہ میں شرکت نہیں کی سوائے ایک عہد کے جس میں میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوا۔" یہاں راوی کو خیال ہوا کہ حلف فضول ہی حلف مطیبین ہے لہذا اس نے حلف کے لفظ کے ساتھ مطیبین کا لفظ بڑھا کر ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر کر دیا۔

(حلف فضول کو یہاں حلف مطیبین کہنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ) اس بات کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ علامہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب (حلف فضول کے لئے) عبد اللہ ابن جدعان اور زبیر ابن عبد المطلب نے قریش کے اس مجمع میں دعوت دی (جو عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں بلایا گیا تھا) تو سب سے پہلے جن لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہی اور اس کو قبول کیا وہ بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، بنی زہرہ اور بنی تمیم تھے۔ یہاں تک ابن اسحٰق کا کلام ہے۔

اب یہ بات تو واضح ہے ہی کہ حلف مطیبین کے اصل لوگ یہ ہی خاندان تھے۔ لہٰذا اس حلف فضول

میں بھی چونکہ ان ہی خاندانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سب سے پہلے اس کے حق میں آواز اٹھائی اس لئے اس عہد کو بھی حلف مطیبین کہہ دیا گیا (اس لئے کہ مطیبین ان ہی لوگوں کو کہا جاتا تھا اور ان ہی مطیبین کے خاندانوں نے اس میں بھی حصہ لیا جو خود بھی مطیبون کہلاتے تھے) یہ بات بھی قابل غور ہے۔

لفظ فضول کا مطلب...... اب جہاں تک اس عہد کو فضول کہا گیا اس کی ایک وجہ تو وہی بتلائی جاتی ہے جو پچھلی سطروں میں بیان کی گئی کہ ان لوگوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حق یا مال حقدار کو پہنچائیں گے جو اس سے زبردستی چھینا گیا ہو (کیونکہ پچھلی سطروں میں لفظ فضول کی یہی تشریح کی گئی ہے کہ وہ چیز جو ظلم اور زبردستی سے چھینی جائے) لیکن اس عہد کو فضول کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ عہد قدیم زمانے کے اس عہد کے جیسا ہی تھا جو قبیلہ بنی جرہم کے تین آدمیوں نے آپس میں کیا تھا ان تینوں آدمیوں کا نام فضل تھا۔

بعض مورّخوں نے یہ لکھا ہے کہ اس عہد کی تحریک کرنے والے ان میں کے تین معزز آدمی تھے جن میں سے ہر ایک کا نام فصل تھا۔ وہ تینوں یہ ہیں:۔ فضل ابن فضالہ، فضل ابن وداعہ اور فضل ابن حرث۔ یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ۔ ان میں کے تین معزز آدمی۔ ان سے مراد بظاہر قریش ہیں۔ غرض ان تینوں نے اس بات کا حلف کیا تھا کہ ہم ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اب گویا فضول کو فضل کی جمع کہنا چاہئے (جس سے ان تینوں آدمیوں کی طرف اشارہ ہے)

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ (اس عہد کو فضول اس لئے کہا گیا کچھ) ان عہد کرنے والے لوگوں نے اپنا فالتو اور فاضل مال مہمانوں کی مہمانداری کے لئے نکالا تھا۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ (اس عہد کو فضول اس لئے کہا گیا کہ) ان عہد کرنے والے لوگوں نے اپنا فالتو اور فاضل مال مہمانوں کی مہمانداری کے لئے نکالا تھا۔

ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے یہ عہد کیا تھا ان کے متعلق قریش کے عام لوگوں نے کہا تھا کہ یہ ایک فضول معاملے میں پڑے ہیں۔

حلف فضول کا سبب...... اس حلف فضول اور مظلوم کی حمایت کا عہد کرنے کا سبب یہ واقعہ ہوا تھا کہ قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا کچھ مال لے کر مکے آیا۔ یہ مال اس سے عاص ابن وائل نے خرید لیا۔ یہ عاص مکے کے بڑے اور معزز لوگوں میں سے تھا۔ اس نے مال تو لے لیا مگر اس کی قیمت روک لی۔ اس ظلم کے خلاف یہ زبیدی شخص بنی عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی ابن کعب کے پاس فریاد لے کر گیا اور عاص کے خلاف ان خاندانوں سے مدد مانگی (مگر چونکہ عاص مکے کے بڑے لوگوں میں سے تھا اس لئے ان سب لوگوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس زبیدی شخص کا ڈانٹ ڈپٹ کر واپس کر دیا۔ جب زبیدی نے ان لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو مایوس ہو کر وہ صبح کو سورج طلوع ہونے کے وقت ابو قبیس نامی پہاڑ پر چڑھا جبکہ قریش اپنے مکانوں کے اندر ہی تھے۔ وہاں چڑھ کر اس شخص نے بہت بلند آواز سے شعر پڑھے۔

یَا آلَ فِهْرٍ لِمَظْلُوْمٍ بِضَاعَتُهٗ
بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِي الدَّارِ وَالْقَفَرِ

ترجمہ:۔ اے فہر کی اولاد ایک مظلوم کی مدد کرو جو اپنے گھر اور وطن سے دور ہے اور جس کی تمام پونجی اور سرمایہ اس وقت مکے کے اندر ہی ہے۔

وَمُحْرِمٌ اَشْعَثٌ لَمْ يَقْضِ عُمْرَتَهُ
يَا لِلرِّجَالِ وَ بَيْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ

ترجمہ :۔ ایک ایسا محرم یعنی احرام والا اور پریشان و پراگندہ حال جس نے ابھی اپنا عمرہ بھی پورا نہیں کیا۔ اور اے لوگو! جو دو پتھروں (یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم) کے درمیان میں ہے۔

اِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ مَكَارِمُهُ
وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغَدَرِ

ترجمہ :۔ عزت و احترام صرف اس کا ہی کیا جائے گا جو شرافت و اخلاق کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ (محض حرم میں ہونے کی وجہ سے) اس شخص کا احترام ہرگز نہیں کیا جائے گا جس نے گناہوں اور بے حیائی کا جامہ پہن رکھا ہو۔

(اس زبیدی شخص کی یہ فریاد سن کر زبیر ابن عبدالمطلب پر بہت اثر ہوا اور وہ عبداللہ ابن جدعان اس معاملے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حلف فضول کی داغ بیل ڈالی) جیسا کہ بیان ہوا اور پھر ان کے پاس قریش کے دوسرے سردار جمع ہوئے۔ جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس زبیدی کے معاملے میں اس کی فریاد سن کر عباسؓ اور ابوسفیانؓ اٹھے تھے اور انہوں نے عہد اور حلف کیا تھا کہ وہ دونوں ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کے لئے ایک جان ہو کر کوشش کریں گے یہاں تک کہ مظلوم کو اس کا حق رسانیت سے یا زور بازو سے دلا دیں۔ اس کے بعد یہ دونوں عاص ابن وائل کے پاس پہنچے اور اس سے زبیدی شخص کا مال نکلوا کر واپس اس کو دلوا دیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کا ایک شخص ایک دفعہ مکے آیا۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حلف فضول کا عہد نامہ طے ہو چکا تھا) یہ شخص عمرہ کرنے یا حج کرنے کے لئے آیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی تھی۔ مکے میں ایک شخص نُبَیْہ ابن حجّاج نے اس لڑکی کو دیکھ تو اس کے باپ سے چھین کر اپنے ساتھ لے گیا۔ (اس خثعمی شخص نے ہر طرف فریاد کی تو) اس سے کہا گیا کہ تم حلف فضول والوں سے جا کر فریاد کرو۔ یہ شخص فوراً کعبہ کے پاس جا کھڑا ہوا اور وہاں اس نے دہائی دی۔

"اے حلف فضول والو!"

اس فریاد کو سنتے ہی ہر طرف سے لوگ دوڑ دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی تلواریں کھینچ لیں۔

"تمہارے لئے مدد آگئی۔ تمہیں کیا حادثہ پیش آیا......"؟

"اس نے کہا کہ نُبَیْہ نے میری بیٹی کے معاملے میں مجھ پر ظلم کیا ہے اور اسے مجھ سے زبردستی چھین کر لے گیا ہے۔ یہ سنتے ہی یہ سب لوگ فوراً نُبَیْہ کے مکان پر پہنچے اور اس کے مکان کے دروازے پر جا کر اسے بلایا۔ نُبَیْہ جب باہر آیا تو ان لوگوں نے اس سے کہا۔

"لڑکی کو باہر نکالو۔ تمہارا برا ہو تم نہیں جانتے ہم کون ہیں اور ہم نے کیا عہد کیا ہے"!

نبیہ نے کہا۔

"میں لڑکی کو واپس کروں گا مگر آج کی رات مجھے اس کے ساتھ گزارنے دو"۔

حلف فضول والوں نے کہا ہرگز نہیں! ہم ایک گھڑی کے لئے بھی لڑکی کو تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے۔"

آخر نُبَیہؔ نے لڑکی کو نکالا اور اس کے باپ کو واپس کر دیا۔

**حلف فضول کی اہمیت**...... اسی عہد کے متعلق سیرت دمیاطی میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ اور ولید ابن عتبہ ابن ابو سفیان کے درمیان ایک مال کے سلسلے میں جھگڑا تھا یہ حضرت حسینؓ کا مال تھا حضرت حسینؓ نے ولید سے کہا۔

"میں اللہ کے نام پر حلف لے کر کہتا ہوں کہ یا تو تم میرے حق کے سلسلے میں میرے ساتھ انصاف کرو ورنہ میں اپنی تلوار لے کر مسجد رسول ﷺ میں کھڑا ہوں گا اور حلف فضول کے لئے لوگوں کو دعوت دوں گا"۔

"(ی) یعنی ایسے عہد کے لئے لوگوں کو دعوت دوں گا جیسا کہ حلف فضول تھا۔ "اور وہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کا عہد ہے"۔

حضرت حسینؓ کی اس بات پر بہت سے لوگوں نے رضامندی کا اظہار کیا جن میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی تھے کیونکہ وہ اس وقت تک مدینے ہی میں تھے۔ جب ولید ابن عتبہ کو یہ معلوم ہوا (کہ حضرت حسینؓ کی بات پر بہت سے لوگوں نے رضامندی ظاہر کر دی ہے جن میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی ہیں تو) اس نے حضرت حسینؓ کے حق کے سلسلے میں ان کے ساتھ انصاف کر دیا جس سے حضرت حسینؓ بھی راضی ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

# باب پانزدھم (۱۵)

## ملک شام کا دوسرا سفر!

آپ کا یہ دوسرا سفر حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں چھ قول ہیں جن میں سے سب سے زیادہ صحیح قول یہی پچیس سال کا ہے جس پر عام علماء کا اتفاق ہے۔ دوسرے قول کمزور ہیں جن کی پشت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس وقت مکے میں آنحضرت ﷺ کو لوگ "امین" کے سوا کسی نام سے نہیں پکارتے تھے (جس کے معنی ہیں امانت دار) آپ ﷺ کا یہ لقب آپ ﷺ کی ان پاک خصلتوں کی بناء پر پڑ گیا تھا جن کا پچھلے صفحات میں بیان گزر چکا ہے۔

سفر کا سبب...... آنحضرت ﷺ کے اس سفر کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ سے کہا :۔

اے بھتیجے! میں ایک بہت غریب آدمی ہوں لور قحط سالی کی وجہ سے وقت لور زیادہ سخت آپڑا ہے لور کافی عرصہ سے یہ خشک سالی اور قحط کا دور چل رہا ہے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے جس سے اس وقت میں ہم کام چلا سکیں اور نہ کوئی ہماری تجارت ہی ہے۔"

(اس وقت حضرت خدیجہؓ کا لونٹوں پر ایک تجارتی قافلہ ملک شام جانے والا تھا۔ حضرت خدیجہؓ ایک معزز و شریف لور بہت دولت مند خاتون تھیں۔ ابو طالب نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے کہا :۔

"یہ تمہاری قوم کا ایک تجارتی قافلہ ہے جو، اب ملک شام کو جانے والا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد اپنے تجارتی قافلوں میں تمہاری قوم کے آدمیوں کو بھیجا کرتی ہیں، جو ان کے مال میں اجرت پر معاملہ کر لیتے ہیں لور فائدہ اٹھاتے ہیں اگر تم ان کے پاس جاؤ لور اپنی خدمات پیش کرو تو وہ یقیناً تمہاری پیشکش کو قبول کر لیں گے لور دوسروں پر تمہیں فوقیت دیں گی کیونکہ ان تک تمہاری پاکبازی کے واقعات پہنچے ہیں۔ اگرچہ میں اسے پسند نہیں

کرتا کہ تم ملک شام جاؤ کیونکہ میں یہودیوں کی طرف سے تمہاری متعلق ڈرتا ہوں، لیکن ساتھ ہی تمہارے لئے میرے نزدیک اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ممکن ہے وہ یعنی خدیجہؓ خود ہی اس سلسلے میں میرے پاس کسی کو بھیجیں (کیونکہ حضرت خدیجہؓ کو اس وقت اپنی تجارت کے لئے کسی معتمد اور معتبر آدمی کی ضرورت تھی اور یہ بات سب جانتے تھے کہ اس وقت مکے میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ شریف، پاکباز، امانت دار، قابل اعتبار اور سمجھدار انسان دوسرا کوئی نہیں تھا۔ مگر ابو طالب اس وقت بہت پریشان حال تھے اس لئے) انہوں نے کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے سوا کسی دوسرے سے معاملہ نہ کرلیں اور پھر تمہارے لئے دوڑ دھوپ کرنی پڑے"۔

(مگر آنحضرت ﷺ کو اطمینان تھا کہ حضرت خدیجہؓ خود ہی آپ ﷺ کو بلوائیں گی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا)۔ اس کے بعد ابو طالب آپ کے پاس سے اٹھ گئے۔ اب حضرت خدیجہؓ کو کسی ذریعہ سے یہ گفتگو معلوم ہوگئی جو آنحضرت ﷺ سے ابو طالب نے کی تھی۔ انہوں نے یہ خبر سن کر کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کا ایسا ارادہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور آپ ﷺ سے کہا۔

"میں نے آپ ﷺ کی سچائی، امانت داری اور نیک اخلاق کے متعلق سنا ہے اور اسی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو بلوایا ہے۔ میں آپ ﷺ کو اس اجرت کا دوگنا دوں گی جو میں آپ کی قوم کے دوسرے آدمیوں کو دیتی ہوں"۔

آنحضرت ﷺ نے اس کو منظور فرمالیا۔ پھر آپ اپنے چچا ابو طالب سے ملے اور ان کو یہ بات بتلائی ابو طالب نے یہ سن کر کہا۔

"یہ روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمائی ہے"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کے لئے روانہ ہوگئے روانگی کے وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ سے کہا۔

"ان کی کسی معاملہ میں نافرمانی مت کرنا اور ان کی رائے سے کبھی اختلاف نہ کرنا"۔

ادھر قافلے کی روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ کے سب چچا قافلے والوں کو آنحضرت ﷺ کی خبر گیری کے متعلق ہدایت کرنے لگے (کیونکہ ذمہ داری کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ پہلا سفر تھا۔)

**نسطورا راہب کا واقعہ**...... آنحضرت ﷺ کی روانگی کے ساتھ ہی آپ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک بدلی نے آپ ﷺ کے اوپر سایہ کرلیا (اور آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ جب آنحضرت ﷺ شام پہنچے تو آپ بصریٰ شہر کے بازار میں ایک درخت کے سائے میں اترے۔ یہ درخت ایک عیسائی راہب کی خانقاہ کے پاس تھا۔ اس راہب کا نام نسطورا تھا۔ یہ راہب نسطورا کو جانتا تھا (جب اس نے میسرہ کو دیکھا تو) وہ خانقاہ سے نکل کر آیا (ادھر اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا جو درخت کے نیچے آکر ٹھہرے تھے) اس نے میسرہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھا۔

"میسرہ! یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے آکر اترا ہے"؟

میسرہ نے بتلایا کہ یہ ایک قریشی شخص ہیں اور حرم والوں سے ہیں۔ یہ سن کر راہب بولا

"اس درخت کے نیچے نبی ﷺ کے سوا کبھی کوئی آدمی نہیں بیٹھا۔"

"(ی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ہمیشہ اس سے بچایا ہے کہ اس کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا شخص بیٹھے کے اس کے بعد اس۔ ز میسرہ سے پوچھا۔

"کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے"؟

میسرہ نے کہا

"ہاں! اور یہ سرخی کبھی نہیں جاتی۔" اب نسطورا راہب نے کہا۔

"یہ وہی ہیں۔ یہ آخری پیغمبر ہیں۔ کاش میں وہ زمانہ پاسکتا جب ان کو ظہور کا حکم ملے گا۔ یعنی جب انہیں نبوت ملے گی"۔

اب میسرہ نے بھی اس پر غور کیا۔ (ی) آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں جو سرخی تھی وہ سفید ڈھیلے میں تھی جس کو شُکلہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارکہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ اَشکَلُ الْعَیْنَیْنِ تھے۔ یعنی ایسی آنکھوں والے تھے جن میں سفیدی مائل سرخی تھی۔ یہ سرخی یعنی شکلہ قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر ذکر ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

نبوت کی تصدیق...... (قال) نسطورا راہب کا یہ واقعہ علامہ نیشاپوری کی کتاب شرف میں اس طرح ہے کہ "جب راہب نے دیکھا کہ ایک بدلی آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہے تو وہ ڈر گیا اور اس نے (قافلے والوں سے) کہا کہ تم ان کے کیا ہو_ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کہتے ہیں کہ پھر وہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کے سر اور آپ کے قدموں کو بوسہ دے کر کہنے لگا۔

میں آپ ﷺ پر ایمان لایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تورات میں ذکر فرمایا ہے اس کے بعد اس نے کہا

"اے محمد ﷺ! میں نے تم میں تمام نشانیاں دیکھ لی ہیں۔ (ی) یعنی وہ تمام نشانیاں جو قدیم کتابوں میں آپ ﷺ کی نبوت کی علامتوں کے طور پر ذکر ہیں صرف ایک نشانی دیکھنی باقی رہ گئی۔ اس لئے آپ مجھے اپنا مونڈھا کھول کر دکھا دیجئے"۔

آنحضرت ﷺ نے اس کے سامنے اپنا شانہ مبارک کھولا تو راہب نے دیکھا کہ وہاں مہر نبوت جگمگا رہی تھی۔ راہب فوراً یہ کہتے ہوئے اس مہر نبوت کو چومنے کے لئے جھکا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اُمّیؐ ہیں جن کے متعلق حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے خوش خبری دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ۔ میرے بعد اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے اس پیغمبر کے جو اُمّیؐ (یعنی اَن پڑھ) ہاشمی، عربی اور مکی (یعنی مکے کا رہنے والا) ہوگا (قیامت میں) حوض کوثر والا، شفاعت والا اور لواء حمد (یعنی علمبردار) ہوگا"۔

(علامہ نیشاپوری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسطورا راہب مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ کتاب نور میں ہے کہ۔ مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس نسطورا راہب کو صحابہ میں شمار کرتا ہو جس طرح کہ بعض علماء نے بحیراء راہب کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے جبکہ مناسب یہ

معلوم ہوتا ہے کہ نسطورا راہب بھی اسی جیسا ہو۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

بحیراء اور نسطورا راہب اہل فترت میں سے ہیں...... اس سے پیچھے کہا گیا تھا کہ آگے بیان آرہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ بحیراء اور نسطورا اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے (آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے) اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں، وہ اہل فترت میں سے ہیں اہل اسلام میں سے نہیں ہیں چہ جائے کہ ان کو صحابی کہا جائے اس لئے کہ مسلمان اس کو کہا جائے گا جس نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار اس رسالت کے مل جانے کے بعد کیا ہو۔ اس کی مزید تفصیل آگے بیان ہوگی۔

غرض اسی بنا پر علامہ حافظ ابن حجرؒ نے کتاب اصابہ میں لکھا ہے کہ جن کتابوں میں بحیراء کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ صحابی کا جو مطلب ہے وہ بحیراء پر پورا نہیں اترتا۔ صحابی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو اور ایمان پر ہی مرا ہو۔ پھر علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میں نے مسلمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ صحابی کی تعریف سے نکل گئے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر آپ ﷺ کے ظہور سے پہلے ایمان لائے ہوں جیسا کہ یہ شخص یعنی بحیراء راہب ہے (کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھنے کے بعد آپ میں نبوت کی علامتیں پہچان لیں اور آپ پر ایمان لایا مگر اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ کا ظہور نہیں ہوا تھا اور آپ کے ظہور سے پہلے کسی بھی آدمی کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ مسلم کے معنی ہیں اسلام والا۔ جبکہ آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے اسلام تھا ہی نہیں۔ اس لئے بحیراء نے اگرچہ آپ کی رسالت کی تصدیق کی مگر اس کو مسلمان بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائے کہ صحابی کہا جائے۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔ اس سے علامہ ابن حجرؒ کی مراد بھی وہی ہے جس کو ہم نے پچھلی سطروں میں بیان کیا (کہ بحیراء اور نسطورا راہب وغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا بلکہ نبوت سے پہلے آپ کی زیارت کی اور آپ کی نبوت رسالت کی تصدیق کی وہ اہل اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل فترت میں سے ہیں۔ اہل فترت کی تعریف اور ان کے انجام کے متعلق تفصیل سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے)

یہ نسطورا راہب شاید وہی ہے جس کی طرف عیسائیوں کے ایک فرقہ نسطوریہ نسب ہے۔ کیونکہ عیسائیوں میں تین فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی نسطوریہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ دوسرا فرقہ یعقوقیہ کہلاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) عیسیٰؑ خود اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو زمین پر اترے اور اس کے بعد واپس آسمان پر چلے گئے۔ تیسرا فرقہ ملکانیہ کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی ہیں۔ بعض علماء نے ان میں چوتھے فرقے کا بھی اضافہ کیا ہے جس کا نام اسرائیلیہ ہے۔ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ بھی (نعوذ باللہ) معبود ہیں، ان کی والدہ بھی معبود ہیں اور اللہ تعالیٰ معبود ہیں۔

لیکن کتاب قاموس میں کہا گیا ہے کہ :۔ نسطوریہ (ن پر پیش کے ساتھ بھی اور زبر کے ساتھ بھی) عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو اپنے عقیدوں میں بقیہ عیسائیوں سے مختلف ہیں۔ یہ فرقہ نسطورا حکیم کے پیروؤں کا ہے جو خلیفہ ماموں رشید کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا اور جس نے اپنی مرضی کے مطابق انجیل میں تبدیلیاں کی تھیں۔ یہ کہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی تین اصلیں (یعنی روپ ہیں)۔ ایک اللہ تعالیٰ خود، دوسرے روح القدس اور تیسرے عیسیٰؑ۔ جن کو اس طرح بھی کہا جاتا ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس) نسطورا کو رومی زبان

میں نسطورس کہاجاتا ہے۔

(عیسائیوں کے یہ تین فرقے اسی طرح ہیں) جیسے یہودی تین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے تین فرقوں کے نام یہ ہیں قرائیہ، ربانیہ اور سامریہ (یہودیوں کے فرقوں کے بارے میں تاریخ ابوالفداء میں اس طرح ہے کہ۔ یہودی بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے ایک فرقہ کا نام ربانیہ ہے جو ایسا ہے جیسے کہ مسلمانوں میں معتزلہ کا فرقہ ہے۔ دوسرا فرقہ قرائین کا ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ہمارے میں مُجبرہ کا فرقہ ہے۔ تیسرا فرقہ عانانیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ ایک شخص عانان کی طرف منسوب ہے۔ وغیرہ پھر ایک فرقہ سمرہ ہے۔ ایک فرقہ دستانیہ ہے جس کو فانیہ بھی کہا جاتا ہے اور ایک فرقہ ...... شانیہ کہلاتا ہے تاریخ ابوالفداء جزاول ص ۸۸)

گذشتہ روایتوں میں اس درخت کے متعلق کہا گیا ہے جو نسطورا راہب کی خانقاہ کے پاس تھا کہ اس کے نیچے نبی کے سوا "کبھی" کوئی نہیں بیٹھا۔ اس کے متعلق کتاب قاموس میں ہے کہ) یہ بات واضح رہے کہ اس درخت کا اتنے لمبے زمانے تک باقی رہنا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے سے بھی پہلے سے موجود اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانے تک باقی رہے اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے، پھر اسی طرح پیغمبروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اس کے نیچے نہ بیٹھنا جو گذشتہ روایتوں کی بنیاد پر حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے زمانوں کے درمیان ظاہر ہوئے ہیں (جیسا کہ سیرت حلبیہ اردو کے پچھلے ابواب میں بیان ہوا ہے) جیسا کہ پہلی اور دوسری دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات ممکن ہے اگرچہ عام عادت کے مطابق ایک درخت اتنے طویل زمانے تک باقی نہیں رہتا۔ ایسے ہی یہ بات بھی قیاس سے بعید ہے کہ اتنے زمانے تک درخت خالی رہے اور اس کے نیچے، نبیوں کے سوا دوسرے لوگ نہ بیٹھیں تو گویا یہ بات ممکن ہونے کے باوجود خرق عادت یعنی عام عادت کے خلاف ایک انوکھی چیز ہے لیکن پیغمبروں کے لئے خرق عادت ظاہر ہوتے ہی ہیں (جن کو معجزہ کہا جاتا ہے) خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے خرق عادت یعنی عام عادت کے خلاف بہت سی چیزیں ظاہر ہوئی ہیں۔ (جہاں تک یہ سوال ہے کہ درخت کی اتنی طویل عمر نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ آج ماہرین نے سائنسی تحقیقات کے ذریعہ بہت سے ایسے درخت دریافت کر لئے ہیں جن کی عمر ہزاروں سال ہوتی ہے۔ امریکہ میں ایک درخت موجود ہے جس کی عمر ڈھائی ہزار سال تک بتلائی جاتی ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان تو تقریباً پانچ سو سال کا ہی فرق ہے اور جیسا کہ آگے ایک قول سے اس کی تردید بھی ہو رہی ہے۔ بہر حال قاموس کے اس بیان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس روایت کو درست مان لینا ممکن ہے اگرچہ یہ بات عادت کے خلاف ہے)

لیکن اس بحث سے علامہ سہیلی کا وہ قول غلط ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے اس روایت کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس گھڑی اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرا۔ وہ کہتے ہیں روایت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی دوسرا نہیں بیٹھا (کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے تو اس میں یہ اشکال ہے کہ) حضرت عیسیٰؑ سے پہلے نبیوں کے درمیان بڑی لمبی لمبی مدتیں ہوئی ہیں۔ اور اگر روایت میں "کبھی" کا لفظ درست بھی ہو تو مطلب یہی ہوگا کہ اس کے ذریعہ انکار میں تاکید پیدا کرنا مقصود ہے (یعنی اس وقت اس درخت کے نیچے جو بیٹھے ہوئے ہیں وہ نبی کے سوا ہر گز کوئی نہیں ہیں) کیونکہ اول تو کوئی درخت بھی عام عادت کے لحاظ سے اتنی لمبی عمر والا نہیں ہوتا (اور پھر یہاں تک کہ اس کی اتنی لمبی عمر ہونے کے ساتھ ساتھ) یہ بھی معلوم

ہو جائے کہ اس کے نیچے سوائے حضرت عیسیٰؑ یا نبیوں میں ان کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھا۔ (دوسرے اگر درخت کی اتنی لمبی عمر مان بھی لی جائے تو یہ بات بھی عام عادت کے خلاف ہے کہ ایک درخت مسلسل خالی رہے اور اس کے نیچے کوئی نہ بیٹھے یہاں تک کہ کوئی نبی ہی آئے (جو اس کے نیچے بیٹھے۔ غرض علامہ سہیلی اس بات کو قبول نہیں کرتے جو نسطورا راہب نے کہی بلکہ وہ اس قول کے دوسرے معنی مراد لیتے ہیں جو بیان کئے گئے۔ اور یہی بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو سیرت ابن ہشام کے حاشیہ میں بھی نقل کیا گیا ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ درخت زیتون کا رہا ہو۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ زیتون کے درخت کی عمر تین ہزار سال تک ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک خشک درخت کے نیچے اترے جس کی لکڑیاں سوکھ کر بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ جب آپ ﷺ اس کے نیچے آرام سے بیٹھ گئے تو اچانک وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اس میں کونپلیں پھوٹ آئیں، کلیاں ظاہر ہونے لگیں اور اس کی شاخیں لٹک کر آنحضرت ﷺ پر لہرانے لگیں۔

**معجزہ اور کرامت کا فرق**...... بعض علماء کا قول ہے کہ سب محققین اس بات پر متفق ہیں کہ تمام وہ عجیب چیزیں جو نبیوں سے معجزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اولیاء کرام سے ویسی ہی چیزیں اس شرط کے ساتھ کرامت بن کر ظاہر ہوتی ہیں کہ ان کے لئے انہوں نے دعویٰ اور چیلنج نہ کیا ہو (یعنی اولیاء کرام سے ایسی عجیب اور عام عادت کے خلاف کرامتیں صادر ہو سکتی ہیں لیکن وہ ان کی طرف سے بغیر کسی دعوے اور چیلنج کے ہی ظاہر ہو سکتی ہیں) جبکہ معجزات میں انبیاء کو دعوے اور چیلنج کا بھی اختیار ہوتا ہے جبکہ وہ نبوت مل جانے کے بعد کیا گیا ہو۔ (تو گویا نبوت مل جانے کے بعد ایک نبی کے ہاتھ پر جو عجائبات ظاہر ہوں وہ تو معجزات کہلاتے ہیں) لیکن وہ غیر معمولی باتیں جو نبی کے زمانے کے قریب ظاہر ہوتی ہیں ان کو "ارہاص" یعنی عجوبہ کہا جاتا ہے (کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی نبی کا زمانہ جب قریب ہو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ غیر معمولی واقعات اس ہونے والے نبی کے ہاتھ پر یا دوسروں کے ذریعہ اچانک ظاہر ہوتے ہیں ان ہی عجوبوں کو ارہاص کہا جاتا ہے) چنانچہ یہ واقعہ بھی غیر ممکن نہیں ہے جس کو شیخ رسلانؒ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (نبوت سے پہلے) جب بھی کسی ایسے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھتے جو خشک اور مردہ ہو چکا ہو تو وہ اسی وقت سرسبز اور ہرا ابھرا ہو جاتا تھا اور اس پر پھل آنے لگتے تھے۔ غزوۂ خندق کے بیان میں (معجزات اور کرامات کے متعلق) آئے گا کہ اولیاء کرام کی جو کرامتیں ہوتی ہیں وہ وہی ہوتی ہیں جو ان کے نبیوں کے ہاتھوں پر معجزات کی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں۔

(اس درمیان) تفصیل کے بعد اس پہلی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نسطورا راہب کی خانقاہ کے پاس والے درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ اسی وقت نسطورا راہب جو میسرہ کو جانتا تھا اپنی خانقاہ سے باہر آکھڑا ہوا اور میسرہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھنے لگا کہ یہ درخت کے نیچے اترنے والا کون شخص ہے۔ اور جب میسرہ نے کہا کہ یہ ایک قریشی ہیں تو اس نے کہا کہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں اترا۔ یہ باتیں راہب نے اپنی خانقاہ کے باہر کھڑے کھڑے کی تھیں۔ یہ خانقاہ کسی قدر اونچائی پر تھی۔ غرض راہب نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پر ایک بدلی سایہ کئے ہوئے ہے تو وہ بے اختیار اپنی خانقاہ سے نیچے اتر آیا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھنے لگا۔

"لات اور عزیٰ کی قسم! بتاؤ تمہارا نام کیا ہے"؟

آپ ﷺ نے راہب کو اپنے قریب بڑھتے دیکھا تو اسے روکتے ہوئے فرمایا کہ ہٹو میرے قریب مت آؤ۔ مگر راہب نے ایک تحریر نکالی اور اسے دیکھنے لگا۔ پھر خود ہی کہنے لگا کہ یہ وہی ہیں تورات والے کی قسم......!"

(ادھر آنحضرت ﷺ کے قافلے کے دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا کہ راہب تیزی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرف آرہا ہے) انہیں خیال ہوا کہ یہ کسی بری نیت سے آرہا ہے اس لئے ان میں سے کسی نے ایک دم تلوار سونت لی اور چلاّنے لگا یا آلِ غالب ......یا آلِ غالب ......اس پکار کو سنتے ہی چاروں طرف سے قافلے کے لوگ دوڑے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات پیش آگئی۔ ادھر راہب نے جو یہ صورت حال اور ان لوگوں کے تیور دیکھے تو وہ تیزی کے ساتھ اپنی خانقاہ کی طرف دوڑا اور اس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر وہ ایک کھڑکی میں سے سامنے آیا اور بولا۔

"اے قوم! تم لوگ میری طرف سے کس بات سے ڈر گئے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھادیا کہ میں اس تحریر میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں کہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص رب العالمین کا پیغمبر یعنی رسول اللہ ﷺ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ننگی تلوار اور زبردست امداد کے ساتھ ظاہر فرمائیں گے۔

یہ خاتم النبیین ہیں (کہ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے) اب جو شخص ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا"۔

(غرض اس واقعہ کے بعد) آنحضرت ﷺ بصریٰ کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں وہ مال فروخت کیا جو آپ ﷺ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ (ضرورت کی) چیزیں خریدیں۔

**بازار بصریٰ میں نبوت کی تصدیق**......(قال) علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ میں اس سے واقف نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں کیا سامان فروخت کیا اور کیا خریدا۔

(اسی خرید و فروخت کے دوران) ایک شخص کا آنحضرت ﷺ سے کسی چیز پر اختلاف ہو گیا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ لات اور عُزّیٰ کے نام پر حلف اٹھاؤ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان بتوں کے نام پر کبھی حلف نہیں کیا۔ (یہ شخص شاید کوئی عالم رہا ہوگا آنحضرت ﷺ کو پہچان گیا اور بولا) کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد وہ میسرہ سے علیحدگی میں ملا اور کہنے لگا۔)

"میسرہ! یہ شخص نبی ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں"۔

میسرہ نے اس کی اس بات کو قبول کیا۔

**آنحضرت ﷺ کی برکات**......(ی) بصریٰ پہنچنے سے پہلے راستے میں (ایک واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ) حضرت خدیجہؓ کے اونٹوں میں سے دو اونٹ بہت زیادہ تھک گئے (اور چلنے کے قابل نہ رہے) جس کی وجہ سے میسرہ بھی ان دونوں اونٹوں کے ساتھ قافلے سے پیچھے رہ گیا جبکہ آنحضرت ﷺ قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ کو اپنے اور ان دونوں اونٹوں کے متعلق فکر ہوا اس لئے وہ بھاگتا ہوا قافلے کے اگلے حصہ میں پہنچا اور آنحضرت ﷺ کو اس پریشانی کی خبر دی۔ آنحضرت ﷺ اس کے ساتھ ان اونٹوں کے پاس تشریف لائے اور

ان کی کمر کے پچھلے حصے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ان پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔(اس کا اثر یہ ہوا کہ اونٹ اسی گھڑی بالکل ٹھیک ہو گئے اور اتنا تیز چلنے کہ پھر قافلے کے اگلے حصہ میں پہنچ گئے اور (چلنے میں اپنی چستی اور جوش کا اظہار کرنے کے لئے) منہ سے آواز نکالتے جاتے تھے۔

(قال) کتاب شرف میں ہے کہ:۔ آنحضرت ﷺ کے اس قافلے نے اپنا مال فروخت کیا اور اتنا نفع کمایا کہ اس سے پہلے اتنا نفع کبھی نہیں کما سکے تھے۔چنانچہ میسرہ نے آپ ﷺ سے کہا۔

"اے محمد (ﷺ) ہم چالیس سال سے خدیجہؓ کے لئے تجارت کر رہے ہیں مگر اتنا زبردست نفع ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوا جتنا آپ ﷺ کے ذریعہ ہوا ہے"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: میسرہ کا جو یہ قول ہے کہ۔ ہم چالیس سال سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں۔اس میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے (یعنی چالیس سال یا اس سے بھی کم تو حضرت خدیجہؓ کی اس وقت عمر ہی بتلائی گئی ہے اس لئے میسرہ کا) یہ قول غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ورنہ پھر اس سے مبالغہ کرنا مقصود ہے (کہ رہے ہم برسوں سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں) واللہ اعلم۔

غرض اس تجارت سے فارغ ہو کر یہ قافلے مکے کی طرف واپس روانہ ہوا۔اس دوران میں میسرہ دیکھتا تھا کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا تھا اور گرمی اپنے شباب پر ہوتی اور آنحضرت ﷺ اپنے اونٹ پر ہوتے تو دو فرشتے دھوپ سے بچاؤ کے لئے آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے رہتے تھے۔

کتاب خصائص صغریٰ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ سفر کے دوران آپ ﷺ پر فرشتے سایہ کئے رہتے تھے (یعنی خصائص صغریٰ کے اس قول میں اس سفر کا یہی واقعہ مراد ہے) مگر یہ بھی ممکن ہے مراد یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کے ہر سفر میں آپ کی یہ خصوصیت تھی۔مگر میں کسی ایسی روایت سے واقف نہیں کہ اس سفر کے علاوہ آپ ﷺ کے کسی دوسرے سفر میں بھی فرشتوں نے آپ ﷺ پر سایہ کیا ہو۔(ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ ممکن ہے فرشتے سے مراد وہی بدلی ہو جو آپ پر سایہ فگن رہتی تھی)۔

اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ محبت ڈال دی تھی (کیونکہ اس سفر میں اس نے آپ کی شرافت، نیکی، سچائی، ایمانداری اور خوش اخلاقی دیکھی تھی جس نے اس کا دل موہ لیا تھا) چنانچہ اب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میسرہ خود آنحضرت ﷺ کا ہی غلام ہو۔

(غرض واپسی کے اس سفر میں جب یہ قافلہ مرظہران کے مقام پر پہنچا جو مکے اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے اور جس کو عام طور پر بطن مرو کہا جاتا تھا اور اب وادیٔ فاطمہ کے نام سے مشہور ہے تو میسرہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"کیا آپ اسے پسند فرمائیں گے کہ آپ خدیجہ کے پاس ہم سے پہلے پہنچ جائیں اور ان کو سب حالات بتلائیں (کہ اس دفعہ تجارت میں کتنا غیر معمولی نفع ہوا ہے! ممکن ہے یہ سن کر وہ آپ کی اجرت میں اضافہ کریں اور دو جوان اونٹنیوں کے بجائے آپ کو تین اونٹنیاں دیں"۔

(ی) ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (: آپ مجھ سے پہلے خدیجہ کے پاس پہنچ کر) ان کو بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں کتنا زبردست فائدہ عطا فرمایا ہے"۔

**شان رسالت کا مشاہدہ**...... (آنحضرت ﷺ نے میسرہ کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور) آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر (مر ظہران سے) آگے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ دوپہر کے وقت مکے میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے مکان کے بالائی حصے میں ایک کھڑکی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ مکے میں داخل ہوئے تو انہوں نے (دور سے آپ کو) دیکھا۔ آپ ﷺ اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ منظر اپنے ساتھ کی دوسری عورتوں کو بھی دیکھایا وہ سب بھی یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

آخر رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور انہیں تجارت میں منافع وغیرہ کا حال بتلایا جو اس نفع سے دوگنا تھا جو حضرت خدیجہؓ کو ہمیشہ حاصل ہوا کرتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ اس فائدہ سے بہت خوش اور مسرور ہوئیں۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ میسرہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنگل میں پیچھے چھوڑا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا:۔

"اس کے پاس فوراً جائیے تاکہ وہ جلد از جلد یہاں پہنچے"۔

آنحضرت ﷺ کو فوراً ہی پھر واپس بھیجنے سے حضرت خدیجہؓ کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ آیا آپ ہی وہ شخص ہیں جنہیں (تھوڑی دیر پہلے) انہوں نے (اس نرالی شان کے ساتھ) دیکھا یا وہ کوئی اور تھا۔ (مقصد اپنے اس شوق اور خوشی کو پورا کرنا تھا جو آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر انہیں ہوئی تھی) غرض آنحضرت ﷺ پھر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور حضرت خدیجہؓ جلدی سے پھر اوپر جا کر دیکھنے لگیں۔ آنحضرت ﷺ انہیں پھر اسی شان کے ساتھ نظر آئے جیسے پہلے نظر آئے تھے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ آپ ہی تھے (جنہیں انہوں نے پہلے دیکھا تھا)۔

کچھ عرصہ بعد جب رسول اللہ ﷺ میسرہ کو لے کر تشریف لے آئے) اور وہ حضرت خدیجہ کے پاس آیا تو انہوں نے میسرہ کو اس عجیب منظر کے متعلق بتلایا جو انہوں نے دیکھا تھا۔ میسرہ نے یہ سن کر کہا۔

"میں یہ منظر اس وقت سے دیکھتا آرہا ہوں جب سے ہم ملک شام سے روانہ ہوئے ہیں۔

"آپ کی اسی خصوصیت کی طرف علامہ سہیلیؒ نے اپنے قصیدہ میں اس شعر سے اشارہ کیا ہے۔

وَمَيْسَرَةُ قَدْ عَايَنَ الْمَلَكَيْنِ اِذْ
اَظَلَّاكَ لَمَّا سِرْتَ ثَانِي سَفْرَةِ

ترجمہ:۔ جب آپ ﷺ دوسری مرتبہ ملک شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو میسرہ نے دیکھا تھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔

پھر میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو نسطور اراہب کی بات بتلائی اور اسی طرح اس دوسرے شخص کا قول بھی بتلایا جس نے ایک فروختگی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ لات اور عزیٰ کے نام پر حلف اٹھاؤ۔ اس کے بعد میسرہ نے اونٹوں کا واقعہ بتلایا (کہ کس طرح وہ تھک کر چلنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے اور پھر کس طرح آنحضرت ﷺ کے ان پر ہاتھ پھیر دینے کے بعد وہ چاق و چوبند اور چلنے میں چست ہو گئے تھے۔

(یہ سب واقعات سننے کے بعد) حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کو اجرت سے دوگنی اجرت دی جو انہوں نے آپ کے لئے طے کی تھی۔ (ی) اور جو کچھ اجرت انہوں نے آپ کے لئے پہلے طے کی تھی وہ بھی اس

اجرت سے دوگنی تھی جو وہ آپ کی قوم کے دوسرے آدمیوں کو دیا کرتی تھیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پچھلی سطروں میں میسرہ کا یہ قول گزرا ہے کہ (آپ خدیجہ کو جا کر اس زبردست منافع کا حال بتلائیے جو انہیں آپ کے ذریعہ ہوا ہے) ممکن ہے وہ آپ کو دو جوان لونٹنیوں کے بجائے تین لونٹنیاں دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کے لئے جو اجرت طے کی تھی وہ دو جوان اونٹنیاں تھیں جبکہ آپ کے علاوہ دوسروں کو وہ ایک لونٹنی اجرت میں دیا کرتی تھیں۔

تجارتی معاوضہ ...... بعض مورّخوں نے لکھا ہے :۔ کتاب روض باسم میں ذکر ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے چار جوان لونٹنیاں اجرت میں طے کی تھیں۔ کتاب جامع صغیر میں یہ ہے جسے انہوں نے قبول کیا ہے کہ ۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "میں نے دو سفروں میں خدیجہؓ کو دو جوان اونٹنیوں کے معاوضے پر اپنی خدمات پیش کیں (جامع صغیر کی اس روایت میں جوان لونٹنی کے لئے قلوص کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ گذشتہ تمام رایتوں میں جوان اونٹنی کے لئے بَکرَۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے مؤلف نے قلوص کے لفظ والی روایت کے دو سفروں کو علیحدہ دو سفر قرار دیا ہے اور بَکرَۃ کے لفظ والی روایت کو مستقل سفر قرار دیا ہے)۔ کتاب امتاع میں بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور اس کو قبول کیا گیا ہے (چنانچہ اس میں ہے کہ) "رسول اللہ ﷺ نے دو سفروں میں حضرت خدیجہؓ کو دو جوان انٹنیوں کے معاوضے میں اپنی خدمات پیش فرمائیں"۔

(یہاں دو سفر کہا گیا ہے جن میں سے ملک شام کا یہ سفر دوسرا تھا) اس سے پہلے سفر میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجا تھا۔ یہ حباشہ ملک یمن میں ایک مقام کا نام ہے اور مکے سے اس جگہ تک چھ رات کا سفر ہے (یہاں خرید و فروخت کا سالانہ بازار لگا کرتا تھا اور) جس میں ہر سال رجب کے مہینے کے شروع میں تین دن تک خریداری ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور میسری یہاں سے کپڑا خرید کر مکے واپس آئے جس میں کافی فائدہ حاصل ہوا۔ پھر دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ شام کو بھیجا۔

مگر اس میں ایک اشکال ہے کہ کتاب مستدرک میں ملک شام سے پہلے حباشہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے ایک اور سفر کا ذکر بھی ہے اور اس طرح ملک شام کو آپ ﷺ کا یہ سفر تیسرا سفر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت ہے جس کو علامہ ذہبیؒ نے بھی حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے جرش کی طرف دو سفروں میں آنحضرت ﷺ کی خدمات حاصل کیں اور دونوں مرتبہ دو دو جوان لونٹنیوں کا معاوضہ طے کیا۔ یہ جرش یمن میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اب اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے تین مرتبہ سفر فرمایا جیسا کہ بیان ہوا۔ غالباً یہ جرش کا بازار وہی حباشہ کا بازار ہوگا۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے پانچ سفر کئے۔ چار سفر تو یمن کے (جن میں سے دو بکرو تین یعنی دو جوان لونٹنیوں کے معاوضے میں حباشہ کے اور دو سفر قلوصین یعنی دو جوان لونٹنیوں کے عوض جرش کے) اور ایک سفر ملک شام کا۔ (لہٰذا جرش سے مراد حباشہ ہی ہوگی کہ اس طرح آپ ﷺ کے تین سفر ہوتے ہیں) جہاں تک کتاب روض باسم کی اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ملک شام کے سفر کے لئے چار جوان لونٹنیوں کے معاوضے میں آپ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ تو یہ روایت میسرہ کے قول کی روشنی میں غلط ہو جاتی

ہے۔ (جس میں میسرہ نے آپ سے کہا ہے کہ۔ "ممکن ہے خدیجہ آپ کو دو جوان اونٹنیوں کے بجائے تین اونٹنیاں دے دیں")۔

مگر بعض روایتوں میں یہ ہے کہ ابو طالب خود حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے۔

"کیا آپ اپنی تجارت کے سلسلے میں محمد ﷺ کی خدمات حاصل کرنا پسند کریں گی؟ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے فلاں شخص سے دو جوان اونٹنیوں (بکر تین) کے معاوضے میں معاملہ کیا ہے۔ مگر ہم محمد ﷺ کے لئے چار اونٹنیوں سے کم کے معاوضے پر راضی نہیں ہوں گے"۔

حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا۔

"اگر آپ کسی بیگانے اور برے آدمی کے لئے کہتے تب بھی آپ کو انکار نہ ہوتا اور اب جبکہ آپ ہمارے اپنے اور قریبی آدمی کے لئے کہہ رہے ہیں تو آپ کو کیسے انکار ہو سکتا ہے!"

(پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت خدیجہ کے لئے آنحضرت ﷺ کا پہلا سفر میسرہ غلام کے ساتھ حباشہ کی طرف ہوا تھا اور اس کے بعد آپ ان کی طرف سے ملک شام کو گئے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) واضح رہے یہاں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ملک شام کے سفر سے پہلے میسرہ کے ساتھ حباشہ کا سفر فرمایا تھا۔ بظاہر یہ بات ابو طالب کے ان جملوں کے انداز کے خلاف ہے جو شروع کی روایت میں بیان ہوئے کہ۔ "یہ تمہاری قوم کا تجارتی قافلہ ہے جو عنقریب ملک شام کو جانے والا ہے اس لئے اگر تم خدیجہ کے پاس جاکر ان کو اپنی خدمات پیش کرو تو ...... اور پھر حضرت خدیجہؓ کا یہ کہنا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یعنی آنحضرت ﷺ یہ چاہتے ہیں...... (کیونکہ اگر حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کو اس سے پہلے ایک دفعہ حباشہ بھیج چکی تھیں تو ابو طالب اور خود حضرت خدیجہ اس موقعہ پر اس انداز میں بات نہ کرتے۔ اس لئے کہ ان جملوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا یہ پہلا معاملہ ہوا ہے) اس کے باوجود اس اشکال کے ساتھ ہم نے "بظاہر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (ایک امکان پھر بھی یہ رہتا ہے کہ آپ پہلے حباشہ جاچکے ہوں کیونکہ) ممکن ہے ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے جو قول بیان کئے گئے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو حباشہ بھیجا ہو اس لئے کہ وہ ملک شام کے مقابلے میں قریب بھی تھا اور وقت بھی کم لگتا تھا۔ اور پھر وہاں سے آپ کی واپسی کے بعد آپ کو میسرہ ہی کے ساتھ ملک شام بھیجا ہو۔ یا ممکن ہے حضرت خدیجہؓ نے یہ خیال کیا ہو کہ شاید ابو طالب اور آنحضرت ﷺ شام کے سفر پر تیار نہ ہوں۔ (کیونکہ پہلی روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کی خود ابو طالب سے گفتگو نہیں ہوئی تھی بلکہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تجارت کے سلسلے میں بھیجنا چاہتے ہیں) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

یہ بات پچھلی سطروں میں گزری ہے کہ مکے سے آنحضرت ﷺ کی روانگی کے وقت ایک بدلی نے آنحضرت ﷺ پر سایہ کر لیا تھا۔ اب گویا جب فرشتوں نے سایہ نہیں رکھا تھا تو جاتے ہوئے تمام راستے وہ بدلی آپ پر سایہ کئے رہی اور واپسی میں فرشتوں نے سایہ کئے رکھا۔ اب میسرہ کا حضرت خدیجہ سے بدلی کے سایہ کئے رکھنے کے متعلق کچھ ذکر نہ کرنا شاید اس لئے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر غور نہ کیا ہو (جبکہ فرشتوں کو سایہ کئے دیکھنا ظاہر ہے ایسی بات نہیں کہ انسان اس کو اہمیت نہ دے) لیکن آگے قصیدہ ہمزیہ کا یہ قول آئے گا کہ وہ فرشتے ہی بدلی کی صورت میں تھے۔ (اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ پھر بدلی کو فرشتے کیسے کہا گیا ہے۔ اس کا

جواب یہ ممکن ہے کہ اس وقت تو دیکھنے والے نے بدلی کو بدلی ہی سمجھا ہو اور بعد میں آنحضرت ﷺ کے اطلاع دینے پر بدلی کے بجائے فرشتے کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ یہ فرشتے ظاہر ہے کہ جبرئیلؑ کے علاوہ دوسرے ہوں گے )لہذا اس میں یہ اشکال ہے کہ جبرئیلؑ کو تو آنحضرت ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کا دیکھنا ثابت ہے (کہ حضرت جبرئیلؑ ایک سے زائد مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس انسان کی شکل میں حاضر ہوئے اور صحابہ نے بھی ان کو دیکھا اگرچہ اس وقت وہ انہیں نہیں پہچان سکے لیکن بعد میں آنحضرت ﷺ نے انہیں خبر دی کہ یہ جبرئیلؑ تھے )مگر جبرئیلؑ کے علاوہ دوسرے فرشتوں کو عام آدمیوں کا دیکھنا اشکال کا سبب ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ صلال غزالی" کی کتاب منقذ میں ہے کہ صوفیاء اور اولیاء کرام بیداری کی حالت میں فرشتوں کو دیکھتے ہیں جس سے ان کے نفس میں پاکیزگی اور دلوں میں صفائی حاصل ہوتی ہے دنیا کے تعلقات، عزیز و اقرباء اور دولت و عزت وغیرہ کی طرف سے انکی توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ پوری طرح علمی اور عملی طور پر حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(قال)علامہ شامی کہتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ سے بصری کے بازار میں کسی فروختگی کے معاملہ پر جھگڑا کیا تھا اور آپ سے لات و عزیٰ کے نام پر حلف لینا چاہا تھا اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(اس کے بعد میسرہ غلام کے مسلمان ہونے نہ ہونے کے متعلق)علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی صحیح اور واضح روایت نہیں مل سکی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ میسرہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے زمانے تک زندہ رہا۔

**ورقہ ابن نوفل کی تصدیق نبوت**......(اس کے بعد پھر اصل واقعے کے متعلق مزید تفصیلات بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کا معاملہ آپ کی برکت اور آپ کی خصوصیات دیکھ کر حضرت خدیجہ آپ سے بہت متاثر ہو چکی تھی) چنانچہ انہوں نے آپ کی وہ نشانیاں جو خود انہوں نے دیکھی تھیں اور جو ان کے غلام میسرہ نے بتلائی تھیں وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کو بتلائیں جو اس وقت عیسائی تھا جبکہ اس سے پہلے وہ یہودی بھی رہ چکا تھا اور کتابی شریعت پر عمل کرتا تھا۔ اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔ غرض حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں سن کر اس نے کہا۔

"خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو سمجھ لو کہ محمد (ﷺ)اس امت کے نبی ہیں۔ میں یہ بات سمجھ چکا ہوں کہ وہ اس امت کے ہونے والے نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے۔ یہی ان کا زمانہ ہے"۔

**ایک شریک تجارت**......(ی)نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ اس قسم کے تجارتی معاملے فرماتے رہے تھے (چنانچہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ یہ معاملہ کرنے سے پہلے آپ ایک شخص سائب ابن ابو سائب صیفی کی تجارت میں شریک تھے۔ جب فتح مکہ کے وقت یہ سائب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہا

"میرے بھائی اور میرے شریک کو مرحبا، خوش آمدید! جس نے نہ کبھی بد معاملگی کی اور نہ کبھی جھگڑا کیا"۔

(اس روایت میں صحیح طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ نے سائب سے فرمائی تھی یا سائب نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی۔ اس کے متعلق کہتے ہیں)اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ جو اوپر بیان ہوا آنحضرت ﷺ کا ہے جو آپ نے سائب سے فرمایا مگر ہمارے فقہاء یعنی شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ سائب

ابن یزید (سائب ابن ابو سائب نہیں کہا گیا) کی یہ خبر یعنی روایت تجارت میں شرکت کے جائز ہونے کے سلسلے میں اصل ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا شرکت میں تجارت کرنا شریعت میں جائز ہے) وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے آپ کا تجارتی شریک تھا اور پھر آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد آپ کا شریک رہنے پر فخر کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔

"آنحضرت ﷺ بہت بہترین شریک تھے جو نہ بد معاملگی کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ کا نہیں بلکہ سائب کا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ اور سائب دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں یہی جملہ کہا ہو۔ دونوں صورتوں میں اس طرح موافقت پیدا کر لینے کے بعد اب کچھ علماء کا یہ قول بے معنی ہو جاتا ہے کہ اس جملے کے کہنے والے کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ نے سائب کے متعلق فرمایا تھا۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ سائب کا ہے جو اس نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہا تھا۔

(گذشتہ سطروں میں ایک جگہ سائب ابن ابو سائب کے بجائے سائب ابن یزید کہا گیا ہے اور اس کا یہی جملہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) ممکن ہے سائب ابن ابو سائب صیفی اور سائب ابن یزید دو الگ آدمی نہ ہوں بلکہ ایک ہی شخص ہو کیونکہ ہو سکتا ہے صیفی اس کے باپ کا نام و لقب ہو اور اس کا نام یزید ہو (کیونکہ ابو سائب جو اس کا لقب ہے وہ تو خود اسی بیٹے کی نسبت سے تھا جس کے معنی ہیں سائب کا باپ۔ اب گویا پورا نام اس طرح ہوگا سائب ابن "ابو سائب یزید الصیفی")

مگر اس بارے میں کتاب استیعاب میں یہ لکھا ہے کہ :۔ اس سلسلے میں شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا شریک ابو سائب یعنی سائب کا باپ تھا یا خود سائب ابن ابو سائب تھا، یا سائب کا بیٹا تھا جس کا نام قیس ابن سائب ابن ابو سائب تھا۔ یہاں سائب کا بھائی مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا نام عبداللہ ابن ابو سائب تھا۔ پھر اس کے بعد کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ اس شبہ کے متعلق کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور نہ کوئی دلیل ہی نظر آتی ہے۔

یہ سائب ان لوگوں میں سے ہے جن کی آنحضرت ﷺ نے خاطر داری فرمائی ہے چنانچہ جعرانہ کے مقام پر آپ ﷺ نے اس کو غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے کچھ عطیہ دیا تھا۔ (چونکہ غزوۂ حنین غزوۂ بدر سے کئی سال بعد پیش آیا تھا اس لئے) اس روایت سے ان لوگوں کی بات غلط ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سائب غزوۂ بدر میں کافر کی حیثیت سے مارا گیا تھا۔

(پچھلی سطروں میں کتاب استیعاب کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شریک کی حیثیت سے سائب ابن ابو سائب کے بیٹے قیس کا نام بھی آتا ہے۔) وہ روایت جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے وہ خود قیس کا یہ قول ہے کہ

"زمانۂ جاہلیت میں آنحضرت ﷺ میرے شریک تھے۔ آپ ایک بہترین شریک تھے جو نہ مجھ سے بد معاملگی کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے"۔

یہ روایت قابل غور اس لئے ہو گئی کہ اس قول کو آنحضرت ﷺ نے بھی سنا مگر اس کی تردید نہیں فرمائی۔

(اس کے بعد پھر حضرت خدیجہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو حباشہ بھیجے جانے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ) کتاب امتاع میں ہے :۔

"حباشہ کے بازار میں حکیم ابن حزام نے آنحضرت ﷺ سے تہامہ کا کپڑا خرید اور پھر اس کو لے کر مکے آئے"۔

اب گویا حضرت خدیجہ کا آنحضرت ﷺ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجنے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ وہاں سے ان کے لئے کپڑا خریدیں۔ (یعنی کپڑے کے بدلے میں کپڑا لیں)۔

کتاب سفر السعادت میں ہے کہ :۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں چیزوں کی فروختگی بھی کی ہے اور خریداری بھی۔ البتہ وحی نازل ہونے یعنی نبوت ملنے کے بعد اور ہجرت سے پہلے آپ نے خریداری زیادہ فرمائی ہے فروختگی کم (کیونکہ اس کے تجارتی سلسلہ میں خرید و فروخت نہیں فرمائی) اور ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صرف تین مرتبہ ہی کچھ فروختگی فرمائی ہے ہاں خریداریاں بہت فرمائی ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں دوسروں سے بھی اجرت پر کام لیا ہے اور خود بھی دوسروں کے لئے اجرت پر کام کیا ہے۔ لیکن دوسروں سے اجرت پر زیادہ کام لیا ہے۔ اسی طرح (مختلف معاملات میں) آپ نے دوسروں کو بھی اپنا وکیل بنایا ہے اور دوسروں کے معاملوں میں خود بھی وکیل بنے ہیں مگر زیادہ تر آپ خود ہی دوسروں کے وکیل بنے ہیں۔

# باب شانزدھم (۱۶)

## حضرت خدیجہ بنت خُوَیْلَد سے آنحضرت ﷺ کی شادی

حضرت خدیجہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد ابن اسد ابن عبد العزیٰ ابن قصیٰ۔ اس طرح ان کا سلسلہ نسب قصیٰ پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ نسب کے لحاظ سے حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے لئے قریشی عورتوں میں سب سے قریبی خاتون ہیں اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے قصیٰ کی اولاد میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت اُمّ حبیبہؓ کے سوا کسی سے شادی نہیں کی۔ یہاں تک ابن حجر کا کلام ہے۔

حضرت نفیسہ بنت مُنَیّہ سے روایت ہے۔ یہ حضرت نفیسہ، یَعْلیٰ ابن مُنَیّہ کی بہن ہیں مگر کتاب امتاع میں خود مُنَیّہ کے متعلق یہ ہے کہ وہ عورت ہیں اور یعلیٰ ابن مُنَیّہ کی بہن ہیں۔ غرض ان سے روایت ہے کہ

**ذات اقدس سے لگاؤ اور پیغام نکاح**...... حضرت خدیجہؓ ایک تندرست، تنومند اور شریف و پاکباز خاتون تھیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ عظیم مرتبہ و اعزاز بھی مقدّر تھا (کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شریک حیات اور ان کا گھر اسلام کی اولین پناہ گاہ بننے والی تھی۔ اپنے زمانے میں حضرت خدیجہؓ نسب کے لحاظ سے قریش میں سب سے زیادہ اعلیٰ اوسط، مرتبہ کے لحاظ سے سب سے اونچی دولت کے لحاظ سے سب سے زیادہ امیر اور حسن و جمال کے لحاظ سے سب سے بلند تھیں (اپنی پاکدامنی اور پاکبازی کی وجہ سے) قریش میں ان کو "طاہرہ" یعنی پاکباز کہا جاتا تھا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ ان کو سَیّدۂ قریش یعنی قریش کی سردار کہا جاتا تھا کیونکہ نسب کے معاملے میں "اوسط" ہونا بہت زیادہ تعریف اور فضیلت کی بات سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے قبیلے کا اوسط یعنی سردار ہے۔ غرض حضرت خدیجہؓ نسب کے لحاظ سے بھی سب سے برتر تھیں۔ چنانچہ ان کی قوم کا ہر شخص ان سے نکاح کا طلب گار تھا کہ اگر اس کی حیثیت ہوتی تھی تو وہ ان کی خواست گاری کرتا تھا اور ان کو اپنے مال و دولت پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر حضرت خدیجہ نے کسی کو قبول نہیں کیا۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ ان کی تجارت سے فارغ ہو کر ملک شام سے واپس تشریف لے آئے اور آپ کی عظمت اور

خصوصیات حضرت خدیجہ نے دیکھیں تو انہیں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے بہت زیادہ لگاؤ پیدا ہو گیا) چنانچہ انہوں نے مجھے خفیہ طور پر (یعنی اپنے بڑوں کو اطلاع دیئے بغیر) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا (میں آپ ﷺ کے پاس پہنچی اور) میں نے آپ سے عرض کیا۔

"اے محمد (ﷺ) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے"؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میرے پاس کیا رکھا ہے کہ جس کے بھروسے پر میں شادی کر سکوں!"

میں نے کہا

"لیکن اگر آپ کو اس کی ضرورت ہی نہ پڑے بلکہ آپ کو مال و دولت حسن و جمال، عزت اور فارغ البالی کی طرف بلایا جائے تو کیا آپ اسے مان لیں گے"؟

(یعنی اگر ایسی کوئی خاتون جس میں شرافت و پاکبازی وغیرہ وغیرہ کی یہ خصوصیات موجود ہیں اور وہ خود ہی اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں پیش کرے تو کیا آپ اس کو قبول مالیں گے)

آپ نے پوچھا "وہ کون ہیں"؟

میں نے کہا "خدیجہ ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"ان تک میری رسائی کیونکر ہو گی۔ (یعنی وہ بہت دولت مند خاتون ہیں جبکہ میں مفلس و نادار اور یتیم ہوں) میں نے کہا۔

اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔

نکاح...... اس کے بعد میں خدیجہ کے پاس گئی اور ان سے سارا حال کہہ سنایا (آنحضرت ﷺ کی رضامندی کا اندازہ کر کے) اب حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ (نکاح کے لئے) فلاں وقت تشریف لے آیئے اس کے بعد انہوں نے اپنے چچا عمرو ابن اسد کے پاس اطلاع کرائی کہ فلاں وقت آکر نکاح کر دیجئے۔ (یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حضرت خدیجہ کی تیسری شادی تھی جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔ اور اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس سال تھی) چنانچہ مقررہ وقت پر عمرو ابن اسد حضرت خدیجہ کے یہاں پہنچ گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ وہاں پہنچے اور آپ کے چچاؤں میں سے کسی نے (ی) یعنی ابو طالب نے آپ کا نکاح پڑھایا۔ انہوں نے اپنے خطبے میں کہا۔

"میرے بھتیجے کو خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ رغبت ہے اور اسی طرح خدیجہ کو بھی ان سے لگاؤ ہے"۔

اس پر عمرو ابن اسد یعنی حضرت خدیجہ کے چچا نے (آنحضرت ﷺ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) کہا۔

"یہ شریف شوہر اس کے یعنی خدیجہ جیسی شریف خاتون کے لائق ہے"۔

(یہ معنی محاورہ کے لحاظ سے ہیں۔ عربی میں یہ محاورہ ہے کہ ایک اصیل اونٹنی شہ سوار کو ہی اپنے اوپر سوار ہونے دیتی ہے۔ اگر اچھا سوار نہ ہو تو اصیل اونٹنی اس کو گرا دیتی ہے اور وہ اپنا ناک منہ توڑ بیٹھتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ شریف انسان اپنی ناک منہ نہیں توڑے گا یعنی یہ بہترین سوار ہے جو اصیل اونٹنی پر بیٹھنا جانتا ہے

اگر شوہر اور بیوی دونوں عالی نسب ہوں تو یہی محاورہ ان کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ یہ شخص اس شریف خاتون کا شوہر بننے کے لائق ہے)

نکاح خواں...... (جہاں تک ابو طالب کے نکاح پڑھانے کا تعلق ہے اس سلسلے میں) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نکاح حضرت خدیجہ کے چچا عمرو ابن اسد نے پڑھلیا تھا اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا نکاح ان کے بھائی عمرو ابن خویلد نے پڑھلیا تھا۔

مختلف تفصیلات...... مگر علامہ زہریؒ کہتے ہیں کہ نکاح پڑھانے والا حضرت خدیجہ کا باپ خُوَیْلَد ابن اسد تھا۔ یہ اس وقت نشے میں تھا۔ حضرت خدیجہ نے (ایسے موقعہ پر عرب کے دستور کے مطابق) اس پر ایک حُلّہ یعنی دوہر ڈال دی جو زعفران وغیرہ کی خوشبو سے بسائی گئی تھی۔ (یہ عرب کا دستور تھا کہ اس موقعہ پر لڑکی کے باپ کے اوپر خوشبو سے بسایا ہوا حُلّہ ڈال دیا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی) چنانچہ اس وقت جبکہ وہ نشے میں تھا حضرت خدیجہ نے اس پر خوشبو میں بسا ہوا حُلّہ ڈال دیا) جب اس کا نشہ ٹوٹا اور وہ ہوش میں آیا تو اس نے پوچھا کہ مجھ پر یہ حُلّہ اور خوشبو کیسی ہے۔ اس کو بتلایا گیا کہ تم نے اپنی بیٹی خدیجہ کو محمد (ﷺ) کے ساتھ بیاہ دیا ہے اور انہوں نے خدیجہ کے ساتھ خلوت بھی کر لی ہے۔ اس نے پہلے تو اس نکاح کو ماننے سے انکار کر دیا مگر پھر راضی ہو گیا اور در گزر کر دیا۔ (کیونکہ وہ اپنی دولت مند بیٹی کو کسی غریب آدمی سے بیاہ دینے پر راضی نہیں تھا۔ ی) حضرت خدیجہ نے پہلے ہی اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت خدیجہ نے شراب اور کھانے کا سامان تیار کر لیا اور اپنے باپ اور قریش کے دوسرے لوگوں کو دعوت دی۔ ان لوگوں نے آکر کھانا کھایا اور شراب پی جب حضرت خدیجہ کے باپ کو نشہ ہو گیا تو انہوں نے اس سے کہا:

"محمد ابن عبداللہ نے مجھ سے اپنا رشتہ دیا ہے۔ اس لئے ان سے میری شادی کر دیجئے"۔

چنانچہ خویلد نے بیٹی کی شادی کر دی جس کے بعد حضرت خدیجہ نے اس پر حُلّہ ڈال دیا اور اس کے خوشبو لگا دی) کیونکہ یہ عربوں کا دستور تھا کہ جب باپ اپنی بیٹی کی شادی کرتا تھا تو اس کو حُلّہ پہنایا جاتا تھا (جو اس بات کا اعلان ہوتا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے) چنانچہ اب، جبکہ اس کو ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ یہ سب کیا ہے حضرت خدیجہ نے کہا یہ اس لئے ہے کہ آپ نے محمد ابن عبداللہ سے میری شادی کر دی!

خویلد نے (بگڑ کر) کہا

میں تمہیں ابو طالب کے یتیم سے بیاہوں گا خدا کی قسم ہر گز نہیں......!

حضرت خدیجہ نے کہا

"کیا آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ کیا آپ قریش کے سامنے اپنا مذاق بنوانا چاہتے ہیں! کیا آپ ان کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے نشہ میں ایسا کیا ہے۔!

آخر کچھ دیر ردّ و قدح کے بعد خویلد راضی ہو گیا۔

اس روایت میں حضرت خدیجہ کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینا قریش میں بھی کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ (اگرچہ تقریباً سب ہی لوگ پیتے تھے) چنانچہ یہی بات اس روایت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں ہے کہ ان میں لوگوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے جاہلیت کے دور میں بھی اپنے اوپر شراب

حرام کرلی تھی۔ ان میں سے کچھ کے متعلق بیان گزر چکا اور کچھ لوگوں کے متعلق آگے بیان آئے گا۔

(آنحضرت ﷺ سے حضرت خدیجہ کے رشتے کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے خود اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر پیش کرتے ہوئے کہا۔

اے ابن عم! (یعنی چچا کے بیٹے!) میرے دل میں تم سے عزیزداری کے تعلق، تمہاری امانت داری، تمہاری خوش اخلاقی اور سچائی کی وجہ سے تمہارے لئے رغبت اور دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ ("یعنی میں تم سے نکاح کی خواہشمند ہوں)

آنحضرت ﷺ نے اپنے چچاؤں سے اس بات کا تذکرہ کیا (چنانچہ یہ رشتہ پسند آجانے کی وجہ سے) آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب حضرت خدیجہ کے باپ خویلد ابن اسد کے پاس گئے اور خویلد کے سامنے حضرت خدیجہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کا رشتہ پیش کیا، اس نے (اس رشتے کو پسند کر کے) حضرت خدیجہ کو آنحضرت ﷺ سے بیاہ دیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- کتاب نور میں لکھا ہے کہ (حضرت خدیجہ کے نکاح کے وقت جیسا کہ مختلف روایتوں میں ان کے باپ یا چچا یا بھائی کا نام آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) شاید اس رشتے اور نکاح کے وقت یہ تینوں موجود تھے چنانچہ روایتوں میں ان میں سے ہر ایک کے متعلق یہ کہہ دیا گیا کہ نکاح (ان تینوں میں سے) فلاں نے پڑھایا تھا۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

لیکن جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ نکاح پڑھانے والا حضرت خدیجہ کا باپ خویلد تھا یا یہ کہ وہ ان کی شادی میں موجود تھا۔ اس بارے میں کافی اشکال ہے کیونکہ علماء عام طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کا باپ خویلد ابن اسد جنگ فجار سے پہلے مر چکا تھا۔ جنگ فجار کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(حضرت خدیجہ کے باپ کے سلسلے میں) بعض علماء لکھتے ہیں کہ جب ملک یمن کے والی تُبّع نے ایک دفعہ یہ چاہا کہ حجر اسود کو حرم سے اٹھا کر یمن لے جائے تو یہ خویلد ہی اس کے آڑے آیا تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے اور بھی بہت سے آدمی مقابلے میں آگئے تھے۔ پھر خود تبّع نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ گھبرا گیا اور اس نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رہنے دیا۔

(حضرت خدیجہ کے نکاح کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حمزہ نے پڑھایا تھا مگر) یہ قول تنہا علامہ ابن ہشام کا ہی ہے جسے انہوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیس جوان اونٹ حضرت خدیجہ کو مہر میں دیئے۔

(حضرت خدیجہ کے آنحضرت ﷺ سے نکاح کے سلسلے میں تفصیل نقل کرتے ہوئے) علامہ محب طبری نے لکھا ہے کہ:-

"جب آنحضرت ﷺ نے (حضرت خدیجہ کی گفتگو اپنے چچاؤں سے ذکر کی تو وہ سب آپ کو لے کر حضرت خدیجہ کے باپ خُوَیلد کے پاس گئے ان میں حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہاں ان لوگوں نے اس کے سامنے حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کا رشتہ پیش کیا جسے اس نے منظور کر لیا۔ اس نکاح میں ابوطالب اور خاندان مضر کے سردار شریک تھے۔ ابوطالب نے خطبہ پڑھا......وغیرہ وغیرہ۔" واللہ اعلم۔

قال۔ (ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے شادی کے سلسلے میں

حضرت خدیجہ نے خود ہی بات کی تھی) چنانچہ ابن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ :-

حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا :-

"اے محمد! کیا آپ شادی نہیں کرنا چاہتے"؟

آپ ﷺ نے پوچھا۔ "وہ کون عورت ہے"!

انہوں نے کہا۔ "میں تیار ہوں!" آپ نے فرمایا

"میرا، تمہارا کیا جوڑ ہوگا۔ تم قریش کی ایک مالدار عورت ہو جبکہ میں قریش کا ایک یتیم یعنی نادار شخص ہوں!"

حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ رشتہ دیجئے۔ الحدیث

(اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو یتیم فرمایا ہے۔ لیکن یہاں اس کا مطلب نادار اور غریب ہے کیونکہ عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کو جس کا باپ فوت ہو چکا ہو اس وقت تک یتیم یعنی بے سہارا کہا جاتا ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ بالغ ہونے کے بعد اس کو یتیم نہیں کہا جاتا (کیونکہ وہ پھر بے سہارا نہیں رہتا بلکہ خود اپنا ذمہ دار ہو جاتا ہے) للذا یہاں آنحضرت ﷺ کا اپنے کو یتیم فرمانا اس معنی کے لحاظ سے ہے کہ آپ نادار تھے۔

ایک روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ راستے میں حضرت خدیجہ کی بہن کے پاس سے گزرے اس نے مجھے آواز دی۔ میں اس کی طرف گیا اور رسول اللہ ﷺ میرے انتظار میں وہیں ٹھہر گئے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ بولی :-

"کیا تمہارے یہ ساتھی خدیجہ سے شادی کی خواہش نہیں رکھتے"؟

میں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا۔ "ہاں ضرور!"

پھر میں نے آپ کا یہ جواب اس کو آکر بتلایا تو اس نے کہا۔

"تو پھر کل صبح سویرے ہمارے یہاں آجانا"۔

"چنانچہ اگلے دن ہم صبح ہی ان کے یہاں گئے تو ہم نے دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کر رکھی تھی اور حضرت خدیجہ کو حلہ پہنا رکھا تھا"۔

یہ روایت البدایہ والنہایہ میں علامہ بیہقی نے عبداللہ ابن حارث کی نقل کی ہے اور یہ واقعہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کا ہے۔ پورا واقعہ اس طرح ہے :

لوگ حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کی شادی کے معاملے میں بحثیں اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ جب عمار ابن یاسر یہ باتیں سنتے تو لوگوں سے کہتے :

"خدیجہ کے ساتھ محمد (ﷺ) کی شادی کے متعلق مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ میں ان کا بچپن کا ساتھی اور دوست ہوں۔ (اصل واقعہ یہ ہے کہ) میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا جب ہم جزورہ پر پہنچے تو ہم نے حضرت خدیجہ کی بہن کو دیکھا جو ایک چمڑے پر بیٹھی ہوئی تھی جسے وہ بیچ رہی تھیں انہوں نے مجھے دیکھ کر آواز دی۔ میں ان کی طرف چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ میرے انتظار میں وہیں ٹھہر گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا تو وہ مجھ سے کہنے لگیں :-

"کیا تمہارے یہ ساتھی خدیجہ کے ساتھ شادی کرنا پسند کریں گے"؟
عمار کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا۔
"آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں ضرور!"
میں نے حضرت خدیجہ کی بہن کے پاس آکر ان کو یہ بات بتلائی تو وہ بولیں
"کل صبح کو ہمارے یہاں آجانا"۔
چنانچہ ہم اگلے دن ان کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کی ہوئی تھی اور حضرت خدیجہ کے باپ کو حُلّہ پہنا رکھا تھا اور ان کی داڑھی کو رنگ رکھا تھا (جیسا کہ عرب میں یہ دستور تھا) میں نے حضرت خدیجہ کے بھائی سے بات کی اور پھر انہوں نے اپنے باپ یعنی حضرت خدیجہ کے باپ سے گفتگو کی۔ اس وقت حضرت خدیجہ کے باپ نے شراب پی رکھی تھی (اور نشے میں تھا) حضرت خدیجہ کے بھائی نے اس کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندانی مرتبے کے متعلق بتلایا۔ پھر میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ حضرت خدیجہ کو آنحضرت ﷺ سے بیاہ دے۔ چنانچہ اس نے یہ شادی کر دی۔ پھر ان لوگوں نے گائے کے گوشت سے کھانا تیار کیا اور ہم سب نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ کا باپ سو گیا، پھر جب وہ جاگا تو چلّانے لگا۔
یہ حُلّہ کیسا ہے......اور یہ رنگ اور کھانا کس لئے ہے..........!؟
اس پر اس کی اسی بیٹی نے جس نے عمار سے بات کی تھی، اپنے باپ کو بتلایا۔
"یہ حُلّہ آپ کو محمد ابن عبداللہ (ﷺ) نے پہنایا ہے جو آپ کے داماد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو ایک گائے ہدیہ کی تھی جسے ہم نے اس وقت ذبح کر لیا جب آپ نے ان کی خدیجہ کے ساتھ شادی کر دی"۔
اس نے اس بات سے انکار کیا کہ میں نے خدیجہ کی شادی کی ہے۔ اور چلّاتا ہوا وہاں سے نکلا یہاں تک کہ حجر اسود کے مقام پر (یعنی حرم میں پہنچ گیا۔ اسی وقت بنی ہاشم یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والے رسول اللہ ﷺ کو لئے ہوئے نکل آئے اور انہوں نے خویلد یعنی خدیجہ کے باپ سے آکر بات پوچھی۔ وہ بکنے لگا۔
"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ میں نے اس سے خدیجہ کی شادی کر دی"؟
یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے۔ جوں ہی خویلد نے آپ کو دیکھا فوراً اس نے کہا
"اگر میں نے ان ہی سے بیٹی کی شادی کی ہے تو یہ ان کے لئے بہترین آدمی ہیں۔ اور اگر میں نے اب تک نہیں کی تو میں اب ان سے اس کی شادی کرتا ہوں"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۹۵ و ۲۹۶)
کتاب امتاع میں ہے اس شادی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ کے درمیان قاصد کا کام نفیسہ بنت مُنیّہ کر رہی تھیں مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا غلام قاصد تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی باندی تھی۔ مگر اس اختلاف کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے ان میں سے سب ہی نے یہ فرض انجام دیا ہو۔
کتاب شرف میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا۔
"آپ اپنے چچا کے پاس جائیے اور ان سے کہئے کہ کل ہمارے پاس سویرے آجائیں"۔
اگلے دن جب ابو طالب آنحضرت ﷺ کو لے کر ان کے یہاں پہنچے تو حضرت خدیجہ نے کہا

"اے ابو طالب! میرے چچا کے پاس اندر چلے جایئے اور ان سے بات کیجئے کہ آپ کے بھتیجے محمد ابن عبداللہ سے میرا نکاح کر دیں"۔

(ابو طالب اپنی غربت اور حضرت خدیجہ کی مالداری کو جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ بڑے بڑے سردار اور دولت مند ان سے شادی کے خواہشمند ہیں لیکن وہ تیار نہیں ہوتی اس لئے ان کو حضرت خدیجہ کے اس بات پر یقین نہیں آیا اور) انہوں نے ان سے کہا۔

"خدیجہ! میرے ساتھ مذاق مت کرو!"

حضرت خدیجہ نے کہا "یہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہے"۔

تب ابو طالب وہاں سے اٹھے اور اپنی قوم کے دس معزز آدمیوں کے ساتھ حضرت خدیجہ کے چچا کے پاس گئے۔

(ی) ایک روایت کے الفاظ کے مطابق۔ ابو طالب وہاں بنی ہاشم اور بنی مضر کے سرداروں کے ساتھ پہنچے۔ اس سے کوئی اختلاف بھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے بنی ہاشم سے مراد وہی دس آدمی ہوں اور بنی مضر کے سرداروں سے بھی یہی لوگ مراد ہوں۔

خطبہ نکاح اور مہر...... علامہ ابوالحسین بن فارس وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس روز ابو طالب نے نکاح کا یہ خطبہ پڑھا تھا:-

"تمام تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہی سزاوار ہیں جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی اولاد، اسماعیلؑ کی کھیتی، معد کا خزانہ اور مضر کی اولاد کا عنصر یعنی اصل بنایا اور جس نے ہمیں اپنے مقدس گھر کا خادم اور پاسبان بنایا، اور جس نے اپنے اس گھر کو ہمارے لئے حج کا مرکز بنایا امین کا حرم بنایا اور اس میں لوگوں کا حاکم بنایا (یعنی حرم کے نگہبان کی حیثیت سے قریش کو دوسرے تمام قبیلوں پر بلندی اور فضیلت دی۔ پھر یہ کہ میرے یہ بھتیجے محمد ابن عبداللہ (ﷺ) ایسے ہیں کہ شرف و عزت، فضیلت و مرتبہ اور عقل و دانائی کے لحاظ سے دوسرا ہر شخص ان سے کمتر ہے، اگرچہ مال و دولت ان کے پاس نہیں ہے لیکن حقیقت میں مال و دولت ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے، ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی خوبیوں میں رکاوٹ بنتی ہے اور آنی جانی چیز ہے۔ ان کا مقام یہ ہے کہ بہت جلد آنے والے زمانے میں ایک عظیم خوش خبری اور زبردست خوش بختی ان کی راہ دیکھ رہی ہے۔ انہوں نے رضاء و رغبت اور خوشی کے ساتھ آپ کی پاکباز خاتون خدیجہ سے اپنا رشتہ دیا ہے اور ان کے معجّل اور مؤجل (یعنی اس وقت اور آئندہ) مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش خرچ کر رہے ہیں"۔

ایک نش بیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا (یعنی ایک نش آدھے اوقیہ کو کہتے ہیں اور کل مہر ساڑھے چار اوقیہ ہوا) اوقیہ اور نش دونوں سونے کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ علامہ محبّ طبری نے بیان کیا ہے۔ (ی) اس طرح کل مہر پانچ درہم شرعی کا ہوا۔

ایک روایت جیسا کہ بیان ہوئی یہ ہے کہ آپ نے بیس جوان لونڈیاں مہر میں دیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- ان دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ بیس جوان لونڈیاں آپ نے ان پانچ سو درہم کے بدلے میں مہر میں ادا کر دی ہوں۔

بعض علماء مہر کے متعلق ان روایتوں کا فرق اس طرح دور کرتے ہیں کہ ممکن ہے مہر کی وہ رقم تو

آپ کی طرف سے خود ابو طالب نے ادا کر دی جو جس کا انہوں نے اپنے خطبے میں ذکر کیا تھا اور پھر اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ اضافہ فرمایا ہو کہ بیس جوان اونٹنیاں دیں۔ اس طرح گویا دونوں ہی چیزیں مہر میں دی گئیں۔ واللہ اعلم۔

(قال) جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس مہر کی ضمانت لی تھی تو یہ سراسر غلط ہے اس لئے کہ حضرت علیؓ کی جو عمر ہوئی ہے اس کے مطابق تمام روایتوں کے لحاظ سے اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں یہ بھی کہا ہے کہ حضرت علیؓ کا اس مہر کی ضمانت لینا اس لئے غلط ہے کہ اس وقت وہ بہت چھوٹے تھے اور ان کی عمر سات سال کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر علامہ شامی کے قول کے بعد یہ بات بھی غلط ہو جاتی ہے (کیونکہ حقیقت میں اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) کیونکہ جب حضرت علیؓ پیدا ہوئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر تیس سال تھی۔ حضرت علیؓ کعبے میں پیدا ہوئے تھے۔ ادھر جس وقت آنحضرت ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال یا اس سے دو مہینے دس دن زیادہ تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک قول آگے یہ بھی آئے گا کہ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال دو مہینے پندرہ دن تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ کعبے میں جو بچہ پیدا ہوا تھا وہ (حضرت علی نہیں تھے بلکہ) حکیم ابن حزام تھے۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ہی کعبے میں پیدا ہوئے ہوں۔ لیکن کتاب نور میں لکھا ہے کہ حکیم ابن حزام کعبے کے اندر پیدا ہوئے تھے اور یہ بات کسی اور کے متعلق سننے میں نہیں آئی۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت علی کعبے کے اندر پیدا ہوئے تھے تو یہ قول علماء کے نزدیک کمزور اور ضعیف ہے۔

(غرض اس تفصیل کے بعد پھر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے نکاح کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو ابن اس کا ایک جملہ نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ابو طالب سے آنحضرت کے متعلق کہا کہ یہ شریف انسان اس شریف خاتون کا شوہر بننے کے لائق ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ جب ابو طالب نے وہ خطبہ پڑھ کر ختم کیا جو اوپر ذکر کیا گیا تو فوراً حضرت خدیجہ کے چچا عمرو ابن اسد نے یہ جملہ کہا اور حضرت خدیجہ کا نکاح کر دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جملہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل نے کہا تھا۔ (ی) کیونکہ جب وہ خطبہ جو یہاں بیان ہوا ابو طالب پڑھ چکے تو ورقہ ابن نوفل نے خطبہ پڑھا اور کہا۔

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہیں جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلتیں دیں جو آپ نے گنائیں، چنانچہ ہم عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور آپ ان سب فضیلتوں کے اہل اور لائق ہیں۔ عرب نہ آپ کی بڑائی سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ آپ کی عزت و عظمت سے انکار کر سکتے ہیں۔ ہم بھی آپ کے شرف اور مرتبے سے علاقہ قائم کرنا پسند کرتے ہیں۔

"پس اے گروہ قریش! مجھ پر گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد ابن عبداللہ سے بیاہ دیا"۔

اس کے بعد ورقہ نے مہر بتلائے (چونکہ ورقہ ابن نوفل حضرت خدیجہ کے بزرگ یا ولی نہیں تھے بلکہ ان کے چچا زاد یعنی رشتے میں برابر کے بھائی تھے اس لئے صرف ان کے نکاح کر دینے پر ابو طالب مطمئن نہیں

ہوئے بلکہ ان کی خواہش ہوئی کہ حضرت خدیجہ کے بزرگوں میں سے کوئی نکاح پڑھائے یا نکاح کا اعلان کر دے چنانچہ) ابو طالب نے ورقہ سے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ اس اعلان نکاح میں آپ کے ساتھ خدیجہ کے چچا بھی شریک ہوں"۔

یہ سن کر ان کے چچا یعنی عمرو ابن اسد نے کہا۔

"اے گروہ قریش! مجھ پر گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد ابن عبداللہ سے کر دیا"۔

(اور اس طرح آنحضرت ﷺ کے سب سے پہلے نکاح کی یہ مختصر تقریب پوری ہوئی)

**ولیمہ**...... آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کی دعوت فرمائی۔ آپ نے ایک اونٹ اور ایک قول کے مطابق۔ دو اونٹ ذبح فرمائے اور لوگوں کو دعوت ولیمہ کھلائی۔

حضرت خدیجہ نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ وہ کھیل کود کر اور دف بجا کر خوشی منائیں۔ اس روز ابو طالب بھی بے انتہاء خوش اور مسرور تھے۔ انہوں نے کہا

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مصیبتوں اور غموں کو ہم سے دور کر دیا"۔

یہ پہلا ولیمہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے کیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- (پچھلی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کی بہن نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سے کہا تھا کہ کل دن میں ان کے ساتھ ہمارے گھر آنا، چنانچہ جب یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کی ہوئی تھی اور حضرت خدیجہ کو حلہ پہنایا ہوا تھا۔ لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ کے لئے ولیمہ میں ایک یا دو اونٹ ذبح کئے۔ اس بارے میں کہتے ہیں کہ) شاید گائے تو نکاح کے وقت ذبح کی گئی اور اونٹ خلوت کے ارادے کے وقت کاٹا گیا۔

(ایسے ہی پچھلی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کا باپ اس نکاح کے وقت نشے میں تھا اور حضرت خدیجہؓ نے اسی حالت میں نکاح کے وقت اس کو خوشبو میں بسی ہوئی چادر اڑھادی تھی۔ پھر جب اس کا نشہ اترا تو اس نے اس حلّے کے متعلق پوچھا تو اس کو بتلایا گیا کہ تم نے خدیجہ کو محمد ﷺ سے بیاہ دیا ہے اور انہوں نے خلوت بھی کر لی ہے۔ جبکہ وہاں ولیمہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) وہ روایت درست نہیں ہے اس لئے اس کی وجہ سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ (کیونکہ آگے کی سطروں میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کا باپ اس شادی کے وقت زندہ ہی نہیں تھا کیونکہ وہ حرب فجار میں مارا جا چکا تھا)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا نکاح کرنے والوں میں بھی ایک روایت میں ابو طالب کا ذکر آتا ہے اور ایک میں حضرت حمزہ کا۔ اس سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت حمزہؓ بھی ابو طالب کے ساتھ نکاح کے وقت موجود رہے ہوں اس لئے نکاح کرنے والوں میں دونوں کا نام آگیا۔ واللہ اعلم۔

**آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہ کے لگاؤ کا سبب**...... (حضرت خدیجہ ایک بہت مالدار عورت تھیں اور بڑے بڑے دولت مند لوگ ان سے شادی کے خواہش مند تھے مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا) لیکن اب انہوں نے خود ہی آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے آپ کو نکاح کے واسطے پیش کر دیا (حالانکہ آنحضرت ﷺ کے پاس مال و دولت بالکل نہیں تھا) اس کا سبب ایک تو یہی تقدیری معاملہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا مرتبہ بلند کرنا تھا لیکن اس کے علاوہ ابن اسحاق نے اس کا ایک سبب اور بھی ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

قریشی عورتوں کی ایک تقریب ہوا کرتی تھی جس میں وہ مسجد حرام میں جمع ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ اسی طرح مسجد حرام میں جمع تھیں کہ ان کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا۔

"اے قریشی خواتین! تمہارے درمیان ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، جس کے ظہور کا زمانہ اب قریب آچکا ہے اس لئے تم میں جس کے لئے بھی ممکن ہو سکے وہ ضرور اس کی بیوی بن جائے"۔

عورتوں کو اس کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور وہ اس کو برا بھلا کہتی ہوئیں اس پر پتھر مارنے لگیں۔ مگر حضرت خدیجہؓ اس کی یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گئیں اور یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی۔

چنانچہ اس کے بعد (جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو شام کے سفر پر بھیجا اور) میسرہ نے ان کو آپ ﷺ کی وہ نشانیاں بتلائیں جو اس نے دیکھی تھیں اور خود حضرت خدیجہ نے بھی آپ ﷺ کی حیرت انگیز نشانیاں دیکھیں (کہ آپ ﷺ پر فرشتے سایہ کئے ہوئے تھے تو ان کو یہودی کی یہ بات یاد آگئی) ادھر انہیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کی بات بھی یاد آئی جو انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کی نشانیاں سن کر کہی تھی۔ انہوں نے اس وقت اپنے دل میں سوچا۔ اس یہودی نے جو کچھ کہا تھا اگر وہ صحیح ہے تو وہ نبی اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔

**حضرت خدیجہؓ کی آنحضرت ﷺ سے درخواست**...... اسی سلسلے میں علامہ فاکہی نے حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ :-

آنحضرت ﷺ نے ابو طالب سے حضرت خدیجہؓ سے ملنے کے لئے جانے کی اجازت مانگی۔ (ی) یہ بات حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کی شادی سے پہلے کی ہے اور غالباً اس وقت کی ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ﷺ ان کے گھر آکر ملیں جیسا کہ پچھلی سطروں میں ایک روایت گزری ہے۔ غرض ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی آپ کے پیچھے اپنی ایک باندی کو بھی بھیجا جس کا نام نبعہ تھا۔ ابو طالب نے اس سے کہا کہ یہ دیکھو کہ خدیجہ ان سے کیا کہتی ہیں۔ چنانچہ وہ باندی آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے خود بھی گئی۔ جب آنحضرت ﷺ خدیجہ کے پاس پہنچے تو حضرت خدیجہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور پھر آپ سے بولیں۔

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! میں یہ جو کچھ کر رہی ہوں وہ صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ میری آرزو ہے جو نبی ظاہر ہونے والا ہے وہ آپ ہی ہوں۔ پس اگر وہ نبی آپ ہی ہوں تو میرا حق اور میرے تعلق کو یاد رکھے گا اور اس پروردگار سے میرے لئے دعا کیجئے گا جو جلد ہی آپ کو ظاہر فرمانے والا ہے"۔

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"خدا کی قسم اگر وہ نبی میں ہی ہوں تو تم نے جو کچھ میرے ساتھ بھلائی کی ہے میں اس کو کبھی فراموش اور ضائع نہیں کروں گا، اور اگر وہ نبی میرے علاوہ کوئی اور ہوا تو وہ پروردگار بھی جس کی وجہ سے تم نے یہ سب کچھ کیا ہے تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا"۔

یہ گفتگو سن کر نبعہ باندی وہاں سے واپس آگئی اور اس نے ابو طالب سے یہ سب واقعہ کہہ سنایا۔

حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کی شادی ملک شام سے واپس آنے کے دو مہینے پندرہ دن بعد ہوئی۔ صحیح قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ بعض حضرات نے

پچیس سال پر دو مہینے دس دن کا اضافہ بھی کیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ اور آنحضرت ﷺ کے متعلق جو روایت بیان ہوئی اس کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَأَتهُ خَدِیجَةُ وَ التُّقٰی وَالزُّ
هْدُ فِیهِ سَجِیَّةٌ وَالْحَیَاءُ

وَاَتَاهَا اَنَّ الغَمَامَةَ وَالسَّرْ
حَ اَظَلَّتهُ مِنْهُمَا اَفیَاءُ

وَاَحَادِیثُ اَنَّ وَعدَ رَسُولِ اللّٰهِ
بِالْبَعثِ حَانَ مِنْهُ الْوَفَاءُ
فَدَعَتهُ اِلَى الزَّوَاجِ وَمَا اَحْسَنَ
مَا یَبْلُغُ الْمُنٰی الاَذْکِیَاءُ

مطلب...... حضرت خدیجہؓ نے جو بڑی عزت اور پاکیزہ مرتبے اور اونچے نسب والی اور زبردست مال و دولت والی تھیں، آپ کو دیکھا اور آپ کے متعلق سنا کہ زہد و تقویٰ اور حیاء و شرم آنحضرت ﷺ کے مزاج اور طبیعت میں داخل ہے۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ ایک بدلی آپ پر سایہ کئے رہتی تھی اور یہ کہ درخت بھی آپ کی طرف اپنا سایہ جھکا کر آپ کو اپنی چھاؤں میں لے لیتے تھے۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ فرشتے ہی بدلی کی شکل میں ہوتے تھے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر بدلی کا سایہ کرنا نبوت سے پہلے تک ہی رہا جو آپ کی نبوت کی بنیاد تھی اور پھر نبوت کے بعد یہ سلسلے ختم ہو گیا۔ (اس کے بعد تیسرے شعر سے مطلب بیان کرتے ہیں کہ) بعض راہبوں وغیرہ سے حضرت خدیجہ کو اطلاع ملی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے وعدہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کو مخلوق کی طرف نبوت اور رسالت دے کر ظاہر فرمائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وعدے کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے رشتہ دیا اور اپنے آپ کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ حقیقت میں ذہین اور ذکی آدمی تمنا کرنے میں کتنی سمجھ سے کام لیتا ہے!

جب آنحضرت ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کی شادی ہوئی اس وقت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

(قال) ایک قول یہ ہے کہ پینتالیس ۴۵ سال تھی۔ اسی طرح ایک قول تیس ۳۰ سال کا ہے اور ایک اٹھائیس سال کا ہے۔ (ی) اسی طرح پینتیس سال اور پچیس سال کی عمر کے قول بھی ہیں۔

**حضرت خدیجہ کی پچھلی شادیاں**...... آنحضرت ﷺ سے پہلے خدیجہ کی دو شادیاں ہو چکی تھیں ان میں سے پہلا شخص عتیق ابن عائذ اور ایک روایت کے مطابق عتیق ابن عائذ تھا۔ اس سے حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہندہ تھا۔ یہ ہندہ محمد ابن صیفی مخزومی کی ماں تھی۔

دوسرا شخص جس سے حضرت خدیجہؓ کی دوسری مرتبہ شادی ہوئی ابوہالہ تھا (جو اس کا لقب تھا) اس کا نام بھی ہند تھا۔ اس سے حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکی ہوئی جس کا نام ہالہ تھا (اور اسی کی نسبت سے اس کے

باپ کو ابو ہالہ کہا جاتا تھا) ابوہالہ سے ہی حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکا ہوا اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی طرح یہ ہند ابن ہند تھے۔ یہ ہند ابن ہند کہا کرتے تھے۔

میں اپنے باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ معزز اور شریف انسان ہوں۔ میرے والد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی والدہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کرلی تھی۔ میری والدہ خدیجہ ہیں۔ جو پہلی اُمّ المومنین یعنی مسلمانوں کی ماں ہیں۔ میرے بھائی قاسم ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہؓ کے ہی بطن سے تھے)۔ اور میری بہن فاطمہ ہیں۔ (جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں)

یہ ہند ابن ہند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے اور شہید ہوگئے۔ مگر علامہ سہیلیؒ نے لکھاہے کہ یہ بصرہ میں طاعون میں مرے۔ اس دن اس وبا کے نتیجے میں بصرہ میں تقریباً ستّر ہزار آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ مرنے والوں کے کفن دفن میں اس طرح لگے ہوئے تھے کہ ان کے جنازے سے کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دے سکا اور ان کا جنازہ اٹھانے والا بھی کوئی نہ مل سکا۔ چنانچہ ان کا نوحہ کرنے والی رورو کر پکارنے لگی۔

"آہ اے ہند ابن ہند...... افسوس اے رسول اللہ ﷺ کے پروردہ......"

اس پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ شخص کی میّت کے احترام میں تمام لوگ اپنے جنازے چھوڑ کر ان کا جنازہ اٹھانے کی کوشش کرنے لگے جس کی وجہ سے صرف لوگوں کی انگلیوں انگلیوں پر ان کا جنازہ جارہا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

(حضرت خدیجہ کے پچھلے شوہروں کے سلسلے میں) کتاب مواہب میں یہ ہے یہ کہ پہلے ان کی شادی ابوہالہ سے ہوئی تھی اور اس کے بعد دوسری مرتبہ عتیق سے ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے متعلق مزید تفصیلات آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے بیان میں ذکر ہوں گی۔

باب ہفتدہم (۱۷)

# کعبہ مقدسہ کی تعمیر نو

مکے میں سیلاب...... صحیح قول کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک پینتیس (۳۵) سال کی ہوئی تو مکے میں ایک زبردست سیلاب آیا۔ قریش نے سیلاب روکنے کے لئے ایک بند بنا رکھا تھا مگر (پانی کا اتنا زور ہوا کہ) سیلاب اس بند کو توڑتا ہوا اس پر سے گذر کر کعبے میں داخل ہو گیا، پانی کے بہاؤ اور جمع ہو جانے کی وجہ سے کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ کعبے کی یہ دیواریں آگ لگ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ ایک عورت کعبے کو دھونی دے رہی تھی۔ اس آگ میں سے ایک چنگاری اڑ کر کعبے کے پردوں تک پہنچ گئی جس سے (پردوں کے ساتھ) دیواریں بھی جل گئی تھیں۔ اس لئے قریش کو اب اور زیادہ پریشانی تھی کہ ان کمزور دیواروں کو سیلاب کا پانی بالکل ہی تباہ کر دے گا۔

عورت کے دھونی دینے کا جو واقعہ ہوا ہے اس کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ (اس وقت یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے کا نہیں بلکہ اس کے ایک مدّت بعد) حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانے کا ہے۔ مگر اس قول کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اس وقت دوبارہ کعبے میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا ہو۔

خزانۂ کعبہ...... کعبے کی دیواروں کی اونچائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی نو گز کی تھی اور اس پر چھت نہیں تھی۔ لوگ کعبے کے لئے جو نذرانے اور تحائف لاتے تھے جس میں کپڑے اور خوشبوئیں وغیرہ ہوتی تھیں وہ کعبے کے اندر جو کنواں تھا اس میں ڈال دیتے تھے۔ یہ کنواں اندرونی حصے میں دائیں جانب تھا۔ اس کو کعبے کا خزانہ کہا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خزانہ کعبہ کا چور اور اس کا انجام...... بنی جرہم کے زمانے میں ایک شخص نے کعبے کے اس خزانے سے کچھ سامان چرانا چاہا مگر وہ سر کے بل کنویں میں گر پڑا اور پانی نے اسے ہلاک کر دیا۔ مگر بعض مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ اس شخص پر ایک پتھر گر پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کنویں میں بند ہو گیا۔ یہاں تک کہ پھر اس کو لوگوں نے اس میں سے نکالا اور اس کے پاس سے چوری کا مال برآمد کیا۔ یہ اختلاف قابل غور ہے اس اختلاف کو ختم کرنے کے

لئے ایک بات یہ کہی جا سکتی ہے جو زیادہ مضبوط نہیں ہے کہ ممکن ہے اس شخص نے دو مرتبہ چوری کا ارادہ کیا ہو جس میں سے (ایک دفعہ تو اس کو زندہ بر آمد کر کے اس سے مال واپس حاصل کر لیا گیا لیکن) دوسری دفعہ وہ شخص اس کنویں میں گر کر ہلاک ہو گیا۔

خزانہ کعبہ کے لئے منجانب اللہ محافظ...... اس واقعہ کے بعد سے ہی حق تعالیٰ نے اس خزانے کی حفاظت کے لئے اس پر ایک سفید رنگ کا سانپ پیدا فرما دیا جس کا سر سیاہ تھا اور بالکل بکری کے بچے جیسا تھا۔ یہ سانپ اس کنویں میں رہنے لگا اور اس میں پڑے ہوئے سامان کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ اکثر اس کنویں میں سے نکل کر بیت اللہ کی دیوار کے باہری حصے تک آجاتا تھا اور کعبہ کی دیوار پر دھوپ لینے کے لئے بیٹھ جایا کرتا تھا۔ (چونکہ یہ سانپ سفید رنگ کا تھا اس لئے) دھوپ میں اس کا رنگ بہت چمکتا تھا۔ کبھی کبھی یہ یہاں دیوار پر اس طرح کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا کہ اس کا سَر اس کی دُم سے مل جاتا۔ جب بھی کوئی شخص اس کے قریب جانا چاہتا تو سانپ پھنکاریں مارتا اور اپنا منہ کھول دیتا۔ اس بارے میں علامہ جوہری نے اپنی کتاب حیات الحیوان میں سانپ کے متعلق لکھا ہے کہ سانپ کی پھنکار اس کے منہ سے نہیں نکلتی بلکہ اس کی کھال سے نکلتی ہے۔

غرض یہ سانپ پانچ سو سال تک بیت اللہ کے اس خزانے کی حفاظت کرتا رہا۔ جو شخص بھی کعبے کے کنویں اور خزانے تک پہنچتا یہ سانپ اس کو ہلاک کر دیتا تھا۔ (ی) غالباً مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس خزانے کے قریب پہنچتا تو یہ سانپ اس کو ضرور ہلاک کر دیتا۔ (کیونکہ اس پانچ سو سال کے عرصے میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا کہ سانپ نے کسی کو مار دیا ہو اور) اگر اس خزانے کے قریب جانے پر اس نے کسی کو مارا ہوتا تو (تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا (جبکہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے)

تشریح مؤلف نے اس سانپ کے ختم ہونے کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن البدایہ میں ابن اسحاق نے یہ روایت کی ہے کہ "مکے میں ایک قبطی شخص تھا جو بڑھئی تھا قریش نے کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کیں مگر کعبے کا جو کنواں تھا جس میں کعبے کو دیئے جانے والے ہدیے اور نذر نیاز ڈالے جاتے تھے اس میں ایک سانپ رہتا تھا۔ یہ سانپ اکثر کعبے کی دیوار پر آکر بیٹھ جایا کرتا تھا جس سے قریش بہت خوفزدہ تھے۔ جوں ہی کوئی اس کے قریب ہوتا وہ اس پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتا تھا اور اپنا منہ کھول کر پھنکاریں مارنے لگتا تھا۔ قریش اس سے گھبرا رہے تھے۔ ایک دن جبکہ وہ اسی طرح کعبے کی دیوار پر بیٹھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جس نے جھپٹ کر اس سانپ کو پکڑ لیا اور اسے لے کر اڑ گیا۔ (اس کو قریش نے کعبے کی تعمیر کے لئے فال نیک سمجھا) اور وہ کہنے لگے۔

"ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے سے خوش ہے کیونکہ ہمیں عمدہ بڑھئی بھی مل گیا۔ (ایک ٹوٹے ہوئے جہاز کی) لکڑی بھی کافی مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سانپ سے بھی چھٹکارا دلا دیا۔" البدایہ والنہایہ ص ۳۰۱ ج ۲۔

تعمیر کعبہ کا ارادہ...... یہ سانپ اسی طرح خزانہ کعبہ کی حفاظت کرتا رہا یہاں تک کہ قریش کا زمانہ آگیا اور سیلاب اور آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا۔ اب قریش نے بیت اللہ کی عمارت کو (جو ان حادثوں کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی توڑنے اور از سر نو بنانے کا ارادہ کیا۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ اس دفعہ اس کی بنیادیں مضبوط کر کے دیواروں کو زیادہ اونچا کر دیا جائے اور اسی طرح دروازے کو بھی اور اونچا کر دیا جائے تاکہ کعبے میں صرف وہی شخص داخل

ہو سکے جس کو وہ اجازت دے دیں۔

اجتماعی چندہ اور تیاری...... اس کے بعد قریش نے (کعبہ کی تعمیر کے لئے مل جل کر کام کرنا شروع کیا) اور پتھر جمع کرنے شروع کئے۔ ہر قبیلہ اپنے حصے کے پتھر علیحدہ جمع کر رہا تھا انہوں نے اس مقصد کے لئے چندہ جمع کیا جس میں تمام پاک کمائی دی۔ ناپاک اور طوائفوں کی کمائی، اسی طرح سود اور غصب کا مال اس میں ہرگز نہیں لیا گیا۔

چندہ میں ناپاک کمائی شامل ہونے پر تنبیہ...... (چندہ کے مال میں صرف پاک کمائی لئے جانے کی یہ شرط اور احتیاط کا سبب یہ ہوا تھا کہ) ایک قریشی سردار ابو وہب عمر و ابن عابد نے جب (کام شروع ہونے کے وقت) ایک پتھر اٹھایا تو وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے اٹھایا گیا تھا (اس پر قریش پریشان اور حیران ہوئے) آخر ابو وہب ہی کھڑا ہوا اور اس نے لوگوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! کعبے کی بنیادوں میں سوائے اپنے پاک مال کے کوئی دوسرا مال شامل مت کرنا۔"

حدیث (ی) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نے قریش سے کہا:۔

اس بیت اللہ کے چندہ میں کسی بدکار عورت کی کمائی یا سود کا مال۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ کوئی ایسا مال جس کو تم نے زبردستی اور ظلم کے ذریعہ حاصل کیا ہو، یا جس میں تم نے رشتہ داروں کا حق مارا ہو اور یا جس کے حاصل کرنے میں تم نے حرمت کا خیال نہ کیا ہو اور کسی کے ساتھ بیوفائی کی ہو اس مال کو ہرگز شامل مت کرنا۔

یہ ابو وہب رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا ماموں تھا اور اپنی قوم میں ایک شریف آدمی تھا۔

تعمیر کعبہ میں آنحضرت ﷺ کی شرکت...... (غرض جب قریش کے لوگ بیت اللہ کی تعمیر کے لئے پتھر اکٹھے کر رہے تھے تو) ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے۔ شیخین نے حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ:۔

اتفاقاً ستر کھل جانے پر حفاظت...... جب کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر ڈھونے کے لئے گئے (چونکہ آپ ننگی گردن پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے اس لئے) حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے کہا:۔

"پتھر رکھنے کے لئے اپنے تہبند کو اپنی گردن پر رکھ لیجئے تاکہ پتھر ڈھونے میں سہولت ہو جیسا کہ دوسرے سب آدمی کر رہے ہیں"۔

کیونکہ دوسرے سب لوگوں نے اپنے تہبند اتار کر اپنی گردنوں پر رکھ لئے تھے اور ان پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے چنانچہ (حضرت عباس کے کہنے پر) آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا مگر اسی وقت آپ زمین پر گر پڑے اور آپ ﷺ کی آنکھیں آسمان پر جم گئیں۔ (ی) اور آپ ﷺ کو آواز آئی۔

"اپنا ستر ڈھکئے!"

آپ ﷺ ایک دم پکارنے لگے۔ میرا تہبند...... میرا تہبند...... اور پھر آپ ﷺ نے جلدی سے تہبند لپیٹ لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ فوراً گر پڑے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت عباس آپ ﷺ کو پکڑ کر بیٹھ گئے اور آپ سے حال پوچھنے لگے۔ تب آپ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ مجھے آسمان سے پکار کر کہا گیا کہ اپنا تہبند لپیٹ لو۔

**ستر کھلنے کے متعلق مختلف روایات پر بحث**......ایک روایت اور ہے جس کو ماننا مشکل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ستر یعنی پوشیدہ حصے ڈھکنے کا یہ حکم ہونے کے بعد حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا کہ :۔

" بھتیجے! اپنا تہبند اپنے سر پر رکھ لو"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں مجھے جو کچھ بھی ہوا...... جو کچھ بھی ہوا وہ صرف ستر کھل جانے کی وجہ سے ہوا"۔

ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ جبکہ آنحضرت ﷺ اجیاد کے مقام سے پتھر ڈھو کر لارہے تھے۔ آپ ﷺ اس وقت ایک سفید دھاری دار چادر (بطور تہبند کے) لپیٹے ہوئے تھے۔ وہ چادر تنگ تھی جس سے آپ ﷺ کو دقت ہورہی تھی۔ آپ اس کو اتار کر اپنی گردن پر رکھنے لگے جس سے آپ ﷺ کا ستر کھل گیا۔ آپ ﷺ کو اچانک آواز آئی۔

"اے محمد! اپنا ستر ڈھکو......!"

چنانچہ اس کے بعد پھر کبھی آپ کا ستر نہیں کھلا۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ کا واقعہ اور یہ واقعہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت عباسؓ نے اسی وقت وہ بات کہی ہے جو پچھلی روایت میں ذکر ہوئی البتہ اس روایت میں ازار یعنی تہبند کہا گیا ہے اور اس میں نمرہ یعنی دھاری دار اونی چادر کا لفظ ہے۔

**ممانعت کے بعد آنحضرت ﷺ وہ کام دوبارہ نہیں کرتے تھے**......(قال) مگر بعض محدّثین کہتے ہیں کہ (اس بارے میں سیرت حلبیہ کے گذشتہ صفحات پر جو ایک روایت گزری ہے کہ جب ایک دفعہ ابو طالب زمزم کے کنویں کی مرمّت کررہے تھے اور آنحضرت ﷺ پتھر وغیرہ اٹھانے میں ان کی مدد کررہے تھے تو آپ ﷺ کا ستر کھل گیا تھا جس پر آپ کو اسی طرح ستر ڈھکنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ تو) اس واقعہ کے بعد اس دوسری حضرت عباسؓ والی روایت کو ماننا مشکل ہے بعض محدّث اس کی دلیل میں کہتے ہیں کہ :۔

جب آنحضرت ﷺ کو کسی بات کے لئے ایک مرتبہ ممانعت ہوجاتی تھی تو آپ اس کو دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے جس کے بہت سے سبب تھے۔ (ی) جبکہ حضرت عباسؓ والی روایت کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں آپ نے اسی بات کو دوبارہ کیا جس پر ایک دفعہ آپ کو ممانعت ہوچکی تھی۔

**روایات کا تجزیہ**......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ممکن ہے پہلی بار یعنی ابو طالب والے واقعہ میں جب آپ کو ممانعت کی گئی تو آپ ﷺ یہ نہ سمجھے ہوں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے بلکہ آپ نے یہ سمجھا ہو کہ اس کو کیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے (کیونکہ اس وقت آپ کم عمر تھے جیسا کہ بیان ہوا) اور پھر اس دوسرے موقعہ پر آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ایک اہم چیز ہے۔

**تشریح**...... مگر اس سلسلے میں بعض محدّثین کی یہ رائے ہی زیادہ بہتر ہے کہ یہ دوسرا واقعہ تسلیم کرنا مشکل ہے کیونکہ ایک تو وہی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جس چیز کی ایک بار ممانعت ہوجاتی تھی آپ ﷺ اس کو دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ابو طالب والے واقعہ کے وقت آپ کی عمر کم تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آجانا ممکن بھی تھا لیکن تعمیر کعبہ کے وقت اس واقعہ کا پیش آنا اس لئے بھی ناقابل یقین ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر صحیح قول کے مطابق پینتیس (۳۵) سال تھی۔ اس عمر میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے اس قسم کی بھول قابل یقین نہیں ہے جبکہ اس بارے میں ایک واقعہ پہلے پیش بھی آچکا تھا جس میں

آپ کو ستر کھولنے کی ممانعت ہو چکی تھی۔ وہ گزشتہ واقعہ جس عمر میں پیش آیا وہ آپ کے لڑکپن کی عمر تھی بچپن کی نہیں تھی کیونکہ اس میں آپ کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی لڑکے کے ہوتے ہیں اور لڑکپن کی عمر کے واقعات عام طور پر آدمی کو یاد رہتے ہیں اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے آپ اس بچپن کے واقعے کو بھول گئے ہوں۔

اس روایت کے سلسلے میں احقر مترجم نے کتاب شرح زرقانی دیکھی۔ اس میں یہ ہے کہ (تعمیر کعبہ کے سلسلے) میں آنحضرت ﷺ اجیاد کے مقام سے پتھر ڈھو کر لا رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ ایک دھاری دار اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے وہ چادر آپ پر تنگ ہو رہی تھی اس لئے آپ اس کو اپنے مونڈھے پر رکھنے لگے چونکہ چادر چھوٹی تھی اس لئے اوپر مونڈھے پر رکھنے کی وجہ سے) آپ کا ستر کھل گیا۔ اس پر فوراً ہی آپ کو آواز آئی کہ اے محمد اپنا ستر ڈھکو۔ اس کے بعد کبھی آپ عریاں نہیں دیکھے گئے۔

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قصداً یا پتھر ڈھونے کی تکلیف سے بچنے کے لئے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ چادر چھوٹی تھی آپ اس کو سنبھالنے کے لئے اس کا ایک پلّہ مونڈھے پر رکھنے لگے جس سے بدن کے نچلے حصے سے چادر اٹھ گئی۔

آگے زرقانی ہی میں ہے کہ :۔

پھر علامہ سراج ابن ملقن اس واقعے کے بارے میں کہتے ہیں کہ شاید آنحضرت ﷺ کی یہ پریشانی جسم کا کچھ حصہ کھل جانے کی وجہ سے تھی ستر کھلنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ یہ بات جابرؓ کی اس روایت میں نہیں ہے مگر اس بات کا نہ ہونا اس حدیث کے نقص اور کمی کی دلیل ہے کیونکہ اگرچہ اس میں یہ حصہ نہیں ہے مگر دوسری احادیث میں موجود ہے۔

پھر یہ کہ اس حدیث کی جو سب سے عمدہ تشریح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ ستر تو کھلا مگر وہ جسم کے خصوصی حصے نہ تھے (یعنی ممکن ہے گھٹنے سے اوپر ران کا کچھ حصہ کھل گیا ہو کہ ستر تو وہ بھی ہے مگر ستر خصوصی نہیں ہے) شرح زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۲۰۵ مرتب)۔

<u>ایک شبہ اور اس کا جواب</u>...... یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا یہ اعزاز فرمایا کہ کسی شخص نے کبھی میرے بدن کے پوشیدہ حصے نہیں دیکھے اور اس سلسلے میں یہ بات بیان کی گئی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آپ کے بدن کے پوشیدہ حصے کبھی نہیں دیکھے گئے اور اگر کسی کی نظر پڑی (تو دیکھنے سے پہلے) اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شخص آنکھوں سے معذور ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ستر کو دیکھنے کی اس میں صلاحیت نہیں رہی)۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ستر یعنی بدن کے پوشیدہ حصے کھلنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اس پر دوسروں کی نظر بھی پڑی ہو (بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف ستر کھلا اور اس سے پہلے کہ اس پر دوسروں کی نظر پڑے آپ کو اس پر تنبیہ کر دی گئی چنانچہ ستر کھلا مگر دوسروں کو بے پردگی نہیں ہو سکی) اسی طرح آپ کی پال پرورش اور ازواج مطہرات کے ساتھ خلوت کے دوران بھی آپ کے ستر پر دوسروں کی نظر نہیں پڑ سکی۔ (البتہ یہاں یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت بھی آپ کے ستر پر دوسروں کی نظر نہ پڑنا ممکن نہیں معلوم ہوتا

جبکہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کا ستر یعنی اعضاء تناسل دیکھ کر ہی اس کی جنس کا اعلان کیا جاتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس لئے لازم ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت دایہ وغیرہ نے آپ کا ستر دیکھا ہوگا۔ اس شبہ کے جواب میں شاید یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کا دیکھنا مستثنٰی ہے) واللہ اعلم

**عمارت کعبہ کو گرانے سے قریش کا خوف**...... (اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ یعنی کعبہ کی تعمیر کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب قریش پتھر وغیرہ لا کر جمع کر چکے تو) اب وہ ڈرتے ڈرتے کعبے کو گرانے کے لئے بڑھے۔ (ی) انہیں خوف تھا کہ کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ارادوں سے روک نہ دے۔ خاص طور پر جبکہ اس سے پہلے عمرو ابن عائذ کے ساتھ وہ واقعہ بھی پیش آچکا تھا (کہ اس کے ہاتھ سے پتھر نکل کر واپس اپنی جگہ چلا گیا تھا)۔

**ایک قریشی سردار کی طرف سے پہل!**...... (ی) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ لوگ کعبہ کی تعمیر کو گرانے سے بہت زیادہ ڈر رہے تھے کہ کہیں اس کی وجہ سے وہ کسی بلا میں نہ پھنس جائیں۔ آخر ایک قریشی سردار ولید ابن مغیرہ نے ان سے کہا:۔

"اس کو گرانے سے تمہارا ارادہ اصلاح اور مرمّت کرنے کا ہے یا اس کو خراب کرنے کا ہے۔"؟

لوگوں نے کہا ظاہر ہے ہم تو مرمّت اور اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

ولید نے کہا

"تو پھر سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو برباد نہیں کرتا۔"

(قریش جواب بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوئے تھے) کہنے لگے کہ پھر جو شخص اس کی نئی تعمیر اٹھائے گا وہی اس کو گرائے (یعنی سب لوگ تو ظاہر ہے کہ تعمیر اور راج کا کام کریں گے نہیں بلکہ جو کام جاننے والے ہیں وہی نئی تعمیر کا کام کریں گے۔ لہذا چونکہ اصلاح اور مرمّت کا کام کرنے والے وہی لوگ ہوں گے اس لئے وہی اس پرانی عمارت کو گرائیں)۔

ولید نے کہا "میں اس کی تعمیر کروں گا اس لئے تم سب میں میں ہی اس کو گرانے میں پہل کرتا ہوں"۔

**ولید کی دعا اور کام کا آغاز**...... اس کے بعد ولید نے کدال اٹھائی اور یہ کہتا ہوا کعبے پر کھڑا ہو گیا"۔ اے اللہ! کعبے کی وجہ سے ہمیں ہر مصیبت سے بچائیے کیونکہ خیر اور بہتری کے سوا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم تیرے دین سے منہ نہیں موڑ رہے ہیں۔

**مرضیٔ رب کا انتظار**...... پھر اس نے حجر اسود کی جانب سے ایک حصہ ڈھادیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کام بند کر دیا) اور اس رات انتظار کرتے رہے (کہ اس کا اثر کیا ہوتا ہے) وہ کہنے لگے۔

"ہم دیکھیں گے اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچا تو پھر ہم کعبہ (کی اس پرانی عمارت) کو نہیں گرائیں گے اور اس کو جوں کا توں رہنے دیں گے لیکن اگر ہمیں کوئی نقصان پہنچا تو ہم اس تعمیر کو گرادیں گے کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔"

چنانچہ اگلے دن ولید خیریت کے ساتھ آگیا (اور اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا) اس نے اپنا کام شروع کر دیا اور کعبے کو گرانے لگا اب دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہوگئے۔ آخر انہوں نے پوری تعمیر گرادی اور اس کی بنیاد تک پہنچ گئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد تھی اور وہ سبز رنگ کے پتھر آگئے

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصلی بنیاد کے تھے اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح کے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ وہ پتھر دندانے دار تھے۔

لیکن علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ یہ لفظ جس راوی نے ابن اسحاق سے نقل کئے ہیں اس میں ان کو وہم اور مغالطہ ہوا ہے۔یہاں تک سہیلی کا کلام ہے۔(دونوں تشبیہوں کو درست قرار دینے کے لئے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر سبزی میں تو پانی کے رنگ کے تھے (کیونکہ لفظ اَسِنَّہ کے معنی دانت یا دندانہ بھی ہیں اور سڑے ہوئے پانی کے بھی ہیں) اور سختی میں کوہان کی طرح تھے۔

زلزلہ اور شعلہ...... غرض وہ پتھر ایک دوسرے میں (دانتوں کی طرح) پیوست تھے (جس کی وجہ سے ان کو توڑنا اور نکالنا مشکل ہو رہا تھا) چنانچہ جو لوگ کعبے کی عمارت گرا رہے تھے ان میں سے ایک شخص نے اپنی چھینی کو دو جڑے ہوئے پتھروں کے درمیان پھنسا کر زور لگایا تا کہ ان دونوں کو الگ کردے مگر جیسے ہی پتھر اپنی جگہ سے ہلا ایک دم سارے مکہ میں زلزلہ آیا اور پورا شہر لرز اٹھا۔اس کے ساتھ ہی لوگوں نے دیکھا کہ اس پتھر کے نیچے سے ایک شعلہ نکلا جس کی چمک اتنی تیز تھی کہ لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔اس کے ساتھ ہی قریش نے کعبے کو گرانے کا کام ختم کرلیا۔

بنیاد کعبہ سے نکلنے والی تین تحریریں...... یہاں یعنی دائیں کونے کے نیچے سے قریش کو ایک تحریر ملی جو سریانی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔وہ اس زبان کو جانتے نہیں تھے آخر ایک شخص ملا جس نے وہ تحریر انہیں پڑھ کر سنائی۔یہ شخص یہودی تھا۔اس میں لکھا ہوا تھا۔

"میں اللہ ہوں۔مکے کا مالک! جسے میں نے اس دن پیدا کیا جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس دن میں نے سورج اور چاند بنائے۔میں نے اس کو یعنی مکے کو سات فرشتوں کے ذریعہ گھیر دیا ہے۔اس کی عظمت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے دونوں پہاڑ موجود ہیں۔ان پہاڑوں سے مراد ایک تو ابو قبیس پہاڑ ہے جو کہ صفا پہاڑی کے سامنے ہے اور دوسرا قیقعان پہاڑ ہے جو مکے کے قریب ہے اور جس کا رُخ کوہ ابو قبیس کی طرف ہے۔اور یہ شہر اپنے باشندوں کے لئے پانی اور دودھ کے لحاظ سے بہت برکت اور نفع والا ہے"۔

اسی طرح قریش کو مقام ابراہیم کی جگہ پر ایک دوسری تحریر ملی جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

مکہ اللہ تعالیٰ کا محترم اور معظم شہر ہے۔اس کا رزق تین راستوں سے اس کے پاس آتا ہے"۔

(یہاں تین راستوں سے مراد غالباً قریش کے تین تجارتی راستے ہیں جہاں سے قافلے آتے اور جاتے تھے) وہیں قریش کو ایک تحریر اور ملی جس میں لکھا ہوا تھا۔

جو بھلائی بوئے گا لوگ اس پر رشک کریں گے۔یعنی اس جیسا بننے کی تمنا کریں گے۔اور جو شخص برائی بوئے گا وہ رسوائی اور ندامت پائے گا۔تم برائیاں کر کے بھلائی کی آس لگاتے ہو۔ہاں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کیکر یعنی کانٹوں دار درخت میں انگور تلاش کرے"!

کتاب سیرت شامیہ میں لکھا ہے کہ یہ تحریر کعبے کے اندر پتھر پر کندہ پائی گئی تھی۔بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ (کعبے کی تعمیر کے وقت) وہاں انہیں ایک پتھر ملا جس پر تین سطریں لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر میں یہ تھا کہ۔

"میں اللہ ہوں ...... مکے کا مالک...... اسے یعنی مکے کو میں نے اس دن بنایا جس دن سورج اور چاند کو بنایا"۔ الخ۔ دوسری سطر میں یہ تھا کہ۔

"میں اللہ ہوں...... مکے کا مالک...... میں نے رحم کو پیدا کیا (رحم رحمت و مہربانی اور عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں جس سے مختلف رشتوں کی ابتدا ہوتی ہے اور جس سے صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کا لفظ بنا ہے۔ غرض اس تحریر میں تھا کہ میں نے رحم کو پیدا کیا) اور اس کے لئے اپنے نام میں سے نام نکالا (کیونکہ حق تعالیٰ کے نام رحمٰن اور رحیم ہیں) جس نے صلہ رحمی یعنی رشتے داروں کی خبر گیری کی میں اس کی خبر گیری کروں گا اور جس نے صلہ رحمی کو چھوڑ دیا میں نے بھی اس کو چھوڑ دیا"۔

تیسری سطر میں یہ تھا کہ :۔

"میں اللہ ہوں مکے کا مالک...... میں نے خیر اور شر یعنی بھلائی اور برائی کو پیدا کیا۔ پس خوش خبری ہو اس کے لئے جس نے خیر کو اپنالیا اور خبر دار ہو وہ شخص جس نے برائی کو اپنالیا۔"

**مختلف روایات......** علامہ ابن محدثؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مجموعہ میں یہ دیکھا کہ وہاں ایک پتھر پایا گیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"میں اللہ ہوں...... مکے کا مالک...... فقر و فاقہ میں مبتلا کر دینے والا زنا کرنے والوں کو، اور کپڑے سے محروم کر دینے والا نماز چھوڑ دینے والوں کو۔ یہاں ارزانی رہے گی اور رزق کی فراغت اور فراوانی رہے گی۔ میں اس (وادی) کو رزق کی کثرت سے بھر دینے والا بھی اور اس سے خالی کر دینے والا بھی ہوں (یعنی فرمانبرداروں کو خوش حالی دینے والا اور نافرمانوں کو تنگی میں ڈالنے والا ہوں)۔

(اس اختلاف کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ کوئی دوسرا پتھر رہا ہو۔ یا پتھر تو وہی ہو مگر اس پر ایک جگہ وہ عبارت لکھی ہوئی ہو (جو پیچھے بیان ہوئی اور دوسری جگہ یہ عبارت ہو)

کتاب اصابہ میں اسود ابن لینوث کی روایت ہے جو وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ (کعبے کی تعمیر کے دوران) قریش کو مقام ابراہیم کے نیچے سے ایک تحریر ملی (مگر یہ زبان ان کے لئے اجنبی تھی اس لئے) انہوں نے قبیلہ حمیر کے ایک آدمی کو بلایا اور اس سے یہ تحریر پڑھ کر سنانے کے لئے کہا) اس نے کہا۔

"اس میں ایک ایسی بات لکھی ہوئی ہے کہ اگر میں نے وہ تمہیں پڑھ کر سنادی تو تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔"

راوی کہتا ہے کہ ہمیں خیال ہوا کہ اس میں محمد ﷺ کا ذکر ہوگا۔ اس لئے ہم نے اس بات کو چھپالیا۔

**سامان عمارت کا منجانب اللہ انتظام......** کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں قریش کو پتھروں کے علاوہ لکڑی کی بھی ضرورت تھی جسے چھت اور کواڑوں میں استعمال کرا تھا۔ یہ مسئلہ اس طرح حل ہو گیا کہ ایک جہاز مکے کے ساحل سے آکر ٹکرا گیا (خود مکہ تو سمندر کے کنارے نہیں ہے مگر مکے کے لئے تجارتی جہاز وغیرہ جہاں آکر لنگر ڈالتے تھے اس کو مکے کا ساحل ہی کہا جاتا ہے) یہ وہی جگہ ہے جہاں آج بھی جدہ شہر واقع ہے مگر اب سے پہلے مکے کا ساحل جس جگہ تھا اس کو شُعَیبَہ کہا جاتا تھا چنانچہ کئی دوسرے مؤرخوں نے اس موقع پر شُعَیبَہ بستی کا نام لکھا ہے اس کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ان مؤرخوں نے یہ لکھا ہے۔

جب وہ جہاز شعیبہ کے مقام پر پہنچا جو مکے کا ساحل تھا تو وہ ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

مخالف ہوا کی وجہ سے وہ جہاز شعیبہ کے ساحل پر پھنس گیا۔ یہ جہاز رومی تاجروں میں سے ایک شخص کا تھا جس کا نام باقوم تھا۔ یہ شخص معمار بھی تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جہاز شہنشاہ روم قیصر کا تھا جس میں اس کے لئے سنگ مرمر، لکڑی اور لوہا لے جایا جاتا تھا۔ یہ سامان باقوم کے ساتھ حبشہ کی اس خانقاہ کے لئے بھیجا جارہا تھا جس کو فارسیوں نے جلاڈالا تھا۔

غرض جب یہ جہاز۔ جدہ اور ایک قول کے مطابق۔ شعیبہ کے ساحل پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سخت ہوا چلائی جس کی وجہ سے وہ (ساحل سے ٹکرا کر) ٹوٹ گیا (جب قریش کو اس جہاز کی خبر لگی تو) ولید ابن مغیرہ قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاز پر پہنچا اور ان لوگوں سے اس کی لکڑی خرید لی اور اس کو کعبے کی چھت بنانے کے لئے استعمال کیا۔

**کعبے کے محافظ سے چھٹکارا**...... پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ کعبے کے خزانے پر اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ پیدا کر دیا تھا جو پانچ سو سال تک کعبے کے خزانے کی حفاظت کرتا رہا۔ اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ قریش پر کعبے کو گرانے کے سلسلے میں اس سانپ کی بہت ہیبت چھائی ہوئی تھی (اور وہ پرانی عمارت کو گراتے ہوئے ہچکچا رہے تھے) کیونکہ جب بھی وہ لوگ کعبے کو گرانے کے خیال سے عمارت کے قریب پہنچتے تو وہ سانپ اپنا منہ کھول کر ایک دم سامنے آجاتا۔ ایک دن جبکہ وہ اپنی عادت کے مطابق کعبے کی دیوار پر بیٹھا ہوا تھا تو اچانک اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ وہاں بھیجا جو عقاب سے بڑا تھا۔ اس پرندے نے اس سانپ کو جھپٹ کر پکڑ لیا اور اسے لے جا کر حجون کے مقام پر ڈال دیا جہاں زمین نے اس کو اپنے اندر سمو لیا۔

**محافظ سانپ کی حقیقت**...... ایک روایت یہ ہے کہ یہ وہی جانور ہے جو قیامت کے دن لوگوں سے بات کرے گا (اس جانور کے متعلق احقر مترجم آگے تفصیل پیش کر رہا ہے) حدیث میں آتا ہے کہ یہ جانور اجیاد کی گھاٹی سے ظاہر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے وہ جانور دکھلایا جائے جو لوگوں سے بات کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس جانور کو زمین سے نکالا۔ اس کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام سخت خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو گئے اور حق تعالیٰ سے عرض کرنے لگے۔

"اے پروردگار! اس کو واپس کر دے......"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو واپس کر دیا۔

## دابۃ الارض یعنی قیامت کے قریب ظاہر ہونے والا جانور

(اضافہ اس جانور کے متعلق جو قیامت کے قریب ظاہر ہوگا حق تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں خبر دی ہے جس کی تفسیر احقر نے تفسیر خازن سے لی ہے)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ۔ (پ ۲۰ سورۂ نمل ع ۵) الآیۃ ۸۲

ترجمہ:۔ اور جب وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ

ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔
یعنی جب ان کے لئے عذاب ناگزیر ہو جائے گا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوگا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب ان پر حجت پوری ہو جائے گی کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال کا حکم نہیں کریں گے اور برے اعمال سے منع نہیں کریں گے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب ان میں بھلائی اور صلاحیت نہیں رہے گی اور یہ حالت اخیر زمانے میں قیامت سے پہلے پیش آئے گی تو اس وقت ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے۔

**قیامت کی نشانیاں**...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ چیزوں کے پیش آنے سے پہلے ہی نیک عمل کرلو۔ سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے سے پہلے،۔ دھویں سے پہلے، دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے،۔ اس جانور کے ظاہر ہونے سے پہلے، اور تم میں سے کسی کے خاص اور عام معاملے سے پہلے۔"

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔
"(قیامت کی) کی سب سے پہلے جو نشانیاں ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک تو سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ہے اور دوسرا دن کے وقت لوگوں پر اس جانور کا مسلط ہونا ہے ان میں سے جو بھی نشانی پہلے ظاہر ہو دوسری اس کے بعد بہت جلد سامنے آجائے گی۔"

اسی سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

**قیامت کے قریب کافر و مومن کی شناخت**...... جب یہ جانور ظاہر ہوگا تو اس کے پاس سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا یعنی لاٹھی ہوگی۔ وہ (اس عصا سے) مومنوں کے چہرے کو روشن اور پر نور بنادے گا اور اس انگوٹھی سے کافروں کی ناک پر مہر لگادے گا۔ (یہاں تک کہ اس سے مومن اور کافروں کی ایسی صاف شناخت ہو جائے گی کہ) جب مومن کہیں جمع ہوں گے تو وہ ایک شخص کو "اے مومن" کہہ کر پکاریں گے اور ایک کافر (کو اس علامت کی وجہ سے پہچان کر) "اے کافر" کہہ کر آواز دیں گے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (حدیث حسن کی تعریف سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے)۔

**یہ جانور کن کن زمانوں میں نکلے گا**...... علامہ بغوی نے ثعلبی سے روایت کیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"یہ جانور تین مرتبہ عالم میں نکلے گا۔ ایک مرتبہ یمن کے کنارے سے ظاہر ہوگا اس وقت اس کی شہرت جنگلوں میں ہوگی بستی یعنی مکے تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد ایک لمبا زمانہ گزر جائے گا تب پھر یہ دوسری مرتبہ مکے کے قریب سے ظاہر ہوگا اس وقت اس کی شہرت جنگلوں میں بھی ہوگی اور بستی یعنی مکے میں بھی پھیل جائے گی۔ پھر ایک دن جبکہ لوگ اس مسجد میں ہوں گے جس کا اعزاز و اکرام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ہے یعنی مسجد حرام میں کہ بالکل اچانک یہ جانور مسجد کے ایک کونے سے نکلے گا اور ان کے قریب آجائے گا۔ اس کے متعلق عمرو کہتے ہیں کہ۔ حجر اسود اور باب بنی مخزوم کی دائیں طرف باہری گوشے کے درمیان سے نکلے گا۔ اس کو دیکھ کر لوگ ڈر کی وجہ سے اس سے بچنے لگیں گے۔ یہ جانور لوگوں کے سامنے اس

حالت میں ظاہر ہوگا کہ اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا پھر یہ لوگوں کے پاس سے گزرے گا اور ان کے چہروں کو چمکا دے گا جس سے وہ اس طرح روشن ہو جائیں گے جیسے دمکنے والے ستارے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ واپس زمین میں چلا جائے گا۔ نہ تو اس کا پیچھا کرنے والا اس کو پا سکے گا اور نہ اس سے بچ کر بھاگنے والا اس سے بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ ایک شخص کھڑا ہو کر نماز کے ذریعہ اس سے پناہ اور بچاؤ کی کوشش کرے گا مگر وہ پیچھے سے اس کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا۔

اے فلاں! تو اب نماز پڑھنے کھڑا ہوا ہے"

اس جانور کے کام...... اس کے بعد وہ آگے سے اس کے سامنے آئے گا اور اس کے چہرے پر نشان بنا دے گا (ان نشانوں کی وجہ سے کافر اور مومن میں ایسی شناخت ہو جائے گی کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے ہوں گے، یا سفروں میں ایک دوسرے کے ہمدم ہوں گے یا تجارت اور مال و دولت میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے ان میں بھی مومن اور کافر کو الگ پہچانا جا سکے گا چنانچہ (ان کے درمیان ایسی صاف شناخت ہوگی کہ) مومن کو اے مومن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو اے کافر کہہ کر آواز دی جائے گی۔"

اس کے نکلنے کی جگہ...... علامہ ثعلبی کی سند سے حذیفہ ابن یمان کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اس جانور کا تذکرہ فرما رہے تھے میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ جانور کہاں سے نکلے گا۔ آپ نے فرمایا۔

"اس مسجد میں سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر اتارے جانے کے بعد) کعبے کا طواف کر رہے ہوں گے اور ان کے ساتھ مسلمان ہوں گے کہ اچانک زمین ہلنے لگے گی اور صفا پہاڑی اس جگہ سے پھٹ جائے گی جہاں (حج کے دوران) سعی کی جاتی ہے۔ اسی وقت صفا پہاڑی میں سے وہ جانور نکلے گا۔ سب سے پہلے اس کا چمکدار سر نکلے گا جو بالوں اور داڑھی سے ڈھکا ہوا ہوگا (اس کی رفتار اس قدر تیز ہوگی کہ) نہ تو اس کو تلاش کرنے والا اس کو پا سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس کو شکست دے سکے گا۔ وہ لوگوں کو کافر اور مومن کے نام سے پکارے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس کے چہرے کو وہ ایسا منور اور روشن کر دے گا جیسے چمکنے والا ستارہ ہوتا ہے۔ اور جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ ایک سیاہ نشان بنا دے گا اور اس کی پیشانی پر کافر لکھ دے گا"۔

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے صفا پہاڑی پر ایک جگہ اپنی لاٹھی ماری اس وقت وہ احرام باندھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا

"وہ جانور اس وقت بھی میری اس لاٹھی کے مارے جانے کی آواز سن رہا ہے۔"

اس کے ظاہر ہونے کا وقت...... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ جانور حج کی رات میں نکلے گا جبکہ لوگ منیٰ کی طرف جا رہے ہوں گے۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ یہ فرمایا۔

"اَجیاد کی گھاٹی بہت بُری گھاٹی ہے۔"

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے"؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اس گھاٹی میں سے وہ جانور نکلے گا وہ تین مرتبہ اتنے زور سے چیخے گا کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک سنی جائے گی۔"

اس جانور کا حلیہ...... حضرت ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس جانور کی شکل و صورت بتلاتے ہوئے کہا۔

"اس کا سر بیل کے جیسا ہوگا، اس کی آنکھیں خنزیر کے جیسی ہوں گی، اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے اس کے سینگ بارہ سنگھے کے جیسے ہوں گے، اس کا سینہ شیر کے سینے جیسا ہوگا، اس کا رنگ یعنی کھال چیتے جیسی ہوگی، اس کا پہلو یعنی کمر بلّی کے جیسی ہوگی، اس کی دُم بجّو کے جیسی ہوگی، اس کی ٹانگیں اونٹ کے جیسی ہوں گی اور اس کے بدن کے ہر جوڑ سے دوسرے جوڑ تک بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔"

اسی بارے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہ جانور اجیاد کی گھاٹی میں سے نکلے گا، اس کا سر بادلوں کو چھو رہا ہوگا جبکہ اس کی ٹانگیں زمین پر ہوں گی۔

حضرت علیؓ سے یہ روایت ہے کہ اس جانور کے دم نہیں ہوگی بلکہ اس کے داڑھی ہوگی۔

اس کا کلام...... وہب کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ تو انسان جیسا ہوگا مگر باقی تمام بدن پرندہ جیسا ہوگا (اسی روایت کی طرف علامہ حلبیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کعبہ کے خزانہ کا سانپ ہی بعض علماء کے کہنے کے مطابق وہ جانور ہوگا جو قیامت کے قریب ظاہر ہو کر لوگوں سے کلام کرے گا۔ غرض وہ جانور اس شکل میں ہوگا اور) جو اس کو دیکھے گا اس سے کہے گا۔

"مکے والے محمد (ﷺ) اور قرآن پر یقین نہیں کرتے تھے۔"

یہ جانور بہت فصیح اور شائستہ انداز میں لوگوں سے کلام کرے گا۔ ایک قول کے مطابق یہ کہے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ کہے گا جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :۔

"لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔"

یہ جانور لوگوں کو بتلائے گا کہ مکے والے قرآن پاک اور نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جانور لوگوں کو زخمی کرے گا۔ یعنی آیت پاک میں تُکَلِّمُھُمْ کے بجائے تَکْلِمُھُمْ پڑھا جائے جیسا کہ ایک قرأت یہ بھی ہے۔ تو معنی ہوں گے کہ وہ لوگوں کو زخمی کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے آیت کے اس لفظ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کی قرأت کیسے ہے (یعنی وہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا یا انہیں زخمی کرے گا) انہوں نے جواب دیا۔

"یہ دونوں کام کریگا۔ مومن سے کلام کرے گا اور کافر کو زخمی کرے گا۔"

(تفسیر خازن ص ۶۷ / ۲۶۶ پ ۲۰۔ سورۂ نمل رکوع ۵۔ مرتب)

محافظ کعبہ سے نجات کے لئے قریش کی دعا...... جب قریش نے کعبے کی تعمیر کا ارادہ کیا تھا تو اول تو وہ کعبے کی پرانی عمارت کو گرانے کے خیال سے ہی ڈر رہے تھے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کر دے اور ان پر تباہی نازل ہو جائے۔ دوسرے اس سانپ کا خوف تھا جو ان کو کعبے کے قریب نہیں آنے دیتا تھا اس لئے ایک روز قریش مقام ابراہیم کے پاس جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہ دعا کرنے لگے۔

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں خوفزدہ نہ کر۔ ہم صرف تیرے گھر کی آرائش اور زینت کرنا چاہتے

ہیں۔ اگر تو ہمارے اس ارادے سے خوش ہے تو اس کو پورا کردے اور ہمیں اس سانپ سے نجات دیدے ورنہ جو بات تیرے نزدیک بہتر ہو وہ کر۔"

**دعا کی قبولیت**...... یہ دعا مانگ کر قریش فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک انہیں فضا میں پھڑ پھڑانے کی..... ایک زبردست آواز سنائی دی اور انہیں آسمان میں وہی پرندہ نظر آیا جس کا پیچھے ذکر ہوا ہے۔ اس پرندے نے جھپٹ کر اس سانپ کو پکڑ لیا اور اسے اجیاد کی طرف لے گیا۔ (قریش سانپ سے چھٹکارا پانے پر بہت مطمئن ہوئے) اور انہوں نے کہا۔

"ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ارادے سے خوش اور راضی ہے۔"

**قریش کا اطمینان**...... اس تعمیر کے سلسلے میں قریش کے سامنے جو بڑی مشکلیں تھیں ان میں ایک تو کعبے کی چھت کے لئے لکڑی حاصل کرنے کا مسئلہ تھا۔ دوسرے ایک بڑھئی اور معمار کی ضرورت تھی، تیسرے اس سانپ سے چھٹکارے کا مسئلہ تھا۔ ان کی یہ سب ہی مشکلات دور ہو گئیں تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور) کہا :۔

ہمیں ایک ہر وقت کا ساتھی معمار یعنی راج بھی مل گیا، لکڑی بھی فراہم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سانپ سے بھی چھٹکارا دلا دیا"۔

**بیت اللہ کا معمار اور بڑھئی**...... یہ معمار یعنی راج جو تھا وہ ہی باقوم رومی تھا جو اس جہاز پر تھا (جو قیصر روم کا جہاز لئے جا رہا تھا یہ شخص معمار بھی تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی لئے قریش کے لوگ اس سے جہاز کی لکڑی لینے کے ساتھ خود اس کو بھی مکے لے آئے تھے۔

لیکن باقوم نام کا ایک شخص خود مکے میں بھی تھا) یہ باقوم سعید ابن عاص کا غلام تھا اور بڑھئی کا کام جانتا تھا۔ اس لئے ممکن ہے قریش کی مراد اسی دوسرے باقوم سے ہو۔ قریش نے اوپر کے جملے میں جس لکڑی کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہے جو انہیں اس جہاز سے حاصل ہوئی تھی جو شعیبہ کے ساحل پر ٹوٹ گیا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (پچھلے صفحات میں ابن اسحاق کی یہ روایت گزری ہے کہ قریش کعبے کو گراتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ کہیں ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو جائے تو ولید ابن مغیرہ نے ان سے کہا کہ تم کعبے کی صلاح کرنا چاہتے ہو اسے نقصان پہنچانا نہیں چاہتے اور اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرے گا۔ پھر اس نے کدال اٹھا کر کعبے کا ایک کونہ توڑا۔ اس رات لوگوں نے انتظار کیا کہ ولید پر کوئی تباہی آتی ہے یا نہیں۔ مگر جب صبح کو ولید بخیریت آیا تو سب کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے کعبے کی عمارت گرا دی لیکن یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ قریش اس سانپ کی وجہ سے ڈر رہے تھے جب اس سے چھٹکارا مل گیا تو انہوں نے کعبے کی عمارت ڈھا دی اس شبہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس پرندے کے سانپ کو لے جانے کے باوجود قریش کعبے کی عمارت گراتے ہوئے ڈر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ آخر ولید ابن مغیرہ سامنے آیا (اور اس نے وہ بات کہی جو اوپر بیان ہوئی) اس طرح ابن اسحاق کی روایت میں اور اس بعد والی روایت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

**تقسیم کار**...... اس کے بعد جب کعبے کو ڈھانے کا وقت آیا (تو قریش میں پھر اختلاف ہوا کیونکہ ہر خاندان اس کام میں برابر کا شریک رہنا چاہتا تھا آخر) ابو وہب ابن عمرو ابن عائذ نے ان سے کہا۔

"میری رائے ہے کہ تم لوگ کعبے کے چاروں کونے آپس میں تقسیم کر لو۔"

چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور گرانے کے کام کو حصہ وار آپس میں بانٹ لیا (تاکہ کوئی خاندان محروم نہ رہے اور شکایت نہ پیدا ہو) اس تقسیم کے تحت کعبے کے دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے خاندانوں کے حصے میں آیا۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم اور ان دوسرے قبیلوں کے حصے میں آیا جو ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ اسی طرح کعبے کی پشت بنی جمح اور بنی سہم ابن عمرو کے خاندانوں کے حصے میں آئی حجر اسود کا حصہ یعنی جہاں اب حجر اسود ہے وہ جانب بنی عبد الدار، بنی اسد اور بنی عدی کے خاندانوں کے حصے میں آئی۔

اس تقسیم کے سلسلے میں علامہ مقریزی نے یہ لکھا ہے کہ حجر اسود سے لے کر حجر اسود کے کونے تک کا درمیانی حصہ جو دروازہ کی سمت تھی وہ بنی عبد مناف کے حصے میں آیا تھا اور بنی اسد، بنی عبد الدار اور بنی زہرہ کے حصے میں حجر اسود یعنی وہ سمت جس میں حجر اسود ہے آئی تھی۔ بنی مخزوم کو کعبے کی پشت کا حصہ ملا تھا اور رکن یمانی سے لے کر رکن اسود تک کے درمیان کا حصہ تمام قریش کو ملا تھا۔ یہاں تک علامہ مقریزی کا کلام ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

رکن یمانی کے متعلق بعض مورّخوں نے لکھا ہے کہ اس کا نام رکن یمانی اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس کو یمن کے ایک شخص نے بنایا تھا۔

بہر حال کعبے کی نئی عمارت بنانے والا شخص باقوم بڑھئی تھا جو سعید ابن عاص کا غلام تھا۔

بڑھئی اور معمار کے متعلق تعین...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہو تاکہ جس نے کعبے کی تعمیر کی وہ باقوم (بڑھئی کے بجائے باقوم) رومی تھا جو اس ٹوٹ جانے والے جہاز میں تھا۔ کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا وہی معمار کا کام جانتا تھا۔ اس بات کی اور تفصیل آگے بھی آئے گی جہاں تک اس باقوم کا تعلق ہے جو سعید ابن عاص کا غلام تھا وہ بڑھئی تھا (معمار نہیں تھا) ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ باقوم غلام بڑھئی بھی تھا اور معمار بھی تھا مگر صرف بڑھئی کے نام سے اس کی شہرت ہوئی اس لئے یہی کعبے کی عمارت کا معمار بھی تھا۔ مگر اسی قسم کا احتمال باقوم رومی کے متعلق بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معمار تو تھا ہی لیکن بڑھئی کا کام بھی جانتا تھا، البتہ اس کی شہرت صرف معمار کی حیثیت سے ہوئی۔ اس بارے میں میں نے بعض مورّخوں کی کتابوں میں بھی دیکھا جنہوں نے لکھا ہے کہ :۔

"باقوم رومی بڑھئی اور معمار تھا۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ کعبے کی عمارت بنانے والا باقوم بڑھئی تھا اس کی مراد باقوم رومی سے ہے"۔

اسی طرح بعض روایتوں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ باقوم رومی بڑھئی بھی تھا (یعنی اصل میں تو وہ معمار ہی کے نام سے مشہور تھا مگر اس کے ساتھ بڑھئی کا کام بھی جانتا تھا) وہ روایت یہ ہے کہ :۔

"قریش کے لوگ اس جہاز کی لکڑی لینے کے لئے گئے جو ساحل پر ٹوٹ گیا تھا وہاں انہوں نے اس رومی شخص کو پایا جو بڑھئی تھا۔ اس لئے قریش جہاز کی لکڑی بھی لے آئے اور اس رومی شخص کو بھی اپنے ساتھ ہی مکے لے آئے۔"

(اب گویا دو قسم کی روایتیں ہو گئیں۔ ایک وہ جن سے معلوم ہوا کہ باقوم رومی معمار تھا اور ایک وہ جن سے معلوم ہوا کہ باقوم رومی بڑھئی تھا) چنانچہ دونوں قسم کی روایتوں سے ظاہر ہوا کہ باقوم رومی معمار بھی تھا اور بڑھئی بھی تھا

(لیکن اگر بڑھئی اس باقوم کو ہی مانا جائے جو سعید ابن عاص کا غلام تھا تو) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں نے کعبے کی تعمیر کا کام کیا ایک نے عمارت بنائی اور دوسرے نے لکڑی کی چھت ڈالی۔ نیز چونکہ دونوں کے متعلق ایسی روایتیں بھی ہیں کہ یہ دونوں بڑھئی بھی تھے اور معمار بھی تھے اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعمیر اور بڑھئی کے کام دونوں نے مشترکہ طور پر کئے۔

اس بارے میں ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ :۔

"مکے میں ایک قبطی شخص تھا جو بڑھئی کا کام جانتا تھا (قریش کے کہنے پر) وہ شخص اس پر راضی ہو گیا کہ کعبے کی چھت وہ بنائے اور باقوم رومی کے کام میں مدد کرے۔ یہ قبطی شخص سعید ابن عاص کا غلام تھا۔"

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ باقوم رومی بڑھئی تھا (جس کی باقوم قبطی نے مدد کی) مگر اس اگلی روایت میں پھر باقوم رومی کے متعلق یہ ہے کہ اس نے کعبے کی تعمیر کی۔ یہ روایت کتاب اصابہ میں ہے :۔

"اس شخص کا نام جس نے قریش کے لئے کعبے کی تعمیر کی ..... باقوم تھا اور وہ رومی تھا۔ یہ ایک جہاز میں تھا جو مخالف ہواؤں میں پھنس گیا تھا جب قریش کو اس کا پتہ چلا تو وہ وہاں پہنچے اور انہوں نے اس جہاز کی لکڑی خریدلی۔ پھر انہوں نے باقوم سے کہا کہ اس کعبہ کو کنیسوں کی بنیاد پر بنادو"۔

یہ باقوم رومی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کا ترکہ سہیل ابن عمرو کو عنایت فرمادیا۔

**تعمیر کی نوعیت** ..... پھر جب قریش نے کعبہ کی تعمیر اس طرح کی کہ ایک ردّا سال کی لکڑی کا لگایا اور اسی طرح نیچے سے اوپر تک ایک ایک ردّا پتھر کا لگایا۔ اس تعمیر میں انہوں نے کعبے کی اونچائی کو نو گز ..... زیادہ کر دیا اور اس طرح اب اس کی اونچائی اٹھارہ گز ہو گئی تھی۔ پھر انہوں نے کعبے کے دروازے کو بھی زمین سے اتنا اونچا اٹھایا کہ کوئی شخص سیڑھی استعمال کئے بغیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس منصوبہ کے ساتھ کعبے کی تعمیر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے پاس اس مد کا روپیہ ختم ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ تعمیر میں سے کچھ پتھر نکال دیئے۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ۔ انہوں نے چوڑائی میں سے چند گز تک پتھر نکال دیئے اور (اس طرح کعبے کا جو حصہ علیٰحدہ رہ گیا) اس پر ایک چھوٹی سی دیوار بنادی تا کہ علامت رہے کہ یہ حصہ کعبہ کا ہے۔

**حجر اسود کے رکھنے میں اختلاف** ..... کعبے کی تعمیر شروع ہونے کے بعد جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچی تو (قریش میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا اور) ہر قبیلہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر وہ رکھے۔ آخر بات اتنی بڑھی کہ لوگ خوں ریزی اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔

بنی عبدالدار نے ایک بڑا برتن لے کر اس میں خون بھرا اور بنی عدی کے ساتھ مل کر اخیر دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد اور حلف کیا۔ انہوں نے اس برتن کے اندر خون میں اپنے ہاتھ ڈبو کر عہد کیا تھا اس لئے ان لوگوں کا نام لَعَقَۃُ الدَّمِ پڑ گیا۔ اس کی تفصیل حلف مطیبین کے بیان میں گزر چکی ہے۔

**ابو امیہ ابن مغیرہ** ..... قریش کے درمیان یہ جھگڑا اور اختلاف چار یا پانچ دن تک رہا۔ آخر پھر وہ ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے اس مجلس میں ابو امیہ ابن مغیرہ جس کا نام حذیفہ تھا پورے قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ یہ ابو امیہ آنحضرت ﷺ کا خسر یعنی اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا باپ تھا۔ یہ شخص قریش کے

انتہائی شریف آدمیوں میں سے ایک تھا جو اپنی فیاضی اور سخاوت کے لئے مشہور تھے۔ یہ شخص مسافر کو زادِ راہ یعنی سفر کے لئے ناشتہ وغیرہ دینے میں مشہور تھا۔ جب کبھی یہ سفر کرتا تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے گھر سے ناشتہ لے کر نہیں چلنے دیتا تھا بلکہ سب لوگوں کے کھانے پینے کا تمام انتظام تنہا خود ہی کیا کرتا تھا۔

اس بارے میں بعض مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ مسافروں کو کھانا دینے کے لئے قریش کے تین آدمی مشہور تھے ایک زمعہ ابن اسود ابن مطلب ابن عبد مناف جو غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مارا گیا۔ دوسرا شخص مسافر ابن ابو عمرو ابن امیّہ تھا اور تیسرا ابو امیّہ ابن مغیرہ تھا جو سب سے زیادہ مشہور تھا۔ بعض مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ قریش میں مسافر کو تنہا ابو امیہ ابن مغیرہ ہی کھانا دیا کرتا تھا (اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی جن دو آدمیوں کا نام اس بارے میں گزرا ہے وہ کھانا نہیں دیا کرتے تھے بلکہ) ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اس وصف میں چونکہ سب سے زیادہ شہرت ابو امیہ کی ہی تھی اس لئے قریش اسی کو جانتے تھے۔ یہ ابو امیہ اپنے ہی دین پر مرا ہے شاید اس کو نبوت کا زمانہ نہیں ملا۔

**ابو اُمیّہ کی طرف سے ایک حل**...... غرض کعبہ کی تعمیر کے دوران جب حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا اور (قریش میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ چار پانچ روز تک الجھنے کے بعد ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے جہاں یہ ابو امیہ ابن مغیرہ بھی تھا چونکہ یہ اس مجمع میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص تھا اس لئے اس نے یہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے) مجمع سے کہا۔

"اے گروہ قریش! اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے تم یہ کرو کہ اس مسجد کے دروازے سے اب جو بھی پہلا شخص داخل ہو اس کو تم اپنا حَکَم بنالو تاکہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے"۔)

یہ دروازہ باب بنی شیبہ تھا۔ اس کو اس وقت جاہلیت کے زمانے میں باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اب اس دروازے کو باب السّلام کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ (ابو امیّہ نے قریش سے یہ کہا)

"جو شخص بھی اب سب سے پہلے باب الصّفا سے داخل ہو اس کو اپنا حَکَم بنالو۔"

یہ باب الصّفا، رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیانی حصے کے سامنے تھا۔ مگر علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ۔ قریش کو جس شخص نے یہ مشورہ دیا کہ جو پہلا آدمی باب بنی شیبہ سے داخل ہو وہ حجر اسود کو رکھے۔ (یہ مشورہ دینے والا شخص مہشم ابن مغیرہ تھا اور اس کا لقب ابو حذیفہ تھا۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے اسی (ابو امیہ) کا نام تو حذیفہ ہو اور اس کی کنیت ابو حذیفہ ہو جیسا کہ ابو امیہ بھی اس کی کنیت تھی اور مہشم اس شخص کا لقب ہو۔

(یہاں خود روایت کے لفظوں میں بھی فرق ہے ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ اس دروازے سے داخل ہونے والا پہلا آدمی تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ اس دروازے سے داخل ہونے والا پہلا شخص حجر اسود کو اس کی جگہ رکھے) اس سلسلے میں ممکن ہے راوی کے الفاظ میں اختلاف ہو گیا ہو کہ ایک مرتبہ یہ کہہ دیا گیا کہ وہ پہلا داخل ہونے والا شخص تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا۔ اور ایک جگہ یہ کہہ دیا گیا کہ وہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دے گا۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ مشہور ہے۔ اس بات کی تصدیق آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

**امین ﷺ کی آمد**...... غرض اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص خود آنحضرت ﷺ

تھے۔ قریش نے جیسے ہی آپ کو دیکھا وہ فوراً پکار اٹھے۔

"یہ امین ہیں...... ہم ان پر راضی ہیں...... یہ محمد ﷺ ہیں!"

(ی) اس کا سبب یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی (آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ شخصیت اور مضبوط و بے داغ کردار کی وجہ سے) قریش کے لوگ اپنے جھگڑوں میں رسول اللہ ﷺ کو ہی اپنا ثالث بنایا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نہ کسی کی بے جا حمایت کرتے تھے اور نہ مخالفت کرتے تھے (بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کا معاملہ کھرا اور انصاف و دیانت کے بالکل مطابق ہوا کرتا تھا)۔

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ...... آخر جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو تمام واقعہ بتلایا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ مجھے ایک چادر لا کر دو چنانچہ فوراً ایک چادر لائی گئی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (جب قریش نے آپ کو سارا معاملہ بتلایا تو)۔ آپ نے اپنا تہبند لے کر (جو غالباً آپ ﷺ کے ساتھ زائد ہوگا) اسے زمین پر بچھایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سفید شامی کپڑا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑا ولید ابن مغیرہ کا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا اور اس کے بعد قریش سے فرمایا۔

"ہر قبیلے کے لوگ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں اور پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔"

چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ بنی عبد مناف کا جو حصہ تھا اس کو عتبہ ابن ربیعہ نے اٹھایا، دوسرے حصے کو زمعہ نے پکڑا۔ تیسرے کو ابو حذیفہ ابن مغیرہ نے اٹھایا اور چوتھے حصے کو قیس ابن عدی نے پکڑا یہاں تک کہ جب انہوں نے حجر اسود کو اس جگہ تک اٹھا دیا جہاں اس کو رکھنا تھا تو خود رسول اللہ ﷺ نے بڑھ کر حجر اسود کو اسکی جگہ پر رکھ دیا۔

جب اس ابو امیہ ابن مغیرہ کا (جس نے قریش کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی) انتقال ہوا تو ابو طالب نے اس کا ایک بہت لمبا مرثیہ لکھا تھا۔ اسی طرح ایک شخص ابو جہم نے بھی اس کا مرثیہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

أَلَا هَلَكَ الْمَاجِدُ الرَّافِدُ
وَكُلُّ قُرَيْشٍ لَهُ حَامِدُ

ترجمہ:۔ خبردار رہو۔ ہلاک ہو گیا وہ شخص جو بزرگ اور خوش حال تھا یہاں تک کہ ہر قریشی اس کی تعریف کرتا ہے۔

وَمَنْ هُوَ عِصْمَةُ اَيْتَامِنَا
وَغَيْثٌ اِذَا فُقِدَ الرَّاعِدُ

اور وہ شخص جو ہمارے یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی پناہ گاہ تھا اور تنگ حالی میں لوگوں کے لئے سہارا تھا۔

فیصلے پر شیطان کی شرارت...... (قال) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے لگے تو ایک نجدی شخص آگے بڑھا تاکہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر جمانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو پتھر اٹھا کر دے مگر حضرت عباسؓ نے اس کو روک دیا اور خود دوسرا پتھر آپ ﷺ کو دے دیا تاکہ اس سے آپ ﷺ حجر اسود کو اس کی جگہ پر مضبوط کر دیں۔

اس پر نجدی کو ایک دم غصہ آگیا اور اس نے بگڑ کر کہا۔

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ باعزت سمجھدار اور ایسے دولت مند لوگوں نے مل کر ایک ایسے نوجوان کو اپنا بڑا بنالیا جو عمر میں بھی سب سے چھوٹا ہے اور مال و دولت میں بھی ان سب سے کم ہے۔ اب یہ سب کے سب اس طرح اس کی عزت افزائی میں لگے ہوئے ہیں جیسے سب اس کے خادم ہیں۔ یاد رکھو کہ خدا کی قسم یہ شخص سب کو جتھوں میں بانٹ دے گا اور ان کی ایکتا اور شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کر دے گا"۔

اس شخص کی ان باتوں سے قریب تھا کہ مجمع میں گڑبڑ ہو جائے (مگر پھر لوگوں کو خود ہی سمجھ آگئی اور وہ ٹھنڈے پڑ گئے)

یہ نجدی شخص (جس نے اس موقع پر لوگوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی) شاید ابلیس تھا کیونکہ علامہ سہیلی نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ :۔

جب لوگوں نے اس جھگڑے میں کہ کون حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھے۔ آنحضرت ﷺ کو حکم بنایا تو ابلیس یعنی شیطان ایک نجدی بوڑھے کی شکل میں ظاہر ہوا اور پکار کر کہنے لگا۔

"اے گروہ قریش! کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ اپنے معزز اور باعزت لوگوں کے مقابلے میں اس لڑکے کو اپنا معاملہ سپرد کر دو......!"

**نجد کے علاقے سے شیطان کا تعلق**......(اب جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ابلیس ایک نجدی آدمی کے روپ میں ہی کیوں ظاہر ہوا تو) اس کی وجہ یہ حدیث ہے کہ نجد ہی وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کا سینگ نکلا ہے۔ اسی طرح ایک وجہ یہ حدیث بھی ہے کہ جب ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ۔

"اے اللہ! ہمارے ملک شام اور یمن میں برکت عطا فرما......"

تو صحابہ نے عرض کیا

"اور ہمارے نجد کے علاقے میں بھی۔"

مگر آنحضرت ﷺ نے پھر ان ہی دو علاقوں کا نام لیا اور (نجد کے بارے میں) فرمایا

"وہاں تباہیاں اور فتنے ہیں اور اسی علاقے سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔"

اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ آگے بیان آئے گا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد لوگ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے اور) قریش نے دارالندوہ یعنی اپنی مشورت گاہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تو اس وقت بھی شیطان ایک نجدی شخص کی ہی صورت میں ظاہر ہو کر قریش کے مجمع میں شامل ہوا تھا (نیز شیطان کے ایک نجدی ہی شخص کی صورت میں ظاہر ہونے کا) اس کے علاوہ ایک اور سبب بھی ہے۔ اس بارے میں ممکن ہے کہ ایک سبب یہ بھی ہو جو یہاں بیان کیا گیا اور وہ ہو جو آگے ذکر ہو گا۔

**بیت اللہ کی بتوں سے آراستگی**......(غرض قریش نے جب کعبے کی تعمیر مکمل کر لی تو) انہوں نے وہ تمام بت جو وہاں سجے ہوئے تھے دوبارہ وہیں رکھ دیئے۔ کیونکہ کعبے کی دیواروں میں پہلے ہی سے پیغمبروں کی تصویریں مختلف رنگوں میں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی جس میں ہاتھ میں قرعہ کے تیر دکھائے گئے تھے۔ (ی) اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں بھی قرعہ کے تیر دکھلائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ فرشتوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں اور حضرت مریم علیہا السلام کی شکل

بھی جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آگے تفصیل آئے گی۔

پھر قریش کے بڑے لوگوں اور رہنماؤں نے بیت اللہ پر اپنے قیمتی کپڑے چڑھائے جو یمن کی دھاریدار چادریں تھیں۔ مگر اس موقعہ کے بعد بیت اللہ پر کسی نے کوئی چادر نہیں چڑھائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع یعنی آخری حج کے موقعہ پر کعبے پر یمنی چادریں چڑھائیں (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) واللہ اعلم

**کلمہ طیبہ کی برکت**...... کعبہ کی یہ تعمیر (جو قریش نے کی) چوتھی تعمیر ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے کعبے کو فرشتوں نے بنایا تھا۔ چنانچہ بعض صحابہ کے اقوال میں سے ہے کہ :۔

"زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش میٹھے پانی کے اوپر تھا۔ پھر جب عرش کو پانی پر ہونے کی وجہ سے حرکت ہوئی تو اس پر یہ کلمہ لکھ دیا گیا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

**زمین کی اصل اور تخلیق ارض و سماء**...... اس کلمہ کے لکھے جانے کے بعد عرش اپنی جگہ پر ساکن ہو گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اس پانی پر ہوا کو بھیجا جس سے پانی میں موجیں اٹھنے لگیں اور اس پر بخارات یعنی بھاپ اٹھنے لگی اللہ تعالیٰ نے اس بھاپ سے آسمان کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی جگہ سے پانی کو ہٹادیا اور پانی خشک ہو گیا۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ نے پانی پر تیز ہواؤں کو بھیجا اس ہوا نے پانی کو اچھالا یعنی اس میں موجیں اٹھنے لگیں جس کے درمیان خشکی پیدا ہو گئی (یہی جگہ بیت اللہ شریف کی ہے) پھر اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ نے لمبائی اور چوڑائی ہر لحاظ سے زمین کو پھیلایا۔ اس لئے یہی (بیت اللہ شریف کی) جگہ ساری زمین کی اصل اور اس کا مرکز ہے۔

مگر کتاب انس الجلیل میں جو روایت ہے وہ اس بات کے خلاف ہے (کہ زمین کی اصل اور مرکز کعبہ ہے) کیونکہ اس میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

"دنیا کا بیچ (یعنی مرکز اور اصل) بیت المقدس ہے اور آسمانوں سے (اپنے مرتبے کے لحاظ سے) سب سے زیادہ قریب اور اونچی جگہ یہی ہے۔"

**بیت المقدس کی عظمت**...... حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے اسی سلسلے میں یہ روایت ہے کہ کہ یہ (بیت المقدس کی جگہ اپنے مقام اور عظمت کے لحاظ سے دوسرے تمام مقامات کے مقابلے میں) آسمانوں سے بارہ میل قریب ہے (اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جگہ سطح سمندر سے بارہ میل بلند ہے بلکہ یہاں بلندی سے مراد عظمت اور مرتبہ ہے کہ زمین کے دوسرے مقدس مقامات اپنے مرتبے کے لحاظ سے آسمانوں سے جتنے قریب ہیں بیت المقدس کا مقام ان سب سے بارہ میل اور زیادہ ہے)۔

**زمین کا اولین وافضل ترین پہاڑ**...... کتاب انس الجلیل ہی میں ایک قول یہ ہے کہ :۔

جب زمین ظاہر ہو گئی تو اس پر پہاڑ قائم کئے گئے۔ سب سے پہلے زمین پر جو پہاڑ قائم کیا گیا وہ ابو قبیس پہاڑ ہے۔ اس روایت کی روشنی میں اس پہاڑ کو ابو جبال یعنی پہاڑوں کا باپ کہنا چاہئے اور اسی پہاڑ کو سب سے اعلیٰ اور افضل پہاڑ کہنا چاہئے۔ مگر اس بارے میں علامہ سیوطی کا قول یہ ہے کہ پہاڑوں میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ پہاڑ احد ہے (جس کے دامن میں غزوۂ احد ہوا تھا) علامہ سیوطیؒ نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد

کی بناء پر کہی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔

**احد پہاڑ کی عظمت**...... "احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت رکھتے ہیں"۔ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں یہی پہاڑ سب سے اونچے مرتبے والا ہونا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ اس سے محبت فرماتے ہیں) پھر علامہ سیوطیؒ ایک دلیل اور بھی دیتے ہیں کہ احد پہاڑ کے بارے میں ایک حدیث یہ بھی ہے کہ :۔

"یہ پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے اوپر ہے۔"

**افضل ترین خطۂ زمین**...... اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں عالم مثال میں اس عالم کی جو شبیہ اور تصویر ہے وہاں احد کا پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے اوپر واقع ہے اور اس طرح احد پہاڑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے) پھر علامہ سیوطیؒ ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ احد کا پہاڑ مدینہ منورہ کی زمین کا ہی ایک حصہ ہے (کیونکہ یہ مدینے سے قریب ہے) اور مدینے کی سرزمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ فضیلت اور مرتبہ والا خطہ ہے۔

نیز ایک قرأت کے لحاظ سے احد پہاڑ کا نام قرآن پاک میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (وہ آیت یہ ہے)

إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ (نیز عَلٰی اُحُدٍ) پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۶ الآیۃ ۱۵۳

ترجمہ :۔ وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی تو نہ دیکھتے تھے۔

(اس آیت میں عام قرأت تو اَحَد ہی ہے اور غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ابتدائی پسپائی کی طرف اشارہ ہے لیکن اس لفظ کی ایک قرأت عَلٰی اُحُدٍ بھی کی گئی ہے۔ اس قرأت کی صورت میں احد پہاڑ کی فضیلت کے لئے یہ ایک اور دلیل بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کا نام لے کر قرآن پاک میں ذکر فرمایا)

پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے پھاڑ کر سات زمینیں بنا دیں۔

**تخلیق زمین کی کیفیت**...... (زمین کی تخلیق کے متعلق) ایک حدیث میں ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں اس حالت میں بنایا کہ وہ بچھی ہوئی اور پھیلی ہوئی نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو دن میں آسمانوں کو بنایا اور ان کو دو دن میں برابر اور ہموار کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھا دیا اور دو دن میں اس میں پہاڑ وغیرہ بنائے۔"

**ترتیب تخلیق**...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا اس وقت آسمان ایک دھواں سا تھا۔ پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں دو دن میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد زمین کو دو دن میں بچھایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں وغیرہ پیدا فرما دیں۔ گویا زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہوئی لیکن اس کو بچھانے اور اس میں پہاڑ اور نہریں وغیرہ پیدا کرنے کا کام آسمانوں کے بنائے جانے کے بعد ہوا۔ اس کی طرف حق تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا. (الآیۃ ۲۷-۳۱ پ ۳۰ سورۂ نازعات ع ۱)

ترجمہ :۔ بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا۔ اللہ نے اس کو بنایا۔ اس کی سقف (یعنی چھت) کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا۔ اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد

زمین کو بچھایا اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا)

مگر علامہ مغلطائی کہتے ہیں کہ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا میں بعد کا لفظ قبل کے معنی میں ہے یعنی۔ اس سے پہلے زمین کو بچھایا۔ کیونکہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

مگر یہ تفسیر قابل غور ہے کیونکہ (یہ تو درست ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا مگر جیسا کہ اوپر کی حدیث میں بیان ہوا) زمین بغیر بچھی ہوئی صورت میں آسمان سے پہلے پیدا کی گئی البتہ جہاں تک زمین کو بچھانے کا تعلق ہے (جس کے متعلق بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا میں اشارہ کیا گیا ہے) وہ آسمان پیدا کرتے کے بعد ہی ہوا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے اس بارے میں پوچھا اور کہا کہ :۔

"اے امام! قرآن پاک کی بعض آیتوں میں مجھے مشکل پیش آرہی ہے۔"

پھر اس نے وہ آیات پڑھیں کہ ایک آیت میں ہے :۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًاط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ ٥ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ. (پ ۲۴ سورہ حم السجدہ ع ۲) الآیۃ ۹ تا ۱۱

ترجمہ :۔ آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ یہی سارے جہان کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں۔ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا۔ سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

پھر ایک دوسری آیت میں فرمایا

اَمِ السَّمَاءُ بَنٰهَا الْاٰيَة ۲۷ پ ۳۰ سورہ نازعات ع ۲

ترجمہ :۔ (بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے) یا آسمان کا۔ اللہ نے اس کو بنایا۔

پھر آگے فرمایا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا الْاٰيَة ۳۰ پ ۳۰ سورہ نازعات ع ۲

ترجمہ :۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا

(یہاں پوچھنے والے کو جو شبہ ہوا وہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں صاف کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں بنایا اور زمین کے اوپر پہاڑ وغیرہ بنا دیئے پھر یعنی اس کے بعد آسمان کی توجہ فرمائی جو دھوئیں کی صورت میں تھا گویا زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا گیا۔ مگر سورۂ نازعات کی جو دو آیتیں بعد میں ذکر کی گئیں ان میں سے پہلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بنایا۔ اور پھر آگے فرمایا گیا کہ۔ اس کے بعد زمین کو بچھایا لہٰذا پوچھنے والے کو دونوں جگہوں پر اس ظاہری اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا جس کے متعلق اس نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا) حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

**تخلیق ارض و سماء کی نوعیت**...... "جہاں تک حق تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے کہ زمین کو دو دن میں بنا دیا گیا تو زمین حقیقت میں آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔ (مگر صرف زمین کا مادہ پیدا کیا گیا اس کو اس موجودہ شکل

میں اس وقت تک نہیں لایا گیا تھا جس میں ہم اس کو اب دیکھتے ہیں یہ) اس وقت ایک بھاپ کی سی صورت میں تھا (اور آسمان کا یہ مادّہ یعنی بھاپ کی صورت میں زمین کے مادّہ کے بعد بنایا گیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو موجودہ صورت میں بچھانے سے پہلے لیکن) زمین کا مادّہ پیدا فرما دینے کے بعد (اس دھویں سے) دو دن میں سات آسمان بنا دیئے۔

جہاں تک حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ اس کے بعد یعنی آسمان کے بعد زمین کو بچھایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ (زمین کے تیار شدہ مادّے سے اس کو موجودہ شکل میں لا کر بچھا دیا اور) اس میں پہاڑ بنا دیئے، نہریں بنا دیں درخت اگا دیئے اور دریا بنا دیئے۔"

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اگرچہ زمین ہی پیدا کی گئی مگر اس کو ایک مادّہ کی صورت میں بنا کر موجودہ صورت میں بچھائے بغیر چھوڑ دیا گیا اور پھر آسمانوں کا مادّہ پیدا فرمایا گیا جو دھویں اور بھاپ کی سی صورت میں تھا۔ پھر اس دھویں سے سات آسمانوں کو دو دن میں بنا دیا گیا۔ اب جب ساتوں آسمان بن چکے تو حق تعالیٰ نے زمین کے اس مادّہ کی طرف توجہ فرمائی جس کو بنا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب اس مادّہ سے زمین کو موجودہ شکل دی گئی اور اس میں پہاڑ، دریا اور درخت وغیرہ بنا دیئے۔ اس جواب کے بعد ان آیتوں کا صحیح مطلب سامنے آجاتا ہے اور شبہ باقی نہیں رہتا۔

زمین و آسمان کو پیدا کرنے کی ترتیب کے متعلق قرآن پاک کی اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًاه ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الآیہ ۲۹ پ ۱ سورۂ بقرہ ع ۳)

ترجمہ:۔ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، سو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان۔ اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے۔

"یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا قرآن مجید میں صدہا مقام پر ذکر آیا ہے مگر ترتیب کا بیان کہ پیچھے کیا بنا یہ صرف غالباً تین جگہ آیا ہے۔ اس آیت میں، حم السجدہ میں، وَالنّٰزِعٰتِ میں۔ اور سرسری نظر میں ان سب کے مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی موہوم ہوتا ہے۔ سو سب آیتوں میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی ہیئت موجودہ نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادّہ بنا جو صورت دخان (دھواں) میں تھا۔ اس کے بعد زمین میں ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ و درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر اس مادّۂ دخانیہ سیالہ (یعنی دھویں کے پتلے مادّے) کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تفسیر پر منطبق ہو جاویں گی آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔" (حوالہ تفسیر بیان القرآن)

اب گویا علامہ حلبیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کے مطابق زمین و آسمان پیدا کئے جانے کی ترتیب میں اور حضرت تھانویؒ کی تفسیر کی ترتیب میں تھوڑا سا فرق ہے۔ علامہ حلبیؒ تو یہ نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے زمین کا مادّہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ حق تعالیٰ نے آسمان کا مادّہ بنا دیا جو دھویں کی صورت میں تھا۔ پھر

دودن میں اس مادّے سے سات آسمان پیدا فرمادیئے اور پھر اس کے بعد زمین کے پہلے سے تیار شدہ مادّے سے زمین کو یہ موجودہ صورت دی جس میں ہم اس کو دیکھتے ہیں۔ مگر حضرت تھانویؒ یہ لکھتے ہیں کہ پہلے زمین کا مادّہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد آسمان کا مادّہ دھویں کی صورت میں بنا کر اسے بھی چھوڑ دیا گیا اور زمین کو دو دن میں موجودہ صورت میں پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ وغیرہ بنادیئے۔ اس کے بعد آسمان کے تیار شدہ مادّے سے دو دن میں سات آسمان بنادیئے۔

خلاصہ یہ کہ چھ دن میں زمین و آسمان اور دریا، پہاڑ اور نہریں وغیرہ بنادی گئیں۔ مرتب (تشریح ختم)
بعض علماء کا قول یہ ہے کہ۔

"آسمان زمین سے پہلے پیدا کیا گیا، اندھیرا روشنی سے پہلے پیدا کیا گیا اور جنت، دوزخ سے پہلے پیدا کی گئی۔" اگر چہ اوپر حضرت ابن عباسؓ کی جو تفسیر بیان کی گئی اس سے یہ قول غلط ہو جاتا ہے۔

زمینوں کے مختلف ہونے کے متعلق قرآن پاک کی آیت ہے جس میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ پ ۲۸ سورۂ طلاق ع ۲ الآیۃ ۱۲۔

ترجمہ :۔ اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی۔

**کیا سات زمینیں سات مستقل عالم ہیں ؟**...... (اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں اور ان سات زمینوں کے متعلق) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ :۔

"زمینیں سات ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح ایک نبی ہے، تمہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے تمہارے نوح کی طرح ایک نوح ہے، تمہارے ابراہیم کی طرح ایک ابراہیم ہے اور تمہارے عیسیٰ کی طرح ایک عیسیٰ ہے۔"

اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا اور اس کی سند کو صحیح بتلایا ہے۔ مگر علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند تو صحیح ہے مگر یہ حدیث بہت زیادہ شاذ [1] ہے۔ (ی) کیونکہ حدیث کی سند کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں کہ حدیث کا متن یعنی الفاظ بھی درست ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی سند یعنی راویوں کا سلسلہ تو صحیح اور مضبوط ہے مگر اس حدیث کے متن میں ایسی چیزیں ہوں جن کو (احادیث ہی کی روشنی میں) صحیح نہ کہا جا سکتا ہو۔ لہذا یہ حدیث ضعیف یعنی کمزور ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے۔

"اس حدیث کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے (ان دوسری چھ زمینوں کے پیغمبروں سے) مراد وہ ڈرانے والے ہوں جو جنوں کو انسان کے پیغمبروں کی طرف سے (کفر و شرک سے) ڈراتے ہوں۔ لہذا ممکن ہے کہ ان ڈرانے والوں کے نام بھی ان ہی نبیوں کے ناموں پر پڑ گئے ہوں جن کی طرف سے یہ تبلیغ کرتے تھے (یعنی جنوں میں سے جو شخص حضرت آدمؑ کی طرف سے اپنی قوم کو تبلیغ کرتا اور ڈراتا ہو اس کا نام بھی آدم ہی پڑ گیا ہو، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ کرنے والے کا نام ابراہیم پڑ گیا ہو) یہاں تک

[1] شاذوہ حدیث کہلاتی ہے جس کا راوی تو معتبر اور ثقہ ہو مگر اس میں یہ کمزوری ہو کہ اس نے اپنے سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد راوی کی مخالفت کی ہو

علامہ سیوطیؒ کا کلام ہے۔
اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی جنّات کو تبلیغ کرنے والا ایک قاصد تھا اور اس کا نام بھی آنحضرت ﷺ کے نام نامی کی طرح تھا۔ نام سے مراد یہاں شاید آپ کا مشہور نام یعنی محمد ہے۔

## سات زمینوں کے وجود پر اعتقادی و عقلی امکانات

تشریح: اس بارے میں علامہ سیوطیؒ کی یہ بات ہی مناسب معلوم ہوتی ہے جبکہ اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے کیونکہ علماء کو اس حدیث کے الفاظ کے صحیح ہونے میں کلام ہے۔ اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ لکھا ہے جس کو مترجم نقل کر رہا ہے :۔
"ان سات زمینوں میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور لوگ ان کو کواکب (یعنی ستارے) سمجھتے ہوں جیسا مریخ کی نسبت بعض کا گمان ہے کہ اس میں جبال و انہار (یعنی پہاڑ، نہریں) و آبادی ہے اور حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق (یعنی اوپر) ہو جاتی ہیں"۔ (حوالہ تفسیر بیان القرآن)
جہاں تک سات زمینوں کے وجود کا تعلق ہے اس کی اطلاع قرآن پاک میں دی گئی ہے اور سات زمینوں کا وجود اعتقادی لحاظ سے بھی ہے اور عقلی طور پر بھی ممکن ہے۔ صرف اعتقادی لحاظ سے ماننے کی صورت میں حضرت تھانویؒ کی یہ تفسیر آخری درجے کی ہے کہ ممکن ہے وہ زمینیں نظر نہ آتی ہوں بلکہ وہ مثالی شکل میں موجود ہوں۔ جہاں تک عقلی طور پر ماننے کا تعلق ہے سو اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں اربوں کھربوں ستارے ہیں ہو سکتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے سیارے بنائے ہوں جو بالکل ہماری زمین کی طرح آباد ہوں اور ان میں زندگی اور اس کے تقاضے موجود ہوں۔ اگرچہ چاند پر زندگی کے آثار نہیں ملے اور مریخ کے متعلق بھی اب تک کی ابتدائی تحقیقات یہی ہیں کہ وہاں آکسیجن اور نائٹروجن وغیرہ موجود نہیں ہے جو زندگی کے لئے ضروری ہے مگر اربوں کھربوں سیاروں میں صرف دو کے متعلق یہ علم ہو جانا ظاہر ہے اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ بقیہ بے شمار ستاروں میں بھی زندگی کے آثار موجود نہیں ہیں۔ کائنات کی جستجو کے متعلق آج سائنس کی کھوج کا ایک بڑا مقصد انسان کی یہی آرزو ہے کہ دوسرے سیاروں میں زندگی کا پتہ چلا سکے۔ اس لئے سائنس کی یہ جستجو ہی دوسرے سیاروں میں زندگی کے وجود کے امکان کی دلیل ہے۔
جہاں تک بقیہ زمینوں کے اس زمین کے نیچے ہونے کا تعلق ہے اس کے متعلق قرآن پاک نے تو کوئی تشریح نہیں کی البتہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے، اس کے نیچے تیسری اور اس کے نیچے چوتھی۔ اس طرح یہ سات زمینیں ہیں۔
<u>کائنات کی ہیئت</u>...... یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حق تعالیٰ نے یہ کائنات بے انتہا وسیع اور انسانی ادراک کے لحاظ سے لامحدود بنائی ہے۔ کائنات کی ان بے پناہ وسعتوں اور پہنائیوں میں اربوں کھربوں سیارے ایک خاص انداز میں گردش کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ کائنات ایک عظیم خلا ہے جس میں اوپر نیچے اور ہر چہار طرف سیاروں کا ہجوم ہے۔ چنانچہ پوری کائنات کے لحاظ سے ہمارے اس کرہ زمین کے نیچے بھی خلا میں بے شمار

سیارے ہیں اور اوپر اور دائیں بائیں بھی۔ لہٰذا بقیہ چھ زمینوں کو اگر یہ مانا جائے کہ وہ نظر بھی آسکتی ہیں تو ان کے متعلق سیدھے انداز میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہماری اس زمین کے نیچے اوپر تلے خلا میں موجود ہیں یعنی کائنات کے اس عظیم خلا میں وہ بے شمار سیارے جو ہماری زمین کے نیچے واقع ہو رہے ہیں ان میں ہی وہ چھ زمینیں بھی موجود ہیں جو بالکل ہماری اس زمین کی طرح ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کائنات اور خلاء کے لحاظ سے اس میں موجود چیزوں میں سے کسی کو بھی نہ اوپر کہا جا سکتا ہے اور نہ نیچے۔ کیونکہ ہر سیارہ خلا میں ایک لحاظ سے اوپر تو ایک لحاظ سے نیچے ہے۔ لہٰذا اس نقطہ نظر سے بقیہ چھ زمینوں کے متعلق یہ کہنا بھی ضروری نہیں کہ وہ کائنات کے اسی حصے میں ہو سکتی ہیں جو ٹھیک ہماری زمین کے نیچے ہے۔

یہ بحث تو ہے خود سات زمینوں کے وجود کے متعلق جن کا موجود ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے۔

اب جہاں تک ان زمینوں میں آبادی اور پیغمبروں یا ڈرانے والوں کے وجود کا تعلق ہے اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں چند علماء کا قول اور تنقید تو خود علامہ حلبیؒ نے نقل کر دی ہے جس سے اس حدیث کا کمزور ہونا ثابت ہوتا ہے مزید یہ ہے کہ اس حدیث کو کتاب درر منثور نے موقوف نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت اور سند کا سلسلہ صحابی تک جا کر رک جاتا ہو خود آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچتا ہو۔ یعنی سند کے آخر میں یہ ہو کہ۔ فلاں صحابیؓ نے یہ کہا اور اس کے بعد حدیث بیان کر دی گئی ہو۔ سند اس طرح نہ ہو کہ۔ فلاں نے فلاں صحابی سے بیان کیا اور ان صحابی نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ بات بھی روایت اور سند کے نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض علماء نے اس حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت کہا ہے اور اس قول کو حضرت تھانویؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ مرتب) تشریح ختم

(پیچھے کی سطروں میں زمین و آسمان کی تخلیق سے متعلق سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بنانے کے بعد ان دونوں کو حکم دیا کہ تم دونوں خوشی سے ورنہ زبردستی سے حاضر ہو جس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (پ ۲۴ سورہ حٰم السجدہ ع ۲) الآیۃ ۱۱

ترجمہ:۔ سو اس سے (یعنی آسمان سے) اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر زمین کے جس حصے نے جواب دیا وہ ہی جگہ ہے جہاں پر کعبہ شریف ہے اسی طرح آسمان کی طرف سے جو جواب دیا گیا وہ اس حصے نے دیا جو کعبہ کی بالکل سیدھ میں ہے اور جو کہ آسمان میں بیت المعمور کی جگہ ہے۔

آنحضرت کی تخلیق زمین کے مرکز سے...... حضرت کعبؓ ابن احبار سے روایت ہے کہ:۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ کی مٹی لے کر آئیں جو زمین کا قلب ہے یعنی اصل ہے اور اس کا حسن اور خوبصورتی و نور ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مٹھی بھر مٹی اس جگہ سے اٹھائی جہاں رسول اللہ ﷺ کی قبر

مبارک ہے۔ یہ مٹی بالکل سفید اور چمک دار تھی اور اس میں سے (نور کی) شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔"

مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ :۔

بعض علماء کا قول ہے کہ "رسول ﷺ کی مٹی کی اصل اس جگہ کی ہے جو مکے میں تمام زمین کا مرکز ہے۔" (حق تعالیٰ نے جب زمین و آسمان کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھا تو) زمین سے جس حصے نے حق تعالیٰ کے اس حکم کا جواب دیا وہ آنحضرت ﷺ کی مٹی تھی (اس بارے میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ زمین کے جس حصے نے جواب دیا تھا وہ کعبہ مبارک کی جگہ ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے متعلق آگے بیان آرہا ہے)

آنحضرت ﷺ اور عہد الست...... (ی) شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے لکھا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا۔

"کیا تم اس خاص دن کو جانتے ہو؟"

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا

"ہاں یا رسول اللہ! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ آپ یوم مقادیر (یعنی جس روز حق تعالیٰ نے دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے اعمال کو مقدّر فرمایا اس دن) اور یوم اَلست (یعنی اسی وقت جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیدا ہونے والی مخلوقات سے اپنی خدائی و یکتائی کا قول و قرار لیا تھا اس دن) کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ میں نے اس وقت آپ کو یہ کہتے سنا تھا کہ :۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰه

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

## عہدِ اَلست

تشریح...... عہد الست سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے روز ازل میں لیا تھا اور قیامت تک دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر ان سے اقرار کرایا تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اس عہد کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

"عہدِ اَلست" نام کی وجہ...... اس کو عہد الست اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے یہ عہد لینے کے وقت ان سے ان الفاظ میں سوال کیا تھا کہ :۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اَلَسْتُ عربی میں واحد متکلم کا سوالیہ صیغہ ہے جس کے معنی ہیں۔ کیا میں نہیں ہوں۔ اسی لفظ سے علماء نے اس عہد کو یاد کیا ہے اور اس کو عہد الست کہا ہے۔

اس عہد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے :۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا. اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ . اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ـ (پ ۹ سورۂ اعراف ع ۲۱) الآیہ ۱۷۲ تا ۱۷۴

ترجمہ :۔ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہیں کے

متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ سو کیا ان غلط راہ نکالنے والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں۔ ہم اسی طرح آیات (یعنی نشانیوں) کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجاویں۔

عہدِ اَلَست کی نوعیت...... اس عہدِ اَلَست کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے :۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کی نسل کو ان کی پُشت سے (یعنی ہر ایک کی پُشت سے اس کے اگلوں کو) ازل کے دن نکالا جنہوں نے خود اپنے اوپر گواہی دی کہ حق تعالیٰ ان کے پروردگار اور مالک ہیں اور یہ کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے سوائے اس کی ذات کے۔ اسی فطرت اور جبلّت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (پ ۲۱ سورہ روم ع ۴) الآیۃ ۳۰

ترجمہ :۔ تم اپنی پوری توجہ دین حق کی طرف قائم رکھو اللہ تعالیٰ نے اسی فطرت پر انسان کی جبلت بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس طرح پیدا کر دیا وہ اسی طرح قائم رہے گی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے...... صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

ہر نو مولود اصل فطرت (یعنی توحید پرستی) پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ہر نو مولود اسی ملت اور دین پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ جانور صحیح سالم اور ٹھیک حالت میں پیدا ہوتے ہیں مگر لوگ ان کے کان ناک کاٹ کر ان کی صورت بگاڑ دیتے ہیں (جانوروں کے کان ناک کاٹ کر عرب ان کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل سیرت حلبیہ اردو کے پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے)

صحیح مسلم میں عیاض ابن حمار سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :۔ "میں اپنے بندوں کو صحیح دین پر پیدا کرتا ہوں۔ پھر ان کے پاس شیطان پہنچتے ہیں اور ان کو ان کے دین سے ہٹا دیتے ہیں اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان پر حلال کی تھیں"۔

یعنی اسی عہدِ اَلَست کے نتیجہ میں جو حق تعالیٰ نے ان کی مٹی اور خمیر میں ڈال دیا ہے وہ سچے دین اور توحید پرستی کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں مگر بعد میں ان کو شیطان ورغلا کر سچے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

بنی سعد کے ایک صحابی اسود ابن سریع سے روایت ہے کہ میں چار غزوات (یعنی رسول اللہ ﷺ کی شرکت والی جنگوں) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوا۔ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) مجاہدوں نے کافروں کے ساتھ زبردست جنگ کے بعد (ان کو شکست دی اور) ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ کو اس پر بہت ناگواری اور گرانی ہوئی اور آپ نے فرمایا۔

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بچوں کو پکڑ رہے ہیں۔"

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! "کیا وہ بچے مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں"؟
آپ ﷺ نے فرمایا
"تم میں سے بہترین لوگ بھی تو مشرکوں کی اولاد ہیں۔ یاد رکھو! کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر (یعنی سچے دین پر) پیدا نہ ہوتا ہو۔ پھر وہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان سے اس سے پھر جاتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں"۔
بعض احادیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی تمام اولاد اور نسل نکالی گئی اور ان کو اصحاب یمین اور اصحاب شمال (یعنی دائیں جانب کے لوگ اور بائیں جانب کے لوگ) بنا کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا (اصحاب یمین اور اصحاب شمال کے متعلق سیرت حلبیہ کے گزشتہ ابواب میں تفصیل گزر چکی ہے)
ان ہی روایتوں میں سے بعض میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (روز ازل میں آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو ان کی پیٹھ سے نکال کر) ان سے گواہی لی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا پروردگار ہے۔
<u>قیامت میں ایک دوزخی سے سوال و جواب</u>...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔
"قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائے گا کہ اگر زمین کے سارے خزانے تیری ملکیت میں ہوتے اور پھر تجھ سے وہ ساری دولت اپنی نجات کے بدلے میں دیدینے کو کہا جاتا) تو کیا تو وہ سب کچھ اپنی بخشش کے بدلے میں دے دیتا؟ وہ شخص کہے گا کہ بے شک! اس پر اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے۔
"میں نے تو تجھ سے اس سے بہت کم مانگا تھا۔ جب تو آدم کی پیٹھ میں تھا تو میں نے تجھ سے عہد لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا مگر تو بعد میں اپنے اس وعدہ سے پھر گیا اور تو نے میرے ساتھ شرک کیا۔"
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
"حق تعالیٰ نے مقام نعمان میں عرفہ کے دن آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے وعدہ لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری اولاد کو ان کی پیٹھ سے نکال کر انہیں ذروں کی طرح پھیلا دیا اور انہیں اپنے سامنے کھڑا کر کے ان سے اس طرح کلام فرمایا۔
" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ...... الخ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"
انہوں نے کہا "بے شک ہے"
ابن جریر سے روایت ہے کہ ایک شخص ضحاک ابن مزاحم کا ایک بیٹا صرف چھ دن کا ہو کر مر گیا۔
ضحاک نے جابر سے کہا۔
"اے جابر! جب تم میرے بیٹے کو قبر میں رکھو تو اس کا بند کھول کر اس کا چہرہ کھول دینا کیونکہ اس بچے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال جواب بھی ہوگا۔"
چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اس کو دفن کر کے فارغ ہوا تو میں نے ضحاک سے پوچھا۔
"تمہارے بیٹے سے کیا پوچھا جائے گا۔ اور کون پوچھے گا؟"
ضحاک نے کہا۔

"اس سے اس عہد کے متعلق پوچھا جائے گا جس کا اس نے آدم کی پیٹھ میں ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اقرار کیا تھا۔"

(جب جابر نے پوچھا کہ وہ عہد کیا ہے تو ضحاک نے بتلایا کہ روز ازل میں)

"اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تھا جس سے وہ تمام روحیں باہر نکل آئیں جو قیامت کے دن تک پیدا ہونے والی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب روحوں سے عہد لیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب پیدا ہونے والوں کو رزق پہنچانے کا ذمہ لیا اور پھر انہیں واپس آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں داخل کر دیا۔ اب قیامت اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک کہ ان میں سے ایک ایک شخص پیدا نہیں ہو جائے گا جن سے ازل کے دن وہ عہد لیا گیا تھا۔ اب ان لوگوں میں سے جو شخص بھی دوسرا عہد (یعنی سچے دین کو قبول کرنے کا) پائے گا اور اس کو پورا کرے گا (یعنی اس پر قائم رہے گا اور عمل کرے گا) تو اس کو یہ پہلا عہد (یعنی عہد الست) فائدہ پہنچائے گا۔ لیکن جس شخص کو دوسرا عہد ملے اور وہ اس کو قبول نہ کرے تو اس کو یہ پہلا عہد یعنی عہد الست کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا (یعنی اس کی مغفرت اور بخشش نہیں ہوگی) اور جو انسان بچپن میں ہی مر جائے یعنی دوسرے عہد کا زمانہ نہ پائے تو وہ عہد الست پر ہی مرے گا کیونکہ یہی انسان کی فطرت ہے (یعنی ایسے بچے کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ اس عہد الست پر قائم ہے جو اس کی فطرت میں شامل کیا گیا ہے) تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۲۶۱/۶۲

عہد الست ایک رہنما ہے...... اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ایک صحیح اور سلیم فطرت دے کر پیدا کیا ہے اور یہ بات اس کے خمیر میں ڈال دی ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ انسان کی یہی فطرت اور ازل کا یہی عہد ہے جو خود سچے راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے اور عقل خود بخود اس بات کو قبول کرتی ہے کہ اس کائنات اور زمان و مکان کا خالق ایک ہی ہے جو نہ ماننے والے ہیں وہ اپنی ہٹ دھرمی یا باپ دادا کی لاج میں اس سے انکار کرتے ہیں جو فطرت کے خلاف عمل ہوتا ہے۔

اس عہد کا مقصد اور فائدہ...... اس عہد کے متعلق یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ انسان کو یاد ہی نہیں تو اس سے فائدہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں تفصیل سے اسی آیت کے تحت لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اس عہد کے لینے کے فائدہ کا تعلق ہے تو اول تو حق تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی عقل میں جو صلاحیت ہے کہ ذرا انصاف کے ساتھ غور کرنے سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے ممکن ہے یہ اسی عہد کا اثر ہو یہاں تک کہ توحید انسان کی عقل کے نزدیک پختہ حقیقت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو حساب سکھایا جائے اور پھر وہ شخص اس کو بھول جائے۔ اب دوبارہ اگر اس کو وہی حساب سکھایا جائے گا تو وہ دوسروں کے مقابلے میں بہت جلد اس کو سمجھ لے گا۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ جب یہ عہد انسان کو یاد ہی نہیں رہا تو اس سے فائدہ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف اسی پر تو بس نہیں کی کہ ازل میں انسانوں سے عہد لے لیا اور دنیا میں ان کو صرف اسی عہد کا پابند کر کے اس پر ان کی نجات کا دارومدار رکھ دیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نبیوں کے ذریعہ اس عہد کی یاد دہانی فرماتے رہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ میرے رسول تم کو یہ عہد یاد دلاتے رہیں گے

(مرتب)(تشریح اوّل ختم)

# بَیتُ المعمُور

تشریح دوم......زمین و آسمان کی تخلیق کے سلسلے میں پیچھے بیان ہوا ہے کہ ان دونوں کو بنا کر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا تو انہوں نے خوشی خوشی حاضر ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان زمین کے جس حصے نے کیا وہ کعبہ کا مقام ہے اور آسمان میں جس حصہ نے کیا وہ بیت المعمور ہے جو کعبہ کی سیدھ میں آسمان میں ہے۔ اس کے بارے میں احقر مترجم مختلف کتابوں سے تفصیلات پیش کرتا ہے۔

بیت المعمور کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

وَالطُّورِ وَ كِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ الخ الآیۃ پ ۲۷ سورہ طور ع ۳

ترجمہ:۔ قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور قسم ہے بیت المعمور کی۔

اس بیت المعمور کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ ساتویں آسمان میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس کے متعلق یہ لکھتے ہیں

آنحضرت کو بیت المعمور کی زیارت......معراج کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ساتویں آسمان سے گزرنے کے بعد مجھے بیت المعمور تک پہنچایا گیا اس میں روزانہ ستّر ہزار فرشتے عبادت خداوندی کے لئے داخل ہوتے ہیں دوسرے دن اتنے ہی فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں (لیکن جو آج داخل ہوئے تھے ان کو پھر کبھی اس میں داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔)

فرشتوں کا عبادت خانہ......یہ فرشتے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور بالکل اسی طرح بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں جس طرح زمین والے کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کا کعبہ اور عبادت گاہ ہے۔ اسی لئے (جب رسول اللہ ﷺ معراج کے وقت وہاں پہنچے تو) آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے دیکھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ زمین کے کعبے کے بانی ہیں اور انسان کو اس کے عمل کا بدلہ اسی عمل کی جنس اور اصل سے دیا جاتا ہے (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں وہاں کا کعبہ دیا گیا) یہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں بالکل کعبے کی سیدھ میں ہے۔

ہر آسمان میں ایک ایک گھر اور بیت ہے جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں۔ آسمان دنیا یعنی پہلے آسمان میں جو عبادت خانہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے۔

جبرئیل کے غسل سے فرشتوں کی تخلیق......حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے جس کو بیت المعمور کہتے ہیں اور جو ٹھیک کعبے کی سیدھ میں ہے اور چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے اس میں روزانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غوطہ لگاتے ہیں

پھر اس میں سے نکل کر جب وہ اپنا بدن جھاڑتے ہیں تو اس سے ستر ہزار پانی کے قطرے جھڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان قطروں میں سے ہر ایک سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ ان فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور جائیں اور وہاں جاکر نمازیں پڑھیں۔ چنانچہ یہ وہاں جاکر نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر وہاں سے نکل آتے ہیں (اور دوسرے اتنے ہی فرشتے اس میں داخل ہو جاتے ہیں ایک دفعہ نکل آنے والوں کو دوبارہ اس میں داخل ہونا نصیب نہیں ہوتا۔

پھر ان نکلنے والے فرشتوں میں سے کسی ایک کو ان سب کا سردار بنادیا جاتا ہے اور اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان فرشتوں کو لے کر آسمان میں ایک جگہ کھڑا ہو جائے اور قیامت تک سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثنا بیان کرتے رہیں۔

آگے ابن کثیر ہی میں ہے کہ آسمانوں میں بیت المعمور کا وہی مقام اور احترام ہے جو زمین پر کعبہ مقدسہ کا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۸۶۔ مرتب) (تشریح دوم ختم)

(پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم اَلَست کے متعلق حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے آپ کو اس روز یہ شہادت دیتے ہوئے سنا تھا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ وَاَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰہ۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی یکتائی کی یہ گواہی بہ آواز بلند دی تھی جیسے دوسروں نے بھی سنا جبکہ اس مجمع میں جو صوفیاء اور اولیاء تھے انکے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ انہوں نے بلند آواز سے حق تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا ہو بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے باطن کی زبان سے توحید کا اقرار کیا تھا۔ اس شبہ کے متعلق کہتے ہیں کہ) شیخ علی خواصؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ (عہد الست کے وقت) انبیاء کرام نے بھی باطن کی زبان سے ہی کیوں کلام نہیں کیا جیسا کہ صوفیاء کرام نے کیا تھا؟

شیخ خواصؒ نے جواب دیا کہ انبیاء کرام نے باطن کی زبان سے اقرار کرنے ہی پر اس لئے بس نہیں کی کہ ان کا خطاب اور ذمہ داری عام ہوتی ہے جس میں وہ تمام امت کو خطاب کرتے ہیں (اور توحید کا سبق دیتے ہیں چنانچہ اسی کی مناسبت سے وہاں بھی انہوں نے بہ آواز بلند توحید کا اقرار کیا جسے دوسرے بھی سن سکیں کیونکہ) صرف خاص لوگوں کا سمجھنا اور عام لوگوں کا ان کی بات کو نہ سمجھنا معتبر نہیں ہوتا۔ (بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ عام لوگوں تک ان کی آواز پہنچے اور وہ سیدھے راستے کی طرف متوجہ ہوں) ہاں کچھ خاص موقعوں پر انبیاء صرف اشارات کی زبان استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اسی حدیث میں (جو اوپر بیان ہوئی) آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے (جب یوم اَلَست کے متعلق پوچھا تو صاف صاف یوم الست فرمانے کے بجائے) صرف یہ فرمایا کہ۔ کیا تم وہ خاص دن جانتے ہو۔

**آنحضرت ﷺ کی مشت خاک پاک**...... (اس کے بعد پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق کے لئے جو مشت خاک اٹھائی گئی وہ زمین کے کس حصے کی تھی، اس بارے میں دو قول گزرے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مٹی اس جگہ سے اٹھائی گئی تھی جہاں آپ کا مزار اور مدفن ہے دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی مٹی مکے میں زمین کے مرکز سے اٹھائی گئی تھی روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کی مشت خاک اصل میں تو مکے کی ہی تھی لیکن زمین کی تخلیق کے وقت، جب پانی

میں موجیں اٹھیں تو ان موجوں نے آپ کی مُشت خاک کو وہاں سے اُچھال کر آپ کے مزار مبارک کی جگہ پر پہنچادیا تھا۔

اس جواب سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی مُشت خاک مکے سے اٹھائی گئی تھی تو اس سے یہ ضروری ہو گا کہ آپ کا مدفن اور مزار بھی مکے میں ہی ہو کیونکہ انسان کی مشت خاک جس جگہ سے اٹھائی جاتی ہے اس کا مزار اور مدفن وہی جگہ ہوتی ہے۔

(غرض اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے مزار مبارک کی جگہ سے آپ کی مشت خاک اٹھائی اور) پھر اس کو حضرت آدمؑ کی مشت خاک کے ساتھ حل کیا۔

یہاں آنحضرت ﷺ کی جس مشت خاک کا ذکر آیا ہے غالباً اسی کو آپ نے اپنے ایک ارشاد میں نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ ارشاد یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس چیز کے متعلق بتلایئے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے پیدا کیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا

"اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، اس وقت نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی، نہ سورج تھا نہ چاند تھا، نہ لوح تھی اور نہ قلم تھا"۔ (حدیث)

(یہاں اگر مشت خاک سے مراد یہ نور ہی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنا نور شامل فرمادیا۔)

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا۔"

ایک روایت میں ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی وہ عقل ہے۔"

شیخ علی خواص (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق) فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی بات ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کا نور) کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت اور اصلیت کو کبھی عقل اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی روحیں بھی آنحضرت ﷺ ہی کی روح مبارک سے فیضان حاصل کرتی ہیں۔ یہاں تک شیخ علی خواص کا کلام ہے۔

یہی بات ہے جس کو بعض علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضور حق میں اپنے عظیم اور بلند مرتبت نور سے آنحضرت ﷺ کی حقیقت کو ظاہر فرمادیا اور پھر اسی حقیقت سے بلند اور پست تمام جہانوں کو وجود عطا فرمایا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ (میرا نور جب پیدا فرمایا گیا تو اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان تھا۔ حالانکہ حضرت کعب احبار کی ایک روایت پیچھے بیان ہوئی ہے کہ (جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو) حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ وہ زمین کے مرکز سے ایک مشت خاک لے کر آئیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مُشت خاک کی اصل زمین

کے مرکز سے ہے (یعنی اس وقت زمین موجود تھی)

اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نور تو پہلے ہی پیدا کیا جا چکا تھا (جبکہ زمین و آسمان اور لوح و قلم کچھ بھی موجود نہیں تھا) پھر اس کے بعد (جب زمین و آسمان پیدا ہو چکے تو) یہ مشت خاک لے کر اس میں یہ نور بھر دیا گیا اور یہ مشت خاک زمین کے مرکز سے اٹھائی گئی تھی۔

اب یہ روایت بھی درست ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی معزز مشت خاک ہی سے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا۔ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام جنسوں کے مقابلے میں جنس عالی اور تمام موجودات اور انسانوں کے لئے سب سے بڑے باپ کے درجے میں ہیں۔

**آدم کی مشت خاک کی جگہ**...... (خود حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق) ایک حدیث ہے جس کے بعض راوی متروک یعنی ناقابل اعتبار، ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جابیہ کے مقام کی مٹی سے بنایا اور اس مٹی کو جنت کے پانی سے گوندھا تھا۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دحنا کی مٹی سے بنایا اور ان کی کمر پر پیلو کی ٹہنی پھیری۔ یہ دحنا ایک جگہ کا نام ہے جو طائف کے قریب ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کے نور سے پیدا ہونا اور ادھر آنحضرت ﷺ کے نور کو ان کی کمر میں رکھنا وضاحت کا محتاج ہے (کہ جب خود حضرت آدم علیہ السلام آپ کے نور ہی سے بنائے گئے تو آپ کے نور کو ان کی کمر میں رکھنے کا کیا مطلب ہے)۔

اس بارے میں شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نور سے حضرت آدم کو بنائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے نور کو ان کی ذات میں جذب اور تحلیل کر دیا گیا تھا بلکہ جس طرح حق تعالیٰ نے اپنے نور کے ایک جزء سے آنحضرت ﷺ کی حقیقت کو بنایا اسی طرح پھر آنحضرت ﷺ کے نور سے یعنی آپ کے نور کے پَرتو سے آدم علیہ السلام کو بنا کر پھر آپ کے تمام نور کو ان کی پیٹھ میں محفوظ کر دیا تاکہ نسلاً بعد نسل اور ایک کے بعد ایک میں یہ نور منتقل ہوتا ہوا آپ کے والد ماجد تک پہنچے اور پھر وہاں سے نکل کر یہ نور حضرت آمنہ کے رحم میں جلوہ افروز ہو یہاں تک کہ اس مبارک گھڑی میں آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف لے آئیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو ان میں روح ڈالنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کے اس نور کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں سے نکال کر آپ ﷺ سے تنہا عہد اَلَست لیا (اور اس کے بعد آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے کے بعد باقی تمام مخلوق کو ان کی پیٹھ سے نکال کر ان سے ایک ساتھ عہد اَلَست لیا) اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اس عہد کے معاملے میں بھی باقی تمام مخلوق کے معاملے میں خصوصیت اور برتری حاصل ہے کیونکہ باقی تمام مخلوق سے یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب کہ آدم علیہ السلام میں روح ڈال دی گئی تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب عہد الست کے وقت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو ان کی پیٹھ سے نکالا اور اس عہد کے بعد ان کو واپس ان کی پیٹھ میں داخل کر دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو اس وقت تک کے لئے روک لیا تھا جب تک کہ ان کی تخلیق کا وقت آیا (چنانچہ جب ان کی تخلیق کا وقت آیا تو بجائے فطرت کے عام قاعدے کے جس کے مطابق مرد کے ذریعہ بچے کا نطفہ عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح پھونک دی۔ جس سے حضرت مریم کے رحم میں ان کی تخلیق ہوئی (اس بارے میں کچھ تفصیل سیرت حلبیہ اردو کے گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے)

(یہاں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عہد الست باقی تمام مخلوق سے پہلے آدم علیہ السلام کے پُتلے میں روح ڈالی جانے سے پہلے لیا گیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی یہ عہد عام مخلوق کے ساتھ لیا گیا جب کہ حضرت آدم میں روح ڈالی جا چکی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اس سے پہلے ہی یہ عہد لیا جا چکا تھا۔ حالانکہ پیچھے ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے جب عہد الست کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے وہ عہد یاد ہے اور میں نے آپ کو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا تھا۔

اس اختلاف اور شبہ کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ صدیق اکبرؓ کی مراد اس وقت کے عہد سے ہی ہے جبکہ تمام مخلوق سے یہ عہد لیا گیا تھا، وہ عہد مراد نہیں جو کہ تنہا حضور ﷺ سے لیا گیا تھا (تو گویا آنحضرت ﷺ سے ایک عہد تو بحیثیت افضل ترین مخلوق کے سب سے علیٰحدہ تنہا لیا گیا تھا اور پھر جب تمام انسانوں سے عہد لیا گیا تو اس میں آنحضرت ﷺ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہونے کی حیثیت میں شریک تھے جہاں آپ نے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کی توحید اور عظمت کا اقرار فرمایا)

**آدم کی پیٹھ میں آنحضرت ﷺ کا نور**...... پھر جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح ڈال دی گئی تو آنحضرت ﷺ کا نور ان کی پیٹھ میں روشن ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی کمر کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے اور ان کی کمر میں اس نور کے ظہور کو دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے (فرشتوں کو اپنے پیچھے جمع ہوتے دیکھ کر) اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

"اے پروردگار! ان سب کو کیا ہو گیا کہ یہ میری پیٹھ کو دیکھ رہے ہیں؟"

حق تعالیٰ نے فرمایا

"یہ محمد خاتم الانبیاء ﷺ کے نور کو دیکھ رہے ہیں جن کو میں تمہاری پیٹھ سے نکالوں گا۔"

یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس نور کو انکے جسم کے اگلے حصے میں منتقل کر دے تاکہ یہ فرشتے ان کے سامنے آکر کھڑے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ان کی پیشانی میں منتقل فرما دیا۔ پھر حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس نور کو ان کے جسم میں ایسی جگہ پر منتقل فرما دے جہاں سے وہ خود بھی اس کی زیارت کر سکیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس نور کو آدم علیہ السلام کی شہادت کی انگلی میں منتقل فرما دیا۔"

اس کے بعد جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو یہ نور واپس ان کی پیٹھ میں پہنچا دیا (جہاں انسان کا نطفہ ہوتا ہے) مگر پھر بھی یہ نور ان کی پیشانی میں چمکا کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی (درخواست پر یہ نور ان کی) شہادت کی انگلی میں منتقل ہوا تھا تو انہوں نے کہا:۔

"اے پروردگار! کیا اس نور میں کا کچھ حصہ اب بھی میری پیٹھ میں باقی رہ گیا ہے؟"

حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

"ہاں ان کے یعنی آنحضرت ﷺ کے خاص اور قریب ترین صحابہ کا نور باقی رہ گیا ہے۔"

آدم علیہ السلام نے عرض کیا

"اے پروردگار! اس بقیہ نور کو میری باقی انگلیوں میں منتقل فرما دے۔"

**خلفاء راشدین کا نور**...... (حق تعالیٰ نے وہ بقیہ نور ان کی باقی انگلیوں میں منتقل فرما دیا) چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نور بیچ کی بڑی انگلی میں آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا نور کنَ انگلی کے برابر والی انگلی میں ظاہر ہوا۔ حضرت عثمانؓ کا نور کنَ انگلی میں ظاہر ہوا اور حضرت علیؓ کا نور انگوٹھے میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد جب (شیطان کے ورغلانے پر) حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھا لیا تو یہ نور واپس ان کی پیٹھ میں چلا گیا (اور آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار دیا گیا)۔ یہ تفصیل کتاب بحر العلوم میں اسی طرح ذکر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ :۔

"پھر یہ نور آدم علیہ السلام سے نکل کر ان کے بیٹے حضرت شیثؑ میں منتقل ہو گیا تھا۔

**فرشتوں کے سوال پر جلال خداوندی**...... جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا (جس کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے)

"میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

فرشتوں نے اس پر عرض کیا

"کیا آپ اس کو اپنا خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین پر فساد پھیلائے گا؟"

فرشتوں کی مراد اس سے جنّات تھے جنہوں نے زمین میں فساد پھیلایا تھا اور خون بہایا تھا۔ (فرشتوں کے اس جواب پر) حق تعالیٰ کا غضب ظاہر ہوا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ فرشتوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے فرمان پر جو جواب دیا ہے اس پر حق تعالیٰ کا غضب ظاہر ہوا ہے۔ اس پر فرشتے عرش کو پکڑ کر گڑگڑانے اور معافی مانگنے لگے اور اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے انہوں نے عرش کے گرد سات مرتبہ طواف کیا، اس پر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی اور فرشتوں پر رحمت نازل ہوئی (اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے عرش کا طواف کرنے کی ادا ایسی پسند آئی کہ) اس نے فرشتوں کو حکم دیا۔

**آدم کو تعمیر کعبہ کا حکم**...... "زمین پر میرے نام کا ایک گھر بناؤ تاکہ اولاد آدم میں سے جن پر میں ناراض ہوں وہ اس گھر کے ذریعہ میری پناہ مانگیں اور اسی طرح اس گھر کے گرد گھومیں یعنی طواف کریں جس طرح تم نے میرے عرش کے گرد طواف کیا ہے تاکہ میں ان سے بھی راضی ہو جاؤں"۔

(یعنی جیسے فرشتوں کی اس لغزش پر حق تعالیٰ ان سے ناراض ہوا لیکن عرش کا طواف کرنے پر ان سے راضی ہو گیا۔ اسی طرح اولاد آدم کی لغزشوں کے بعد ان کے بیت اللہ کا طواف کرنے پر ان سے راضی ہو جائے) چنانچہ فرشتوں نے زمین پر (اللہ تعالیٰ کے نام کا) ایک گھر بنایا (جو بیت اللہ شریف ہے)۔

یہ روایت مختصر ہے جس میں وہ ساری تفصیل نہیں ہے جو ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر ناراض ہوا تو اس نے عرش کے نیچے بیت المعمور قائم کیا جو زبرجد کے چالیس ستونوں پر قائم تھا

اور وہ ستون سرخ یاقوت سے جڑے ہوئے تھے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا۔
"اس گھر کے گرد طواف کرو۔(ی) تاکہ تمہیں میری رضا حاصل ہو جائے۔"
پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ
"زمین پر بھی میرے نام کا بالکل ایسا ہی اور اسی کے برابر ایک گھر بناؤ۔"
چنانچہ فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔اوپر کے جملے میں۔"ایسا ہی اور اسی کے برابر"۔کے معنی ایک ہی ہیں یہ عطف تفسیری ہے۔
ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنارہا ہوں اور فرشتوں نے اس پر جواب دیا کہ کیا آپ اس کو اپنا خلیفہ بنارہے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا۔ تو فرشتوں کو خوف ہوا کہ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض کیا ہے اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نہ نازل ہو۔ چنانچہ انہوں نے عرش کے گرد سات طواف کئے جس میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے گڑگڑائے تب حق تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ساتویں آسمان میں بیت المعمور بنائیں اور اس کے گرد طواف کریں۔ فرشتوں کے لئے عرش کا طواف کرنے کے مقابلے میں اس بیت المعمور کا طواف زیادہ آسان تھا (کیونکہ عرش کا پھیلاؤ اور عظمت ظاہر ہے)

ہر آسمان میں بیت اللہ کا وجود......اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اسی طرح ہر آسمان اور ہر زمین میں ایک ایک گھر بناؤ۔"
علامہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ چودہ گھر ہیں جو ایک دوسرے کی ایسی سیدھ میں ہیں کہ اگر ایک گھر گرے تو دوسرا بھی گر جائے۔
یہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے اور اس کا احترام اور عظمت ایسی ہی ہے جیسے کہ زمین میں مکے کی عزت و عظمت ہے۔ آسمان دنیا میں جو خدا کا گھر ہے اس کا نام بیت العزت ہے۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہر ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک گھر ہے جس کو فرشتے اپنی عبادتوں کے ذریعہ اسی طرح آباد کئے ہوئے ہیں جس طرح زمین والے بیت عتیق یعنی بیت اللہ کو ہر سال حج کے ذریعہ، ہر وقت عمروں کے ذریعہ اور ہر گھڑی طوافوں کے ذریعہ آباد کئے ہوئے ہیں۔
اب یہاں یہ بات غور کے قابل ہے کہ تمام آسمانوں میں فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے گھر تعمیر کرنے سے کیا مراد ہے۔
(بہر حال ان روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے کعبے کی جو تعمیر کی یہ چوتھی تعمیر تھی۔ یعنی سب سے پہلے فرشتوں نے کعبہ کو تعمیر کیا، دوسری مرتبہ آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تیسری مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور چوتھی مرتبہ قریش نے تعمیر کیا) لیکن اگر اس روایت کو صحیح نہ مانا جائے کہ فرشتوں نے کعبے کو سب سے پہلے تعمیر کیا تھا تو پھر قریش کی تعمیر تیسری تعمیر ہوگی۔ جس کا سلسلہ سب سے پہلے حضرت آدم (ی) اور یا ان کے بیٹے شیث علیہ السلام کی تعمیر سے شروع ہوگا۔ یہ اس بناء پر کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبے کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا۔

**یاقوتی خیمہ یا بیت اللہ**...... اس سے پہلے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے کعبے کو تعمیر کرنے سے پہلے کعبے کی جگہ سرخ یاقوت کا ایک خیمہ تھا جو آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا اس کے دو دروازے تھے ایک سبز زمرد کا بنا ہوا مشرقی دروازہ تھا اور ایک مغربی دروازہ سونے کا تھا ان دونوں دروازوں میں جنت کے موتیوں کی لڑیاں گندھی ہوئی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس خیمہ کا طواف کیا کرتے تھے اور تنہائی کی وحشت سے تسکین حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان سے (جہاں وہ اتارے گئے تھے) چالیس مرتبہ پیدل کعبے کا حج کرنے گئے۔

ممکن ہے کہ یہی خیمہ بیت المعمور ہو اور اس کو سرخ یاقوت کا اس لئے کہہ دیا گیا کہ بیت المعمور کی چھت سرخ یاقوت کی تھی۔

**آدم علیہ السلام کا قد و قامت**...... (قال) کہا جاتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو (ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ) ان کے پیر زمین پر تھے اور سر آسمان میں تھا ایک روایت یہ ہے کہ ان کا سر بادلوں کو چھوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے سر کے اگلے حصے کے بال گر گئے تھے اور پھر انکے بیٹوں میں سے بھی ایک کے بال گرے ہوئے تھے (یعنی موروثی طور پر وہ بھی بغیر بالوں کے پیدا ہوا)

(چونکہ آدم علیہ السلام کا قد بہت زیادہ لمبا ہونے کی وجہ سے ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا اس لئے وہ آسمان میں فرشتوں کی تسبیح اور ان کی دعائیں سنا کرتے تھے جس سے ان کو تسلی اور تسکین ہوتی تھی مگر فرشتے ان کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوتے تھے اور ان سے دور بھاگتے تھے۔ اس پر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے (اپنے قد کے متعلق) فریاد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قد تیں ہاتھ کے برابر کر دیا۔ تیں ہاتھ سے مراد عام ہاتھ ہے۔ مگر ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ خود آدم علیہ السلام کے تیں ہاتھ کی پیائش مراد ہے۔

اب قد کے کم ہو جانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی تسبیح اور دعاؤں کی آواز آنی بند ہو گئی جس سے وہ بہت زیادہ غمگین اور رنجیدہ ہوئے انہوں نے پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا "اے آدم! میں نے ایک گھر اتارا ہے جس کا طواف کیا جاتا ہے۔ (ی) یعنی فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس گھر کے پاس بھی اسی طرح نماز پڑھی جاتی ہے جس طرح میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے تم بھی اس کی طرف جاؤ (ی) اور اس کا طواف کرو اور اس کے پاس نماز پڑھو۔"

(یہاں ذکر آیا ہے کہ فرشتے عرش کا طواف کیا کرتے تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے فرشتوں کی شان یہی تھی کہ وہ عرش کا طواف کیا کرتے تھے اور اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب اس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر فرشتے بیت المعمور کا طواف کرنے لگے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض یہاں جس گھر کا ذکر ہے اس سے وہی خیمہ مراد ہے جو آدم علیہ السلام کے لئے اتارا گیا تھا۔ یہ امکان بیان ہو چکا ہے کہ یہی خیمہ بیت المعمور رہا ہو گا۔

(حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے متعلق) ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ اتارے گئے تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا یعنی حضرت آدم کے اس قد کی مناسبت سے جتنے لمبے ہاتھ رہے ہوں گے ان کی پیائش کے مطابق ساٹھ ہاتھ کا قد تھا)۔

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد بھی ہے جس کے یہی معنی ہوتے ہیں (کہ آدم علیہ السلام کا قد خود ان کے ہی ہاتھوں کی لمبائی کے حساب سے تھا وہ ارشاد یہ ہے)

"اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر یعنی جوں کا توں پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا"۔

یعنی حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جتنا بڑا پیدا کیا تھا ویسا ہی دنیا میں بھیج دیا۔ ان میں یہاں کوئی نشو و نما اور بڑھوتری نہیں ہوئی بلکہ جس وقت ان میں روح ڈالی گئی تھی اسی وقت ان کو کامل اور بڑا بنایا تھا۔ یہ معنی اس لحاظ سے ہیں کہ یوں کہا جائے کہ آدمؑ کو ان کی صورت پر بنایا تھا۔ لیکن یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ۔ آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا تھا۔ اس صورت میں یہ مراد ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر یعنی زندگی والا، علم والا، قدرت و اختیار والا، بولنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، سوچنے والا اور عقل و شعور والا بنایا تھا۔

مگر ان دونوں معنی کے لحاظ سے یہ بات ابن خزیمہ کے اس قول کے خلاف ہوتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جارہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک دوسرے کے منہ پر طمانچہ مار رہا تھا۔ آپ نے اس مارنے والے سے فرمایا

"اس کے منہ پر مت مارو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔"

(ی) یعنی وہ اس شخص کی جیسی شکل کے تھے اور وہی صورت اس میں آئی ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک خاص آدمی کی شکل و صورت کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جوں کا توں یا اپنی صورت یعنی صفت پر بنایا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ بات ظاہری طور پر سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ پچھلی تشریح میں جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مرفوع حدیث ہے کہ :۔

"آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور چوڑائی سات ہاتھ تھی۔"

اسی لئے علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کے پیر زمین پر تھے اور سر آسمان میں تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا قد کم کر کے ساٹھ ہاتھ کے برابر کر دیا۔ مگر یہ بات صحیح حدیث کے ظاہری معنی کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو شروع ہی میں ساٹھ ہاتھ کے برابر قد کا بنایا تھا۔ یہی بات صحیح ہے۔

آدم علیہ السلام (کے متعلق روایت ہے کہ وہ) بے داڑھی کے جوان تھے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ "جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ امرد یعنی بے داڑھی کا ہوگا۔"

جنت والوں کی صفت کے بیان میں حدیث میں آتا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی طرح بغیر داڑھی والے ہوں گے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت سے جدا ہونے کے غم میں حضرت آدم علیہ السلام اتنا روئے کہ ان کے داڑھی کے بال اگ آئے۔ مگر یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ داڑھی سب سے پہلے جس انسان کے

نکلی وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

آدم علیہ السلام کے اترنے کی جگہ...... حضرت آدم علیہ اسلام کو ہندوستان کی سر زمین پر ایک بہت اونچے پہاڑ پر اتار اگیا تھا۔ یہ پہاڑ اتنا اونچا تھا کہ ملاح اور بحری سفر کرنے والے کئی کئی دن کی مسافت سے اس کو دیکھ لیتے تھے۔ اس پہاڑ کے ایک پتھر پر حضرت آدم علیہ السلام کے پیر کا نشان ہے۔ اس پہاڑ پر (ایک عجیب بات یہ ہے کہ) روزانہ رات کے وقت ایک بجلی سی کوندتی ہے جبکہ بادل کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح (اس جگہ کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ) یہاں روزانہ بارش ضرور ہوتی ہے جو آدم علیہ السلام کے پیروں کے نشانوں کو دھوتی ہے۔ (اس پہاڑ کی چوٹی کی بلندی کے متعلق بعض مورّخوں نے کہا ہے کہ) اس کی چوٹی زمین کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ بلند ہے (اس قول سے مراد پہاڑ کی بلندی کے متعلق بظاہر مبالغہ کر کے بتلانا مقصود ہے کہ اس کی چوٹی بے حد اونچی ہے کیونکہ سب سے زیادہ بلند پہاڑ ایورسٹ ہے جو ہمالیہ کا سلسلہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں نہیں اتارے گئے تھے)

پچھلے صفحات میں بعض علماء کا ایک قول گزرا ہے کہ بیت المقدس کی سر زمین بارہ میل بلند ہے۔ ادھر اس پہاڑ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ بلند پہاڑ ہے۔ چنانچہ اس پہاڑ کے متعلق بعض علماء کے اس قول کی روشنی میں کچھ حضرات نے بیت المقدس والی روایت کو ماننے میں اشکال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت قابل اعتراض ہے) لیکن حقیقت میں اگر ان دونوں اقوال پر توجہ کی جا سکتی ہے تو اس لحاظ سے کہ ان کے ذریعہ ان دونوں مقامات کی ظاہری بلندی اور اونچائی بتلانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مرتبہ ظاہر کرنا مقصود ہے جو ان مقدس ہستیوں کی وجہ سے بڑھ گیا ہے جنہوں نے ان جگہوں پر قدم رنجہ فرمایا۔ لہذا اس نقطۂ نظر کے تحت دونوں قول ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتے)۔

عطر اور خوشبو کی اصل...... ایک قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کا ایک پتّہ بھی دنیا میں آیا تھا جو وہاں زمین میں جم گیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کی خوشبوئیں اور عطریات اسی پتّے کا کرشمہ اور اثر ہیں۔

عطاء ابن ابورباح سے روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام ہندوستان کی سر زمین پر اتارے گئے تو ان کے ساتھ جنت کی چار لکڑیاں یعنی درخت کی ٹہنیاں تھیں یہی وہ ٹہنیاں ہیں یعنی ان ہی کا اثر ہے کہ آج تک لوگ خوشبوئیں استعمال کر رہے ہیں۔

آدم کی رفتار قدم...... ایک روایت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ایک عمدہ کھجور کے درخت پر اتارا گیا۔ اس کے بعد جب ان کو حکم ہوا کہ وہ اس خیمہ کی طرف جائیں (جو خانہ کعبہ کی جگہ پر تھا اور جس کا ذکر پیچھے گزرا ہے) تو وہ روانہ ہوئے اور ان کے لئے یہ فاصلہ ان کے قدم کے درمیان لپیٹ دیا گیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک قدم تین دن کے سفر کی مسافت یعنی تقریباً اڑتالیس میل کا ہوتا تھا۔ چنانچہ علامہ مجاہد سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ کیا آدم علیہ السلام کسی سواری پر سوار ہوا کرتے تھے۔ مجاہد نے کہا۔

"ان کو کون سی سواری اپنے اوپر سوار کر سکتی تھی! خدا کی قسم ان کا تو ایک ایک قدم تین دن کے سفر کی مسافت کے برابر ہوتا تھا۔"

اس روایت کی روشنی میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام (جب کسی سواری پر بھی نہیں چڑھ سکتے تھے تو) براق پر بھی سوار نہیں ہوئے ہوں گے، حالانکہ بعض علماء کا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام براق

پر سوار کرائے گئے ہیں۔ (مگر اس کا جواب یہ ہے کہ) مراد ہے بہت سے انبیاء براق پر سوار کرائے گئے ہیں تمام انبیاء نہیں۔ (لیکن اگر یہ مراد بھی ہو کہ تمام انبیاء براق پر سوار ہوئے ہیں تب بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ براق کوئی دنیاوی سواری نہیں ہے کہ اس پر ایک مخصوص جسم کا آدمی ہی بیٹھ سکے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء کے لئے ایک خاص سواری ہے لہذا اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا ڈیل ڈول اور قد بدن غیر معمولی تھا اس لئے براق ان کو اپنے اوپر سوار کرانے سے عاجز رہا ہوگا)

اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام بحر و بر اور خشکی و تری کو آدم علیہ السلام کے لئے مقدّر فرمادیا تھا۔ چنانچہ جہاں جہاں بھی انہوں نے زمین پر قدم رکھے وہاں آبادیاں اور بستیاں بن گئیں اور ان کے دو قدموں کے بیچ میں جو جگہ رہی وہ بیابان اور میدان رہے۔

**یاقوتی خیمے کی نوعیت** ...... آخر آدم علیہ السلام اسی طرح پیادہ پا چلتے ہوئے مکے پہنچے وہاں پہنچ کر انہوں نے وہ خیمہ دیکھا جو کعبہ کی جگہ پر تھا یعنی اس جگہ پر جہاں اب کعبہ ہے یہ خیمہ سرخ یاقوت کا تھا جو جنت کے یاقوت تھے۔ یہ خیمہ اس طرح تھا کہ اس کے چاروں طرف دیواریں تھیں، اس کے چار کونے تھے جو سفید تھے۔ اس خیمہ میں تین سونے کی قندیلیں تھیں جو جنت کے نور اور روشنی سے روشن تھیں اس خیمہ کی لمبائی زمین سے آسمان تک تھی۔ یہ تفصیل بعض احادیث میں ذکر ہے۔

اس خیمہ کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس سے وہ گمان غلط نہیں ہوتا جو پیچھے بیان ہوا کہ ممکن ہے یہی خیمہ بیت المعمور ہو اور یہ کہ اس کو سرخ یاقوت کا اس لئے کہا گیا کہ اس کی چھت سرخ یاقوت ہی کی تھی۔ (اس کو بیت المعمور ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اگر) ان کو مختلف خیمے مانا جائے تو یہ بات قیاس سے دور ہوگی۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

**حجر اسود اور مقام ابراہیم کا زمین پر اتارا جانا** ...... اسی خیمہ کے ساتھ حجر اسود بھی (جو جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے) اتارا گیا۔ یہ جنت کی سرزمین میں سے سفید یاقوت کا تھا اور آدم علیہ السلام اس کو اپنے بیٹھنے کے لئے کرسی کے طور پر استعمال کرتے تھے (ی) غالباً مراد یہ ہے کہ جنت میں رہتے ہوئے اس پر بیٹھا کرتے تھے اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو شروع میں ہندوستان کی سرزمین پر اتارا گیا تھا۔ مگر کتاب مُثیر غرام میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ :۔

**آدم کا پہلا حج** ...... اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ پر اتارا تھا۔ یہ جگہ اس وقت اتنی لرزتی تھی کہ بالکل کشتی کی طرح (اس میں حرکت) تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا۔

"اے آدم! قدم بڑھاؤ!"

چنانچہ آدم علیہ السلام نے قدم بڑھایا تو انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کی سرزمین میں پایا۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ یہاں رہے۔ آخر یہاں سے وحشت زدہ ہو کر انہیں کعبہ کی جگہ کی یاد ستانے لگی۔ (جہاں انہوں نے جنت سے اتر کر قدم رکھا تھا) چنانچہ ان کو حکم دیا گیا۔

اے آدم حج کو جاؤ!

چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے قدم بڑھانے شروع کئے۔ اب انہوں نے جہاں جہاں بھی قدم رکھا وہاں بستیاں بن گئیں اور ان کے قدموں کے درمیان کا حصہ بیابان اور صحرا بنا۔ یہاں تک کہ وہ مکے پہنچ

گئے۔(حدیث)۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیمہ اور حجر اسود حضرت آدم کے جنت سے نکلنے کے بعد اترے ہیں۔

آدم کی وحشت اور سامان تسکین......اس بارے میں کتاب مثیر غرام میں جو روایت ذکر ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود حضرت آدمؑ کے زمین پر اتارے جانے کے بعد اترا ہے۔(مثیر غرام میں یہ روایت ہے):۔

حضرت آدم کے بعد حجر اسود اتار اگیا جو اس طرح دمکتا تھا جیسے سفید موتی ہوتا ہے۔حضرت آدم نے اس کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور اس سے تسکین حاصل کی۔یہاں تک کتاب مثیر عزام کی عبارت ہے۔

اسی سند سے ایک روایت یہ ہے کہ :۔

"حجر اسود اور مقام ابراہیم حضرت آدم کے ساتھ ساتھ اسی رات میں اتارے گئے جس میں آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا۔صبح ہوئی تو انہوں نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا (کہ یہ جنت کے پتھر ہیں) چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو اپنے سینے سے لگایا اور ان سے تسکین حاصل کی۔بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ وہ سرخ یاقوت اتار اگیا تھا (جس کو خیمہ کہا گیا ہے اور جس کے بارے میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ وہی بیت المعمور ہے) چنانچہ کعبؓ سے روایت ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ ایک یاقوت اتارا تھا جو اندر سے کھوکھلا تھا۔(یعنی خیمے کی طرح اندر سے خالی تھا) پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا۔

"اے آدم! یہ میرا گھر ہے جسے میں نے تیرے ساتھ اتارا ہے۔اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جاتا ہے جیسے میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے گرد بھی اسی طرح نمازیں پڑھی جاتی ہیں جس طرح میرے عرش کے گرد نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔"

اس کا وہی مطلب ہے جو پیچھے بیان ہوا (کہ اس کے گرد بھی فرشتے اس طرح طواف اور نمازیں ادا کرتے ہیں جیسے میرے عرش کے گرد کرتے ہیں)

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کچھ فرشتے بھی اتارے گئے تھے جنہوں نے اس یاقوت یا بیت اللہ کے لئے پتھر کی بنیادیں اٹھائیں اور پھر اس یاقوت یعنی بیت اللہ کو اس پر رکھ دیا۔

اب اگر ان دونوں روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔چنانچہ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ساتھ اترنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ معیت حقیقی ہے بلکہ ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے زمین پر اتارے جانے کے فوراً بعد ہی یہ پتھر اتارے گئے۔اب چونکہ یہ درمیانی وقفہ بہت تھوڑا ہے اس لئے اس کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ساتھ ہی اتارے گئے تھے۔چنانچہ اب وہ پچھلی روایت اس کے خلاف نہیں رہتی جس میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد تھا کہ۔"اے آدم! میں نے ایک گھر اتارا ہے جس کا طواف کیا جاتا ہے پس تم وہاں جاؤ۔"

ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تو حجر اسود ان کی بغل میں

تھا۔ یہ حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی چمک دمک کو ماند نہ کر دیتا تو کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اس کی طرف نظر کر سکتا۔"

اب یہ روایت کہ آدم علیہ السلام حجر اسود کو بغل میں لئے ہوئے زمین پر اترے۔ اس گزشتہ روایت کے مخالف ہو گئی جس میں یہ تھا کہ حجر اسود اور وہ خیمہ جو ایک یاقوت کی شکل میں تھا آدم علیہ السلام کے بعد ایک ساتھ اتارے گئے تھے۔ اگر دونوں روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہو گی۔

حجر اسود کا اصل رنگ...... اسی طرح ان کے خلاف حضرت وہبؓ ابن منبہ کی ایک روایت ہے کہ :۔

"جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم دیا تو انہوں نے جنت کا ایک جواہر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہی جواہر حجر اسود ہے اس پر وہ اپنے آنسو پونچھتے تھے (جو حق تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر بہتے تھے) جب آدم علیہ السلام زمین پر آگئے تو بھی وہ روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے تھے اور اپنے آنسو اس جواہر پر پونچھتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے یہ پتھر سیاہ ہو گیا (اور پھر اس کا نام ہی حجر اسود یعنی سیاہ پتھر ہو گیا)

پھر جب بیت اللہ بنایا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو بیت اللہ کے ایک کونے میں نصب کر دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حجر اسود کی حقیقت...... اس بارے میں کتاب بُہجتُ الانوار میں یہ روایت ہے کہ :۔

"ابتداء میں حجر اسود (پتھر نہیں تھا بلکہ) ایک نیک اور صالح فرشتہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا اور ان کو ساری جنت کی چیزوں کو جائز رکھا صرف ایک درخت کے پاس جانے کی ممانعت فرمادی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو (جو بعد میں حجر اسود کی شکل کا کر دیا گیا) حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی نگرانی کرے تاکہ وہ اس درخت سے کچھ نہ کھالیں۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے یہ تقدیر فرمادیا کہ آدم علیہ السلام اس درخت سے کچھ کھالیں تو اس فرشتے کو ان کی نظر سے اوجھل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کی طرف ہیبت کے ساتھ دیکھا جس سے یہ فرشتہ ایک جواہر یعنی پتھر کا ہو گیا۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

"قیامت کے دن حجر اسود اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کے ہاتھ ہو گا، زبان ہو گی، کان ہوں گے اور آنکھ ہو گی کیونکہ یہ ابتداء میں ایک فرشتہ تھا۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ میں نے شیخ کمال الدین اخمی کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ جب وہ مکے کے قریب رہتے تھے تو حجر اسود کو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے اس حال میں نکلا کہ اس کے دو ہاتھ، دو ٹانگیں اور چہرہ ہو گیا ہے وہ تھوڑی دور تک چلا اور پھر واپس اپنی جگہ پر آگیا۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت...... حدیث میں آتا ہے کہ :۔

"لہٰس حجر اسود کو زیادہ سے زیادہ چوموا اس لئے کہ وہ وقت قریب ہے کہ تم اس کو نہیں پاؤ گے۔ ایک رات لوگ اس کا طواف کر رہے ہوں گے مگر صبح ہو گی تو وہ اس کو نہیں پائیں گے۔ جنت کی جو چیز بھی زمین پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے واپس اٹھالے گا۔

(ی) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ
"جنت کی چیزوں میں سے زمین پر سوائے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ دونوں جنت کے جواہرات میں سے دو جو ہر ہیں۔ جو بیمار اور روگی بھی ان کو چھوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرماتا ہے۔"

(اسی طرح خود بیت اللہ کے متعلق) حدیث میں آتا ہے کہ :۔
"اس بیت اللہ کا طواف زیادہ سے زیادہ کرو اس سے پہلے کہ اس کو اٹھالیا جائے۔ دو مرتبہ یہ منہدم ہوا یعنی گرا ہے اور تیسری مرتبہ اس کو اٹھالیا جائے گا"۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام اس خیمہ پر جو کہ بیت المعمور ہے ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار مرتبہ آئے ہیں۔ ان میں سے تین سو مرتبہ حج کے لئے آئے اور سات سو مرتبہ عمرہ کے لئے آئے۔

فرشتوں کے طواف...... آدم علیہ السلام نے پہلی مرتبہ جب حج کیا تو جب عرفات کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے۔
"اے آدم! اپنے مناسک اچھی طرح پورے کرو۔ ہم تمہاری تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے سے بیت اللہ کا طواف کرتے آرہے ہیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ
"جب آدم علیہ السلام نے (پہلی بار) حج کیا تو ردم کے مقام سے فرشتے ان کے سامنے آئے۔ یہ ردم وہی ردم بنی جمح ہے جہاں سے دعا مانگی جاتی ہے (اور جس کا ذکر سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) پھر ان فرشتوں نے ان سے کہا۔
"اے آدم! اپنا حج اچھی طرح پورا کرو۔ ہم تمہارے سے ایک ہزار سال پہلے سے حج کرتے آرہے ہیں"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ ازرقی کی کتاب تاریخ مکہ میں یہ ہے کہ :۔
"حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پیروں پر ستّر مرتبہ پیدل حج کیا ہے اور یہ کہ فرشتوں کی ان سے جو ملاقات ہوئی وہ مازمین کے مقام پر ہوئی فرشتوں نے ان سے اس وقت یہ کہا :۔
"اے آدم! اپنا حج اچھی طرح سے کرو۔ ہم تم سے دو ہزار سال پہلے سے اس بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں۔"

یہ مازمین۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان میں ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ طبری کہتے ہیں کہ منیٰ کے مقام سے پہلے بھی مازمین نام کی ایک جگہ ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو صحیح جاننے والا ہے۔ یہاں تک علامہ ازرقی کا کلام ہے۔

ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو ذی طوی کے مقام پر فرشتے ملے۔ انہوں نے آدم علیہ السلام سے کہا۔
"اے آدم! ہم دو ہزار سال سے اس جگہ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"
اس کے بعد جب حضرت آدمؑ اس جگہ پر پہنچے تو انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے۔

(یہاں مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں)اب ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک روایت ہے کہ روم کے مقام پر فرشتے آدم کے سامنے آئے تھے۔ایک میں ہے کہ مازمین کے مقام پر ان سے ملاقات ہوئی تھی اور ایک میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے ان کو ذی طوی کے مقام پر دیکھا تھا۔

(اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے واقعے مختلف رہے ہوں اور ان سب جگہوں پر مختلف وقت میں فرشتوں سے ملاقات ہوئی ہو)

اسی طرح یہ بھی مختلف روایتیں ہیں کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے سے حج کررہے تھے ایک روایت ہے کہ دو ہزار سال پہلے سے کررہے تھے۔اور ایک روایت میں ہے کہ پچاس ہزار سال پہلے سے حج کررہے تھے۔

(یہ اختلاف بھی اسی پچھلی تاویل کے ذریعہ دور ہوجاتا ہے کیونکہ مختلف واقعات مانے جائیں اور مختلف فرشتے مانے جائیں تو تینوں قول درست ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کچھ فرشتے ایک ہزار سال سے حج کررہے ہوں کچھ دو ہزار سال پہلے سے اور کچھ پچاس ہزار سال پہلے سے۔ لیکن مطابقت اسی صورت میں پیدا کرنی ضروری ہے جبکہ ان تمام روایتوں کو صحیح تسلیم کیا جائے۔واللہ اعلم بالصواب)

**فرشتوں کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی یا مختلف اوقات میں**......(فرشتوں کی تخلیق کے متعلق کہتے ہیں کہ) آیا تمام ملائکہ کو ایک ہی دفعہ میں پیدا کیا گیا یا وقتاً فوقتاً پیدا کئے گئے۔

اس بارے میں ایک روایت یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے رفتہ رفتہ اور وقتاً فوقتاً پیدا کئے گئے ہیں۔وہ حدیث یہ ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ایسا فرشتہ پیدا فرمادیتا ہے جس کے دو آنکھیں،دو پَر یعنی اڑنے والے بازو،دو ہونٹ اور زبان ہوتی ہے۔یہ فرشتہ دوسرے فرشتوں کے ساتھ اڑتا رہتا ہے اور یہ کلمہ پڑھنے والے کے لئے قیامت تک مغفرت کی دعا مانگتا رہتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح فرشتے مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے لئے پیدا کئے جاتے رہتے ہیں)

اسی طرح ایک حدیث ہے کہ جس کو کتاب سفر السعادت نے نقل کرکے اس پر رد کیا ہے۔وہ حدیث یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ روزانہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں اور وہ بحر نور یعنی نور کے سمندر میں داخل ہوکر اس میں ایک غوطہ لگاتے ہیں اور اس کے بعد اس میں سے نکل کر اپنا بدن جھٹکتے ہیں جس سے ستّر ہزار قطرے گرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر قطرے سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں۔

مگر کتاب سفر السعادت نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے اور اس قسم کی حدیث ثابت نہیں ہے۔یہاں تک سفر السعادت کا حوالہ ہے۔واللہ اعلم۔

**فرشتوں کی طواف کی دعا**......اس کے بعد اسی گزشتہ روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام اپنے پہلے حج میں عرفات کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم پچاس ہزار سال سے اس بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں، تو آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

طواف کے دوران تم کیا پڑھتے تھے؟"

انہوں نے کہا۔

ہم یہ پڑھتے تھے سُبحانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (ترجمہ: پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے)۔"

**دعاء طواف میں پہلا اضافہ**......:اس پر آدم علیہ السلام نے کہا:۔

اس میں یہ جز اور بڑھادو وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (ترجمہ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے)۔"

چنانچہ اس کے بعد آدم علیہ السلام جب طواف کرتے تھے تو یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔

**آدم علیہ السلام کے طواف**...... آدم علیہ السلام کا طواف سات ہفتے تک تورات میں ہوا کرتا تھا اور پانچ ہفتے تک دن میں ہوتا تھا۔ (ی) پھر جب وہ طواف سے فارغ ہوتے تو وہ کعبے کے دروازے کی طرف رخ کر کے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد ملتزم کے مقام پر آتے اور یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سَرِيْرَتِيْ وَعَلَانِيَتِيْ، فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِيْ وَمَا عِنْدِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ (الحدیث)

ترجمہ: اے اللہ! تو میری پوشیدہ باتوں اور کھلی ہوئی باتوں دونوں کو جانتا ہے پس میری معذرت اور معافی قبول فرما۔ اور جو کچھ میرے نفس میں ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس کو بھی جاننے والا ہے۔ پس تو میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اور تو میری ضرورتوں کو بھی جانتا ہے۔ پس تو میری حاجت روائی فرما اور میری درخواست قبول فرما۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ (پچھلی سطروں میں روایت بیان ہوئی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ۔ ہم پچاس ہزار سال پہلے سے اس بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ خیمہ جو اس وقت بیت اللہ تھا آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی یعنی ان کے فوراً بعد اتارا گیا تھا۔ لہذا) فرشتوں کے اس قول سے ان کی یہ مراد ماننا ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم اس خیمہ کا طواف کرتے آرہے ہیں۔ کیونکہ اس خیمہ کے متعلق تو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ۔ ہم نے تمہارے لئے ایک گھر اتارا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ (کیونکہ آدم علیہ السلام کے لئے اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد اتارا گیا) یا یہ کہ اس کو آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی اتارا گیا ہو (تو بھی مطلب یہی ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے یہ خیمہ موجود نہیں تھا) اس لئے مناسب یہ ہے کہ فرشتوں کی مراد بیت اللہ کی جگہ ہوگی یعنی اس خیمہ کے اتارے جانے سے پہلے (اس جگہ کا جہاں وہ اتارا گیا اور جہاں اب بیت اللہ شریف موجود ہے فرشتے طواف کرتے رہے ہیں)

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خود یہ خیمہ ہی مراد ہو کیونکہ اس خیمہ کو ہی بیت المعمور بتلایا گیا ہے لہذا ممکن ہے کہ فرشتے اس کے زمین پر اتارے جانے سے پہلے پچاس ہزار سال سے اس کا طواف کرتے رہے ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔

ہر فرشتے کو زیارت کعبہ کا حکم......(قال) وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ میں نے عہد اول کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ :۔

اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی زمین پر بھیجتا ہے اس کو حکم دیتا ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کرے۔ چنانچہ وہ فرشتہ عرش کے نیچے سے احرام باندھ کر تلبیہ یعنی لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ میں حاضر ہو گیا۔ اے اللہ میں تیرے حضور میں حاضر ہو گیا۔ (یہ دعا) پڑھتا ہوا نکلتا ہے اس کے بعد وہ حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے پھر بیت اللہ شریف کا سات مرتبہ طواف کرتا ہے۔ اس کے بعد کعبہ شریف کے اندر دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور پھر آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ یہاں ممکن ہے کہ احرام سے مراد بیت اللہ کے طواف کی نیت کا احرام ہو عمرہ کا احرام نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ قول ہے کہ۔ پھر وہ فرشتہ سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، پھر دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے۔ (یہاں عمرہ کے ارکان پورے بیان نہیں کئے گئے اس لئے یہ قیاس ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید فرشتے صرف بیت اللہ کے طواف کا احرام باندھتے ہوں گے۔

(یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت اللہ یا خیمہ موجود ہی نہ تھا تو طواف کا ہے کا کیا جاتا تھا) اس بارے میں وہب کے کلام میں بتایا گیا ہے کہ ممکن ہے یہاں بیت اللہ سے مراد بھی اس خیمہ کی جگہ ہی ہو کیونکہ اس طرح یہ بات ان فرشتوں کے لئے بھی درست ہو جائے گی جو اس سے پہلے بھیجے گئے اور ان کے لئے بھی درست ہو گی جو اس خیمہ کے اتارے جانے کے بعد بھیجے گئے۔

مگر پہلے بھیجے جانے والوں کے سلسلے میں یہ بات شبہ پیدا کرنے والی ہو گی کہ وہ فرشتے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس خیمہ میں حجر اسود موجود تھا اور اس خیمہ کا طواف حجر اسود سے ہی شروع کیا جاتا تھا۔

عطاء اور سعید ابن مسیبؓ وغیرہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ۔

زمین پر اترو اور میرے لئے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کے گرد گھومو جیسا کہ میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اس گھر کے گرد طواف کرتے ہیں جو آسمان میں ہے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ

"(میرے لئے گھر بنا کر) اس کا طواف کرو اور اس کے پاس میرا ذکر کرو جیسا کہ میں فرشتوں کو اپنے عرش کے گرد طواف کرتے دیکھتا ہوں"۔ جیسا کہ بیان بھی ہو چکا ہے۔

اس روایت کے ذریعہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی ہے کہ ابتداء آدم علیہ السلام کو زمین پر کعبے کی جگہ اتار اگیا تھا (ہندوستان کی سرزمین میں نہیں) واللہ اعلم۔

جبرئیل، آدم اور حوا کعبے کے اولین معمار......(قال) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آدم اور حواء علیہما السلام کے پاس بھیجا۔ جبرئیلؑ نے ان سے کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے فرماتا ہے کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔"

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ان کے لئے بنیاد کا نشان لگایا اور پھر آدم علیہ السلام بنیاد کھودنے

لگے اور حوا علیہا السلام مٹی ہٹانے لگیں۔ یہاں تک کہ کھودتے کھودتے وہ پانی تک پہنچ گئے۔ اسی وقت انہیں نیچے سے آواز آئی۔

"بس کافی ہے اے آدم!"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب کھودتے کھودتے وہ ساتویں زمین (یعنی انتہائی گہرائی) تک پہنچ گئے تو فرشتوں نے اس بنیاد میں پتھر ڈال ڈال کر اس کو بھرنا شروع کیا۔ یہ پتھر اتنے بڑے بڑے ہوتے تھے کہ ایک ایک کو تیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔

اس سے پہلے عطاء اور سعید ابن مسیب کی ایک روایت گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا تھا کہ زمین پر اترو اور میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ لیکن اس دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آدم اور حواء علیہا السلام کے پاس بھیج کر یہ حکم دیا گیا۔ اب اگر یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام پیدل چل کر ہندوستان سے حرم کے علاقے میں پہنچے تو یہ روایت اس روایت یعنی عطاء والی روایت کے خلاف ہو جائے گی کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو یہ حکم وحی کے ذریعہ اس وقت دیا گیا جب کہ وہ جنت میں تھے (کیونکہ حکم میں کہا گیا ہے کہ زمین پر جاؤ اور بیت اللہ تعمیر کرو)۔

اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ (آدم علیہ السلام اس وقت جنت میں نہیں تھے بلکہ زمین پر اتارے جا چکے تھے اور اس حکم میں (زمین پر جانے سے مراد یہ ہے کہ حرم کی سرزمین پر جاؤ یعنی۔ "حرم کی سرزمین پر جاؤ اور میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔"

اسی طرح (جیسا کہ پچھلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ آدم علیہ السلام نے بنیاد کھودی تھی اور فرشتوں نے اس میں پتھر ڈالے تھے) یہ ظاہر ہے کہ فرشتوں نے بنیاد کھودے جانے کے بعد ہی پتھر ڈالے ہیں چنانچہ یہ بات کعبؓ کی اس روایت کے خلاف نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ آسمان سے ایک کھوکھلا یاقوت اتارا تھا اور آدم سے فرمایا تھا کہ اے آدم یہ میرا گھر ہے جسے میں نے تمہارے ساتھ اتارا ہے۔ نیز یہ کہ جو فرشتے آدم علیہ السلام کے ساتھ اترے تھے انہوں نے پتھروں سے کعبہ کے لئے بنیاد اٹھائی اور اس پر بیت اللہ کو نصب کر دیا گیا تھا۔ تو گویا ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ آدم علیہ السلام کے بنیاد کھودنے کے بعد فرشتوں نے پتھروں کے ذریعہ کعبہ کی بنیاد اٹھائی۔ چنانچہ جب یہ بنیاد پوری ہو گئی تو بیت اللہ یعنی اس یاقوتی خیمہ کو ان پتھروں پر نصب کر دیا گیا (جو بنیاد میں بھرے گئے تھے) ادھر کعبہ کی تعمیر کے لئے آدم علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کے اترنے کا مطلب یہ ہوگا کہ (آدمؑ تو سرزمین ہند پر اتر چکے تھے) ان کے ساتھ فرشتے ہند سے حرم تک آئے (اور اس تعمیر کعبہ میں شریک ہوئے)۔

بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ جب آدم اور حوا علیہا السلام نے کعبہ کی بنیاد تیار کرلی تو آسمان سے بیت اللہ کو اتار آگیا جو سرخ سونے کا تھا اور اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کو آدم علیہ السلام کی بنیاد پر نصب کر دیا۔ پھر حجر اسود اتار آگیا اور اس کو اسی موقعہ پر یعنی اسی سمت میں نصب کیا گیا جس میں وہ آج بھی نصب ہے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کا طواف کیا یعنی جس طرح وہ اس سے پہلے طواف کیا کرتے تھے۔

اس طرح روایتوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ اب اس بنیاد کے تیار کرنے کی جس پر فرشتوں نے اس یاقوتی خیمے کو نصب کیا تھا۔ حضرت آدمؑ کی طرف بھی نسبت کی جاسکتی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی۔ کیونکہ فرشتوں کی طرف نسبت کرنا تو بالکل صاف ہے (کہ پچھلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ فرشتوں نے بنیاد کو بھرا تھا) اور حضرت آدم کی طرف نسبت کرنا اس لئے درست ہے کہ آدم علیہ السلام ہی اس بنیاد کے تیار کرنے کا سبب بنے تھے۔ یایوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی طرف نسبت کرنا اس لئے درست ہے کہ فرشتے اس بنیاد میں پتھر ڈالتے تھے اور آدم علیہ السلام انکو برابر کر کے رکھتے جاتے تھے۔

فرشتوں اور آدم علیہ السلام کی طرف اس بنیاد کی نسبت کرنے سے اب وہ روایتیں بھی صاف ہو جاتی ہیں جن میں سے ایک میں تو یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبے کی تعمیر کی وہ فرشتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے آدم علیہ السلام ہیں (کیونکہ بنیاد کی تعمیر میں فرشتے اور آدم علیہ السلام دونوں شریک ہیں۔ اس لئے دونوں کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہی سب سے پہلے کعبہ کے تعمیر کرنے والے ہیں)۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

**عمارت کعبہ کے پتھر**...... (بیت اللہ کی تعمیر کے ہی سلسلہ میں) ایک حدیث میں آتا ہے کہ۔

آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کو جن پتھروں سے بنایا (یعنی اس کی بنیاد بھری) ان میں ایک تو لبنان پہاڑ ہے جو ملک شام کا ایک پہاڑ ہے دوسرے طور زیت سے جو بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک ہے تیسرے طور سینا سے جو مصر اور ایلیا کے درمیان میں ایک پہاڑ ہے۔ بعض نے اس کو ملک شام کا پہاڑ بھی لکھا ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی تھی۔ چوتھے جودی سے جو جزیرۂ عرب کا پہاڑ ہے اور پانچویں حراء سے۔ یہاں تک کہ (ان سب پتھروں کے ذریعہ) انہوں نے اس بنیاد کو زمین پر اٹھادیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد کو چھ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر کیا تھا (ان میں یہ پہاڑ بھی ہیں) ابو قبیس پہاڑ، رضوی پہاڑ اور اُحد پہاڑ۔

**طوفان نوح سے کعبہ کی حفاظت**...... بہر حال دونوں روایتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کل آٹھ پہاڑوں سے تعمیر کیا گیا تھا اس کو قبول کر لینے میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

غرض پھر یہ بیت اللہ جو کہ یاقوتی تھا نوح علیہ السلام کے زمانے تک موجود رہا۔ پھر جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے ستّر ہزار فرشتے بھیجے جنہوں نے اس یاقوتی خیمہ کو چوتھے آسمان پر پہنچادیا اور یہی بیت المعمور ہے جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے (اس کے بارے میں پیچھے بیان ہوا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھالیا تاکہ ناپاک پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔ البتہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی۔

کتاب عرائس میں ہے کہ کشتی نوح زمین والوں کو اپنے اوپر لئے ہوئے چھ مہینے تک اس طرح گھومتی رہی کہ کسی جگہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ آخر وہ حرم تک پہنچ گئی مگر اس کے اندر نہ داخل ہو سکی اور ایک ہفتے تک حرم کے گرد گھومتی رہی (گویا اس طرح اس کشتی نے بیت اللہ کی جگہ کے سات طواف کئے) ادھر اللہ تعالیٰ نے اس بیت اللہ کو حفاظت کی خاطر آسمان پر اٹھالیا تھا جس کا آدم علیہ السلام حج کیا کرتے تھے اور جو کہ بیت المعمور ہے۔

(پیچھے روایت گزری ہے کہ آدم اور حواء علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیاد تعمیر کی) یہاں آدم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حوا کا تعمیر کعبہ میں شریک ہونا اس روایت کے خلاف ہے کہ حواء کو جدہ میں اتار اگیا تھا

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر حرم میں داخل ہونا اور آدم علیہ السلام کے خیمہ کی طرف یا مکے کی کسی بھی چیز کی طرف دیکھنا ان کی خطاء کی وجہ سے حرام کر دیا تھا اور یہ کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کے ساتھ مکے میں داخل ہونا چاہا تو آدم علیہ السلام نے ان سے کہا۔

"میرے ساتھ مت آؤ۔ میں تمہاری ہی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہوں۔ اب کیا تم یہ چاہتی ہو کہ مجھ پر یہ بھی حرام کر دیا جائے!"

چنانچہ آدم علیہ السلام جب حضرت حواء سے ملاقات کرنا چاہتے تو وہ حرم کی حدود سے بالکل باہر آجایا کرتے تھے اور حل کے علاقے میں حواء سے ملا کرتے تھے۔

**آدم و حواء کی ملاقات**...... علامہ محمد ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہندوستان کی سرزمین میں جزیرۂ سرندیپ میں اتارا تھا۔ اس سلسلے میں جو اشکال ہے وہ بیان ہو چکا ہے (کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو براہ راست بیت اللہ کے مقام پر اتارا گیا تھا۔ اس اشکال کا جواب بھی بیان ہو چکا ہے، اور حضرت حواء کو حدہ (ح سے) یا جدہ (ج سے) کے مقام پر اتارا گیا تھا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام حضرت حواء کی تلاش میں نکلے تو ان کا تعارف جہاں ہوا یعنی جہاں انہوں نے حواء کو پہچانا وہ عرفات کا میدان تھا۔ اسی تعارف کی وجہ سے اس جگہ کو عرفہ کہا جاتا ہے پھر جس جگہ وہ جمع ہوئے اس جگہ کو اسی بناء پر جمع کہا جاتا ہے اور پھر جس جگہ حواء ان کے قریب ہوئیں اس جگہ کو اسی لئے مزدلفہ کہا جاتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور حوّا مزدلفہ کے علاوہ کسی اور جگہ جمع ہوئے تھے لیکن یہ بات مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ مزدلفہ کے مقام پر جمع ہوئے تھے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں جگہیں ایک ہی علاقہ میں ہیں اور اس پورے علاقہ کے یہ دونوں نام ہیں۔

(عرفہ کے مقام کو عرفہ کہنے کی ایک وجہ تو اوپر بیان ہوئی اور) ایک قول یہ ہے کہ عرفہ کو عرفہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے مناسک اور ارکان سکھلائے اور وہ عرفہ کے مقام تک پہنچے تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا۔

"کیا آپ نے اپنے مناسک کو سمجھ لیا۔ یعنی آپ کو ان کی معرفت ہو گئی؟"

آدم علیہ السلام نے کہا "ہاں!" چنانچہ اسی وجہ سے اس جگہ کو عرفہ کہا گیا۔

یہاں حج کے مناسک سے وہ مناسک مراد ہیں جو عرفہ کے مقام سے پہلے کے ہیں ورنہ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اصل اور اہم مناسک و ارکان تو عرفہ کے بعد ہی شروع ہوتے ہیں (اس لئے یہاں تک کے مناسک بتلانے کے بعد یہ کیسے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے مناسک سمجھ لئے!)

**امت محمدی ﷺ کی فضیلت کا اقرار**...... کتاب خصائص صغریٰ میں رزین سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی امت کو چار ایسی کرامتیں اور فضیلتیں دی ہیں جو مجھے نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری توبہ صرف مکے میں مخصوص (یعنی قابل قبول) تھی اور امت محمدی کا کوئی بھی آدمی کہیں بھی توبہ کر سکتا ہے......" (حدیث)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا سبب بیت اللہ کا طواف تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حوّاء آدم علیہ السلام کے ایک سال بعد تک زندہ رہیں۔

بیت المقدس کی پہلی تعمیر...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کعبے کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ جاکر بیت المقدس تعمیر کریں چنانچہ آدم علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے اور انہوں نے بیت المقدس تعمیر کیا اور اس میں وہاں کے ارکان اور مناسک ادا کئے۔

زمین کی پہلی مسجد...... اس روایت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا:

"زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟"

تو آپ نے فرمایا کہ مسجد حرام۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سی بنی تو آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس پھر پوچھا گیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدّت کا فصل ہے تو آپ نے فرمایا چالیس سال کا۔

دونوں مسجدوں کے درمیان اس فصل کے متعلق امام بلقینی نے ایک وضاحت کی ہے کہ ان دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان جو مدّت ہے وہ اس وجہ سے کہ بیت المقدس کی زمین بعد میں ہموار کی گئی یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو سب سے پہلے مسجد حرام کی جگہ کی زمین بنی اور بیت المقدس جس جگہ ہے وہاں کی زمین اس کے ایک مدّت کے بعد ہموار کی گئی۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بعد حواء پر بیان ہوئی (کہ دونوں مسجدوں کو آدم علیہ السلام نے بنایا ہے) امام بلقینی کی اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔

مگر امام بلقینی کی یہ وضاحت دراصل اس قول کی بنا پر ہے کہ مسجد حرام کے بنانے والے دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی مسجد بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں (امام بلقینی نے اس بارے میں یہ وضاحت اس لئے کی کہ ان دونوں پیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال سے بھی زائد کی مدّت ہے۔

بہر حال اسی طرح اگر یہ مانا جائے (جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ) مسجد حرام کے بنانے والے تو آدم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی مسجد تعمیر کرنے والے ان کی اولاد میں سے کوئی ہیں۔ تو بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔

اسی لئے بعض علماء نے اس بارے میں وضاحت کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کے تعمیر کرنے والے نہیں ہیں بلکہ دراصل وہ اس مسجد کی تعمیر کی تجدید کرنے والے ہیں۔ جہاں تک بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے کا تعلق ہے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جن کے دلوانے اتنی ہی مدّت پہلے یعنی چالیس سال پہلے مسجد حرام یعنی بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ لیکن اگر یہ مانا جائے کہ یہ دونوں مسجدیں آدم علیہ السلام نے ہی تعمیر کی تھیں تو پھر کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا (اس لئے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ کی تعمیر کی۔ یعنی اس یاقوتی خیمہ کے واپس اٹھالئے جانے کے بعد پورے کعبہ کی جس شخص نے آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد تعمیر کی وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے شیث علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے بیت اللہ کو مٹی اور پتھر سے بنایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اولیت اور پہل اضافی ہے (یعنی آدم علیہ السلام کے بعد جس نے سب سے پہلے بنایا وہ شیث علیہ السلام ہیں۔ اضافی کا مطلب یہ ہے کہ یہ اولیت صرف شیث علیہ السلام کے بعد والوں کے مقابلے میں ہے۔ ان سے پہلے کے مقابلے میں نہیں ہے)

غرض اس کے بعد جب طوفان نوح آیا تو بیت اللہ کی عمارت منہدم ہو گئی البتہ اس کی جگہ باقی رہ گئی۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد ایک مدّت تک یہی صورت باقی رہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک کسی نے بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی۔

بنیاد آدمؑ پر تعمیر ابراہیمی...... چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ان کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے (بیت اللہ کی جگہ) اپنے پر مارے جس سے ساتویں زمین پر (یعنی انتہائی گہرائی میں) وہ پختہ اور مضبوط بنیاد نکل آئی (جسے آدم علیہ السلام اور فرشتوں نے بنایا تھا) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بنیاد پر کعبے کی تعمیر اٹھائی اور اس بنیاد کو ہی قواعد کہا جاتا ہے جو پیچھے بھی ذکر ہوا ہے یہ بنیاد جیسا کہ بیان کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام یا فرشتوں کی بنائی ہوئی تھی۔ یا ان دونوں ہی کی بنائی ہوئی تھی (جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے)۔

اس بنیاد کو اساس ابراہیم اور قواعد ابراہیم بھی کہا جاتا ہے (جس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بنیاد ان کی بھری ہوئی تھی بلکہ یہ مطلب ہے) کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بنیاد پر کعبے کی تعمیر اٹھائی اس کو توڑا نہیں تھا۔

یہ جو روایت بیان ہوئی ہے اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے کہا بیت اللہ کی جگہ مٹ گئی تھی۔ یعنی طوفان نوح کی وجہ سے کیونکہ ایک روایت میں صاف یہی لفظ ہیں کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں بیت اللہ کی جگہ مٹ گئی تھی اس جگہ پر ایک سرخ ٹیلہ سا ہو گیا تھا (اس کی برکت بھی اتنی ظاہر تھی کہ) مظلوم اور پناہ چاہنے والے لوگ زمین کے چپّہ چپّہ سے وہاں آیا کرتے تھے یہاں آکر جو شخص بھی کوئی دعا مانگتا وہ قبول ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے بیت اللہ کا حج نہیں کیا کیونکہ ہود علیہ السلام اپنی قوم عاد کے ساتھ الجھے رہے اور صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود کے ساتھ مشغول رہے (اور ان قوموں نے ان نبیوں کو اس کی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ بیت اللہ کی حاضری دے سکتے)

بیت اللہ میں انبیاء کی قبریں...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود اور چاہ زمزم کے درمیانی حصے میں ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ کعبے کے چاروں طرف تین سو نبیوں کی قبریں ہیں اور رکن یمانی یعنی دائیں کونے اور حجر اسود کے درمیانی حصے میں ستّر نبیوں کی قبریں ہیں۔ ہر وہ نبی جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا، اپنی قوم کے درمیان سے نکل کر مکے آتا تھا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو جاتی"۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رکن یمانی اور حجر اسود کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور یہ کہ حضرت ہود، حضرت صالح حضرت شعیب اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی قبریں اسی مبارک حصہ میں ہیں۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اسماعیل علیہ السلام کے اس جگہ دفن ہونے کی بات کی تائید بعض محققوں کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دفن ہوئے ہیں جہاں حجر اسود ہے۔ مگر ایک حدیث میں ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے حصے میں ہے۔ علامہ محب طبری نے لکھا ہے کہ پتھر کا وہ سبز چوکہ حجر اسود کے مقام پر ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔

(پیچھے دو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام حج نہیں کر سکے اور دوسری روایت یہ کہ ان دونوں کی قبریں بھی بیت اللہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے حج کیا ہے کیونکہ یہاں دفن ہونے کا مطلب ہے کہ وہ بیت اللہ میں حاضر ہوئے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں) ان دونوں پیغمبروں کے حج نہ کرنے اور بیت اللہ میں دفن ہونے کے درمیان کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے (یہ حضرات بیت اللہ کی حاضری کے لئے روانہ ہوئے ہوں مگر) اس تک پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی ہو چنانچہ ان کی میتوں کو بیت اللہ میں لاکر دفن کر دیا گیا ہو۔ ادھر یہ کہ بعض علماء نے اس روایت کو کمزور بتلایا ہے کہ ان دونوں نے حج نہیں کیا۔ اس بات کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ ہود اور صالح علیہما السلام نے اور ان لوگوں نے جو ان پر ایمان لائے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں ہونے والے کسی نبی نے بیت اللہ کا حج نہیں کیا۔

اب اس روایت میں اور اس پچھلی روایت میں اختلاف ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ جس نبی کو بھی اس کی قوم نے جھٹلایا وہ مکے آکر بیت اللہ میں عبادت گزاری کرنے لگتا تھا۔ اب اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنی پڑے گی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان مطابقت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان ایسا کوئی نبی گزرا ہے جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہو کیونکہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان سوائے ہود اور صالح علیہما السلام کے ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہو۔ اسی بات سے اس قول کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ ان دو نبیوں یعنی ہود اور صالح علیہما السلام نے حج نہیں کیا (کیونکہ ان کی قوموں نے ان کو جھٹلایا اور انہیں اطمینان کا سانس نہیں لینے دیا) اگرچہ اس روایت کے متعلق گزر چکا ہے کہ یہ کمزور اور ضعیف ہے۔

**کشتی نوحؑ کا طواف کعبہ**...... ایک حدیث میں آتا ہے جس کا ایک راوی متروک ہے کہ:۔

نوح علیہ السلام کی کشتی نے ان کے ساتھ حج کیا چنانچہ وہ عرفات کے مقام پر ٹھہری۔ پھر (وہ تیرتی ہوئی مزدلفہ کے مقام پر پہنچی) اور وہاں اس نے رات گزاری اور اس کے بعد اس نے حرم شریف کا طواف کیا جیسا کہ پیچھے بھی ذکر ہوا کہ کشتی حرم کی حد سے آگے بڑھ کر اس میں داخل نہیں ہو سکی تھی (لہذا بیت اللہ کا طواف کہنے کے بجائے حرم کا طواف کہا گیا) یہاں یہ کہنا مناسب نہیں ہوگا کہ اس نے سعی کی کیونکہ سعی تو صفا اور مروہ کے درمیان ہوتی ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سعی سے مراد خود طواف ہی ہے۔

**ایک سرکش اور نوحؑ کی بددعا**...... کتاب انس جلیل میں ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔

"نوح علیہ السلام کی کشتی ایک ہفتے تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی اور پھر جودی پہاڑ پر پہنچ کر ٹک

گئی"۔

ایک حدیث میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے کشتی والوں سے فرمایا جب کہ کشتی بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ "تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حرم میں اور اس کے گھر کے گرد ہو اس لئے تم میں سے اس وقت کوئی بھی اپنی عورت کو ہاتھ نہ لگائے"۔

اس کے بعد نوح علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک پردہ اور رکاوٹ بنادی۔ مگر کہا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے نے نافرمانی کی اور اپنی عورت کے ساتھ ہم بستر ہو گیا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بددعا کی کہ اس کی اولاد کا رنگ سیاہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کے حق میں نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی چنانچہ اس کا جو بیٹا پیدا ہوا وہ (اور اس کی اولاد) سیاہ رنگ کا ہوا۔ اس کا یہ بیٹا ابوالسُّودان تھا (جس کی نسل افریقہ کے کچھ علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے)

مگر نوح علیہ السلام کی اس بددعا اور ابوالسُّودان کی اولاد کے رنگ سیاہ ہو جانے کا ایک دوسرا سبب بھی بیان کیا جاتا ہے جس کو میں نے اپنی کتاب **اعلام الطراز المنقوش فی فضائل الحبوش** میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی قبریں بیت المقدس میں ہیں (ی) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام (کی قبر جب دریائے نیل کے پانی میں آگئی تو ان) کی میّت کو اس قبر میں سے نکال کر بیت المقدس میں دفن کیا گیا جیسا کہ آگے تفصیل سے اس کا بیان آرہا ہے۔

**ابراہیمؑ کو مقام کعبہ کی نشان دہی**...... (قال) حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم فرمایا کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا۔

"اے پروردگار! میں وہ گھر کہاں تعمیر کروں؟"

اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ سکینۃ کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ سکینت سے مراد وہ ہوا ہے (جو خاص طور پر ابراہیم علیہ السلام کے لئے ظاہر کی گئی اور) جس کے انسان کے جیسا چہرہ تھا (ی) ایک قول یہ بھی ہے کہ بلّی کے جیسا چہرہ تھا اور اس کے دو بازو یعنی پَر تھے اور اس کے زبان بھی تھی جس سے وہ کلام کرتی تھی۔

مگر تفسیر کشاف میں اس سکینہ کی تفسیر میں لکھا ہے جو تابوت سکینہ یعنی صندوق میں تھی (اور جس کا تفصیلی بیان سیرت حلبیہ اردو گذشتہ ابواب میں گزر چکا ہے) کہ :۔

"کہا جاتا ہے کہ یہ سکینت (جس کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی گئی) زبرجد یا یاقوت کی بنی ہوئی شکل کی تھی اور اس کے بلّی کے جیسا سر اور بلّی ہی کے جیسی دُم تھی۔"

مگر اس بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا تھا۔ یہاں تک تفسیر کشاف کا حوالہ ہے۔

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہوا کو بھیجا جس کا نام خجوج تھا۔ اس کے دو بازو تھے اور سانپ کی طرح کا سَر تھا۔ اس ہوا نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے بیت اللہ کے گرد کا وہ حصہ کھول دیا جہاں بیت اللہ کی اولین بنیاد تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کی طرف) ایک بدلی کو بھیجا جس کا ایک سَر تھا۔ پھر اس سَر میں سے آواز آئی۔

"اے ابراہیم! آپ کا پروردگار آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اس بدلی کے برابر حصہ (اس کے نیچے زمین پر) نشان لگادیں۔"

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام غور سے اس بدلی کو دیکھتے جاتے تھے اور نشان لگاتے جاتے تھے (یعنی اس کے برابر اس کی سیدھ میں زمین پر نشان بناتے جاتے تھے) اس کے بعد پھر اس سر میں سے آواز آئی۔

"اے ابراہیم کیا تم اپنا کام کر چکے؟"

ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ ہاں! چنانچہ اس کے بعد وہ بدلی اٹھ کر اوپر چلی گئی۔ ان سب روایتوں میں مطابقت بھی قابل غور ہے اور ان سب کے ساتھ اس روایت میں سے بھی مطابقت ضروری ہے جو پیچھے بیان ہوئی کہ جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر اپنے پَر مارے جس کے نتیجہ میں کعبہ کی وہ پہلی بنیاد ظاہر ہو گئی۔

(تشریح:۔ اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس بدلی کو کہیں ہوا سے تعبیر کیا گیا اور کہیں بدلی سے۔ ہوا سے مراد بھاپ ہو سکتی ہے کیونکہ ہوا نظر آنے والی چیز نہیں ہے اور نہ اس کے جسم ہے۔ اب بھاپ کہنے کی صورت میں یہ بات زیادہ قابل قبول ہے کہ بھاپ کو بدلی کہہ دیا گیا ہو کیونکہ بادل حقیقت میں بھاپ ہی ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کی شکل کے متعلق مختلف قول ہیں اس بارے میں ممکن ہے کہ راویوں کے بیان کا فرق ہو۔

ادھر جہاں تک بدلی کے ذریعہ بیت اللہ کی بنیاد کا نشان لگانے اور حضرت جبرئیلؑ کے پَر مار کر بیت اللہ کی بنیاد کو ظاہر کرنے کا معاملہ ہے ان میں بھی مطابقت ہو سکتی ہے کہ شاید بدلی کے ذریعہ تو کعبے کے طول و عرض کے برابر نشان لگائے گئے اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر مار کر ان بنیادوں کو ظاہر کر دیا ہو جو انتہائی گہری تھیں۔ واللہ اعلم۔ مرتب)

<u>کعبے کی طرف رہنما پرندہ</u>...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ پھر وہ سکینت (یعنی بھاپ) چلنی شروع ہو گئی جس کی رہنمائی صرد نامی پرندہ کر رہا تھا۔ (اس پرندہ کو اردو میں لٹورا کہا جاتا ہے) اور یہ ایک مشہور پرندہ ہے جو چڑیا سے بڑا ہوتا ہے اور چڑیوں وغیرہ کا شکار کرتا ہے۔

اس کے شکار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مختلف قسم کی آوازیں ہوتی ہیں۔ یہ جس پرندے کا شکار کرنا چاہتا ہے اس کے لئے علیٰحدہ قسم کی آواز نکالتا ہے جو اسی پرندے کی سی آواز ہوتی ہے جب یہ آواز اس پرندے تک پہنچتی ہے تو وہ لٹورا کے پاس آتا ہے جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچتا ہے لٹورا اس پر جھپٹتا ہے اور اس کو شکار کر لیتا ہے۔

اس پرندے کو صوام یعنی بڑا روزہ دار بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا تھا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میرے ہاتھ میں لٹورا پرندہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"یہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشورا یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھا۔"

مگر علامہ ذہبی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور حاکم نے اس کو باطل کہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت خالد ابن ولید نے طلیحہ کذّاب کو قتل کیا جس نے آنحضرت

ﷺ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس کی طاقت زور پکڑ گئی تھی۔
اسی زمانے میں حضرت خالدؓ نے طلیحہ کذّاب کے ایک ایسے ساتھی سے پوچھا جو کہ اب مسلمان ہو چکا تھا۔
"طلیحہ کذاب تمہیں اپنی وحی کی کیا باتیں بتلایا کرتا تھا؟"
اس نے جواب دیا کہ وہ کہتا تھا۔
"کبوتر، جنگلی کبوتر اور روزہ دار لٹورا کی قسم! ہماری سلطنت شام اور عراق تک پہنچ جائے گی۔"

## سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھنا

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے (جن کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا) لٹورا پرندے کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔
"اے گناہ گارو! اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔"
مگر کتاب کشاف میں ہے کہ یہ ہُدہُد کی آواز تھی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ لٹورا اور ہُدہُد دونوں نے اپنی اپنی آواز میں یہی بات کہی ہو۔
پھر انہوں نے مور کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ مور یہ کہہ رہا ہے۔
"جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"
پھر انہوں نے ہُدہُد کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ ہدہد یہ کہہ رہا ہے۔
"جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"
ہُدہُد کے متعلق دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی تو ہُدہُد یہ کہتا ہو کہ "اے گناہ گارو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو"۔ اور کبھی یہ کہتا ہو کہ "جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔
ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام نے شپرک کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ یوں کہہ رہی ہے۔
"تم خیر کا معاملہ کرو۔ تمہیں اس کی جزا ملے گی۔"
انہوں نے مرغ کی آواز سن کر فرمایا کہ یہ یوں کہہ رہا ہے۔
"اے غافلو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو!"
بُلبُل کی آواز سن کر انہوں نے فرمایا کہ یہ یوں کہتی ہے۔
"اگر تم نے آدھی کھجور کھائی (تو اگرچہ یہ بھی توکل کے خلاف ہے مگر) دنیا کو اسے معاف کر دینا چاہئے۔"
فاختہ کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ یہ یوں کہتی ہے۔
"کاش یہ مخلوق پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔"
انہوں نے جب گِدھ کو بولتے سنا تو فرمایا کہ یہ یوں کہتا ہے۔
"پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ اور بلند ہے اور اپنے زمین و آسمان پر حاوی ہے۔"

چیل کے بارے میں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ یہ کہتی ہے۔

"سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔"

اسی طرح بلی یہ کہتی ہے۔

"جو شخص خاموش رہا وہ محفوظ رہا۔"

طوطا یوں کہتا ہے۔

"اس کے لئے برائی ہے جس نے دنیا کی خواہش کی۔"

کرگس یہ کہتا ہے

"اے اولاد آدم! جب تک تو چاہے زندہ رہے مگر تیرا انجام موت ہے۔"

عقاب یہ کہتا ہے۔

"لوگوں سے دور رہنے میں ہی سکون واطمینان ہے۔"

سلیمان علیہ السلام سے روایت ہے کہ پرندوں میں انسان کے لئے جو سب سے بہترین نصیحت کرنے والا اور شفیق پرندہ ہے وہ الو ہے۔ وہ جب کسی ویرانے اور خرابہ پر آکر بیٹھتا ہے تو یہ کہتا ہے۔

"کہاں ہیں وہ لوگ جو دنیا کا عیش و عشرت حاصل کر رہے تھے اور اس کی طرف دوڑ رہے تھے، اولاد آدم پر افسوس ہے...... کہ وہ کیسے غافل سو رہے ہیں حالانکہ ان کے سامنے سختیاں اور مشکلات پھیلی ہوئی ہیں۔ اے غافل انسانو! اپنے سفر کے لئے کچھ زاد راہ اور تیاری کر لو!"

**آنحضرت ﷺ کا ایک پرندہ کی بولی سمجھنا**...... حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ہم نے ایک اندھا پرندہ دیکھا جو ایک درخت پر اپنی چونچ مار رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔ "اے اللہ! تیری ذات خود ہی انصاف ہے۔ تو نے میری آنکھوں کے پردے ڈال دیئے ہیں اور اب میں بھوکا ہوں۔"

اسی وقت میں نے دیکھا کہ، ایک ٹڈی سامنے آئی اور اس اندھے پرندے کی چونچ میں گھس گئی۔ اس کے بعد اس پرندے نے پھر درخت پر اپنی چونچ ماری تو آنحضرت ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا جانتے ہو کہ یہ اب کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ "نہیں!" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔

"جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔"

**ہُدہُد پر سلیمانؑ کا عتاب**...... کہا جاتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے فرمایا کہ میں تجھ کو بہت شدید عذاب دوں گا تو ہُدہُد نے ان سے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی! میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کا کھڑا ہونا یاد کر رہا ہوں۔"

یہ سن کر سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپنے لگے اور انہوں نے ہُدہُد کو اسی وقت معاف

کر دیا۔

یہ ہُدہُد پانی حاصل کرنے کے سلسلے میں سلیمان علیہ السلام کا راہبر اور رہنما تھا کیونکہ ہُدہُد کو زمین کے نیچے پانی اس طرح نظر آجاتا ہے جیسے شیشے میں سے نظر آتا ہے۔

(ہُدہُد پر سلیمان علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایکدفعہ) سلیمان علیہ السلام پانی سے خالی ہوگئے۔ ساتھ ہی اس وقت ہُدہُد بھی غیر حاضر تھا جس کے ذریعہ ایسی زمین تلاش کی جاسکتی تھی جس کے نیچے پانی ہو چنانچہ اس وقت ہُدہُد کی غیر حاضری سے سلیمان علیہ السلام اس پر غضبناک ہوئے اور) انہوں نے اس کی تلاش میں عقاب کو بھیجا۔ اس نے راستے میں ہُدہُد کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ ہُدہُد نے جب عقاب کو دیکھا کہ وہ اس پر جھپٹنے کے لئے آرہا ہے تو اس نے عقاب سے کہا۔

میں اس ذات کے نام پر تجھ سے رحم کرنے کے لئے کہتا ہوں جس نے تجھے میرے اوپر غالب آنے کی طاقت دی ہے۔"

(اس کے بعد وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور انہوں نے اس سے وہ سب کہا جو اوپر بیان ہوا)۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ہُدہُد زمین کے نیچے پانی کو تو دیکھ لیتا ہے مگر اس کو جال نظر نہیں آتا (جو اس کو پکڑنے کے لئے بچھایا جاتا ہے!")۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

"جب موت آتی ہے تو آنکھیں بینائی سے محروم ہو جاتی ہیں"۔

کہا جاتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو جو شدید عذاب دینے کے متعلق کہا تھا اس سے ان کی مراد ہُدہُد کو اس کے ہمدردوں سے محروم کر دینا تھی (یعنی وہ ان چیزوں کے ساتھ نہیں رہے گا جو اس کو نقصان نہ پہنچائیں) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مراد اس کا اپنے دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہونا تھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی مراد ہُدہُد کے اپنے دشمنوں کی صحبت میں رہنے سے تھی۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل قید انسان کا دشمنوں میں رہنا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل قید مرد کی بوڑھی بیوی (یا بوڑھے کی بیوی) ہوتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:۔

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ الآیہ ۱۶ پ ۱۹ سورۂ نمل ع ۲

ترجمہ:۔ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو سامان سلطنت کے متعلق ہر قسم کی ضروری چیزیں دی گئی ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ:۔ منطق کے لفظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی آوازوں کو تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان آوازوں سے وہ معانی اور مطلب پیدا ہوتے ہیں جو بولنے سے ہوتے ہیں چنانچہ سلیمان علیہ السلام جب بھی کسی پرندے کی آواز سنتے تو وہ حق تعالیٰ کی جانب سے ملی ہوئی قدرت کے ذریعہ اس آواز کی غرض اور مقصد کو سمجھ لیتے تھے جو اس پرندے کی مراد ہوتی تھی (کیونکہ پرندے اپنی آوازوں کے ذریعہ حق تعالیٰ کی تسبیح

اور حمد و ثنا بیان کرتے ہیں)۔

یہ بات صرف ان پرندوں کے متعلق ہے جن کی آوازوں سے صاف الفاظ سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ بعض پرندے ایسے بھی ہیں جن کی آوازوں سے صاف الفاظ بھی بنتے اور سمجھ میں آتے ہیں چنانچہ کوّوں کی ایک خاص قسم ہے کہ جب وہ بولتے ہیں تو یہ الفاظ صاف سنائی دیتے ہیں۔

اللّٰہ حق

کسی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک کوّے کو دیکھا جو سورۂ سجدہ کی آیتیں پڑھ رہا تھا اور جب سجدہ کی آیت پر پہنچا تو یہ کہتے ہوئے اس نے سجدہ کیا۔

"میرے سر نے تیرے سامنے سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لایا"۔

(علامہ بکری کہتے ہیں کہ) میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جس میں میں نے لونٹنی کو بولتے سنا۔ میں اپنے ایک دوست کے مکان میں گیا جہاں ایک لونٹنی تھی جسے میں نے نہیں دیکھا تھا کہ اچانک اس نے کہا۔

"مرحبا شیخ بکری"۔ پھر اس نے دوبارہ یہی جملہ کہا۔ میں اس کے اس قدر صاف کلام پر بہت حیران ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ (ایک دفعہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے تو) ان کے لشکر کی آواز چیونٹیوں نے سن لی اس پر چیونٹی نے جو کلام کیا اس کو سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ اس نے باقی چیونٹیوں سے کہا۔

"اپنے گھروں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں ہلاک نہ کردیں۔"

یہ سن کر سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو رکنے کا حکم دیا چنانچہ ہوائیں ٹھہر گئیں اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں گھس گئیں۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کے پاس آئے (جس نے کلام کیا تھا اور) اس سے کہنے لگے۔

"تونے چیونٹیوں کو میرے ظلم سے ڈرا دیا۔"

اس نے کہا

"کیا آپ نے میرے یہ لفظ نہیں سنے۔ میں نے یہ کہا کہ بے خبری میں کہیں تمہیں ہلاک نہ کردیں مگر میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم ان کی جانیں ہلاک کردو گے بلکہ میری مراد ان کے دلوں کا ہلاک ہو جانا تھا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ وہ تمہیں دیکھنے میں اپنی تسبیح اور خدا کے ذکر سے غافل ہو جائیں گی۔ (ی) اور اس طرح وہ یعنی ان کے دل مر جائیں گے۔"

ہر چیز حمد و تسبیح کرتی ہے...... (دلوں کے خدا کی یاد سے غافل ہونے پر جسم کی موت کے متعلق) ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ :۔

"جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی روح قبض کر لیتا ہے۔"

ایک روایت ہے کہ۔

"جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے اور جو درخت بھی کاٹا جاتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کی وجہ سے ہی کاٹا یا شکار کیا جاتا ہے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ۔

"کپڑا اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ جب وہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے۔" (اس چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام سے جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق) ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے یہ کہا تھا :۔

"مجھے یہ ڈر تھا کہ جب آپ ان نعمتوں کو دیکھیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے تو آپ ﷺ کہیں کفران نعمت نہ کریں :۔

سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر۔ تو اس نے کہا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سلطنت آپ کی انگشتری کے نگینے میں کیوں رکھی ہے ؟"

انہوں نے کہا "نہیں" تو چیونٹی نے کہا۔

"تمہیں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ دنیا پتھر کے ایک ٹکڑے کے برابر بھی نہیں ہے"۔

یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب صفت ہے کہ چیونٹی صرف کھانے کی خوشبو سے غذا حاصل کرتی ہے اس لئے کہ اس کے پیٹ نہیں ہوتا جس میں کھانا پہنچ سکے۔

کہا جاتا ہے کہ اس چیونٹی نے جس نے سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا ان کو ایک انگور پیش کیا تھا اور ان کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بارے میں ایک لطیفہ بھی مشہور ہے مگر یہاں اس کے ذکر سے طول ہوگا۔

**چیونٹی کا نصیحت آمیز کلام**..... کتاب فتاویٰ جلال سیوطی میں ہے کہ علامہ ثعالبی نے اپنی کتاب زہرۃ الریاض میں لکھا ہے کہ

جب سلیمان علیہ السلام تخت سلطنت پر بیٹھے تو تمام جانور ان کو مبارک باد دینے کے لئے آئے مگر چیونٹی آئی تو اس نے مبارک باد اور تہنیت کے بجائے تعزیت اور اظہار افسوس کیا۔ اس پر چیونٹیوں نے اس کو برا بھلا کہا تو اس نے جواب دیا۔

"میں ان کو سلطنت کے ملنے پر کیسے مبارک باد دوں جب کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو اس سے دنیا کو دور کر دیتا ہے اور اس کے لئے آخرت کو پسند فرماتا ہے۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایک ایسے معاملے میں مشغول ہوگئے ہیں جس کے انجام کا ان کو پتہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ مبارک باد اور تہنیت کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو تعزیت پیش کی جائے۔"

ایک دن سلیمان علیہ السلام کے لئے جنت سے ایک شربت آیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اس کو پی لیا تو آپ کو موت نہیں آئے گی۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کو پینے کے متعلق اپنے لشکر سے مشورہ کیا مگر سوائے سیہہ جانور کے (جو چوہے کی طرح ہوتی ہے) ہر ایک نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ اس کو پی لیجئے۔ مگر سیہہ نے کہا۔

"اس کو مت پیو۔ اس لئے کہ قید خانے میں زندہ رہنے کے مقابلے میں عزت کی موت بہتر ہے"۔

یہ سن کر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا اور اس کے بعد انہوں نے وہ شربت سمندر میں

بہادیا۔

(اصل روایت یہ چل رہی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کی تعمیر کریں اور ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ پروردگار میں تیرا گھر کہاں بناؤں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ وہ سکینت کے پیچھے جائیں جو ایک ایسی بھاپ اور ہوا تھی جس کے انسان کے جیسا چہرہ تھا۔ اس بھاپ کی رہنمائی لٹورا نامی پرندہ کر رہا تھا۔ اب اسی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں)

(قال) ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اس صرد یعنی لٹورا پرندے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ جب وہ بیت اللہ کے مقام تک پہنچ گئے تو وہ بھاپ ایک بادل کی صورت میں ہو گئی اور اس میں سے آواز آئی۔

"اے ابراہیم! میرے سائے کی برابر جگہ پر نشان لگاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کرو۔"

(ی) ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا تو ان کے لئے سکینت بھیجی گئی جو تیز ہوا تھی اور رک رک کر چلتی تھی اور اس کے ایک سر تھا۔ (حدیث)

**تعمیر ابراہیمی کا آغاز**...... غرض بیت اللہ کی جگہ پہنچ کر (اور نشان لگانے کے بعد) ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کھدائی کی جس کے نتیجہ میں وہ مضبوط اور صحیح سالم بنیاد ظاہر ہو گئی (جو فرشتوں اور آدم علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی) اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر شروع کی اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے جو فرشتے لے لے کر آرہے تھے جیسا کہ اس کے آگے حدیث آئے گی۔ غرض اس طرح بیت اللہ کی تعمیر اوپر اٹھنے لگی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ ممکن ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیت اللہ کی تعمیر کے لئے وحی بھیجی اس وقت وہ اسماعیل علیہ السلام کے پاس مکے ہی میں ہوں لیکن بیت اللہ کے مقام سے کافی دور رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں ہی اس وقت مکے میں نہ ہوں اور اس وحی کے بعد آئے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ الآیہ پ ۱۴ سورۂ نحل ع ۱۵ ۱۲۰

ترجمہ :۔ بے شک ابراہیم بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔

چنانچہ اس آیت پاک کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں چونکہ ابراہیم علیہ السلام تنہا تھے اس لئے وہ اپنے مرتبہ میں ایک پوری امت کے قائم مقام تھے اس وقت ان کے سوا روئے زمین پر اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر رہا تھا۔ واللہ اعلم۔

**تعمیر کعبہ کے دوران دعاء ابراہیمی**...... (قال) پھر جب کعبہ کی دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے مقام ابراہیم لایا گیا۔ یعنی وہ مشہور پتھر (جو مقام ابراہیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوتے اور تعمیر بلند کرتے جاتے۔ تعمیر کے دوران ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ الآیہ پ ۱ سورۂ بقرہ ع ۱۵ ۱۲۷

ترجمہ :۔ اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمائیے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

قدم ابراہیم کا نشان......اب جتنی بھی تعمیر یعنی دیوار اونچی ہوتی تھی وہ پتھر بھی فضا میں اتنا ہی اٹھ جاتا تھا اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان پڑ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پیر کا نشان اس پتھر پر پڑا تھا جس پر کھڑے ہوئے انہوں نے پیر سے ٹیک لگائی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان کا سر دھلایا تھا۔

اس کا واقعہ یہ تھا کہ حضرت سارہ نے (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی تھیں) ان سے اس وقت عہد لیا تھا جب وہ مکے جانے کے لئے سارہ سے اجازت لے رہے تھے کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کو دیکھ کر آئیں کہ وہ کس حال میں ہیں (یہ تو گویا سارہ نے ہاجرہ سے نازک رشتہ ہونے کے باوجود اپنے تعلق کی وجہ سے کہا مگر) ابراہیم علیہ السلام کو سارہ کی وجہ سے غیرت آئی کہ وہ ہاجرہ کے پاس جاکر ٹھہریں۔ اس لئے انہوں نے سارہ سے حلف کیا کہ وہ (ہاجرہ کے پاس پہنچ کر جو کہ ان کی دوسری بیوی تھیں) اپنی سواری سے بھی نہیں اتریں گے۔ یہ سواری براق تھی۔ اور سلام کرنے اور ان کا حال دریافت کرنے کے علاوہ کوئی اور بات چیت بھی نہیں کریں گے چنانچہ (وہاں پہنچ کر) جب ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر اپنے پیر سے ٹیک لگائی تو اس پتھر پر پیر کا نشان پڑ گیا۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام سواری پر تھے تو پھر انہوں نے پتھر پر کیسے ٹیک لگائی اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ سوار ہونے کے باوجود جب وہ ایک طرف کو جھکے تو انہوں نے اپنا ایک پیر پتھر پر ٹکایا تھا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پتھر پر ان کے ایک پیر کا نشان ہے دونوں کا نہیں ہے جب کہ تعمیر کے دوران اس پر ان کے کھڑے ہونے (اور اس کے نتیجے میں نشان پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پیروں کے نشان ہوں گے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

تعمیر کعبہ کی ہیئت......ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی اونچائی نو گز رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی چوڑائی تیس گز تھی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات عام دستور کے خلاف ہے۔

انہوں نے اس عمارت کی چھت نہیں بنائی تھی اور نہ اس کو گارے سے بنایا تھا بلکہ پتھروں کو برابر رکھ کر تعمیر اٹھائی تھی۔ اس میں انہوں نے ایک دروازہ بنایا یعنی ایسا راستہ جو زمین سے اونچا نہیں تھا بلکہ برابر تھا۔ اس میں انہوں نے بند ہونے والا دروازہ نہیں بنایا تھا بلکہ بعد میں اس کے کواڑ تبع حمیری نے لگوائے تھے اور اس بیت اللہ کے اندر دروازہ کے قریب دائیں جانب ایک کنواں بنوادیا تھا۔ اس کنویں میں کعبے کے وہ ہدایا اور تحفے ڈالے جاتے تھے جو لوگ بیت اللہ کی نذر کرتے تھے۔ اسی کنویں کو خزانہ کعبہ کہا جاتا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عمارت میں ایک ایسا پتھر لگانا چاہا جو لوگوں کے لئے اس بات کی نشانی ہے کہ یہاں سے طواف شروع ہوگا اور یہیں ختم ہوگا۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام وادی میں پتھر تلاش کرنے کے لئے گئے اس وقت جبرئیل علیہ السلام حجر اسود کو لے کر آسمان سے نازل ہوئے۔ حجر اسود اس وقت موتی کی طرح دمکتا تھا اور اس کے نور سے حرم کے دروازے تک ہر جانب سے جگمگا رہے تھے۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ یہ پتھر اس وقت سیاہ ہوگیا تھا جب اس کو جاہلیت کے زمانہ میں حیض والی عورتوں نے چھوا۔ مگر پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے سیاہ ہوگیا تھا۔

اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

"اولاد آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا۔"

جہاں تک اس کے بالکل سیاہ ہو جانے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دو مرتبہ جل چکا ہے۔ ایک دفعہ قریش کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے دور میں (حرم میں آگ لگ گئی تھی)۔

اس سے پہلے طوفان نوح کے وقت یہ پتھر ایک دفعہ واپس آسمان میں بھی اٹھایا جا چکا ہے کیونکہ گزشتہ روایات کے مطابق یہ اس یاقوتی خیمہ میں بھی موجود تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے (کعبہ میں علامت کے طور پر ایک پتھر لگانے کا ارادہ کیا تو) انہوں نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا۔

"بیٹے! مجھے ایک اچھا سا پتھر لا کر دو جسے میں اس جگہ لگا دوں۔"

**حجر اسود کی آمد**...... اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ ابّا جان میں بہت تھک گیا ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس کا لانا ضروری ہے۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام ان کے لئے پتھر لانے کے واسطے روانہ ہوئے، اسی وقت جبرئیل علیہ السلام ہندوستان سے وہ پتھر لے کر پہنچے جو آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر کو اس جگہ نصب کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دیوار میں نصب کیا تھا اور پھر اس کے اوپر ابراہیم علیہ السلام نے مزید دیوار اٹھائی۔

(غرض جب یہ پتھر نصب کیا جا چکا تو) اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام وادی میں سے ایک پتھر لئے ہوئے پہنچے مگر انہوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام حجر اسود کو نصب کر چکے ہیں (ی) یا اس کے اوپر مزید دیوار اٹھا چکے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا۔

"یہ پتھر کہاں سے آیا اور اسے کون لے کر آیا ہے؟"

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

"وہ جو مجھے تمہارا یا تمہارے پتھر کا محتاج نہیں بناتا"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

"میرے پاس یہ پتھر وہ لے کر آیا جو تم سے زیادہ چاق و چوبند ہے۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام ایک پہاڑ سے ایک پتھر لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام نے (اس کو ناپسند کرتے ہوئے) کہا کہ دوسرا لاؤ۔ اسی طرح وہ بار بار لوٹاتے رہے اور ان کے لائے ہوئے کسی پتھر کو انہوں نے پسند نہیں کیا۔

**حجر اسود کا امین**...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو ابو قبیس پہاڑ کو بطور امانت دیدیا اور اس پہاڑ کو حکم دیا کہ۔

"جب تو میرے خلیل یعنی دوست کو میرا گھر بناتے ہوئے دیکھے تو اس پتھر کو ان کے لئے اپنے میں سے نکال دینا۔"

چنانچہ (صدیوں کے بعد) جب ابراہیم علیہ السلام نے (کعبے کی تعمیر فرمائی اور) وہ اس جگہ تک پہنچے

جہاں حجر اسود کو نصب کیا جانا تھا تو ابو قُبَیس پہاڑ نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی اور کہا۔
"اے ابراہیم! رکن یعنی حجر اسود یہاں ہے۔"
ابراہیم علیہ السلام اسی وقت وہاں گئے اور انہوں نے کھدائی کر کے رکن یعنی وہ پتھر نکال لیا اور اس کو بیت اللہ میں نصب کر دیا۔
ایک روایت یہ ہے کہ ابو قبیس پہاڑ اس وقت ایک دم لرز کر پھٹا اور اس میں سے حجر اسود باہر نکل آیا۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ اس بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ (ابو قبیس پہاڑ سے یہ آواز آئی تھی) اے ابراہیم! اے رحمٰن کے دوست! آپ کے لئے میرے پاس ایک امانت ہے اس کو لے لیجئے،

جبل ابو قُبَیس کے نام کا سبب...... اسی وقت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں جنت کے جواہرات میں سے ایک سفید پتھر دیکھا۔ اس بناء پر جاہلیت کے زمانے میں ابو قبیس پہاڑ کو "امین" یعنی امانت دار کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس نے اس امانت کی حفاظت کی تھی جو اس کے سپرد کی گئی تھی۔
اس پہاڑ کو ابو قبیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ قبیلہ جُرہم کا ایک شخص جس کا نام قبیس تھا اسی پہاڑ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی مذحج کے ایک ایسے شخص کی وجہ سے اسکا یہ نام پڑا جس کا حمل اس پہاڑ پر ٹھہرا تھا اور اس کا نام ابو قبیس تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اسی پہاڑ میں سے حجر اسود نکالا گیا (جس کو عربی میں اقتباس کہتے ہیں) اس لئے اس کا نام ابو قبیس پڑا (کیونکہ اقتباس اور قبیس دونوں لفظوں کا مادّہ ایک ہی ہے جو قبس ہے)

اب اگر ان سب روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہو گی۔ اسی طرح ایک روایت اور بھی ہے (جو خود حجر اسود کو نصب کرنے کے متعلق ہے۔ نیز جس میں یہ ہے کہ طوفان نوح کے وقت بیت اللہ کو اٹھایا نہیں گیا تھا بلکہ وہ بھی طوفان میں غرق ہو گیا تھا) یہ روایت الیاس کے حالات میں بیان ہوئی ہے جو آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد میں سے ایک ہیں (اور جن کے متعلق کچھ تفصیل سیرت حلبیہ اردو گذشتہ ابواب میں نسب نامے کے تحت بیان ہوئی ہے۔ غرض ان الیاس کے حالات میں ہے کہ) جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اور بیت اللہ منہدم ہو کر غرق ہو گیا تو یہ الیاس پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رکن یعنی حجر اسود کو دوبارہ نصب کیا۔ یعنی یہ پہلے آدمی ہیں جنہیں اس کا پتہ چلا اور پھر انہوں نے اس کو بیت اللہ کی جگہ کے زاویہ میں نصب کیا۔ واللہ اعلم۔
(ی) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ مقام ابراہیم کے پاس یہ کلمہ بار بار کہہ رہے تھے اَشْهَدُ بِاللّٰہِ اسی وقت (وہ کہتے ہیں) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم کی عظمت و کرامت...... "حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو جواہرات ہیں جن کے نور کو اللہ تعالیٰ نے ماند کر دیا ہے۔ اگر ان کا نور ماند نہ ہو جاتا تو مشرق سے مغرب تک ان کی روشنی سے جگمگا اٹھتا۔"
پیچھے کی سطروں میں ان پتھروں کے نور کے ماند ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے ہو سکتا ہے کہ اصل سبب وہی ہو۔ اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔
حدیث میں آتا ہے کہ یہ دونوں یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے

سامنے) کھڑے ہوں گے اور یہ دونوں عظمت اور بڑائی میں ابو قبیس پہاڑ کے برابر ہوں گے۔ اس وقت یہ دونوں ان لوگوں کی گواہی دیں گے جنھوں نے ان دونوں کا حق ادا کیا ہوگا (یعنی ان کی زیارت کی ہوگی اور حجر اسود کو بوسہ دیا ہوگا)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اگر ان دونوں کو مشرکین نے نہ چھوا ہوتا تو جو بیمار بھی ان کو چھوتا اس کو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا۔

حجر اسود عہد نامہ اَلَست کا امین ہے...... حضرت جعفر صادقؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اولاد آدم سے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں (یعنی عہد اَلَست لیا) اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہے تو قلم نے ان کا یہ اقرار لکھ لیا۔ اس کے بعد یہ اقرار نامہ حجر اسود میں رکھ دیا گیا۔ اس لئے اب حجر اسود کو جو بوسہ دیا جاتا ہے وہ دراصل ان کے اس اقرار کا عہد اور تجدید ہوتی ہے جس کا انہوں نے بیان کیا تھا۔

چنانچہ ان ہی جعفر صادق سے روایت ہے کہ میرے والد علیؓ جب حجر اسود کو چومتے تو یہ کہا کرتے تھے۔

"اے اللہ! میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنا عہد پورا کر دیا تاکہ یہ حجر اسود تیرے سامنے میرے لئے گواہی دے"۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر اولاد آدم سے یہ عہد لیا کہ وہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے تو یہ عہد ایک دستاویز میں لکھ لیا گیا تھا اور اس کو حجر اسود میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس بناء پر حجر اسود کو چومنے والا بوسہ دینے کے وقت یہ کہتا ہے۔

"اے اللہ! (میں اس کو بوسہ دیتا ہوں) تیری ذات پر ایمان کے ساتھ اور تیرے سامنے کئے ہوئے اقرار کے ساتھ"۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حجر اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا لیا ہوا عہد ہے۔

امام ابن فورک کہتے ہیں کہ حجر اسود کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہی میرے لئے اس بات کا سبب بنا کہ مجھے علم کلام سے دلچسپی ہوگئی۔ (یعنی جس علم کے ذریعہ مسائل کی حقیقت پر منطقی انداز میں بحث اور غور کیا جاتا ہے۔ امام ابن فورک کو اس عہد الست اور حجر اسود کے متعلق ان مسئلوں میں شبہ پیدا ہوا۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ) میں نے اس بارے میں اس فقیہ یعنی علم فقہ کے عالم سے بحث کی جس سے میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رکھتا تھا مگر وہ فقیہ مجھے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اس کے بعد مجھ سے کسی نے کہا کہ فلاں متکلم یعنی علم کلام کے ماہر سے دریافت کرو چنانچہ میں نے اس عالم سے پوچھا تو اس نے مجھے اطمینان بخش جواب دیا۔ اب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی یہ علم کلام حاصل کرنا چاہئے چنانچہ اس کے بعد میں اس علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگیا۔

فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ حجر اسود کے پاس...... پیچھے علامہ سہیلی کا جو قول گزرا ہے (کہ حجر اسود کو بوسہ دینا دراصل اس عہد الست اور اقرار نامہ کی وجہ سے ہے جو ازل میں اولاد آدم سے لیا گیا تھا) یہ قول حضرت علیؓ سے روایت ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو حجر اسود کے پاس کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان لیکن اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے نہ چومتا۔"

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"نہیں اے امیر المومنین! یہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور نفع بھی۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ وہ کیسے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ قرآن کریم میں کہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی
(پ ۹ سورۂ اعراف ع ۲۳) الآیۃ ۱۷۲

ترجمہ:۔ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔

(اللہ تعالیٰ نے یہ اقرار ایک کاغذ پر تحریر فرمادیا۔ اس وقت اس حجر اسود کے دو آنکھیں تھیں اور زبان بھی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ اپنا منہ کھول (جب اس نے اپنا منہ کھول دیا تو) اللہ تعالیٰ نے اس اقرار نامہ کو اس کے اندر ڈال دیا اور پھر اس پتھر کو اس جگہ رکھ دیا۔ اس کے بعد حجر اسود سے فرمایا۔

"تو قیامت کے دن ان لوگوں کی گواہی دینا جو تیرا حق ادا کر دیں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سنا (تو وہ حیران ہوئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کے علم کا اقرار کرتے ہوئے) فرمایا "میں ان لوگوں میں رہنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جن میں تم جیسا عالم نہ ہو اے ابو الحسن"

قتادہ سے روایت ہے کہ ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو پانچ پہاڑوں سے بنایا ہے۔ سینا پہاڑ سے، طور پہاڑ سے، زیت پہاڑ سے، لبنان پہاڑ سے، جودی پہاڑ سے اور حراء سے۔

نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ بیت اللہ کی بنیادیں حراء پہاڑ سے بنائی گئی ہیں ان پتھروں کو آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے ساتھ بنیاد میں رکھا تھا۔

اقوال مؤلف کہتے ہیں:۔ اس سے پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ یہ بنیادیں لبنان پہاڑ، طور سینا، زیتون پہاڑ، جودی پہاڑ اور حراء پہاڑ کے پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ (جبکہ اب اس دوسری روایت میں صرف حرا پہاڑ کے متعلق کہا گیا ہے) اس لئے اسکے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ (بنیاد ان سب پہاڑوں کے پتھروں سے بنائی گئی ہو مگر) اس کا بڑا حصہ حراء پہاڑ کے پتھروں سے بنایا گیا ہو (اس لئے ایک روایت میں صرف حراء پہاڑ کا ذکر کر دیا گیا کیونکہ اکثر حصہ جس چیز کا ہو اس کو کل بھی کہہ دیا جاتا ہے) بہر حال یہ قابل غور ہے۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کے دو ہی رکن تھے اور دونوں رکن یمانی تھے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اس کے صرف دو ہی مذکورہ رکن بنائے تھے۔ اس کے بعد جب قریش نے کعبے کی تعمیر کی تو انہوں نے بیت اللہ کے چار رکن یعنی کونے بنائے۔

**ذوالقرنین اور ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات**...... علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین اول جس کا قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ذکر ہے یعنی اسکندر رومی جب مکے آیا تو اس نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو کعبے کی تعمیر کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

"ہم دونوں خدا کے بندے ہیں اور اس کی طرف سے اس کام کے لئے مامور اور متعین کئے گئے ہیں۔"

ذوالقرنین نے کہا۔

"تمہاری اس بات کی گواہی اور تصدیق کون کرے گا؟"

یہ سن کر پانچ بھیڑیں اٹھیں اور انہوں نے اس بات کی گواہی دی دی۔ انہوں نے کہا۔

"ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس تعمیر کے لئے مامور اور متعین کئے گئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ذوالقرنین نے کہا کہ میں اس بات کا اطمینان کرتا ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں اور ان بھیڑوں سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔

**ذوالقرنین کا احترام نبوت**...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکے میں تھے تو ذوالقرنین مکے میں آیا جب وہ ابطح کے مقام پر پہنچا تو اس سے کہا گیا۔

"اس شہر میں ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں جو رحمٰن کے دوست ہیں۔"

یہ سن کر ذوالقرنین نے کہا

"میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ میں اس شہر میں سواری پر سوار ہوں جس میں ابراہیم خلیل الرحمٰن موجود ہیں۔"

چنانچہ ذوالقرنین اسی وقت اپنی سواری سے اتر گیا اور پیدل چل کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر سلام کیا اور اس سے معانقہ کیا یعنی گلے ملے۔ چنانچہ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے سلام کے بعد معانقہ کیا۔

علامہ فاکہی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ بھیڑیں جن کا پیچھے ذکر ہوا یعنی جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی وہ پتھر تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بکریاں یا بھیڑیں ہی رہی ہوں۔

(آگے علامہ فاکہی کہتے ہیں کہ) اس ذوالقرنین کو اکبر (یا اول) اس لئے کہا گیا کہ اس کو ذوالقرنین اصغر نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ ذوالقرنین اصغر اسکندر یونانی تھا اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے قریب ہوا ہے۔ جبکہ عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال سے بھی زیادہ کی مدّت ہے۔ یہ ذوالقرنین اصغر کافر تھا۔ واللہ اعلم

# سکندر ذوالقرنین رومی کا واقعہ

**تشریح**...... (مقام کی مناسبت سے مترجم ذوالقرنین اول یعنی اسکندر رومی کا واقعہ تفسیر ابن کثیر سے نقل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے متعلق قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ، قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْراً ه اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَباً فَاَتْبَعَ سَبَباً حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْماً، قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْناً الآیہ (پ ۱۶ سورہ کہف ع ۱۰) ۸۳ تا ۸۶

ترجمہ: اور وہ لوگ آپ سے اے محمد ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں ان کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا چنانچہ وہ (بارادۂ فتوحات) مغرب کی ایک راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقعہ پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا۔ اور اس موقعہ پر انہوں نے ایک قوم دیکھی۔ ہم نے (الہاماً) یہ کہا کہ اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے کہا (کہ بہت اچھا پہلے دعوت ایمانی ہی دوں گا)

اس آیت پاک کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفار مکہ نے بعض لوگوں کو اہل کتاب یعنی یہودیوں کے پاس بھیج کر ان سے یہ معلوم کرایا تھا کہ ایسے کچھ سوالات بتلاؤ جن کے ذریعہ ہم ان (محمد ﷺ) کا امتحان لے سکیں۔ اس پر ان یہودیوں نے کہلایا کہ ایک تو ان سے اس شخص کے بارے میں سوال کرو جو روئے زمین پر گھوما تھا (یعنی ذوالقرنین جن کا ذکر ان کی کتاب تورات میں ہوا ہے) دوسرے ان نوجوانوں کی جماعت کے بارے میں دریافت کرو جو لاپتہ ہو گئے (یعنی اصحاب کہف جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور پھر اپنے بادشاہ کے خوف سے) ایک غار میں جا کر چھپ گئے تھے یہاں تک کہ تین سو سال سے زائد عرصہ تک سوتے رہے اور پھر اٹھے تو نئے لوگ، نیا زمانہ اور مکمل انقلاب دیکھ کر وحشت زدہ ہوئے اور دوبارہ اسی غار میں آگئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی) اور تیسرے روح کے متعلق سوال کرو (کہ یہ کیا چیز ہے چنانچہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ رٹے ہوئے سوال دہرا دیئے) جس پر سورۂ کہف نازل ہوئی (اور اس کے ذریعہ ان کی باتوں کا جواب دیا گیا)

ابن جریر اور اموی نے یہاں کمزور سند سے عقبہ ابن عامر سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ :۔

"یہ ذوالقرنین ایک رومی نوجوان تھے اور انہوں نے ہی اسکندریہ شہر بسایا۔ ان کو ایک فرشتہ آسمان تک اٹھا کر لے گیا تھا یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ گیا وہاں انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جن کے چہرے کتوں کے جیسے تھے۔"

اس روایت کے متعلق ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس میں نکارت ہے (یعنی اس کی سند قابل اطمینان نہیں ہے) نیز ذوالقرنین کا اوپر اٹھایا جانا بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت کمزور ہے اس میں نکارت یہ ہے کہ اس کو اسکندر رومی کہا گیا ہے کہ اسکندر ثانی رومی تھا اور اس کا نام ابن فیلیبس مقدونی تھا جس سے رومی اپنی تاریخ یعنی سنہ لکھتے ہیں۔ جہاں تک ذوالقرنین اول کا تعلق ہے اس کے متعلق علامہ ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا تھا جب کہ ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے ان کی پیروی کی تھی۔ ان ہی سکندر ذوالقرنین کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

جہاں تک ذوالقرنین ثانی کا تعلق ہے تو اس کا نام اسکندر ابن فیلبس مقدونی تھا اور وہ یونانی تھا۔ اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔ واللہ اعلم۔

ذوالقرنین مومن تھے...... آگے لکھتے ہیں کہ جہاں تک ذوالقرنین اول کا تعلق ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور جیسا کہ ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب

ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اس نے ان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نیاز پیش کی۔

**ذوالقرنین لقب کی وجہ**...... وہب ابن مُنبہؒ کہتے ہیں۔ یہ ذوالقرنین ایک بادشاہ تھے ان کو ذوالقرنین (دو سینگوں والا) اس لئے کہا گیا کہ ان کے سر کے دونوں طرف (جنگوں کی وجہ سے ہمیشہ) تانبا چڑھا رہتا تھا۔ بعض اہل کتاب نے (ان کو ذوالقرنین کہنے کی) وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ روم اور فارس دونوں عظیم خطوں کے بادشاہ تھے۔ بعض حضرات نے یہ وجہ بتلائی ہے کہ حقیقت میں ان کے سر کے دونوں طرف سینگ سے ابھرے ہوئے تھے۔

اس بارے میں سفیان ثوری ابو طفیل کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا۔

"یہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے تھے انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ (اس پر قوم کے لوگ ان کے دشمن ہوگئے اور) انہوں نے ان کے سر پر ایک جانب اتنا مارا کہ یہ شہید ہوگئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا اور انہوں نے اپنی قوم کو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ قوم کے لوگوں نے اب ان کے سر پر (دوسری جانب) اتنا مارا کہ یہ شہید ہوگئے۔ اسی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ یہ مشرق سے مغرب تک گئے جدھر سے سورج کا کنارہ طلوع ہوتا ہے اور جدھر غروب ہوتے ہوئے ایک کنارہ سا نظر آتا ہے۔

**ذوالقرنین ایک عظیم بادشاہ اور فاتح**...... آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو یعنی ذوالقرنین کو روئے زمین پر حکومت دی تھی۔ یعنی ایک ایسی عظیم الشان سلطنت دی تھی جس میں طاقت، قوت، ہتھیار اور لاؤ لشکر غرض وہ سب کچھ تھا جو ایک بادشاہ کے پاس ہو سکتا ہے اسی وجہ سے وہ زمین کے مشرق سے مغرب تک کے بادشاہ بن گئے تھے۔ ان کے لئے شہروں کی تسخیر کر دی تھی اور بڑے بڑے بادشاہوں کو ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ عرب اور عجم کی قومیں ان کی خدمت کے لئے حاضر تھیں۔ چنانچہ بعض مورّخین کہتے ہیں کہ ان کی سلطنت اور فتوحات کی اسی عظمت کی وجہ سے ان کو ذوالقرنین (یعنی دو سینگوں یا دو کناروں والا) کہا گیا کہ ان کی بادشاہی سورج کے دونوں کناروں یعنی مشرق اور مغرب تک پھیل گئی تھی۔

**ذوالقرنین پر انعامات خداوندی**...... پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان کافی دیا تھا۔ سبب کا ایک ترجمہ راہ بھی کیا گیا ہے یعنی ان کو ہر قسم کا علم دے رکھا تھا۔ زمین کے قریب اور دور کے تمام نشانات اور مقامات ان کے لئے کھول دیئے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن زید ابن اسلم نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو تمام زبانوں کا علم دیا تھا اور وہ ہر زبان جانتے تھے جس قوم سے بھی ان کی جنگ ہوتی وہ ان سے اسی کی زبان میں گفتگو کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ معاویہ ابن ابو سفیانؓ نے کعب احبار سے کہا۔

آپ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریّا ستارے پر باندھے تھے!؟ (یعنی ان کی دنیوی عظمت و سلطنت انتہائی بلندی اور عروج پر پہنچ گئی تھی)"

حضرت کعب نے کہا

اگر میں نے یہ کہا ہے تو یہ حق تعالیٰ کا ہی ارشاد ہے کہ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (یعنی ہم نے ان کے

لئے ہر قسم کی راہیں کھول دی تھیں۔"

مگر اس بارے میں حضرت معاویہؓ ہی حق پر ہیں اسی لئے حضرت معاویہؓ کعب کے متعلق کہا کرتے تھے کہ ان کا جھوٹ تو بار بار ہمارے سامنے آچکا ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود جھوٹی روایتیں گھڑا کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ ان کو غلط یا صحیح جو بات بھی کہیں سے ملتی تھی اس کو نقل کر دیا کرتے تھے۔

جہاں تک اسرائیلی روایات کا تعلق ہے تو وہ جھوٹ اور غلط بیانیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر یہ کہ ہمیں بنی اسرائیل کی روایات پر بھروسہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سچی خبریں موجود ہیں۔ دراصل ایسی ہی روایات کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت سی برائیاں پھیل گئیں۔

آگے ابن کثیر میں ہے۔

کسی شخص نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔

"وہ مشرق سے مغرب تک کیسے پہنچ گئے تھے؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادلوں کو مسخر فرمادیا تھا، سارے اسباب ان کے لئے آسان فرمادیئے تھے اور ان کو قوت و طاقت دیدی تھی۔"

غرض اس کے بعد ذوالقرنین ایک راستے پر روانہ ہوگئے یہاں تک کہ مغرب کی جانب میں وہ اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں تک جانا ممکن تھا یعنی جس طرف سورج غروب ہوتا تھا۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس جگہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے کیونکہ سورج تو در حقیقت غروب ہی نہیں ہوتا بلکہ زمین کی ایک خاص گردش کی وجہ سے ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے اور کرہ زمین کے دوسری جانب میں جگمگاتا رہتا ہے۔ اس لئے یہاں مراد یہ ہے کہ ذوالقرنین اس سمت میں آخری حد تک گئے جس سمت میں سورج غروب ہوتا ہے یعنی مغرب کی سمت میں۔ آخری حد سے بظاہر مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سمت میں خشکی پر جا کر وہاں تک پہنچ گئے جہاں سے آگے بے پایاں سمندر تھا۔

یہاں قرآن پاک نے ذوالقرنین کے متعلق یہ بات بتلائی ہے کہ وہ مشرق و مغرب یعنی زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گئے۔ اس کے متعلق حضرت علیؓ کی جو روایت گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادلوں کو تسخیر فرمادیا تھا یہ بھی قابل اعتراض ہے اور بظاہر اس روایت پر بھی اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جہاں تک زمین کے مشرق و مغرب میں جانے کا تعلق ہے تو وہ بادلوں کی مدد کے بغیر بھی ممکن ہے اور انسان آج بھی اور آج سے پہلے بھی روئے زمین کی سیاحت و سیر کے لئے بھی خشکی اور تری اور بحر و بر کو استعمال کرتا رہا ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل اعتراض ہے کہ اس سیاحت و سیر کے لئے بادلوں کی تسخیر کا سہارا لیا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روئے زمین کی تسخیر کی طاقت خود ہی عنایت فرمائی ہے۔ مرتب۔ حوالہ تفصیلات ذوالقرنین رومی تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۵ مرتب و مترجم)

**حج کی تلبین دعوت اور اعلان**......: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

"اے پروردگار! میں تیرے گھر کی تعمیر سے) فارغ ہو گیا۔"

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔

"اب لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔"

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔

"اے پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے اور کون پہنچائے گا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تم اعلان کرو اور (تمہاری آواز کا لوگوں تک) پہنچانا میرا کام ہے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کے اے پروردگار میں کیا کہوں۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔

"تم یہ کہو:۔ اے لوگو! تم پر بیت العتیق یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قدیم گھر کی طرف حج فرض کیا گیا ہے اس لئے تم اپنے پروردگار کے حکم پر آؤ۔"

اب ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم یعنی اسی پتھر پر کھڑے ہوگئے (جو کعبہ کی تعمیر کے لئے ان کے واسطے جنت سے بھیجا گیا تھا) پھر یہ پتھر اوپر اٹھنا شروع ہوا یہاں تک کہ لونچے سے لونچے پہاڑ سے زیادہ بلند ہوگیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور چہرے کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے تین بار یہ اعلان کیا۔

**مخلوق کی طرف سے دعوت کا جواب**......(ی) چنانچہ اس دن ابراہیم علیہ السلام کے لئے زمین کے میدان اور پہاڑ دریا اور خشکی کو سمیٹ دیا گیا یہاں تک کہ انسانوں اور جنات سب نے اس آواز کو سنا اور انہوں نے جواب میں کہا۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ یعنی حاضر ہیں۔ اے اللہ ہم حاضر ہیں۔

(چنانچہ آج تک حج کرنے والے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہی کلمے دہراتے ہیں جو یہ ہیں۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

ترجمہ:۔ میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور حکومت بھی)

**اہل یمن کی فضیلت**......ابراہیم علیہ السلام نے یمن کی سمت والی جانب سے شروع کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہا وہ یمن والے تھے۔ اس کے بارے میں تفصیل آگے بعض دوسری روایتوں میں بھی آرہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یمن کے لوگ بات کو قبول کرنے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایمان یمانی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے یمنیوں کے بارے میں فرمایا۔

"قومیں چاہتی ہیں کہ ان کو نیچا دکھلائیں مگر اللہ تعالیٰ کو اونچا کرنا ہی پسند فرماتا ہے۔"

طبرانی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جس نے یمن والوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔
"جس نے یہ سمجھ لیا کہ اس کے قول کی قیمت عمل سے ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے سوائے اس کے کہ عمل ہی کے لئے ہو۔"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد :۔ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ (پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۰)
ترجمہ :۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں مجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔
کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ مقام ابراہیم وہی ابراہیم علیہ السلام کا اعلان اور نداء ہے جو انہوں نے اس پر کھڑے ہو کر کیا تھا۔

**بیت اللہ کو بیت العتیق کہنے کا سبب**...... کہا جاتا ہے کہ بیت اللہ کو بیت العتیق (یعنی آزاد گھر یا قدیم گھر) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے بڑے سرکشوں سے آزاد ہو گیا جو اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ (ی) یعنی اس لحاظ سے کہ مکے میں عمالقہ اور بنی جرہم کے ساتھ جو بڑے بڑے سرکش تھے ان میں سے کوئی اس کی طرف اپنی نسبت کر سکے۔

اس بارے میں قاضی بیضاوی نے تفسیر کشاف کا قول قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ (بیت اللہ کو بیت العتیق اس لئے کہا گیا کہ) یہ بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ اور آزاد رہا کیونکہ کتنے بڑے بڑے سرکش ایسے گزرے ہیں جو بیت اللہ کی طرف اس نیت سے چلے کہ اس کو منہدم کردیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔

پھر کہتے ہیں کہ جہاں تک حجاج ابن یوسف کا تعلق ہے (جس نے بیت اللہ پر حملہ کیا تھا اور کعبہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا) تو اس کا معاملہ مختلف تھا کیونکہ اس کا مقصد بیت اللہ پر قبضہ اور تسلط حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو وہاں سے نکالنا تھا جنہوں نے مکے میں خلیفہ کے خلاف محاذ بنا لیا تھا اور بیت اللہ کی پناہ حاصل کرلی تھی۔ (اس واقعہ کی کچھ تفصیل سیرت حلبیہ اردو کے گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے)

بعض علماء نے عبداللہ ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے (مکے کو مکہ کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا)

"اس شہر کو بکہ (ب سے) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑی ہیں۔
جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیت اللہ کی طرف بڑے بڑے سرکشوں نے اس کو ڈھانے کے لئے رخ کیا تھا تو اس میں ابرہہ کے سوا باقی سرکشوں کا معاملہ قابل غور ہے۔

**توہین حرم کے ارادے پر سزا**...... مگر پھر میں نے کتاب مشرف میں دیکھا کہ ابرہہ کے سوا تین دوسرے سرکشوں نے بھی بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے اس کی طرف رخ کیا تھا ان میں سے دو کے ساتھ تو بنی خزاعہ نے جنگ کی (جو اپنے زمانے میں مکے پر قابض تھے) اور انہوں نے بیت اللہ کی حفاظت کی۔ تیسرا شخص قریشی اقتدار کے ابتدائی زمانہ میں تھا۔ اس کو اس بات کی جلن اور حسد تھا کہ بیت اللہ کی وجہ سے قریش کا مرتبہ اور نام بہت اونچا سمجھا جاتا ہے لہذا اس نے بیت اللہ کو مسمار کر کے خود اپنے یہاں ایک کعبہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ عرب والوں کو جو حج کے لئے مکے جایا کرتے تھے خود اپنے یہاں بلائے۔

چنانچہ (وہ روانہ ہوا اور) جب مکے کے قریب پہنچا تو اچانک ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا اور اس سرکش شخص کو اپنی ہلاکت اور بربادی کا یقین ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی اپنا یہ ارادہ ختم کیا اور اس کے بجائے بیت اللہ

پر چادر چڑھانے اور اس کے سامنے قربانی دینے کا ارادہ کیا۔ اسی وقت اندھیرا چھٹ گیا اور اس شخص نے اپنی منت پوری کی۔

اس روایت میں یہ شبہ ہے کہ وہ شخص جو اس اندھیرے میں گرفتار ہوا تھا یمن کا بادشاہ تبّع اول تھا۔ اس نے جب بیت اللہ کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی طرف روانہ ہوا تو اس پر ایک زبردست آندھی بھیجی گئی جس نے اس کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے اور وہ اور اس کا لاؤ لشکر سخت اندھیارے میں گھر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سر میں ایک سخت بیماری لگ گئی جس سے اس میں راد اور پیپ پڑ کر بہنے لگی۔ یہاں تک کہ نفرت کی وجہ سے کوئی شخص اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔

آخر اس نے حکیموں اور طبیبوں کو بلایا اور ان سے اس مرض کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جب تبّع کی یہ حالت دیکھی تو وہ سخت وحشت زدہ ہوئے اور اس کا کوئی علاج نہ بتلا سکے۔ آخر ایک حبر یعنی مذہبی پیشوا نے اس سے کہا۔

شاید آپ نے اس بیت اللہ کے متعلق کوئی برا ارادہ کیا تھا؟

تبّع نے کہا۔ ہاں میں نے اس کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا۔ تب اس۔۔ بزرگ نے کہا۔

"آپ نے جو بُرا ارادہ کیا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر اور اس کا حرم ہے۔"

پھر اس بزرگ نے تبّع کو ہدایت کی کہ بیت اللہ کا احترام اور تعظیم کرے۔ چنانچہ اس نے اب ایسا ہی کیا اور فوراً ہی اس کو شفا ہو گئی۔

بیت اللہ کو بیت العتیق کہنے کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ زمین پر سب سے پہلا گھر ہے (یعنی سب سے قدیم ہے اس لئے اس کو بیت العتیق یعنی قدیم گھر کہا جاتا ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ بیت العتیق اس لئے کہا گیا کہ یہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان سے محفوظ یا آزاد رہا۔ تفسیر کشاف وغیرہ میں یہی کہا گیا ہے مگر اس میں کافی اشکال ہے کیونکہ پیچھے ایک روایت گزر چکی ہے کہ یہ طوفان نوح میں مٹ گیا تھا۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ایک روایت آتی ہے کہ۔

نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں سے کبوتر کو بھیجا کہ وہ زمین کے متعلق خبر لے کر آئے (کہ سب جگہ پانی ہی پانی ہے یا کہیں خشکی بھی ہے) وہ کبوتر اڑا اور حرم کی وادی میں آکر اترا جہاں اس نے دیکھا تھا کہ کعبہ کے مقام پر سے پانی خشک تھا اور اس جگہ کی مٹی سرخ رنگ کی تھی۔ اسی وجہ سے اس کبوتر کے پنجے وہ مٹی لگ کر سرخ ہو گئے تھے۔

غرض اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ بھی طوفان نوح میں غرق ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس روایت کے ماننے میں اس سے بھی اشکال ہوتا ہے کہ بیت اللہ کو بیت العتیق اس لئے کہا گیا کہ وہ طوفان نوح سے آزاد اور محفوظ رہا تھا) ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیلاب سے آزاد رہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ سیلاب میں غرق ہو کر بالکل نہیں مٹی تھی بلکہ اس کا نشان باقی رہ گیا تھا۔

**طوفان نوح اور کعبہ**...... کتاب خمیس میں ابن ہشام سے روایت ہے کہ طوفان کا پانی کعبے میں نہیں پہنچا تھا بلکہ کعبے کے چاروں طرف آکر ٹھہر گیا تھا اور خود کعبہ فضائے آسمانی میں معلّق ہو گیا تھا۔ اس روایت کی بنیاد وہی

حدیث ہے کہ اس وقت کعبہ وہی خیمہ تھا جو آدم علیہ السلام کے زمانے میں اتارا گیا تھا اس کے متعلق تفسیر کشاف کے حوالے سے یہ قول گزر چکا ہے کہ طوفان نوح کے وقت یہ یاقوتی خیمہ جو تھے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا اور یہ کہ یہ ہی خیمہ بیت المعمور ہے۔ چنانچہ اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل کعبہ سے مراد وہی خیمہ ہے جو آدم علیہ السلام کے وقت میں تھا اور طوفان کا پانی اسی خیمہ کی جگہ کے چاروں طرف آکر رک گیا تھا جبکہ یہ خیمہ خود فضائے آسمانی میں معلق ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب یہ قول اس روایت کے خلاف نہیں ہوتا جو نوح علیہ السلام کے واقعہ میں گزری ہے کہ اس کبوتر نے دیکھا کہ کعبہ کی جگہ سے پانی خشک تھا۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

(پچھلی سطروں میں گزرا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا تھا اور لوگوں کو بیت اللہ کا حج کرنے کی دعوت دی تھی) اس کے متعلق ایک روایت ہے کہ انہوں نے ان الفاظ میں اعلان کیا تھا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تمہارے پروردگار نے اس گھر کو اختیار فرمایا اور تم پر لازم کیا ہے کہ تم اس کا حج کرو اور اس لئے اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہو۔"

ابراہیم علیہ السلام نے اس اعلان کو تین مرتبہ دہرایا۔ یہاں تک کہ اس آواز کو ان انسانوں تک نے سنا جو اس وقت تک لوگوں کی پیٹھ یعنی نطفوں ہی میں تھے اور انہوں نے جو اس وقت اپنی ماؤں کے رحم میں تھے۔ چنانچہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں میں جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں گے ان سب نے ان الفاظ میں اس پکار کا جواب دیا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ...... میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔"

چنانچہ اب قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں کوئی حاجی ایسا نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام کی اس پکار کا جواب نہ دیا ہو۔ ان میں سے جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا تھا وہ ایک مرتبہ حج کرے گا اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرے گا اور اسی طرح زیادہ حج کرنے والے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار مخلوق میں کوئی پہاڑ اور کوئی درخت اور دوسری چیزیں ایسی نہیں جنہوں نے اس پکار کا یہ جواب نہ دیا ہو کہ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں ظاہر ہے یہاں ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان اور پکار کے متعلق جو مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں ان میں آپس میں مطابقت پیدا کرنا ضروری ہے جس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ البتہ یہاں ان چیزوں کے جواب کے متعلق جو روایت گزری ہے جن میں عقل نہیں ہے جیسے پہاڑ اور درخت وغیرہ اس کے متعلق یہ بات جانی چاہئے کہ ان کا جواب تعظیمی تھا (ورنہ ظاہر ہے کہ عقل نہ رکھنے والی مخلوق نہ حج کی مکلف ہے اور نہ شریعت کے احکام کی مخاطب ہے)

**حج صرف امت مسلمہ پر فرض ہوا ہے**...... (ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان اور پکار میں یہ لفظ آئے ہیں کہ بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے) یہاں فرض ہونے سے مراد صرف لوگوں کو طلب کرنا اور بلانا مقصود ہے خاص طور پر حج کا فرض ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے خود مسلمان امت پر ہی حج ہجرت کے بعد بھی ۷ھ یا ۹ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۰ھ میں فرض ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ اب جہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہونے والی دوسری قوموں پر حج کے فرض ہونے کا تعلق ہے تو اس کے بارے

میں میرے علم میں کوئی بات نہیں ہے۔ بعد کے کچھ ہمارے شافعی علماء نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس امت مسلمہ کے سواء حج کسی امت پر فرض نہیں ہوا۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ امت مسلمہ پر وہ سب چیزیں فرض ہوئی ہیں جو گزشتہ نبیوں اور رسولوں پر فرض ہوئی تھیں اور وہ چیزیں یہ ہیں۔ وضو، ناپاکی کی حالت میں غسل، حج اور جہاد۔ اب اس قول سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ پچھلے نبیوں اور رسولوں پر یہ چیزیں فرض تھیں۔

اس قول کے بعد ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (ایک طرف تو یہ قول گزرا ہے کہ پچھلی امتوں پر حج فرض نہیں تھا اور دوسری طرف یہ قول ہے کہ پچھلے نبیوں پر حج اور دوسری چیزیں فرض تھیں) جبکہ اصل یہ ہے کہ جو چیز بھی ایک نبی پر فرض ہوتی ہے وہ اس کی امت پر بھی فرض ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ خاص معاملے میں کوئی صاف دلیل اس بات کی ہو کہ فلاں حکم خصوصیت سے صرف نبی ہی کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ (لہذا اس کی روشنی میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ پچھلے نبیوں پر حج فرض تھا اور پچھلی امتوں پر فرض نہیں تھا۔ لیکن اس شبہ کا جواب خود اسی عبارت سے نکل آتا ہے، ممکن ہے کہ حج کی فرضیت پچھلے دور میں خصوصیت سے نبیوں ہی کے لئے رہی ہو اور ان کی امتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم)۔

(ادھر پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ اس امت پر وہ سب چیزیں فرض ہیں جو گزشتہ نبیوں پر فرض کی گئی تھیں اور وہ ہیں وضو...... وغیرہ وغیرہ) اس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی کہ اس میں کیا شبہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

**آئندہ ابواب میں:** اولین اعلان حج، ابراہیم علیہ السلام کو تعلیم حج، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے دور میں تعمیر کعبہ، یزید کے حملہ سے کعبہ کو نقصان، تاریخ کعبہ، خلیفہ عبدالملک ابن مروان، حجاج ابن یوسف اور ابن زبیرؓ کے اختلافات اور مکے پر حملے، آنحضرت ﷺ کے متعلق یہودی اور عیسائی عالموں کی حیرت ناک پیشین گوئیاں وغیرہ وغیرہ۔

# مقام ابراہیم کی اولین جگہ

(تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو لوگوں میں حج کا اعلان کرنے کا حکم دیا اور) پھر ان کو مقام ابراہیمؑ (یعنی اس پتھر کے متعلق جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا) کو نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ ابراہیمؑ نے اس کو کعبے کی دیوار سے ملا کر اندرونی حصے میں دائیں طرف رکھا چنانچہ اس کے بعد ابراہیمؑ اسی کے سامنے یعنی کعبے کے دروازے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

(اس پتھر یعنی مقام ابراہیمؑ کو جس شخص نے وہاں سے پیچھے ہٹا کر اس جگہ رکھا جہاں آج اس کی جگہ ہے وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ یہ بات پیچھے ابن کثیر کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں:۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مقام ابراہیم کو اس پرانی جگہ سے ہٹا کر جس شخص نے موجودہ جگہ پر رکھا وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے فتح مکہ کے دن اس کو یہاں رکھا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی تفصیل آگے آئے گی اور اس میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی ذکر ہو گا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیم کی ابتدائی جگہ مُخْتَفِن کا مقام تھی جس کو عوام مُعْجَنَہ کہتے ہیں یعنی جس جگہ کعبے کی تعمیر کے وقت اس کے لئے گارا بنایا گیا تھا۔ یہی مُعْجَنَہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو دن میں پانچ نمازیں پڑھی تھیں جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

مگر اس بارے میں شیخ عزّ بن جماعہ نے اختلاف کیا ہے کہ اگر یہی وہ جگہ ہوتی تو یہ بات مشہور ہوتی۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے۔ پھر یہ کہ جس نے یہ روایت بیان کی ہے وہ ایک قابل اعتماد راوی ہے اس لئے جنہوں نے اس قول کا ذکر نہیں کیا ان پر یہ روایت ہی حجت اور دلیل بن جاتی ہے۔

اعلان حج کس جگہ سے کیا گیا...... علامہ ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ (ابراہیمؑ کے حج کے لئے اعلان کرنے کی جگہ کے متعلق) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ۔ "ابراہیمؑ ابو قبیس پہاڑ پر چڑھے تھے۔ اور ایک قول کے مطابق۔ ثبیر پہاڑ پر چڑھے تھے اور وہاں سے انہوں نے حج کا اعلان کیا تھا اور یہ کہ وہ پہلے لوگ جنہوں نے ان کی اس پکار کا اقراری جواب دیا وہ یمن والے تھے (ی) اس کی وجہ پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ ابراہیمؑ نے یمن کی جانب منہ کر کے یعنی دائیں جانب رخ کر کے اعلان کی ابتداء کی تھی۔

ان مختلف روایتوں سے جن میں ابراہیمؑ کے اعلان کی جگہیں مقام ابراہیم اور دوسری ابو قبیس پہاڑ اور تیسری ثُبَیر پہاڑ بتلائی گئی ہے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے انہوں نے ان تین جگہوں سے یہ اعلان کیا ہو۔ ادھر اعلان کے الفاظ میں جو فرق ہے اس سے بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے انہوں نے ایک جگہ جن الفاظ میں اعلان کیا ہو دوسری جگہ ان ہی الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ میں اعلان کیا ہو جو بیان بھی ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کہ ابراہیمؑ کے اعلان کے کون سے الفاظ تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم حج...... حدیث میں آتا ہے کہ جب ابراہیمؑ اس اعلان سے فارغ ہوئے تو جبرئیل

انہیں لے کر گئے لور صفا و مروہ کی پہاڑیاں ان کو دکھلائیں (جن کے درمیان حج میں سعی کی جاتی ہے) اور پھر ان کو حرم کی حدود بتلائیں (کہ یہاں تک حرم کی حد ہے جہاں سے احرام باندھنا چاہئے لور اس سے پہلے حل ہے کہ وہاں تک احرام کی ضرورت نہیں) پھر جبرئیلؑ نے اس کو ہدایت کی کہ یہاں پتھر نصب کردیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے ابراہیمؑ کو حج کے مناسک لور ارکان بتلائے (ی) جب کہ اسماعیلؑ بھی ساتھ تھے۔ چنانچہ کتاب عرائس میں ہے کہ :۔

"جبرئیلؑ ان دونوں یعنی ابراہیمؑ لور اسماعیلؑ کو لے کر ترویہ کے دن (یعنی آٹھ ذی الحجہ کو) منیٰ کے میدان میں لے کر گئے اور وہاں ان کے ساتھ ظہر، عصر، مغرب لور آخری عشاء کی نمازیں پڑھیں پھر ان دونوں نے وہیں رات گزاری یہاں تک کہ صبح کو جبرئیلؑ نے ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ پھر دن میں وہ ان دونوں کو لے کر عرفات کے میدان میں گئے لور وہاں قیام کیا۔ پھر جب سورج زوال پذیر ہو گیا تو ان کے ساتھ ظہر لور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد وہ ان دونوں کو لے کر عرفات میں قیام کی جگہ پر آئے لور وہاں اس جگہ قیام کیا جہاں آج لوگ قیام اور وقوف کرتے ہیں پھر جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے ان دونوں کو مزدلفہ کے میدان میں پہنچا دیا لور وہاں ان کے ساتھ مغرب اور عشا کی دو نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد ان دونوں کے ساتھ انہوں نے وہاں رات گزاری۔ یہاں تک کہ جب فجر طلوع ہو گئی تو ان کے ساتھ فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھی۔ پھر یہاں کچھ دیر وقوف کیا لور جب روشنی ہو گئی تو ان کو لے کر منیٰ کے میدان میں آئے اور ان کو بتلایا کہ رمی جمار کیسے کی جاتی ہے (یہاں تین جمرات لور نشانات ہیں جن پر کنکریاں ماری جاتی ہیں اس کو رمی جمار کہا جاتا ہے۔ یہاں دس تاریخ سے بارہ ذی الحجہ تک تین دن قیام کیا جاتا ہے لور روزانہ ایک جمرہ کی رمی کی جاتی ہے پھر بارہ تاریخ کی شام کو مکے واپس پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے غرض) اس کے بعد جبرئیلؑ نے ان دونوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا لور منیٰ کے میدان میں ان کو منحر یعنی وہ جگہ جہاں ذبیحہ کیا جاتا ہے دکھلائی پھر انہوں نے ان دونوں کو سر منڈانے کی ہدایت کی لور اس کے بعد ان کو لے کر بیت اللہ کی طرف آئے"۔

تشریح...... یہاں یہ بات واضح رہے کہ نویں ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں ظہر میں عصر کی نماز ساتھ ساتھ جو پڑھی جاتی ہے وہ جماعت سے پڑھنے کی صورت میں ہے پھر اسی طرح اسی تاریخ میں شام کو سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر یہاں سے مزدلفہ کے میدان میں جاتے ہیں لور وہاں عشاء کے وقت میں مغرب لور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ جماعت سے پڑھی جاتی ہیں پھر اگلے دن دس تاریخ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز لول وقت یعنی اندھیرے منہ پڑھ کر کچھ روشنی ہو جانے کے بعد یہاں سے منیٰ کے میدان میں آجاتے ہیں۔ مرتب)

**کیا پانچ نمازیں اسلام سے پہلے بھی تھیں**...... مگر یہ روایت قابل غور ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے حضرت جبرئیل کے ساتھ پانچویں نمازیں جماعت سے پڑھیں اور یہ کہ حج کے ارکان میں ظہر لور عصر کی نمازیں اکٹھی اس طرح پڑھیں کہ عصر بھی ظہر کے وقت میں پڑھی لور مغرب لور عشاء کی نمازیں اس طرح اکٹھی پڑھیں کہ مغرب بھی عشاء میں پڑھی۔

یہ بات ہمارے ائمہ (یعنی شافعی ائمہ) کے اس قول کے خلاف ہے کہ پانچ نمازیں صرف رسول

اللہ ﷺ کے لئے ہی جمع کی گئیں (یعنی صرف آنحضرت ﷺ پر ہی پوری پانچ نمازیں اتاری گئیں) کیونکہ کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ،

"آنحضرت ﷺ کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ آپ پر پوری پانچ نمازوں کا مجموعہ اتار اگیا جب کہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لئے پوری پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ نیز عشاء کی نماز بھی صرف آنحضرت ﷺ (اور آپ ﷺ کے طفیل سے آپ کی امت) کی ہی خصوصیت ہے کہ اس سے پہلے کسی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور نیز جماعت سے نماز پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے۔

اب اس اشکال کو دور کرنے کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پانچوں نمازیں مستقلاً اور ہمیشہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے سوا کسی نبی کے لئے نہیں فرض کی گئیں کیونکہ ممکن ہے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے ہمیشہ پانچوں نمازیں ہی نہ پڑھی ہوں بلکہ خاص طور پر اس وقت ہی ان کو پانچ نمازیں پڑھوائی گئی ہوں) مگر اس میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔

**مکے کی فضیلت اور مقام**...... کتاب وفا میں وہب ابن منبہؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر وحی بھیجی (جس میں ارشاد فرمایا)۔

"میں اللہ ہوں مکے کا مالک، اس کے رہنے والے میرے پڑوسی، اس کی زیارت کو آنے والے میرے مہمان ہوں گے اور میری پناہ اور حفاظت میں ہوں گے، میں اس کو آسمان والوں اور زمین والوں سے آباد کروں گا جو پراگندہ حال تھکے ہوئے یہاں آیا کریں گے اور بلند آوازوں سے تکبیر کہتے ہوئے زور زور سے تلبیہ یعنی لبیک پڑھتے ہوئے اور روتے اور گڑگڑاتے ہوئے یہاں آیا کریں گے۔ پس جو اس کی زیارت کے لئے آئے گا اس کو اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ (اس کی زیارت کر کے گویا) اس نے میری ملاقات کی، میری مہمانداری میں آیا، میرے پاس حاضر ہوا اور میرے ہی پاس ٹھہرا۔ اس کا مجھ پر حق ہو جائے گا کہ میں اس کو اپنی کرامت و بزرگی سے تحفہ دوں میں اس گھر کو، اس کے ذکر کو، اس کے شرف کو اس کی عزت و عظمت اور ثناء کو اس نبی کے نام پر کروں گا جو تمہاری اولاد میں سے ہوگا اور جس کا نام ابراہیم ہوگا، میں اس کے ذریعہ اس کی بنیادیں اٹھاؤں گا اور اس کے ہاتھوں اس کی عمارت پوری کراؤں گا اور اس کے لئے اس کا چشمہ جاری کروں گا اور اس کو اس کے حل اور حرم کی حدود بتلاؤں گا اور اس کو اس کے طریقے اور مناسک و ارکان بتلاؤں گا۔

پھر اس کو مختلف قومیں اور زمانے آباد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہاری اولاد میں سے ایک نبی کا زمانہ آجائے گا جن کا نام محمد خاتم النبیینؐ (ﷺ) ہوگا میں ان کو اس شہر کے باشندوں ہی میں سے پیدا کروں گا جو اس کے سرداروں، اس کے محافظوں اور اس کے پانی پلانے والوں میں سے ہوں گے، پس اس دن جو میرے بارے میں سوال کرے گا تو (اس کو معلوم ہوگا کہ) میں ان پراگندہ حال اور تھکے ہوئے مسافروں کے ساتھ ہوں گا جو اپنی نذر و نیاز پوری کرنے کے لئے آنے والے اور اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہوں گے"۔

**مکے کے حق میں دعاء ابراہیمی**...... (اس کے بعد مکے کے حق میں ابراہیمؑ کی ایک دعا کا ذکر کرتے ہیں کہ) ابراہیم نے (اس شہر مکے کے لئے جو وادی غیر ذی زرع یعنی ایک بنجر وادی تھی) دعا مانگی جس کو حق تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں نقل فرمایا ہے وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ۔ اس وقت ابراہیمؑ ثنیہ کی گھاٹی میں تھے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ابراہیمؑ نے دعا مانگتے ہوئے یہ فرمایا۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ الآیۃ پ ۱۳ سورۂ ابراہیم ع ۵

ترجمہ : تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو محض اپنی قدرت سے پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر کریں۔

اس دعا کے وقت ابراہیمؑ ثنیہ علیا پر تھے۔ اس روایت کو علامہ سہیلی نے ذکر کیا ہے۔

(غرض اس دعا کے نتیجہ میں) اسی وقت طائف (کا سبزہ زار شہر) ملک شام میں فلسطین کے علاقے سے ان کے لئے یہاں (مکے کے قریب) منتقل کر دیا گیا (ی) چنانچہ ابراہیمؑ کی دعا کی برکت سے مکے میں وہ سب مختلف زمانوں کے پھل ایک ہی وقت میں مل جاتے ہیں جو ربیع، صیف اور خریف کی فصلوں کے زمانوں میں ہوتے ہیں۔ یہ قول تفسیر کشاف میں ذکر ہے۔

**طواف کے دوران حضرت ابراہیمؑ کی ملائکہ سے ملاقات**...... غرض جب ابراہیمؑ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوگئے اور انہوں نے حج کیا اور طواف کیا تو طواف کے دوران ان کی کچھ فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے ان کو سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا "آپ اپنے طواف کے دوران کیا دعا پڑھا کرتے ہیں"؟ فرشتوں نے کہا۔

"ہم آپ کے باپ آدمؑ سے پہلے طواف میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

ترجمہ : پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے"۔

پھر (آدمؑ کے آنے کے بعد) ہم نے ان کو یہ دعا بتلائی تو انہوں نے ہم سے فرمایا کہ اس میں یہ اضافہ کر دو

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

ترجمہ :۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔

**دعاءِ طواف میں دوسرا اضافہ**...... ابراہیمؑ نے یہ سن کر ان فرشتوں سے فرمایا۔ اس میں یہ اضافہ کر دو۔

"العلی العظیم یعنی جو سب سے بلند اور سب سے زیادہ عظمت والا ہے"۔

چنانچہ پھر ملائکہ نے یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ پڑھی (جس کے مکمل الفاظ یہ ہوگئے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ)

**تاریخ کعبہ**...... ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی اس وقت ان کی عمر ایک سو سال ہو چکی تھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کی تعمیر عمالیق کی قوم نے کی اور ان کے بعد قبیلہ بنی جُرہم نے کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ (ابراہیمؑ کے بعد) بنی جرہم نے اور ان کے بعد عمالیق نے کی۔

مگر قوم عمالیق کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا قابل غور ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ انہوں نے بنی جرہم سے پہلے کی تھی تو اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے ساتھ جو مکے میں آکر ٹھہرا وہ جُرہم تھا اور وہی حضرت اسماعیلؑ اور ان کی کچھ اولاد کے بعد بیت اللہ کے متولّی اور محافظ بنے (لہٰذا ابراہیمؑ

کے بعد قوم عمالیق کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا قیاس کے خلاف ہے کیونکہ کعبہ کے متولی اس وقت بنی جرہم تھے)۔

اور اگر یہ مانا جائے کہ قوم عمالیق نے بنی جرہم کے بعد تعمیر کی تو اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ بنی جرہم کے بعد کعبے کے متولی بنی خزاعہ بنے تھے جیسا کہ (سیرت حلبیہ اردو گزشتہ صفحات میں) گزر چکا ہے۔ لہذا جب عمالیق کے پاس بیت اللہ کی تولیت نہیں تھی تو انہوں نے کیسے تعمیر کی۔ ہاں کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت بنی جرہم کے مقابلے میں قوم عمالقہ کے لوگ دولت مند اور مالدار رہے ہوں گے (اس لئے بنی جرہم نے خود متولی ہونے کے باوجود ان کو تعمیر کی اجازت دے دی ہو گی)۔

**قوم عمالقہ کی سرکشی اور انجام**...... اس خیال کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "قوم عمالقہ بہت معزز لوگ تھے اور ان کے پاس بے حد دولت و ثروت تھی مگر جب وہ گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام دولت و عزت ان سے چھین لی اور ان پر چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں عذاب کی صورت میں مسلّط کر دیں یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل کر بھاگے اور تتّر بتّر اور منتشر ہو کر ہلاک ہو گئے۔

(یہاں چھوٹی چیونٹیوں کے ذریعہ بنی جُرہم کو عذاب دیئے جانے کے متعلق ذکر کیا گیا ہے جن کو ہم بھوری چیونٹی کہتے ہیں ان چیونٹیوں کی ہلاکت خیزی کے متعلق اور خاص طور پر اگر یہ بہت زیادہ ہوں اور عذاب کی صورت میں ظاہر ہوں عربی میں یہ کہاوت ہے جس کو علامہ حلبی نے نقل کیا ہے کہ)

"چیونٹیوں میں چھوٹی چیونٹی ایسی ہی خطرناک ہوتی ہے جیسے ڈنک مارنے والے کیڑوں میں بھڑ ہوتی ہے"۔

**عمالقہ کی مکے میں آمد**...... علامہ فاکہی کی کتاب تاریخ مکہ میں ہے کہ۔

قوم عمالیق کے لوگ اس وقت مکے آئے تھے جب قوم عاد کا ایک وفد (خشک سالی اور قحط سے گھبرا کر) مکے میں بیت اللہ کے ذریعے پانی کی دعا مانگنے کے لئے آیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ عرفات کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے زمزم کا چشمہ نکالا۔ (جہاں تک اس چشمہ کے جاری ہونے کا تعلق ہے) اس سلسلے میں کتاب ربیع الابرار میں ہے کہ

"جبرئیلؑ نے زمزم کا چشمہ دو مرتبہ نکالا ہے ایک مرتبہ آدمؑ کے لئے اور ایک دفعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے"۔

(غرض جب یہ چشمہ جاری ہو گیا اور) علامہ مقریزی کے قول کے مطابق عمالیق کو اس چشمہ کے متعلق پتہ چلا تو وہ فوراً عرفات کے میدان سے اٹھ کر مکے میں آ گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عمالیق بنی جرہم کے بعد مکے میں آئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مورّخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکے پر عمالیق کی سرداری بنی جُرہم سے پہلے ہوئی ہے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی بنی جرہم کے بعد جو لوگ مکے میں آ کر بیت اللہ کے متولی بنے وہ بنی خزاعہ کے لوگ تھے۔

اب اس قول سے اتنی بات تو صاف ہو ہی جاتی ہے کہ عمالیق کے لوگوں نے بھی بیت اللہ کی تعمیر کی ہے اور یہ کہ عمالیق کی تعمیر بنی جرہم کی تعمیر سے پہلے ہوئی۔

یہ عمالیق کی قوم عملیق یا عمَلاق ابن لاوذ ابن سام ابن نوحؑ کی اولاد میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عملاق پہلا

آدمی ہے جس نے عربی زبان لکھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عملاق یا عملیق، عیص ابن اسحاق ابن ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہے۔ بہر حال ان قوموں کے بعد کعبے کو آنحضرت ﷺ کے نسبی دادا قصیؒ نے بنایا اس نے بیت اللہ کی چھت روم کی لکڑی اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی اس کے بعد اس کو قریش نے بنایا جیسا کہ بیان ہوا۔

## عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانے میں تعمیر کعبہ کی تجدید

قریش کی تعمیر کے بعد بیت اللہ کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے تعمیر کرایا۔

ابن زبیرؓ کا لقب...... حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا لقب ابو خُبَیب تھا۔ ان کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ مدینے میں ایک شخص تھا جس کا نام خُبَیب تھا یہ شخص بہت لمبی نماز پڑھا کرتا تھا اور بہت کم گفتگو کیا کرتا تھا۔ چونکہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ خُبَیب نامی اس شخص کے مشابہ تھے اس لئے ان کو ابو خُبَیب کہا جانے لگا۔

علامہ ابن جوزی نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کو ابو خُبَیب کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام خُبَیب تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"خُبَیب ابن عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلیفہ ولید کے حکم پر عمر ابن عبدالعزیز نے (جو مدینے کے گورنر تھے) سو کوڑے لگائے تھے جس کی تاب نہ لاکر وہ مر گئے تھے (اس سزا کا سبب یہ تھا کہ) خُبَیب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نقل کی تھی کہ آپ نے فرمایا۔

بنی امیہ کے متعلق ایک حدیث...... "جب ابو العاص کی اولاد چالیس آدمیوں تک۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ تیس آدمیوں تک پہنچ جائے گی۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ جب حکم کی اولاد تیس آدمیوں تک۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ جب بنی اُمیہ کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے بندوں کو غلام بنالیں گے، اللہ کے مال کو اپنی ریاست بنالیں گے اور اللہ کے دین کو خراب کریں گے۔ اسی طرح ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ اللہ کے دین کو اور اللہ کی کتاب کو بدل دیں گے"۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جس میں بنی امیہ کا لفظ ہے اور چالیس آدمیوں کا ذکر ہے منقطع[1] ہے۔

غرض جب ولید کو معلوم ہوا کہ خُبَیب نے بنی امیہ کے یعنی اس کے خاندان کے بارے میں) ایسا کہا ہے تو اس نے اپنے چچازاد بھائی عمر ابن عبدالعزیز کو جو اس وقت مدینے کے گورنر تھے لکھا کہ وہ خُبَیب کے سو کوڑے لگائیں۔ چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد ایک گھڑے میں پانی ٹھنڈا کر کے سخت سردی کے دن میں خُبَیب پر ٹھنڈا پانی ڈلوایا اور پھر ان کو قید میں ڈال دیا۔ آخر جب خُبَیب کی تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو عمر ابن عبدالعزیز نے ان کو قید سے نکالا اور اپنے کئے پر بہت نادم اور شرمندہ ہوئے (مگر خُبَیب اس سزا کی تاب نہ لاکر چل بسے) جب عمر نے ان کی موت کا حال سنا تو اناللہ پڑھتے ہوئے زمین پر گر گئے اور اسی وقت مدینے کی گورنری سے استعفاء دے دیا۔

اس واقعہ کے بعد جب بھی عمر بن عبدالعزیز سے کہا جاتا کہ خوش خبری ہے آپ کے لئے تو وہ جواب

---

[1] حدیث منقطع ایسی کمزور حدیث کو کہتے ہیں جسکی سند میں مختلف مقامات سے ایک یا کئی راوی ساقط ہو رہے ہوں۔ مرتب

میں کہتے۔

"میرے لئے کیسی خوش خبری ہو سکتی ہے جبکہ خُبیب میری راہ رو کے کھڑا ہوا ہے"۔

حکَم کے متعلق پیشین گوئی...... (حکَم کی اولاد کے تیس تک پہنچنے کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ) کتاب دلائل النبوۃ میں علامہ بیہقی نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں راوی کہتا ہے۔

میں ایک مرتبہ امیر معاویہ ابن ابوسفیان کے پاس موجود تھا۔ اس وقت حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت ابن عباسؓ بھی تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت مروان ابن حکم حضرت معاویہؓ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا۔

"اے امیر المومنین! میری ضرورت پوری فرمادیجئے خدا کی قسم میں بڑی زبردست مصیبت میں مبتلا ہوں کہ دس بیٹوں کا تو میں باپ ہوں، دس بھتیجوں کا چچا ہوں اور دس میرے بھائی ہیں"۔

جب مروان چلا گیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔

"اے ابن عباس! میں تمہارے سامنے خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب حکَم کی اولاد میں تیس آدمی ہو جائیں گے تو وہ اللہ کے مال کو اپنی ریاست سمجھنے لگیں گے، اللہ کے بندوں کو اپنا غلام سمجھنے لگیں گے اور اللہ کی کتاب کو اپنا کھلونا سمجھنے لگیں گے۔ اور پھر جب ان کی تعداد چار سو ننانوے تک پہنچ جائے گی تو ان کی تباہی میں اتنی دیر بھی نہیں لگے گی جتنی کھجور کو چبانے میں لگتی ہے"۔

یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ "بے شک یہ صحیح ہے"۔

چار سرکشوں کا باپ...... اس کے بعد پھر مروان کو تنگ دستی پیش آئی تو اس نے اپنے بیٹے عبدالملک کو خلیفہ معاویہؓ کے پاس بھیجا اور اس نے آکر حضرت امیر معاویہؓ سے بات کی۔ جب عبدالملک چلا گیا تو امیر معاویہؓ نے پھر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔

"اے ابن عباس! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کا یعنی عبدالملک کا ذکر کرتے ہوئے اس کو چار سرکشوں کا باپ فرمایا تھا"۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ "بے شک یہ صحیح ہے"۔ چنانچہ عبدالملک کے چار بیٹے خلیفہ ہوئے۔

(یہ بات قابل غور ہے کیونکہ عبدالملک کے بیٹوں میں سلیمان ابن عبدالملک کو سرکش نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ ایک خداترس آدمی تھے جیسا کہ آگے ان کے حالات کا بیان آرہا ہے)

نبوت کی نشانی...... یہ بات بھی قابل غور ہے کیونکہ (اس میں آنحضرت ﷺ کے عبدالملک کے متعلق اس ارشاد سے) معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک (نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور وہ) صحابی ہیں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے عبدالملک کے وجود سے بھی پہلے اس کا ذکر فرما کر اس کے متعلق یہ پیشین گوئی فرمائی ہو۔ اس طرح یہ بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے شمار کی جائے گی۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بہت زیادہ غریب اور منکر ہے (حدیث غریب اور منکر کی تعریف پچھلی قسطوں میں گزر چکی ہے)۔

(حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو ابو خُبیب کہنے کا) سبب کتاب کشاف کے ایک حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ خُبیب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا سب سے ناکارہ بیٹا تھا اس لئے حضرت عبداللہؓ کے دشمنوں نے ان کو اسی بیٹے

کے نام کے ساتھ لقب دیا تھا اور ان کو ابو خُبیب کہنے لگے تھے۔
کچھ مؤرخوں نے یہ سبب لکھا ہے کہ خُبیب نام کو عزت افزائی اور اعزاز کے لئے ان کے لقب میں شامل کیا گیا تھا۔ اس سے ان کی توہین نہیں ہوتی تھی بلکہ اعزاز ہوتا تھا (یعنی خبیب کی عظمت کی وجہ سے دوسروں کا اعزاز کرنے کے لئے ان کو بھی خُبیب کہہ دیا جاتا تھا) بہر حال پچھلا قول اس قول کی روشنی میں غلط ہو جاتا ہے۔
مگر خود یہ بات بھی پچھلے قول کی روشنی میں غلط ہو جاتی ہے۔

علماء کو سزائیں...... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جن علماء کو کوڑوں سے مارا گیا ان میں حضرت سعید ابن مسیّب بھی ہیں ان کو عبدالملک ابن مروان نے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ اس نے ولید (ابن یزید ابن عبدالملک کے خلیفہ بننے پر) لوگوں سے اس کی اطاعت کی بیعت لینے کے لئے مدینے میں آدمی بھیجا مگر حضرت سعیدؓ نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اس پر عبدالملک نے لکھا کہ ان کے سو کوڑے لگائے جائیں اور سخت سردی کے وقت میں ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے نیز ان کو اون کا جُبّہ پہنایا جائے۔ چنانچہ حضرت سعیدؓ کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ خُبیب کے ساتھ کیا گیا تھا۔
(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ولید نام کے دو آدمی ہیں ایک ولید ابن یزید ابن عبدالملک یعنی عبدالملک کا پوتا اور ایک ولید ابن عبدالملک کا بیٹا ہے)۔
عبدالملک نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کے لئے جو عہد لیا تھا اس کے متعلق کتاب البدایہ والنہایہ میں یہ ہے کہ جب بیعت کا سلسلہ مدینے میں پہنچا تو حضرت سعید ابن مسیّب نے بیعت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر مدینے کے نائب نے ان کے ساٹھ کوڑے لگوائے اور ان کو بالوں کے کپڑے پہنائے۔ پھر ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا اور اس کے بعد ان کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ مگر عبدالملک کو یہ خبر پہنچی تو اس نے مدینے کے گورنر کے پاس آدمی بھیجا اور اس کو اس حرکت پر بہت تنبیہ اور سرزنش کی۔ ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھیجا کہ حضرت سعید کو قید سے رہا کیا جائے۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے۔
مگر علامہ بلاذری نے یہ لکھا ہے کہ :۔
مدینے کا گورنر جابر ابن سود تھا جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے مقرر کیا ہوا تھا اور اسی نے حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کی خلافت پر بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک علامہ بلاذری کا کلام ہے۔
(یہاں حضرت سعیدؓ کے کوڑے مارے جانے کے متعلق روایتوں میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ) کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت سعید نے دونوں مرتبہ خلافت کی بیعت دینے سے انکار کیا ہو کیونکہ حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت عبدالملک کی خلافت سے پہلے ہوئی ہے جو ولید کا باپ تھا۔
علامہ ابن کثیر نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے گئے تھے۔ اسی طرح اس سے پہلے جب انہوں نے حضرت ابن زبیر کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا اس وقت بھی ان کے کوڑے لگوائے گئے تھے نیز ان کے اس وقت بھی کوڑے لگوائے گئے تھے جب انہوں نے ولید کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا۔
علامہ شعرانی نے حضرت سعید کے حالات میں لکھا ہے کہ :۔

چونکہ حضرت سعید نے عبدالملک کے لئے بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا اس لئے عبدالملک ابن مروان نے ان کو سزا دی اور انہیں چبھنے والا لباس پہنایا نیز اس نے لوگوں پر پابندی لگا دی کہ حضرت سعید کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا نہ رکھیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی کوئی شخص ان کے پاس آتا تو حضرت سعید اس سے کہتے۔

"جاؤ میرے ساتھ مت بیٹھو اس لئے کہ ان لوگوں یعنی حاکموں نے مجھے کوڑوں کی سزا دی ہے اور لوگوں کو مجھ سے ملنے جلنے سے منع کر رکھا ہے۔" یہاں تک علامہ شعرانی کا کلام ہے۔

یہاں مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت سعید نے خود عبدالملک کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا بلکہ) مراد یہ ہے کہ عبدالملک اپنے بیٹے ولید کے لئے جو بیعت لے رہا تھا اس کو قبول کرنے سے حضرت سعید نے انکار کر دیا تھا اس طرح اس روایت میں اور پچھلی روایت میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

**ولید کے متعلق پیشین گوئی**......حضرت سعید ابن میتب نے ولید کے لئے بیعت کرنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا۔ کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کرتے تھے کہ

"اس امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ولید ہوگا وہ میری امت کے لئے اس سے زیادہ خطرناک ہوگا جتنا فرعون اپنی قوم کے لئے تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ میری امت کے لئے اس سے زیادہ نقصان دہ ہوگا جتنا فرعون اپنی قوم کے لئے تھا۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ وہ جہنم کا ایک ستون۔ یا ایک کونا۔ ہوگا"۔

چنانچہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ولید نامی شخص یہ ولید ابن عبدالملک ہے۔ مگر علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ وہ ولید ابن یزید ابن عبدالملک ہے ولید ابن عبدالملک نہیں ہے جو اس ولید کا چچا تھا (کیونکہ چچا اور بھتیجے دونوں کا نام ولید ہی تھا ایک عبدالملک کا بیٹا تھا اور ایک پوتا تھا۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس کے بارے میں یہ پیشین گوئی فرمائی تھی وہ عبدالملک کا پوتا تھا۔

**حضرت سعیدؒ اور تعبیر خواب**...... یہ حضرت سعید ابن میتبؒ اپنے وقت میں سب سے بڑے خواب کی تعبیر بتلانے والے شخص تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہوں۔ حضرت سعید نے اس خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ تمہاری بیوی کوئی ایسی عورت ہے جس سے رشتے میں تمہارا نکاح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس شخص نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی سے اس کا رضاعی رشتہ یعنی دودھ کا رشتہ ہے (جس کے بعد شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز نہیں تھا)۔

حضرت سعید نے خواب کی تعبیر بتلانے کا علم حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے حاصل کیا تھا اور حضرت اسماء نے یہ فن اپنے والد بزرگوار حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت سعیدؓ سے یہ فن علامہ ابن سیرینؒ نے حاصل کیا۔

**حضرت ابو بکر اور تعبیر خواب**......ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑے خواب کی تعبیر بتلانے والے تھے۔ صدیق اکبرؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں اور آپ کی موجودگی میں بھی خواب کی تعبیر دیا کرتے تھے۔

زہری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا اور حضرت ابو بکرؓ سے بیان فرمایا کہ۔

"میں نے دیکھا کہ گویا میں اور تم ایک سیڑھی پر ہیں اور پھر میں تم سے ڈھائی سیڑھی اوپر چڑھ گیا"۔

حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تعبیر دیتے ہوئے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت کی طرف آپ کو پہلے بلا لے گا (یعنی آپ کی روح قبض فرما لے گا) اور میں آپ کے بعد ڈھائی سال تک زندہ رہوں گا"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے حضرت ابو بکرؓ نے تعبیر دی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد دو سال سات مہینے زندہ رہے۔

**آنحضرت ﷺ کا ایک اور خواب**...... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میں نے دیکھا جیسے سیاہ بکریاں میرے پیچھے ہیں پھر اس کے بعد سفید بکریاں میرے پیچھے آگئیں یہاں تک کہ (وہ اتنی زیادہ تھیں کہ) ان میں سیاہ بکریاں نظر بھی نہ آتی تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! جہاں تک کہ سیاہ بکریوں کا تعلق ہے ان سے مراد عرب ہیں جو مسلمان ہوں گے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی اور جہاں تک سفید بکریوں کا تعلق ہے ان سے مراد عجم یعنی غیر عرب ہیں جو اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہوں گے کہ ان کی کثرت کی وجہ سے عرب ان میں نظر بھی نہ آئیں گے"۔

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اسحیر افرشتے نے بھی اس خواب کی یہی تعبیر دی ہے۔

## حضرت ابن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ کا سبب

**یزید کا فسق و فجور**...... یزید ابن معاویہ کو معلوم ہوا کہ مدینے والوں نے اس کی اطاعت سے انکار کر دیا ہے اور کھلم کھلا اس کو برا بھلا کہتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ اس کا کوئی دین نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے حرام رشتے والی عورتوں سے نکاح کو جائز کر لیا ہے۔ ہمیشہ شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور کتوں کی بازیاں لگاتا ہے۔

اس پر یزید ابن معاویہ نے مدینے والوں کے خلاف ایک لشکر روانہ کیا جس میں بیس ہزار گھوڑے سوار اور سات ہزار پیدل سپاہی تھے اس لشکر کا سپہ سالا مسلم ابن قتیبہ تھا یہ لشکر مدینے والوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

(جہاں تک یزید کے ان فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا تعلق ہے اس کی تصدیق ان روایتوں سے ہو جاتی ہے جو بعض معتبر مورّخوں نے بیان کی ہیں کہ یزید کے پاس ایک بندر تھا جس کو وہ اپنی شراب کی مجلس میں لے کر آیا کرتا تھا اور اس کے لئے ایک تکیہ لگایا کرتا تھا اور پھر اپنے جام میں کی بچی ہوئی شراب اس کو پلاتا تھا۔ اس کے لئے اس نے ایک جنگل گدھی لے کر اس کو اس بندر کے لئے سدھایا تھا۔ اس گدھی کے لئے اس نے سونے کی زین تیار کرائی تھی اور اس پر اس بندر کو بٹھا کر کبھی کبھی اسے گھوڑوں کے ساتھ دوڑایا کرتا تھا، اس بندر کو ایک قبا پہنایا کرتا تھا اور سرخ ریشم...... کی ٹوپی...... اڑھایا کرتا تھا۔

**کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟**...... شافعی مسلک کے بڑے علماء میں سے علامہ الکیا ہراسی ہیں جو امام

الحرمین علامہ نظیر غزالی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ ان سے اس یزید کے متعلق پوچھا گیا کہ آیا وہ صحابہ میں سے تھا اور آیا (اس کے اعمال کی وجہ سے) اس پر لعنت کرنا جائز ہے؟

اس پر علامہ ہراسی نے جواب دیا کہ یزید صحابہ میں سے تو نہیں تھا اس لئے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے پیدا ہوا ہے۔ اس پر لعنت بھیجنے کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں جن میں سے ایک میں صاف لعنت کا فتویٰ ہے اور دوسرے میں واضح فتویٰ نہیں ہے، اسی طرح امام مالک اور امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور ہمارے یہاں (یعنی شافعیوں میں) اس بارے میں ایک ہی قول ہے اور وہ صریحی لعنت کا قول ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ جواری تھا اور شکار میں بازی لگایا کرتا تھا اور ہمیشہ شراب کے نشہ میں رہتا تھا۔ نیز شراب کے سلسلہ اس نے جو شعر کہے ہیں وہ تو کافی مشہور ہیں۔ یہاں تک علامہ ہراسی کا کلام ہے۔

علامہ غزالیؒ سے بھی کسی نے پوچھا کہ کیا ایسا شخص جو یزید پر لعنت کرنے کا حکم لگائے وہ فاسق اور گناہ گار ہو گا اور کیا یزید کے لئے رحمت کی دعا کرنا جائز ہے؟

مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں...... علامہ نے جواب دیا کہ جو شخص یزید پر لعنت کرتا ہے وہ فاسق اور گناہگار ہے کیونکہ مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وحشی جانوروں تک پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس بارے میں حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک مسلمان کی حرمت اور احترام کعبے سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں تک یزید کا تعلق ہے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہے اور ادھر حضرت امام حسینؓ کے قتل کے لئے اس کا حکم دینا یا اس پر اس کا راضی ہونا ثابت نہیں ہے اور جب تک یہ بات اس کے متعلق ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے متعلق اس بارے میں بدگمانی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا حرام ہے۔ چنانچہ جب تک کسی واقعہ کی حقیقت اور اصلیت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک نیک خیال اور حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (اگر یزید کو امام حسینؓ کا قاتل مان بھی لیا جائے تو) قتل کرنا کفر نہیں ہے بلکہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا اس پر رحمت بھیجنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ یزید مومنوں میں داخل ہے اور ہم نمازوں میں (یعنی نماز جنازہ میں) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ یعنی اے اللہ مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما۔ کہتے ہیں۔ یہاں تک علامہ غزالیؒ کا کلام ہے۔

مگر علامہ الکیاہراسی نے یزید پر لعنت بھیجنے کا جو حکم لگایا ہے اس کو ہمارے (یعنی علامہ حلبیؒ کے) استاد شیخ محمد البکریؒ مانتے تھے اور ان کے والد علامہ شیخ ابوالحسنؒ بھی مانتے تھے۔

نیز میں نے اپنے ان ہی استاد کے ایک پیرو اور متوسل کے کلام میں یزید کے حق میں ان کے یہ الفاظ دیکھے ہیں کہ۔ "اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی میں اضافہ کرے اور اس کو دوزخ کی بدترین جگہ دے"۔

علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے اور متقی علماء نے یزید پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

اسی طرح علامہ سعد تفتازانیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے اس کے اسلام ہی نہیں بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک ہے اس پر اور اس کے مددگاروں اور ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

کسی متعین کافر شخص پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں...... (علامہ تفتازانی کا یہ قول اس مسئلہ کے خلاف

ہے جس میں ہے کہ کسی متعین کافر آدمی پر لعنت بھیجنا جائز ہے یعنی پورے فرقہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے لیکن کسی متعین آدمی کے متعلق جو کافر ہو لعنت کے الفاظ کہنا جائز نہیں ہے اب یہاں اگر یزید کو ان کے قول کے مطابق مسلمان کے بجائے کافر مانا جائے تو اس صورت میں بھی نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا مسئلے کے لحاظ سے نہیں جائز ہونا چاہئے) لیکن یہاں علامہ تفتازانی" کا اس پر کافر کی حیثیت سے لعنت بھیجنا ایک استثنائی بات کہی جائے گی (کہ گویا یزید کے معاملے میں اس کو کافر مانتے ہوئے اس پر لعنت بھیجنا دوسرے کافروں کے برخلاف جائز ہے)۔

**بنی اُمیّہ سے مدینے والوں کی مخالفت**......(اس کے بعد پھر یزید کی مخالفت اور اطاعت سے مدینے والوں کی مخالفت اور انکار کا ذکر کرتے ہیں کہ )جب مدینے والوں نے یزید کی بیعت اور تابعداری کو ختم کر دیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ" کو اپنا امیر بنالیا جن کے والد کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ ان لوگوں نے یزید کے گورنر کو مدینے سے نکال دیا یہ مروان ابن حکم تھا۔ اسی طرح مدینے کے لوگوں نے بنی اُمیّہ (یعنی خاندان خلافت) کے دوسرے لوگوں کو بھی مدینے سے نکال دیا۔ یہاں تک کہ مدینے والوں نے کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت کو اس وقت ختم کیا جب ہمیں یہ ڈر ہو گیا کہ ہم پر (یزید کی بد عملیوں اور فسق وفجور کی وجہ سے) آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے۔

**یزید کی مدینے پر چڑھائی**...... چنانچہ حرّہ کے مقام پر یزید کی فوجوں اور مدینے کے مسلمانوں کے درمیان وہ زبردست اور خوں ریز لڑائی ہوئی جس میں ایسا لگتا تھا کہ مدینے کا آخری آدمی تک قتل ہو جائے گا۔ اس لڑائی میں حضرات صحابہ اور تابعین (جو یزید کے خلاف تھے) کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہو گئی (اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بہت مدّت پہلے حرّہ کے مقام پر پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہاں میرے بڑے بڑے صحابہ قتل ہوں گے)۔

**دختران مدینہ پر یزید کے مظالم**...... ایک قول یہ ہے کہ اس لڑائی میں شہید ہونے والے صحابہ صرف تین تھے اور ان میں حضرت عبداللہ ابن حنظلہ" بھی تھے۔ اس لڑائی کے بعد (یزید کے فوجیوں نے مدینے کو لوٹا اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی بے آبروئی اور عصمت دری کی (جن میں بڑے بڑے صحابہ کی صاحبزادیاں بھی شامل تھیں)۔

**مسجد نبوی کی بے حرمتی**...... جب تک یہ افسوس ناک لڑائی ہوئی مسجد نبوی میں نہ اذان ہو سکی اور نہ جماعت ہو سکی یہ لڑائی تین دن تک ہوئی (جو یزید کے حکم پر اور اس کی ہدایتوں کے مطابق ہوئی اور جو اس وقت اپنے آپ کو خلیفۂ رسول اور امیر المومنین کہتا تھا)

**صحابہ، تابعین اور حُفاظ کا قتل عام**...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس لشکر نے جس کو یزید نے مدینے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا زبردست فتنہ وفساد اور خوں ریزی کی اور مسلمانوں کو قید کیا اور مدینے میں قتل عام کو جائز رکھا۔ اس جنگ میں صحابہ کرام اور تابعین میں سے ایک مخلوق شہید کی گئی۔ قریش اور انصاریوں میں کے شہیدوں کی تعداد تین سو چھ مردوں تک ہے اور قرآن پاک کے قاری جو شہید کئے گئے ان کی تعداد سات سو تک ہے۔

**مزار مبارک کی بے حرمتی**......ابن دحیہ کی کتاب تنویر میں ہے کہ مہاجر اور انصاری مسلمانوں میں سے

ایک ہزار سات سو آدمی ہلاک کئے گئے اور سات سو قرآن پاک کے حافظ قتل کئے گئے گھوڑوں کو مسجد نبوی میں باندھا گیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مزار مبارک اور منبر شریف کے درمیان لید اور گوبر کیا۔ مدینے کے لوگ اس قدر خوفزدہ کر دیئے گئے تھے کہ کتے مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور آنحضرت ﷺ کے منبر شریف پر پیشاب کر جاتے تھے۔

**یزید کی بیعت کے لئے ظالمانہ شرائط**...... اس ناپاک لشکر کا سپہ سالار اس شرط کے سوا کسی بات پر راضی نہیں تھا کہ مدینے والے یزید کی خلافت کے لئے اس طرح بیعت کریں کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے تو ان کو فروخت کر دے اور چاہے تو آزاد کر دے۔ اس شخص کی اس بیہودہ شرط پر مدینے کے بعض لوگوں نے کہا کہ بیعت تو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہی ہو سکتی ہے۔ اس پر اس شخص نے ان بولنے والوں کی گردنیں مار دیں۔

**صحابہ کرام پر مظالم**...... بخاری میں ہے کہ جب (مقام حرّہ کی اس جنگ سے پہلے) یزید نے مدینے والوں کو بہت زیادہ خوف زدہ کیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی اولاد اور اپنے غلاموں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا۔ "ہم نے اس شخص سے یعنی یزید سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کے مطابق بیعت کر لی ہے (کیونکہ وہ یزید کی شیطنت اور طاقت کے مقابلے میں مدینے والوں کا انجام پہلے ہی دیکھ رہے تھے) اس لئے اب خدا کی قسم مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ تم میں سے کسی نے اس اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے ورنہ میرے اور اس کے درمیان تیر اندازی ہو گی"۔

اتنا کہہ کر حضرت ابن عمر اپنے گھر میں بیٹھ رہے (اور باہر نکلنا اور ملنا جلنا چھوڑ دیا)

**حضرت ابو سعید خدریؓ سے بدسلوکی**...... اسی طرح حضرت ابو سعید خدریؓ بھی اپنے گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے مگر اس کے باوجود یزید کے لشکر میں سے ایک بڑا مجمع ان کے گھر پر پہنچا اور ان سے کہنے لگا۔

"بوڑھے! تو کون ہے"۔

انہوں نے فرمایا

"میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ابو سعید خُدری ہوں"۔

سپاہیوں نے کہا۔

"ہمیں تمہارے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ تم نے اپنا ہاتھ روک کر اور گھر میں بند ہو کر اچھا ہی کیا ہے۔ مگر اپنا مال ہمیں نکال کر دے"۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا

"مال تو وہ لوگ چھین لے گئے جو تم سے پہلے میرے مکان میں گھس آئے تھے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے"۔

اس پر ان لوگوں نے (جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور یزید کے سپاہی تھے) کہا کہ تو جھوٹا ہے اور اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو سعیدؓ کی داڑھی پکڑ کر کھینچی۔

**حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے بدسلوکی**...... ان ہی دنوں میں ایک روز حضرت جابر ابن عبداللہ اپنے گھر سے نکلے اور مدینہ کی تنگ گلیوں میں پھرنے لگے۔ وہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے اس لئے وہ گلیوں میں پڑی ہوئی

لاشوں سے ٹھوکریں کھاتے جاتے تھے اور کہتے تھے۔

"وہ شخص برباد ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ کو ڈرایا......"

یہ سن کر یزید کی فوج میں کے کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کس نے ڈرایا ہے۔
حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :۔

"جس نے مدینہ کو ڈرایا اس نے گویا اس چیز کو ڈرایا جو میرے پہلو میں ہے"۔

یہ سن کر ان سپاہیوں میں سے کئی آدمیوں نے ایک دم حضرت جابرؓ کو قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کیا مگر مروان نے ان کو پناہ دی اور اپنے گھر میں لے گیا۔

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس روز (یعنی جس دن حرّہ کی لڑاء ہوئی) مہاجروں اور انصاری مسلمانوں میں سے ایک ہزار سات سو آدمی شہید کئے گئے اور دوسرے عام لوگوں میں عورتوں اور بچوں کے سوا دس ہزار انسان قتل کئے گئے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک انصاری عورت تھی جو اپنے بچے کو گھر میں بیٹھے دودھ پلا رہی تھی کہ اچانک یزید کا ایک سپاہی گھر میں گھس آیا اور جو کچھ گھر میں مل سکا وہ سب لوٹ لیا۔ اس کے بعد اس نے اس عورت سے کہا۔

**معصوم بچوں پر مظالم اور اس کا انجام**...... "اپنا سونا نکال کر دے ورنہ میں تجھے اور تیرے بچے کو مار ڈالوں گا"۔

اس عورت نے کہا

"تیرا برا ہو۔ تو نے اگر اس بچے کو قتل کیا تو سمجھ لے کہ اس کے باپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو کبشہؓ تھے اور میں خود ان عورتوں میں سے ہوں جنھوں نے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی تھی"۔

(مگر اس بدبخت پر اس عورت اور بچے کے مرتبے کا خیال پھر بھی نہ ہوا اور) اس نے اس بچے کو جس کے منہ میں ماں کی چھاتی تھی اس کی گود میں سے چھین لیا اور اس کو دیوار پر دے پٹکا یہاں تک کہ اس کا سر پھٹ کر زمین پر بھیجا بہنے لگا۔

مگر اس کے بعد یہ شخص ابھی گھر سے باہر بھی نہیں نکلا تھا اس کا آدھا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس کی شکل انتہائی بھیانک ہو گئی۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ عورت اس بچے کی ماں نہیں بلکہ دادی تھی کیونکہ یہ بات عام عادت کے خلاف ہے کہ جس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہو وہ جنگ حرّہ کے وقت ایسی عمر میں ہو کہ بچے کو دودھ پلا سکے (کیونکہ یہ حرّہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بہت بعد ۶۳ھ میں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کو تقریباً چوّن (۵۴) سال گزر چکے تھے۔

**اس قتل عام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی**...... حرّہ کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک تھا۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اسی حرّہ کے مقام پر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اس جگہ ایسے ایسے لوگ قتل ہوں گے جو میرے صحابہ کے بعد میری امت کے بہترین لوگ ہوں

گے"۔

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ سے روایت ہے (جو مسلمان ہونے سے پہلے یہودی تھے) کہ میں نے حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کی اس کتاب میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ حرّہ کے اس واقعہ کی خبر پڑھی ہے اور یہ کہ اس فتنہ میں بڑے بڑے، صالح اور بزرگ لوگ قتل ہوں گے اور جو قیامت کے دن اپنے ہتھیار اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔

حرّہ کا یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ یزید اس واقعہ سے یعنی حرّہ کی لڑائی سے پہلے مدینے کے لوگوں کی بہت زیادہ دادرسی اور غلطیوں کو درگزر کرنے والا آدمی تھا اس نے لوگوں کو اس سے کئی گنا زیادہ انعامات دیئے جو عام طور پر دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ اس کی اطاعت کی طرف مائل ہو جائیں اور اس کی مخالفت سے خوفزدہ ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

**ظالم کا انجام**...... کتاب تنویر میں ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار مسلم ابن قتیبہ نے جب زبردستی مدینے والوں سے (یزید کے لئے غلامی کی) بیعت لی تو اس کے تین ہی دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ایسے خوفناک مرض میں مبتلا فرمادیا کہ یہ کتّوں کی طرح بھونکنے لگا اور یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا۔

اپنے بعد کے لئے مسلم ابن قتیبہ نے یزید کے حکم کے مطابق ایک شخص حصین ابن نُمیر کو لشکر کا امیر بنا دیا تھا کیونکہ جب یزید۔ مسلم ابن قتیبہ کو اس لشکر کا امیر بنا رہا تھا تو اس نے مسلم سے کہا تھا۔

"جب تو موت کے کنارے آلگے۔ (ی) کیونکہ مسلم اس وقت پیٹ میں پانی آجانے کے مرض میں مبتلا تھا۔ تو اس لشکر کا امیر حصین کو بنا دینا"۔

**یزید کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان**...... یزید کے اس فتنے سے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے (جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے) کہ

میری امت کے معاملات ہمیشہ انصاف اور دیانت داری سے چلتے رہیں گے یہاں تک کہ ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا اس طریقہ میں رخنہ ڈالے گا"۔

**مزار مبارک سے اذان و اقامت کی آوازیں**...... حضرت سعید ابن مُسیّبؒ سے روایت ہے کہ۔ "حرّہ کے اس واقعہ کے دوران راتوں میں مسجد نبوی ﷺ میں تنہا ہوتا تھا اور جب بھی نماز کا وقت آتا تو مجھے آنحضرت ﷺ کی قبر شریف میں سے اذان اور اقامت یعنی تکبیر کی آواز آتی تھی"۔

حضرت سعید ابن مُسیّبؒ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :۔

"دنیا ایک حقیر چیز ہے جو حقیر آدمیوں کی طرف ہی بڑھتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر مستغنی ہو گیا تو لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں"۔

صحابہ کرام میں سے جن حضرات نے یزید کی بیعت توڑی تھی اور اس موقعہ پر شہید کئے گئے ان میں حضرت معقل ابن سنان اشجعیؓ بھی ہیں۔

حضرت علقمہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سے یعنی حضرت ابن مسعودؓ سے ایسی عورت کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا جس سے کسی شخص نے مہر متعین کئے بغیر نکاح کیا ہو (اور مہر متعین کرنے) اور

اس عورت کے ساتھ ہمبستری کرنے سے پہلے اس مرد کا انتقال ہو گیا ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔

"اس عورت کا مہر اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے عام مہر کے برابر ہو گا۔ اس سے نہ کم ہو گا اور نہ زیادہ اور اس عورت کو عدّت گزارنی ہو گی اور اس کو میراث بھی ملے گی"۔

یہ سن کر یہ حضرت مَعْقَل ابن سَنانؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت بَرْوَعْ بنت واشِق کے بارے میں یہی فیصلہ دیا تھا جو مَتَّا کی بیوہ تھی"۔

یہ بات سن کر حضرت ابن مسعودؓ خوش ہو گئے۔

**حضرت ابن زبیرؓ کی یزید سے جنگ کا سبب**...... حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے (جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے تھے) یزید کی خلافت کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح حضرت امام حسینؓ نے بھی اس کی خلافت اور بیعت قبول نہیں کی تھی۔ جب یزید نے ان دونوں بزرگوں کے پاس بیعت لینے کے لئے اپنا آدمی بھیجا تو انہوں نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اور مدینہ چھوڑ کر مکے چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ کو شہید کیا گیا۔

**امام حسینؓ اور کوفے والوں کی بے وفائی**...... حضرت امام حسینؓ کے پاس کوفہ والوں نے اپنا وفد بھیجا کہ آپ کوفہ آجایئے ہم آپ کی اطاعت کی بیعت کرنے کو تیار ہیں حضرت حسینؓ نے (کوفہ والوں کی اس بات پر اعتبار کر کے) وہاں جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے ان کو اس ارادے سے روکا اور ان کو کوفہ والوں کی پچھلی غدّاریاں یاد دلائیں کہ کس طرح انہوں نے ان کے والد ماجد حضرت علیؓ کو شہید کیا تھا اور کس طرح ان کے بھائی حضرت حسنؓ کو دھوکہ دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بھی ان کو اس ارادے سے روکنے کی کوشش کی مگر حضرت حسینؓ نے ان خطرات کو نہیں مانا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ رونے لگے اور انہوں نے کہا۔

"افسوس میرے عزیز......!"

حضرت ابن عمرؓ نے (مایوس ہو کر) فرمایا۔

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی امان اور حفاظت میں دیتا ہوں"۔

ان کے بھائی حضرت حسنؓ نے ان سے ایک دفعہ کہا تھا۔

"کوفے کے شریروں سے بچتے رہنا کہ وہ تمہیں دغا دے کر نکال دیں اور (دشمنوں کے) حوالے کر دیں اور اس وقت تم پچھتاؤ جب کہ تمہیں ضرورت کے وقت کوئی پناہ گاہ اور سہارا نہ ملے"۔

حضرت حسینؓ کو اپنے قتل کی رات میں یہ بات یاد آئی اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت حسنؓ پر رحمت بھیجی۔

**امام حسینؓ کی کوفے کو روانگی**...... اس وقت مکے میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو حضرت حسینؓ کے کوفے جانے پر رنجیدہ نہ ہو۔ حضرت حسینؓ سے پہلے حضرت مسلم ابن عقیلؓ آگے چل کر کوفے پہنچ گئے۔ چنانچہ کوفے کے بارہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تعداد نے بیعت کی تھی۔

جب حضرت حسینؓ کوفہ کے سامنے پہنچے تو یزید کی جانب سے کوفے کا گورنر جو عبداللہ ابن زیاد تھا ہیں

ہزار کا لشکر لے کر حضرت حسینؓ کے مقابلے کے لئے سامنے آ گیا۔ اس لشکر میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنھوں نے یزید سے اس امید پر بیعت کی تھی کہ امام حسینؓ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے بعد آئندہ بڑے بڑے انعامات اور فائدے حاصل ہوں گے۔

امام حسینؓ کی شہادت...... جب یہ یزیدی لشکر حضرت امام حسینؓ کے سامنے پہنچا اور انہوں نے اس لشکر کی بے شمار تعداد دیکھی تو انہوں نے (لشکر سے ٹکرانا مناسب نہ سمجھا اور) ان کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات مان لیں۔

یا تو یہ کہ وہ یعنی حضرت حسینؓ جدھر سے آئے ہیں ادھر ہی لوٹ جائیں۔

یا یہ کہ وہ کسی سرحد کی طرف چلے جائیں۔

اور یا یہ کہ وہ سیدھے یزید کے پاس جائیں اور وہ جو چاہے کرے۔

مگر اس لشکر نے ان میں سے کوئی بھی بات نہیں مانی بلکہ مطالبہ کیا کہ حضرت حسینؓ لشکر کے سپہ سالار عبداللہ ابن زیاد کے حکم پر وہیں اتر جائیں اور یزید کے لئے بیعت دیں۔ اس کو ماننے سے حضرت حسینؓ نے انکار فرمادیا۔

آخر ان لوگوں نے حضرت حسینؓ کے ساتھ جنگ کی۔ حضرت حسینؓ بے شمار زخموں کی وجہ سے کمزور ہو کر زمین پر گر گئے اور دشمنوں نے فوراً ان کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ دس (۱۰) محرم ۶۱ھ میں پیش آیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ کا سر عبداللہ ابن زیاد کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔

ابن زبیرؓ کی یزید کے خلاف جدو جہد...... حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس مکے پہنچی تو وہ فوراً لوگوں کے مجمعوں میں پہنچے اور حضرت حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کو ایک عظیم حادثہ قرار دیا۔ اب وہ کھل کر یزید کے عیب اور برائیں بیان کرنے لگے اور اس کی شراب نوشی وغیرہ کا ذکر کرنے لگے۔ وہ بنی اُمیہ کی برائیں بیان کرتے اور انہیں تفصیل سے لوگوں کو بتلاتے۔

ابن زبیرؓ کے خلاف یزید کی قسم...... جب یزید کو یہ خبر پہنچی تو اس نے یہ قسم کھائی کہ حضرت ابن زبیرؓ کو بیڑیاں پہنا کر اپنے سامنے بلوائے گا۔ (اب قسم کا حال سن کر) شام کا ایک شخص حضرت ابن زبیرؓ کے پاس آیا۔ یہ شخص شاہی سواروں کے دستے میں کا تھا۔ اس نے حضرت ابن زبیرؓ سے بات چیت کی اور اس فتنے کو بہت اہم بتلایا۔ اس نے کہا۔

ابن زبیرؓ کو ایک مشورہ...... "آپ کی وجہ سے حرم کی سرزمین کو بھی وہ خوں ریزی سے نہیں بخشے گا کیونکہ یزید آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہے اور آپ میں اس کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ آپ کو بیڑیاں پہنا کر بلائے گا۔ میں نے آپ کے لئے چاندی کی بیڑیاں بنائیں ہیں آپ (یہ بیڑیاں پہن کر) ان پر کپڑے پہن لیں (تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے اور اس کے بعد یزید کے پاس جا کر) امیر المومنین کی قسم پوری کرا دیجئے۔ اس لئے کہ صلح میں انجام کار بہتری اور خیر ہے اور آپ کے شایان شان بھی ہے"۔

یہ سن کر حضرت ابن زبیرؓ نے فرمایا

"میں اپنے معاملے میں غور کروں گا"۔

اس کے بعد وہ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور اس بارے میں ان سے مشورہ کیا۔

انہوں نے کہا۔

"میرے بیٹے! عزت کے ساتھ زندہ رہو اور عزت کے ساتھ مرو۔ بنی اُمیّہ کو اپنے اوپر اس طرح قابو مت دو کہ وہ تمہارا کھیل بنالیں"۔

(حضرت اسماء کے اس مشورہ کے بعد) حضرت ابن زبیرؓ نے (اس شامی شخص کی) اس بات سے انکار کر دیا اور خاموشی اور رازداری کے ساتھ لوگوں سے اپنے لئے بیعت لینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے کھلم کھلا بیعت لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ حجاز کے علاقے کے سب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے جو حرّہ کی جنگ میں ناکام ہو چکے تھے۔

**یزید کا حملہ اور کعبے پر سنگ باری**...... اب یزید کا لشکر (حضرت عبداللہ ابن زبیر کے مقابلے کے لئے) مکے آگیا اور اس نے حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس لشکر نے منجنیق یعنی گوپھن سے حملہ کیا۔ یہ منجنیق انہوں نے ابو قبیسؔ پہاڑ پر نصب کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اقمرؔ پہاڑ پر نصب کی تھی۔ یہ دونوں پہاڑ مکے میں ہیں۔

غرض منجنیق کے حملوں سے کعبے کے غلاف اور چھت میں آگ لگ گئی اس لئے کہ قریش کے زمانے کی کعبے کی تعمیر اس طرح تھی کہ اس میں ایک ایک ردّا سال کی لکڑی کا تھا اور ایک ایک ردّا پتھر کا جیسا گزر چکا ہے۔

**سنگ اندازوں پر عتاب خداوندی**...... کتاب شرف میں ہے کہ عصر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر بجلی کا ایک کوندا عذاب کی صورت میں نازل فرمایا جس نے اس منجنیق کو جلا دیا اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے اٹھارہ آدمی بھی ہلاک کر دیئے جو سب شامی تھے۔

**لشکر کی سرکشی اور کعبے کی آہ و بکا**...... لشکر والوں نے (اس منجنیق کی بربادی کے بعد) ایک اور منجنیق بنائی اور اس کو بھی ابو قبیس پہاڑ پر نصب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ منجنیق کے ذریعہ سے کعبے میں جو آگ لگی جب وہ کعبے تک پہنچی تو اس میں اس طرح آہ آہ کی آواز آرہی تھی جیسے کوئی بیمار تکلیف میں کراہا کرتا ہے۔

**کعبے کی آتش زنی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیش خبری**...... کعبے میں آگ لگنے کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کعبے کو جلائے جانے کے متعلق پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا چنانچہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا اس وقت کیا حال ہو جائے گا جب کہ دین میں فتنے پیدا ہو جائیں گے، لالچ اور خوف و دہشت لوگوں میں عام ہو جائے گا اور بیت اللہ کو آگ لگانے کا واقعہ پیش آئے گا"۔

**مسئلہ تقدیر پر لوگوں کی چہ میگوئیاں**...... کتاب عرائس میں ہے کہ وہ پہلا دن جس میں لوگوں نے قضاء و قدر کے متعلق چہ میگوئیاں کیں یہی دن تھا۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ کعبہ کا جلنا تقدیر خداوندی تھا اور کسی نے کہا کہ نہیں تقدیر الٰہی میں سے نہیں تھا (بلکہ انسان کا اپنا کیا ہوا فعل ہے) کہا جاتا ہے کہ یہ بات ابو معبد جُہنی نے اور ایک قول کے مطابق ابوالاَسود دؤلی نے کہی تھی۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہی کہنے والا تھا۔

یہاں پہلے دن سے مراد یہ ہے کہ یہ پہلا دن تھا جس میں قضا و قدر کے متعلق لوگوں میں بحثیں اور چہ میگوئیاں ہوئیں (کیونکہ اس مسئلے پر یوں تو پہلے بھی صحابہ میں بات چیت اور سوالات ہوئے ہیں لیکن اس موقع پر اسی طرح یہ مسئلہ عوام اور خواص کی بحثوں کا موضوع بنا اس سے پہلے ایسا نہیں ہوا تھا) چنانچہ اس تشریح کے

بعد اب اس واقعہ کو ماننے میں کوئی شبہ نہیں پیش آتا کہ اس سے پہلے جنگ صفین کے وقت ایک شخص نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا کہ۔

"اے امیر المومنین! اس جنگ کے لئے ہمارے کوچ کے متعلق بتلائیے۔ کیا یہ تقدیر الٰہی کے تحت ہوا ہے"؟

حضرت علیؓ نے فرمایا

"ہاں قسم ہے اس ذات کی جس نے بیج کو پیدا کیا اور روح کو عدم سے وجود میں لایا کہ ہم جس سرزمین کو بھی روندتے ہیں، جس وادی سے بھی گزرتے ہیں اور جس بلندی پر بھی چڑھتے ہیں وہ صرف تقدیر الٰہی کے تحت ہی ہوتا ہے"۔

## جنگ صفّین

تشریح ..... جنگ صفین جس کا پچھلی سطروں میں ذکر آیا ہے اس کے متعلق راقم الحروف کتاب تاریخ ابو الفداء سے کچھ تفصیلات نقل کرتا ہے۔ یہ جنگ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان خلافت کے معاملے میں ہوئی تھی۔ حضرت عمرو ابن عاص امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ خلیفۃ المسلمین تھے اور اکثر علاقوں میں لوگ ان کی خلافت تسلیم کر کے ان کی بیعت کر چکے تھے مگر شام کے علاقے میں امیر معاویہؓ کا اثر تھا اور لوگ ان کی بیعت تسلیم کر کے ان کو خلیفہ قرار دے چکے تھے۔ اس بارے میں تاریخ ابو الفداء میں ہے کہ :۔

**حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات** ..... جنگ جمل کے بعد بصرہ فتح کر کے حضرت علیؓ نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر بنادیا اور خود کوفہ کی طرف کوچ کیا، کوفے میں انہوں نے قیام کیا اب عراق، مصرائین، حرمین یعنی مکہ اور مدینہ، فارس اور خراسان ان کے انتظام میں آچکے تھے اب ان کی خلافت سے باہر صرف شام کا علاقہ رہ گیا تھا جہاں حضرت امیر معاویہؓ تھے اور شام کے لوگ ان کے اطاعت گزار تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس جریر ابن عبد اللہ بجلی کو بھیجا تاکہ وہ امیر معاویہؓ سے حضرت علیؓ کے لئے بیعت لیں اور امیر معاویہ بھی دوسرے تمام مہاجر اور انصاری مسلمانوں کی طرح حضرت علیؓ کی اطاعت قبول کرلیں۔ چنانچہ جریر امیر معاویہ کے پاس پہنچے۔ امیر معاویہؓ بیعت دینے کے بجائے جریر کے ساتھ ٹال مٹول کرتے رہے۔ اس وقت حضرت عمرو ابن عاص فلسطین میں تھے (امیر معاویہؓ بیعت دینے میں یہ ٹال مٹول حضرت عمرو کے انتظار میں کر رہے تھے) آخر حضرت عمرو امیر معاویہ کے پاس پہنچ گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ شام کے لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ مانگتے ہیں (اور حضرت علیؓ سے ناراض ہیں) چنانچہ حضرت عمر نے شامیوں سے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو (اور اس طرح شامیوں کی ہمدردیاں امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو کے ساتھ اور زیادہ ہو گئیں۔

**امیر معاویہؓ اور عمرو ابن عاص حضرت علیؓ کے مقابلے میں** ..... ادھر امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں مل کر حضرت علیؓ سے جنگ کریں۔ ادھر حضرت عمرو نے امیر معاویہؓ سے ان کا ساتھ دینے کے لئے یہ شرط رکھ دی کہ اگر امیر معاویہؓ کو فتح ہوئی تو وہ مصر کا علاقہ حضرت عمرو ابن عاص کو دے

کر انہیں وہاں کا گورنر بنادیں گے امیر معاویہ نے ان کی یہ شرط منظور کرلی۔(اس سے پہلے مصر کے گورنر حضرت عمرو ہی تھے)۔

**حضرت علیؓ کے لشکر کا کوچ**......(اب جبکہ مصر حضرت علیؓ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا تو)انہوں نے حضرت سعد ابن عبادہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر کردیا تھا۔(اس کے بعد لکھتے ہیں :)

غرض جب حضرت عمرو ابن عاص فلسطین سے دمشق آکر امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے اور دونوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو حضرت علیؓ کے ایلچی جریر ابن عبداللہ سے فوراً حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان کو امیر معاویہ اور حضرت عمرو کے اس فیصلہ کی خبر دی حضرت علیؓ کوفہ سے فوج لے کر امیر معاویہؓ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ان کی مدد کے لئے بصرہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی اپنا لشکر لاکر ان کے ساتھ ہوگئے۔ادھر دمشق سے حضرت عمروؓ اور امیر معاویہؓ شامی لشکر لے کر حضرت علیؓ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔حضرت معاویہؓ آہستہ آہستہ چلے اور آخر صفین کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے پہنچ گئے۔

مگر بہت عرصہ تک (جنگ نہیں ہوئی)بلکہ معاملہ جوں کا توں رہا یہاں تک کہ ۳۶ھ ختم ہو کر ۳۷ھ شروع ہوگیا۔دونوں لشکر صفین کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اسی حالت میں محرم کا مہینہ بھی گزر گیا۔دونوں فوجوں میں اب تک جنگ شروع نہیں ہوئی تھی بلکہ گفت وشنید اور تحریروں کا تبادلہ ہوتا رہا جن کی تفصیل طولانی ہے۔

آخر صفر کے مہینہ میں جنگ شروع ہوگئی دونوں لشکروں کے بہت سے معرکے ہوئے۔ایک قول ہے کہ کُل نوّے (۹۰) معرکے ہوئے۔ صِفّین کے مقام پر دونوں لشکر ایک سو دس دن تک ٹھہرے۔

صِفّین کے مقام پر شامیوں (یعنی امیر معاویہؓ کے لشکر) کے قتل ہونے والوں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی۔اور عراقیوں (یعنی حضرت علیؓ کے لشکر)میں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار تھی۔ان میں چھبیس حضرات وہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔

حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک کہ خود دشمن فوج ہی جنگ شروع نہ کردے۔ اسی طرح وہ لوگ بھاگنے والوں کو قتل نہ کریں اور ان کے مال ودولت کو ہاتھ نہ لگائیں اور اسی طرح کسی کی بے پردگی نہ کریں۔تاریخ ابوالفداء جلد اص ۱۸۴ تا ۱۸۶

**تشریح**......اس جنگ کی مزید تفصیلات میں جانا غیر ضروری ہوگا۔بحث اس پر چل رہی تھی کہ بیت اللہ شریف کے جلنے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر پہلی بار لوگوں میں تقدیر اور قضاء وقدر کے مسئلے پر بحث مباحثے شروع ہوئے۔لوگ اس عظیم حادثے پر حیران و پریشان تھے اور کہتے تھے کہ آیا یہ حادثہ بھی تقدیر الٰہی کے تحت ہوا ہے اگر یہ تقدیر الٰہی ہے تو ایسا کیوں ہے !اتنے مقدس مقام کی بے حرمتی تقدیر الٰہی میں کیوں تھی !!اور اگر یہ تقدیر الٰہی تھی تو اس پر یزید یا اس کی فوجوں سے مقابلہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا!

**قضاوقدر پر بحث کے خلاف وعید**...... عوام اس قسم کے خیالات اور بحثوں میں الجھ کر رہ گئے تھے لیکن اس بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ تقدیر کے مسئلے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بہت سخت وعید ہے۔تقدیر کا مسئلہ اپنی جگہ اٹل اور ایک حقیقت ہے۔یہاں اس بارے میں مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے جس کو آگے مؤلف بھی پیش کررہے ہیں کہ انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے یعنی اس کے موجد حق تعالیٰ ہیں اور اس

فعل کا کسب اور ظہور انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے۔

جنگ صفین کے موقعہ پر بھی بعض لوگوں کو اسی قسم کا شبہ ہوا تھا کہ یہاں مسلمان کی جان مسلمان ہی کے ہاتھوں جا رہی ہے اور مومن کے مقابلے میں مومن ہی دشمن ہے تو آیا یہ تقدیر الٰہی کے تحت ہو رہا ہے یا یہ انسان کا اپنا فعل ہے کہ ہم یہاں صفین کے مقام پر آکر خود اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ کا جواب بھی نقل ہو چکا ہے۔ مرتب)

**منکرین تقدیر پر انبیاء کی لعنت**...... تقدیر کے مسئلہ میں شک اور شبہ پیدا کرنا اسی امت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ پچھلی امتیں بھی اس کا شکار ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ اس کی امت میں تقدیر سے انکار کرنے والے لوگ نہ رہے ہوں جو اس نبی کی امت کے لوگوں کو تشویش میں ڈالتے رہتے تھے۔ خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ نے ستّر نبیوں کی زبانوں کے ذریعہ قدریہ فرقے یعنی تقدیر سے انکار کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے"۔

**منکرین تقدیر مجوسیوں کی طرح ہیں**...... تقدیر سے انکار کرنے والوں کی مذمّت اور برائی کے سلسلے میں اس کے علاوہ بھی اور احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے ایک ہے کہ "۔

"قدریہ فرقے کے لوگ اس امت میں ایسے ہیں جیسے مجوسی یعنی آتش پرست لوگ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مریں تو ان کے جنازوں میں نہ شریک ہو"۔

**انکار تقدیر نصرانیت کا شعبہ ہے**...... اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ :۔

"تقدیر کے انکار سے ڈرو کیونکہ یہ نصرانیت کا ایک شعبہ ہے"۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے :۔

"میں اپنی امت میں تقدیر کے انکار کے فتنے سے ڈرتا ہوں"۔

**انکار تقدیر اور مجوسیت کا تعلق**...... (ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے اتنی سخت وعید فرمائی ہے اور اس بارے میں کسی قسم کا شک شبہ کرنے سے کتنی شدّت کے ساتھ روکا ہے)۔

پچھلی حدیث میں تقدیر کا انکار کرنے والوں کو اس امت کے آتش پرست کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ قدریہ میں ایک جماعت ایسی ہے جو یہ کہتی ہے کہ خیر اور بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور شر اور برائی خود بندے کی طرف سے ہوتی ہے (یعنی اس فعل میں نعوذ اللہ قضاء و قدر کا کوئی تعلق نہیں ہے) اس لئے قدریہ فرقے کی یہ جماعت مجوسیوں یعنی آتش پرستوں سے بہت مشابہ ہے کیونکہ مجوسی بھی دو معبودوں کے قائل ہوتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت (یعنی ایک یزداں اور ایک اہرمن) ان کا عقیدہ ہے کہ خیر اور بھلائی نور یعنی خدائے یزداں کی طرف سے آتی ہے اور شر اور برائی، ظلمت یعنی خدائے اہرمن کی طرف سے آتی ہے۔ یہ لوگ مانویہ فرقے کے ہیں (جو مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی مانی نامی شخص تھا جس نے کچھ نظریات اور عقیدے پیش کر کے لوگوں کو اپنا پیرو بنایا تھا۔ یہ شخص ایک زبردست مصور بھی تھا)۔

**انکار تقدیر اور نصرانیت کا تعلق**...... پیچھے بیان ہونے والی ایک حدیث میں۔ تقدیر سے انکار کرنے کو نصرانیت کا ایک شعبہ فرمایا گیا ہے اس لئے کہ فرقہ قدریہ (یعنی تقدیر کو نہ ماننے والے فرقے) کے اکثر لوگ یہ

عقیدہ رکھتے ہیں کہ خیر اور شر میں بندہ کے تمام افعال اور اعمال تقدیر الٰہی کی وجہ سے اس سے سرزد نہیں ہوتے بلکہ ان افعال اور اعمال کو خود بندہ اپنے اختیار اور اپنی قدرت سے کرتا ہے۔

اس طرح گویا فرقہ قدریہ نے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا (جو خود بندہ ہے جو نعوذ باللہ اپنے خیر اور شر کے افعال اور اعمال کا خالق ہے) بالکل اسی طرح جیسے نصرانیوں یعنی عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے چنانچہ قدریہ فرق کی یہ جماعت نصرانیوں کے بہت مشابہ ہے اور اسی لحاظ سے تقدیرات کا انکار نصرانیت کا ایک شعبہ ہو جاتی ہے (جیسا کہ گذشتہ حدیث میں فرمایا گیا ہے)۔

**مسئلہ تقدیر کا خلاصہ**...... (مؤلف علامہ حلبیؒ کہتے ہیں کہ) اس موضوع پر میں نے اپنی ایک کتاب "مصباح المنیر علی الجامع الصغیر" میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کتاب میں میں نے اس حدیث پر کہ۔ قدریہ فرقہ آخری زمانے میں میری امت کے بدترین لوگ پیدا کریں گے۔ بہت مکمل بحث کی ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ بندہ کے ہر فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ہر فعل کے موجد ہیں اور اس فعل کی نسبت بندہ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ بندہ اس فعل کا اکتساب اور اظہار کرتا ہے۔

**کعبے میں آتش زنی اور تجدید تعمیر کا ایک اور سبب**...... (اس کے بعد پھر اصل موضوع یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے چند سبب پیچھے بیان ہو چکے ہیں) ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ایک عورت نے بیت اللہ کو دھونی دی۔ اس میں سے ایک چنگاری اڑ کر بیت اللہ کے غلاف پر لگ گئی جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ تو گویا اس وجہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر نے کعبے کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ اس سے پہلے جو وجہ بیان کی گئی ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ) ممکن ہے دونوں ہی وجہیں رہی ہوں۔

کعبے کو دھونی دینے اور اس سے غلاف کعبہ میں آگ لگ جانے کا ایک واقعہ قریش کے زمانے میں بھی بتلایا گیا ہے لیکن اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے یہی واقعہ دو دفعہ پیش آیا ہو جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

بعض علماء نے مسجد کو دھونی دینے کو بدعت بتلایا ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو مکروہ بتلایا ہے (کہ مسجد کو خوشبوئیں وغیرہ جلا کر دھونی دی جائے)۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا غلام مسجد نبوی میں اس وقت خوشبوئیں وغیرہ جلایا کرتا تھا جبکہ حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

**حضرت اسماعیلؑ کے بدلے ذبح کردہ مینڈھے کے سینگ**...... (غرض جب گوپھن کی وجہ سے یا دھونی کی وجہ سے) کعبہ میں آگ لگی تو اس کے ساتھ ہی اس مینڈھے کے وہ دونوں سینگ بھی جل گئے جو حضرت اسماعیلؑ کی جان کے بدلے میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیج کر) قربان کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ دونوں سینگ کعبے کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں:۔ ان سینگوں کو چھت میں غالباً بعد میں لٹکایا گیا جبکہ اس سے پہلے یہ میزاب (یعنی کعبے کے پرنالے) میں لٹکے ہوئے تھے۔ کیونکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب اسلام آیا تو اس وقت اس مینڈھے کا سر دونوں سینگوں کے ساتھ کعبے میں میزاب یعنی پرنالے میں لٹکا ہوا تھا۔

جہاں تک ان سینگوں کے چھت میں لٹکا ہوا ہونے کا تعلق ہے اس کی دلیل میں حضرت صفیہ بنت

شیبہ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ عثمان ابن طلحہ سے پوچھا۔
"رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ سے باہر نکلنے کے بعد تمہیں کیوں بلایا تھا"؟
انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے مجھ سے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ۔
"میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگ بیت اللہ میں دیکھے مگر میں اس وقت تم کو یہ ہدایت کرنا بھول گیا کہ ان سینگوں کو ڈھانپ دو۔ اس لئے اب تم ان کو ڈھانپ دو کیونکہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز ہو جس سے نمازیوں کا خیال بٹ جائے"۔

یہ مینڈھا اور ہابیل کی نیاز...... علامہ جلال محلی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ مینڈھا جو اسماعیلؑ کے بدلے میں قربان کیا گیا وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے اپنی نذر کے طور پر پیش کیا تھا (اس کی تفصیل ہابیل اور قابیل کے واقعہ میں سیرت حلبیہ اردو کے پچھلے صفحات پر گزر چکی ہے مگر وہاں مینڈھے کے بجائے ہابیل کی نیاز میں دنبہ کا ذکر کیا گیا ہے) غرض اسی مینڈھے کو اسماعیلؑ کے فدیہ میں قربان کرنے کے لئے) جبرئیلؑ لے کر آئے تھے۔
چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے تکبیر پڑھتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اب یہ کہا جائے گا کہ اس کا مطلب ہے ہابیل کی نیاز کو اس آگ نے نہیں کھایا تھا جو اس وقت (ہابیل کی نیاز کی قبولیت کی علامت کے طور پر) آسمان سے اتری تھی بلکہ وہ آگ اس مینڈھے یا دنبے کو آسمان پر اٹھا لے گئی تھی۔ لہذا اب جن علماء نے اس نیاز کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ اس کو آگ نے کھا لیا تھا۔ ان کے متعلق یہ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے اس معاملے میں ڈھیل کی (اور آگ کے اٹھائے جانے کو آگ کے کھا لینے سے تعبیر کیا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے اپنی نیاز میں پیش کیا تھا۔
جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا:۔
"ابراہیمؑ نے جس چیز کو (اسماعیلؑ کی جان کے بدلے میں قربان کیا وہ کیا چیز تھی (یعنی اس کی اصل کیا تھی"؟
جبرئیلؑ نے فرمایا۔
"وہی چیز جو آدمؑ کے بیٹے نے اپنی نیاز میں پیش کی تھی"۔
بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اس مینڈھے کی عظمت کا سبب...... کہا جاتا ہے کہ اس مینڈھے کے ذبیحہ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الآیۃ پ ۲۳ سورۂ صٰفّٰت ع ۳)
ترجمہ:۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیح اس کے عوض دے دیا۔
تو اس کی عظمت کا سبب یہ ہے کہ یہ مینڈھا چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا ہے۔

موت کی صورت میں موت...... اس مینڈھے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے خاص اسی مقصد کے لئے اسی وقت پیدا فرما دیا تھا۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ مینڈھا موت کی صورت میں موت ہی کے لئے فدیہ کر دیا گیا۔

تشریح...... موت کی صورت میں موت دیئے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یوم حشر کے بعد جب سب کا حساب کتاب ہو چکے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ چکے ہوں گے اس وقت جنتیوں کے دل میں ایک خلش ہوگی جس کی وجہ سے وہ جنت کی نعمتوں سے پورا لطف نہ اٹھا سکیں گے اور یہ خلش موت کا تصور ہوگا کہ ممکن ہے پھر موت آجائے اور جنت کے عیش و آرام سے ہم محروم ہو جائیں۔ اسی طرح دوزخیوں کے دلوں میں ایک امید ہوگی جو جہنم کے عذاب میں بھی ان کے لئے سہارا اور آسرا ہوگی اور وہ بھی موت کا تصور ہوگا کہ ممکن ہے ایک دن ہمیں موت آجائے اور ہم اس زبردست عذاب سے چھٹکارا پا جائیں۔

تب موت کے فرشتے عزرائیلؑ کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اس موت کو بھی موت دے دی جائے گی تاکہ جنتیں کے دلوں سے ہمیشہ کے لئے یہ خلش بھی نکل جائے اور جنمیوں کے دلوں سے ہمیشہ کے لئے یہ امید بھی ختم ہو جائے۔

یہاں موت کی صورت میں موت کا مطلب یہی ہے کہ مینڈھے کو جان کے فدیئے میں موت کے سپرد کیا گیا جب کہ موت کی اپنی شکل بھی مینڈھے کی جیسی بنا کر پیش کی جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مرتب)

بہرحال یہ سب امکانات اسی صورت میں ہیں جبکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ہابیل نے اپنی نیاز میں جو جانور پیش کیا تھا وہ مینڈھا تھا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ جانور ایک موٹا تازہ اونٹ تھا۔ مگر یہ قول صرف قاضی بیضاوی کا ہے۔ بہرحال یہ تمام روایات آپس میں مطابقت کی محتاج ہیں اگر ان سب کو صحیح مانا جائے۔

یزید کی موت...... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعہ یعنی بیت اللہ میں آگ لگنے کے متعلق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) اس آگ سے حجر اسود تین جگہوں سے پھٹ گیا تھا۔

ادھر جب یزیدی لشکر نے مکے میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا اسی دوران میں یزید کی موت کی خبر آئی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو یزید کی موت کے متعلق خود یزیدی لشکر سے بھی پہلے معلوم ہو گیا تھا لشکر کے لوگ شامی تھے چنانچہ حضرت ابن زبیرؓ نے شامیوں میں اعلان کیا۔

"اے شام کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس سرکش سربراہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ مراد یزید ہے۔ اس لئے اب تم میں سے جو یہ چاہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح میری بیعت قبول کر لے تو اس کو اجازت ہے اور جو شخص اسی طرح واپس جانا چاہے اس کو بھی اجازت ہے"۔

یہ خبر سن کر لشکر ایک دم بکھر گیا۔ کچھ لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت پر بیعت کر لی اور ظاہری طور پر ان کی اطاعت میں داخل ہو گئے۔

امیر لشکر کی طرف سے ابن زبیرؓ کو پیشکش...... کہا جاتا ہے کہ لشکر کے امیر یعنی عبداللہ ابن زیاد نے اس خبر کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس درخواست کی کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ دونوں آدمی یعنی ابن زیاد اور حضرت ابن زبیرؓ اپنی صفوں سے نکل کر ایک دوسرے کی طرف چلے یہاں تک کہ دونوں کے گھوڑوں کے سر ایک دوسرے سے مل گئے۔ ابن زیاد کا گھوڑا بدکنے اور بھڑکنے لگا۔ حضرت ابن زبیر نے ابن زیاد سے پوچھا کہ کیا ہو گیا ہے تو ابن زیاد نے کہا۔

"اس گھوڑے کے پیر کے نیچے حرم کا کبوتر آگیا ہے اور یہ اس کو پسند نہیں کر رہا ہے کہ اس کو روند ڈالے"۔

حضرت ابن زبیر نے فرمایا۔

"تیرا گھوڑا تو یہ کر رہا ہے اور تو مسلمانوں کو قتل کرنے آیا ہے!؟"

ابن زیاد نے کہا۔

"آپ ہمیں اس کی اجازت دے دیجئے کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں اس کے بعد ہم اپنے ملک کو واپس چلے جائیں گے"۔

حضرت ابن زبیر نے اس کو اجازت دے دی اور انہوں نے کعبے کا طواف کیا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت ابن زبیرؓ سے کہا۔

"اگر یہ شخص یعنی یزید واقعی ہلاک ہو چکا ہے تو آپ ہی اس خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق ہیں اس لئے آپ میرے ساتھ شام چلئے۔ خدا کی قسم وہاں دو آدمی بھی آپ کی مخالفت کرنے والے نہ ہوں گے"۔

مگر حضرت ابن زبیرؓ نے ابن زیاد کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا اور اس کو برا بھلا کہا چنانچہ وہ اسی وقت واپس لوٹ گیا اور یہ کہتا جاتا تھا۔

"میں اس شخص سے سلطنت کا وعدہ کر رہا ہوں اور یہ مجھ سے قتل کا وعدہ کر رہا ہے"۔

**ابن زبیرؓ کا مزاج**...... اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کا ایک خاص مزاج تھا جو خلافت کے مناسب نہیں تھا اور وہ بد اخلاقی اور بہت زیادہ اختلاف رائے کا مزاج تھا۔

**تشریح**...... (مگر یہ بات نامناسب اور خلاف ادب ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ بڑے جلیل القدر صحابی اور حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ جیسی بلند مرتبہ ہستی کے بھانجے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسی باعظمت شخصیت کے نواسے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق اس قسم کا قول مناسب نہیں ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ صاف گو اور بے لاگ مزاج رکھتے تھے اور صاف گوئی کو عام طور پر بد اخلاقی پر محمول کر لیا جاتا ہے۔ بے لاگ انسان اگر کسی معاملے میں اپنی ذاتی رائے رکھتا ہے تو صاف دلی کے ساتھ اپنی رائے پیش کر دیتا ہے جو مقابل کو گراں گزر سکتی ہے اور وہ اس کو ضد اور بد اخلاقی سے تعبیر کرتا ہے۔ بہر حال حقیقت واقعہ جو بھی ہو مگر ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں یہ الفاظ خلاف ادب ہیں۔ خاص طور پر یزید اور اس کے ساتھیوں کی بات قبول نہ کرنا تو بالکل سامنے کی بات ہے کہ ان کے دھوکے اور فریب پہلے بھی ظاہر ہو چکے تھے۔ مرتب)۔

**شام و مصر میں سیاسی تغیرات**...... غرض اس کے بعد تمام علاقے حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت و خلافت میں شامل ہو گئے صرف مصر اور شام رہ گئے کیونکہ ان علاقوں پر معاویہ ابن یزید ابن معاویہ کی موت کے بعد مروان ابن حکم غالب آگیا تھا۔ یزید ابن معاویہ کا یہ بیٹا جس کا نام بھی معاویہ تھا صرف چالیس دن اور ایک قول کے مطابق صرف بیس دن خلافت کر سکا کیونکہ مروان نے دمشق میں حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حضرت ابن زبیرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے بھائی کو مدینے میں اپنا نائب بنایا تھا تو ان کو حکم دیا کہ بنی امیہ کو وہاں سے جلاوطن کر کے شام کی طرف دھکیل دیں۔ ان لوگوں میں مروان اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی تھا۔ اب جب مروان نے دمشق میں ابن زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک جماعت نے اس

کے اس فیصلہ کو ناپسند کیا اور اس سے کہا۔

"آپ قریش کے بزرگ اور سردار ہیں۔ ابن زبیرؓ نے آپ کے خاندان والوں کے ساتھ جو کچھ بھی معاملہ کیا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے حالانکہ آپ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق ہیں"۔

مروان کو یہ بات پسند آگئی اور اس نے ان لوگوں کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد مروان نے نو مہینے تک خلافت کی۔ یہ بنی امیہ کے خلفاء میں سے چوتھا خلیفہ تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک نے حکومت سنبھالی۔ اسلام آنے کے بعد یہ پہلا شخص ہے جس کا نام عبدالملک رکھا گیا۔

عبدالملک نے اپنے بعد کے لئے اپنے چاروں بیٹوں کو اپنا سلسلہ وار ولی عہد بنادیا جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ولید پھر سیلمان پھر یزید اور پھر ہشام۔ مگر عمرو ابن سعید نے دعویٰ کیا کہ مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک کے بعد اس کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اس دعویٰ کی وجہ سے عبدالملک کو بہت پریشانی تھی چنانچہ اس نے جلد ہی عمرو ابن سعید کو دمشق میں متعین کردیا۔ وہ یہیں تھا کہ عبدالملک نے اس کو قتل کرادیا۔

**عبدالملک کی ابن زبیرؓ کے خلاف لشکر کشی!**...... ابن ظفر نے لکھا ہے کہ :۔

جب عبدالملک حضرت ابن زبیرؓ سے جنگ کرنے کے لئے نکلا تو اس کے ساتھ عمر ابن سعید بھی تھا مگر اس کی نیت میں کھوٹ تھا اور وہ خلافت کو حاصل کرنے کی فکر میں تھا چنانچہ جب یہ دمشق سے روانہ ہو کر چند دن کی مسافت تک پہنچے تو عمرو ابن سعید نے بیماری کا بہانہ کردیا اور عبدالملک سے واپس دمشق جانے کی اجازت مانگی۔ عبدالملک نے اس کو اجازت دے دی۔

**عبدالملک کے خلاف بغاوت**...... جب یہ واپس دمشق پہنچا تو فوراً ہی مسجد میں جاکر منبر پر چڑھا اور خطبہ دیا جس میں عبدالملک کی برائیاں بیان کیں اور لوگوں کو اس پر اکسایا کہ وہ عبدالملک کی بیعت توڑدیں چنانچہ لوگوں نے عمرو ابن سعید کے اس مشورے پر لبیک کہا اور خود اس کی خلافت کو مانتے ہوئے اس سے بیعت کرلی۔ اس طرح دمشق پر عمرو ابن سعید کی حکومت قائم ہوگئی اس نے شہر کی دیواریں وغیرہ مضبوط کرلیں اور لوگوں کو خوب انعام واکرام دے کرر جھالیا۔

عبدالملک جو حضرت ابن زبیرؓ کے مقابلے کے لئے جارہا تھا اس کو جب عمرو ابن سعید کی غدّاری کا حال معلوم ہوا تو اس کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حضرت ابن زبیرؓ کے مقابلے پر جانے کا ارادہ ختم کردے اور واپس دمشق پہنچ کر اس بغات سے نمٹنے کی کوشش کرے۔ ان لوگوں نے عبدالملک سے کہا۔

**بغاوت کی سرکوبی**...... "جہاں تک عبداللہ ابن زبیرؓ کا معاملہ ہے تو وہ اب تک آپ کی اطاعت اور بیعت میں داخل ہی نہیں ہوئے نہ ہی آپ کی حکومت پر انہوں نے حملہ کیا ہے اس لئے ان سے جنگ کے واسطے نکلنے میں آپ کی حیثیت ایک ظالم کی سی بنتی ہے۔ لیکن اگر آپ عمرو ابن سعید کے مقابلے کے لئے واپس ہوں گے تو آپ کی حیثیت ایک مظلوم کی سی ہوگی کیونکہ اس نے آپ کی بیعت توڑی ہے، آپ کی امانت میں خیانت کی ہے لور وہاں کے عوام میں فتنہ پھیلا ہے"۔

اس مشورہ پر عبدالملک واپس دمشق پہنچا لور وہاں اس نے بغاوت کو کچل کر عمرو ابن سعید کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔

**کعبے کی تجدید تعمیر کا ایک اور سبب**...... (اس تفصیل کے بعد پھر تعمیر کعبہ کے متعلق بیان کرتے ہیں

ک ) عبد اللہ ابن زبیرؓ کے کعبے کو تعمیر کرانے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مکے میں ایک سیلاب آیا جس سے مکے کی عمارت ٹوٹ گئی (اور بیت اللہ اور حرم میں پانی بھر گیا) چنانچہ عبد اللہ ابن زبیر نے تیر کر طواف کیا۔
(ی)۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تعمیر کے دونوں سبب رہے ہوں یعنی کعبے کا جل جانا بھی اور سیلاب سے کعبے کی عمارت کو نقصان پہنچنا بھی!

حضرت ابن زبیرؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو اپنے حاضرین سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ آیا بیت اللہ کی عمارت ڈھا کر دوبارہ بنائی جائے۔ ان لوگوں میں جن سے مشورہ کیا گیا حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ بھی موجود تھے۔

لوگ بیت اللہ کو ڈھانے کے خیال سے ڈرے اور انہوں نے کہا۔

"ہماری رائے ہے کہ عمارت کو جو نقصان پہنچا ہے آپ اس کی مرمّت کرا دیجئے مگر کعبے کو ڈھانے کا ارادہ نہ کیجئے"۔

حضرت ابن زبیرؓ نے کہا۔

"اگر آپ لوگوں میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس کی پوری درستگی اور مرمّت کرنا ہی پسند کرے گا اور اس کی مرمّت اور درستگی اس کو ڈھا کر بنائے بغیر نہیں ہو سکتی"۔

**تجدید تعمیر سے متعلق فرمان نبوت سے دلیل**...... ادھر حضرت ابن زبیرؓ کی خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم یعنی قریش نے جب کعبے کی تعمیر کی تو اس کو ابراہیمؑ کی بنیادوں سے کم کر دیا تھا کیونکہ ان کے پاس پیسے کی کمی ہو گئی تھی۔ اگر تمہاری قوم جاہلیت کے دور سے اتنی قریب نہ ہوئی یعنی نئے نئے جاہلیت سے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ۔ اگر لوگوں کو جاہلیت سے نکلے ہوئے کچھ زمانہ گزر چکا ہوتا یعنی جاہلیت کے دور سے قریب نہ ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ اگر لوگ حال ہی میں کفر سے نکلے ہوئے نہ ہوتے تو میرے پاس اگر اس کی تعمیر کے لئے روپیہ بھی نہ ہوتا تو میں اس کو گرا کر (پھر بناتا اور) اس کے پیچھے بھی ایک دروازہ بناتا۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ۔ اس میں ایک دروازہ داخل ہونے کے لئے بناتا اور اس کی سیدھ میں (دوسری طرف) ایک درواز باہر نکلنے کے لئے بناتا۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ ایک دروازے اس کی مشرقی جانب میں بناتا اور ایک مغربی جانب میں بناتا اور دروازہ کو زمین کے برابر رکھتا (ی) جیسا کہ ابراہیمؑ کے زمانے میں تھا (کیونکہ قریش نے خزانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے دروازے کو اتنا اونچا بنا دیا تھا کہ کوئی شخص بغیر اجازت کے اور سیڑھی لگائے بغیر کعبے میں داخل نہ ہو سکے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) اور حجر اسود کو اس عمارت میں داخل کر کے نصب کرتا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ حجر اسود کو تقریباً چھ گز...... اندر کی طرف نصب کرتا"۔

ایک روایت میں سات گز سے کچھ زیادہ کے لفظ ہیں اور ایک روایت میں سات گز کے قریب کے لفظ ہیں بہر حال الفاظ کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو کس قدر باہر نکال دیا تھا۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جتنا قریش نے حجر اسود کو باہر نکال دیا ہے میں اس کو اتنا ہی پھر داخل کر دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو ابراہیمؑ کی بنیاد پر ہی رکھتا۔ اس طرح کہ حجر اسود

کو کعبے میں اور زیادہ داخل کر کے نصب کرتا۔

**رسول اللہ ﷺ کی خواہش اور تامل**...... یہ گویا اسی مقدار کے برابر ہوتا جتنا قریش نے اس کو باہر نکال دیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ قریش کے دل اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ ان کی تعمیر کو ڈھا دیا جائے جس کو وہ اپنے انتہائے شرف اور اعزاز کا نشان سمجھتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ (جو حال ہی میں اپنی پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اندھیرے سے نکلے تھے کہیں) پھر اسلام سے منہ نہ موڑ لیں۔

**گذشتہ تعمیروں میں بنیاد ابراہیمی کی پابندی**...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جس نے بھی کعبے کی نئی تعمیر کی اس نے ابراہیمؑ کی بنیاد پر ہی تعمیر کی۔ صرف قریش ایسا نہ کر سکے اس لئے کہ ان کے پاس حلال کمائی کا چندہ کم پڑ گیا تھا۔

یہ بات اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ ابراہیمؑ کے بعد اور قریش سے پہلے جس نے بھی کعبے کی تعمیر کی وہ مکمل تعمیر کی۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کعبے کی مرمّت اور درستگی کی۔ اس لئے جو قول ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ نہیں ہے جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر ایک نے اس عمارت کو ابراہیمؑ کی بنیادوں پر باقی رکھا۔

**ابن عباس کی طرف سے نئی تعمیر کی مخالفت**...... (قال) حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے جب کعبے کو ڈھا کر دوبارہ بنانے کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی ان کو اس ارادہ سے روکنے کی کوشش کی تھی) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ سے کہا۔

"اس تعمیر اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دو جن پر مسلمانوں نے اسلام قبول کیا ہے اور جن پر یعنی جن کے دور میں رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملی۔ اس لئے کہ ممکن ہے تمہارے بعد کوئی دوسرا آئے اور وہ بھی اس تمہاری تعمیر کو ڈھا کر نئی بنائے اور پھر یہ کعبہ اسی طرح ڈھایا اور بنایا جانے لگے۔ اس طرح لوگوں میں اس کی بے حرمتی ہوگی۔ اس لئے آپ (اس کو گرا کر نئی عمارت بنانے کے بجائے) اس تعمیر کو اور اونچا کر دیجئے"۔

**ابن زبیرؓ کا استخارہ**...... اس پر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کہا۔

"میں اس معاملے میں تین مرتبہ اپنے پروردگار سے استخارہ کرتا ہوں اس کے بعد کچھ کروں گا"۔

جب تین دن گزر گئے تو استخارہ میں یہی بات آئی کہ اس عمارت کو ڈھا کر نئی بنائی جائے (لوگ چونکہ دہشت زدہ تھے اس لئے) وہ اس سے دور رہنے لگے۔ وہ ڈر رہے تھے کہ جو پہلا آدمی بھی اس کو گرانے کا ارادہ کرے گا اس پر کوئی آسمانی بلا نازل ہوگی۔

آخر ایک آدمی کعبے پر چڑھا اور اس نے اس میں سے ایک پتھر توڑ کر گرا دیا۔ اب لوگوں نے دیکھا کہ اس شخص کو کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کے ساتھ لگ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے آدمی جنہوں نے کام شروع کیا خود حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ تھے (جب عمارت کو گرانے کا کام شروع کیا گیا تو بہت سے لوگ مکے سے نکل کر منیٰ میں چلے گئے تھے ان میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی تھے۔ یہ لوگ وہاں اس ڈر سے تین دن تک ٹھہرے رہے کہ کعبے کو گرانے کی وجہ سے وہ کسی سخت عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔

**حبشی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی**...... حضرت ابن زبیرؓ نے کعبے کو گرانے کے لئے

حبشیوں کی ایک جماعت کو اس امید میں حکم دیا تھا کہ ممکن ہے کہ ان میں ہی وہ حبشی شخص ہو جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ وہ کعبے کی تعمیر کو ڈھائے گا۔

مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس حبشی شخص کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ کعبے کی تعمیر کو ڈھائے گا، اس کا حلیہ اور شکل و صورت بھی بیان کی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا۔

"گویا میں اس کو سامنے ہی دیکھ رہا ہوں کہ وہ سیاہ فام ہے اور پھیلی ہوئی ٹانگوں والا یعنی بانڈا آدمی ہے اور ایک ایک پتھر کر کے توڑ رہا ہے"۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ پھیلی ہوئی ٹانگوں والا ہونے کے علاوہ اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی، ناک چپٹی ہو گی اور پیٹ بڑا ہو گا۔ یہ بھی آتا ہے کہ اس کے سر کے اگلے حصہ کے بال گر چکے ہوں گے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ چھوٹے سر والا ہو گا اور چھوٹے کانوں والا ہو گا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہو گا جو ایک ایک پتھر کر کے توڑ رہے ہوں گے اور انہیں لے جا کر سمندر میں پھینک رہے ہوں گے۔

(اب حضرت ابن زبیرؓ نے اگرچہ اسی امید میں حبشیوں سے تعمیر کعبہ کو گرانے کا کام لیا تھا مگر) پتھروں کو سمندر کی طرف لے جا کر پھینکنے کی بات اس وقت پوری نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح یہ حلیہ بھی اس وقت پورا نہیں اتر رہا تھا۔

**علامات قیامت**...... جہاں تک حبشیوں کے کعبے کو ڈھانے کا تعلق ہے وہ اس وقت ہو گا جب کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو چکی ہو گی اور (دنیا میں گمراہی اتنی عام ہو چکی ہو گی کہ) قرآن پاک سینوں اور کتاب میں سے اٹھ چکا ہو گا۔

(ی) حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت سب سے پہلے جو چیز اٹھ جائے گی وہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہو گی اور دوسرے قرآن پاک ہو گا۔ نعمتوں میں جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ شہد ہو گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ کعبے کو عیسیٰؑ کے زمانے میں ڈھایا جائے گا۔

اب ان دونوں روایتوں میں مطابق اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ کعبے کا کچھ حصے عیسیٰؑ کے زمانے میں ہی ڈھایا جائے گا مگر جب ان یعنی ڈھانے والوں کو ایک خوفناک دھماکہ سنائی دے گا تو وہ ڈر کر بھاگ جائیں گے پھر جب عیسیٰؑ کی وفات ہو جائے گی تو کعبے کو ڈھانے کا کام پورا کیا جائے گا۔

**بنیاد ابراہیمی**...... غرض حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کعبے کو ڈھانے کا کام شروع کیا یہاں تک کہ وہ ان اصل نشانات کی بنیاد نظر آگئی انہوں نے دیکھا کہ یہ بنیاد تقریباً چھ گز تک حجر اسود میں شامل تھی۔ اس بنیاد کے پتھر اونٹ کی گردنوں کی طرح سے تھے یہ سرخ رنگ کے پتھر تھے جو ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے جیسے انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کی جاتی ہیں۔

یہیں ان کو حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کی قبر ملی۔ اس بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کو یہاں پر خود حضرت اسماعیلؑ کی قبر نہیں ملی تھی۔ اس سے وہ قول ثابت ہوتا ہے جس میں ہے کہ اسماعیلؑ کی قبر حجر اسود کی جگہ کی سیدھ میں دوسری جانب تھی خود حجر اسود کی جگہ پر نہیں تھی (جبکہ ان کی والدہ کی قبر خاص اسی جگہ تھی) جیسا کہ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ وہ سبز پتھروں کے چوکے کے نیچے تھی۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

**قدیم بنیاد ابراہیمی پر ممتاز لوگوں کی گواہی**...... غرض (ابراہیمؑ کی بنیاد کے سامنے آنے پر حضرت ابن

زبیرؓ نے ممتاز لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کو بلایا اور ان کو یہ بنیاد دکھلائی۔

عبداللہ ابن مطیع عدوی نے جب بیت اللہ کے کونوں میں سے ایک کونے میں اپنی کدال ڈالی تو اس سے سارے کونے لرز اٹھے اور بیت اللہ کے کنارے کانپ اٹھے ساتھ ہی اس کی وجہ سے پورے مکے میں ایک زبردست حرکت پیدا ہوئی اور یہاں سے ایک اتنا زبردست کوندا لپکا کہ مکے کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں اس کی روشنی نہیں دیکھی گئی۔ اس کی وجہ سے مکے والے سخت خوفزدہ ہوگئے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔ یہ بات قریش کی تعمیر کے بیان میں بھی گزر چکی ہے کہ قریش کعبے کو ڈھانے کے دوران سبز پتھروں تک پہنچے جو ایک دوسرے میں پیوست تھے اور یہ کہ ایک شخص نے جب ان میں سے دو پتھروں کے درمیان اپنی کدال ڈالی تو اس وقت بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ یہ پتھر سبز رنگ کے تھے یا سرخ رنگ کے تھے اس لئے کہ ممکن ہے ان پتھروں کی سرخی ہلکی اور صاف نہ ہو بلکہ اتنی گہری سرخی ہو جو سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے اسی وجہ سے اس رنگ کو نیلگوں رنگ سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے اور سیاہ رنگ کو سبز کا ہی یعنی گہرا سبز کہا جاتا ہے جیسا کہ کاہی سبز رنگ کو سیاہ بھی کہہ دیا جاتا ہے اور ہلکے سبز رنگ کو نیلے رنگ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

**کعبے کی اونچائی میں اضافہ**...... حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے (کعبہ کی پرانی عمارت ڈھانے کے بعد) اس کی بنیادوں پر سترے یعنی نشانات کھڑے کر دائیے جن کی وجہ سے لوگ ان نشانات کے مطابق طواف کرتے رہے یہاں تک کہ نئی عمارت بن گئی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے نئی عمارت کو قریش کی بنائی ہوئی عمارت سے نو گز اور زیادہ اونچا کر دیا اور اس طرح اب عمارت کی کل اونچائی ستائیس گز ہوگئی۔ بعض علماء نے اس سے چوتھائی گز اور زیادہ بتلائی ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ نے یہ نئی عمارت آنحضرت ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے اس ارشاد کے مطابق ہی بنائی جو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا تھا (اور جس کی تفصیل پچھلے صفحوں میں گزر چکی ہے) چنانچہ انہوں نے حجر اسود کو تعمیر کے اندر داخل کیا۔ اس لئے کہ ممکن ہے حجر اسود کو عمارت ہی کا ایک حصہ بنانے کے متعلق انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہو چنانچہ انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے مقابلے میں جو دوسری گذشتہ روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود بیت اللہ کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ بیت اللہ سے چھ گز سے کچھ زائد یا سات گز کے قریب تھا۔ ان پر عمل نہیں کیا۔

**نئی تعمیر کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت**...... یہاں ایک شبہ ہوتا ہے حضرت ابن زبیرؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حجر اسود کو کعبے کی عمارت میں شامل کر دیا۔ یہ بات تو اس پچھلے قول کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ قریش نے حجر اسود کو اصل عمارت سے علیحدہ نصب کر دیا تھا کیونکہ اگر ابراہیمؑ کی بنیاد اور نشانات (جن سے قریش نے کعبے کی تعمیر کو پیسہ ختم ہو جانے کی وجہ سے کم کر دیا تھا) پورے حجر اسود سے باہر تھی تو یہ بات ٹھیک رہتی ہے (کہ ابن زبیرؓ نے حجر اسود سے آگے تک اصل بنیادوں پر کعبے کی تعمیر بنائی اور حجر اسود کو تعمیر کے اندر لے لیا) لیکن اگر وہ بنیاد اور نشانات پورے حجر اسود سے باہر یعنی آگے تک نہیں تھے (تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابن زبیرؓ نے اصل اور قدیم بنیادوں پر تعمیر اٹھانے کے بعد حجر اسود کو اس کی جگہ سے پیچھے سرکا کر تعمیر میں داخل کیا۔

لہٰذا) کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے یہ تبدیلی (اور کمی) کیسے کی۔ اس کے بجائے انہوں نے اسی کے مطابق تعمیر کیوں نہیں اٹھائی جبکہ ان کی خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان سے یہ حدیث بیان کر دی تھی جو آگے آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے (حجتہ الوداع کے موقعہ پر حرم میں) یہ بات فرمائی تھی کہ۔

"اگر میرے بعد تمہاری قوم کعبے کی نئی تعمیر کا ارادہ کرے تو آؤ میں تمہیں وہ حصے دکھلا دوں جو قریش نے (تعمیر کے وقت عمارت میں شامل کرنے سے) چھوڑ دیئے تھے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تقریباً چھ گز کا حصہ ایسا دکھلایا (جو تعمیر میں شامل نہیں ہو سکا تھا)

(تو گو اس حدیث کی روشنی میں عمارت کعبہ کو آگے بڑھانا تھا نہ کہ اس میں کمی کرنا۔ لہٰذا ابن زبیر نے حجر اسود کو پیچھے سرکا کر اس میں کمی کیسے کی۔ حالانکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا قریش نے حجر اسود کو اصل عمارت سے تقریباً چھ گز ہی علیٰحدہ کر دیا تھا جس کا مطلب ہے کہ حجر اسود صحیح جگہ پر تھا اور عمارت کو وہاں تک بڑھا کر حجر اسود کو صرف تعمیر میں لے لینا تھا نہ کہ اسے اس کی جگہ سے سرکا کر تعمیر میں شامل نہ کرنا) بہر حال یہ بات قابل غور ہے)۔

اس نئی تعمیر میں حضرت ابن زبیرؓ نے پچھلی جانب میں بھی ایک دروازہ بنایا اور اس کو سامنے کے دروازے کی سیدھ میں اسی طرح بنیاد کے برابر رکھا (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی)۔

حجر اسود کی مضبوطی کے لئے چاندی کا حلقہ...... (قال) غرض تعمیر اتنی اونچی ہو گئی جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ پچھلی عمارت کو ڈھانے کے وقت یہ بات سامنے آئی تھی کہ آگ کی وجہ سے حجر اسود پھٹ گیا ہے اس لئے حضرت ابن زبیرؓ نے اس میں چاندی بھروا کر اس کو جھلوا لیا اور مضبوط کرا دیا تھا۔ پھر انہوں نے کعبے کو گرائے جانے اور نئی تعمیر اٹھائے جانے تک کے لئے) اس کو ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر ایک لکڑی کی صندوقچی میں محفوظ کر کے اس میں تالا ڈلوا دیا تھا اور اس کو دارالندوہ یعنی قریش کی مشورت گاہ میں رکھوا دیا تھا۔

حجر اسود کو رکھنے کے وقت ابن زبیرؓ کی حکمت عملی...... حضرت ابن زبیرؓ کو ڈر تھا کہ جب حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا موقعہ آئے گا تو قریش میں پھر اختلاف پیدا ہو گا (اس لئے) جب تعمیر اس جگہ تک پہنچ گئی جہاں اس میں حجر اسود کو رکھنا تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے حمزہ اور ایک دوسرے شخص کو حکم دیا کہ وہ دونوں حجر اسود کو اٹھا کر لائیں اور اس کی جگہ پر اس کو رکھ دیں۔ ابن زبیرؓ نے ان سے کہا۔

"جب تم حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ کر فارغ ہو جاؤ تو زور سے تکبیر کہہ دینا تاکہ میں (جو اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہوں گا) نماز کو ہلکا کر دوں"۔

چونکہ حضرت ابن زبیرؓ کو یہ خطرہ تھا کہ لوگوں کے درمیان اس معاملے میں پھر اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے اس لئے انہوں نے (اس سے بچنے کیلئے یہ کیا تھا کہ) خود لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے تاکہ وہ اس معاملے سے بے خبر رہیں (اور اپنے بیٹے کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ حجر اسود لا کر اس کی جگہ رکھ دینے کی ہدایت کر دی) کیونکہ اس موقعہ پر بھی پہلے کی طرح ہر شخص کی خواہش یہ ہی تھی کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کی سعادت اور عزت اس کو حاصل ہو۔ اسی وجہ سے حضرت ابن زبیرؓ کو اختلاف اور جھگڑا پیدا ہونے کا ڈر تھا۔

غرض جب (حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دینے کے بعد) ان دونوں آدمیوں نے تکبیر کہی (اور نماز کے بعد)

لوگوں کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو قریش کے کچھ لوگ ناراض ہوئے کہ اس موقعہ پر ان کو کیوں شریک نہیں کیا گیا۔

**فرقہ قرامطہ کے ہاتھوں حجر اسود کی شکست وریخت**...... یہاں کہا گیا ہے کہ آگ کی وجہ سے حجر اسود جل کر پھٹ گیا تھا اور حضرت ابن زبیرؓ نے اس کو چاندی سے جھلوا کر جڑوا دیا تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ اس کے بعد بھی پیش آیا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ (مسلمانوں میں اچانک ایک فتنہ پھیلا تھا اور ایک نیا فرقہ بنا۔ جس کا نام قرامطہ تھا اس) قرامطہ فرقہ کا سربراہ ابو سعید تھا۔ یہ دہریوں اور بے دینوں کی ایک جماعت اور فرقہ تھا جو ۲۷۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔

**اس فرقے کے عقائد**...... یہ لوگ کہتے تھے کہ ہمبستری کے بعد غسل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح شراب کو حلال کہتے تھے اور یہ کہتے ہیں کہ سال میں سوائے دو دنوں کے کوئی روزہ نہیں ہے۔ یہ دو دن نیروز اور مہر جان کے دن ہیں، ان لوگوں نے اپنی اذان میں ایک کلمہ کا اضافہ کر لیا تھا۔ وہ کلمہ یہ تھا۔ محمد بن الحنفیہ رسول اللہ اسی طرح یہ لوگ کہتے تھے کہ حج اور عمرہ بیت المقدس پر ہوتا ہے (بیت اللہ پر نہیں)۔

جاہلوں اور دیہاتی لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان کے فتنے میں آگئی اور اس طرح ان لوگوں کی طاقت و قوت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ اس جماعت کے سربراہ ابو سعید اور اس کے بیٹے ابو طاہر کی فتنہ پردازیوں کی وجہ سے بغداد سے حاجیوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

ابو طاہر نے کوفہ میں ایک عمارت بنالی تھی اور اس کا نام "دار الہجرت" یعنی ہجرت گاہ رکھ دیا گیا تھا۔ اس شخص کے ذریعہ بڑا زبردست فتنہ پھیلا اور مختلف شہروں پر اس نے تاخت کی اور مسلمانوں کو قتل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور اس کے پیرووں کی تعداد بڑھ گئی۔

**قرامطہ کی طرف سے مسجد حرام میں قتل عام**...... عباسی خلفاء میں کے سولہویں خلیفہ مقتدر باللہ نے کئی دفعہ ابو طاہر کے مقابلے کے لئے فوجیں بھیجیں مگر وہ خود شکست کھا گئیں۔ پھر خلیفہ مقتدر نے حاجیوں کا ایک قافلہ مکے بھیجا اس قافلے (کا ابو طاہر نے پیچھا کیا اور آخر اس) کو ترویہ کے دن ابو طاہر کے لشکر نے جالیا۔ ابو طاہر نے مسجد حرام میں حاجیوں کو قتل کیا اور کعبے کے اندر پہنچ کر زبردست خوں ریزی کی۔ اس کے بعد اس نے حاجیوں کی لاشوں کو زمزم کے کنویں میں ڈال دیا۔ پھر اس نے اپنا گرز مار مار کر حجر اسود کو توڑ ڈالا اور اس کو وہاں سے اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ جاتے ہوئے اس نے کعبے کا دروازہ بھی توڑ ڈالا کعبہ کا غلاف اس نے کھینچ کر اتار لیا اور اپنے ساتھیوں کے سامنے اس کو پھاڑ ڈالا۔ پھر اس نے زمزم کے کنویں پر جو قبّہ بنا ہوا تھا اس کو ڈھا دیا۔ پھر یہ ابو طاہر مکے میں دس دن تک ٹھہرنے کے بعد وہاں سے واپس ہوا اور اپنے ساتھ ہی حجر اسود کو بھی لے گیا۔

**حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں**...... اس طرح یہ حجر اسود بیس سال سے زیادہ عرصے تک قرامطہ کے پاس رہا۔ اس دوران میں حج کو آنے والے لوگ حجر اسود کے بجائے صرف اس کی جگہ پر ہی تبرّک کے لئے ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے۔

مسلمانوں نے حجر اسود کو قرامطہ سے واپس لینے کے لئے اس کو پچاس ہزار دینار تک دینے کی پیشکش کی مگر ان لوگوں نے حجر اسود کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر بیس سال سے زائد عرصے کے بعد خلیفہ مطیع کے زمانے میں حجر اسود واپس مکے لا کر بیت اللہ میں نصب کیا گیا۔

**حجر اسود کی بازیابی**...... یہ خلیفہ مطیع بنی عباس کے خلفاء میں چوبیسواں خلیفہ ہے اس نے حجر اسود کو واپس

لاکر اس کی جگہ پر رکھا۔ خلیفہ مطیع نے حجر اسود کے لئے چاندی کا ایک گھیر الور آنکڑا بنوا کر اسے اس کے ساتھ وہاں جمادیا۔ اس گھیرے کی مالیت تین ہزار سات سو ساڑھے نوّے درہم تھی۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب حجر اسود اکھڑا ہوا تھا اس وقت اس کو اچھی طرح دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ سیاہی صرف اس کے اوپری حصے میں ہے (جو سامنے رہتا ہے) ورنہ بقیہ تمام حصہ سفید ہے اور یہ کہ اس کی لمبائی بازو کی ہڈی کے برابر ہے۔

(بہر حال مقصد یہ ہے کہ اس وقت بھی قرامطہ نے حجر اسود کو توڑا تھا اور اس سے پہلے حضرت زبیرؓ کے زمانے میں حجر اسود آگ لگنے کی وجہ سے پھٹ گیا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ نہیں ہے اور دونوں کو مانا جاسکتا ہے)۔

**حجر اسود کی دوبارہ بے حرمتی اور شکست و ریخت**...... قرامطہ کے بعد پھر ۴۱۳ھ میں بھی ایک مُلحد اور بے دین شخص نے اپنے آہنی گرز سے حجر اسود پر تین مرتبہ ضربیں لگائی تھیں جس کی وجہ سے حجر اسود کا سامنے کا حصہ ٹوٹ گیا تھا اور اس سے ناخنوں جیسی کرچیں ٹوٹ کر گریں ٹوٹی ہوئی جگہ میں سے حجر اسود کا اندر کا حصہ زردی مائل گندمی رنگ کا تھا اور خشخاش کے دانوں کی طرح دانے دار تھا۔

بنو شیبہ نے اس چورے کو جمع کر کے اس کو مشک لور لاکھ کے ساتھ گوندھا اور پھر اس کو حجر اسود کے ان شگافوں میں بھر دیا۔

حضرت ابن زبیرؓ نے دروازہ کی لمبائی گیارہ گز رکھی لور اس کے مقابلے میں جو دوسرا دروازہ تھا اس کی لمبائی بھی اتنی ہی رکھی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو انہوں نے کعبے کے اندرونی اور بیرونی حصے کو خوشبوؤں لور زعفران سے بسایا اور اس پر قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ یہ کپڑا مصر میں بنتا تھا اور سفید رنگ کا باریک ریشمی ہوتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کعبے پر دیباج یعنی ریشم کا غلاف چڑھایا وہ عبداللہ ابن زبیرؓ ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا کعبے کو تعمیر کرانا آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق بہت پہلے خبر دے دی تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ کی وہی گذشتہ حدیث ہے کہ

"اگر میرے بعد تمہاری قوم کعبے کی نئی تعمیر کرے تو آؤ میں تمہیں وہ جگہیں دکھلادوں جو (قریش نے اپنی تعمیر میں کعبے میں شامل کرنے سے) چھوڑ دی ہیں"۔

اس کے بعد آپ نے ان کو تقریباً چھ گز کا چھوٹا ہوا حصہ دکھلایا۔ (گویا آپ جانتے تھے کہ جلد ہی یعنی حضرت عائشہؓ کی زندگی ہی میں کعبے کی نئی تعمیر کی جائے گی۔ حالانکہ عام حالات میں اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی۔ کیونکہ قریش کی تعمیر کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور اسے توڑ کر دوبارہ جلد ہی بنانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا)۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے بعض علماء کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے پورے حجر اسود کو تعمیر میں داخل کر دیا تھا۔

**کعبے کی نئی تعمیر کرانا جائز ہے**...... بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی وہ گذشتہ حدیث

آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس بات کی اجازت تھی کہ آپ کے بعد جس شخص کو موقعہ میسر آئے اور اسے اس پر قدرت بھی ہو جائے تو وہ کعبے کی تعمیر نئے سرے سے کر سکتا ہے۔

علامہ محب طبری نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے جو اشارۃً یا صاف صاف نکلتا ہے کہ اگر مصلحت اور حالات کے لحاظ سے ضروری اور لازمی یا بہتر ہو تو بیت اللہ کی تعمیر میں تبدیلی جائز ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ یہ بات صاف ہے کہ کعبے کا جو حصہ خراب ہو جائے وہ منہدم یعنی ڈھایا ہوا یا مسمار کئے جانے کے قابل ہونے کے حکم میں ہے اس لئے اس کی مرمّت کرنا جائز بلکہ مستحب بلکہ واجب ہے۔ یہاں تک علامہ ہیثمیؒ کا کلام ہے۔

اسی طرح ایک بار ۲۰ شعبان ۱۰۳۹ھ (یعنی آج سے ساڑھے تین سو سال پہلے) عصر کی نماز کے بعد مکے میں ایک زبردست سیلاب آیا تھا جس کے نتیجہ میں کعبہ کا بڑا حصہ گر گیا تھا اور شامی سمت کی دیوار بھی سامنے کی طرف گر پڑی۔ اسی طرح مشرقی جانب کی دیوار بھی دروازے کی حد تک جھک گئی تھی۔ اسی طرح مغربی جانب کی دیوار بھی تقریباً چھ حصے جھک گئی تھی۔ مکہ شہر میں بھی اکثر مکانات اس سیلاب سے گر کر تباہ ہو گئے تھے اور اس وقت حرم میں جو لوگ موجود تھے وہ سب اور خاص طور پر تمام بچے ڈوب کر مر گئے تھے اس لئے کہ پانی دروازوں کی اونچائی تک بھر گیا تھا۔

جب یہ خبر مصر پہنچی تو وزیر مملکت محمد پاشا نے جو کعبے کا متولّی تھا اور اب یعنی ۱۰۴۳ھ میں وزیر اعظم ہے، علماء کی ایک جماعت کو مشورہ کے لئے بلایا جن میں میں بھی شامل تھا۔ پھر علماء سے مشورہ کیا گیا۔ میں نے اس سلسلے میں وزیر موصوف کو اپنا ایک رسالہ پیش کیا جس کو انہوں نے اتنا پسند کیا کہ اس رسالے کا ترکی زبان میں ترجمہ کرانے کے لئے ایک شخص کو دیا اور پھر یہ ترجمہ شدہ رسالہ سلطان مراد کی خدمت میں بھیجا۔

**کعبے کی تعمیروں کی تعداد**...... میں نے اس رسالہ میں لکھا کہ حق یہ ہے کہ کعبے کی مکمل تعمیر صرف تین مرتبہ ہوئی ہے سب سے پہلے تو خود حضرت اسماعیلؑ کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد قریش کی بنائی ہوئی تعمیر ہے ان دونوں تعمیروں کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر (۲۷۷۵) سال کا فاصلہ ہے۔ پھر تیسری بار کعبے کی مکمل تعمیر حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے کی ہے۔ ان دونوں تعمیروں یعنی قریش کی تعمیر اور حضرت ابن زبیرؓ کی تعمیر کے درمیان بیاسی (۸۲) سال کا فاصلہ ہے۔

ان تینوں تعمیروں سے پہلے جہاں تک فرشتوں اور آدمؑ اور شیثؑ کی تعمیر کا سوال ہے ان کی روایتیں ثابت شدہ نہیں ہیں۔ پھر جہاں تک بنی جُرہم، عَمالقہ اور قُصَیّ کی تعمیروں کا تعلق ہے تو وہ پوری تعمیریں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے مرمّت کرائی ہے۔ لہٰذا ابراہیمؑ کی تعمیر کے بعد کعبے کو ڈھا کر دوبارہ صرف قریش اور پھر حضرت ابن زبیرؓ نے بنوایا ہے۔

اس بارے میں ایک حدیث ہے کہ جس کی تشریح امام بلقینیؒ نے کی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے :۔

"اس بیت اللہ کا زیادہ سے زیادہ طواف کر و اس سے پہلے کہ اس کو اٹھا لیا جائے کہ یہ دو مرتبہ ڈھایا گیا ہے اور تیسری مرتبہ میں اس کو اٹھا لیا جائے گا"۔

اس حدیث سے مراد یہ ہوگی کہ دو مرتبہ اس کو ڈھایا جائے گا یعنی ایک دفعہ قریش بنا کر ڈھا چکے ہیں اور دوسری دفعہ ابن زبیرؓ ڈھا کر بنائیں گے اور تیسری مرتبہ میں اس کو اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔

**اوّلین غلاف کعبہ**...... ایک قول یہ گذرا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کعبے کو ریشمی غلاف چڑھایا وہ حضرت ابن زبیرؓ ہیں۔ اسی طرح یہی قول حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی والدہ کے متعلق بھی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ مگر حضرت ابن زبیرؓ کے متعلق جو قول ہے وہی زیادہ مشہور ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن زبیرؓ نے پہلے تو کعبے پر قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا ہو اور اس کے بعد پھر ریشمی غلاف چڑھایا ہو۔ واللہ اعلم

اس سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں کعبے کا غلاف ٹاٹ کا اور چمڑے کا تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ پر غلاف چڑھایا وہ یمن کا بادشاہ تبّع حِمیَری تھا اس نے چمڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔ پھر اس کے بعد حِمیَر قبیلے ہی نے کپڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر سرخ اون کا غلاف چڑھایا جس پر سیاہ دھاریاں ہوتی تھیں اور جو یمن میں بنتا تھا۔

امام بلقینی نے لکھا ہے کہ ایک روایت ہے کہ تُبّع یمانی نے بیت اللہ پر پہلے اُونی غلاف چڑھایا مگر وہ پھٹ کر گر پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے ٹاٹ اور چمڑے کا غلاف چڑھایا مگر وہ بھی پھٹ کر گر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک یمنی کپڑے کا غلاف چڑھایا (جس کو عربی میں وصائل کہتے ہیں) یہ غلاف (باقی رہا اور گویا کہ اس کو) کعبہ نے قبول کر لیا۔

تفسیر کشاف میں ہے۔ یہ تُبّع حمیری مومن تھے مگر ان کی قوم کافر تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمّت اور برائی کی ہے مگر خود تبّع برائی نہیں فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے (جو غالباً سیرت حلبیہ اردو قسط دوم میں گزرا ہے) کہ

"تبّع کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ وہ مسلمان تھے"۔

اسی طرح ان کے متعلق آپ کا ایک ارشاد ہے۔

"میں نہیں جانتا کہ تبّع نبی تھے یا غیر نبی تھے"۔

علامہ شمس حموی نے اپنی کتاب مناہج زہیہ او المباہج المرضیہ میں حضرت ابن عباسؓ سے تبّع کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ نبی تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے کعبہ پر جس شخص نے غلاف چڑھایا وہ عَدنان ابن اُدَد تھا۔

قریش کعبے پر جو غلاف چڑھاتے تھے تو اس میں سب لوگوں کا چندہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک قریشی سردار ابو ربیعہ ابن مغیرہ سامنے آیا اور اس نے ایک دفعہ کہا۔

"آئندہ سے ایک سال میں تنہا کعبے پر غلاف چڑھایا کروں گا اور ایک سال تمام قریش مل کر چڑھایا کریں"۔

ایک قول یہ ہے کہ ابو ربیعہ ہر سال آدھے کعبے کے غلاف کی رقم تنہا دیا کرتا تھا۔ بہر حال اس کے بعد سے اس کا ہمیشہ یہی معمول رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ اسی لئے قریش نے اس کا لقب عدل رکھ دیا تھا کیونکہ کعبے کا غلاف چڑھانے کے معاملے میں اس نے تنہا ہی قریش کے معاملے میں ہمت کی تھی۔ اس کی اولاد کو بنی عدل کہا جاتا تھا۔

اس زمانے میں (کعبے پر نیا گلاف ڈالنے کے وقت) پرانا غلاف نہیں اتارا جاتا تھا بلکہ ہمیشہ نیا غلاف پرانے غلاف کے اوپر ہی ڈال دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک یہی طریقہ رہا۔ اس کے بعد رسول

اللہ ﷺ نے کعبے پر یمانی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

**غلاف کعبہ کی اقسام**...... ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبہ پر قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی طرح بعد میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی بیت اللہ پر قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ نے دیباج، قباطی اور یمنی چادر کے غلاف چڑھائے۔ چنانچہ دیباج کا غلاف دس محرم کو چڑھاتے تھے اور قباطی کا رمضان کے آخر میں چڑھاتے تھے۔

یہاں اگرچہ تین قسم کے کپڑوں کے غلاف کا ذکر ہوا تھا مگر غلاف چڑھانے کے وقت کے سلسلے میں صرف دو کا ذکر کیا گیا یمنی چادر کا ذکر نہیں کیا گیا جس کا مطلب ہے کہ یہاں یمنی چادر کا لفظ قباطی کپڑے کی وضاحت کے طور پر ہوا ہے کسی مستقل قسم کا غلاف مراد نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح عباسی خلیفہ ماموں رشید نے کعبے پر سرخ ریشم کے، سفید ریشم کے اور قباطی کپڑے کے غلاف چڑھائے ہیں۔ خلیفہ ماموں سرخ ریشم کا غلاف ترویہ کے دن چڑھاتا تھا، قباطی کپڑے کا غلاف رجب کے مہینے کی چاند رات کو چڑھاتا تھا اور سفید ریشم کا غلاف ستائیس رمضان کو چڑھایا کرتا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان رنگوں کے غلاف عباسی خلیفہ متوکل کے زمانے میں بھی چڑھائے گئے۔ پھر خلیفہ ناصر عباسی کے زمانے میں سیاہ ریشم کا غلاف چڑھایا گیا اور آج تک ہر سال اب سیاہ ریشم کا غلاف ہی چڑھایا جاتا ہے۔

**غلاف کعبہ کے مصارف کے لئے موقوفہ دیہات**...... بیت اللہ کے غلاف کا خرچہ دو دیہات کی زمینوں کی آمدنی سے تیار کیا جاتا ہے یہ دیہات بیسوس اور سندلیس ہیں جو مصر میں قاہرہ کے قریب ہیں۔ ان دونوں دیہات کو سلطان اسماعیل ابن ناصر محمد ابن قلاوون نے ۷۵۰ ھ کے قریب کعبے کے لئے وقف کیا تھا۔ اب ان میں اور دیہات کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ زیادہ مضبوط قول کی بنیاد پر سب سے پہلے جس شخص نے کعبے پر غلاف چڑھایا وہ تبع حمیری ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ اسلام کے زمانے سے نو سو سال پہلے کی بات ہے۔

ایک قول یہ گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی والدہ نے بھی ایک دفعہ کعبے پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ اپنے بچپن میں ایک مرتبہ کھو گئے تھے ان کی والدہ نے اس وقت یہ منت مانی کہ اگر حضرت عباسؓ مل جائیں تو وہ کعبے پر غلاف چڑھائیں گی۔ چنانچہ حضرت عباسؓ مل گئے تو انہوں نے بیت اللہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بیت اللہ پر ریشمی غلاف چڑھایا وہ عبدالملک ابن مروان ہے۔ یہ بات ابن اسحاق کی اس روایت سے نکلتی ہے جس میں ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبے پر ریشمی غلاف چڑھایا وہ حجاج ابن یوسف ہے۔ چونکہ یہ حجاج ابن یوسف خلیفہ عبدالملک ابن مروان کا گورنر تھا (اس لئے حجاج کے غلاف چڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ خود خلیفہ کے حکم سے اور اس کی طرف سے چڑھایا)۔

**ریشمی غلاف کا جواز**...... امام بلقینیؒ سے ایک دفعہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا کعبہ پر ایسا ریشمی غلاف چڑھانا جائز ہے جس میں سونے کے تار پروئے ہوئے ہیں؟ اور کیا اس غلاف کو لے جانے کے وقت کھلا ہوا لے جانا جائز ہے؟

امام بلقینیؒ نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا اور کہا۔

"کیونکہ کعبے پر قیمتی غلاف چڑھانے سے اس کی تعظیم مقصود ہے اور یہ بیش بہا غلاف چڑھانے والا اس کے ذریعہ دنیا و آخرت میں بہترین اور قیمتی لباس کی تمنا کرتا ہے۔ نیز غلاف کعبہ کو چڑھانے کے لئے لے جانے کے وقت اس کو زیارت کے لئے کھلا رکھنا بھی جائز ہے...... یہاں تک امام بلقینیؒ کا کلام ہے۔

**کعبے کی سونے سے اولین آرائش......** سب سے پہلے جس شخص نے کعبے کے دروازے کو سونے سے آراستہ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب ہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے زمزم کا کنواں کھولا تو اس میں سے انہیں تلواریں اور دو سونے کی ہرنیاں ملیں۔ انہوں نے ان تلواروں سے تو کعبے کا دروازہ بنا دیا اور اس میں وہ دونوں ہرنیاں نصب کر دیں۔ چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا یہ پہلا موقعہ ہے کہ کعبے کو سونے سے سجایا گیا۔

پھر اسلام آنے کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے کعبے کو سونے سے سجایا وہ عبدالملک ابن مروان ہے۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ہیں۔ اس نے بیت اللہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھوائے اور خانہ کعبہ کی چابیاں بھی سونے کی بنوائیں۔ پھر ولید ابن عبدالملک نے میزاب یعنی بیت اللہ کے پرنالے پر بھی سونا چڑھوایا۔

کہا جاتا ہے کہ ولید نے مکہ میں اپنے گورنر کے پاس چھتّیس ہزار دینار بھیجے تھے کہ اس سے کعبے کے دروازے میزاب یعنی پرنالے، کعبے کے اندرونی ستونوں اور اندر کے کونوں پر سونے کا کام کرا دیا جائے۔

اسی طرح ہارون رشید کے بیٹے امین نے اپنے گورنر کے پاس اٹھارہ ہزار دینار بھیجے تھے کہ اس کے ذریعہ کعبے کے دونوں دروازوں پر سونا چڑھوا دیا جائے چنانچہ اس نے پہلے اس پچھلے سونے کے پتروں کو ان دروازوں پر سے اتروا دیا اور پھر اس کے ساتھ اس کو بھی شامل کر کے دروازوں پر چڑھا دیا اس نے دروازے کی کیلوں، کنڈیوں اور چوکھٹوں پر بھی سونا چڑھوا دیا۔

پھر عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کی والدہ نے اپنے غلام لُولُو کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کے تمام ستونوں پر سونے کے پتر چڑھا دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

**تکمیل تعمیر اور صدقہ......** حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جب کعبے کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اعلان کیا۔

"جو شخص بھی میرا فرماں بردار اور اطاعت کرنے والا ہو وہ آکر عمرہ کا احرام باندھے......اور جو شخص ایسی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ ایک اونٹ ذبح کر سکے تو وہ اونٹ قربان کرے۔ اور اگر اتنی حیثیت نہ رکھتا ہو تو ایک بکری قربان کرے اور جو اس کی حیثیت بھی نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی گنجائش کے مطابق کچھ صدقہ خیرات کرے"۔

پھر خود حضرت ابن زبیرؓ نے سو اونٹ خدا کے نام پر نکالے اور انہیں قربان کیا۔ اس تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد جب حضرت ابن زبیرؓ نے کعبے کا طواف کیا تو انہوں نے بیت اللہ کے چاروں ارکان کو بوسہ دیا۔ چنانچہ اس کے بعد جب تک بھی ابن زبیرؓ کی کرائی ہوئی کعبے کی تعمیر باقی رہی اس کے چاروں ارکان یعنی کونوں کو بوسہ دیا جاتا رہا۔ یہ تعمیر ابراہیمؑ کے تعمیر کے اصل نشانات پر بنائی گئی تھی۔

**حضرت ابن زبیر کی شہادت......** حضرت ابن زبیرؓ ایک دروازے سے کعبے میں داخل ہوا کرتے تھے اور دوسرے سے نکلا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ابن زبیرؓ کو حجاج کے لشکر کے ایک آدمی نے ہلاک کیا تھا۔ اس نے ابن زبیرؓ کے ایک پتھر مارا جو ان کی آنکھوں کے درمیان لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ حرم میں تھے۔

**عمارت کعبہ پھر پچھلی حالت پر**...... حجاج ابن یوسف اس لشکر کا امیر تھا جسے عبدالملک ابن مروان نے حضرت ابن زبیرؓ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا نیز عبدالملک ابن مروان نے حجاج کو لکھا تھا۔

"عبداللہ ابن زبیرؓ نے کعبے کی عمارت کا جو حصہ بڑھایا ہے اس کو ڈھادو"۔

یعنی اس حصے کو ڈھادیا جائے جو تعمیر کے وقت ابن زبیرؓ نے بڑھوا کر کعبے میں شامل کیا تھا اور قریش نے جس کو کعبے کی عمارت سے نکال دیا تھا۔ عبدالملک کے جملے کی یہ تشریح اس کے دوسرے قول سے ہوتی ہے جس میں اس نے کہا تھا۔

"کعبے کو پھر اسی حد پر لے آؤ جس پر وہ پہلے تھا اور اس دوسرے دروازے کو بھی بند کردو جو ابن زبیرؓ نے کھولا ہے۔ (ی) اور اس دروازے کو پھر زمین سے اتنا ہی اونچا بنادو جتنا وہ قریش کے زمانے میں تھا اور باقی عمارت کو جوں کے توں رہنے دو"۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدالملک یہ سمجھتا تھا کہ ابن زبیر نے یہ سب اضافہ خود اپنی مرضی سے کیا ہے (آنحضرت ﷺ کی خواہش کی روشنی میں نہیں کیا) اس حکم کے جواب میں حجاج نے عبدالملک کو لکھا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے یہ نئی بنیاد مکے کے تمام بڑے بڑے لوگوں کو دکھا کر رکھی ہے۔ (ی) یعنی جو پچاس آدمی تھے اور سب مکے کے سربر آوردہ اور ممتاز لوگ تھے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

مگر اس کے جواب میں پھر عبدالملک نے حجاج کو لکھا۔

"ہم کس معاملے میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی دیوانگی کے پابند نہیں ہیں"۔

چنانچہ اس حکم کے بعد حجاج نے اس حصے کو توڑ دیا جو حجر اسود تک بڑھایا گیا تھا۔ نیز اس نے وہ دوسرا مغربی دروازہ بھی بند کردیا جو کعبے کی پشت پر رکن یمانی یعنی دائیں کونے کے پاس بنایا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اصلی دروازے کی اونچائی میں سے پانچ گز کم کر دیئے اور اس کو اتنا اونچائی پر بنادیا جتنا وہ قریش کے زمانے میں تھا۔ چنانچہ دروازے کو لونچا اٹھانے کے لئے اس نے اس کے نیچے چار گز سے کچھ زائد دیوار بنائی اور دروازہ کے اندر کی جانب (نیچے اترنے کے لئے) اس نے سیڑھیاں بنائیں جو آج تک موجود ہیں۔

اس سلسلے میں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ :۔

جب ابن زبیرؓ کے مقابلے میں حجاج کو فتح ہو گئی تو اس نے عبدالملک ابن مروان کو خط کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ ابن زبیرؓ نے کعبے میں کچھ ایسا حصہ بڑھادیا ہے جو اس میں پہلے نہیں تھا۔ نیز انہوں نے کعبے میں ایک نیا دروازہ اور بھی بنو لیا ہے۔

یہ خبر دینے کے ساتھ ہی حجاج نے عبدالملک سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ کعبے کو پھر اسی حالت پر کر دے جیسا کہ وہ جاہلیت کے زمانے میں تھا۔ اس پر عبدالملک نے اس کو لکھا۔ کہ وہ مغربی جانب کا نیا دروازہ بند کر دے اور حجر اسود تک کا جو حصہ ابن زبیرؓ نے بیت اللہ میں بڑھایا ہے اس کو ڈھادے۔ چنانچہ حجاج نے ایسا ہی کیا۔

**حجاج کی ترمیمات**...... اس لئے ۱۰۳۹ھ میں سیلاب کی وجہ سے کعبے کی عمارت جو گری اس سے پہلے تمام تعمیر وہی تھی جو ابن زبیرؓ کی بنوائی ہوئی تھی اور اس کی بنیاد بھی وہی تھی۔ صرف حجر اسود کے پاس جو حجاب بنوایا گیا تھا وہ حجاج کا بنوایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دروازے کی چوکھٹ کے نیچے جو چار گز سے کچھ زائد دیوار تھی وہ بھی حجاج کی بنوائی ہوئی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے عمالیق اور بنی جرہم اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانوں میں کعبے کا دروازہ زمین سے

ملا ہوا تھا جس کو بعد میں قریش نے اپنی تعمیر کے وقت اونچا کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح وہ حصہ جو مغربی دروازہ کو بند کرنے کے لئے بنایا گیا حجاج کی تعمیر کا تھا۔ یہ دیوار ان پتھروں سے بنائی گئی جو کعبے کے اندر رکھے ہوئے تھے اور جن کو ابن زبیرؓ نے رکھوادیا تھا۔ (ی) انہوں نے اس جگہ پر شاید وہ پتھر رکھوائے تھے جو تعمیر کے لئے گھڑ کر استعمال کئے جاتے تھے۔

چنانچہ بعض معتبر حضرات نے مجھے یہ بتلایا ہے کہ مکے کے بعض مکانات میں وہ پتھر لگے ہوئے ہیں جو عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانے میں کعبے سے نکالے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مکان جس میں کعبے کے پتھر لگے ہوئے تھے خود حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا تھا۔

بیت اللہ میں حجاج کی یہ تعمیر اسی سال ہوئی جس سال حضرت ابن زبیرؓ شہید ہوئے اور حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت ۷۳ھ میں ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ جب حجاج ابن یوسف نے حضرت ابن زبیرؓ کا مکے میں محاصرہ کر رکھا تھا جو پانچ مہینے تک جاری رہا۔ اور ایک قول کے مطابق سات مہینے سترہ دن تک رہا۔ تو ایک روز یعنی اپنی شہادت سے دس دن پہلے وہ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے پاس گئے اس وقت حضرت اسماءؓ بیمار تھیں۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی والدہ سے پوچھا۔

"ماں! اب آپ کیسی ہیں؟"

انہوں نے کہا کہ میں تو بیمار ہی ہوں۔ حضرت ابن زبیرؓ نے کہا

"حقیقت یہ ہے کہ راحت تو موت ہی میں ہے"۔

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

"شاید تم میری موت ہی چاہتے ہو مگر میں اس وقت تک مرنا نہیں چاہتی جب تک میرے پاس تمہارے متعلق دو میں سے ایک خبر آجائے۔ یا تو یہ کہ تم قتل ہو گئے اور یا یہ کہ اپنے دشمن پر فتح پاگئے۔ تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں"۔

پھر جس دن حضرت ابن زبیرؓ شہید ہوئے اس دن بھی وہ حرم میں اپنی والدہ کے پاس گئے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا

"ان کی جانب سے کوئی ایسا حل قبول مت کرنا جس سے تمہیں اپنی جان کی طرف سے خوف ہو۔ اس لئے کہ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کا وار سہنا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑوں کی مار برداشت کی جائے"۔

**ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کی بیوفائی**...... کہا جاتا ہے کہ (اس محاصرہ کے دوران) حضرت ابن زبیرؓ کے آدمی ان کے پاس سے نکل نکل کر اور حجاج کے پاس جا کر امان حاصل کرتے رہے اور حجاج ہر ایک کو امان دیتا رہا۔ یہاں تک کہ تقریباً دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کو چھوڑ کر حجاج کے پاس پہنچ گئے اور اس سے امان حاصل کرلی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں میں خود ابن زبیرؓ کے دونوں بیٹے حمزہ اور خُبیب بھی وہاں سے نکل کر حجاج کے پاس پہنچ گئے اور اس سے اپنے لئے امان حاصل کرلی۔

ایک روز حضرت ابن زبیرؓ پھر اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے شکایت کرنے لگے کہ کس طرح

لوگوں نے ان کو دغادی اور انہیں چھوڑ کر حجاج کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ خود ان کی اولاد اور گھر والے بھی ان کو چھوڑ گئے اور یہ کہ اب ان کے ساتھ معمولی اور تھوڑے سے لوگ رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"دنیا سے جو کچھ مل سکتا تھا وہ لوگ مجھے دے رہے ہیں! اب آپ کی کیا رائے ہے"؟

حضرت اسماءؓ نے کہا "بیٹے! تم اپنے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اگر تم جانتے ہو کہ تم سچائی پر ہو اور لوگوں کو حق کی طرف بلا رہے ہو تو اس پر صبر کرو۔ اس لئے کہ اسی پر تمہارے ساتھیوں نے جانیں دے دی ہیں اس لئے اپنے اوپر انہیں قابو مت پانے دو کہ بعد میں بنی اُمیّہ کے بچے تمہارے سر سے کھیلتے نظر آئیں۔ اور اگر تم نے صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ سب کیا تھا تو تم بدترین آدمی ہو کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور جو لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہوئے قتل ہو گئے ان کو بھی برباد کیا۔ اس دنیا میں تمہاری کتنے دن کی زندگانی ہے......"!

حضرت زبیرؓ یہ سن کر اپنی والدہ کے قریب آئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے دنیا کا سہارا نہیں لیا اور نہ اس دنیا کی زندگی کی تمنا کی۔ میں نے مروان ابن حکم کی بیعت صرف اس لئے نہیں کی کہ مجھے اللہ کے لئے اس بات پر غصہ تھا کہ وہ خدا کے نام کی حرمت و عظمت کو ختم کرنا چاہتا ہے"۔

بیٹے کی لاش پر ماں کی حاضری...... اس کے بعد جب حضرت ابن زبیرؓ شہید ہو گئے اور ان کی لاش کو ثنیّہ کے مقام کے اوپر لٹکا دیا گیا اور اسی حالت میں تین دن گزر گئے تو وہاں ان کی والدہ حضرت اسماء آئیں جنہیں سہارا دے کر لایا جا رہا تھا کیونکہ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی وہ وہاں آکر بہت دیر تک کھڑی رہیں اور دیر تک ان کے لئے دعا کرتی رہیں اس عرصے میں ان کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔ پھر انہوں نے حجاج سے کہا۔

"کیا اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں آیا"!

حجاج نے کہا۔

"یہ منافق...... تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حق کی مدد فرمائی اور اس کو بلند فرمایا۔ تمہارے بیٹے نے اس بیت اللہ میں بے دینی پھیلا رکھی تھی...... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ پ ۱۷ سورۂ حج ع ۳ الآیۃ ۲۵

ترجمہ :۔ اور جو شخص اس میں یعنی حرم میں کوئی خلاف دین کا قصد۔ ظلم یعنی شرک و کفر کے ساتھ کرے گا تو ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

علامہ سبط ابن جوزیؒ نے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی خلاف کے زمانے میں (ان کے دشمنوں نے) ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو حضرت ابن زبیرؓ نے ان سے کہا تھا۔

"میرے پاس ایسے بہترین گھوڑے موجود ہیں جن کو میں نے آپ کے لئے تیار کیا ہے۔ اب آپ چاہیں تو یہاں سے بچ کر مکے چلے چلیں وہ آپ کو ان دشمنوں سے بچا لے جائیں گے"۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریش میں کا ایک شخص حرم میں۔ یا مکے میں فتنہ و فساد پھیلائے گا اور اس اکیلے شخص پر ساری دنیا کے عذاب کا آدھا حصہ ہو گا۔ اس لئے میں ہرگز وہ شخص نہیں بنوں گا"۔

ایک روایت میں حضرت عثمانؓ کا جواب اس طرح ہے کہ :-

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریشی بھیڑوں میں سے (یعنی قریشیوں میں سے) ایک بھیڑ جس کا نام عبداللہ ہوگا مکے میں فتنہ و فساد پھیلائے گا اور اس پر ساری دنیا کے گناہوں کے بوجھ کا آدھا حصہ ہوگا" یہاں تک علامہ سبط ابن جوزی کا کلام ہے۔

میرے نزدیک اس روایت میں عبداللہ سے مراد حضرت ابن زبیرؓ نہیں ہیں بلکہ حجاج ہے۔ یہ بات بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ حجاج قریش میں سے ہو۔ ادھر یہ کہ علامہ ابن حجر ہیثمی کی کتاب صواعق میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے یہ بات (حضرت ابن زبیرؓ نے نہیں بلکہ) مغیرہ ابن شعبہ نے کہی تھی (اور مغیرہ۔ بنی امیہ میں سے ہیں جو قریش کے سخت مخالف تھے اس لئے ممکن ہے اس روایت میں قریش کا لفظ ان کا اضافہ ہو۔

(اس حدیث کے مصداق حضرت ابن زبیرؓ ہرگز نہیں ہیں کیونکہ یہ حدیث حرم کی سرزمین میں فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے لئے ہے جبکہ ظاہر ہے حضرت ابن زبیر کا خدانخواستہ ہرگز یہ منشا نہیں تھا بلکہ انہوں نے یزید کی اور پھر عبدالملک کے بیٹوں کی بیعت سے بھی اسی لئے انکار کیا تھا کہ وہ بیعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق نہیں تھی۔ ادھر خود ان کی خلافت کا جو دور ہے اس میں ان کا اپنا عمل ایک مومن اور زاہد و پاکباز شخص کا عمل ہے۔ جس کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے۔ مرتب)۔

**ابن زبیر کا زھد اور مرتبہ**...... حجاج ابن یوسف نے حضرت ابن زبیرؓ کو منافق کہا تھا۔ جب ان کی والدہ حضرت اسماءؓ نے یہ سنا (جیسا کہ ان کے سامنے ہی حجاج نے کہا تھا) تو انہوں نے فرمایا۔

"تو جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم وہ (میرا بیٹا ابن زبیر) منافق نہیں تھا بلکہ انتہائی روزے رکھنے والا، عبادت کرنے والا اور نیک و پاکباز تھا۔ ابن زبیرؓ مدینے میں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ تھا، وہ وہ تھا جس کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کی تحنیک کی تھی یعنی کھجور چبا کر اس کو کھلائی تھی اور اس دن اس کی پیدائش پر مسلمانوں نے خوشی میں اتنی زور سے تکبیر کہی تھی کہ سارا مدینہ شہر دہل گیا تھا۔ وہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک پر عمل کرنے والا آدمی تھا اللہ کے حرم کا محافظ تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کئے جانے پر ناراض ہوتا تھا"۔

**حضرت اسماء کے ساتھ حجاج کی گستاخی**...... یہ سن کر حجاج نے کہا۔

"جاؤ تم بوڑھی ہوگئی ہو اور تمہارے دماغ میں فتور آگیا ہے"۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم میرے دماغ میں کوئی فتور نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ثقیف کے علاقے سے ایک کذّاب یعنی جھوٹا اور ایک خوں خوار پیدا ہوگا۔ جہاں تک اس کذّاب اور جھوٹے کا تعلق ہے تو اس کو تو ہم دیکھ چکے ہیں مراد ہے مختار ابن ابو عَبَیْد ثقفی جو عراق کا گورنر تھا اور جہاں تک اس خونخوار شخص کا تعلق ہے تو وہ خونخوار اور ظالم آدمی تو ہی ہے"۔

یہ مختار ابن ابو عبید ثقفی عراق کا گورنر تھا جب حضرت امام حسینؓ شہید کر دیئے گئے تو یہ شیعوں کی اس جماعت کے ساتھ مل گیا جنہوں نے عین موقعہ پر حضرت امام حسینؓ کو دغا دی تھی اور پھر جب حضرت حسینؓ شہید ہوگئے تو ان لوگوں کو اپنی حرکت پر ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ چنانچہ اب انہوں نے مختار کے ساتھ مل کر

اس بات پر سمجھوتہ کیا کہ کوفے کے جن لوگوں نے امام حسینؓ کو قتل کیا ہے ان سے جنگ کی جائے۔

چنانچہ یہ لوگ مختار کے ساتھ مل کر نکلے اور انہوں نے ان تمام لوگوں کو قتل کیا جنہوں نے حضرت حسینؓ کے ساتھ جنگ کی تھی اور پھر کوفے پر قبضہ کر لیا۔ اسی وجہ سے لوگ مختار کے بہت شکر گزار ہوئے۔

غرض جب خلیفہ عبدالملک ابن مروان کو حجاج کی وہ بات معلوم ہوئی جو اس نے حضرت اسماءؓ کو کہی تھی تو اس نے حجاج کو خط لکھا جس میں اس کو بہت ملامت اور سرزنش کی۔ اسی لئے حجاج نے اب حضرت اسماءؓ کو بلانے کے لئے ان کے پاس آدمی بھیجا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ ایلچی دوبارہ آیا اور اس نے کہا۔

"یا تو تم آجاؤ ورنہ میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو تمہیں بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لائے گا"۔

(اس جملے سے حجاج کے مزاج کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ خلیفہ کی طرف سے اس کو حضرت اسماءؓ کے ساتھ بدکلامی پر سرزنش اور ملامت کی گئی تھی اور اسی بناء پر اس نے حضرت اسماءؓ کو بلایا تھا تاکہ ان سے معافی مانگ سکے مگر ان کے انکار پر اس قدر جھلّایا کہ اس طرح کے پیغام کے ساتھ ان سے معافی چاہنے کے لئے ان کو بلوایا)۔

حضرت اسماءؓ نے پھر انکار کر دیا اور کہا۔

"خدا کی قسم! میں تیرے پاس نہیں آؤں گی یہاں تک کہ تو ایسا ہی آدمی بھیجے جو مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جائے"۔

اب حجاج نے اپنے جوتے اتار کر ہاتھ میں لئے اور ننگے پاؤں چل کر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"امیر المومنین نے مجھے تمہاری خبر گیری کی ہدایت کی ہے اس لئے اے ماں! تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بتلاؤ"......؟

حضرت اسماءؓ نے کہا۔

"میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ میں اس کی ماں ہوں جسے ثَنِیَّہ گھاٹی کے اوپر سُولی پر لٹکایا گیا تھا۔ مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں ہے مگر تو ٹھہر تاکہ میں تجھے بتلاؤں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف کے مقام سے ایک کذّاب یعنی جھوٹا پیدا ہوگا اور ایک انتہائی خونخوار شخص پیدا ہوگا۔ جہاں تک کذّاب اور جھوٹے کا تعلق ہے تو اس کو تو ہم دیکھ چکے ہیں اور جہاں تک اس ظالم اور خونخوار شخص کا تعلق ہے تو وہ تو ہے"۔

حجاج نے کہا کہ ہاں میں خونخوار تو ہوں مگر منافقوں کے لئے ہوں (سچے لوگوں کے لئے نہیں ہوں)

**نبوت کا ایک جھوٹا دعویدار**...... مختار ابن ابو عُبَیْد ثقفی کو کذّاب اس لئے اس کہا گیا ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور اس طرح اپنے ساتھیوں کو جھوٹی سچی باتیں بتلا کر خوش کیا کرتا تھا۔

علامہ بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں کسی کی ایک روایت ہے کہ :-

میں مختار کے سرھانے تلوار لے کر کھڑا ہوا کرتا تھا ایک دن میں نے اس کو یہ کہتے سنا کہ :-

"جبرئیل ابھی ابھی اس قالین پر سے اٹھ کر گئے ہیں (یعنی میرے پاس سے) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ابھی ابھی اس کُرسی پر سے اٹھ کر گئے ہیں"!

(اس کی اس بکواس پر) میں نے چاہا کہ اس کی گردن مار دوں مگر مجھے ایک حدیث یاد آگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر کسی شخص نے دوسرے کو جان کی امان دیدی اور اس کے بعد اسے قتل کر دیا تو قیامت کے دن اس کے لئے غدّاری کا جھنڈا اٹھایا جائے گا"۔

یہ حدیث یاد کر کے میں اس ارادے سے رک گیا۔

امام شافعی کی کتاب املاء سے جو مسئلہ نقل کیا جاتا ہے وہ شاید اسی حدیث کی بنیاد پر ہے کہ

"ایک مسلمان کو اس کافر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا جس کو امان دی گئی ہو اور پھر کسی مسلمان نے اس کو قتل کر دیا ہو"۔

مختار نے اشعث ابن قیس اور اس کے ساتھیوں کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ :-

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ مجھے کذّاب کہتے ہو۔ حالانکہ مجھ سے پہلے نبیوں نے بھی (نعوذ باللہ) جھوٹ بولا ہے جبکہ میں ان سے بہتر نہیں ہوں"۔

مختار ابن ابو عبید ثقفی سے کچھ باتیں ایسی سرزد ہوئی تھیں جیسی کاہنوں سے ہوا کرتی ہیں (اور اسی وجہ سے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ جب اس نے عبید اللہ ابن زیاد سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کیا (اور اس سے حضرت حسینؓ کے قتل کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا) کیونکہ اس سے پہلے ابن زیاد ہی نے حضرت حسینؓ سے جنگ کے لئے اپنا لشکر تیار کیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تو اس نے یعنی مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

"کل ہی تمہارا کوچ ہوگا اور کل ہی ابن زیاد کے قتل کی خبر تمہیں مل جائے گی"۔

چنانچہ اگلے دن ایسا ہی ہوا کہ اس کے پاس ابن زیاد کا سر لایا گیا اور یہ سر مختار کے سامنے لا کر ڈالا دیا گیا۔

ابن زیاد بھی دس محرم کو ہی قتل ہوا یعنی جس تاریخ میں اس نے حضرت امام حسینؓ کو قتل کیا تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ مختار بھی حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے بھائی حضرت مصعب ابن زبیر کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا۔ چنانچہ جب یہ مصعب اپنے بھائی حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے عراق کے گورنر بنے تو مختار کا سر لا کر ان کے سامنے پیش کیا گیا۔

حضرت مُصعَبؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :-

"عجیب ہے کہ ابن آدم یعنی آدمی کس بات پر تکبر اور غرور کرتا ہے حالانکہ وہ دو مرتبہ پیشاب کے راستے سے گذرا ہے! (یعنی ایک دفعہ نطفے کے وقت اور ایک دفعہ پیدائش کے وقت)

اس کے بعد پھر یہ مُصعَب ابن زبیرؓ قتل کئے گئے اور ان کا سر عبد الملک ابن مروان کے سامنے لا کر پیش کیا گیا۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے خلیفہ عبد الملک ابن مروان سے کہا۔

کوفے کا منحوس محل ..... "اے امیر المومنین! میں کوفہ کے شاہی محل (یعنی گورنر کے محل) میں ایک دفعہ داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ کا سر عبید اللہ ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور عبید اللہ ابن زیاد تخت پر بیٹھ ہوا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد میں دوبارہ اس محل میں گیا تو میں نے دیکھا کہ عبید اللہ ابن زیاد کا سر مختار ابن ابو عبید ثقفی کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور مختار تخت پر بیٹھا ہوا ہے اس کے کچھ مدّت بعد پھر میں ایک روز اس محل میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مختار ابن ابو عبید ثقفی کا سر مصعب ابن زبیرؓ کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور مصعبؓ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد میں پھر ایک بار

اس محل میں گیا تو میں نے دیکھا کہ مصعب ابن زبیرؓ کا سر آپ کے سامنے ایک تخت میں رکھا ہوا ہے اور آپ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں"......!

عبدالملک نے یہ سب کچھ سن کر کہا

"خدا تمہیں پانچواں سر نہ دکھائے"۔

اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے اس محل کو ڈھا دینے کا حکم دے دیا۔

حجاج ابن یوسف...... حضرت امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ حجاج ابن یوسف کا باپ جب اپنی بیوی کے پاس گیا (اور اس ہم بستری کے نتیجہ میں حجاج جیسے ظالم و جابر شخص کا حمل ہوا) تو وہ سو گیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک پکارنے والا پکار کر اس سے کہہ رہا ہے۔

"تو نے ایک خونخوار اور خوں ریز شخص کا باپ بننے میں بڑی جلدی کی"!

علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ :۔

حجاج کی ماں حجاج کے باپ سے پہلے مغیرہ ابن شعبہ کے نکاح میں تھی جس نے اس کو اس وجہ سے طلاق دے دی تھی کہ ایک مرتبہ وہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی دانتوں میں خلال کر رہی ہے (مغیرہ کو اس کی صبح ہی صبح یہ حرکت اتنی بری لگی کہ) انہوں نے کہا۔

"اگر تو رات نے کھائے ہوئے کا اب خلال کر رہی ہے تو تو بہت گندی عورت ہے (کہ کھانے کے پھنسے ہوئے ریشوں سے رات بھر تیرا منہ سڑتا رہا ہوگا) اور اگر تو آج کے کھانے کے بعد کا خلال کر رہی ہے تو تو بڑی پیٹو اور نیت خراب عورت ہے (کہ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے کھانے پر ٹوٹ پڑی) ان دونوں میں سے جو بھی بات ہو (اس سے تیری برائی ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے) میں تجھ کو جدا کرتا ہوں"۔

اچانک طلاق ہو جانے پر اس عورت نے (جس کا نام فارعہ تھا بڑے سکون کے ساتھ) کہا۔

"خدا کی قسم! تمہارے نکاح میں آنے سے ہمیں کوئی خاص خوشی نہیں تھی اور اب تمہارے سے جدا ہونے پر ہمیں کوئی افسوس اور غم نہیں ہے۔ مگر پھر بھی تمہیں اتنا بتلا دوں کہ اس وقت میرے متعلق تم نے جو کچھ بھی سوچا وہ سب غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے صبح اٹھ کر مسواک کی تھی جس کے کچھ ریشے میرے دانتوں میں پھنس گئے تھے اس وقت میں خلال کے ذریعہ وہی نکال رہی تھی"۔

یہ سن کر مغیرہ ابن شعبہ اس کو طلاق دے دینے پر بہت شرمندہ ہوئے۔ چنانچہ وہ اسی وقت گھر سے نکلے تو یوسف ابن ابو عقیل سے (جو بعد میں حجاج کا باپ بنا) راستے میں ملاقات ہو گئی۔ مغیرہ نے یوسف سے کہا۔

"میں اگر تم سے کسی بات کو کہوں تو کیا تم مانو گے"؟

یوسف نے پوچھا کیا بات ہے۔ تو مغیرہ نے کہا

"میں نے بنی ثقیف کی عورتوں کی سردار کو طلاق دے دی ہے جس کا نام فارعہ ہے تم اس سے شادی کر لو تو وہ تمہارے لئے شریف اولاد کا ذریعہ بنے گی"۔

اس پر یوسف ابن ابو عقیل نے اس سے شادی کر لی جس سے اس کے یہاں حجاج پیدا ہوا۔

کتاب حیوٰۃ الحیوان میں یہ ہے کہ یہ عورت حجاج کے باپ سے پہلے امیہ ابن ابو صلت کے نکاح میں تھی۔ یہاں تک حیات الحیوان کا حوالہ ہے۔

اس سے کوئی اشکال نہیں ہوتا ممکن ہے اس عورت کا نکاح ان تینوں سے ہوا ہو اور اُمیہ ابن ابوصلت سے اس کی شادی مغیرہ ابن شعبہ سے پہلے ہوئی ہو۔

جہاں تک اس عورت کو بنی ثقیف کی عورتوں کی سردار کہنے کا تعلق ہے۔ یہ بات بظاہر درست نہیں ہے کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک شہوت پسند عورت تھی۔ ایک دفعہ یہ کچھ شہوت انگیز شعر پڑھ رہی تھی جن میں کا ایک مصرعہ یہ ہے کہ :۔ ع

هَل مِنْ سَبِيلٍ اِلٰى خَمْرٍ فَاَشْرِبُهَا

ترجمہ :۔ کیا کسی طرح کہیں سے شراب مل سکتی ہے کہ میں پی سکوں۔

اس واقعہ کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت وہاں سے حضرت عمر فاروقؓ بھی گزر رہے تھے (اور انہوں نے بھی اس کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا تھا چنانچہ اس کو بنی ثقیف کی عورتوں کی سردار یعنی ایک شریف عورت اس لئے بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حجاج کو ابن المتمنیہ یعنی ایک شہوت پسند عورت کا بیٹا کہہ کر شرم اور عار دلائی جاتی تھی۔

(اس کے بعد پھر عبداللہ ابن زبیرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ) جب تک حضرت عبداللہ کی لاش سُولی پر لٹکی رہی ان کی والدہ یہ کہتی رہیں۔

"اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک کہ میں اس کی لاش سے اپنی آنکھیں مَل کر ٹھنڈی نہ کرلوں"۔

پھر حضرت عبداللہ کے بھائی عُروہ ابن زبیر خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ ان کے بھائی کی لاش کو سُولی پر سے اتارنے (اور دفن کرنے) کی اجازت دے دے۔ چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور اسے اتروادیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کو غسل دینے والے کا بیان ہے کہ (ایک عرصے تک لاش وہاں لٹکے رہنے کی وجہ سے جسم اس قدر گل چکا تھا کہ)۔

"ہم ان کے جس عضو کو بھی پکڑتے تھے وہ علیحدہ ہو کر ہاتھ میں آجاتا تھا اس لئے ہم اس عضو کو غسل دیتے اور اس کے بعد کفن میں رکھ دیتے تھے"۔

(غسل کے بعد) حضرت عبداللہ کی والدہ آئیں اور انہوں نے بیٹے کے جنازے پر نماز پڑھی۔ پھر کچھ ہی دن بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ بات کتاب استیعاب میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے سودن کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی دوسرے قول کو مشہور بتلایا ہے۔

حضرت عبداللہ کی والدہ کی عمر سو سال کی ہوئی مگر نہ ان کے دانت ٹوٹے اور نہ ان کے ہوش و حواس خراب ہوئے۔

**ابن زبیر اور ابن صفوان کے سر مدینے میں**...... حضرت ابن زبیرؓ کے ساتھ دو سو چالیس دوسرے آدمی بھی قتل کیے گئے جن میں ایسے بھی تھے جن کا خون خاص کعبے کے اندر بہایا گیا۔ ان ہی لوگوں میں عبداللہ ابن صفوان ابن امیہ بھی تھے۔ ان کو اسی دن قتل کیا گیا جس روز حضرت ابن زبیرؓ قتل ہوئے۔ قتل کے بعد ان کا اور حضرت ابن زبیرؓ کا سر کاٹ کر حجاج نے مدینے بھیج دیا جہاں ان دونوں کے سر ایک جگہ نصب کر دیئے گئے۔ ان

لوگوں نے دونوں کے سر اس طرح قریب قریب رکھے جیسے دونوں آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ اس کو دیکھ کر لوگ ہنستے اور مذاق بناتے۔ اس کے بعد وہاں سے لوگوں نے یہ دونوں سر خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے پاس بھجوا دیئے۔

جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا سر خلیفہ عبدالملک کے سامنے لے جا کر رکھا گیا تو وہ سجدہ میں گر گیا اور اس نے کہا:۔

خدا کی قسم! یہ شخص مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا اور مجھے سب سے زیادہ اس سے محبت تھی لیکن سلطنت کا لالچ بہت برا ہوتا تھا۔ (ی) یعنی آدمی اپنے بیٹے اور بھائی تک کو سلطنت کے لئے قتل کر دیتا ہے اور جب وہ ایسا کرتا ہے تو ان دونوں کے درمیان میں سے صلہ رحمی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے"۔

آگے بیان آرہا ہے کہ عبدالملک نے حضرت ابن زبیرؓ کی تعریفیں کیں اور اس لشکر کے امیر کو سرزنش کی تھی جس کو یزید نے ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے عبداللہ ابن صفوان سے کہا تھا (جب کہ وہ دشمن کے مقابلے میں مایوس ہو گئے تھے)۔

"میں تمہیں اپنی بیعت اور اطاعت کی پابندی سے آزاد کرتا ہوں اور تم جہاں بھی جانا چاہو جا سکتے ہو"۔

عبداللہ ابن صفوان نے جواب میں کہا تھا۔

"میں صرف اپنے دین کے لئے جنگ کر رہا ہوں"۔

یہ عبداللہ ابن صفوان ایک معزز، شریف، بااثر، نرم دل اور فیاض آدمی تھے جب ان کو قتل کیا گیا تو یہ بیت اللہ کا پردہ پکڑے ہوئے تھے۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حرم کو امن و سلامتی کا گھر کہا گیا ہے۔

ابن زبیرؓ اور بنی عباسؓ...... پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر بااخلاق اور بامروّت آدمی نہیں تھے۔ اس بات کی دلیل یہ واقعہ بنتا ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔

"لوگ علم کی تلاش میں حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ کے دروازے پر جاتے ہیں اور کھانے کے لئے ان کے بھائی عبیداللہ کے دستر خوان پر جمع ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک لوگوں کو دین سکھاتا ہے اور دوسرا لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ ان دونوں نے آپ کے لئے اعزاز کی کوئی بات نہیں چھوڑی"۔

یہ سن کر حضرت ابن زبیرؓ نے ایک شخص کو بلا کر حکم دیا کہ۔

"عباسؓ کے بیٹوں کے پاس جاؤ اور ان دونوں سے کہو کہ امیر المومنین تمہیں حکم دیتے ہیں کہ یہاں سے کہیں چلے جاؤ ورنہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا"۔

چنانچہ وہ دونوں مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔

تشریح...... (اس واقعہ کو بد اخلاقی کا نام نہیں دیا جانا چاہئے کیونکہ اس میں حکومت کی بقاء اور تحفظ کی مصلحت بھی پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ اس طرح کسی شخص کی عام محبوبیت اور مقبولیت سے آگے چل کر حکومت کو خطرہ بھی

پیش آسکتا ہے اور پوری قوم اور ملک کے لئے کسی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عباسؓ کے متعلق یہ بات نہیں سوچی جاسکتی مگر جو لوگ ان کے زیادہ معتقد تھے ان کی تعداد بڑھتی تو وہ اسی نام پر ایک نیا فتنہ جگانے کی کوشش کر سکتے تھے جب کہ مسلمانوں میں کشاکش اور خوں ریزی بھی ہو رہی تھی۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ایسی کسی صورت حال کی پیش بندی کے طور پر حضرت ابن زبیرؓ نے ان دونوں حضرات کو مکے سے باہر بھیج دیا۔ واللہ اعلم مرتب)۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ مکے سے صرف اس لئے چلے گئے تھے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ پ ۱۷ سورۂ حج ع ۳ الآیۃ ۲۵۔

ترجمہ :۔ اور جو شخص اس میں یعنی حرم میں کوئی خلاف دین کا قصد ظلم یعنی شرک و کفر کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک کا مزا چکھائیں گے۔

چنانچہ علامہ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں :۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام وسوسوں اور خیالات کو معاف فرمادیتا ہے جو ہمارے دلوں میں آتے اور گزرتے رہتے ہیں سوائے مکے میں پیدا ہونے والے ایسے خیالات اور وسوسوں کے (جن سے حرم کی سرزمین میں فتنہ پیدا ہو سکتا ہے) کیونکہ شریعت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان سے جواب طلب کرے گا جو حرم کی سرزمین میں کسی فتنے اور خلاف دین بات کا ارادہ کرے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے طائف جاکر رہنے کا یہی سبب تھا جو خود انہوں نے اپنی احتیاط کے طور پر کیا تھا (کہ ممکن ہے ان کے دل میں کسی قسم کے وسوسے اور خطرات آئیں) کیونکہ یہ بات آدمی کے اختیار اور بس میں نہیں ہے کہ وہ خیالات کو اپنے دل سے نکال سکے (ان پر عمل کرنا اور نہ کرنا تو اختیاری بات ہے مگر خیالات اور وسوسوں کے دل میں پیدا ہونے پر آدمی کا اختیار نہیں ہے)۔

**بنی عباس خوبیوں کا مرکز**...... بعض مورّخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مکے میں یہ کہا جاتا تھا کہ "جس شخص کو (تین خوبیوں یعنی) فقہ یعنی علم دین اور حسن و جمال اور سخاوت دیکھنے کی خواہش ہو تو عباسؓ کے گھر چلا جائے کہ وہاں حسن و جمال تو فضل ابن عباس میں نظر آئے گا۔ سخاوت عبیداللہ ابن عباس میں ملے گی اور فقہ یعنی علم دین عبداللہ ابن عباس کے پاس ملے گا"۔

**بنیاد کعبہ کے متعلق ابن زبیرؓ کی تصدیق**...... (قال) جس سال خلیفہ عبدالملک ابن مروان نے حج کیا یعنی ۷۵ھ میں تو (کعبے کی ان بنیادوں کے متعلق جن پر حضرت ابن زبیرؓ نے تعمیر کی تھی اور عبدالملک نے اس اضافہ کو قبول نہ کرتے ہوئے پھر کعبے سے باہر کرادیا تھا) حرث نے خلیفہ سے کہا۔

"میں اس حدیث کے متعلق ابن زبیرؓ کا گواہ ہوں جو انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سنی تھی (کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر تمہاری قوم کا اسلام ابھی تازہ اور نیانہ ہوتا تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت کو توڑ کر دوبارہ بناتا اور اس حصے کو اس میں شامل کرتا جسے قریش نے چندے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ (حضرت ابن زبیرؓ نے اسی حدیث کی بنیاد پر کعبے کی عمارت میں اس حصے کا اضافہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق کعبے میں دو دروازے بنائے تھے جسے عبدالملک نے ختم کرلوایا تھا")۔

عبدالملک (جو یہ سمجھتا تھا کہ یہ اضافہ حضرت ابن زبیرؓ نے خود اپنی مرضی سے کیا تھا یہ گواہی سن کر حیران ہوا اور اس) نے پوچھا۔

"کیا تم نے خود حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی تھی"!؟

حرث نے کہا "ہاں!"

یہ سن کر عبدالملک تھوڑی سوچ بچار کے انداز میں اپنی چھڑی سے زمین کرید تا رہا اور پھر بولا۔

"میری خواہش تھی کہ میں ابن زبیرؓ کو چھوڑ دوں اور حملہ نہ کیا جائے"۔

ایک روایت میں ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو لکھا تھا کہ میری خواہش ہے کہ تم ابن زبیرؓ کو چھوڑ دو اور حملہ نہ کرو۔

یہ بات اس قول کے مطابق ہے جو علامہ ازرقی کی تاریخ میں ہے کہ :۔

عبدالملک ابن مروان کی خلافت کے زمانے میں ایک بار یہ حرث اس کے پاس گئے تو خلیفہ نے ان سے کہا

"میرا خیال ہے کہ ابو خُبیب یعنی ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے وہ حدیث نہیں سنی تھی جس کے متعلق وہ تعمیر کعبہ کے وقت دعویٰ کرتے تھے کہ میں نے ان سے سنی ہے"!

اس پر حرث نے کہا

"وہ حدیث تو خود میں نے بھی حضرت عائشہؓ سے سنی ہے"۔

عبدالملک نے کہا کہ کیا تم نے خود یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے سنی ہے (تو حرث نے اس کا اقرار کیا)۔

اس بارے میں ایک روایت تاریخ ابن کثیر میں بھی ہے اور حضرت عائشہؓ کی اس مذکورہ حدیث کو ابن زبیرؓ سے بیان کرنے میں اس روایت سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

"اگر تمہاری قوم کے کفر کا زمانہ زیادہ قریب کا نہ ہوتا تو میں کعبے کو دوبارہ ان ہی بنیادوں پر تعمیر کرتا جو ابراہیمؑ کی رکھی ہوئی ہیں"۔

حضرت عائشہؓ کی منت...... ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مکہ فتح کرادیا تو وہ کعبے کے اندر دو رکعت نماز پڑھیں گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ حج وداع یعنی آخری حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ رات کے وقت ان کے لئے بیت اللہ کو کھول دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان ابن طلحہ (جو کعبہ کے کلید بردار تھے) آنحضرت ﷺ کے پاس بیت اللہ کی کنجی لے کر آئے اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کعبے کو رات کے وقت کبھی نہیں کھولا جاتا"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر اسے مت کھولو۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حجر اسود کے حصے میں لے کر داخل ہوئے اور ان سے فرمایا۔

"یہاں نماز پڑھ لو اس لئے کہ حطیم یعنی حجر اسود کا حصہ بیت اللہ کا ہی حصہ ہے مگر تمہاری قوم یعنی

قریش کے پاس چونکہ حلال روپے کی کمی ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے اس حصے کو بیت اللہ سے باہر ہی چھوڑ دیا (یعنی اصل بنیاد سے کم حصے میں تعمیر کی) اگر تمہاری قوم کا جاہلیت کا زمانہ زیادہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبے کی اس تعمیر کو توڑ دیتا اور ابراہیم خلیل کے نشانات کو نکال کر حطیم کے حصے کو بیت اللہ میں شامل کر تا اور دروازے کی چوکھٹ کو زمین سے ملا کر رکھتا۔ اور اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں یہ کام ضرور کر دوں گا"۔

مگر اگلے سال تک رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور آپ کے چاروں خلفاء کو ملک کے انتظامات سے اس کی فرصت نہ مل سکی۔

تشریح...... تو گویا آنحضرت ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ کعبے کا جو حصہ قریش کے زمانے میں پیسے کی تنگی کی وجہ سے عمارت سے باہر رہ گیا اس کو دوبارہ عمارت کے اندر لینے کے لئے کعبے کی عمارت کو توڑ کر پھر سے بنایا جائے مگر آپ نے اس خیال سے ایسا نہیں کہ قریش ابھی نئے نئے مسلمان ہیں۔ جاہلیت کو زیادہ وقت نہیں گزرا اس لئے کعبے کو توڑنے سے وہ بددل نہ ہو جائیں کیونکہ یہ تعمیر قریش کی بنائی ہوئی تھی اور اس کو وہ اپنا سب سے بڑا اعزاز سمجھتے تھے اس لئے خطرہ تھا کہ ان پر اس کا غلط ردّ عمل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابن زبیرؓ نے جب کعبے کی تعمیر کا ارادہ کیا تو چونکہ انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن رکھی تھی جس سے آنحضرت ﷺ کی اس خواہش کا ان کو پتہ تھا اس لئے انہوں نے اس حصے کو کعبے میں شامل کرنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے اس ارادے کی مخالفت کی مگر حضرت ابن زبیرؓ نے یہ تعمیر کرائی اور ان ہی اصل بنیادوں پر کرائی جو ابراہیمؑ کے زمانے کی تھیں مگر جب عبدالملک ابن مروان کا زمانہ آیا تو اس نے پھر کعبے کی تعمیر کو پچھلی حالت پر لوٹا دیا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ابن زبیرؓ نے یہ اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے حضرت عائشہؓ سے انہوں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی)۔

کتاب عیون الاثر میں ہے کہ پھر عبدالملک نے اس تعمیر کو ڈھادیا اور ان بنیادوں پر بنایا جن پر یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی۔

مگر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حجاج نے صرف وہ دیوار بنائی تھی جو حجر اسود کے پاس ہے۔ اسی طرح ایک دیوار کعبے کے دروازے کے نیچے بنائی جس سے دروازہ اونچا ہو کر اسی حالت پر ہو گیا تھا جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا اور ایک زینہ بنایا جو دروازے سے داخل ہونے کے بعد اندر اترنے کے لئے تھا۔

جہاں تک اس مٹی کا تعلق ہے جو اندرونی حصے میں بھری گئی اس کے متعلق گمان ہے کہ وہ وہی مٹی ہو گی جو حضرت ابن زبیرؓ نے تعمیر کے وقت نکلوائی تھی اور جو اسی حالت میں پڑی رہی ہو گی جسے حجاج نے واپس بھروادیا مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دوسری مٹی رہی ہو۔ مگر مجھے اس بارے میں کہیں بھی کوئی تفصیل نہیں ملی۔ اسی طرح حجاج کی تعمیر کا ایک حصہ وہ روڑا ہے (جو اس نے کعبہ میں بھراؤ کے لئے استعمال کیا تھا اور) جسے حضرت ابن زبیرؓ نے کعبے کی بنیادوں کے آثار میں سے نکلوایا تھا۔ اس سے پہلے قریش نے جب کعبے کی تعمیر کی تھی تو انہوں نے عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کے خیال سے یہ روڑا اس کی بنیادوں میں بھروادیا تھا۔

عبدالملک ابن مروان کا ایک روپ...... (عبدالملک ابن مروان کے سلسلے میں) ایک عجیب بات یہ ہے کہ (اس کی خلافت سے پہلے) ایک شخص کہتا ہے کہ میں اس لشکر کا امیر تھا جو یزید نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے جنگ کے لئے مکے کو روانہ کیا تھا۔ چنانچہ میں روانگی سے پہلے مدینے میں مسجد نبوی ﷺ میں گیا (جہاں عبدالملک

ابن مروان موجود تھا) میں اس کے برابر جاکر بیٹھ گیا۔ عبدالملک نے مجھ سے پوچھا۔
"کیا تم ہی اس لشکر کے امیر ہو"؟
میں نے کہا۔ "ہاں۔" تو اس نے کہا
"تیرا خانہ خراب ہو کیا تو جانتا ہے کہ تو کس شخص کے مقابلے کے لئے جارہا ہے؟ تو اس شخص کے مقابلے میں جارہا ہے۔ جو مدینہ میں مہاجر مسلمانوں کے یہاں سب سے پہلا پیدا ہونے والا بچہ ہے ___ جو رسول اللہ ﷺ کے حواری یعنی جاں نثار کا بیٹا ہے (کیونکہ عبداللہ کے والد حضرت زبیرؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے حواری یعنی ہم نشین اور جاں نثار ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں) جو ذات النطاقین یعنی حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ کے بیٹے ہیں۔ (ذات النطاقین یعنی دو اوڑھنیوں والی حضرت اسماء کا لقب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہجرت کے وقت غار ثور میں دیا تھا اس کی تفصیل ہجرت نبوی کے سلسلے میں آگے آئے گی) اور اس شخص کے مقابلے کے لئے جارہا ہے جس کی تحنیک خود رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔ (تحنیک کا مطلب ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد کھجور چبا کر اس کے منہ میں ڈالنا جیسا کہ عرب کا دستور تھا حضرت ابن زبیرؓ کے منہ میں آنحضرت ﷺ نے خود کھجور چبا کر ڈالی تھی) خدا کی قسم وہ شخص ایسا ہے کہ اگر تم دن میں اس کے پاس پہنچو تو اس کو روزہ دار پاؤ گے اور اگر رات کے وقت پہنچو تو اس کو نماز پڑھتا ہوا پاؤ گے۔ پس اگر ساری دنیا کے لوگ بھی اس کو قتل کرنے کے لئے بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب ہی کو جہنم میں جھونک دے گا"۔

دوسرا روپ...... عبدالملک نے یزید کی خلافت کے زمانے میں ابن زبیرؓ کے مقابلے کے لئے بھیجے جانے والے) لشکر سے تو یہ کہا لیکن) جب وہ خود خلیفہ ہو گیا تو (وہی شخص کہتا ہے کہ خود عبدالملک ابن مروان کی طرف سے) ہم حجاج کی سربراہی میں لشکر لے کر ابن زبیرؓ سے جنگ کے لئے نکلے اور ان کو قتل کیا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عبدالملک ابن مروان نے (اپنی خلافت سے پہلے) جب یزید کے لشکر کو (ابن زبیرؓ سے جنگ کے لئے) مکے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا۔
"خدا کی پناہ مانگتا ہوں کیا یہ لشکر اللہ کے حرم پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا جارہا ہے"؟
اس وقت ایک یہودی شخص عبدالملک کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جو ایک بڑا عالم تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اس نے (عبدالملک کا یہ جملہ سنا تو) اپنی کہنی عبدالملک کے مار کر کہنے لگا۔
"اللہ کے حرم پر چڑھائی کے لئے جانے والا خود تیرا لشکر اس سے بھی بڑا ہو گا"!

خاندان عبدالملک کے متعلق ایک پیشین گوئی...... کہا جاتا ہے کہ اسی یہودی کا (عبدالملک کی پیدائش سے پہلے) ایک دفعہ عبدالملک کے باپ مروان کے گھر سے گذر ہوا تو اس نے کہا تھا۔
"اس گھر میں رہنے والے محمد ﷺ کی امتوں پر افسوس ہے"......!
اس لئے کہ بعد میں خود مروان تو حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب بنا اور اس کا بیٹا عبدالملک حضرت ابن زبیرؓ کے قتل کا سبب بنا اور پھر عبدالملک کے پوتے یزید ابن ولید کی ذات سے بڑے خوفناک فتنے ابھرے۔

امیر لشکر بننے کے لئے حجاج کی خواہش...... حضرت ابن زبیرؓ کے مقابلے میں جانے والے لشکر پر حجاج کو امیر بنانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ اس نے عبدالملک سے کہا تھا۔
"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے عبداللہ ابن زبیرؓ کو پکڑا اور ان کی کھال کھینچ لی اس لئے اس

کے مقابلے پر جانے والے لشکر کو میری سالاری میں دے دیجئے"۔

چنانچہ عبدالملک نے اسی کو اس لشکر کا امیر بنادیا اور شامیوں کے ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس کو روانہ کیا چنانچہ حجاج یہ لشکر لے کر ابن زبیرؓ کے مقابلے میں آیا اور منجنیق یعنی گوپھن سے بیت اللہ پر پتھر برسائے۔

**غضب خداوندی کی علامت اور حجاج کی سینہ زوری**...... "جب بیت اللہ پر پتھر برسائے گئے تو (گہرے بادل آئے اور) آسمان میں گرج کے ساتھ بجلی کوندنے لگی۔ یہ دیکھ کر شام کے سپاہی خوف زدہ ہونے لگے تو حجاج نے چیخ کر کہا۔

(ڈرومت) تہامہ یعنی مکے کی گھور گرج ایسی ہی ہوتی ہے میں اسی شہر کا سپوت ہوں......!

اس کے ساتھ ہی حجاج خود آکر گوپھن پر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے کعبے پر شدید سنگباری کرنے لگا۔ مگر ہر حملے پر پہلے سے زیادہ بجلی کی گرج اور چمک ہوتی یہاں تک کہ اس بجلی سے گوپھن پر تعینات بارہ آدمی ہلاک ہو گئے جس پر شامی لشکر کے لوگ بہت زیادہ خوف زدہ ہوئے۔

**کعبے پر حجاج کی سنگ باری اور غلاف کعبہ میں آگ**...... مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے باوجود حجاج ان لوگوں کو ابھارتا رہا کہ پتھر برسائے جاؤ چنانچہ کعبے پر پتھر برسائے جاتے رہے آخر وہ گر گیا اور غلاف میں آگ لگ گئی جس سے عمارت کوئلے کی طرح سیاہ ہو گئی۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ (جیسا کہ اوپر کی روایت میں بیان ہوا ہے) اگر اس وقت کی سنگ باری سے عمارت کعبہ گر گئی ہوتی تو دوبارہ بنائی گئی ہوتی اور اگر جلی ہوتی تو اس کی مرمّت کی گئی ہوتی اور اگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات ہوئی ہوتی تو روایات میں اس واقعہ (یعنی اس وقت بھی دوبارہ بنائے جانے یا مرمّت کئے جانے) کا ذکر ہوتا کیونکہ یہ ایک اہم بات تھی اور اس کا تذکرہ ملنا ضروری تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض راویوں کو یہاں مغالطہ ہو گیا ہے اور یزید کے لشکر کے حملہ سے کعبے کی عمارت کو جو نقصان پہنچا تھا (جس کے بعد حضرت ابن زبیرؓ نے دوبارہ تعمیر کرائی) وہ اس کو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نقصان حجاج کے لشکر سے پہنچا ہے (لیکن حجاج کی سنگباری کے باوجود بیت اللہ کی عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ یہ تفصیل شاید اسی موقعہ کی ہے جب یزید کے لشکر نے حملہ کیا تھا)۔

**حجاج اور ابرہہ کے درمیان فرق**...... یہاں ایک شبہ اور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حجاج اور اس کے لشکر کو بھی اسی طرح کیوں فنا نہیں کر دیا جس طرح اس نے ابرہہ کے لشکر کو فنا کیا تھا جبکہ حجاج نے گوپھن کے ذریعہ کعبے پر حملہ کیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس موقعہ پر گوپھن لگانے والوں کا مقصد کعبہ کو گرانا نہیں تھا (بلکہ مقصد ابن زبیرؓ اور ان کے لشکر کو شکست دینا تھا) جبکہ اس کے برخلاف ابرہہ نے خاص کعبے کے خلاف ہی حملہ کیا تھا۔ یہاں پھر وہی اشکال ہوتا ہے کہ آیا حرم امن کا مرکز ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب میرے اور ابن زبیرؓ کے درمیان شکر رنجی ہوئی اور ابن زبیرؓ نے مجھے مکے سے نکل کر طائف چلے جانے کا حکم دیا تو میں نے کہا (کہ ان کا حکم ماننا اس لئے ضروری ہے کہ)۔

"ان کے والد زبیرؓ ہیں، ان کی والدہ اسماءؓ ہیں، ان کی خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ ہیں، ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں اور ان کی دادی حضرت صفیہؓ ہیں"۔

ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

"جہاں تک ان کے والد کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کے حواری اور جاں نثار تھے مراد ہیں حضرت زبیرؓ جہاں تک ان کے نانا کا تعلق ہے تو وہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ مراد ہیں حضرت ابو بکرؓ جہاں تک ان کی والدہ کا تعلق ہے تو وہ ذات النطاقین ہیں۔ مراد ہیں حضرت اسماءؓ۔ جہاں تک ان کی خالہ کا تعلق ہے تو وہ اُم المومنین تھیں۔ مراد ہیں حضرت عائشہؓ۔ جہاں تک ان کی پھوپھی کا تعلق ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی (سب سے پہلی) شریک زندگی ہیں۔ مراد ہیں حضرت خدیجہؓ۔ اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی پھوپی ان کی دادی تھیں۔ مراد ہیں حضرت صفیہؓ۔ پھر وہ اس کے علاوہ ہمیشہ پاکباز مسلمان رہے ہیں اور قرآن پاک کے قاری ہیں"۔

**ابن زبیرؓ کی قتل پر مکے میں آہ و بکا**...... جب حضرت عبداللہ ابن زبیر کا قتل ہوا تو سارا مکہ ماتم کدہ بن گیا اور لوگ آہ و بکا کرنے لگے۔ حجاج نے فوراً ہی لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا جس میں اس نے کہا۔

"بے شک ابن زبیرؓ اس امت کے بہترین لوگوں میں سے تھے مگر وہ اپنوں ہی کے ساتھ حق اور سچائی کے مقابلے میں لڑ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا پھر ان میں روح ڈالی اور انہیں جنت میں رہنے کو جگہ دی۔ مگر جب انہوں نے خطا کی تو اس خطا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے نکال دیا۔ اور آدمؑ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً ابن زبیرؓ سے زیادہ مرتبے والے تھے۔ اور جنت کی حرمت کعبے سے بھی زیادہ ہے۔ پس تم اللہ کو یاد کرو وہ تمہیں یاد کرے گا"......!

**ابن زبیرؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی**...... رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب ابن زبیرؓ پیدا ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا :

"یہ وہی ہے......!"

ابن زبیرؓ کی والدہ جو اس وقت ان کو دودھ پلا رہی تھیں یہ سن کر چونک اٹھیں اور انہوں نے دودھ پلانا بند کر دیا (اور آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئیں) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اپنے آنسوؤں سے ہی سہی مگر اس کو سیراب کرتی رہو۔ یہ بھیڑیوں کے درمیان ایک بھیڑ ہے۔ وہ بھیڑیئے کپڑوں میں ہیں (یعنی بھیڑ کی کھال میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کی طرح ہوں گے) یقیناً یہ بیت اللہ کی حفاظت کرے گا۔ اور یا اس کے لئے جان دے دے گا"......!

(یہاں حضرت زبیرؓ کو بھیڑ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے دشمنوں کو بھیڑیا کہا گیا ہے اس کے متعلق تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں)۔

کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ عرب جب کسی شخص کی تعریف کرتے ہیں تو اس کو بھیڑ کہہ دیتے ہیں اور جب کسی کی برائی کرنی ہوتی ہے تو اس کو تَیس (جنگلی بکرا) کہتے ہیں۔

**حجاج سے رعایا کی بیزاری**...... کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے قتل کے بعد حجاج مدینے گیا، اس وقت اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی تھی (ممکن ہے گرد و غبار سے بچنے کے لئے ڈھاٹے کی طرح چہرے پر کپڑا

لپیٹ رکھا ہو) مدینے سے باہر اسے ایک بوڑھا شخص ملا جس سے حجاج نے مدینے والوں کا حال پوچھا۔ بوڑھے نے کہا۔

"بہت برا حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حواری یعنی جاں نثار کا بیٹا قتل کر دیا گیا"......!

حجاج نے پوچھا کہ انہیں کس نے قتل کیا ہے تو بوڑھے نے جواب دیا۔

"اسی فاجر اور لعین حجاج نے۔ اس پر بہت جلد خدا اور اس کے رسولوں کی لعنتیں ہوں"......!

وہ یہ سن کر سخت غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا۔

"او بوڑھے۔ اگر تو حجاج کو دیکھے تو پہچان لے گا"؟

بوڑھے نے کہا

"ہاں اللہ تعالیٰ اسے کوئی بھلائی نہ دکھائے اور اسے کسی برائی سے نہ بچائے"......!

یہ سنتے ہی حجاج نے اپنی نقاب اتار ڈالی اور کہنے لگا۔

"تجھے اسی وقت معلوم ہوا جاتا ہے جب ابھی تیرا خون بہتا نظر آئے گا"۔

جب اس بوڑھے کو معلوم ہوا کہ یہی حجاج ہے تو اس نے کہا

"اے حجاج! یہ بڑی عجیب بات ہے۔ میں فلاں شخص ہوں اور مجھے روزانہ دن بھر میں پانچ دفعہ جنون کا دورہ پڑتا ہے"......!

حجاج نے کہا۔

"بھاگ جا۔ خدا تجھے اس کے بعد ہونے والے جنوں کے دورہ سے کبھی اچھا نہ کرے"......!

اس شخص کا حجاج کے ہاتھوں سے بچ کر صحیح سلامت نکل جانا ایک حیرتناک بات ہے اس لئے کہ حجاج کا کسی شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کر کے پھر اس کو چھوڑ دینا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال اس کی زندگی میں نہیں ملتی۔

حجاج اپنے متعلق کہا کرتا تھا

"میرا سب سے بڑا شوق اور لذت خون بہانا ہے"۔

**حجاج کے ظالمانہ مزاج کی اصل**...... بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب حجاج پیدا ہوا تو وہ ماں کا دودھ نہیں پکڑ رہا تھا (اس کے ماں باپ اس بارے میں پریشان تھے کہ) ان کے سامنے شیطان حرث ابن کلدہ کی شکل میں آیا جو عرب کا مشہور طبیب تھا۔ اس نے کہا۔

"اس کے لئے ایک سیاہ جنگلی بکرا ذبح کرو اور اس کا خون اس کے منہ میں ڈالو اور وہی خون اس کے چہرے پر ملو"۔

اس کے ماں باپ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حجاج نے ماں کا دودھ پکڑ لیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اس کے پاس خارجی فرقہ کی ایک عورت کو لایا گیا۔ حجاج جب اس سے بات کر رہا تھا تو وہ نہ تو اس کی طرف دیکھتی تھی اور نہ اس کی بات کا جواب ہی دیتی تھی۔ آخر حجاج کے ایک مصاحب نے اس سے کہا۔

"امیر تجھ سے ہم کلام ہیں اور تو ان سے منہ پھیرے ہوئے ہے"!

اس عورت نے کہا۔

"مجھے اس آدمی کی طرف دیکھنے سے شرم آتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھنا پسند نہیں فرماتا"۔

(حجاج یہ بات سن کر غضب ناک ہو گیا اور) اس نے اس عورت کے متعلق حکم دیا جس پر اسے قتل کر دیا گیا۔

جن لوگوں کو حجاج نے بے سبب اور ظلم سے قتل کیا ہے ان کی تعداد جب شمار کی گئی تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

(حضرت ابن زبیرؓ کے قتل کے بعد) جب حضرت عبد اللہ ابن عمر فاروقؓ حضرت اسماءؓ کے پاس تعزیت کے لئے گئے اور ان کو صبر کی تلقین کی تو انہوں نے کہا۔

"مجھے صبر سے کیا چیز روک سکتی ہے کیونکہ یحییٰ ابن زکریاؑ کا سر بنی اسرائیل کی بدکار عورتوں میں سے ایک عورت کے سامنے ہدیہ میں پیش کیا گیا تھا اور اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ عورت سب سے پہلے جہنم میں ڈالی جائے گی"۔

## حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا واقعہ

تشریح...... حضرت یحییٰ ابن زکریاؑ کے جس واقعہ کی طرف یہاں مؤلف نے اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل مترجم تاریخ ابو الفداء سے یہاں پیش کرتا ہے :۔

حضرت یحییٰؑ حضرت زکریاؑ کے بیٹے تھے۔ یہ حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم کے خالہ زاد بھائی تھے (یعنی حضرت مریم کی والدہ جن کا نام حنہ تھا وہ اور حضرت یحییٰؑ کی والدہ جن کا نام ایساع تھا آپس میں سگی بہنیں تھیں اور اس طرح حضرت زکریاؑ عیسیٰؑ کے رشتے میں ماموں ہوتے تھے) زکریاؑ کو کم عمری ہی میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمادی تھی چنانچہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے لگے۔

حضرت یحییٰ بالوں کا لباس پہنتے تھے اور بے انتہا عبادت گزاری کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا جسم سوکھ کر بہت دُبلا ہو گیا تھا۔

اسی زمانے میں عیسیٰؑ نے (جو خود بھی اپنی شریعت کی تبلیغ شروع کر چکے تھے) بھتیجی سے نکاح کو حرام قرار دے دیا تھا (اور زکریاؑ جن کی اپنی کوئی مستقل شریعت نہیں تھی اسی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے) اس وقت بنی اسرائیل کا جو بادشاہ تھا اس کا نام ہر دوس تھا۔ اس کی ایک بھتیجی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہودی مذہب میں سگے بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز تھا۔

حضرت یحییٰ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ہر دوس کو اس ارادہ سے منع کیا (یہ بات ہر دوس کی بھاوج یعنی اس لڑکی کی ماں کو بہت بری لگی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کو ایک بادشاہ سے بیاہنا چاہتی تھی جس سے یحییٰؑ روک رہے تھے وہ یحییٰؑ کی جان کی دشمن ہو گئی اور) اس نے ہر دوس سے کہا کہ یحییٰ کو قتل کر دو مگر ہر دوس اس بات کو ٹال گیا۔ آخر اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس دفعہ خود اس لڑکی نے بھی ہر دوس سے یہی کہا اور اس سے ضد کرنے لگی۔ آخر ہر دوس نے لڑکی کے کہنے میں آکر یحییٰ کو ان دونوں ماں بیٹوں کے سامنے ذبح کرادیا

اور پھر ان کا سر ان کو ہدیہ میں پیش کیا)۔

یحییٰؑ کا قتل حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوا ہے۔ عیسیٰؑ نے اپنی تبلیغ اس وقت شروع کی تھی جب ان کی عمر تیس سال ہو گئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ کا حکم فرمایا تھا تو حضرت یحییٰ نے ان کو نہر اردن میں غوطہ دے کر نہلایا تھا۔ اس وقت عیسیٰؑ کی عمر تقریباً تیس سال ہو چکی تھی چنانچہ اس کے بعد انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ تبلیغ کا کام شروع کرنے کے بعد عیسیٰؑ کل تین سال اس دنیا میں رہے چنانچہ یحییٰ کا قتل جس وقت ہوا اس وقت عیسیٰؑ کی عمر تقریباً تیس سال تھی اور وہ اس وقت تک آسمان پر نہیں اٹھائے گئے تھے کیونکہ ان کو نبوت کے تین سال بعد اٹھایا گیا۔

نصرانی لوگ حضرت یحییٰ کو "یوحنا المعمدان" کہتے ہیں۔ (تاریخ ابوالفداء جلد اص ۳۴۔ مرتب) تشریح ختم

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے قتل کے دن اپنی والدہ سے کہا تھا۔

"ماں۔ میں آج قتل ہو جاؤں گا مگر تم اپنے اوپر غم کو مسلّط نہ کر لینا بلکہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔ اس لئے کہ تمہارے بیٹے نے کبھی کسی بری بات کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی بے حیائی کی حرکت کی"......!

مگر اس بارے میں اشکال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی وفات حضرت ابن زبیرؓ کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا انتقال ابن زبیرؓ سے تین مہینے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کی موت کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ حجاج نے ان کو احمق کہا تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا۔

"تو خود احمق ہے اور لوگوں پر بلائے آسمانی ہے"۔

**حضرت ابن عمر کے خلاف حجاج کی سازش**......اس پر حجاج کو بہت ہرک آئی چنانچہ اس نے بعد میں ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنے نیزے کی انی کو زہر میں بجھالے اور کسی موقعہ پر وہ انی حضرت ابن عمرؓ کے پیر پر رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت حضرت ابن عمرؓ طواف کر رہے تھے۔ (اس شخص نے چلتے چلتے نیزے کی انی ان کے پیر پر رکھ دی۔ بھیڑ اور مجمع میں ایسی بات پر کچھ کیا بھی نہیں جاسکتا) غرض اس کے بعد اسی دن حضرت ابن عمرؓ بیمار پڑ گئے اور چند دن میں ہی ان کی وفات ہو گئی۔

جب وہ بیمار ہوئے تو خود حجاج بھی ان کی مزاج پُرسی کے لئے انؓ کے پاس گیا اور پوچھنے لگا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ حجاج نے کہا۔

"خدا مجھے ہلاک کر دے اگر میں نے اس شخص کو قتل نہ کیا"۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"تو اس شخص کو قتل نہیں کر سکتا"۔

حجاج نے (انجان بن کر) پوچھا "کیوں۔ "تو حضرت!! ابن عمرؓ نے فرمایا۔

"اس لئے کہ خود تو نے ہی اس شخص کو اس بات کا حکم دیا تھا"۔

حضرت ابن عمرؓ کا پچھلی سطروں میں یہ جملہ گزرا ہے جو انہوں نے حجاج سے کہا تھا کہ تو خود احمق ہے اور لوگوں پر بلائے آسمانی ہے۔ اس سے ان کا اشارہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر فاروقؓ کے ایک قول کی طرف تھا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کو (اپنی خلافت کے زمانے میں) یہ معلوم ہوا کہ عراق کے لوگوں نے اپنے گورنر کو (جسے حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا) پتھر مار کر ہلاک کر دیا تو وہ سخت غصے میں گھر سے نکل کر مسجد

نبوی میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے لگے یہاں تک کہ نماز میں بھی ان سے بھول ہو گئی۔ سلام پھیر کر انہوں نے فرمایا۔

"اے اللہ! ان لوگوں نے (یعنی عراق والوں نے) مجھے مغالطہ میں مبتلا کیا پس تو ان کو بھی مبتلا فرمادے اور جلد ان پر ایک ثقفی غلام کو مسلّط فرمادے جو ان کے درمیان جاہلیت کے زمانے جیسے فیصلے کرے۔ جو نہ بھلائی کرنے والوں کی بھلائی کو قبول کرے اور نہ برائی کرنے والوں سے بدلہ لے"۔

یہ واقعہ حجاج کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے۔

مگر پھر میں نے تاریخ ابن کثیر میں دیکھا کہ جب حضرت ابن زبیرؓ قتل کر دیئے گئے اور عبدالملک ابن مروان کی طاقت و حکومت مضبوط ہو گئی تو حضرت ابن عمرؓ نے اس کی بیعت اور اطاعت قبول کرلی تھی (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی وفات ابن زبیرؓ سے پہلے نہیں ہوئی تھی) اسی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ بیہقی کی کتاب دلائل النبوت میں ہے کہ :۔

حضرت ابن عمرؓ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ کی لاش کے پاس آکر کھڑے ہوئے جب وہ سُولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اے ابوخُبیب! تم پر سلام ہو! خدا کی قسم کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا! خدا کی قسم! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا۔ خدا کی قسم! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا۔ خدا کی قسم! کیا میں تم کو ایک روزہ دار، نمازی اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے کے سوا کچھ سمجھتا تھا" :۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس سو غلام تھے (جو ایسے مختلف اور دور دراز کے ملکوں کے تھے کہ) ہر ایک کی زبان الگ تھی اور اس کے سوا وہ زبان دوسرا غلام نہیں جانتا تھا لیکن حضرت ابن زبیرؓ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی کی زبان میں بات کیا کرتے تھے (کیونکہ وہ دنیا کی بہت سی زبانیں جانتے تھے)۔

مگر یہ بات اس سے بھی زیادہ عجیب اور حیرت ناک ہو جاتی ہے جو عجائبات میں سے کہلاتی ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ کا ترجمان دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا تھا یہاں تک کہ ایک قول ہے کہ وہ چالیس زبانیں جانتا تھا اور ان میں بے تکلیف بات چیت کر سکتا تھا۔

ایک دفعہ حجاج ابن یوسف حضرت ابن زبیرؓ کے بھائی عُروہ ابن زبیر سے کسی بات پر اُلجھ رہا تھا اس میں اس نے عُروہ کو کہا۔

"تیری ماں نہ رہے"......!

(یہ عرب کا محاورہ تھا جو ڈانٹ ڈپٹ اور غصے میں کہا جاتا تھا) عُروہ نے یہ سن کر کہا۔

"یہ بات تو مجھے کہہ رہا ہے! حالانکہ میں جنت کی معزز خواتین کا بیٹا ہوں۔ ان خواتین سے ان کی مراد ہیں اپنی دادی حضرت صفیہؓ اپنی پھوپی حضرت خدیجہؓ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ اور اپنی والدہ حضرت اسماءؓ"۔

ایک مرتبہ حجاج نے ایک شخص سے پوچھا۔

"تم عبدالملک ابن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو"؟

اس شخص نے جواب دیا۔

"میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی برائیوں میں سے ایک برائی خود تم ہی ہو"!

عبدالملک ابن مروان کے بعد اس کا بیٹا سلیمان ابن عبدالملک خلیفہ بنا تھا۔ سلیمان نے خلیفہ ہونے کے بعد حجاج ابن یوسف کے قید خانے سے ستّر ہزار آدمیوں کو آزاد کیا جن کو حجاج نے قتل کرنے کے لئے بند کر رکھا تھا۔ ان میں سے کسی کا جرم ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کو قید ہی کیا جائے چہ جائے کہ قتل کی سزا دی جائے۔

بعض مورّخین لکھتے ہیں کہ حجاج ابن یوسف مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جگہ میں قید کیا کرتا تھا جہاں پاخانے نہیں ہوتے تھے اس لئے مرد عورتوں کے سامنے اور عورتیں مردوں کے سامنے بیٹھ کر پیشاب پاخانہ کیا کرتی تھیں جس سے ان سب کی بے پردگی ہوتی تھی۔ حجاج دس قیدیوں کو ایک ایک زنجیر میں باندھ کر قید میں ڈلواتا تھا اور ان کو کھانے کے لئے جلی ہوئی روٹیاں دیا کرتا تھا جن میں نمک اور راکھ ملائی جایا کرتی تھی۔

ایک دفعہ حجاج کا قیدیوں کے مجمع سے گزر ہوا تو اسے لوگوں کے چیخنے چلّانے کی آوازیں آئیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے اس کو بتلایا کہ قیدی فریاد کر رہے ہیں کہ ہمیں گرمی نے مار ڈالا۔ حجاج نے اس پر صرف اتنا کہا۔

"ان سے کہہ دو کہ یہیں سڑتے گلتے رہو اور شور مت مچاؤ"۔

اس کے بعد اس قیدیوں کی بھیڑ میں سے بہت تھوڑے سے آدمی زندہ بچے۔

تابعین میں سے آخری آدمی جنہیں حجاج نے قتل کیا وہ حضرت سعید ابن جبیرؒ ہیں (تابعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو) پھر حضرت ابن جُبیرؒ کے بعد اس نے صرف ایک اور شخص کو قتل کیا۔

سلطان عمر ابن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ اگر ہر امت اپنے اپنے فرعونوں (یعنی سرکش بادشاہ) کو لے کر آئے اور ہم اپنی امت میں سے حجاج کو سامنے لائیں تو (حجاج کے مظالم اور سرکشی کی انتہا کی وجہ سے) ہمارا ہی پلّہ بھاری رہے گا۔

حجاج اور عبدالملک کا مقام...... خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک نے حجاج کی موت کے بعد اس کے ایک قریبی دوست کہا۔

"حجاج جہنم کی تلی میں پہنچا دیا گیا ہے"۔

اس پر اس شخص نے جواب دیا۔

"اے امیر المومنین! حجاج قیامت کے دن آپ کے باپ عبدالملک (جس کا وہ گورنر تھا) اور آپ کے بھائی ہشام بن عبدالملک کے درمیان میں کھڑا ہو گا۔ اس لئے آپ اس کے لئے جہنم میں کوئی بھی جگہ متعین کرلیں (آپ کے باپ اور بھائی اس کے ساتھ ہوں گے")۔

بعض علماء نے ایک بہت عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ جب اس کو نہلانے کے لئے تختے پر رکھا گیا تو اچانک وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"میں نے اپنی ان آنکھوں سے حجاج اور عبدالملک کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے پھر رہے ہیں"۔

اتنا کہہ کر وہ شخص پھر اسی طرح مردہ ہو گیا۔

یہ حجاج اپنی اصل کے اور پشتینی لحاظ سے ہی ظالم تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک محاورہ ہے کہ فلاں آدمی ابن جُلَندی سے بھی زیادہ ظالم ہے۔ ان ابن جُلَندی سے مراد وہی شخص ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا پ ۱۶ سورۂ کہف الآیۃ

ترجمہ :۔ اور ان لوگوں سے آپ کی طرف ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔

تو حجاج ابن یوسف اسی ابن جُلَندی کی اولاد میں سے تھا اس کے اور حجاج کے درمیان ستّر پشتوں کا فاصلہ ہے

ایک مرتبہ حجاج نے کسی معاملے میں ایک شخص سے حلف طلب کیا تو اس نے جواب دیا۔

"نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے سامنے کل تجھے کھڑا ہونا ہے کہ تو وہاں اس سے زیادہ کمتر اور ذلیل ہو گا جتنا اس وقت میں تیرے سامنے ہوں"۔

اس پر حجاج نے کہا۔

"خدا کی قسم اس دن میں ذلیل ہوں گا"۔

اسلام کے دور میں سب سے پہلے جس شخص نے درہم ڈھالے وہ حجاج ہی ہے جس نے عبدالملک ابن مروان کے حکم پر ایسا کیا تھا۔ ان درہموں پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اللّٰهُ الصَّمَدُ لکھا ہوا تھا یعنی ان کے ایک طرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف اَللّٰهُ الصَّمَدُ لکھا ہوا تھا۔ اسلامی دراہم عبدالملک سے پہلے کسی کے زمانے میں نہیں ایجاد کئے گئے۔ اس سے پہلے جو دراہم چلتے تھے وہ یا تو رومی ہوتے تھے اور یا کسریٰ فارس کے ہوتے تھے۔

اس کے بعد پھر خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانے میں جو سینتیسواں (۳۷) عباسی خلیفہ تھا جو درہم ڈھالے گئے ان کا نام نقرہ رکھا گیا یہ دس درہم ایک دینار کے برابر ہوتے تھے۔ یہ بات ۶۲۴ھ کی ہے۔

سلیمان ابن عبدالملک...... سلیمان ابن عبدالملک خلیفہ بننے کے بعد جب مدینے میں داخل ہوا تو اس نے پوچھا

"کیا مدینے میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو دیکھا ہو"؟

لوگوں نے کہا کہ ایسے شخص ابو حازم ہیں۔ سلیمان نے ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ جب وہ آئے تو سلیمان نے ان سے پوچھا۔

"اے ابو حازم! کیا وجہ ہے کہ ہم موت سے ڈرنے لگے ہیں"؟

حضرت ابو حازم نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت کو برباد کر لیا ہے اور اپنی دنیا کو آباد کر لیا ہے اس لئے اب تمہیں یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ تم آبادی سے بربادی کی طرف جاؤ"۔

پھر سلیمان نے ان سے پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کس طرح ہو گی"؟

حضرت ابو حازم نے جواب دیا

"نیک آدمی اس طرح حاضر ہو گا جیسے کوئی بچھڑا ہوا آدمی مدّت کے بعد اپنے گھر والوں کے پاس آتا

ہے اور بدکار آدمی اس طرح حاضر ہوگا جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس پہنچتا ہے"۔

یہ سن کر سلیمان ابن عبد الملک رونے لگا اور بولا

"اے کاش میں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا چیز ہماری پونجی بن سکتی ہے"......!

حضرت ابو حازم نے کہا کہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ڈھال لو۔

سلیمان نے پوچھا کہ (قرآن پاک میں) یہ بات کس جگہ ملے گی (جس میں جہنم اور جنت کے مستحق ہونے کے عمل کا بیان ہو؟)۔

حضرت ابو حازم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ لآیہ ۱۳،۱۴ پ ۳۰ سورۂ انفطار

ترجمہ:۔ نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے اور بدکار یعنی کافر لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے۔

پھر سلیمان نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہوتی ہے؟

حضرت ابو حازم نے کہا

"نیک کام کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے"۔

پھر سلیمان نے سوال کیا کہ کون سے بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور شریف ہوتے ہیں؟

حضرت ابو حازم نے کہا کہ وہ لوگ جو مروّت والے اور نرم دل ہوتے ہیں

ایک دفعہ ایک دیہاتی خلیفہ سلیمان ابن عبد الملک کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے امیر المومنین! میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ غور سے سنیں اس لئے کہ اگر آپ نے ان باتوں کو قبول کر لیا تو ان میں آپ کو وہ خیر اور بھلائی ملے گی جسے آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں"۔

سلیمان نے کہا کہ بتاؤ کیا باتیں ہیں۔ اس دیہاتی نے کہا۔

"میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کے لئے ان چیزوں کو زبان پر لا رہا ہوں جن سے لوگ (آپ کے خوف سے) گونگے بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے چاروں طرف ایسے لوگ جمع ہوگئے ہیں جو اپنی ذات کے لئے اختیارات اور طاقت کا غلط استعمال کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے دین کے بدلے میں آپ کی دنیا خرید لی ہے اور اپنے پروردگار کی ناراضگی کے بدلے میں آپ کی رضا و خوشنودی حاصل کر لی۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں آپ سے ڈرتے ہیں لیکن آپ کے کاموں میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگ آخرت سے جنگ کر رہے ہیں اور اپنی دنیا کو پُرامن بنا رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا ہے آپ وہاں ایسے لوگوں کو ہرگز پناہ اور امان نہ دیجئے۔ کیونکہ یہ لوگ امن و سلامتی کی قدر نہیں جانتے اور ان کے جرموں کے ذمہ دار آپ بنتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنی آخرت گنوا کر ان کی دنیا نہ سنواریئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا سجانے کے لئے اپنی آخرت بیچ دے"۔

یہ سن کر خلیفہ سلیمان نے کہا

"تم دیہاتی تو نہیں معلوم ہوتے تم نے اپنی زبان کو تلوار کی طرح استعمال کیا ہے اور یہ یقیناً تمہاری تلوار ہی ہے"۔

دیہاتی نے کہا۔

بے شک اے امیر المومنین! مگر یہ تلوار آپ کے حق میں نکلی ہے آپ کے خلاف نہیں"۔

سلیمان کی خدا ترسی...... جب سلیمان ابن عبد الملک خلافت کے بعد حج کو گیا تو وہاں اس نے اپنے بھتیجے اور ولی عہد عمر ابن عبد العزیز سے کہا۔

"کیا تم اس مخلوق کو دیکھ رہے ہو جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا اور جن کو اللہ کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا"!

(گویا میری سلطنت اور رعیت اتنی بڑی ہے کہ دور دراز تک پھیلی ہوئی ہے اور بے شمار مخلوق میری فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے) یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا۔

"امیر المومنین! آج یہ لوگ آپ کی رعیت ہیں لیکن کل اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی لوگ آپ کے دشمن ہوں گے"۔

(کیونکہ رعیت کے ساتھ نیک سلوک اور انصاف نہ کیا گیا تو کل آخرت میں یہی لوگ حق تعالیٰ کے پاس آپ کے خلاف فریاد کریں گے اور آپ کی آخرت کی خرابی و تباہی کا سبب بنیں گی) یہ سن کر سلیمان زار و قطار رونے لگا اور پھر بولا

"میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد چاہتا ہوں"۔

ایک روز خلیفہ سلیمان اپنی عظیم سلطنت اور بادشاہت کا خیال کر کے بہت مسرور ہوا۔ چنانچہ اس نے حضرت عمر ابن عبد العزیز سے کہا۔

"اے عمر! ہم جس مقام پر ہیں اس کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو"؟

حضرت عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا

"اے امیر المومنین! یہ ایک سرور ہے اگر اس میں غرور نہ ہو، ایک نعمت ہے اگر ختم ہونے والی نہ ہو ایک زبردست سلطنت ہے اگر (انسان کی آخرت کے لئے) ہلاکت نہ ہو، ایک خوشی ہے اگر اس کے بعد آنے والی تنگی اور مصیبت نہ ہو، ایک عیش و عشرت ہے اگر اس کے بعد آنے والی آفات اور مشکلیں نہ ہوں اور ایک بزرگی و اعزاز ہے اگر اس کے ساتھ سلامتی بھی ہو"!

اس پر خلیفہ سلیمان اس قدر رودیا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

جہاں تک سلیمان ابن عبد الملک کے بھتیجے حضرت عمر ابن عبد العزیز کی خلافت کا تعلق ہے تو اس بارے میں ان کی پیدائش سے بھی پہلے ان کے نانا حضرت عمر فاروقؓ ان کی والدہ کو خوش خبری دے چکے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا۔

فاروق اعظمؓ کی پیشین گوئی...... "میری اولاد میں ایک شخص ہو گا جس کے چہرے پر ایسی وجاہت اور ایسا اقبال ہو گا"۔

اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ :-

"جس کے چہرے پر ایسی نشانیاں ہوں گی جو روئے زمین کو انصاف سے بھر دیں گی"۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ اکثر کہا کرتے تھے :-

"اے کاش میں جانتا ہوتا کہ عمر ابن خطاب کی اولاد میں وہ کون شخص ہو گا جس کے چہرے پر ایسی

نشانیاں ہوں گی جو روئے زمین کو انصاف سے بھر دیں گی!"

ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ قول آتا ہے :۔

"کتنی عجیب بات ہے! لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک کہ عمر فاروقؓ کی اولاد میں وہ شخص ظاہر نہیں ہو جائے گا جو عمرؓ کے جیسے ہی عمل کرے گا۔"

چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ وہ شخص حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں اس لئے کہ ان کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے عاصم کی لڑکی یعنی حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں۔

خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا۔

"تمام تعریفیں اسی خدائے بزرگ کو سزاوار ہیں جس نے جو چاہا بنایا جس کو چاہا او نچا کیا اور جس کو چاہا معزز کیا۔ جس کو چاہا نعمتیں دیں اور جس کو چاہا نہیں دیں۔ یہ دنیا غرور اور سرکشی کا گھر ہے جو رونے والے پر ہنستی ہے اور ہنسنے والے پر روتی ہے۔ جو امن چاہنے والے کو ڈراتی ہے اور ڈرنے والوں کو پناہ دیتی ہے۔"

ایک اور خطبہ میں انہوں نے کہا تھا۔

"اے لوگو! کہاں ہیں ولید۔ ولید کا باپ۔ اور ولید کا دادا۔ ان کو بلانے والے نے اپنی آواز سنائی اور ان کے سب لین دین (یعنی معاملات) یہیں واپس رکھوالئے، جو کچھ شان و شوکت تھی وہ اس طرح ختم ہو کر ایسی ہو گئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں، ان کی زندگی کی تمام رونقیں اور قوتیں زائل ہو گئیں، محلات چھوٹ گئے اور آرام وہ بستروں سے نکل کر مٹی کے سنگین ڈھیر میں پہنچ گئے۔ اور اب حساب کے دن تک انہیں وہیں رہنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر جس نے اپنے آپ کو تیار کر لیا اس دن رحمت فرمائے جب ہر ایک کو اپنی بھلائیاں اپنے سامنے نظر آجائینگی"۔

**تعمیر کعبہ کے لئے خلیفہ منصور کی خواہش**...... غرض پھر جب ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو اس نے چاہا کہ کعبے کو پھر ان ہی بنیادوں پر تعمیر کرادے جن پر حضرت ابن زبیرؓ نے اس کی تعمیر کرائی تھی۔ چنانچہ اس بارے میں اس نے علماء سے مشورہ کیا۔ امام مالکؒ ابن انس نے اس پر اس سے کہا۔

"امیر المومنین! میں اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بیت اللہ شریف کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنایئے کہ ان میں سے جو بھی چاہے اس کی عمارت کو بدل دیا کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بیت اللہ کی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے گی"۔

اس مشورہ پر خلیفہ ابو جعفر نے اپنی رائے بدل دی۔ مگر علامہ طبری نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ جس خلیفہ نے یہ ارادہ کیا تھا اور جس کو حضرت امام مالکؒ نے منع کیا تھا وہ خلیفہ ہارون رشید عباسی تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات علامہ مقریزیؒ نے کہی ہے کہ یہ خلیفہ ہارون رشید کا واقعہ ہے مگر یہ قول صرف ان ہی کا ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ خلیفہ منصور تو (جب حج کے لئے روانہ ہوا تھا) تو راستہ میں بیر میمونہ کے مقام پر ذی الحجہ کی چھ تاریخ کو ہی (یعنی حج سے تین دن پہلے) اس کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ مکے میں داخل ہی نہیں ہو سکا۔

اس شبہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے خلیفہ منصور مکے سے پہلے مدینے گیا ہو اور وہاں اس

نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا ہو اور پھر جواب میں اس سے امام مالکؒ نے وہی بات کہی ہو جو پیچھے بیان ہوئی ہے اور جہاں تک خلیفہ ہارون رشید کا معاملہ ہے تو اس نے کعبے کو دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ حقیقت میں کیا تھا اور امام مالک سے ہی کیا تھا مگر انہوں نے وہی جواب دیا تھا جو پیچھے بیان ہوا ہے۔

(اس بارے میں مزید تفصیلات پیش کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اصل باب کعبے کی تعمیر اور تاریخ کا چل رہا ہے لہذا ایسے واقعات جن کا تعلق تعمیر کعبہ یا اس کے ارادہ سے رہا ہے ان کو مکمل تفصیلات اور شبہات جوابات کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے چنانچہ اس کے بعد کہتے ہیں)۔

میں نے پھر تاریخ ابن کثیر میں دیکھا کہ خلیفہ مہدی ابن منصور نے امام مالکؒ سے مشورہ کیا تھا کہ وہ کعبے کی موجودہ عمارت کو گرا کر دوبارہ اسی طرح اور ان ہی بنیادوں پر بنانا چاہتا ہے جیسے ابن زبیرؓ نے بنائی تھیں۔ اس پر امام مالک نے جواب دیا تھا:۔"مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمام بادشاہ بیت اللہ کو اپنا کھیل نہ بنالیں۔"

بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ منصور جب حج اور عمرہ سے فارغ ہو گیا تو وہ بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ منصور حج سے پہلے ہی انتقال کر گیا تھا)۔ مگر یہاں یہ کہنا ممکن ہے کہ خلیفہ منصور کا یہ حج اس سے پہلے کا ہو جس میں اس کا انتقال ہوا تھا۔

چنانچہ تاریخ ابن کثیر میں بھی ہے کہ خلیفہ منصور نے حج کیا تھا۔ اس خلیفہ نے اس حج کے علاوہ چار حج کیے جس میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ یہی بات علامہ طبری کی کتاب "القری لقاصد اُمّ القریٰ" میں بھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ منصور، ترویہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ سے دو دن پہلے انتقال کر گیا تھا۔ اور یہ کہ وہ اپنے ایک حج میں بغداد سے ہی احرام باندھ کر چلا تھا۔

خلیفہ منصور اور سفیان ثوریؒ...... شیخ مصفوی نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری اس کی برائیاں بیان کرتے تھے کہ وہ حق اور سچائی کو بلند نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ جب منصور حج کے لئے روانہ ہوا اور راستے میں اسے معلوم ہوا کہ سفیان ثوریؒ بھی مکے میں موجود ہیں تو اس نے کچھ لوگوں کو آگے بھیجا اور ان سے کہا کہ سفیان ثوری تمہیں جس حال میں بھی ملیں ان کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے جا کر ایک پھانسی کا تختہ اور پھندا تیار کر کے نصب کر دیا تاکہ اس پر سفیان ثوری کو پھانسی دی جا سکے۔ اس وقت سفیان ثوریؒ (جو بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے) مسجد حرام میں تھے۔ ان کا سر فضیل ابن عیاضؒ کی گود میں تھا اور ٹانگیں سفیان ابن عُیَینہؒ کی گود میں رکھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کو سفیان ثوریؒ کے متعلق خلیفہ کا حکم معلوم ہو گیا تھا اور یہ اس کی وجہ سے پریشان تھے) چنانچہ انہوں نے حضرت سفیان ثوریؒ کی جان کے خوف سے ان سے کہا۔

"خدا کی قسم آپ دشمنوں کو برا بھلا نہ کہیے چلئے کہیں چل کر چھپ جائیے"۔

سفیان ثوریؒ کھڑے ہو کر چلے مگر حرم میں ملتزم کے مقام پر آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے

"اس کعبے کے رب کی قسم! منصور مکے میں داخل بھی نہیں ہو سکے گا"......!

اس وقت منصور حجون کے مقام تک پہنچ چکا تھا کہ اچانک اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی جس سے منصور نیچے گر پڑا اور اسی گھڑی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت سفیان ہی وہاں تشریف لے گئے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ یہاں تک علامہ مصفوی کا کلام ہے۔

اس سے پہلے یہ روایت گذری ہے کہ منصور۔ بیر میمونہ کے مقام پر وفات پا گیا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے

کہ ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے منصور کے حجون کے مقام پر پہنچنے سے مراد اس کے سواروں اور لشکر کا پہنچنا مراد ہو جبکہ خود وہ بیر میمونہ پر ختم ہو گیا ہو۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

مگر تاریخ ابن کثیر میں منصور کی موت کا سبب یہ لکھا ہے کہ جب وہ حج کے لئے روانہ ہوا اور کوفے سے کچھ منزل دور نکل گیا تو وہ اس درد میں مبتلا ہو گیا جس میں آخر اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کو دستوں کی بیماری لگ گئی وہ مکے پہنچ کر ٹھہرا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس روایت میں اور پچھلی روایت میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے وہ بھی اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے دوسری روایت میں مکے پہنچنے کا جو ذکر ہوا ہے وہ اس لئے ہو گیا ہو کہ مکے کے قریب پہنچ چکا تھا اور قریب جگہ ہونے کی وجہ سے یہ کہہ دیا گیا کہ وہ مکے پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح ممکن ہے اسے دستوں کی بیماری لگی ہو مگر اس کے ساتھ ہی اس کا گھوڑا بھی پھسلا ہو جس سے گرنا اس کی موت کا اصل سبب بن گیا۔

روایت ہے کہ آخری جملہ جو منصور نے کہا وہ یہ تھا۔

"اے اللہ! اپنی ملاقات میں میرے لئے برکت عطا فرما"۔

خلیفہ منصور کے جو جملے مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے

"معاف کرنے والوں میں وہ شخص سب سے بہترین ہے جو سزا دینے کی زیادہ قدرت رکھتا ہو۔ اور عقل کے لحاظ سے سب سے کم وہ شخص ہے جو اپنے سے کم پر ظلم کرے"۔ واللہ اعلم۔

**مختلف زمانوں میں توسیع حرم**...... غرض یہ بات (سیرت حلبیہ گذشتہ ابواب میں) گزر چکی ہے کہ جب قصی ابن کلاب نے قریش کو حکم دیا تھا کہ کعبے کے چاروں طرف اپنے مکانات تعمیر کر لو اور قریش نے وہاں چاروں طرف مکانات بنا لیے تھے تو انہوں نے طواف کرنے کی جگہ کے بقدر خالی جگہ چھوڑ دی تھی چنانچہ طواف کی جگہ اس وقت سے آنحضرت ﷺ کے زمانے اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت تک جوں کی توں رہی۔ پھر اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور آیا تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ حرم کو بڑھانا ضروری ہے چنانچہ انہوں نے چاروں طرف کے مکانات خریدے اور ان کو گرا کر حرم کا صحن بڑھا کر چاروں طرف ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی۔ اس دیوار میں انہوں نے مسجد حرام کے لئے دروازے بنوائے۔ اس کے بعد پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی اپنی خلافت کے زمانے میں حرم کو بڑھایا۔ پھر عبد الملک نے اس کی دیواریں اونچی کرائیں اور ان پر سال کی لکڑی کی چھت ڈلوائی۔ اس کے بعد ولید ابن عبد الملک نے اس کو تڑوا کر وہاں سنگ مرمر کے ستون قائم کئے اور اس پر سال کی لکڑی کی چھت ڈلوائی جس پر پھول بوٹوں کا کام بنا ہوا تھا۔ نیز اس نے مسجد حرام کے صحن میں سنگ مرمر لگوایا۔ پھر اس کے بعد خلیفہ منصور نے مزید سنگ مرمر لگوایا اور حجر اسود کے گرد بھی سنگ مرمر لگوایا۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی اول اور خلیفہ مہدی ثانی نے مسجد کو اتنا بڑھایا کہ کعبہ مسجد حرام کے بیچوں بیچ آ گیا (یعنی چاروں طرف سے صحن برابر ہو گیا)۔

**مکے کے نام**...... اس کے بعد پھر خلیفہ معتضد باللہ نے دار الندوہ کو بھی حرم کے اندر لے لیا اور مکے کا نام فاران رکھا نیز اس نے اس کا نام قریۃ النمل یعنی چیونٹیوں کی بستی بھی رکھا کیونکہ وہاں چیونٹیاں بہت زیادہ تھیں۔ یا شاید یہ نام اس لئے رکھا کہ یہاں جب قوم عمالیق نے بہت زیادہ سرکشی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور

عذاب کے چیونٹیوں کو مسلط فرمادیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو حرم کی سرزمین چھوڑنی پڑی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مکہ شہر کے بہت زیادہ نام ہیں جن کو قاموس کے مصنف نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: آگے امام نوویؒ کا ایک قول آئے گا کہ کسی شہر کے اتنے نام نہیں ہیں جتنے کے اور مدینے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

**مقام کعبہ زمین کی اصل**...... (قال) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ :۔
کعبہ کی جگہ زمین سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی اور اس وقت یہ جگہ پانی کے اوپر ایک چھوٹے سے ٹاپو کی طرح تھی جس پر دو فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے تھے پھر اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اسی ٹاپو سے زمین کو اس طرح پھیلا کہ یہ ٹاپو زمین کے بیچ میں آگیا (یعنی اس کے چاروں طرف زمین پھیل گئی جبکہ اس سے پہلے صرف یہی زمین کا ٹکڑا تھا)۔

**زمین و آسمان اور شب و روز کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی**...... علامہ جلال سیوطیؒ سے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا گیا کہ :۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ۔ الآیہ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۱

ترجمہ :۔ بلاشبہ تمہارا رب حقیقی اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز کی مقدار میں پیدا کر دیا۔

(اس بارے میں علامہ سیوطیؒ سے پوچھا گیا کہ) کیا آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے دن موجود تھے؟
علامہ نے جواب دیا
"زمین و آسمان کی پیدائش اور دونوں کی تخلیق بالکل ایک ساتھ ہوئی ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پیچھے یا پہلے نہیں ہے۔"
اس بارے میں انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر کو ہی دلیل بنایا۔
حدیث میں آتا ہے کہ :۔
"اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پہلے مکے کو محترم بنادیا تھا"۔
اسی سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد یہ ہے کہ :۔
"ابراہیمؑ نے مکے کو محترم قرار دیا"۔
لہٰذا گذشتہ حدیث کی روشنی میں اس کے معنی یہ لئے جائیں گے کہ ابراہیمؑ نے اس شہر کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے (جبکہ خود اس کی حرمت زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ مقرر فرما چکا تھا)۔

# باب ہشت دہم (۱۸)

## آنحضرت ﷺ کے متعلق یہودی و عیسائی عالموں اور عرب کاہنوں کی پیشین گوئیاں

اس کے علاوہ اس باب میں ان پیش خبریوں کا بیان ہے جو کاہنوں نے جنّات وغیرہ سے سنیں یا اچانک فضاؤں سے اس بارے میں ان دیکھے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں یا بعض جانوروں اور درختوں سے آپ کی نبوت کے متعلق آوازیں آئیں۔ اسی طرح یہ کہ آپ کی نبوت کے وقت شیاطین کو آسمانوں کے خبروں کی سُن گُن لینے سے نجوم اور ستارے مار مار کر وہاں سے دھکیلا گیا۔ اسی طرح قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور آپ ﷺ کا حلیہ آیا ہے اس کی تفصیلات ہیں۔ نیز اسی طرح یہ کہ کیسے بعض پتّوں اور پتھروں پر آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہوا پایا گیا۔

حافظ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہودی عالم، عیسائی راہب اور عرب کے کاہن اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے جب آپ کی نبوت اور ظہور کا وقت قریب آگیا تھا۔ جہاں تک یہودی عالموں اور عیسائی راہبوں کے اس بارے میں خبریں دینے کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد ان کی قدیم آسمانی کتابیں تھیں جن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت حلیے اور زمانے کا تذکرہ موجود تھا۔ اور جہاں تک عرب کے کاہنوں کی خبروں کا تعلق تھا تو ان کی خبروں کی بنیاد وہ شیاطین تھے جو ان کے تابع تھے اور آسمانوں تک پہنچ کر وہاں فرشتوں کے درمیان ہونے والی باتیں چھپ چھپ کر سنا کرتے اور پھر وہ باتیں کاہنوں کو بتلایا کرتے تھے۔ اس وقت تک شیاطین کو چھپ کر آسمان کی خبریں سننے پر پابندی نہیں لگی تھی جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت اور ظہور کے وقت ان شیاطین کو اس سے روک دیا گیا تھا۔

چنانچہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ عرب کے کاہنوں اور کاہناؤں کی زبانوں پر آنحضرت ﷺ کی بعض باتوں کا ذکر آتا رہا مگر عرب کے لوگ ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو گیا اور آپ ﷺ سے وہ باتیں سرزد ہوئیں جن کا کاہنوں نے تذکرہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں عربوں کو وہ

باتیں یاد آگئیں اور ان کاہنوں کی تصدیق ہو گئی۔

اس بارے میں یہ تصریح موجود ہے کہ آسمانوں میں فرشتے رسول اللہ ﷺ کے وجود سے بھی پہلے آپ کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے (جو کبھی کبھی ان شیاطین کے کانوں میں بھی پڑ جاتی تھیں جو آسمانوں کے قریب منڈلاتے رہتے تھے۔ پھر یہی خبریں وہ شیاطین زمین پر آکر کاہنوں کو بتلادیتے اور اس طرح وہ دوسروں تک پہنچ جاتی تھیں)۔

## آنحضرت ﷺ کے متعلق یہود کی خبریں

جہاں تک یہودی عالموں کی دی ہوئی خبروں اور آنحضرت ﷺ کے متعلق ان کی پیشین گوئیوں کا تعلق ہے ان میں سے کچھ کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے اور کچھ باتوں کا ذکر اب یہاں کیا جارہا ہے)۔

حضرت سلمہ ابن سلامہ کا واقعہ...... چنانچہ ان ہی میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت سلمہ ابن سلامہ نے بیان کیا ہے یہ حضرت سلمہ ان حضرات میں سے ہیں جو غروۂ بدر میں شریک تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل کے یہودیوں میں سے ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا۔ ایک روز اس نے کچھ بت پرستوں کے سامنے یہ تذکرہ کیا کہ قیامت آئے گی اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے، پھر حساب کتاب ہوگا اور لوگوں کے اچھے اور برے عمل تولے جائیں گے جس کے بعد ان کو جنت یا جہنم میں پہنچادیا جائے گا۔ اس پر ان بت پرستوں نے (اس یہودی عالم کا مذاق اڑاتے ہوئے) کہا۔

"کیا بکتا ہے اے فلاں! کیا تو ان باتوں کو پیش آتے ہوئے دیکھ رہا ہے کہ لوگ مرنے کے بعد ایک ایسی جگہ دوبارہ زندہ کئے جارہے ہیں جہاں جنت اور دوزخ بھی موجود ہیں اور وہاں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جارہا ہے"!

اس یہودی نے کہا۔

"ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے نام کا حلف لیا جاتا ہے کہ (لوگ قیامت کے عذاب سے اتنا ڈرنے لگیں گے کہ) آدمی یہ چاہے گا کہ (دنیا کی) بڑی سے بڑی آگ کا ایک زبردست تنور دہکا کر اس کو اس میں ڈال دیا جائے اور پھر اس کو بند کر دیا جائے اگر اس کے بدلے میں وہ کل قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچ سکتا ہو"......!

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا

"تیرا برا ہو۔ اس دور کی علامت اور نشانی کیا ہو گی"؟

یہودی نے مکے اور یمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ایک نبی جو ان علاقوں سے ظاہر ہوگا"۔

لوگوں نے پوچھا اس نبی کو ہم میں سے بھی کوئی دیکھ پائے گا۔ حضرت سلمہ ابن سلامہ کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں اس وقت سب سے کم عمر تھا۔ اس بات کو سن کر اس یہودی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر یہ لڑکا بڑی عمر کو پہنچا تو ان کا زمانہ پائے گا"۔

حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد دن اور رات گزرتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبوت کے ساتھ ظاہر فرمادیا۔ اس وقت بھی وہ یہودی ہمارے درمیان موجود تھا۔ چنانچہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے مگر وہ یہودی سرکشی اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لایا۔ اس وقت ہم نے اس سے کہا۔

"برا ہو تیرا اے فلاں! کیا تو نے ہی آنحضرت ﷺ کے متعلق اس وقت ہم کو بہت کچھ نہیں بتلایا تھا"!؟

اس یہودی نے کہا۔

"بے شک بتلایا تھا مگر ان کے متعلق نہیں کہا تھا"۔

(کیونکہ یہودیوں کو اس بات پر حسد تھا کہ وہ عظیم نبی ہماری قوم میں سے نہیں ہے جبکہ وہ اپنی قوم کو ہی سب سے بڑی اور معزز سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ جانتے ہوئے بھی کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ سچے پیغمبر ہیں جن کا ذکر اور حلیہ ہماری کتابوں میں موجود ہے خود آپ ﷺ پر محض حسد اور جلن کی وجہ سے ایمان نہیں لائے)۔

عمر ابن عنبسہ کا واقعہ...... اسی طرح ایک واقعہ ہے جس کو حضرت عمرو ابن عنبسہ سلمیؓ نے روایت کیا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ہی میں اپنے قوم کے معبودوں سے بیزار ہو گیا تھا یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دی تھی۔ اسی زمانے میں ایک دن میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تیماء نامی بستی کا رہنے والا تھا۔ یہ بستی مدینہ اور ملک شام کے درمیان میں تھی۔ غرض میں نے اس شخص سے کہا۔

"میں اس قوم کا آدمی ہوں جو بتوں کو پوجتے ہیں مگر ان کا حال ہے کہ ایک جماعت کے قافلے نے اگر کسی جگہ اتر کر پڑاؤ ڈالا اور ان کے پاس کوئی معبود یعنی بت نہیں ہے تو اب ایک شخص قافلے سے نکلتا ہے اور چار پتھر اٹھا کر لاتا ہے اور پھر ان میں سے تین کو تو استنجاء کرنے کے لئے الگ کر لیتا ہے اور ان میں سے ایک کو جو زیادہ صاف ستھرا ہو اپنا معبود بنا کر اس کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ پھر وہیں اگر اس سے زیادہ صاف ستھرا کوئی پتھر مل گیا تو اس پچھلے معبود کو چھوڑ کر اس کی عبادت شروع کر دے گا۔ اسی طرح اگر آگے جا کر وہ کہیں اور ٹھہرتا ہے اور وہاں اس سے زیادہ اچھا کوئی پتھر مل جاتا ہے تو پہلے کو پھینک کر اس کو معبود بنا بیٹھتا ہے۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سب بکواس اور باطل چیزیں ہیں جو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اس لئے اب آپ مجھے اس سے بہتر کوئی چیز بتلائیے"۔

اس پر اس یہودی شخص نے کہا

"مکے میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو اپنی قوم کے معبودوں سے بیزار ہوگا اور ان کے علاوہ ایک دوسرے معبود کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلائے گا۔ اس لئے جب تم اس شخص کو دیکھو تو اس کی پیروی کرنا اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ افضل اور اعلیٰ دین لے کر آئے گا"۔

اس کے بعد جب بھی مکے سے کوئی شخص آتا تو میں اس سے پوچھتا کہ کوئی نئی بات تو ظاہر نہیں ہوئی وہ کہتے کہ نہیں۔ آخر ایک دفعہ مجھے ایک آدمی ملا میں نے اس سے یہی بات پوچھی۔ اس نے مجھے بتلایا کہ ہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو اپنی قوم کے بتوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور ان کے سوا ایک دوسرے معبود کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

یہ سنتے ہی میں نے اپنی سواری تیار کی اور فوراً مکے کو روانہ ہو گیا۔ میں سیدھا اس جگہ پہنچا جہاں مکے میں میں ٹھہرا کرتا تھا۔ پھر میں نے اس شخص کے متعلق معلوم کیا (آخر جب میں اس شخص کے پاس پہنچا تو) میں نے ان کو بہت حلیم و سلیم پایا اور قریش کو دیکھا کہ وہ ان پر سخت غضبناک تھے، مجھے ان سے ہمدردی پیدا ہوئی اور پھر میں ان کے پاس پہنچا۔ اب میں نے ان سے پوچھا۔

"آپ کیا ہیں"؟

انہوں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوں؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو کس نے نبی بنایا ہے؟ انہوں نے کہا۔ اللہ نے! پھر میں نے پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ انہوں نے کہا۔

"یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں خوں ریزی بند کرنے کے لئے، بتوں کو توڑنے کے لئے، رشتہ داروں کی خبر گیری کا حکم دینے کے لئے اور مسافروں کو لوٹ مار سے امان دینے کے لئے آیا ہوں"۔

میں نے کہا۔ "بے شک! جو کچھ پیغام آپ لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں کیا آپ مجھے یہ حکم دیتے ہیں کہ میں آپ کے پاس ٹھہروں یا واپس چلا جاؤں"؟

آپ نے فرمایا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ لوگ اس پیغام کو کتنا ناپسند کر رہے ہیں جو میں لے کر آیا ہوں، اس لئے تم میرے پاس نہیں ٹھہر سکتے تم اپنے گھر پر رہو اور جب تمہیں میرے متعلق معلوم ہو کہ میں کسی خاص جگہ کے لئے یہاں سے نکل گیا ہوں تو میرے پاس آجانا"۔

چنانچہ میں واپس اپنے گھر آگیا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے مدینے کو ہجرت فرمائی، میں بھی فوراً ہی آپ کے پاس پہنچنے کے لئے روانہ ہوا اور مدینے آگیا۔ یہاں میں نے آپ سے پوچھا۔

"اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے مجھے پہچانا"؟

**عاصم ابن عمرو کا واقعہ**...... آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں! تم وہی سُلَمی شخص ہو جو میرے پاس مکے میں آئے تھے"۔

ان ہی پیشین گوئیوں میں سے ایک یہ ہے جسے عاصم ابن عمرو ابن قتادہ نے اپنی قوم کے لوگوں سے روایت کیا ہے کہ لوگ کہتے تھے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام کی طرف اور ہدایت کے راستے کی طرف جس چیز نے بلایا وہ، وہ باتیں ہیں جو ہم یہودی عالموں سے سنا کرتے تھے، ہم لوگ مشرک اور بتوں کو پوجنے والے تھے جبکہ وہ لوگ یعنی یہودی اہل کتاب تھے جس کی وجہ سے ان کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اس وقت ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی نہ کوئی فتنہ و فساد ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب بھی ہم کوئی ایسی بات کر دیتے جو ان لوگوں کو ناگوار گزرتی تو وہ ہم سے کہا کرتے تھے۔

"وہ زمانہ اب قریب آگیا ہے جس میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے وہ تمہیں قوم عاد و قوم ثمود کی طرح قتل کر کے نیست و نابود کر دے گا"۔

یہ بات وہ لوگ اکثر کہا کرتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ظاہر فرما دیا اور آپ ﷺ

نے ہمیں اللہ عزو جل کی طرف بلایا تو ہم نے فوراً ہی آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے پیغام کو قبول کیا۔ اس وقت ہمیں آپ میں وہ تمام نشانیاں بھی نظر آگئیں جن سے وہ لوگ ہمیں (بلاوجہ) ڈرایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں ہم نے جلدی اور پہل کی اور خود ان لوگوں نے کفر کیا۔ پھر اسی بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ، فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (پ۱ سورۂ بقرہ ع۱۱) الآیۃ ۸۹

ترجمہ :۔ اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی یعنی قرآن جو منجانب اللہ ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے یعنی توریت حالانکہ اس کے قبل وہ خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ خوب جانتے پہچانتے ہیں تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے سو بس خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر۔

**بنی قریظہ کے ایک شیخ کا واقعہ** ...... اسی طرح ایک وہ واقعہ ہے جو بنی قریظہ (یعنی مدینے کے ایک یہودی قبیلے) کے ایک شیخ نے بیان کیا ہے کہ ملک شام کا ایک یہودی عالم تھا جس کا نام ابن ھَیبان تھا جس کو عرب جبان کہتے تھے۔ یہ اسلام سے ایک عرصہ پہلے مدینے آگیا تھا اور ہم لوگوں کے درمیان آکر بس گیا تھا۔ خدا کی قسم پانچ وقت نماز نہ پڑھنے والوں میں ہم نے اس شخص سے زیادہ افضل اور بزرگ کسی کو نہیں پایا۔ (ی) مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگوں میں اس سے افضل آدمی نہیں دیکھا گیا کیونکہ مسلمان ہی پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں لہذا یہاں انکار اصلی ہے زائد نہیں ہے۔ غرض یہ شخص ہمارے یہاں آکر ٹھہرا۔ اب جب بھی ہمارے یہاں بارش کا قحط اور خشک سالی ہوتی تو (اس شخص کی بزرگی کی وجہ سے) ہم اس سے کہتے۔

"اے ابن ھیبان! ہمارے ساتھ (بستی سے باہر) چلو اور ہمارے لئے بارش کی دعا مانگو"۔

وہ جواب میں کہتا۔

"نہیں۔ اس وقت تک نہیں چلوں گا جب تک کہ تم لوگ میرے سامنے اپنا مال صدقہ کے لئے نہیں نکالو گے"۔

ہم پوچھتے کتنا تو وہ کہتا۔

"یا تو ساڑھے تین سیر کھجور اور یا پونے تین رطل گیہوں"۔

(ایک رطل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے) چنانچہ ہم اتنا ہی صدقہ کرتے اور اس کے بعد وہ شخص ہمارے ساتھ بستی کے باہر چل کر پانی کی دعا مانگتا۔ پس خدا کی قسم (دعا مانگنے کے بعد) وہ اپنی جگہ سے ہٹتا بھی نہیں تھا کہ بادل گھر کر آتے اور ہم لوگ سیراب ہو جایا کرتے تھے۔ اس نے ہمارے لئے اس طرح کئی بار دعا مانگی۔ (ی) یعنی ایک دو مرتبہ یا تین مرتبہ نہیں بلکہ اس سے بھی زائد بار اس کے ذریعہ ہمیں سیرابی حاصل ہوئی۔

اس کے بعد اس کا آخر وقت آپہنچا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ اب موت سر پر آچکی ہے تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔

"اے گروہ یہود! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کس وجہ سے دولت مند اور سر سبز علاقے (یعنی ملک شام) کو چھوڑ کر اس بنجر اور بھوکے علاقے میں آکر بس گیا ہوں؟" ہم نے کہا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔ تب اس نے کہا۔

"میں اس علاقے میں اس لئے آکر ٹھہرا ہوں کہ مجھے ایک نبی کے ظہور کی امید ہے جس کا زمانہ اب

آپہنچا ہے اس کا وقت اسی طرح قریب آچکا ہے کہ گویا تم اس زمانے کے سائے میں پہنچ چکے ہو۔ یہ شہر اس کی ہجرت گاہ یعنی ہجرت کا گھر ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ وہ نبی ظاہر ہو جائے اور میں بھی اس کی پیروی کروں۔ بہر حال تم لوگوں تک اس کا زمانہ آپہنچا ہے اس لئے اس نبی کو ماننے میں تم پہل کرنا۔ جو لوگ اس نبی کے مخالف ہوں گے ان کی خوں ریزی ہوگی اور ان کے بچے اور عورتیں قیدی بنیں گے۔ لہذا ان باتوں کی وجہ سے تم اس کی طرف بڑھنے سے رک مت جانا"۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو گیا اور (مدینے پہنچنے کے بعد یہودیوں کی مخالفت اور سازشوں کی بناء پر) آپ نے بنی قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ فرمایا تو بنی قریظہ کے کچھ یہودیوں نے یعنی ثعلبہ ابن سعیہ، اسد ابن شعبہ یا اسید ابن شعبہ اور اسد ابن عبید نے جو سب کے سب نوجوان تھے کہا۔

اے بنی قریظہ! بے شک یہ ہو بہو وہی نبی ہیں (جن کی خبر ابن ھیبان نے دی تھی)۔"

اس کے بعد یہ تینوں اس حویلی سے اتر کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی جانیں، ان کا مال اور ان کے گھر والے محفوظ ہو گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

**حضرت عباسؓ کا واقعہ**...... (قال) اسی طرح حضرت عباسؓ کا واقعہ ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گیا۔ اس قافلے میں ابو سفیان ابن حرب بھی تھے۔ وہاں ہمیں حنظلہ ابن ابو سفیان کا خط ملا جس میں تھا کہ:۔

"محمد (ﷺ) نے مکے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔

یہ خبر فوراً ہی یمن کی مجلسوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ ہمارے پاس ایک یہودی عالم آیا اور کہنے لگا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں میں کوئی اس شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) کا چچا بھی ہے جس نے وہ دعویٰ کیا ہے جس کا چرچا ہو رہا ہے"!

حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ ہاں (میں ان کا چچا ہوں) تب اس یہودی عالم نے کہا۔

"میں تم سے خدا کے نام پر پوچھتا ہوں کیا تمہارے بھتیجے میں بچپنا اور شوخی ہے"؟

میں نے کہا۔

"نہیں۔ ہر گز نہیں۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور کبھی امانت میں خیانت بھی نہیں کی یہاں تک کہ قریش میں اس کا نام ہے "امین" پڑ گیا ہے"۔

پھر اس یہودی نے پوچھا۔

"کیا وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہے"؟

میں نے چاہا کہ ہاں کہہ دوں (کیونکہ ان کے نزدیک اس وقت بھتیجے کی عزت اسی میں تھی کہ ان کو پڑھا لکھا بتلایا جائے) مگر مجھے ابو سفیان سے ڈر ہوا کہ (اگر میں نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ غلط بات کہہ دی تو) وہ مجھے فوراً جھٹلا دے گا اور میری بات کی تردید کر دے گا۔ اس لئے میں نے کہہ دیا کہ نہیں وہ لکھنا نہیں جانتا۔

یہ سنتے ہی وہ یہودی اپنی چادر تک چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سخت گھبراہٹ میں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

"یہودی ذبح ہو گئے۔ یہودی قتل ہو گئے"......!

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوٹ کر اپنی منزل پر آئے تو ابوسفیان نے مجھ سے کہا۔
"اے ابوالفضل! یہودی تمہارے بھتیجے سے بہت ڈر رہے ہیں!" (حضرت عباسؓ کا لقب ابوالفضل تھا)۔

میں نے کہا۔ "میں نے دیکھا ہے۔ اور شاید تم بھی اس پر ایمان لے آؤ"......!؟
ابوسفیان نے جواب دیا۔
"میں اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ کدّاء کے مقام پر گھوڑے سواروں کا لشکر نہیں دیکھ لوں گا"۔
میں نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو ابوسفیان نے کہا۔
"یہ بات تو اچانک منہ سے نکل گئی ہے۔ مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ اللہ کبھی بھی کدّاء تک (جو مکے کے قریب ایک جگہ ہے) کسی لشکر کو نہیں آنے دے گا"۔
پھر حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ (اس واقعہ کے برسوں بعد) جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ابوسفیان نے اس وقت کدّاء کے مقام پر گھوڑے سواروں کا لشکر دیکھا تو میں نے اس سے کہا۔
"ابوسفیان تمہیں اپنی وہ بات یاد ہے"؟
ابوسفیان نے کہا
"ہاں۔ خدا کی قسم مجھے اس وقت وہ بات یاد آرہی ہے"!

**اُمیہ ابن ابوصلت کا واقعہ**...... اسی طرح ایک واقعہ امیہ ابن ابوصلت ثقفی نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ابوسفیان سے ایک دفعہ کہا۔
"میں نے قدیم کتابوں میں ایک نبی کا حلیہ پڑھا ہے جو ہمارے علاقے میں ظاہر ہوگا۔ میں اس وقت یہ سمجھا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں اور میں اس کا تذکرہ بھی کیا کرتا تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ نبی بنی عبد مناف میں سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے بنی عبد مناف کو (اس حلیہ کے مطابق) جانچا مگر مجھے ان میں سوائے عتبہ ابن ربیعہ کے کوئی بھی اس حلیے کے مطابق نہ نظر آیا۔ لیکن یہ عتبہ ابن ربیعہ بھی چالیس سال سے بھی زیادہ کا ہو گیا مگر اس پر وحی نہیں آئی۔ تب میں نے سوچا کہ وہ نبی اور کوئی ہوگا"۔
ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب محمد ﷺ کا ظہور ہوا تو میں نے امیہ سے آپ ﷺ کے متعلق ذکر کیا، وہ کہنے لگا۔

"اگر وہ سچے ہیں تو ان کی پیروی کرو"۔
میں نے کہا
"اور تم۔ تمہیں کیا رکاوٹ ہے"؟
امیہ نے کہا
"مجھے بنی ثقیف کی عورتوں سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ اور میں خود ہی بنی عبد مناف کے ایک نوجوان کا پیرو بن جاؤ"!

# عیسائی عالموں کی پیشین گوئیاں

(یہودی عالموں کی طرح) عیسائی عالم اور راہب بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق پہلے سے خبریں دیتے آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات پیچھے بیان بھی ہو چکے ہیں۔

(قال) اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت طلحہ ابن عبداللہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بصریٰ کے بازار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک راہب اپنی خانقاہ میں کھڑا یہ کہہ رہا ہے۔

"اس موسم کے (یعنی اس سال کے) آنے والوں سے پوچھو کہ کیا تم میں حرم کی سرزمین کا رہنے والا بھی کوئی ہے"!

میں نے کہا "ہاں میں ہوں"۔ اس پر اس نے فوراً پوچھا۔

"کیا احمد ﷺ کا ظہور ہو گیا ہے"؟

میں نے کہا کون احمد؟ تو اس نے جواب دیا۔

"عبداللہ ابن مطلب کا بیٹا۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہے اس کے ظہور کی جگہ حرم کی سرزمین ہے اور اسکی ہجرت کی جگہ کھجوروں کی طرف (یعنی مدینے میں) ہو گی۔ پس تجھے لازم ہے کہ تو اس کی طرف بڑھنے میں جلدی کرے"۔

حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ اس راہب کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ چنانچہ جب میں مکے واپس آیا تو میں نے اس کا تذکرہ ابو بکرؓ سے کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کو میرے متعلق خبر دی جس سے آپ بہت خوش ہوئے اس کے بعد حضرت طلحہ مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد نوفل ابن عدویہ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو پکڑ لیا اور دونوں کو ایک رسّی میں باندھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں حضرات کا لقب "قرینین" یعنی باہم ملے ہوئے پڑ گیا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں احتمال ہے کہ یہ راہب بحیراء اور نسطور راہبوں میں سے کوئی ہو کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ دونوں بصریٰ ہی میں رہتے تھے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راہب ہو۔ یہی بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ پیچھے یہ بھی گزرا ہے کہ بحیراء اور نسطور اراہبوں میں سے کسی کو بھی آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا۔ واللہ اعلم۔

سعید ابن عاص کا واقعہ...... ایسا ہی ایک واقعہ سعید ابن عاص ابن سعید بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں جب میرا باپ عاص قتل ہوا تو میں اپنے چچا ابان ابن سعید کی پرورش میں آگیا تھا۔ یہ ابان رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ برا بھلا کہتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ابان تجارت کے سلسلے میں ملک شام گئے۔ وہاں وہ ایک سال تک رہے اور اس کے بعد واپس آئے۔ واپس آنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے جو بات پوچھی وہ یہ تھی کہ محمد (ﷺ) نے کیا کچھ کر لیا ہے۔ میرے دوسرے چچا عبداللہ ابن سعید نے کہا۔

"خدا کی قسم وہ پہلے سے کہیں زیادہ معزز اور بلند ہو چکے ہیں"۔
یہ سن کر ابان ابن سعید خاموش رہ گئے اور پہلے کی طرح آپ کے نام پر برا بھلا نہیں کہا۔ اس کے بعد انہوں نے کھانا تیار کرایا اور بنی امیہ کے سرداروں کو بلوایا۔ پھر انہوں نے ان سے کہا۔
"میں (ملک شام کے) ایک گاؤں میں تھا جہاں میں نے ایک راہب دیکھا جس کا نام بکاء تھا۔ (اس کے متعلق مشہور ہے کہ) وہ چالیس سال سے اپنی عبادت گاہ سے باہر نہیں نکلا۔ مگر اچانک اس روز وہ اپنی عبادت گاہ سے باہر آیا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اس کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچنے لگے۔ پھر میں بھی اس کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا کہ میری ایک ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا۔
"میں قبیلہ قریش کا ہوں اور یہ کہ وہاں اچانک ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے"!

اس راہب نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا "محمد"!
اس نے کہا "وہ کب سے ظاہر ہوا ہے"۔ میں نے کہا "بیس سال ہو گئے ہیں۔"
راہب نے کہا "کیا میں تمہیں اس کا حلیہ بتلاؤں"؟
اس کے بعد اس نے آپ کا حلیہ بتلانا شروع کیا جس میں اس نے کہیں بھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔
"خدا کی قسم! وہ بیشک اس امت کا نبی ہے۔ خدا کی قسم وہ ضرور غالب آئے گا"!
پھر اس نے مجھ سے کہا کہ ان سے میرا سلام کہنا۔ اور اس کے بعد وہ پھر اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ یہ واقعہ معاہدۂ حدیبیہ کے زمانے کا ہے (ی) اور معاہدۂ حدیبیہ کے متعلق آگے تفصیل آئے گی جس میں ہے کہ یہ معاہدہ ۶ ھ میں ہوا تھا (جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے انیس سال بعد کا ہے۔ جبکہ یہاں روایت میں ہے کہ اس وقت آپ کے ظہور کو بیس سال ہو چکے تھے لہٰذا) اس کا مطلب ہے کہ یہ بیس سال کی مدّت اندازہ اور تخمینے کی ہے۔
**حکیم ابن حزام کا ایک حیرت ناک واقعہ**......اسی طرح ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم تجارتی سلسلے میں ملک شام گئے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ میں مسلمان نہیں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ ابھی مکے ہی میں تھے۔ غرض شام میں ایک روز ہمیں رومی بادشاہ نے بلایا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے ہم سے پوچھا۔
"تم لوگ عرب کے کس قبیلے سے ہو اور جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے"؟
حضرت حکیم کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔
"میری پانچویں پشت پر جا کر ان کا اور میرا نسب مل جاتا ہے"۔
بادشاہ نے کہا "میں جو کچھ تم سے پوچھوں کیا تم اس کا ٹھیک جواب دو گے"؟
ہم نے کہا "ہاں"۔ تب اس نے پوچھا۔
"کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اس کی پیروی کر لی ہے یا ان میں سے ہو جنہوں نے اس کو جھٹلایا ہے"؟

ہم نے کہا۔ "ہم ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس کو جھٹلا دیا ہے اور اسکے دشمن بن گئے ہیں۔"
اس کے بعد اس نے ہم سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہم نے اس کو سب تفصیلات بتلائیں۔

**قصر شاہی کے اندر انبیاء کی تصویریں**...... اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور ساتھ ہی اس نے ہم سے بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہمیں لے کر اپنے محل میں ایک عمارت کے پاس آیا اور خادم کو حکم دیا کہ اس عمارت کو کھولے۔ اندر پہنچ کر وہ ایک ایسی چیز کے سامنے آکھڑا ہوا جو کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر اس نے اس کپڑے کو ہٹائے جانے کا حکم دیا۔ کپڑا ہٹتے ہی ہم نے دیکھا کہ وہ انسانی شکل کی ایک تصویر ہے۔ اس نے ہم سے پوچھا۔
"کیا تم جانتے ہو یہ تصویر کس شخص کی ہے"؟
ہم نے کہا نہیں۔ اس نے بتلایا کہ یہ آدم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دروازے سے دوسرے دروازے میں ہمیں لئے ہوئے بڑھتا اور اسی طرح تصویروں پر سے کپڑا ہٹوا کر ہمیں مختلف نبیوں کی تصویریں دکھلاتا رہا۔ اب ہر تصویر پر وہ ہم سے پوچھتا۔
"کیا یہ تصویر تمہارے قبیلے کے آدمی (یعنی آنحضرت ﷺ) کی شکل کی ہے"؟

## "آنحضرت ﷺ کی تصویر"

مگر ہم ہر تصویر پر انکار کر دیتے اور پھر وہ بتلاتا کہ یہ فلاں کی تصویر ہے۔ آخر وہ ایک دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ایک تصویر پر سے کپڑا ہٹا کر ہم سے پوچھا۔
"کیا تم اس کو پہچانتے ہو"؟
ہم نے فوراً کہا۔
"ہاں! یہ ہمارے ساتھی محمد ابن عبداللہ کی صورت ہے"......!
اس نے کہا۔ "جانتے ہو یہ تصویریں کتنا عرصہ پہلے بنائی گئی ہیں"۔
ہم نے کہا۔ "نہیں!" تب اس نے بتلایا۔
اب سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے۔ تمہارا ساتھی یقیناً خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے۔ تم لوگ اس کی اطاعت اور پیروی کرو۔ میری آرزو ہے کہ میں ان کا غلام بن جاؤں اور ان کے پیروں کا دھوؤن پیا کروں"!!

**حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی تصویریں**...... اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جبیرؓ ابن مطعم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس صورت (یعنی رسول اللہ کی صورت) کے فوراً بعد حضرت ابو بکرؓ کی تصویر دیکھی جو اس کے پیچھے تھی۔ پھر اس کے پیچھے دیکھا تو اس سے ملی ہوئی صورت حضرت عمر فاروقؓ کی تھی۔
اس نے (یعنی شاہ روم نے) ہم سے پوچھا۔
"اس سے ملی ہوئی جو دوسری تصویر ہے وہ کس کی ہے"؟
ہم نے کہا۔ "وہ ابن ابو قحافہ یعنی ابو قحافہ کے لڑکے (ابو بکر) ہیں"۔

پھر اس نے کہا کہ کیا اس کو بھی پہچانتے ہو جو ابو بکر کی تصویر کے فوراً بعد ہے۔ میں نے کہا۔

"ہاں وہ عمر ابن خطاب ہیں"!

یہ سن کر شہنشاہ روم نے کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ (یعنی آنحضرت ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ وہ (یعنی حضرت ابو بکرؓ) ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے اور وہ (یعنی حضرت عمرؓ) ان کے خلیفہ ہوں گے"۔

## حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ

آنحضرت ﷺ کے ظہور اور نبوت کے متعلق عیسائی راہبوں نے جو خبریں دیں جو ان کی قدیم کتابوں میں درج تھیں ان ہی میں سے) ایک واقعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ :۔

میں ملک فارس میں ایک صوبہ اصبہان کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اس گاؤں کا نام جئی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ صوبہ اہواز کے گاؤں کا رہنے والا ہوں جس کا نام رامُہر مُز ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں رامُہر مُز میں پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ جہاں تک میرے والد کا تعلق ہے وہ اصبہان کے علاقے کے رہنے والے تھے اور اپنے گاؤں کے سردار تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں فارس کے ایک ممتاز گھرانے کا فرد ہوں۔ میرے والد کو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھے اس طرح گھر میں رہنے پر پابند کر رکھا تھا جیسے کسی کنواری لڑکی کو کیا جاتا ہے۔

میں نے مجوسی (یعنی آتش پرستی کے) مذہب کا بہت کافی علم حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ میں آگ کا خادم بن گیا جو ہر وقت اگیاری کی آگ کو جلائے رکھتا ہے اور کسی وقت بھی اس کو بجھنے نہیں دیتا۔ (مجوسی مذہب کے لوگ آگ کو پوجتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہ کو اگیاری کہتے ہیں جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ بہت سی اگیاریوں میں سینکڑوں اور ہزاروں سال کی آگ برابر جل رہی ہوتی ہے۔ ہر اگیاری پر کئی کئی خادم ہوتے ہیں جو اس آگ کو کسی وقت بجھنے نہیں دیتے اور ہر وقت دہکاتے رہتے ہیں۔ آگ کے اس خادم کو عربی میں "قاطن نار" کہتے ہیں جس کا مجوسی بہت احترام کرتے ہیں)۔

(اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ) میرے والد کے پاس بہت بڑی جائیداد اور زمین تھی۔ ایک روز وہ کسی تعمیر کے کام میں مشغول تھے (جس کی وجہ سے اپنی زمینوں پر نہ جا سکے) اس لئے انہوں نے مجھ سے کہا۔

بیٹے! آج میں ایک تعمیر کے کام میں مشغول ہو رہا ہوں اس لئے کھیتوں پر تم چلے جاؤ"۔

پھر انہوں نے مجھے اس کے متعلق کچھ ہدایتیں دینے کے بعد کہا۔

مگر زیادہ دیر میری نگاہوں سے اوجھل نہ رہنا کیونکہ اگر میں دیر تک تمہیں نہ دیکھ پایا تو یہ بیقراری میرے سے اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال سے بھی زیادہ ہوگی اور میں ہر کام چھوڑ کر اسی فکر میں پڑ جاؤں گا"۔

## سلمان فارسیؓ کا عیسائیت سے لگاؤ

غرض میں گھر سے کھیتوں پر جانے کے لئے روانہ ہوا راستے میں عیسائیوں کے ایک گرجا کے پاس سے

گزرا۔ وہ لوگ اس وقت اندر نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی دعائیں پڑھنے کی آوازیں سنائی دیں۔ چونکہ میرے والد نے ہمیشہ مجھے گھر کی چہار دیواری میں بند رکھا تھا اس لئے مجھے دنیا کے متعلق کسی بھی بات کا پتہ نہیں تھا۔

اب مجھے یہ آوازیں سنائی دیں (تو میرے دل میں اس کو جاننے کی کرید پیدا ہوئی) میں گرجا کے اندر داخل ہوا تا کہ دیکھوں وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہاں میں نے ان کو (اپنی عبادت میں مشغول دیکھا تو) مجھے ان کی نماز کا یہ طریقہ بہت پسند آیا اور ان کے مذہب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ "خدا کی قسم یہ دین اس سے کہیں بہتر ہے جس پر ہم چلتے ہیں"۔

مجھے یہیں کھڑے کھڑے اتنی دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اس لئے میں نے کھیتوں پر جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں نے ان عیسائیوں سے کہا۔

"اس دین کے جاننے والے اور عالم کہاں مل سکتے ہیں"؟

انہوں نے بتایا کہ ملک شام میں (جہاں رومیوں کی عیسائی حکومت تھی اور شہنشاہ قیصر روم حکومت کرتا تھا) غرض اس کے بعد میں واپس اپنے گھر آ گیا۔ (مگر مجھے واپسی میں دیگر ہو گئی تھی اس لئے) میرے والد اپنا سب کام چھوڑے ہوئے پریشان تھے اور میری تلاش میں آدمی دوڑا رہے تھے۔ جیسے ہی میں گھر پہنچا انہوں نے مجھ سے کہا۔

"بیٹے! تم کہاں تھے؟ کیا میں نے تم سے جلد واپس آنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟"

میں نے کہا۔

"بابا۔ راستے میں میرا ایک جگہ سے گزر ہوا تھا جہاں کچھ لوگ ایک عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے"۔ مجھے ان کے دین کا یہ طریقہ اتنا پسند آیا کہ میں ان ہی کے پاس بیٹھ رہا یہاں تک کہ دن چھپ گیا۔"

انہوں نے (عیسائی مذہب سے میری دلچسپی دیکھی تو پریشان ہو کر) کہا۔

"بیٹے! ان کے دین میں کوئی بہتری اور اچھائی نہیں ہے بلکہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین اس سے کہیں بہتر ہے"۔

میں نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ وہ دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے"۔

**سلمان فارسی باپ کی قید میں**...... میرے باپ کو میری طرف سے اب یہ خوف ہوا کہ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں اس لئے انہوں نے میرے پیر میں زنجیر ڈال کر مجھے گھر میں بند کر دیا۔ آخر میں نے ان ہی نصرانیوں کے پاس ایک آدمی بھیجا اور کہلایا کہ آپ کے پاس ملک شام سے جب بھی کوئی قافلہ آئے تو مجھے ضرور خبر کرنا۔

**رہائی اور ملک شام کو فرار**...... کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے یہاں شامی تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور انہوں نے میرے پاس اس کی خبر بھجوا دی۔ میں نے جواب میں کہلایا کہ جب وہ قافلہ اپنے کاموں سے فارغ ہو جائے اور واپسی کے لئے تیار ہو تو اس وقت پھر مجھے خبر کرا دینا۔ چنانچہ (جب وہ قافلہ واپس ہونے لگا تو) انہوں نے میرے پاس خبر بھجوائی۔ میں نے (کسی نہ کسی طرح) اپنے پیروں سے بیڑیاں نکالیں اور ان سے جا ملا۔ پھر میں ان کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا۔

"اس مذہب کا سب سے بڑا عالم کون ہے"۔

لوگوں نے کہا۔

"گرجا میں رہنے والا اسقف اعظم (یعنی بڑا پادری)"۔

اسقف عیسائی مذہب کے عالم اور قوم کے مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں غرض میں اس کے پاس پہنچا اور بولا مجھے اس مذہب سے دلچسپی ہو گئی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں تاکہ اس عبادت گاہ میں رہ کر آپ کی خدمت کرتا رہوں اور آپ سے اس مذہب کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہوں اور آپ کے ساتھ عبادت بھی کرتا رہوں۔

پادری کی حرص و ہوس اور عوام کا غصہ ...... اس نے مجھے اجازت دیدی اور میں گرجا میں اس کے ساتھ رہنے لگا (اس کے پاس رہ کر مجھے اندازہ ہوا کہ) وہ ایک برا اور لالچی آدمی تھا۔ لوگوں کو صدقات وغیرہ دینے کا حکم دیتا اور خیرات کرنے کی طرف توجہ دلاتا مگر جب لوگ صدقات اور خیرات کا مال تقسیم کرنے کے لئے لاکر اس کو دیتے تو وہ اس مال کو غریبوں کو دینے کے بجائے خود اپنے خزانے میں بھر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس سونے چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے جمع ہو گئے مجھے اس کی یہ حرکتیں اور لالچ دیکھ کر اس سے بے انتہا نفرت ہو گئی۔

آخر کار ایک روز وہ پادری مر گیا۔ عیسائی اس کو دفن کرنے کے لئے وہاں جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا۔

"یہ شخص نہایت برا آدمی تھا۔ آپ لوگوں کو صدقے دینے کی ہدایت کرتا اور خیرات نکالنے کی طرف توجہ دلاتا اور جب آپ لوگ اپنا مال لاکر تقسیم کرنے کے لئے اس کو دیتے تو وہ اس مال میں سے غریبوں کو ایک پیسہ بھی نہیں دیتا تھا بلکہ سارا مال خود ہضم کر لیتا تھا"!

لوگوں نے جب مجھ سے پوچھا کہ تمہیں اس بات کا کیسے پتہ چلا تو میں نے کہا۔

"چلئے میں آپ کو اس کا خزانہ ہی دکھائے دیتا ہوں"۔

اس کے بعد میں نے لوگوں کو لے جا کر اس کا خزانہ دکھلایا اور انہوں نے وہاں سے سونے چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے برآمد کئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ۔ وہاں سے تین بڑے مٹکے ملے جن میں تقریباً بیالیس سیر چاندی بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر (لوگوں میں اس کے خلاف سخت نفرت اور غصہ پیدا ہو گیا اور) انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم! ہم اس کی لاش کو اب ہرگز دفن نہیں کریں گے"!

چنانچہ انہوں نے اس پادری کی لاش کو ایک جگہ سُولی پر لٹکا دیا اور لوگ اس کو پتھر مارتے ہوئے گزرتے۔

(ی) لوگوں نے اس پر نماز بھی نہیں پڑھی حالانکہ یہ راہب بارہ مہینے روزے رکھا کرتا تھا اور شہوت پسندی اور نفسانی عیبوں سے بھی بچتا تھا۔

علماء کے لئے زہد و قناعت ہر مذہب میں ضروری ہے۔

(ایک مذہبی پیشوا اور عالم اگر مال و دولت کے لالچ میں پڑ جاتا ہے تو لوگوں کو اس سے اتنی ہی نفرت بھی ہو جاتی ہے جتنی پہلے عقیدت تھی) چنانچہ کتاب فتوحات مکیہ میں ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (ایک بزرگ آدمی کے لئے خاص طور پر) دنیاداری سے پرہیز اور بچنا ضروری ہے چنانچہ سب ہی مذہبوں کے علماء کہتے ہیں کہ ہر عقلمند آدمی اپنے آپ کو دنیا یعنی مال و دولت سے خالی رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس

کے فتنے سے محفوظ رہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی ڈرایا ہے۔ وہ آیت پاک یہ ہے :۔

انما اموالکم و اولادکم فتنة پ ۲۸ سورۂ تغابن ع ۲

ترجمہ: تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہیں۔

راہبوں کا زہد...... اس بارے میں علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ راہبوں (کی قناعت اور پرہیز گاری) کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے پاس اگلے دن کی روٹی کا بھی انتظام نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سونا چاندی جمع کرتے ہیں چنانچہ علامہ شعرانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک راہب سے کہا۔

"ذرا اس دینار کو دیکھ کر بتلائیے کہ یہ کس بادشاہ کے زمانہ کا ہے"؟

مگر راہب اس دینار کو دیکھنے پر تیار نہیں ہوا اور کہنے لگا۔

"ہم لوگوں کے نزدیک دنیا کو نظر بھر کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ شعرانی ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کچھ راہبوں کو دیکھا جو ایک شخص کو کھینچے لارہے تھے وہ اس کو گرجا سے باہر نکال رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"تو نے ہم راہبوں کو برباد کر دیا"......!

میں نے ان لوگوں سے اس ہنگامے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس شخص کے بازو پر (جو خود بھی راہب تھا) درہم بندھا ہوا دیکھا ہے میں نے ان سے پوچھا کہ کیا درہم باندھنا کوئی بری بات ہے تو انہوں نے کہا۔

"ہاں۔ ہمارے نزدیک بھی اور تمہارے نبی ﷺ کے نزدیک بھی۔" یہاں تک علامہ شعرانی کا کلام ہے۔

(غرض حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ اس راہب کے مرنے کے بعد) لوگوں نے ایک دوسرے راہب کو اس گرجا میں (اسقف اعظم بناکر) بٹھایا۔ یہ راہب اتنا نیک تھا کہ پانچ وقت نماز نہ پڑھنے والوں میں میں نے اس سے بہتر اور افضل آدمی نہیں دیکھا۔ یعنی مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں اس سے زیادہ افضل دنیا کے معاملات میں اس سے زیادہ پارساء آخرت کے معاملے میں اس سے زیادہ عبادت گزار اور دن اور رات میں اس سے زیادہ شریف و پاکباز آدمی میں نے اور کسی کو نہیں پایا۔ اسی لئے مجھے اس سے اتنی زیادہ محبت ہو گئی کہ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ میں ایک عرصہ تک اس کے ساتھ رہتا رہا یہاں تک کہ اس کا آخری وقت آپہنچا (جب اس کی موت کا یقین ہو گیا) تو میں نے اس سے کہا۔

"میں مدّت سے آپ کے ساتھ ہوں اور آپ سے مجھے اتنی محبت ہو گئی کہ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ مگر اب آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا ہے۔ اس لئے اب مجھے مشورہ دیجئے کہ (آپ کے بعد) میں کس کے پاس جاکر رہوں"؟

اس نے کہا۔

میرے بیٹے! خدا کی قسم میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اسی راستے پر چلتا ہو جس پر میں ہوں۔ لوگ بربادی کی طرف جارہے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر وہ راستے چھوڑ دیئے جن پر وہ کبھی چلا کرتے تھے اور ان میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔ صرف موصل شہر میں ایک شخص باقی ہے اور وہ فلاں شخص ہے جو اسی راستے پر قائم ہے جس پر میں ہوں"۔

**موصل کی خانقاہ میں**...... چنانچہ اس کے بعد جب وہ راہب مر گیا اور دفن کر دیا گیا تو میں موصل میں اس دوسرے راہب کے پاس پہنچا (جس کے متعلق مرنے والے نے مجھے بتلایا تھا) میں نے اس کو اپنی کہانی سنائی اور بتلایا کہ مرنے والے راہب نے مجھے آپ کے پاس آنے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ٹھہرنے کی اجازت دیدی اور میں وہیں رہنے لگا۔ میں نے اس کو اسی راستے پر پایا جس پر وہ مرنے والا راہب تھا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ آخر ایک دن اس کا بھی وقت آ پہنچا اور جب یقین ہو گیا کہ اب یہ چند گھڑی کا مہمان ہے تو) میں نے اس سے کہا۔

"اے فلاں! فلاں شخص نے مجھے آپ کا پتہ بتلا کر جایت کی تھی کہ میں آپ کے پاس آکر رہوں۔ اب آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا ہے اس لئے آپ مجھے وصیت کیجئے کہ میں کس کے پاس جاؤں اور کیا کروں"؟

اس نے کہا۔

"میرے بیٹے! خدا کی قسم میری نظر میں اب کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اسی راستے پر چل رہا ہو جس پر میں ہوں۔ ہاں صرف ایک شخص ہے جو نصیبین کے مقام پر رہتا ہے۔ وہ فلاں آدمی ہے۔ تم اس کے پاس جاکر رہنا"!

**نصیبین کی خانقاہ میں**...... غرض جب یہ راہب مر گیا اور اس کا کفن دفن ہو چکا تو میں نصیبین میں اس تیسرے راہب کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو اپنا واقعہ سنایا اور بتلایا کہ مرنے والے راہب نے مجھے تمہارے پاس آکر رہنے کی وصیت کی تھی۔

"اس نے مجھے اپنے پاس ٹھہرالیا اور میں وہیں رہنے لگا۔ اس کو بھی میں نے ان دونوں مرنے والے راہبوں کے راستے پر ہی پایا اور محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے پاس رہ رہا ہوں۔ مگر ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کو بھی موت کا پیغام آپہنچا۔ جب اس کا آخری وقت ہو گیا تو میں نے اس سے کہا۔

اے فلاں! فلاں نے مجھے فلاں راہب کے پاس بھیجا تھا اور اس فلاں راہب نے مجھے آپ کے پاس آنے کی ہدایت کی تھی۔ اب آپ مجھے کس کے پاس اور کہاں جانے کی وصیت کرتے ہیں"؟

اس نے کہا۔

"بیٹے! خدا کی قسم میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے راستے پر قائم ہو اور میں تمہیں اس کے پاس پہنچ جانے کی ہدایت کر دوں۔ ہاں روم کے علاقے میں عموریہ کے مقام پر ایک شخص ہے جو ہمارے ہی راستے پر قائم ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کے پاس پہنچ جاؤ"۔

**عموریہ کی خانقاہ میں**...... اس کے بعد جب وہ راہب مر گیا اور اس کو دفن کر دیا گیا تو میں عموریہ والے راہب کے پاس پہنچا اور اس کو اپنا واقعہ بتلایا۔ چنانچہ اس نے بھی مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ میں نے یہاں بھی محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے ساتھ رہ رہا ہوں جو پچھلے تینوں راہبوں کے راستے اور طریقے پر ہی چلتا ہے۔ یہاں رہ کر میں (اپنی محنت سے) کماتا بھی رہا یہاں تک کہ میں نے کچھ گائیں اور بکریاں خرید لیں۔

آخر اس راہب کے پاس بھی موت کا بلاوا آگیا۔ جب اس کا وقت آخر ہونے لگا تو میں نے اس سے کہا۔

"اے فلاں! میں فلاں شخص کے پاس تھا۔ اس نے مجھے فلاں راہب کے پاس جاکر رہنے کی وصیت کی تھی۔ پھر اس نے اپنے بعد فلاں کے پاس جاکر رہنے کی ہدایت کی تھی اور اس کے بعد اس شخص نے مجھے آپ کا پتہ بتلایا تھا۔ اب آپ مجھے بتلایئے کہ میں کس کے پاس اور کہاں جاکر رہوں"؟

اس نے کہا۔

میرے بیٹے! خدا کی قسم اب میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ہمارے اس راستے اور دین پر باقی ہے جس کے پاس میں تمہیں بھیج سکوں۔ البتہ اب وہ زمانہ بالکل قریب آچکا ہے جب کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا دین لے کر آئے گا۔ وہ نبی عرب کی سرزمین سے اٹھے گا اور اس کی ہجرت گاہ دو گھاٹیوں کے درمیانی نخلستان) یعنی مدینہ منورہ کے شاداب علاقے) میں ہوگی۔ اس کی کچھ نشانیاں ہوں گی۔ وہ نبی ہدیہ کی چیزیں تو کھائے گا لیکن صدقے کا مال نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں مہر نبوت ہوگی۔ اس لئے اگر تم اس علاقے میں جاسکو تو ضرور چلے جانا"۔

اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کو دفنا دیا گیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نصرانی مذہب پر صحیح طریقے سے جو لوگ قائم تھے وہ یہی چار راہب تھے۔ مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد تیس (۳۰) تھی۔ اور کتاب نور میں ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد دس سے کچھ زائد تھی۔ لیکن یہ بات زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔

**مدینے کو روانگی اور غلامی**...... اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر بنی کلب قبیلے کے تاجروں کے ایک کارواں کا میرے پاس سے گزر ہوا (جو عرب کو جارہا تھا) میں نے ان سے کہا۔

"مجھے آپ لوگ اگر اپنے ساتھ سرزمین عرب تک پہنچادیں تو میں آپ لوگوں کو اس کے بدلے میں اپنی یہ گائیں اور بکریاں دے دوں گا"۔

وہ لوگ تیار ہوگئے اور میں نے ان کو اپنی گائیں اور بکریاں دیدیں۔ وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے چلے مگر جب وہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام وادی قری پر پہنچ گئے تو اچانک ان کی نیتیں خراب ہوگئیں اور انہوں نے مجھے زبردستی ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب میں اس یہودی کے پاس رہنے لگا جہاں میں نے ایک نخلستان دیکھا (جبکہ اس چوتھے راہب نے اس نبی کی ہجرت گاہ کے متعلق یہی نشانی بتلائی تھی کہ وہاں نخلستان ہوگا) اب میں اس کی تمنا کرنے لگا کہ کاش وہ شہر یہی ہو جس کے متعلق اس راہب نے مجھے بتلایا تھا اور مجھے اب تک اس کا پتہ نہیں چل سکا تھا۔

اسی دوران میں جبکہ میں اس یہودی کے پاس غلام کی حیثیت میں تھا۔ ایک روز اس کا چچازاد بھائی اس کے پاس آیا۔ یہ قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا اور مدینے میں رہتا تھا۔ اس نے آکر مجھے اپنے میزبان بھائی سے خرید لیا اور اپنے ساتھ مجھے مدینے لے آیا۔ خدا کی قسم جیسے ہی میں مدینے پہنچا اور میں نے اس شہر کو دیکھا میں اس کو اس یہودی کی بتلائی ہوئی علامتوں کی وجہ سے پہچان گیا۔ غرض اب میں یہاں اس یہودی کے ساتھ رہتا رہا۔

اسی دوران میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ظہور ہو چکا تھا۔ آپ برسوں تک مکے میں تبلیغ فرماتے رہے لیکن مجھے اس دوران میں آپ کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی تھی کیونکہ میں غلام کی حیثیت سے ہر وقت اپنے کاموں میں لگا رہتا تھا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے مکے سے ہجرت فرمائی۔

ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا اور میرا آقا اس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی وقت اس کا ایک چچازاد بھائی وہاں آیا اور کہنے لگا۔

"اے فلاں! اللہ تعالیٰ بنی قَیلَہ یعنی قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کو برباد کر دے"۔
مدینے کے ان دونوں مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کو بنی قَیلَہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ اوپر کی پشتوں میں جا کر (اوس اور خزرج دو بھائی تھے اور ان) کی ماں کا نام قَیلَہ تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ :۔
اللہ تعالیٰ نے مجھے زبان اور طاقت کے لحاظ سے عرب کے دو سب سے زبردست قبیلوں کے ذریعہ مدد دی جو قیلہ کے بیٹے اوس اور خزرج ہیں"۔
(غرض حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ اس یہودی نے آکرؐ قبیلہ اوس اور خزرج کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا کہ)۔
"خدا کی قسم اس وقت وہ لوگ قبالہ کے مقام پر ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو آج ہی مکے سے آیا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ نبی ہیں"۔
یہ سنتے ہی میرے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں درخت پر سے اپنے آقا کے اوپر گر جاؤں گا۔ میں فوراً نیچے اتر آیا اور اپنے آقا کے اس چچازاد بھائی سے کہنے لگا۔
"تم کیا کہہ رہے ہو"......!؟
میرا آقا میرے بولنے پر ایک دم غضب ناک ہو گیا اور اس نے بڑے زور سے میرے ایک طمانچہ مار کر کہا۔
تجھے اس سے کیا ہے۔ جا کر اپنا کام کر"!
میں نے کہا۔
"میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اس کی بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا"۔
**آنحضرت ﷺ سے ملاقات**...... (اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ) میرے پاس کچھ چیز یعنی صدقے کا مال تھا جو میں نے اٹھا کر رکھا ہوا تھا۔ (ی)۔ ممکن ہے یہ چیز کھجوریں یا چھوہارے رہے ہوں۔ شام ہوئی تو میں یہ چیزیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت تک آپ (مدینے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ) قبا کے مقام پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں آپ کے سامنے پہنچا اور میں نے عرض کیا۔
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے بے وطن ساتھی بھی ہیں جو ضرورت مند لوگ ہیں۔ میرے پاس یہ چیز صدقہ کے لئے رکھی ہوئی تھی اس لئے میں نے آپ لوگوں کو ہی اس کا سب سے زیادہ مستحق سمجھا"۔
آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اسے کھالو۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ (کیونکہ وہ صدقہ کا مال تھا) میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پہلی نشانی ہے (جو راہب نے آپ کی نشانیوں میں بتلائی تھی کہ وہ پیغمبر صدقے کا مال نہیں کھائے گا البتہ ہدیہ کی چیز کھالے گا)۔
**آنحضرت ﷺ کا صدقہ کے مال سے پرہیز**...... آنحضرت ﷺ خود بھی صدقے کا مال نہیں کھاتے تھے اور آپ نے اپنی اولاد کو بھی اس سے روکا ہے) چنانچہ ایک دفعہ جبکہ حضرت امام حسنؓ چھوٹے تھے انہوں نے

---

ل اس لفظ کو مد یا بغیر مد کے قبا بھی پڑھا جاتا ہے اور قباۃ بھی پڑھا جاتا ہے۔

صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً ان کو روکا اور فرمایا۔

"تھوکو۔ تھوکو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں صدقے کی چیز نہیں کھاتا"!

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

میں گھر میں جاتا ہوں اور وہاں مجھے اپنے بستر پر کوئی کھجور پڑی ہوئی ملتی ہے تو اس کو کھانے کے لئے اٹھالیتا ہوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ ممکن ہے صدقے کی ہو اس لئے اس کو واپس میں ڈال دیتا ہوں۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو ایک کھجور ملی تو آپ نے فرمایا۔

"اگر یہ صدقے کی نہ ہوتی تو میں کھالیتا"۔

نیز آپ کا ارشاد ہے۔

"محمد (ﷺ) کی اولاد کے لئے صدقے کی چیز کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات لوگوں کا میل ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ۔

"یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اور یہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی اولاد کے لئے حلال نہیں ہیں"۔

ہمارے یعنی شافعی مسلک میں زیادہ مضبوط قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر دونوں صدقے (یعنی صدقہ زکوٰۃ اور نفلی صدقہ) دونوں حرام ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اولاد پر صدقہ فرض تو حرام ہے لیکن) نفلی صدقہ حرام نہیں ہے۔

علامہ ثوریؒ کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد کے لئے کوئی صدقہ جائز نہیں ہے نہ فرض صدقہ اور نہ نفل صدقہ۔ اسی طرح ان کے غلاموں کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

(اس کے بعد پھر حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا) اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آگیا اور پھر میں نے کچھ چیزیں جمع کیں۔ یہاں بھی وہ چیزیں کھجوریا چھوہاروں میں سے کوئی ایک تھیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ قبا کے مقام سے مدینے تشریف لا چکے تھے۔ اب میں پھر آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"میں نے دیکھا تھا کہ آپ صدقے کی چیز نہیں کھاتے۔ اس لئے یہ میں ہدیہ میں آپ کو پیش کر رہا ہوں"۔

آنحضرت ﷺ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور اپنے صحابہ کو بھی کھانے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے (جو اس راہب نے آپ کے متعلق بتلائی تھی کہ آپ ہدیہ میں آئی ہوئی چیز کھائیں گے صدقے کی نہیں کھائیں گے)۔

اسی سلسلے میں مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جب بھی کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس کھانا لے کر آتا تھا تو آپ اس سے اس کھانے کے بارے میں تحقیق فرماتے۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ ہدیہ ہے تو آپ اس میں سے کھالیتے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ صدقہ ہے تو نہیں کھاتے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا جبکہ آپ بقیع غرقد کے مقام پر تھے۔ آپ اپنے ایک صحابی کے جنازے کے ساتھ یہاں تشریف لائے تھے۔

قبرستان بقیع...... یہ صحابی حضرت کلثوم ابن ہدم تھے جن کے پاس قبا کے مقام پر آپ ٹھہرے تھے جبکہ آپ ہجرت کر کے مدینے تشریف لارہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت کلثوم پہلے آدمی ہیں جو بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے (کیونکہ یہ بقیع کا خطہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قبرستان بن گیا تھا اور اس میں آپ کے بڑے بڑے صحابہ کے مزارات ہیں۔ اس کی تفصیلات آگے بھی موقعہ موقعہ سے آئیں گی)۔

ایک قول یہ ہے کہ بقیع کے قبرستان میں سب سے پہلے جو دفن ہوئے وہ اسعد ابن زُرارہؓ ہیں اور ایک قول کے مطابق عثمان ابن مظعون ہیں۔ ان میں مطابقت اس طرح کی جاتی ہے کہ مہاجرین میں سے جو سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن ہوئے وہ حضرت عثمان ابن مظعون ہیں جن کا ذی الحجہ ۲ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اور انصاریوں میں سب سے پہلے جو یہاں دفن ہوئے وہ کلثوم ابن ھدم یا اسعد ابن زرارہ ہیں۔

اس بارے میں کتاب وفیات میں ہے کہ پہلے کلثوم کا انتقال ہوا اور ان کے بعد شوال 1ھ میں ابوامامہ اسعد ابن زرارہ کا انتقال ہوا جن کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ یہاں تک کتاب وفیات کا حوالہ ہے۔

مگر اس کتاب میں حضرت کلثوم کے انتقال کی تاریخ نہیں بتلائی گئی ہے (جبکہ اسعد کے انتقال کی تاریخ ذکر کی گئی ہے۔ البتہ علامہ طبری کی کتاب نور میں ہے کہ حضرت اسعدؓ کی وفات آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے تھوڑے ہی دن بعد ہوگئی تھی۔ اور انصاریوں میں سب سے پہلے (یعنی اسلام لانے کے بعد) جن کا انتقال ہوا وہ حضرت براء ابن معرورؓ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے سے ایک مہینہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ جب ان کا وقت آخر ہوا تو انہوں نے وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کا چہرہ کعبے کی طرف کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینے تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جس میں آپ نے چار تکبیریں کہیں مگر ان کی قبر کی جگہ کے متعلق مجھے علم نہیں ہے۔ پچھلی سطروں میں کہا گیا ہے کہ بقیع میں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت کلثومؓ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ بقیع میں دفن نہیں ہوئے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ (حضرت براءؓ بھی بقیع میں ہی دفن ہوئے ہوں لیکن) آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے بعد جو سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن کئے گئے وہ حضرت کلثومؓ ہیں۔ جہاں تک حضرت براءؓ کی قبر پر آنحضرت ﷺ کے نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو بظاہر یہ پہلی نماز ہے جو قبر پر پڑھی گئی۔

نبوت کی تصدیق...... (غرض اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پھر میں تیسری بار آنحضرت ﷺ کے پاس گیا جبکہ آپ بقیع میں تھے) اس وقت آپ کے اوپر دو چادریں تھیں اور آپ اپنے صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور آپ کی کمر کی طرف گھورنے لگا کہ کیا وہ مہر نبوت نظر آتی ہے (جس کے متعلق اس عیسائی راہب نے بتلایا تھا) اسی وقت آپ کے مونڈھے سے چادر نیچے سرک گئی اور میری نظر مہر نبوت پر پڑ گئی اور میں نے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ میں جھپٹ کر آگے جھکا اور اس کو چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مجھے سامنے آنے کا حکم دیا چنانچہ میں آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور اب میں نے آپ کو اپنا واقعہ بتلانا شروع کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسیؓ کا واقعہ سننے کے بعد خواہش فرمائی کہ آپ کے صحابہ بھی یہ واقعہ سنیں۔

**یہودی ترجمان کی شرارت**......اس واقعہ کی مزید تفصیلات کتاب شواہد النبوۃ میں ہیں کہ جب حضرت سلمان فارسیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کی گفتگو نہ سمجھ سکے (کیونکہ وہ فارسی بولتے تھے اور اس وقت تک عربی نہیں جانتے تھے) چنانچہ آپ نے کسی ترجمان کو بلانے کا حکم دیا۔ تب ایک یہودی تاجر کو لایا گیا جو عربی اور فارسی دونوں زبانیں جانتا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے گفتگو شروع کی تو اس میں آنحضرت ﷺ کی تعریفیں کیں اور یہودیوں کی برائیاں بیان کیں۔ اس پر یہودی بگڑ گیا اور اس نے حضرت سلمانؓ کی گفتگو کا غلط اور الٹا ترجمہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ سلمان فارسیؓ آنحضرت کو (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ (کو بھی یہ سن کر ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ) نے فرمایا۔

"فارس کا یہ شخص کیا اسی لئے آیا ہے کہ ہمیں تکلیف پہنچائے"!!

**آنحضرت ﷺ کا ایک حیرت ناک معجزہ**......اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے حضرت سلمانؓ کی صحیح گفتگو پوری تفصیل سے آپ کو بتلادی۔ اب آنحضرت ﷺ نے جو کچھ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضرت سلمانؓ کا واقعہ سنا تھا وہ تمام کا تمام اس یہودی کو سنادیا اس پر وہ یہودی حیران و پریشان ہو کر کہنے لگا۔

"اے محمد (ﷺ) جب آپ فارسی جانتے ہیں تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی"؟

آپ نے فرمایا۔

"میں اس گھڑی سے پہلے بالکل نہیں جانتا تھا بلکہ ابھی مجھے جبرئیل نے بتلایا ہے" او کما قال

اس پر وہ یہودی فوراً بول اٹھا۔

اے محمد (! ﷺ) میں اب سے پہلے آپ پر تہمت لگایا کرتا تھا مگر اب مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ پھر اس نے کہا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ترجمہ:۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں"۔

**جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سلمان فارسیؓ کو عربی زبان کی تعلیم**......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا۔

"سلمان کو عربی زبان سکھلادو"۔

حضرت جبرئیل نے فرمایا۔

"ان سے کہئے کہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنا منہ کھول دیں"۔

حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا اور جبرئیل علیہ السلام نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ اسی وقت حضرت سلمانؓ نہایت صاف عربی میں گفتگو کرنے لگے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلمان فارسیؓ کے آنحضرت ﷺ کے پاس تیسری بار حاضر ہونے کے موقعہ پر پیش آیا۔ مگر اس صورت میں ان کے پہلی اور دوسری بار آنے کی بات ماننے میں مشکل ہوگی کہ ان موقعوں پر انہوں نے کس طرح گفتگو کی ہوگی۔ البتہ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ

پہلی اور دوسری بار آنے کے وقت حضرت سلمانؓ نے کوئی لمبی گفتگو نہیں کی تھی بلکہ ایک آدھ جملہ ہی بولا تھا اس لئے ممکن ہے ٹوٹی پھوٹی عربی میں اپنا مقصد بیان کر دیا ہو (کیونکہ کافی دن سے مدینے میں رہ رہے تھے اور عربی کے چند ایک الفاظ سیکھ گئے ہوں گے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنا پورا واقعہ سنایا تھا جو ظاہر ہے عربی میں سنانا ان کے لئے مشکل تھا۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

(قال) اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ حضرت سلمانؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ کیا چیز لے کر آئے تھے۔ گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھجوریں لے کر آئے تھے۔ (ی) مگر اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ حقیقت میں اس پچھلی روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت سلمان کھجوریں لے کر گئے تھے بلکہ محض اندازہ ہے کہ وہ کھجوریں لے کر گئے ہوں گے۔ البتہ بعض دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھجور لے کر گئے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھے ایک دن کی چھٹی دید یجئے۔ اس نے اجازت دیدی تو میں نے اس دن ایک صاع یا دو صاع کھجوروں کی اجرت پر مزدوری کی۔

ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) اس کے بعد میں یہ کھجوریں آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر گیا (اور صدقہ کے طور پر آپ کو پیش کرنی چاہیں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ صدقہ کا مال نہیں کھاتے تو میں نے اپنے آقا سے ایک دن کی اور اجازت مانگی اور اس دن بھی میں نے ایک صاع یا دو صاع کھجور کی اجرت پر مزدوری کی اور پھر میں نے یہ کھجوریں آپ کو ہدیہ میں پیش کیں جسے آپ نے قبول فرمایا اور اس میں سے کھجوریں کھائیں۔

علامہ سہیلیؒ نے اس طرح لکھا ہے کہ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں ایک عورت کا غلام تھا اور میں نے اس سے ایک دن اجرت پر کام کرنے کی اجازت مانگی تھی۔

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ سلمان فارسی کی مراد اپنی آقا عورت سے اپنے آقا کی بیوی ہو کیونکہ عام طور پر آقا کی بیوی کو سیدہ یعنی آقا کہا جاتا ہے۔

(قال) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی اور دوسری دونوں مرتبہ میں حضرت سلمانؓ تازہ کھجوریں ہی لے کر آئے تھے (چھوہارے نہیں تھے) مگر ایک روایت ہے جس میں حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ (اس چھٹی کے دن) میں نے لکڑیاں کاٹیں اور انہیں بیچ کر ان سے کھانا خریدا۔ اور کھانے سے مراد گوشت اور روٹی ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک روایت میں ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو پیش کرنے کے لئے ایک خوان لے گیا جس میں بط کا گوشت تھا۔ مگر ایک روایت میں ہے کہ اس خوان میں کھجوریں تھیں۔

ان سب روایتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ پہلی بار انہوں نے روٹی اور گوشت یعنی بط کا گوشت اور چھوہارے پیش کئے اور دوسری بار کھجوریں پیش کیں۔ لہٰذا دونوں مرتبہ میں پیش کی جانے والی چیزیں مختلف تھیں۔ مگر مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت سلمان نے تین مرتبہ آنحضرت ﷺ کو پیشکش فرمائی اور تینوں مرتبہ میں ایک ہی چیز پیش کی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں دوسری مرتبہ میں تازہ کھجوریں پیش کرنے کی روایت اس پچھلی روایت کے خلاف ہے جس میں تھا کہ دوسری مرتبہ میں چھوارے پیش کئے گئے تھے۔

غرض اس کے بعد حضرت سلمانؓ اپنی غلامی میں الجھے رہے یہاں تک کہ وہ (مسلمان ہو جانے کے باوجود) آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ بدر اور جنگ احد میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ حضرت سلمانؓ سب سے پہلے جس غزوہ یعنی آنحضرت ﷺ کی شرکت والی جنگ میں شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے (جس کا نام غزوۂ خندق بھی حضرت سلمانؓ کی وجہ سے ہی پڑا کیونکہ مسلمانوں نے ان ہی کے مشورے پر سب سے پہلے اس جنگ میں شہر کے چاروں طرف خندقیں کھود کر دشمن کو آگے بڑھنے سے روکا تھا) اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس کے بعد حضرت سلمانؓ کو سلمان خیر کہا جانے لگا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے چند قریبی اور انتہائی خاص صحابہ میں سے تھے۔

غرض اس کے بعد حضرت سلمانؓ (اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ :-

**سلمان فارسی کا آزادی کے لئے معاہدہ**...... پھر مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سلمان! تم اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا سے مکاتبت یعنی ایک خاص معاہدہ کر لو (مکاتبت آقا اور غلام کے درمیان آزادی کی شرط اور معاہدہ کو کہتے ہیں جس میں غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدّت میں یا اتنا مال وغیرہ اپنی محنت سے پیدا کر کے دوں گا۔ چنانچہ اگر آقا منظور کرے تو وہ معاہدہ پورا ہونے پر غلام خود بہ خود آزاد ہو جاتا ہے اس کو عربی میں مکاتبت کہتے ہیں اور ایسے غلام کو جس کا اپنے آقا سے یہ معاہدہ ہو گیا ہو مکاتب کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسیؓ کو ایسا ہی معاہدہ اپنے آقا سے کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ آزاد ہو جائیں سلمان فارسی کہتے ہیں کہ) میں نے اپنے آقا سے کھجور کے تین سو چھوٹے پودوں[1] کی پود لگانے پر اپنی آزادی کا معاہدہ کر لیا کہ میں ایسے ہی تین سو پودے اس کے لئے اگاؤں اور پھر ان کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ زمین گھہ کر اس میں جماؤں اور پھر ان کے پھل دینے تک ان کی دیکھ بھال کروں۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب کھجور کا پودا بوائی کی جگہ سے اُگ آتا ہے تو اس کو غریسہ کہا جاتا ہے پھر کچھ بڑھنے پر ودیہ کہلاتا ہے، پھر فسیلہ اور اس کے بعد اشارہ کہلاتا ہے پھر اگر اس کو ہاتھ نہ لگے تو وہ بے حد بڑا ہو جاتا ہے کھجور کے لمبے درخت کو عمان کی زبان میں عوانہ کہا جاتا ہے۔ کھجور کے ان پودوں کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ۔!

اگر قیامت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کا چھوٹا پودا ہے (جسے دوسری جگہ جمانا ہے) تو اگر وہ شخص قیامت کے قائم ہونے سے پہلے اس کو جما سکتا ہے تو ضرور جمادے۔"

(اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے زراعت اور زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی طرف کتنا پہلے توجہ دی ہے اور اس مقصد کو کتنی اہمیت دی ہے)۔

(غرض سلمان فارسی نے اپنے آقا سے ایک تو تین سو کھجوروں کے پودوں پر معاہدہ کیا اور دوسرے چالیس اوقیہ سونا اپنے مالک کو دینا طے کیا جوان پودوں کے علاوہ تھا۔ جب ان کا اپنے آقا سے یہ معاہد ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سے فرمایا۔ "اپنے بھائی کی مدد کرو"۔

---

[1] کھجور کی اسی چھوٹی پود کو عربی میں ودیہ کہتے ہیں۔ جو فسیلہ کے وزن پر ہے یہ کھجور کا چھوٹا پودا ہوتا ہے جس کو فسیلہ بھی کہا جاتا ہے معاہدہ یہ ہوا کہ حضرت سلیمانؓ پہلے کھجور کے تین سو پودے لگائیں اور جب وہ زمین سے اگ آئیں تو ان کو وہاں سے اٹھا کر اور زمین کو گہہ کر تین سو پودوں کی پود وہاں لگائیں کیونکہ کھجور کے پودوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وہ اگیں وہاں سے ان کو اٹھا کر دوسری جگہ جمایا جائے اس طرح پودے جلدی بڑھتے ہیں اور پھل دیتے ہیں۔ (مرتب)

چنانچہ اس فرمان کے بعد سب نے میری آزادی کے سلسلے میں میری مدد کی کسی شخص نے مجھے ساٹھ پودے دیئے اور کسی نے بیس دیئے، کسی نے پندرہ پودوں سے مدد کی اور کسی نے اتنے ہی دیدیئے جتنے اس کے پاس تھے۔ یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے ہوگئے (جو آزادی کی پہلی شرط تھی جبکہ دوسری شرط چالیس اوقیہ سونا تھی)۔

(قال) مگر ایک روایت میں یہ ہے کہ سلمان فارسی کی آزادی کا معاہدہ (تین سو پودوں کے بجائے) پانچ سو کھجور کے پودے لگانے اور چالیس اوقیہ سونا نقد دینے پر ہوا تھا۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"جاؤ سلمان! پودے لگانے کے لئے زمین کھودو اور جب گڑھے تیار کرلو تو میرے پاس آنا میں اپنے ہاتھ سے پودے رکھوں گا"۔

چنانچہ میں نے گڑھے کھودے اور میرے ساتھیوں نے اس معاملے میں میری مدد کی۔ یہاں تک کہ جب گڑھے تیار ہوگئے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو اطلاع کی۔ آپ میرے ساتھ اس جگہ تشریف لائے وہاں پہنچ کر ہم آپ کو پودے اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور آپ ان کو اپنے دست مبارک سے رکھتے جاتے تھے جس کی برکت یہ ہوئی کہ ان پودوں میں سے ایک بھی خراب نہیں ہوا بلکہ سب جم گئے۔

**سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لئے آنحضرت ﷺ کی امداد**...... اس طرح میں کھجور کے پودوں کی ادائیگی سے فارغ ہو گیا اور اب مجھ پر صرف مال کی ادائیگی باقی رہ گئی۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کسی کان کا سونا لائے جو مرغی کے انڈے کے برابر تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ شاید اس کی موٹائی مرغی کے اور کبوتر کے انڈے کے درمیان درمیان تھی کہ مرغی کے انڈے سے کچھ چھوٹا اور کبوتر کے انڈے سے کچھ بڑا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی تشبیہ بتلانے میں فرق ہو گیا۔

غرض آنحضرت ﷺ (جب یہ سونا لے کر تشریف لائے تو آپ) نے میرے متعلق پوچھا۔

"اس فارسی نے اب تک کیا کیا ہے جس نے اپنی آزادی کا معاہدہ کیا ہوا ہے ؟"

لوگوں نے اسی وقت مجھے بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"سلمان یہ لو! اور تم پر جو رقم واجب ہے اس کا کچھ حصہ اس کے ذریعہ ادا کرو۔ یعنی اس سونے کے ذریعہ اس مال کا کچھ نہ کچھ حصہ ادا ہو جائے گا"۔

(یہاں آنحضرت ﷺ نے خود یہ فرمایا ہے کہ اس سونے میں سے تمہارے اوپر واجب مال سب تو نہیں لیکن اس کا کچھ حصہ ادا ہو جائے گا) مگر اس کے جواب میں حضرت سلمانؓ نے جو کچھ کہا وہ قابل غور ہے کیونکہ انہوں نے کہا۔

"لیکن یارسول اللہ! مجھ پر جتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا"!

یہ جواب قابل غور اس لئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے قرض کا کچھ حصہ ادا فرما رہے ہیں اگرچہ یہ تھوڑا حصہ ہی ہے) لیکن پھر بھی حضرت سلمان کا یہ جواب یہاں کھٹکتا ہے کہ جبکہ خود آنحضرت ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ اس میں سے تمہارے قرض کا کچھ حصہ ادا ہو جائے گا تو اس کے باوجود حضرت سلمانؓ نے یہ بات کیوں کہی) اس کے جواب میں صرف یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ رقم جو امداد کے طور پر دی جا رہی ہے اگر

کُل رقم کے مقابلے میں کچھ قابل ذکر حیثیت رکھتی ہے تو عام طور پر قبول کرلی جاتی ہے (لیکن اگر وہ امدادی رقم کُل رقم کے مقابلے میں اتنی تھوڑی ہے کہ اس کو کُل رقم سے کوئی نسبت نہیں ہے تو عام طور پر اس قسم کی بات کہی جاتی ہے) چنانچہ اس کے جواب میں آنحضرت نے سلمان فارسیؓ سے جو کچھ فرمایا اس میں آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ اس امداد سے تو کُل رقم کا کچھ حصہ بھی یعنی کوئی قابل ذکر حصہ بھی ادا نہیں ہوپائے گا۔ یہ مناسب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس تھوڑی امداد کے ذریعہ ہی تمہاری کُل رقم ادا کردے گا کیونکہ یہ ایک نبی کی دی ہوئی امداد ہے اور اس کی برکت ظاہر ہوگی) چنانچہ رسول اللہ نے یہ بات سلمان فارسی سے اس طرح فرمائی۔

"اس کو لے لو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ تمہاری پوری رقم ادا کردے گا"۔

**امدادی سونے کی خیر و برکت**...... (سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ سونا لے لیا اور قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے کہ میں نے اس میں سے چالیس اوقیہ تول کر ان کو دیا (ی) اور اس کے بعد بھی اتنا ہی سونا اس میں باقی رہ گیا جتنا میں نے دیا تھا۔

(قال) یہاں سلمان فارسی کے سوال اور جواب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان چالیس اوقیہ سے جن پر سلمان فارسی نے اپنی آزادی کا معاملہ کیا تھا سونے کے اوقیہ مراد تھے چاندی کے نہیں۔

بعض روایتوں میں سے (ی) جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جب سلمان فارسی نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ مجھ پر جتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنی زبان مبارک پر پھیرا اور پھر فرمایا۔

"یہ لو اور اس میں سے ان لوگوں کا مال ادا کردو۔

اسی طرح اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرغی کے انڈے کے برابر جو سونا ہوگا وہ یقیناً چالیس اوقیہ چاندی کی مالیت سے زیادہ ہی ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں حضرت سلمانؓ کا یہ کہنا بالکل غلط ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا (کیونکہ اگر ان کو چالیس اوقیہ چاندی دینی ہوتی تو مرغی کے انڈے کے برابر سونا ملنے کے بعد اس سے یقیناً چالیس اوقیہ چاندی کی مالیت ادا ہو سکتی تھی)۔

پھر یہ کہ علامہ بلاذری نے اور قاضی بیضاوی نے کتاب شفا میں اس بات کو صاف لکھا ہے کہ چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ ہوا تھا چاندی پر نہیں۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَ وَفِّی قَدْرَ بَیْضَةٍ مِنْ نُضَارٍ
دَیْنَ سَلْمَانَ حِیْنَ حَانَ الْوَفَاءُ

کَانَ یُدْعٰی قنا فَاُعْتِقَ لَمَّا
اَیْنَعَتْ مِنْ نَخِیْلِهٖ الْاَقْنَاءُ

افلا تعذرون سلمان لما
ان عرته من ذکره العرواء

**مطلب**...... یعنی مرغی یا کبوتر کے انڈے کے برابر سونے سے سلمان کا قرض ادا کیا گیا جب کہ اس کی ادائیگی کا

وقت قریب آگیا اور جو کہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ یہ بات گزر ہی چکی ہے کہ اس سونے میں سے سلمان کا قرض ادا کرنے کے بعد بھی (معجزہ کے طور پر) یہ سونا اتنا ہی باقی رہا۔ سلمان پر اس قرض کا سبب یہ تھا کہ ان کو قن کہا جاتا تھا (یعنی وہ غلام جو خود غلام بنا ہو خاندانی غلام نہ ہو)۔ ی۔ کیونکہ ان کو زبردستی اور غلط طریقے پر غلام بنالیا گیا تھا۔ (وہ ایک آزاد انسان تھے مگر ان کے قافلے والوں نے ان کو زبردستی اور دھوکہ دے کر اچانک ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ورنہ وہ نہ خاندانی طور پر غلام تھے اور نہ ان کو کسی جنگ کے میدان میں قید کیا گیا تھا) غرض اب ان کی آزادی کے لئے اس رقم پر اور کھجور کے تین سو پودے لگانے پر معاہدہ کیا گیا کہ وہ ان پر پھل آنے تک ان کی دیکھ بھال کریں۔ اور پھر جب ان پودوں میں شاخیں پھوٹ آئیں جن کی پود انہوں نے خود لگائی اور اٹھائی تھی تو چالیس اوقیہ سونے کی ادائیگی کر کے وہ آزاد ہو گئے یہاں پود خود لگانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے پود لگائی گئی تھی (کیونکہ اس میں دوسرے مسلمانوں نے ان کی مدد کی تھی اور جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے خود آنحضرت ﷺ نے پودے اٹھا کر لگائے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خندق میں شریک ہوا اور اس کے بعد کوئی بھی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ رہا ہوں۔

(سلمان فارسیؓ کی آزادی کے سلسلے میں) حضرت بریدہؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان کو خود اتنے اتنے درہم میں خرید لیا تھا (جس کا مطلب گزشتہ روایت کی روشنی میں یہ ہوگا کہ) آنحضرت ﷺ سلمان کی خریداری یعنی مکاتبت یا آزادی کے اس معاہدے کا سبب بنے تھے۔ اور یہ کہ اتنے اتنے پودے سلمان ان یہودیوں کے لئے لگادیں گے جن کے پھل دینے تک وہ ان کی دیکھ بھال کریں گے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام وہ پودے خود اپنے دست مبارک سے وہاں لگائے صرف ایک پودا حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا۔ اب صرف اسی ایک پودے کے سوا باقی تمام پودے جم گئے اور وہ ایک رہ گیا۔ (جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک پودا نہیں جم سکا تو) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔

"وہ پودا کس نے لگایا تھا"؟

لوگوں نے کہا۔ عمرؓ نے آنحضرت ﷺ نے اس کو اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے وہاں لگایا جس کی برکت سے وہ پودا اسی سال پھل پھول گیا۔

امام بخاریؒ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ان پودوں میں سے ایک پودا خود حضرت سلمان فارسیؓ نے لگایا تھا اور باقی تمام پودے آنحضرت ﷺ نے لگائے۔ چنانچہ تمام پودے جم گئے صرف وہی ایک پودا رہ گیا جس کو خود حضرت سلمان نے لگایا تھا۔

(اب پچھلی روایت میں اور اس میں اختلاف ہو گیا اس کے متعلق) کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس پودے کو حضرت عمرؓ اور حضرت سلمانؓ دونوں نے ہی ایک کے بعد ایک لگایا ہو (لیکن یہ جم نہیں سکا آخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو لگایا اور یہ پھل پھول گیا)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ گھر جس میں سلمان فارسی نے پود لگائی تھی بنی نضیر کے یہودیوں کا تھا اور اس کو مَنبَت یعنی پود کی جگہ کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

**سلمان فارسی کی غلامی کی حقیقت** ...... قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ حضرت

سلمانؓ کو قن (جو خود ہی غلام بنالیا گیا ہو) کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ سلمان فارسیؓ حقیقت میں غلام نہیں تھے (بلکہ ان کی غلامی باطل تھی) جیسا کہ بیان ہوا۔

مگر اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر سلمان حقیقت میں غلام نہ ہوتے تو اس غلامی کو برقرار کیوں رکھتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ ان کو آزادی کے معاہدہ کا حکم کیوں فرماتے اور ان کی طرف سے معاہدہ کی رقم کیوں ادا فرماتے۔ اس بارے میں یہ کہنا بھی درست نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان کے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایسا کیا ہوگا۔ بہر حال اسی وجہ سے ان کی غلامی کے سلسلے میں یہ روایت قابل غور ہے۔

مگر پھر اس میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ حقیقت میں غلام تھے تو پھر جب وہ ایک دفعہ صدقہ کا مال آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ نے صحابہ کو کیسے اس کی اجازت دیدی کہ وہ اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ اور اسی طرح جب حضرت سلمانؓ آپ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئے تو آپ نے کیسے اس میں سے خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا کیونکہ امام شافعی ہی نہیں بلکہ باقی اماموں کے مذہب کے مطابق بھی غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا چاہے اس کے مالک نے اس کو وہ چیز دے ہی دی ہو۔ وہ آقا ہی کی ملکیت رہتی ہے لہٰذا کسی ایسے شخص کی دی ہوئی چیز آپ نے کیسے قبول فرمالی جو خود اس کا مالک نہیں ہے۔

اس شبہ کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اسلام کے شروع میں مسئلہ یہی ہو کہ آقا اگر کسی چیز کا غلام کو مالک بنادے تو وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ اور پھر بعد میں یہ مسئلہ منسوخ ہو گیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض شافعی علماء کے نزدیک سلمان حقیقت میں غلام ہی تھے۔ اس بارے میں علامہ سہیلیؒ نے ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سلمان والی حدیث ان لوگوں کے خلاف ایک دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے (گویا علامہ سہیلی حضرت سلمان کو حقیقت میں غلام مانتے ہیں اور اس بناء پر کہتے ہیں کہ چونکہ ان کے غلام ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کا لایا ہوا مال قبول فرمایا اس لئے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ غلام چیز کا مالک ہو سکتا ہے ورنہ آنحضرت ﷺ ان کے مال کو قبول نہ فرماتے کیونکہ اگر غلام چیز کا مالک نہیں ہو سکتا تو اس کو نہ وہ چیز دوسرے کو دینا جائز ہوتا اور نہ دوسرے کے لئے اس کو لینا جائز ہوتا)۔

یا (پھر دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ) ممکن ہے آنحضرت ﷺ کو اس ہدیئے کے قبول فرمانے کے وقت یہ معلوم نہ ہو کہ وہ غلام ہیں کیونکہ اصل کے لحاظ سے ہر انسان آزاد ہوتا ہے (غلامی ایک زائد صفت ہے جو انسان کی اصل میں نہیں ہے لہٰذا جب تک معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص غلام ہے اس کو آزاد ہی سمجھا جائے گا)۔

چونکہ سلمانؓ کے اس واقعہ سے یہ بات پوری طرح ثابت نہیں ہوتی کہ آیا وہ حقیقت میں غلام تھے یا زبردستی غلام بنائے گئے تھے اور اسی بناء پر چونکہ ان کی مکاتبت یعنی آزادی کا معاہدہ ان قاعدوں اور اصولوں پر پورا نہیں اترتا جو اس مسئلہ کے متعلق شافعی علماء کے ہیں اس لئے وہ سلمان کے واقعہ سے مکاتبت یعنی آزادی کا معاہدہ کئے جانے کا مسئلہ نہیں نکالتے (بلکہ اس مسئلے کو دوسری حدیثوں سے ثابت کرتے ہیں)۔

علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ سلمان والی حدیث سے فقہ کا یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ہدیہ قبول کر لینا چاہئے اور ہدیہ دینے والے سے جرح اور بحث نہیں کرنی چاہئے۔ اسی طرح صدقہ کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ :-

جس شخص کو کوئی کھانا پیش کیا جائے تو وہ اس کو (بلا حجت قبول کر کے) کھالے اور سوال جواب نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنا یہ تمام واقعہ آنحضرت ﷺ کو سنایا تو آپ سے عرض کیا کہ عموریہ بستی کے راہب زاذان نے مجھ سے (اپنے آخروقت میں) یہ کہا تھا۔

**سلمان فارسیؓ کی عیسیٰ ابن مریمؑ سے ملاقات**...... "تم شام کے علاقے میں فلاں فلاح مقام پر جاؤ وہاں دو جھاڑیوں کے درمیان ایک شخص رہتا ہے اور ہر سال جب وہ اس جھاڑی سے نکل کر دوسری میں جاتا ہے تو بیمار اور روگی آدمی اس کو (اپنے واسطے دعا کرانے کے لئے) گھیر لیتے ہیں۔ وہ ان میں سے جس شخص کے لئے بھی دعا کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفاء اور صحت عطا فرما دیتا ہے۔ تم اس کے پاس جا کر اس سے اس دین کے متعلق معلوم کرو وہ تمہیں بتلائے گا"۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے روانہ ہوا اور اسی جگہ پہنچ گیا جو زاذان نے بتلائی تھی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بہت لوگ اپنے بیماروں کو لئے ہوئے اس جگہ جمع ہیں (اور اس شخص کا انتظار کر رہے ہیں) آخر وہ اسی رات میں ایک جھاڑی سے دوسری جھاڑی میں جانے کے لئے باہر آیا۔ لوگ فوراً ہی اپنے بیماروں کو لئے ہوئے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے (میں نے دیکھا کہ) وہ جس بیمار کے لئے بھی دعا مانگتا اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرما دیتا۔ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے میں اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس جھاڑی تک پہنچ گیا جس میں اسے جانا تھا۔ وہ اس میں داخل ہو رہا تھا لیکن اس کا ایک مونڈھا اس وقت باہر تھا کہ میں نے اس کو ہی پکڑ لیا۔ اس نے فوراً پوچھا کون ہے؟ اور میری طرف گھوما میں نے فوراً ہی اس سے کہا۔

"خدا آپ پر رحمت فرمائے۔ مجھے ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیفیت کے متعلق بتلائیے (کہ وہ دین کہاں ملے گا)"؟

اس نے جواب دیا۔

"تم ایک ایسی چیز کے متعلق پوچھ رہے ہو جس کے بارے میں اس زمانے میں کوئی شخص سوال نہیں کرتا۔

اس نبی کا زمانہ تمہارے قریب آچکا ہے جو اس دین کو لے کر ظاہر ہونے والا ہے اور جو حرم والوں میں سے ہو گا اور وہی تمہیں اس دین پر چلائے گا"۔

اس کے بعد وہ شخص اندر چلا گیا"

یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم نے مجھ سے یہ سچا واقعہ بتلایا ہے تو بے شک تم عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے ملے ہو"۔

**عیسیٰ علیہ السلام ایک بار زمین پر آچکے ہیں**...... علامہ سہیلی نے اس حدیث کو مقطوع[1] لکھا ہے اور اس میں ایک راوی مجہول یعنی ایسا ہے جس کا حال معلوم نہیں ہے کہا جاتا ہے وہ مجہول شخص جس کا نام ابن عمارہ ہے جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے لیکن اگر اس حدیث کو صحیح مانا جائے تو اس کے متن یعنی مضمون

---

[1] سند کے اعتبار سے حدیث مقطوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کا سلسلہ کسی تابعی پر جا کر ختم ہو رہا ہے یعنی تابعی نے اس کو نقل کیا لیکن اس کے بعد اس طرح بیان نہ ہو کہ اس (تابعی) نے فلاں (صحابی) سے اور اس (صحابی) نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔

میں کوئی نکارت یعنی کمزوری نہیں ہے۔(یعنی اس حدیث کے مضمون میں عیسیٰ علیہ السلام سے سلمان فارسی کی ملاقات کا جوذکر ہوا ہے یہ بات اور مضمون اپنی جگہ کمزور نہیں ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد اخیر زمانے میں اپنے متعینہ وقت پر دنیا میں دوبارہ آنے کے علاوہ بھی ایک بار اور دنیا میں آنے کے متعلق ایک روایت ملتی ہے کہ ایک بار وہ زمین پر آچکے ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔

"مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ایک بار زمین پر آ بھی چکے ہیں (جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ) اُن کی والدہ حضرت مریم کے ساتھ ایک دوسری عورت تھی۔ یہ عورت وہ تھی جو پہلے دیوانی تھی اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کو اس جنون سے اچھا کر دیا تھا (کیونکہ مسیح علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ۔ ان کے ہاتھ پھیر دینے سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت عطا فرما دیتا تھا۔ غرض ان کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد ایک بار ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور وہ دوسری عورت دونوں اس جگہ کے قریب جہاں حضرت مسیح کے لئے پھانسی تیار کی گئی تھی کھڑی ہوئی رو رہی تھیں مسیح علیہ السلام آسمان سے اتر کر ان کے پاس آئے اور ان سے باتیں کیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا"

"تم کس بات پر رو رہی ہو"؟

انہوں نے کہا کہ تمہارے اوپر رو رہے ہیں۔ مسیح علیہ السلام نے جواب میں بتلایا۔

"مجھے نہ قتل کیا گیا اور نہ ہی پھانسی دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اوپر اٹھالیا ہے اور مجھے اعزاز عطا فرمایا ہے"۔

پھر حضرت مسیح نے ان دونوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل بالکل مجھ جیسی بنا دی تھی جس کو پھانسی دی گئی (جبکہ اس نے خود مجھے آسمان پر اٹھالیا)۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے پاس پیغام بھجولیا۔ (ی) انہوں نے اپنی والدہ اور اس عورت سے فرمایا۔

"حواریوں کو میری خبر پہنچاؤ اور کہہ دو کہ آج رات وہ مجھ سے فلاں جگہ پر آکر ملیں"۔

چنانچہ تمام حواری اسی جگہ پر رات میں آکر جمع ہوگئے اچانک انہوں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ جس پر مسیح علیہ السلام اترے ان کے اترنے کی وجہ سے جگمگا اٹھا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ان کے دین کی تبلیغ کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلائیں۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مختلف قوموں اور امتوں کی تبلیغ کے لئے متعین کیا"۔

(عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر ایک بار آنے کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ) جب ایک مرتبہ ان کا آنا ممکن ہے تو کئی بار آنا بھی ممکن ہے۔ لیکن ہم اس وقت تک یہ بات نہیں جانتے کہ وہ حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے جب تک کہ وہ کھلے طور پر دنیا میں واپس نہیں آجائیں گے۔ جبکہ یہاں آکر وہ صلیب یعنی پھانسی کے نشان کو توڑیں گے اور خنزیر کو ہلاک کریں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ یہاں تک طبری کا کلام ہے۔

**عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں قیام کی مدت**...... ایک روایت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں واپس آئیں گے تو وہ یمن کے قبیلہ جلام کی ایک عورت سے نکاح کریں گے ان سے ان کے دو بیٹے ہوں گے جن میں سے ایک کا نام محمد رکھیں گے اور دوسرے کا موسیٰ رکھیں گے اور وہ دنیا میں آکر چالیس سال زندہ رہیں گے۔

ایک قول ہے کہ پینتالیس سال اور ایک قول کے مطابق سات سال زندہ رہیں گے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ نیز ایک قول کے مطابق آٹھ سال۔ ایک قول کے مطابق نو سال اور ایک قول کے مطابق پانچ سال زندہ رہیں گے۔

(ان تمام روایتوں میں کافی اختلاف اور فرق ہے کہ چالیس اور پینتالیس سال سے لے کر نو اور پانچ سال تک کے قول ہیں۔ اس فرق اور اختلاف کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام روایتوں میں موافقت پیدا کی جائے جس سے ایک تخمینی مراد سامنے آسکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ) مسیح علیہ السلام کے چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہنے اور سات سال (نیز آٹھ یا نو یا پانچ سال) زندہ رہنے کی روایتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ پہلے دونوں اقوال یعنی چالیس سال یا پینتالیس سال زندہ رہنے سے تو ان کا اس دنیا میں کل قیام مراد ہے جس میں آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے اور دوبارہ دنیا میں آکر رہنے کی دونوں مدّتیں مراد ہیں۔ اب جن روایتوں میں صرف سات یا آٹھ یا نو یا پانچ سال کا ذکر ہے ان سے مراد وہ زمانہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر اتارے جانے کے بعد اپنی وفات تک گزاریں گے (گویا اب مطلب یہ ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے وفات کے وقت تک زمین پر رہنے کی کل مدّت یا عمر چالیس سال یا پینتالیس سال ہو گی۔ لیکن دوبارہ زمین پر آنے کے بعد وہ جتنے عرصے زندہ رہیں گے اس کی کل مدّت سات یا آٹھ یا نو یا پانچ سال ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

**عیسیٰ علیہ السلام کہاں دفن ہوں گے** ...... وفات کے بعد مسیح علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس میں دفن کیا جائے گا۔ (قال) ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں (ی) آپ کے مزار مبارک کے پاس دفن کیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس میں دفن کیا جائے گا۔

(ی) ایک قول یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خاص رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک میں ہی آپ کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ اس قول کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے اور (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ ایک ہی قبر سے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان میں اٹھیں گے"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام جس طرح کہ خنزیر کو ہلاک کریں گے اسی طرح دجّال کو بھی ہلاک کریں گے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ۔

**حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی** ...... عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل اور بے حد انصاف کرنے والے حکمراں کی حیثیت سے اتریں گے وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلے کیا کریں گے اور دجال کو ہلاک کریں گے۔ وہ صبح کی نماز کے وقت آسمان سے اتریں گے اور حضرت مہدی کے پیچھے فجر کی نماز پڑھیں گے اس وقت حضرت مہدی ان کو دیکھ کر پہلے (ان سے نماز پڑھانے کے لئے) کہیں گے کہ:۔

"اے روح اللہ! آپ آگے آیئے"!

عیسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے۔

"آپ ہی آگے رہیئے اس لئے کہ آپ کے واسطے تکبیر کہی جا چکی ہے"۔

ایک روایت یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز کے وقت اس وقت اتریں گے جبکہ حضرت مہدی

نماز شروع کرا چکے ہوں گے مگر جب حضرت مہدی کو عیسٰی علیہ السلام کے نازل ہو جانے کی خبر ہو گی تو وہ نماز ہی میں پیچھے ہٹنے کی کوشش کریں گے تاکہ عیسٰی علیہ السلام کو آگے کر دیں۔ مگر اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام حضرت مہدی کی کمر پر دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ہاتھ رکھ کر انہیں روکتے ہوئے کہیں گے۔

"آپ ہی آگے رہیئے"۔

(اور خود بھی ان کے پیچھے ہی نماز کی نیت باندھ لیں گے) نماز سے فارغ ہونے کے بعد عیسٰی علیہ السلام اپنے ہتھیار اٹھا کر دجّال کی تلاش میں روانہ ہو جائیں گے اور اس کو حرم کے مشرقی دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت مہدی بھی مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی جائیں گے اور دجّال کو قتل کرنے میں ان کی مدد کریں گے۔

**حضرت مہدی کے آباء واجداد**...... حدیث میں آتا ہے کہ حضرت مہدی آنحضرت ﷺ کے خاندان سے حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہوں گے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت حسینؓ کی اور ایک روایت کے مطابق حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اسی طرح ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ہوں گے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ امّ فضل ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزریں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"تم ایک لڑکے سے حاملہ ہو جب یہ بچہ تمہارے یہاں پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لے کر آنا"۔

امّ فضل یعنی آنحضرت ﷺ کی چچی کہتی ہیں کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہو گیا تو میں نے اس کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کے داہنے کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں تکبیر کہی اور پھر اپنا کچھ لعاب دہن اس کو چٹایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

جاؤ۔ بڑے بڑے خلفاء یعنی بادشاہوں کے اس باپ کو لے جاؤ"۔

(چنانچہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق خلافت عباسیہ کے تمام بادشاہ جیسے خلیفہ ہارون رشید و مامون اور بہت سے دوسرے خلیفہ ان ہی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اولاد میں سے ہوئے)۔

(غرض اس کے بعد امّ فضل کہتی ہیں کہ پھر میں نے اپنے شوہر حضرت عباسؓ کو یہ واقعہ بتلایا۔ حضرت عباسؓ یہ سن کر فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"یہ وہی ہے جس کے متعلق میں نے وہ بات کہی ہے۔ یہ بڑے بڑے خلفاء اور بادشاہوں کا باپ ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سفاح بھی ہو گا۔ یہاں تک کہ ان میں مہدی بھی ہو گا۔ (ی) یعنی خلیفہ مہدی جو خلیفہ ہارون رشید کا باپ ہے"۔

(اس روایت میں ایک جملہ اور ہے اور اسی کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مہدی حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ :)

"یہاں تک کہ ان میں (یعنی اس بچے کی اولاد میں) وہ بھی ہوں گے جو حضرت عیسٰی ابن مریم کے ساتھ نماز پڑھیں گے (ی) اب ظاہر ہے کہ وہ حضرت مہدی ہی ہوں گے جو کہ اخیر زمانے میں ظاہر ہوں گے۔

ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ اگر دنیا کی عمر میں صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ اگر دنیا کی عمر میں صرف ایک رات بھی باقی رہ جائے (اور اس وقت تک حضرت مہدی کا ظہور نہ ہوا ہو) تو بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا بڑھا دے گا کہ وہ ظاہر ہوں (یعنی قیامت کے قائم ہونے سے پہلے ان کا ظہور اتنا یقینی ہے کہ اس میں شک نہیں کیا جاسکتا)۔

**ظہور مہدی کی علامت......** حضرت مہدی کا ظہور اس حیرت ناک واقعہ کے بعد ہوگا جو یہ ہے کہ رمضان شریف کی پہلی رات میں چاند گرہن ہوگا اور پھر پندرہ دن بعد اسی مہینے کی چودھویں رات میں سورج گرہن ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا حیرت ناک واقعہ ہوگا کہ اس جیسا واقعہ زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے وقت سے آج تک نہیں ہوا۔

ان کی عمر (ظہور کے وقت) بیس سال ہوگی۔ ایک قول ہے کہ چالیس سال ہوگی۔ ان کا چہرہ روشن ستارے کی طرح ہوگا اور ان کے دائیں گال پر ایک سیاہ رنگ کا تل ہوگا۔ ان ہی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین پر واپس آئیں گے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ مہدی کوئی نہیں ہیں سوائے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے۔ تو اس روایت سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ کامل اور معصوم مہدی اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ ہوں۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ

"وہ امت ہرگز ہلاک نہیں کی جائے گی جس کی ابتدا میں ہوں اور انتہا عیسیٰ ابن مریم ہیں اور جس کا وسط اور بیچ میرے خاندان کے فرد مہدی ہیں"۔

**سیارگان ثریا اور عباسی خلفاء کی تعداد......** حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا "دیکھو۔ کیا تم آسمان میں کچھ دیکھ رہے ہو؟"

میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ ثریا یعنی چند مخصوص ستاروں کے اس جھرمٹ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔

"تمہاری اولاد میں اتنے ہی لوگ جتنی تعداد ثریا کے ستاروں کی ہے اس امت کے بادشاہ بنیں گے"۔

(ی) ماہروں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثریا ستاروں کی نظر آنے والی تعداد کتنی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ سات ستارے ہیں اور بعض نو ستارے بتلاتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کو اس طرح ایک جگہ جمع کیا جاسکتا ہے کہ یہ سات ستاروں کی تعداد تو وہ ہے جو عام طور پر اور کمزور نظر والوں کو بھی دکھائی دیتی ہے اور نو ستاروں کی تعداد ایسی ہے جو صرف تیز نظر والوں کو نظر آتی ہے۔

مگر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ثریا کے جھرمٹ میں گیارہ ستارے تک دیکھ سکتے تھے۔ اور ایک قول میں ہے کہ بارہ ستارے تک دیکھتے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں ہم نے اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ گیارہ ستارے تو آپ ﷺ کو اس وقت ہی نظر آجاتے تھے جب آپ اس جھرمٹ پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے تھے اور جب غور سے دیکھتے تھے تو آپ بارہ ستارے تک دیکھ سکتے تھے (یعنی جو بہت مدھم ستارہ ہوتا ہے اس کو بھی آپ ذرا سا نظر پر زور ڈالنے کے بعد دیکھ لیتے تھے)۔

اب اس پچھلی روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ بنی عباس کے خلفاء کی تعداد بارہ ہونی چاہئے لیکن حضرت

سعید ابن جبیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

"ہم میں سے (یعنی ہماری اولاد میں سے) تین گھر کے لوگ (خلیفہ) ہوں گے۔ سفّاح، منصور اور مہدی"۔

اسی روایت کو ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔ بہر حال اب اس روایت میں یہ بھی ممکن ہے کہ مہدی سے مراد خلیفہ ہارون رشید کا باپ خلیفہ مہدی ہو (کیونکہ وہ بھی عباسی خاندان کا خلیفہ تھا) اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مہدی مراد ہوں جن کا انتظار ہے (کیونکہ ان کے بھی عباسی خاندان سے ہونے کے متعلق روایت آتی ہے جیسا کہ بیان ہوا)۔

اس سلسلے میں ابو نعیم نے ایک روایت کمزور سند کے ساتھ بیان کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ آپ کی حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابوالفضل! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتلاؤں"؟

حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ یہ شوکت عطا فرمائی ہے اور تمہاری ذرّیت۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ تمہاری اولاد کے ذریعہ اس کو انجام تک پہنچائے گا"۔

حضرت مہدی کے متعلق جن کا انتظار ہے ایک مفصّل کتاب ہے جس کا نام "الغواصم عن الفتن القواصم" ہے۔

**سلمان فارسیؓ کے واقعہ کی ایک دوسری روایت**...... اس درمیانی تفصیل کے بعد حضرت سلمانؓ اور ان کے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ) حضرت سلمان فارسی کا واقعہ جس تفصیل کے ساتھ پیچھے بیان ہوا ہے یہ واقعہ ایک روایت میں ایک دوسرے طریقہ سے بھی آتا ہے چنانچہ حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ :-

"میرے ایک بڑے بھائی تھے وہ اکثر اپنے آپ کو اچھی طرح کپڑوں سے ڈھانپ کر پہاڑ کے اوپر جایا کرتے تھے ایسا وہ اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے آخر ایک روز میں نے ان سے کہا۔

"آپ اکثر ایسا ایسا کرتے ہیں لیکن مجھے اپنے ساتھ لے کر کیوں نہیں چلتے"؟

انہوں نے کہا

"تم ابھی کم عمر ہو اس کے لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بات ظاہر نہ کر دو"۔

میں نے (ان کو اطمینان دلاتے ہوئے) کہا کہ آپ اس سے مت ڈریئے تب انہوں نے بتلایا۔

"اس پہاڑ پر کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جن کی عبادت وغیرہ کا طریقہ علیٰحدہ ہے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو یاد کرتے ہیں اور میرے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ میں بے دین ہوں"۔

میں نے کہا۔

"تب آپ مجھے وہاں ضرور لے کر چلئے"۔

**گوشہ نشین دینداروں سے سلمانؓ کی ملاقات**...... انہوں نے کہا کہ اچھا میں ان لوگوں سے اجازت لے لوں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اس کو لے آؤ۔ اب میں اپنے بھائی کے ساتھ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ چھ یا سات آدمی تھے۔ ہر وقت عبادت کرنے کی وجہ سے (وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ) ایسا لگتا تھا کہ گویا ان میں

سے روح نکل چکی ہے۔ وہ لوگ دنوں میں روزے رکھتے اور راتوں میں کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے اور درخت کے پتے پھل جو کچھ مل جاتا وہ کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ غرض ہم ان کے پاس اوپر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں اور حمد بیان کی اور اس کے بعد ان تمام نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا جو گزر چکے ہیں۔ آخر وہ بیان کرتے کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تک پہنچے تو انہوں نے کہا۔

"وہ بغیر مرد کے پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت اور قدرت دی تھی کہ وہ مُردے کو زندہ کر دیتے تھے۔ پرندے بنا کر ان میں جان ڈال دیتے تھے اور اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ غرض کچھ لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور کچھ ان پر ایمان لائے"۔

اس کے بعد ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔

"لڑکے! تمہارا ایک پروردگار ہے اور تمہیں آخرت کی طرف جانا ہے اور تمہارے رب اور آخرت کے درمیان جنت اور دوزخ ہے یہ لوگ جو آگ کی پوجا کرتے ہیں کفر اور گمراہی میں مبتلا ہیں جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔ نہ ہی یہ لوگ کسی دین پر چل رہے ہیں"۔

غرض اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس آگئے اور پھر دوبارہ گئے۔ اس دفعہ بھی انہوں نے وہی باتیں بہت اچھے انداز میں کہیں۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ پھر کسی طرح ان لوگوں کے متعلق بادشاہ کو خبر مل گئی (جو مجوسی یعنی آتش پرست تھا) اس نے ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ اس وقت بھی میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں آپ سے علیٰحدہ نہیں رہوں گا۔

چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گیا اور ہم لوگ موصل شہر پہنچ گئے جب شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ پھر ایک پہاڑ کے غار میں سے نکل کر ایک شخص ان کے پاس آیا اور سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے ان سے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں تھے"؟

**سلمان فارسی ایک عیسائی بزرگ کے ساتھ**...... انہوں نے اس کو اپنا حال سنایا۔ پھر اس نے میرے متعلق پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے تو انہوں نے میری تعریفیں کیں اور میرے ساتھ ساتھ رہنے کے متعلق بتلایا۔ میں نے اتنا اعزاز کسی شخص کا نہیں دیکھا جتنا یہ لوگ اس شخص کا کر رہے تھے۔ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پچھلے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا اور ان سختیوں کا ذکر کیا جو (خدا کی راہ میں) پیغمبروں کو برداشت کرنی پڑیں۔ آخر میں اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور پھر ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور کہا:۔

"اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں مخالفتیں نہ کرو"۔

اس کے بعد اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میں نے اس سے کہا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا"۔

اس نے کہا

"لڑکے! تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ میں اپنے اس غار سے روزانہ ایک دفعہ کے سوا کبھی

نہیں نکلتا"۔

میں نے کہا۔

"کچھ بھی ہو میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا"۔

آخر میں اس کے ساتھ ہی غار میں داخل ہو گیا میں نے اس کو نہ کبھی سوتے ہوئے دیکھا اور نہ کھانا کھاتے ہوئے۔ بلکہ مسلسل رکوع اور سجدے کرتے ہوئے یعنی عبادت میں مشغول پایا۔ اگلے دن ہم پھر غار سے نکلے اور وہ سب لوگ اس شخص کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اس نے پھر پچھلے روز کی طرح ہی ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور اس کے بعد پھر اپنے غار میں آ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی غار میں آ گیا۔ ہم یہاں کچھ عرصے تک رہے وہ روزانہ غار سے باہر نکلتا اور وہ لوگ اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے۔ پھر وہ ان کو وعظ و نصیحت کرتا۔ ایک دن وہ باہر آیا اور پہلے تو اس نے وہی باتیں کیں جو روزانہ کیا کرتا تھا اور پھر کہا۔

"اے لوگو! میری عمر بہت زیادہ آ چکی ہے اور میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ میرا وقت اب شاید قریب ہی ہے میں اتنے برسوں سے بیت المقدس میں حاضر نہیں ہو سکا اس لئے اب مجھے وہاں حاضر ہونا ضروری ہے"۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی...... میں نے یہ سن کر اس سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ ہی روانہ ہوا اور ہم بیت المقدس پہنچ گئے۔ مسجد میں پہنچ کر وہ ہر وقت نماز میں مشغول رہتا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"اے سلمان! اللہ تعالیٰ عنقریب ایک رسول کو ظاہر فرمائے گا جن کا نام احمد ہو گا۔ وہ تہامہ (یعنی مکے) کے پہاڑوں میں سے ظاہر ہوں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ وہ ہدیہ کی چیز تو کھالیں گے لیکن صدقے کا مال نہیں کھائیں گے اور ان کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں مہر نبوت ہو گی۔ ان کا یہی زمانہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوں گے اور اب وقت آ ہی چکا ہے جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے امید نہیں ہے کہ میں ان کا وقت پا سکوں گا لیکن تمہیں ان کا زمانہ ملے تو ان کی تصدیق اور ان کی پیروی کرنا"۔

میں نے کہا

"اور اگر وہ مجھے آپ کا مذہب چھوڑنے کا حکم دیں"؟

اس نے کہا۔

"ہاں چاہے تو وہ تمہیں ایسا ہی حکم دیں"۔

اس کے بعد وہ بیت المقدس سے نکلا مسجد کے دروازہ پر ایک اپاہج آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس اپاہج سے کہا۔

"اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو"۔

اس نے ایسا ہی کیا تو اس بزرگ نے کہا۔

"اللہ کے نام پر کھڑے ہو جاؤ"۔

وہ اپاہج (جو کھڑے ہونے سے بالکل معذور تھا) فوراً اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے وہ رسیاں ٹوٹ گئی ہوں جن میں وہ بندھا پڑا تھا۔ اس کے بعد اس اپاہج نے مجھ سے کہا۔

"لڑکے! میرے کپڑے اٹھوا دو تاکہ میں بھی چلوں"۔

میں نے اتنی دیر میں اس کے کپڑے اٹھوائے اتنے ہی میں وہ بزرگ راہب وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی فوراً ہی اس کی تلاش میں روانہ ہوا مگر جب بھی میں کسی سے اس کے متعلق پوچھتا تو یہی جواب ملتا کہ۔

"تمہارے آگے آگے جا رہے ہیں"؟

آخر ایک جگہ مجھے قبیلہ بنی کلب کا ایک قافلہ ملا۔ میں نے ان سے بھی اس راہب کے متعلق پوچھا لب جبلہ انہوں نے میری زبان سنی (جو فارسی تھی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص یہاں اجنبی اور پردیسی ہے) تو ان میں سے ایک شخص نے اپنا اونٹ جلدی سے بٹھایا اور مجھے پکڑ کر اس پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اس کے بعد وہ لوگ ایک روز آخر اپنے وطن پہنچ گئے۔ پھر اس نے مجھے ایک انصاری عورت کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے ایک باغ میں کام پر لگا دیا۔

اسی زمانے میں رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے مجھے جیسے ہی آپ کی آمد کی خبر ہوئی میں نے اپنے باغ میں سے کچھ کھجوریں لیں اور وہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کھجوریں آپ کے سامنے رکھیں۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ کیا ہے"؟

میں نے عرض کیا صدقہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کھاؤ لیکن خود آپ نے ان میں سے کچھ نہیں کھایا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ اور گزر گیا تو ایک دن پھر میں اسی طرح کچھ کھجوریں لے کر آپ کے پاس پہنچا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے میں نے وہ کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے پھر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہدیہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور خود بھی وہ کھجوریں کھائیں اور دوسرے لوگوں نے بھی کھائیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔

"یہ دونوں باتیں ان کی نشانیوں میں سے ہیں"۔

اب گویا یہ دو روایتیں ہو گئیں۔ لہٰذا اگر اس روایت اور پچھلی روایت دونوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہو گی۔

**واقعہ سلمان کی تیسری روایت**...... حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں ہی ایک روایت کتاب درر منثور میں ہے کہ :-

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضرت سلمان فارسی کو خرید لیا تھا اور وہ اس عورت کی بکریاں چرانے لگے تھے۔ ایک روز وہ بکریاں چرا رہے تھے کہ ان کا ایک دوست ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج مدینے میں ایک شخص آیا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ نبی ہے"!

حضرت سلمان (جو آنحضرت ﷺ کے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے اور آپ سے ملنے کے لئے بیتاب رہتے تھے)۔

یہ سنتے ہی اس سے بولے۔

"اچھا تو تم ذرا بکریوں کے پاس ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں"۔

اس کے بعد وہ فوراً وہاں سے مدینے میں پہنچے اور ایک دینار میں سے ایک بکری خریدی اور کچھ روٹی خریدی پھر انہوں نے اس بکری کو بھونا اور یہ کھانا لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ سلمان نے کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

اس کے بعد آپ نے اس کو نکال کر صحابہ کے سامنے رکھ دیا اور انہوں نے اسے کھایا۔ حضرت سلمان وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے پھر ایک دینار میں سے روٹی اور گوشت خریدا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ سلمان نے جواب دیا کہ ہدیہ ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

"تب تم بھی بیٹھو اور کھاؤ"۔

سلمان بیٹھ گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ کھانا کھایا۔ (اس کے بعد حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ) پھر میں اٹھ کر آپ کی پشت کی طرف گیا تو آپ میرا مقصد سمجھ گئے اور آپ نے اپنا کپڑا اوڑھا سر کا دیا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے بائیں مونڈھے کی طرف مہر نبوت موجود ہے جسے میں نے پہچان لیا۔ اس کے بعد میں گھوم کر پھر آپ کے سامنے آکر بیٹھا اور عرض کیا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

اب یہ روایت پچھلی دونوں روایتوں کے خلاف ہے اور اسی لئے ان کے درمیان موافقت پیدا کرنا قابل غور ہے۔

**حضرت سلمانؓ کی عمر اور زہد و تقویٰ**...... بعض علماء نے اتفاق کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسی کی عمر دو سو پچاس سال کی ہوئی ہے۔ وہ ایک بہت بڑے زاہد۔ عالم و فاضل اور شریعت کے بے حد پابند تھے۔ وہ بیت المال میں سے ہر سال پانچ ہزار روپیہ نکال کر صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ جہاں تک خود ان کا معاملہ تھا تو وہ سوائے اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کمائے ہوئے مال کے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ ان کی جو عبا تھی اسی میں سے کچھ حصے سے بدن ڈھانپ لیتے تھے اور کچھ حصے کو زمین پر بچھا کر سو رہتے تھے۔

علماء میں سے ایک شخص نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں اس زمانے میں ان کے پاس گیا جب کہ وہ مدائن کے علاقے کے گورنر تھے میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہ کھجور کی چٹائی بن رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

"آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟ آپ تو امیر ہیں جس سے آپ کو تنخواہ کی صورت میں رزق میسر آجاتا ہے"۔

انہوں نے جواب دیا۔

"میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ وہی مال کھاؤں جو اپنے ہاتھ کی مزدوری اور محنت سے کماؤں"۔

کبھی کبھی وہ گوشت خریدتے اور اس کو پکا کر کوڑھی لوگوں کو دعوت دیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

حضرت سلمان فارسی سب سے پہلے غزوۂ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے جبکہ وہ آزاد نہیں تھے اس وقت وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب یہ کہا جائے گا کہ غزوۂ خندق میں ان کی سب سے پہلی شرکت سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں وہ شریک ہوئے۔ واللہ اعلم۔

# کاہنوں کی پیشین گوئیاں

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق کاہنوں کی پیشین گوئیوں کا سوال ہے ان میں سے اکثر کا بیان تو آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات اور آپ کے دودھ پینے کے واقعات میں گزر چکا ہے (اور کچھ یہاں بیان ہو رہے ہیں)۔

**عمرو ابن معدیکرب ؓ کا واقعہ**......ان ہی میں سے ایک عمرو ابن معدیکرب کا واقعہ ہے جو کہتے ہیں۔

خدا کی قسم محمد ﷺ کے ظہور سے بھی پہلے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کیسے تو انہوں نے کہا۔

ہم اپنے ایک معاملے میں ایک مرتبہ اپنے کاہن کے پاس گئے۔ اس نے ہم سے کہا۔

"قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی قسم ہے بُرجوں والی زمین کی، گردو غبار والی ہواؤں کی کہ یہ معاملہ نہایت سخت ہے اور ایسا ہے کہ یہ ایک نئی بات کی خبر دے رہا ہے"۔

لوگوں نے پوچھا کہ وہ نئی بات کیا ہے؟ تو اس نے کہا۔

"وہ نئی خبر ایک سچے نبی کا ظہور ہے جو ایک سچی اور مضبوط کتاب اور فیصلہ کُن تلوار لے کر آئیں گے"۔

لوگوں نے پوچھا۔

"وہ کہاں ظاہر ہوں گے اور کِن باتوں کی طرف بلائیں گے"؟

کاہن نے کہا

"وہ نیکی کے ساتھ ظاہر ہوں گے اور اچھائیوں کی طرف بلائیں گے، وہ فال لینے والے تیروں کو ختم کر دیں گے) جن کی تفصیل سیرت حلبیہ اردو گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے) اور شراب نوشی اور خوں ریزی اور ہر برائی کو ختم کر دیں گے"۔

لوگوں نے پوچھا کہ وہ کن لوگوں میں سے ہوں گے۔ کاہن نے جواب دیا۔

"وہ اس معزز بزرگ کی اولاد میں سے ہوں گے جو زمزم کا کنواں کھودنے والے ہیں ان کا اعزاز دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور ان کے دشمن ذلیل اور رسوا ہوں گے"۔

**قس ابن ساعدہ لیادی کا واقعہ**......اسی طرح قس ابن ساعدہ لیادی کا واقعہ ہے یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے (دو آدمیوں کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کے لئے) یہ کہا تھا۔

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ

"مدعی یعنی کسی بات کا دعویٰ اور مطالبہ کرنے والے پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے اور مدعا علیہ یعنی اس مطالبہ سے

انکار کرنے والے پر حلف لینا ضروری ہے"۔

اسی طرح یہی وہ پہلا شخص ہے جو خطبہ دینے کے وقت اپنے عصا یا اپنی کمان یا اپنی تلوار کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ جھگڑا چکانے کے سلسلے میں سب سے پہلے جس نے وہ فیصلہ دیا (جو اوپر ذکر کیا گیا) وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ مگر اس قول کا یہ کہہ کر انکار کیا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ وہ کبھی اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبان بولے ہیں۔

(عرض قیس ابن ساعدہ ایادی کے واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بنی عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا۔

"تم میں سے کون ایسا ہے جو قیس ابن ساعدہ ایادی کو جانتا ہو"؟

انہوں نے کہا۔

"یارسول اللہ! اس کو ہم میں سے ہر ایک شخص جانتا ہے"۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا کیا ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

لوگ بھولے نہ ہوں گے کہ عکاظ کے میلے میں وہ سرخ اونٹ پر سوار کہہ رہا تھا۔ لوگو! جمع ہو کر سنو اور غور کرو کہ ہر زندہ رہنے والا شخص ایک دن مر جائے گا اور ہر مرنے والا فنا اور گم ہو جائے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ آسمانوں میں علم پوشیدہ ہے اور زمین میں عبرت کے سامان ہیں۔ یہ ایک پست فرش ہے اور وہ ایک بلند چھت ہے چھوٹے چھوٹے ستاروں اور نہ خشک ہونے والے سمندروں کی قسم! قس سچی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اگر خوشی سے اس معاملے کو قبول نہیں کیا جائے گا تو یقیناً تنگی پیش آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ دین ہے جو اس کو اس دین سے کہیں زیادہ پسند ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ لوگ چلے جاتے ہیں لیکن واپس نہیں آتے۔ کیا انہیں وہ جگہ اس قدر پسند آجاتی ہے کہ وہ وہیں رہ پڑتے ہیں۔ یا انہیں وہاں چھوڑ ہی دیا جاتا ہے کہ چاہے نہ چاہے وہ لوگ وہاں سب سے الگ تھلگ رہتے ہیں (اور اس نیند کے بعد ادھر کا رخ کرنے کے لئے کبھی ان کی آنکھ نہیں کھلتی)۔

پھر آپ نے فرمایا۔

"تم میں سے کون اس کے وہ شعر سنا سکتا ہے (جو اس نے اس وقت پڑھے تھے"؟)

ان لوگوں نے آپ کے سامنے قس کے یہ شعر سنائے۔

فِي الذَّاهِبِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنَ الْقُرُوْنِ لَنَا بَصَائِر

ترجمہ: گزشتہ زمانوں میں مرنے والے لوگوں کے واقعات ہمارے لئے ایک سبق ہیں۔

لَمَّا رَأَيْتَ مَوَارِدًا
لِلْمَوْتِ لَيْسَ لَهَا مَصَادِر

جب میں نے دیکھا موت کے گھاٹ کو کہ اس کے متعلق کوئی بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَرَأَيْتُ قَوْمِي نَحْوَهَا
تَسْعٰى الْاَصَاغِر وَ الْاَكَابِر

اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے اور بڑے سب ہی لوگ موت کی جانب دوڑ رہے ہیں۔

لَایَرجع الماضِیَ اِلَیَّ
وَلَامِنَ الباقِینَ غابر

یہاں تک ماضی اور گزشتہ زمانے کا تعلق ہے وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ نہ میرے لئے لوٹے گا اور نہ ان کے لئے جو میرے بعد موجود ہوں گے۔

اَیقنتَ اِلی لاَ محا لہٗ حَیث صار القوم صائر

لہٰذا اب یقین ہو گیا ہے کہ میرا بھی ایک دن اسی طرح انجام ہو جائے گا جس طرح میری قوم کے باقی لوگوں کا ہو چکا ہے۔

**قس کے متعلق جارُود ابن عبداللہ کی روایت**...... ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جارُود ابن عبداللہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کو جارُود اس لئے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے بنی بکر ابن وائل کے قبیلے پر ایک مرتبہ حملہ کیا اور ان کو اس طرح خالی کر دیا کہ ان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا چنانچہ اس وقت سے ان کو جارود یعنی خالی کرنے والا کہا جانے لگا۔ اس واقعہ کی طرف ایک شاعر نے بھی اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَدسنا ھُم بالخیل من کُلّ جانِب
کما جَرَّد الجارُود بکرَ ابنَ وَائل

ترجمہ: ہم نے بھی اپنے دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر اپنے گھوڑوں سے اسی طرح روند ڈالا جیسے جارود بکر ابن وائل نے اپنے دشمنوں کو اس طرح لوٹا تھا کہ ان کے کپڑے تک اتروا لئے تھے۔

غرض جب یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"کیا بنی عبدالقیس کے اس وفد میں کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں قس کے متعلق کچھ بتلا سکے"۔

وفد والوں نے کہا

"یا رسول اللہ ہم سب جانتے ہیں"۔

پھر جارود نے کہا۔

"میں اپنی قوم میں قس کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سے تھا۔ وہ ایک خالص عرب شیخ تھا جس کی عمر سات سو سال ہوئی۔ (ی) ایک قول ہے کہ چھ سو سال ہوئی اور (عیسٰی علیہ السلام کے) حواریوں میں انہوں نے سمعان کو دیکھا ہے یہ عربوں میں پہلا آدمی تھا جس نے بت پرستی چھوڑی۔ اسی نے سب سے پہلے (خطبے کے شروع میں) "امّا بعد" کہا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ سب سے پہلے کعب ابن لوئی نے استعمال کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اسی طرح ایک قول ہے کہ سحبان ابن وائل نے اور ایک قول کے مطابق یعقوب نے سب سے پہلے یہ کلمہ استعمال کیا۔ نیز یعرب ابن قحطان اور حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی ایک ایک قول ہے یہ کلمہ حمد و ثناء کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کو فصل خطاب کہتے ہیں۔ مگر داؤد علیہ السلام کے متعلق اس قول کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ جواب میں کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان بھی بولتے ہیں جبکہ امّا بعد میں لفظ "بعد" خالص

عربی کا لفظ ہے۔

یہاں فصل خطاب کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد جھگڑے کے درمیان فیصلہ کُن بات بھی ہے۔

(ی) چنانچہ پیچھے گزرا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ کا فیصلہ دیا تھا۔ اس قول پر جو اعتراض ہے وہ بھی گزر چکا ہے۔

آما بعد کا کلمہ سب سے پہلے بولنے کے سلسلے میں پیچھے کئی نام گزرے ہیں۔ ان مختلف اقوال کو صحیح ماننے کی صورت میں اسی طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ اس کلمہ کو بولنے میں حضرت داؤدؑ کو تو حقیقی اولیت یعنی پہل حاصل ہے (کہ سب سے پہلے توانہوں نے ہی یہ کلمہ استعمال کیا تھا) اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے یہ پہل اور اولیت اضافی ہے۔ (یعنی اپنے بعد والوں کے مقابلے میں انہوں نے سب سے پہلے استعمال کیا اگرچہ داؤد علیہ السلام ان سے بھی پہلے استعمال کر چکے تھے مگر ان کے بعد اوروں کے مقابلے میں سب سے پہلے انہوں نے استعمال کیا چنانچہ اب یہ کہنا درست ہوگا کہ) کعب ابن لوئی نے عربوں میں سب سے پہلے یہ کلمہ استعمال کیا اور کعب کے علاوہ جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس نے سب سے پہلے استعمال کیا اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے قبیلے میں سب سے پہلے استعمال کیا۔

عرب کا پرانا دستور ہے کہ خط اس طرح شروع کیا کرتے تھے کہ "من فلاں الیٰ فلاں" یعنی فلاں کی جانب سے فلاں کی خدمت میں۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) یہ طریقہ بھی سب سے پہلے قُس نے ہی شروع کیا تھا۔

(غرض اس کے بعد جارود کے اسی بیان کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو قس کے متعلق بتلا رہے ہیں) چنانچہ جارود نے مزید کہا:۔

"(قیس کا وہ واقعہ اور اس وقت کا کلام مجھے اس طرح یاد ہے) کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جس رب کو مانتا تھا اس کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ہر چیز کا وقت متعین ہے اور وہ اس کو پہنچے گی اور یہ عمل کرنے والا اپنے عمل کا بدلہ پا کر رہے گا۔ اس کے بعد قس نے یہ شعر پڑھے۔

هاج لِلقلب مِنْ جَواه ادكار
وَليال لهن نهار

ترجمہ: قلب کے اندر اس کی فضاء سے ایک عبرت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح ان راتوں سے بھی جن کے درمیان دن کی روشنی آتی تھی۔

وَجبالٌ شُوا مَخ راسيات
وَبحارمیا هُهن غزار

اور ان اونچے اونچے مضبوط پہاڑوں سے اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریاؤں سے بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

وَنجوم تلوح فِي ظُلم اللّيل
تراها فِي كل يَوم تدار

اور ان چمکتے ہوئے ستاروں سے جو رات کے اندھیروں میں دمکتے ہیں اور دن میں نظر نہیں آتے۔

وَالّذِي قَد ذكرت دلّ عَلى اللّه
نفوسالها هدًى واعتبار

یہ سب چیزیں جو میں نے ذکر کیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر ان لوگوں کے لئے گواہ اور دلیل بنی ہیں جن میں ہدایت اور عبرت حاصل کرنے کا مادّہ ہے۔ جارود یہ اشعار جلدی جلدی پڑھ کر سنا رہے تھے جبکہ آنحضرت ﷺ ان میں بہت دلچسپی لے رہے تھے اس لئے) آپ نے فرمایا "جارود! ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھو! مجھے عکاظ کے میلے میں قس کی وہ باتیں بھولی نہیں ہیں"۔

عکاظ وہ سالانہ میلہ تھا جو بطن نخلہ اور طائف کے درمیان میں ہر سال لگا کرتا تھا یہ میلہ بنی ثقیف اور قیس کی طرف سے لگایا جایا کرتا تھا جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔ جہاں وہ ایک گہرے کتھئی یعنی ساہی مائل کتھئی رنگ کے اونٹ پر سوار وہ کچھ کلام کر رہا تھا جو مجھے یاد نہیں ہے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ وہ بہت ہی شیریں باتیں بیان کر رہا تھا مگر اب وہ باتیں مجھے یاد نہیں رہیں"۔

قس کے متعلق صدیق اکبر کا بیان...... اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا" وہ باتیں مجھے یاد ہیں یارسول اللہ ﷺ! کیونکہ اس روز عکاظ کے میلے میں بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے خطبے میں یہ کہا تھا:۔

لوگو! سنو اور غور کرو۔ اور غور کرنے کے بعد ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ جو زندہ رہے گا۔ اسے موت ضرور آئے گی اور مرنے والا محروم اور فنا ہو جائے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ بارش اور سرسبزی رزق اور روزی باپ اور مائیں، زندہ اور مردہ لوگ قومیں اور افراد۔ ان سب میں نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔ آسمانوں میں خبریں اور علم ہے اور زمین میں عبرت اور سبق ہیں۔ ایک طرف اندھیری راتیں ہیں تو دوسری طرف برجوں والا آسمان ہے کہیں زمین کے سینے میں وادیاں ہیں اور کہیں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں۔ یہ کیا ہے کہ ہم لوگوں کو (اس دنیا سے) رخصت ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن جا کر واپس آنے والا کوئی نہیں ملتا۔ کیا ان لوگوں کو وہ جگہ راس آجاتی ہے کہ وہ وہیں ٹھہر جاتے ہیں یا انہیں لوگ وہاں چھوڑ آتے ہیں اور وہ وہیں بے کسی میں ہو رہتے ہیں۔ قس سچی اور پکی قسم کھا کر کہتا ہے جس میں وہ جھوٹا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دین ہے جو اس کو اس دین سے زیادہ پسند ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں جن کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے۔ اور ان کا زمانہ تم پر اپنا سایہ ڈال چکا ہے۔ پس جو شخص ان پر ایمان لائے گا اس کے لئے خوش خبری ہے اور اس شخص پر افسوس ہے جو ان کی مخالفت کرے گا اور گناہ گار ہو گا"۔

قس کی عبرت و نصیحت آمیز تقریر...... اس کے بعد قیس نے مزید کہا:۔

اے گروہ ایاد! یہ ایاد یمن کے قبیلہ کا نام ہے۔ پچھلے وقتوں اور گزرے زمانوں کی ان قوموں اور امتوں پر افسوس ہے جو غفلت میں پڑ کر وقت گزار گئیں۔ (وہ لوگ دنیا کے جس عیش پر اپنی زندگیاں قربان کر گئے آج ان میں سے کیا باقی رہ گیا) آج وہ باپ دادا (اور ان کی آن بان) کہاں ہیں! آج ان وقتوں کے بیمار اور ان کو پوچھنے والے کہاں ہیں۔ وہ فرعون کہاں ہیں جن کے ظلم اور طاقت و قوت کے افسانے کبھی مشہور تھے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کر دیں تھیں اور ان کو سجانے اور آراستہ کرنے میں انتہا کر دی تھی۔ کہاں ہیں وہ جو اپنے مال و دولت اور اولاد کے فریب میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ سرکش اور سر پھرے لوگ کیا ہوئے۔ وہ جمع جوڑ کرنے اور پونجی اکٹھی کرنے والے لوگ کہاں گئے! جنہوں نے (اپنی سرکشی کے زور میں) یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔!

لوگو! کیا وہ لوگ تم سے بھی زیادہ دولت مند نہ تھے۔ کیا ان کی آرزوئیں تم سے بھی زیادہ نہ تھیں؟ کیا وہ لوگ تم سے بھی زیادہ لمبی تمنائیں نہیں رکھتے تھے۔ مگر مٹی نے ان کو اپنے سینے سے روند کر خاک کر دیا۔ انہیں اور ان کی تمناؤں کو) پیس کر نیست و نابود کر دیا۔ دیکھو! اب یہ ان کی خاک شدہ ہڈیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کے محل آج ویرانے اور خرابے بنے ہوئے ہیں۔ جن میں بھیڑیئے اور درندے بسیرا کر رہے ہیں!

اس لئے بس اس کے سوا حقیقت کچھ نہیں ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ جو عبادت کئے جانے کے لائق ہے جو نہ کسی باپ سے وجود میں آیا اور نہ جس کے کوئی اولاد ہے"۔

اس کے بعد قس نے کچھ شعر پڑھے جو بیان ہو چکے ہیں۔

**قس کے متعلق ایک اور روایت**...... ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ :۔

جب قبیلہ ایاد کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا۔

"اے ایاد کے وفد کے لوگو! قس ابن ساعدہ ایادی کا کیا بنا"؟

انہوں نے کہا۔

یا رسول اللہ! وہ مر چکا ہے"۔

آپ نے فرمایا۔

"میں نے ایک دن اس کو عکاظ کے میلے میں دیکھا تھا جہاں وہ ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور نہایت عمدہ اور دل موہنے والا کلام کر رہا تھا مگر اب مجھے وہ کلام یاد نہیں رہا"۔

اس پر ان لوگوں میں سے ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

یا رسول اللہ! وہ کلام مجھے یاد ہے"۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے۔ پھر اس اعرابی نے بیان کیا کہ قس اس وقت یہ کہہ رہا تھا۔

لوگو! میرے پاس جمع ہو کر میری بات سنو! ہر مرنے والا فنا ہو جاتا ہے اور ہر ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے ایک طرف اندھیاری راتیں ہیں اور ایک طرف برجوں والا آسمان ہے۔ کہیں موجیں لیتا ہوا سمندر ہے۔ کہیں چمکتے ہوئے ستارے ہیں اور کہیں ٹھوس پہاڑ اور بہتی ہوئی ندیاں ہیں۔" (حدیث)۔

ایک روایت میں قس کے یہ لفظ ہیں۔

صعب ذوالقرنین جیسا طاقت ور بادشاہ کہاں ہے جو مشرق و مغرب پر حکمراں تھا اور دونوں کناروں تک جس کا دبدبہ تھا۔ جو دو ہزار سال تک زندہ رہا۔ لیکن پھر۔ یہ لمبی مدت ایسے گزر گئی جیسے آدمی کی پلک جھپک جاتی ہے"۔

(قال) ایک روایت حضرت ابن عباسؓ نے بیان کی ہے کہ قس ابن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم سے کہہ رہا تھا کہ :۔

"عنقریب اس جانب سے تمہارے پاس حق اور سچائی آنے والی ہے"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے مکے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حق کیا ہوگا۔ اس پر قس نے کہا۔

"ایک سیاہ و سفید آنکھوں اور گھنی ابروؤں والا شخص جو لوی ابن غالب کی اولاد میں سے ہوگا وہ تمہیں

نیک بات اور ایسی زندگی اور راحتوں کی طرف بلائے گا جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔ اس لئے جب وہ تمہیں پکارے تو اس کی بات قبول کرنا۔ اگر مجھے اپنے بارے میں یہ پتہ ہوتا کہ میں اس نبی کے ظہور کے وقت تک زندہ رہوں گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر پہنچنے والا پہلا شخص ہوتا"۔

یہ قصہ مختلف اور کئی سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ سندیں کمزور ہیں مگر اتنی زیادہ ہیں کہ کمزور ہونے کے باوجود اصل قصے کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام سندیں کمزور ہیں۔ اس سے ابن جوزیؒ کی یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ قس ابن ساعدہ کی حدیث۔ ہر حیثیت سے باطل ہے (کیونکہ علامہ ابن کثیرؒ تو اس کو ثابت ہی کر رہے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ صرف اس کی سند کو کمزور بتلا رہے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب نور میں ہے کہ قس ابن ساعدہ کے قصے میں ایک چیز ایسی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کم از کم دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک مرتبہ کا تو وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو قس کا کلام یاد تھا۔ اور جس موقعہ پر قس سرخ اونٹ پر سوار تھا (دوسری روایت کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عکاظ کے میلے میں ہی) دوسری دفعہ بھی ایک بار اسی طرح تقریر کی تھی۔ اس موقعہ پر قس نے جو کلام کیا تھا وہ آنحضرت ﷺ کو یاد نہیں رہا تھا اور اس دفعہ قس۔ ایک سیاہی مائل کتھئی رنگ کے اونٹ پر سوار تھا) کیونکہ پہلے موقعہ کے متعلق یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے ان سے قس کے متعلق پوچھا اور جب انہوں نے اس کی موت کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے وہ وقت بھولتا نہیں جبکہ وہ عکاظ کے بازار میں سرخ اونٹ پر سوار یہ باتیں کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد دوسری روایت یہ گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جب جارود ابن عبداللہ اپنے وفد کے ساتھ آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی قس کے متعلق پوچھا اور جب انہوں نے فوراً قس کے شعر سنانے شروع کئے تو آپ نے ان سے کہا کہ ذرا آہستہ آہستہ سناؤ مجھے وہ دن یاد ہے جب وہ عکاظ کے بازار میں سیاہی مائل کتھئی رنگ کے اونٹ پر سوار کلام کر رہا تھا۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ نے قس کا کلام سنانے کے بجائے یہ فرمایا کہ۔ مجھے اس کا کلام یاد نہیں ہے، جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قس کی تقریر بیان کی۔

اب گویا ان روایات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قس کا یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا مگر یہ اندازہ بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا اسی لئے کہتے ہیں کہ) ممکن ہے روایتوں کے اس فرق کی وجہ یہ رہی ہو کہ ایک دفعہ وفد عبدالقیس کے سامنے تو آنحضرت ﷺ نے قس کا کلام بیان فرما دیا ہو لیکن اس کے بعد جب ایک دوسرے موقعہ پر آپ نے جارود ابن عبداللہ سے یہی بات پوچھی تو اس وقت آپ قس کا کلام بھول چکے ہوں۔ اسی خیال کی تصدیق آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے وہ کلام یاد نہیں رہا۔

یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ یہ کلام بھول چکے تھے لیکن اس کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے سامنے اس کا کلام دہرا دیا تو آپ کو یہ یاد ہو گیا اور اس کے بعد بنی عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے ان کے سامنے قس کا کلام خود بیان فرمایا۔ اب اس طرح اس واقعہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عکاظ کے میلے میں قس کے کلام کرنے کا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا تھا۔ اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ ایک حدیث میں آپ نے قس کو سرخ اونٹ پر سوار بتلایا ہے اور دوسری میں سیاہی مائل کتھئی

رنگ کے اونٹ پر بتلایا ہے مگر اس سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ دو دفعہ کا ہے کیونکہ ممکن ہے اونٹ کا رنگ گہرا سرخ ہو اور ظاہر ہے کہ گہرا سرخ رنگ بھی سیاہی مائل ہوتا ہے اور اسی سیاہی مائل سرخی کو کتھئی کہا جاتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اسی اونٹ کو سرخ فرمایا اور دوسری دفعہ کتھئی رنگ کا فرمایا۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنی عبدالقیس کا وفد آپ کے پاس دو مرتبہ آیا ہے ایک دفعہ وہ لوگ اپنے سردار جارود ابن عبداللہ کے ساتھ آئے اور ایک دفعہ بغیر جارود کے آئے۔

قس کے متعلق حدیث میں ہے :-

"اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے وہ میرے باپ اسماعیل ابن ابراہیم علیہما السلام کے دین پر قائم تھا"۔

واللہ اعلم۔

**نافع جرشی کا واقعہ**...... اسی طرح نافع جرشی کا واقعہ ہے۔ جرشی سے قبیلہ جرش کی طرف نسبت ہے یہ (شاید) جعفر کا ایک قبیلہ تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام رکھ دیا گیا تھا۔

نافع کا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ یمن کا ایک خاندان تھا جن کا اپنا ایک کاہن تھا۔ یہ جاہلیت کے زمانے کی بات تھی (اس وقت عرب میں کاہنوں کی بڑی حیثیت تھی اور ہر خاندان اپنا علیحدہ ایک کاہن رکھتا تھا جس کے پاس وہ اپنی ہر لڑائی جھگڑے اور پریشانی کے معاملے میں جایا کرتے تھے) اسی زمانے میں جب اچانک آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر پھیلی اور آپ کے متعلق چرچے ہونے لگے تو یہ لوگ اپنے اسی کاہن کے پاس پہنچے اور پہاڑ کے دامن میں جمع ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے جب سورج طلوع ہو گیا تو وہ کاہن پہاڑ سے اتر کر ان کے پاس آیا اور اپنی کمان کا سہارا لے کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اس کے بعد اس نے بہت دیر تک اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے رکھا اور پھر کہنے لگا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بڑا اعزاز اور بزرگی بخشی ہے۔ اس نے ان کے قلب اور باطن کو پاک کیا ہے۔ لیکن لوگو! تمہارے درمیان ان کے قیام کی مدت بہت تھوڑی ہے (یعنی اس خیر و برکت کا وقت بہت تھوڑا سا ہوگا کہ آپ کی ذات بابرکات ہمارے درمیان موجود رہے گی لہٰذا اس وقت کو غنیمت سمجھو اور جتنا ہو سکے آپ سے فائدہ اٹھا جاؤ)۔

## جنّات کے ذریعہ کاہنوں کی دی ہوئی خبریں اور پیشین گوئیاں

اس قسم کی پیشین گوئیاں بھی بہت سی ہیں جن میں سے ایک حضرت سواد ابن قارب ؓ کا واقعہ ہے۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں ایک کاہن تھے ساتھ ہی یہ ایک اچھے شاعر بھی تھے بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

ان کے بارے میں محمد ابن کعب قرظی سے روایت ہے کہ ایک روز (اپنی خلافت کے زمانے میں) حضرت عمر فاروق ؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے ایک شخص گزرا کسی نے حضرت فاروق اعظم ؓ سے پوچھا۔

"یا امیر المؤمنین! کیا آپ اس گزرنے والے کو جانتے ہیں"؟

حضرت عمر ؓ نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اس نے جواب دیا۔

"یہ سواد ابن قارب ہیں جن کے پاس ایک جن آیا کرتا تھا جو ان کا تابع تھا اور ان کو آئندہ کی خبریں دیا

کرتا تھا اسی جن نے ان کو آکر آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع بھی دی تھی"۔

**فاروق اعظم اور سواد ابن قارب......(ی) اس سے کچھ سال پہلے (خود حضرت عمرؓ نے سواد ابن قاربؓ** کے بارے میں دریافت کیا تھا) ایک روز وہ منبر پر چڑھے اور انہوں نے کہا۔

"لوگو! کیا تم میں سواد ابن قارب بھی ہیں"؟

مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا (یعنی اس مجمع میں سواد ابن قارب موجود نہیں تھے) پھر اگلے سال یعنی غالباً اس سال جس میں کہ تقریباً تمام جزیرۂ عرب کے لوگ آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے (اور جبکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا) ایک روز انہوں نے پھر پوچھا کہ لوگو کیا تم میں سواد ابن قارب بھی موجود ہیں۔ کسی نے سوال کیا۔

"اے امیر المومنین! سواد ابن قارب کون ہے"؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"سواد ابن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے"۔

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک سواد ابن قارب سامنے نظر آئے (جس پر کسی نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ اس گزرنے والے کو جانتے ہیں۔ یہی سواد ابن قارب ہیں) حضرت عمرؓ نے فوراً ان کو بلا بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔

"کیا تم ہی سواد ابن قارب ہو"؟

انہوں نے کہا۔ "ہاں" تو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

"کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کے پاس اس کے تابع جن نے آکر آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی تھی"؟

سواد نے کہا۔ ہاں میں ہی ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

"تو تم کہانت کا پیشہ کرتے تھے"!

یہ سن کر سواد ابن قاربؓ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

امیر المؤمنین! جب سے میں مسلمان ہوا اس کے بعد سے آج تک کوئی شخص میرے پاس اس مقصد سے نہیں آیا (کہ میں کاہن ہونے کی حیثیت سے اس کو آئندہ کا حال بتلاؤں)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"سبحان اللہ (!اس میں ناراض ہونے کی بات نہیں ہے) تم تو اسلام لانے سے پہلے کہانت کا ہی پیشہ کرتے تھے لیکن ہم اسلام لانے سے پہلے شرک اور بت پرستی کے جن اندھیروں میں بھٹک رہے تھے وہ تو تمہاری کہانت سے بھی گئی گزری چیز تھی"۔

(ی) ایک روایت میں حضرت عمرؓ کا جواب اس طرح ہے کہ

"اللہ تعالیٰ معاف فرمائے! ہم تو جاہلیت کے زمانے میں اس سے بھی زیادہ بری حالت میں تھے کہ بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے۔ یہاں تک کہ پھر آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک اور اسلام جیسے مذہب کے ذریعہ سربلند فرمادیا"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :۔اس میں یہ بات واضح رہے کہ سواد ابن قارب کو جو غصہ آیا وہ اس لئے کہ وہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی ان کو کاہن سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اس پر ناگواری نہیں تھی کہ اسلام لانے سے پہلے کے زمانے میں ان کو کہانت کی نسبت دی جا رہی ہے (کیونکہ اس وقت تو وہ یقیناً کاہن تھے اور اس پر یقین رکھتے تھے لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد اس فن سے ان کا یقین بھی جاتا رہا اور انہوں نے یہ پیشہ چھوڑ بھی دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم اب بھی کہانت کرتے ہو) یہ بات حضرت سوادؓ کے اس جواب سے سمجھ میں آتی ہے کہ۔ جب سے میں مسلمان ہوا اس وقت سے کوئی شخص میرے پاس اس مقصد سے نہیں آیا۔ مگر حضرت عمرؓ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں سواد ابن قارب کو اس بات پر ناگواری ہوئی کہ اسلام لانے سے پہلے کے زمانے میں بھی ان کو کہانت کی طرف کیوں نسبت دی گئی۔ چنانچہ اسی پر انہوں نے تعجب کے ساتھ کہا کہ۔ سبحان اللہ (جاہلیت کے زمانے کی کہانت پر ناگواری کی کیا بات ہے ہم تو اس وقت تم سے بھی زیادہ بدتر حال میں تھے کیونکہ وہ بے خبری کا زمانہ تھا)

اس بارے میں علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سواد ابن قاربؓ سے مزاح اور مذاق کے ساتھ کہا تھا۔

"سواد! تمہاری کہانت کا کیا بنا"؟

اس پر حضرت سواد ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

میں اور تم دونوں ہی (جاہلیت کے زمانے میں) اس سے بھی زیادہ بدتر حال میں تھے کہ بتوں کو پوجتے تھے اور مردار جانوروں کا گوشت کھایا کرتے تھے! اب کیا تم ان باتوں پر عار اور شرم دلا رہے ہو جن سے میں توبہ کر چکا ہوں"!!

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔" روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

سواد ابن قاربؓ کا واقعہ...... (غرض اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت سوادؓ کی گفتگو کا بقیہ حصہ نقل کرتے ہیں کہ) پھر حضرت عمرؓ نے سوادؓ سے کہا:۔

"سواد! مجھے بتلاؤ کہ تمہارے تابع جن نے تم کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور ظہور کے متعلق کیا بتلایا تھا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ سواد ہمیں اپنے اسلام لانے کا واقعہ سناؤ کیا تھا"؟

سواد ابن قارب نے کہا۔

"ہاں اے امیر المومنین! ایک دفعہ جبکہ میں رات کے وقت سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا کہ میرے پاس میرا تابع جن آیا اور اس نے اپنے پیر سے مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔

"سواد ابن قارب! اٹھ کر میری بات سن۔ اور اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ لوئی ابن غالب کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں"۔

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے :۔

عجبت لِلجِنّ وتطلا بِها

وشدها العیس باقتا بها

ترجمہ: میں جنّات لوران کے ذوق و شوق پر حیران تھا۔ اسی طرح ان کے سفید اونٹوں اور ان پر رکھے ہوئے پالان دیکھ کر بھی تعجب کر رہا تھا۔

تھوی الی مکۃ تبغی الھدی
ماصادق الجن ککذا بھا

وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں مکے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ جنّات میں کے سچے لوگ ان میں کے جھوٹوں کی طرح نہیں تھے۔

فارحل الی الصفوۃ من ھاشم
لیس قد اماھا کا ذنا بھا

اس لئے بنی ہاشم کے بہترین آدمی کے پاس چلو کیونکہ ان کے پچھلے لوگ اگلوں کے جیسے ہیں۔

میں نے یہ سن کر اس سے کہا۔

"چھوڑو۔ مجھے سونے دو کیونکہ شام سے میں بہت تھکا ہوا ہوں"۔

پھر اگلی رات ہوئی تو وہ دوبارہ میرے پاس آیا اور اسی طرح مجھے پیر سے ٹھوکا دے کر کہنے لگا۔

"سواد ابن قارب! اٹھ کر میری بات سن۔ لور اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ لوئی ابن غالب کی لولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔"

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے (جو پچھلے شعروں سے کچھ مختلف ہیں)

عجبت للجن وتخبارھا
وشدھا العیس باکوارھا

میں جنوں کے ذوق و شوق اور آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرنے پر حیران تھا اور ان کے سفید لونٹوں لور ان پر لگے پالانوں کو دیکھ کر تعجب کر رہا تھا۔

تھوی الی مکۃ و تبغی الھدی
ماموٴمن الجن ککفارھا

وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں مکے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ جنّات میں کے مومن ان میں کے کافروں کی طرح نہیں ہیں۔

فارحل الی الصفوۃ من ھاشم
بین روا بیھا واحجارھا

لہٰذا تم بنی ہاشم کے منتخب لوگوں کے پاس مکے کے ٹیلوں لور پتھریلے علاقوں کے درمیان ہوتے ہوئے چلو۔ یہ سن کر میں نے اس سے پھر وہی بات کہی کہ چھوڑ مجھے سونے دے کیونکہ میں شام سے بہت تھکا ہوا ہوں۔ مگر تیسری رات میں وہ پھر آیا لور میرے پاؤں مار کر مجھ سے پھر کہنے لگا کہ سواد ابن قارب اٹھ کر میری بات سن لور اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ لوئی ابن غالب کی لولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔"

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے (جو پچھلے شعروں سے کچھ مختلف ہیں)

عجبت للجن وتحساسھا

وشدلها العيس باحلا سها

میں جنّات کے ذوق و شوق اور ان کی جستجو پر حیران تھا اور ان کے سفید اونٹوں اور ان پر رکھے ہوئے پالان دیکھ کر بھی تعجب کر رہا تھا۔

تهوى الى مكة تبغى الهدى
ماخيرا لجن كانجا سها

وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں مکے کی طرف دوڑ رہے تھے جنّات میں کے بہترین اور اچھے لوگ ان میں کے بدترین لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔

فارحل الى الصفوة من هاشم
وارم بعينيك الى راسها

ترجمہ: لہٰذا تم بنی ہاشم کے منتخب اور بہترین انسان کے پاس چلو اور اپنی نظریں ان کے سروں پر گاڑ دو اس دفعہ یہ سنکر میں اٹھ گیا اور میں نے خود سے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے دل کا امتحان لیا ہے"۔

اس کے بعد میں نے فوراً اپنی لونٹنی تیار کی اور مدینے پہنچ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مکے پہنچ گیا۔ علامہ بیہقی نے اسی دوسرے قول کو زیادہ صحیح بتلایا ہے۔(ی) کیونکہ جنّات آنحضرت ﷺ کے پاس ایمان لانے کے لئے مکے میں ہی حاضر ہوئے ہیں۔

(غرض سواد کہتے ہیں کہ) جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لوگ آپ پر اس طرح مجمع کئے ہوئے تھے جیسے گھوڑے کی ایال پر بال ہوتے ہیں جو گردن کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔

"خوش آمدید سواد ابن قارب! تمہیں جو چیز ہمارے پاس لے کر آئی ہے ہمیں اس کی خبر ہے"۔

میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں نے کچھ شعر کہے ہیں آپ ان کو سنیں"!

آپ نے فرمایا سناؤ تو میں نے یہ شعر سنائے:

اتاني نجي بعد هدء ورقدة

ترجمہ: میرے ساتھ سرگوشیاں کرنے والا میرے سو جانے کے بعد آیا۔

اور ایک روایت میں اس مصرعہ کے یہ لفظ ہیں۔

اتاني رئيي بعد ليل وهجعة
ولم يك فيما قدتلوت بكاذب

میرا تابعدار جن، رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد میرے پاس آیا اور جو کچھ اس نے آکر مجھے بتلایا وہ غلط نہیں تھا۔

ثلاث ليال قوله كل ليلة
اتاك رسول من لوَىّ ابن غالب

تین رات تک وہ مسلسل یہی بات کہتا رہا کہ تمہارے پاس لوی ابن غالب کی اولاد میں سے ایک

نبی آنے والے ہیں۔

نشعرت من ذیل الازار

ترجمہ:۔چلنے کے لئے میں نے دامن سمیٹا۔ اور ایک روایت کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

فشمرت عن ساقی الازار ووسطت

بی الذعلب الوجناء بین السباسب

میں نے روانہ ہونے کے لئے اپنا دامن اپنی پنڈلیوں کے اوپر کھینچا اور میں نے اپنی تیز رفتار اونٹنی کو مکے جانے کے لئے لق ودق صحراء میں ڈال دیا۔

فاشهد ان الله لاريب غيره،

وانك مامون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے اور آپ پوری امانت داری کے ساتھ غیب کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔

وانك ادنى المرسلين وسيلة

الى الله يا ابن الاكر مين الاطائب

ترجمہ: آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نبیوں میں سب سے قریبی وسیلہ ہیں اے معزز اور نیک لوگوں کے بیٹے!

فمرنا بمايا تيك ياخير مرسل

وان كان فيماجاء شيب الذوائب

ترجمہ: اس لئے اے بہترین پیغمبر آپ کے پاس جو احکام آ رہے ہیں آپ ان کے متعلق ہمیں حکم فرمایئے چاہے ان احکام پر عمل اتنا مشکل ہی کیوں نہ ہو کہ وہ انسان کو بوڑھا کر دیں۔

وكن لى شفيعا يوم لاذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد ابن قارب

آپ اس دن میرے مددگار اور سفارشی بن جایئے جس دن آپ کے سوا کوئی سفارشی نہیں ہوگا سواد ابن قارب کے لئے ایک روایت میں یہ شعر اس طرح ہے۔

وكن لى شفيعا يوم لاذوقرابة

بمغن فتيلاً عن سواد ابن قارب

آپ اس دن میرے سفارشی بن جایئے جب کوئی رشتہ داری کام نہیں آئے گی اور سواد ابن قارب کو کسی اور سے معمولی سا فائدہ بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

اس کے بعد سواد نے کہا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ میرے یہ شعر سن کر بے حد خوش ہوئے یہاں تک کہ ان کے چہروں سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی۔ (ی) یہاں تک کہ آپ ﷺ خوشی کی وجہ سے اس طرح ہنسے کہ آپ کے دانتوں کی قطار نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اے سواد! تم نے فلاح اور نیکی حاصل کر لی"۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سننے کے بعد میں نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھا انہوں نے سواد ابن قارب کو اپنے ساتھ ہی بٹھائے رکھا اور کہنے لگے۔

"میری خواہش تھی کہ میں یہ حدیث خود تم سے ہی سنوں۔ کیا تمہارا تابع وہ جن اب بھی تمہارے

پاس آتا ہے"؟

سواد نے کہا

جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے وہ نہیں آتا۔ اور اس کے بدلے میں مجھے جو کچھ ملا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں نے جن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پائی ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سوادؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے اس وقت وہاں حضرت عمر فاروقؓ موجود نہیں تھے۔

سوادؓ کی اپنی قوم کو نصیحت...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سوادؓ کو ڈر ہوا کہ ان کی قوم مرتد ہو کر اسلام سے منہ نہ موڑے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کے سامنے ایک روز کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ خطبہ دیا۔

"اے گروہ دوس! یہ بات قوم کی خوش نصیبی کی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی حالت دیکھ کر اس سے سبق حاصل کر لیں۔ جبکہ یہ قوم کی بدنصیبی کی بات ہوتی ہے کہ وہ اسی وقت چونکیں جب وہ خود ہی مبتلا ہو چکے ہوں۔ جو لوگ تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں وہ نقصان میں رہتے ہیں۔ جن لوگوں میں حق اور سچائی کے لئے گنجائش نہیں ہوتی ان میں باطل کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ تم لوگ آج اس چیز کو خیر باد کہہ رہے ہو جسے کل تم نے دل و جان سے قبول کیا تھا! مصیبت کے ماروں کے لئے عافیت اور سکون کی قیمت ان لوگوں سے زیادہ ہونی چاہئے جو مطمئن ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ لوگوں کے مقدر میں کوئی گردش لکھی ہے لیکن اگر نہیں ہے تو پھر سلامتی اور اَمن کا راستہ یہی ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو پسند کرتا ہے تم بھی اسی کو پسند کرو"۔

لوگوں نے سواد کی بات پر لبیک کہا اور بے چون و چرا اسے مان لیا۔

حطیمہ نامی کاہنہ کا واقعہ......(ی) اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ مدینے میں ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام حطیمہ تھا، اس کے ایک جن تابع تھا۔ ایک دن وہ جن اس عورت کے پاس آیا اور مکان کی دیوار پر آکر ٹھہر گیا۔ اس عورت نے اس سے کہا۔

"کیا بات ہے...... ؟ اندر آؤ تاکہ ہم تم باتیں کریں"!

اس نے کہا

"مکے میں ایک نبی ظاہر ہوئے ہیں جنہوں نے زنا اور بدکاری کو حرام کر دیا ہے"۔

اس کے بعد یہ بات اس عورت نے مدینے والوں کو بتلائی۔ مدینے والوں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق سب سے پہلے اسی عورت کی اس بات کے ذریعہ پتہ چلا۔

# آنحضرت ﷺ کے متعلق بتوں کے پیٹ سے آنے والی صدائیں

عباس ابن مرداس کا واقعہ...... آپ کے ظہور کے متعلق بتوں کے اندر سے آوازیں سنائی دینے کے جو واقعات پیش آئے وہ بھی بے شمار ہیں ان میں ہی سے ایک عباس ابن مرداس کا واقعہ ہے جو آپ کی پیدائش کی رات کے واقعات میں ذکر نہیں ہوا ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ مرداس سلمی کا ایک مخصوص بت تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ اس بت کا نام ضمار تھا۔ جب مرداس کا وقت آخر ہوا تو اس نے عباس یعنی اپنے بیٹے سے کہا۔

"بیٹے! ضمار کی عبادت کرتے رہنا اس لئے کہ یہی تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور یہی نقصان پہنچاتا ہے"۔
(چنانچہ عباس اپنے باپ کے مرنے کے بعد ضمار کی پوجا کرنے لگے) ایک روز جبکہ وہ ضمار کے پاس عبادت کرنے گئے تو اچانک انہیں اس بت کے پیٹ سے کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

من للقبائل من سليم كلها
اودى ضمار وعاش اهل المسجد

ترجمہ: بنی سلیم کے قبیلوں کا محافظ اب کون ہوگا کہ ضمار کے پوجنے والے ہلاک ہوگئے اور مسجد کو آباد کرنے والوں نے زندگی پالی۔

ان الذى ورث النبوة والهدى
بعد ابن مريم من قريش مهتد

حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے ایک شخص ہدایت کا سرچشمہ اور وارث بن کر آیا ہے۔

اودى ضمارو كان يعبد مُدّة
قبل الكتاب الى النبى محمّد

اب وہ ضمارت ہلاک اور ختم ہو چکا ہے جس کو محمد ﷺ کے اوپر کتاب یعنی قرآن نازل ہونے سے پہلے ایک زمانے تک پوجا جاتا رہا۔

چنانچہ اس کے بعد ہی عباس نے ضمار بت کو جلا کر تباہ کر دیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے آملے۔
عباس ابن مرداس کے متعلق ایک روایت اس طرح ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے اونٹوں کے گلے کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں ایک سوار نظر آیا جو ایک سفید رنگ کی اونٹنی پر سوار تھا اور سفید ہی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس سوار نے عباس سے کہا۔
"اے عباس! کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان اپنی حفاظت سے رک گیا، خوں ریزی نے خود اپنے آپ کو ہی پھونک ڈالا اور گھوڑوں نے اپنے کھُر توڑ ڈالے وہ ہستی جس پر نیکی اور پرہیزگاری اتری ہے قصواء اونٹنی کی مالک ہے"!۔
(مراد ہیں آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ کی اونٹنی کا نام قصواء تھا) غرض عباس کہتے ہیں کہ میں یہ بات سُن کر کچھ ڈر سا گیا اور فوراً اپنے بت کے پاس آیا جس کا نام ضمار تھا۔ ہم اس بت کی عبادت کیا کرتے تھے میں اس بت کے گرد گھوما اور پھر میں نے برکت کے لئے اس پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

قل للقبائل من قريش كلها
هلك الضمار وفاز اهل المسجد

ترجمہ: قریش کے تمام قبیلوں سے بتلادو کہ ضمار بت ہلاک ہو گیا اور مسجدوں کو آباد کرنے والے کامیاب ہوگئے۔

هَلَكَ الضَّمَار وَكَانَ يَعْبَد مُدّة
قَبْلَ الصَّلَاة على النَّبِيّ محمّد

ضمار بت ہلاک ہو گیا جو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے جانے سے پہلے ایک مدّت تک پوجا جاتا رہا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْ ورث النُّبُوَّة وَالْهدىٰ
بَعْدَ ابن مريم من قريش مُهْتَد

وہ محمد ﷺ ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے نبوت اور ہدایت کے وارث بن کر ظاہر ہوئے ہیں

عباس ابن مرداس کہتے ہیں کہ (یہ آواز سننے کے بعد) میں اپنی قوم بنی حارثہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے مدینے کو روانہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا۔

"اے عباس! تم اسلام کی طرف کیسے جھکے"!؟

میں نے آپ کو پورا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میں اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

## مازن ابن غضوبہ کا واقعہ

اسی طرح مازن ابن غضوبہ کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمان کے قریب ایک گاؤں میں ایک بت کا پجاری اور خادم تھا۔ اس گاؤں کو سائل یا سمال کہا جاتا تھا اور اس بت کا نام باور تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام باحر تھا۔ غرض ایک روز ہم نے اس بت کے سامنے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ یہ قربانی یا تو عام قربانی تھی (جو مشرکین اپنے بتوں کو پیش کرتے تھے) اور یا جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ قربانی ایک خصوصی قربانی تھی جو صرف رجب کے مہینے میں کسی خاص مقصد کے لئے پیش کی جایا کرتی تھی۔ غرض جیسے ہی ہم نے وہ قربانی پیش کی اسی وقت ہمیں اس بت کے پیٹ میں سے ایک آواز آئی جس کے الفاظ یہ تھے۔

"اے مازن! سن اور خوش ہو جا۔ بھلائی ظاہر ہو گئی اور برائی مٹ گئی۔ مضر کی اولاد میں سے ایک نبی کا ظہور ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کا دین لے کر آئے ہیں۔ اس لئے پتھر کے ان تراشوں کو چھوڑ دے اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جا"۔ (اشعار)

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سن کر گھبرا گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے۔ کچھ دن کے بعد ایک مرتبہ پھر میں نے اس بت کے لئے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ اسی وقت مجھے پھر بت کے اندر سے آئی ہوئی یہ آواز سنائی دی۔

اَقْبِلْ اِلَیَّ اَقْبِلْ تسمع مالا تجهل هذانبیٌّ مرسل

میری طرف دیکھو میری طرف۔ اور وہ بات سنو جس سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔

جَاءِ بِحَقّ منزّل اٰمن بِهِ کی تعدل عن حرّنارٍ تشعل

اور آسمان سے ایک سچائی لے کر آئے ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ تاکہ تم۔ بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ جاؤ۔

وقودها بالجندل

جس جلتی ہوئی آگ کا ایندھن جندل ہے۔

یہ آواز سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے لیکن بے شک یہ کوئی نیکی اور خیر ہے جو میرے نصیب میں آنے والی ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سیرت کی بعض کتابوں میں میں نے دیکھا ہے کہ یہ بعد والے شعر ان

شعروں سے پہلے سنائی دیئے تھے جو ان سے پہلے ذکر کئے گئے ہیں اور یہ کہ ان شعروں کا ذکر کرتے ہوئے مازن نے کہا۔

"پھر مجھے (اس بت میں سے) آواز سنائی دی جو پہلی بار کی آواز سے زیادہ صاف اور واضح تھی اور یہ کہہ رہی تھی۔ یامازن اسمع تسر۔ واللہ اعلم۔

"غرض اس کے بعد مازن کہتے ہیں کہ اسی طرح کچھ وقت گزرا تھا کہ ایک دن حجاز کا رہنے والا ایک شخص ہمارے یہاں آیا۔ ہم نے اس سے پوچھا

"تمہارے یہاں کے کیا حالات اور خبریں ہیں"؟

اس نے کہا۔

"وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو شخص بھی اس سے ملتا ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو"۔

میں نے یہ سن کر کہا۔

"یہی وہ خبر ہے جو میں نے (بت کے اندر سے آنے والی آواز سے) سنی ہے"۔

چنانچہ اس کے بعد میں اس بت کے پاس آیا اور میں نے اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ پھر میں اپنی سواری پر سوار ہو کر چلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں اسلام کے لئے گنجائش اور اشتیاق پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میں مسلمان ہوا اور میں نے یہ شعر کہے۔

كَسَّرْتُ بَاذِرَ اَجْذَاذاً وَكَانَ لَنَا رَبّاً نطيف به ضِلاًّ بضلال

ترجمہ: میں نے باور نامی بت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو کبھی ہمارا معبود تھا اور ہم اپنی گمراہی کی وجہ سے اس کے گرد گھوما کرتے تھے۔

بِالْهَاشِمِيِّ هدانا من ضلالتنا
ولم يكن دينه شيئاً على بالي

ایک ہاشمی شخص کے ذریعہ ہم نے اپنی گمراہیوں سے ہدایت پائی ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کے دین کی میرے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

يا راكبا بلغن عمرا و اخوتها
اني لما قال ربي باذر قالي

اے سوار تو یہ بات عمر اور اسکے بھائیوں کو پہنچا دینا کہ میں اپنے رب کے حکم پر باور سے شدید نفرت رکھتا ہوں۔
یہاں عمر و اور اس کے بھائیوں سے مراد بنی خطامہ ہیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی۔ مگر کتاب اسد الغابہ میں (جہاں مازن کی اس روایت کا ذکر ہے وہاں) یہ شعر ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

**مازن کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا**...... غرض مازن کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں عیش و نشاط، شراب و کباب اور بدکار عورتوں کے ساتھ شب بسری کا رسیا اور ان حرکتوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ یہاں بدکار عورتوں کے لئے هلوك کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب فاجرہ عورتیں ہیں جو خود سے مردوں کی طرف جھکتی ہیں اور ہم بستری کے وقت بے حیائی کے ساتھ عشوہ طرازیاں

کرتی ہیں۔ھلوك کے ایک معنی ساقطہ کے بھی کئے جاتے ہیں یعنی ایسی عورتیں جو شہوت پرست اور جنس زدہ ہوتی ہیں۔(غرض مازن نے آپ سے مزید عرض کیا کہ۔ساتھ ہی میری دوسری عرض یہ ہے کہ)ہم پر عرصہ سے خشک سالی اور قحط مسلط ہے جس کے نتیجہ میں مال و دولت بھی ختم ہو گیا اور ڈھور ڈنگر اور اولاد بھی تباہ ہو رہی ہے۔(میری تیسری عرض یہ ہے کہ)میرے کوئی لڑکا نہیں ہے اس لئے آپ میرے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میری یہ کمزوریاں اور برائیاں دور ہو جائیں ہمیں بارش و سیرابی حاصل ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بچہ عنایت فرمادے"۔

میری یہ درخواست سن کر آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

"اے اللہ!اس کا عیش و عشرت قرآن پاک کی تلاوت میں پیدا فرمادے۔اس کی حرام کاری میں دلچسپی کو حلال کاموں میں پیدا فرمادے۔شراب سے رغبت کو میٹھے پانی میں پیدا فرمادے جس میں کوئی گناہ اور برائی نہیں ہے۔اور زنا سے دلچسپی کو پاکدامنی میں بدل دے اس کو بارش اور سیرابی سے نواز دے اور اس کو بچہ عطا فرما۔"

دعا کی قبولیت......مازن کہتے ہیں کہ(آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے)اللہ تعالیٰ نے میری کمزوریاں اور بدکرداریاں دور فرمادیں۔جلد ہی مجھے قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد ہو گیا۔کئی حج کر لئے۔عمان یعنی ان کا گاؤں اور اس کے آس پاس کے دوسرے علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے۔(پاک دامنی میسر آئی کہ)میں نے چار آزاد و شریف عورتوں سے نکاح کئے اور حق تعالیٰ نے مجھے اولاد کی دولت سے مالا مال کیا۔یہاں تک کہ پھر میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

اِلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰہ جنت مطيّتي
تجوب القيافي من عمان الى المرج

ترجمہ:یارسول اللہ میری سواری آپ کی طرف عمان سے مرج تک صحراؤں کو طے کرتی ہوئی ذوق و شوق کے ساتھ آئی ہے۔

تشفع لي ياخير من وطئي الحصا
فيغفرلي ذنبي وارجع بالفلج

تاکہ آپ اے کنکریوں کو روندنے والوں میں بہترین شخص میری سفارش کریں اور پھر میں مغفرت اور کامیابی کے ساتھ لوٹوں۔

الٰى معشر خالفت في اللّٰہ دينهم
ولارايهم راى ولاشرجهم شرجي

ایک ایسے قبیلے کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ کے لئے مخالفت کی ہے اور اب ان کی اور میری نہ رائے ایک ہے اور نہ طریقہ ایک ہے۔

و كنت امرءً بالعهر والخمر مولعا
شبابي حتّٰى اٰذن الجسم بالنهج

میں جوانی میں بے انتہا شرابی اور عیاش آدمی تھا یہاں تک کہ جوانی اسی میں گزار دی اور اب بوڑھا ہو گیا۔

فبدلني بالخمر خوفاً و خشية
وبا نعهرا احصاناً محصن لي فرجي

اب اللہ تعالیٰ نے شراب کے بدلے میں تو مجھے اپنا خوف عطا فرمایا اور زناکاری کے بدلے میں پاک دامنی عطا فرمائی

جس سے میری شرم گاہ محفوظ ہو گئی۔

فاصبحت همی فی الجهاد و نیتی
فی اللہِ ماصولی وللہِ ماحجی

اب میری نیت اور خواہشات صرف اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ہیں اسی طرح میرے روزے اور میرا حج اللہ کے لئے ہے۔

مازن کہتے ہیں کہ (مسلمان ہو جانے کے بعد) جب میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا تو ان لوگوں نے مجھے بہت لعنت ملامت کی اور مجھ سے نفرت کرنے لگے، انہوں نے اپنے شاعروں سے کہہ کر میری ہجو اور برائی میں شعر لکھوائے۔ میں نے خود سے کہا کہ اگر میں بھی جواب میں ان کی ہجو اور برائیاں بیان کرنے لگوں تو ایسا ہی ہے جیسے میں خود اپنے آپ کو ہی برا بھلا کہنے لگوں۔

آخر میں ان لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ایک مسجد (عبادت گاہ) میں رہنے لگا جہاں ہر وقت عبادت کیا کرتا تھا۔ یہ مسجد ایسی تھی کہ جو مظلوم شخص بھی اس میں آکر تین دن عبادت کر کے اپنے دشمن اور ظالم کے خلاف دعا مانگ لیتا تھا تو اس کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی بیمار یا کوڑھی اگر یہاں آکر دعا مانگ لیتا تھا تو فوراً اس کو شفا اور صحت حاصل ہو جاتی تھی۔

غرض کچھ ہی عرصے کے بعد (میری خاموشی اور یکسوئی دیکھ کر) میری قوم کے لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور میرے پاس آکر انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس بستی میں چل کر سب کے ساتھ رہوں۔ ساتھ ہی وہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس حدیث کو کمزور بتلایا گیا ہے۔

## آنحضرت ﷺ کے متعلق ذبح شدہ جانوروں کے پیٹ سے آنے والی آوازیں

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے آپ کے متعلق آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے انہیں سنا (یہ بات واضح رہے کہ جب کسی نبی کے ظہور کا وقت آتا ہے تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ دنیا میں عجیب اور غیر معمولی واقعات ظاہر فرماتا ہے جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نیا اور غیر معمولی واقعہ ہونے والا ہے۔ ایسے عجیب اور غیر معمولی واقعات کو شریعت کی اصطلاح میں ارہاصات کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ ابواب میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے)۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ...... ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عمر فاروقؓ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم قبیلہ قریش کے ایک محلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں رہنے والے خاندان کو آل ذریح کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ایک بچھڑا ذبح کیا ہوا تھا اور قصائی اس کا گوشت بنا رہا تھا کہ اچانک اس بچھڑے کے پیٹ میں سے ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ حالانکہ بولنے والے کا کہیں پتہ نہ تھا وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

"اے آل ذریح! ایک زبردست واقعہ پیش آرہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے۔ اور بہت فصیح انداز میں گواہی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے"۔

خود ذریح کے معنی سرخ کے ہیں) لہٰذا ذریح سے مراد ذبح کیا ہوا بچھڑا ہے کیونکہ وہ خون میں لتھڑا ہوا

ہوتا ہے چنانچہ عربی میں گہرے سرخ رنگ کو احمر ذریحی کہا جاتا ہے۔

بخاری میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اے جلیج! ایک بڑا واقعہ پیش آرہا ہے پکارنے والا پکار رہا ہے اور ایک فصیح و شائستہ آدمی گواہی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے"۔

یہاں جلیج سے مراد بھی ذبح کیا ہوا بچھڑا ہے کیونکہ جلیج کھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور ذبح کئے ہوئے بچھڑے کی کھال اتار کر اس کا گوشت پوست بھی کھول دیا جاتا ہے۔

# آنحضرت ﷺ کے متعلق فضا میں پیدا ہونے والی غیبی آوازیں

آپ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ اچانک فضا میں آوازیں سنائی دیں یعنی نہ تو کاہن نے کہیں اور نہ بتوں اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے ابھریں۔ چنانچہ ایسی روایتیں بھی بہت سی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں نے قس کی ایک بڑی عجیب بات دیکھی ہے۔ ایک دفعہ رات کے وقت میں اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں جا رہا تھا یہاں تک کہ رات ڈوبنے لگی اور صبح کا وقت قریب آگیا۔ اچانک مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

یٰا ایُّھَا الوٰاقد فِی اللَّیل الاحم
قدبعث اللّٰہ نبِیّا بالحرم

ترجمہ: اے تاریک رات میں سونے والے اللہ تعالیٰ نے حرم میں ایک نبی ظاہر فرمایا ہے۔

من ہاشم اھل الوِفاء والکرم
یجلو د جنات اللّیالی والبھم

ترجمہ: جس کا تعلق اس قبیلہ بنی ہاشم سے ہے جو وفا اور کرم میں مشہور ہیں جو تاریکیوں کو دور کر دے گا۔

یہ آواز سن کر میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ تو میں نے جواب میں یہ شعر پڑھے۔

یا ایھا الھا قف فی راجی الظلم
اھلاً وسھلاً بك من طیف اَلُم

ترجمہ: اے رات کے اندھیروں میں آواز دینے والے اس خبر پر تجھے خوش آمدید جو تو لے کر آیا ہے۔

بین ھداك اللّٰہ فی لحن الکلم
من ذا الذی تدعوالیہ یغتنم

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے تو یہ بات بتا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تو دعوت دیتا ہے۔

اسی وقت مجھے کھنکار نے اور گلا صاف کرنے کی آواز آئی اور کسی کہنے والے نے کہا۔

"نور ظاہر ہو گیا اور سینہ زوری کا دور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو خوشی دسر ور دے کر ظاہر فرمادیا جو شریف و معزز خاندان سے ہیں۔ جو تاج یعنی عظمت و اعزاز اور خود یعنی قوت و طاقت والے ہیں۔ سرخ و سفید چہرے والے ہیں۔ روشن پیشانی والے ہیں۔ گہری سیاہ آنکھوں والے ہیں۔ جن کا کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ وہی محمد ﷺ ہیں جو کالے اور گورے تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور عرب اور عجم کی رہنمائی کے

لئے ظاہر ہوئے ہیں"۔

اس کے بعد اس غیبی آواز نے یہ شعر پڑھے۔

الحمد لله الذی ۔ لم یخلق الخلق عبث ۔ ارسل

فینا احمدا . خیر نبی قدبعث

ترجمہ: تمام تعریفیں اسی ذات باری کے لئے ہیں۔ جس نے مخلوق کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ جس نے ہمارے درمیان احمد کو بھیجا۔ جو سب سے افضل و بہترین نبی بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔

صلی علیه الله ما ۔حج له رکب وحث

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت بھیجیں جب تک کہ سوار اور پیدل حج کرتے رہیں۔

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وتفننت بمدحه الجن حتیٰ

اطرب الانس منه ذاك الفناء

مطلب ...... یعنی جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے بہترین اوصاف اور خوبیوں کو ایک دل موہ لینے والے اور دلکش ترانے کی صورت میں ظاہر فرمایاوہ ترانہ اتنادلکش تھا کہ اس نے اپنا نغمہ جنوں کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچایا یہاں تک کہ اس نغمے کا رس جنّات کے ذریعہ جب انسان کے کان تک پہنچا تو اس نے اس کو بھی بے خود اور سرشار کرلیا۔

**قس ابن ساعدہ سے ایک عجیب ملاقات** ...... غرض اس کے بعد صبح ہوگئی۔ اچانک میں نے ایک بہترین اونٹ دیکھا جو مستی میں منہ سے جھاگ نکال رہا تھا میں نے جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام پکڑلی اور اس کے کوہان پر سوار ہو کر اسے ہنکادیا۔ آخر چلتے چلتے جب وہ تھک گیا تو ایک سرسبز باغ میں جاکر بیٹھ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے سائے میں قس ابن ساعدہ ایادی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ میں مسواک کی ایک لکڑی ہے جس سے وہ زمین کرید رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

یاناعی الموت والملحود فی حدث

علیهم من بقایا بزهم خرق

ترجمہ: اے موت کی خبر دینے والے اور وہ لوگ جو قبروں میں محو آرام ہیں جن کے کفن بھی اب ریزہ ریزہ ہوچکے ہیں۔

وعهم فان لهمیوما یصاح به

فهم اذا انتبهوا من نومهم فرقوا

ان لوگوں کو یعنی ان مردوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ ایک دن تو ان کو اٹھایا ہی جائے گا۔ اب اگر انہیں ان کی نیند سے جگایا گیا تو وہ ڈر جائیں گے کہ شاید حساب کا دن آپہنچا۔

حتیٰ یعود وابحال غیر حالهم

خلقاً جدیدًا کما من قبله خلقوا

ترجمہ: ان کو ایک ایسی حالت پر پہنچادیا گیا ہے جو ان کی پچھلی حالت کے خلاف ہے اور وہ ایک نئی زندگی میں پہنچ گئے جیسا کہ اس سے پہلے عدم سے وجود میں آئے تھے۔

منهم عراة و منهم فی لیابهم

منها الجدید و منها المنهج الخلق

ان مُردوں میں سے بعض تو اپنے کفن کے گل جانے کے بعد برہنہ ہوگئے ہیں اور بعض ابھی کفن لپٹے ہوئے ہیں۔ بعض کے کفن ابھی نئے ہیں اور بعض کے بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ شعر سن کر میں قس کے قریب پہنچا اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اسی وقت میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک پانی کا چشمہ ہے جس میں پانی کے بہنے کی دھیمی آواز آرہی تھی۔ وہیں دو قبروں کے درمیان ایک مسجد تھی اور دو بہت بڑے اور خوفناک شیر کھڑے ہوئے تھے جو اس کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے تھے۔ اسی وقت ان دونوں شیروں میں سے ایک پانی پینے کے لئے چشمے کی طرف بڑھا تو دوسرے شیر نے بھی پانی پینے کے لئے اس کے پیچھے چلنا چاہا۔ اسی وقت قس نے اس کے وہ چھڑی ماری جو ان کے ہاتھ میں تھی اور ڈانٹ کر اس سے کہا۔

"واپس جا۔ تیرا برا ہو۔ پہلے آگے جانے والے کو سیراب ہونے دے"۔

دوسرا شیر فوراً لوٹ گیا اور پہلے جانے والے کے واپس آنے کے بعد گیا۔ آخر میں نے قس سے پوچھا

"یہ دو قبریں کس کی ہیں"؟

قس نے کہا

"یہ میرے دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو اسی جگہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ (ی) ان میں سے ایک کا نام سمعون تھا اور دوسرے کا سمعان تھا (جن کے متعلق پیچھے گزرا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے، آخر ایک دن ان دونوں کو موت نے آلیا۔ میں نے ان دونوں کی یہاں قبریں بنائیں اور اب میں خود ان دونوں قبروں کے درمیان رہتا ہوں تاکہ ایک دن میں بھی ان دونوں سے جاملوں۔"

اس کے بعد پھر قس نے ان دونوں قبروں کی طرف دیکھا اور کچھ شعر پڑھے۔"

یہ سارا واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس راوی سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو (اس کی نیکی اور عبادت گزاری کی وجہ سے) قیامت میں ایک پوری امت کے برابر درجے میں اٹھائے گا۔"

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں قس کے واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وعنه اخبر قس قومه فلقد
حلي مسامعهم من ذكره شنفا

ترجمہ: قس نے اپنی قوم کے سامنے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کیا ہے جو اتنا دلچسپ تذکرہ تھا کہ سننے والے اس سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

جب قس کی وفات ہوئی تو ان کو ان ہی (دونوں کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا۔ یہ تینوں قبریں اب ایک گاؤں میں ہیں جس کا نام روحین ہے۔ یہ گاؤں حلب کے دیہات میں سے ہے ان قبروں پر مقبرہ بنادیا گیا ہے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ اس زیارت گاہ کی آمدنی کے لئے بہت سے اوقاف ہیں اور درگاہ پر بہت سے مجاور اور خادم رہتے ہیں۔

**قوم خثعم کا واقعہ**...... اسی طرح ایک واقعہ علامہ واقدی نے اپنی ایک سند سے ذکر کیا ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی خثعم کے لوگ ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے اس بت سے اپنے کسی جھگڑے کا فیصلہ مانگ رہے ہیں۔ ابھی یہ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ اچانک انہیں فضا میں کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

یا ایها الناس ذوالا جسام
ومسندو الحکم الی الاصنام

ترجمہ: اے جسم اور عقل و شعور رکھنے والے لوگو! تم نے اپنے معاملات ان پتھر کے بے جان اور بے حس بتوں کے حوالے کر دیئے۔

اماترون ما اریٰ امامی
من ساطع و جلود جی الظلام

کیا تم ایسی روشنی کو نہیں دیکھ رہے ہو جسے میں اپنے سامنے پار رہا ہوں اور جو اندھیروں کو مٹاتی جا رہی ہے۔

ذاك نبیٌ سیّد الانام
من هاشم فی ذروة السنام

وہ بنی آدم کے سردار اور عظیم نبی ہیں۔ جو بنی ہاشم کی معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

مستعلن بالبلد الحرام
جاء یهدا لکفر بالاسلام

وہ نبی اس محترم شہر میں اپنی نبوت کا اعلان کر رہے ہیں اور گمراہوں کو اسلام کے ساتھ ہدایت دینے کے لئے آئے ہیں۔

**اکرمه الرحمٰن من امام**...... اور جن کو اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی بڑے اعزاز عطا فرمائے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک وہ لوگ ان شعروں کو دہراتے رہے اور جب ان کو یاد ہو گئے تو وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ ابھی اس واقعہ کو تین دن بھی نہ گزرے تھے کہ اچانک انہیں خبر ملی کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ (ی) یعنی اس سے پہلے وہاں کوئی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا بلکہ اس واقعہ کے ایک دو دن بعد بالکل اچانک انہیں آپ ﷺ کے ظہور کا حال معلوم ہوا۔ پھر بھی خثعمی قوم کے یہ لوگ فوراً ہی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ کافی عرصہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا۔

**زمل ابن عمر و عذری کا واقعہ**...... اسی طرح کا ایک واقعہ زمل ابن عمر و عذری کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی عذرہ کا جو یمن کا ایک قبیلہ تھا، ایک بت تھا جس کا نام خمام تھا۔ یہ قبیلہ اس بت کی بہت عزت و عظمت کرتا تھا مگر یہ بت بنی ہند ابن حرام کا تھا اور اس بت کے خادم کا نام طارق تھا۔ اس طارق (کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اس) کے بارے میں کتاب نور میں بھی یہ لکھا ہے کہ نہ تو اس کے متعلق تفصیلات معلوم ہو سکیں اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ آیا یہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ غرض یہ لوگ اس بت کے سامنے اکثر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ اسی زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا ہم نے ایک دن ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"اے بنی ہند ابن حرام حق اور سچائی ظاہر ہو گئی۔ خمام بت تباہ ہو گیا اور اسلام نے شرک کو ختم کر دیا۔"

زمل کہتے ہیں کہ اس غیبی آواز سے ہم لوگ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے۔ پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز پھر ہم نے اسی طرح ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"اے طارق۔ اے طارق۔ وہ سچے نبی ظاہر ہوگئے۔ جو صاف صاف وحی کا سلسلہ ساتھ لائے ہیں۔ تہامہ میں ایک اچانک اور زبردست ہلچل پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اس نبی کے مددگاروں کے حق میں سلامتی اور امن ہے اور ان کے جھٹلانے والوں کے نصیب میں ندامت اور رسوائی ہے۔ بس اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی خمام نامی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

اب اگر یہ آواز اس بت کے اندر سے آئی تھی۔ جیسا کہ آخری جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس قسم میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے جن کا بیان چل رہا ہے (کیونکہ یہ بیان اس قسم کے واقعات کا چل رہا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق اچانک فضاؤں میں آوازیں گونجیں۔ کسی درخت، پتھر یا بت اور ذبح شدہ جانور کے اندر سے نہیں ابھریں)۔ لیکن اگر اس واقعہ میں بھی مراد یہی ہے کہ یہ آواز حمام بت کے اندر سے نہیں آئی تھی بلکہ فضا میں سے سنائی دی تھی تو پھر اس جگہ اس واقعہ کا ذکر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

غرض زمل کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے فوراً ایک اونٹنی خریدی اور اس پر سوار ہو کر اپنی قوم کے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر میں نے یہ شعر پڑھے۔

اليك رسول الله اعلمتها انصها
النص هو الغاية في السير

ترجمہ: یارسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی کو روانہ کیا جس کی منزل آپ ہی تھے۔

اكفلها حزنا وقوزا من الرمل
لانصر خير الناس قصواً موزرا

میں اس اونٹنی پر اونچے اونچے اور ریتیلے ٹیلے عبور کر کے آیا ہوں تاکہ میں سب سے بہترین انسان یعنی آپ کی زیادہ سے زیادہ مدد کروں۔

واعقد حبلا من حبالك في حبلى
واشهد ان الله لاغيره

اور تاکہ آپ سے ایک مضبوط اور پختہ عہد کروں اور گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ماانقلت قلمى نعلى

میرے جوتوں نے مجھے آپ تک پہنچنے میں بالکل نہیں تھکایا۔

تمیم داری کا واقعہ...... اسی طرح کا ایک واقعہ تمیم داری کا ہے ان کا لقب ابورقیہ تھا رقیہ ان کی بیٹی کا نام تھا اور اس بیٹی کے سوا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی رسول اللہ ﷺ نے دجال کے متعلق دجال کے ساتھ جساسہ کا واقعہ منبر پر کھڑے ہو کر ان ہی کے حوالے سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے تمیم داری نے بتلایا۔ اس کے بعد آپ نے وہ قصہ بیان فرمایا۔

اسی کی بنیاد پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ بڑوں کا اپنے چھوٹوں سے۔ روایت بیان کرنے کا جو اصول محدثین ثابت کرتے ہیں یہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے۔ اسی اصول کی بنیاد کے طور پر ایک یہ واقعہ بھی

پیش کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا۔

"کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی دعا سنی ہے؟"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

**آنحضرت ﷺ کی بتلائی ہوئی ایک دعا**...... "میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک دعا سنی ہے جو آپ ہمیں بتلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے اصحاب کو سکھلایا کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ۔ "اگر تم میں سے کسی پر ایک سونے کے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو (اور وہ اس دعا کو پڑھتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس شخص کے اتنے زبردست قرض کو بھی ادا کرا دے گا۔"

پھر آپ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یہ تھی۔

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ، مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ، رَحْمٰنَ الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ (حدیث)

ترجمہ: اے اللہ! غموں کے کھولنے والے، پریشانیوں کے دور کرنے والے، بے چین لوگوں کی دعاؤں کے قبول والے، دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں مہربانی اور رحم کرنے والے۔ تو ہی مجھ پر رحم فرماتا ہے۔ پس مجھ پر رحم اور رحمت فرما۔ جو ایسی زبردست اور بے پایاں رحمت ہو کہ جو تیرے سوا دوسروں کی مہربانیوں اور منّت پذیری سے مجھے مستغنی اور بے پروا کر دے"۔

(اسی دعا کی تاثیر کے سلسلے میں) حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مجھ پر کچھ قرض تھا۔ اس قرضے کی ادائیگی میرے لئے دشوار ہو رہی تھی۔ میں نے اسی دوران میں یہ دعا پڑھی جس کی برکت سے وہ قرض ادا کرنا میرے لئے آسان ہو گیا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا اس زمانے میں میں ملک شام میں تھا اسی دوران میں ایک دن اپنے کچھ کاموں کے سلسلے میں وہاں سے روانہ ہوا۔ سفر میں مجھے رات ہو گئی (چونکہ بہت لوگ تنہا بھی سفر میں جایا کرتے تھے اور رات ہونے پر وہ اکیلے ہی صحراؤں اور جنگلوں میں رات گزارا کرتے تھے جہاں ان کو جنّات سے خطرہ رہتا تھا اس لئے وہ لوگ ایسے موقعہ پر جہاں بھی ٹھہرتے تو اس طرح کی دعا پڑھ کر ٹھہرتے تھے کہ میں اس جگہ کے جن یا یہاں کی طاقتور ترین ہستی یا یہاں کے مالک کی پناہ لے کر ٹھہرتا ہوں۔ اس طرح ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب ہم یہاں کے جن کی پناہ میں آگئے ہیں اور وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا۔ چنانچہ تمیم داری کہتے ہیں کہ رات گزارنے کے لئے میں ایک وادی میں ٹھہرا اور) میں نے یہ دعا پڑھی۔

"میں اس وادی کے مالک یعنی بڑے جن کی پناہ اور امان میں یہاں ٹھہرتا ہوں۔"

اس کے بعد جب میں وہیں ایک جگہ سونے کے لئے لیٹا تو اچانک مجھے کسی پکارنے والے کی آواز آئی جبکہ بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

"تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جنّات کو کسی کو پناہ دینے کی مجال نہیں ہے۔"

یہ آواز سن کر میں نے کہا

"اس بات سے تیری کیا مراد ہے؟"

اس پر یہ جواب سنائی دیا۔

"یہ کہ رسول اُمّی ظاہر ہو چکے ہیں اور ہم یعنی جنّات جحون کے مقام پر ان کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں۔ یہ جحون مکے کا قبرستان تھا جس کو معلاۃ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ہم جنّات ان پیغمبر پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کے پیرو بن گئے ہیں۔ اب جنّات کا فریب ختم ہو گیا ہے (یعنی اب وہ لوگ آسمانوں کے قریب جا کر چھپ چھپ کے وہاں کی ٹوٹی پھوٹی خبریں نہیں سن سکتے جو وہ کاہنوں کو بتلادیا کرتے تھے اور اس طرح لوگ کاہنوں اور جنوں کو غیب داں سمجھتے تھے) کیونکہ جنّات کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت سے آسمانوں تک پہنچنے کی ممانعت ہو گئی ہے اور ان کو اب) ستارے اور شہاب مار مار کر وہاں سے بھگادیا جاتا ہے۔ اس لئے محمد ﷺ کے پاس جا اور مسلمان ہو جا۔"

تمیم داری کہتے ہیں کہ (یہ آواز سن کر میں رات بھر اسی کے متعلق سوچتا رہا آخر) صبح ہوئی تو دیر ایوب میں جو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی وہاں گیا اور میں نے راہب سے یہ سارا واقعہ سنالیا۔ یہ سن کر اس نے کہا۔

"انہوں نے یعنی جنّات نے تم سے ٹھیک کہا ہے۔ ہم اپنی کتابوں میں یہ ذکر پاتے ہیں کہ وہ نبی حرم یعنی مکے میں ظاہر ہوں گے اور ان کی ہجرت گاہ حرم یعنی مدینہ ہو گی۔ اور یہ کہ وہ سب سے بہترین نبی ہوں گے۔ اس لئے پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچو۔"

تمیم داری کہتے ہیں کہ راہب کی بات سن کر میں نے فوراً ہی سفر کا انتظام کیا۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔"

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تمیم داری آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے میں مسلمان ہوئے ہیں۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے اگرچہ ایک جگہ تو اسی روایت کے آخر میں یہ لفظ تک صاف صاف موجود ہیں کہ۔ پھر میں مکے گیا اور آنحضرت ﷺ سے ملا۔ اس وقت آپ چھپے ہوئے تھے میں فوراً آپ پر ایمان لے آیا۔ مگر بعض محدّثوں نے لکھا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ تمیم داری حقیقت میں ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

<u>بنی تمیم کے ایک شخص کا عجیب واقعہ</u>...... (قال) اسی طرح فضاؤں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق آوازیں بلند ہونے کا ایک واقعہ اور ہے جس کو حضرت سعید ابن جُبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

"میں ایک رات ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک مجھ کو نیند آنے لگی۔ میں نے اپنی سواری سے اتر کر اس کو ایک طرف بٹھادیا اور خود پڑ کر سو گیا۔ سونے سے پہلے میں نے حفاظت کے لئے یہ دعا پڑھی۔

"میں جنّات سے اس وادی کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد میں سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک ہتھیار لئے ہوئے ہے اور اس کو میری اونٹنی کی گردن پر مارنا چاہتا ہے۔ اسی وقت گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ یہ پریشان خیالی کے خواب ہیں اس لئے میں نے

پھر وہی دعا پڑھی اور دوبارہ پڑ کر سو گیا۔ مگر اس دفعہ پھر میں نے ویسا ہی خواب دیکھا اور یہ کہ میری او نٹنی کانپ رہی ہے غرض میں تیسری بار پھر سو گیا تو پھر میں نے وہی سب کچھ دیکھا۔ میں فوراً جاگ اٹھا اور دیکھا کہ میری او نٹنی بے چین اور گھبرائی ہوئی ہے۔ میں جوں ہی او نٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے ایک نوجوان آدمی کو وہاں کھڑے ہوئے دیکھا جو ہو بہو ویسا ہی تھا جیسا آدمی مجھے خواب میں نظر آیا تھا۔ اس نوجوان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار بھی تھا۔ ساتھ ہی مجھے ایک بوڑھا شخص بھی نظر آیا جو اس نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور اس کو میری او نٹنی کے پاس جانے سے روک رہا تھا۔ اسی بات پر ان دونوں میں کشمکش اور کھینچ تان ہو رہی تھی۔ ابھی یہ دونوں جھگڑ ہی رہے تھے کہ اچانک تین وحشی سانڈ ظاہر ہوئے ان کو دیکھتے ہی اس بوڑھے شیخ نے اس نوجوان سے کہا۔

"آؤ۔ میرے پناہ میں آئے ہوئے اس انسان کی او نٹنی کے بدلے میں تم ان تینوں سانڈوں میں سے کوئی بھی لے لو۔"

یہ سن کر وہ نوجوان بڑھا اور اس نے ان میں سے ایک سانڈ پکڑ لیا اور اسے لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اب اس نوجوان کے جانے کے بعد وہ بوڑھا شیخ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

"نوجوان! آئندہ تم جب بھی کسی وادی میں رات کے وقت پہنچو اور وہاں تمہیں ڈر محسوس ہو تو تم یہ دعا پڑھا کرو۔

"اس وادی کے خطرات سے میں محمد ﷺ کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

تم اب جنّات میں سے کسی کی حفاظت مت مانگا کرو اس لئے کہ جنوں کا زور اب ٹوٹ چکا ہے۔"

میں نے یہ سن کر پوچھا کہ محمد کون ہیں۔ اس نے کہا۔

"وہ نبی عربی ہیں جو نہ صرف مشرق والوں کے لئے ہیں اور نہ صرف مغرب والوں کے لئے ہیں!"

میں نے پوچھا۔

"ان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟"

اس نے کہا

"نخلستانوں والا یثرب!"

میں اسی وقت اپنی او نٹنی پر سوار ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ آخر مدینے پہنچ کر میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی۔ ابھی میں نے آپ سے کچھ بتلایا بھی نہیں تھا کہ آپ نے مجھے میرا خواب سنایا اور پھر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔"

اس آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کا ہے ظہور کے وقت کا نہیں ہے جبکہ یہاں ان واقعات کا ذکر چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے۔

ایک اور صحابی کا واقعہ ...... اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے جس کو ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے اونٹوں کو چرانے کے لئے گیا۔ اس وقت ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ جب ہم کسی وادی میں پہنچ کر رات گزارتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ۔ ہم اس وادی کے بڑے کی پناہ مانگتے ہیں۔ غرض میں نے اپنی او نٹنی کو دہیں باندھا اور یہی دعا پڑھی۔ اسی وقت مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

ویحك غد باللّٰہ ذی الجلال

منزل الحرام والحلال

ترجمہ: تجھے برائی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی پناہ مانگ جو جلال والا ہے اور حرام اور حلال کو اتارنے والا ہے۔

ووحداللّٰہ ولا تبال

ماکید ذی الجن من الاھوال

اللہ تعالیٰ کو ایک جان اور کوئی فکر نہ کر کیونکہ پھر جنّات کے مکر اور فریب سے کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔

اذیذ کر اللّٰہ علی الاحوال

وفی سھول الارض والجبال

تجھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ چاہے تو میدانوں میں ہو اور چاہے بھیانک پہاڑوں میں۔

وصار کید الجن فے سفال

الا النبی وصالح الاعمال

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جنّات کا مکروفریب پاش پاش ہو جائے گا اور اس کے نبی اور نیک عمل کے اثرات باقی رہیں گے یہ سن کر میں نے اس پکارنے والے سے کہا۔

یا ایھا القائل ماتقول

ارشد عندك ام تضلیل

ترجمہ: اے صدا دینے والے تو کیا کہہ رہا ہے جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط ہے۔

جواب میں آواز آئی۔

ھذا رسول اللّٰہ ذوالخیرات

جاء بیس وحا میمات

یہ رسول اللہ ہیں نیکیوں والے۔ جو سورۂ یٰسین اور وہ سورتیں لے کر آئے ہیں جن کے شروع میں حمٓ ہے۔

وسور بعد مفصلات

یامربا صلاۃ والزکات

نیز کچھ ایسی صورتیں جو مفصل سورتوں کے بعد ہیں جن کے ذریعہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

ویز جز الا قوام عن ھنات

قدکن فی الاسلام منکرات

وہ پیغمبر اپنی قوم کو برائیوں سے روکتے ہیں۔ ان چیزوں سے جو اسلام کے آنے کے بعد برائیاں بن گئی ہیں۔

میں نے یہ آواز سن کر کہا۔

"اگر کوئی شخص اس وقت میرے یہ اونٹ لے جا کر میرے گھر پہنچانے کا ذمہ لے تو ان پیغمبر کے پاس حاضر ہو کر میں ابھی مسلمان ہو جاؤں"۔

جواب میں وہی آواز سنائی دی کہ اونٹوں کو پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ میں اسی وقت ایک اونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ ایک روایت میں اسطرح ہے کہ میں جمعہ کے دن وہاں پہنچا جبکہ لوگ نماز جمعہ میں مصروف تھے۔ میں ابھی اپنے اونٹ کو باندھ ہی رہا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مسجد سے نکل کر میرے پاس آئے اور بولے۔

"رسول اللہ ﷺ تم کو فرمارہے ہیں کہ اندر آجاؤ"۔

میں فوراً ہی مسجد کے اندر گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

اس شخص نے کیا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ اس بوڑھے شیخ نے کیا کیا۔ جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی۔ کیا اس نے وہ اونٹ صحیح سالم ہی نہیں پہنچادیئے!"

جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کا جو یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی تاریک اور بھیانک وادی میں بسیرا لیتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس وادی کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح ذکر فرمایا اور اپنے نبی کو اس کی خبر دی۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (پ ۲۹ سورۂ جن ع ۱) الآیۃ

ترجمہ :۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنات کی بد دماغی اور بڑھادی۔

یعنی جاہلیت کے زمانے میں لوگ جب سفر میں جاتے اور کسی بھیانک اور وحشت ناک جگہ پر انہیں پڑاؤ کرنا پڑتا تو وہ جنات سے پناہ اور امان طلب کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس جگہ کے شریروں کی شرارت سے یہاں کے سردار اور بڑے جن کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنات کے سردار بہت ہی زیادہ سرکش اور مغرور ہوگئے کیونکہ جب انسان ان کی پناہ طلب کرتے تو وہ کہتے کہ اب ہم انسانوں اور جنوں دونوں کے سردار بن گئے ہیں۔

## سردار حضر موت اور ان کے بت کا واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے جس کو وائل ابن حجر حضرمی نے بیان کیا ہے۔ ان کا لقب ابوہُنَیدہ تھا۔ یہ حضر موت کے رئیسوں میں سے ایک تھا اور ان کا باپ وہاں کے بادشاہوں میں سے تھا۔ غرض وائل کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرے آنے سے پہلے ہی اپنے صحابہ کو میری آمد کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا۔

"تمہارے پاس وائل ابن حجر حضر موت کی دور دراز سرزمین سے آرہا ہے۔ اسے اللہ عزّوجل اور اس کے رسول کی محبت لے کر آرہی ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں کی نشانی ہے۔"

وائل کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے جو بھی مجھے ملا اس نے مجھ سے کہا۔

"تمہاری آمد سے بھی تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ ہمیں تمہارے آنے کی خبر دے چکے تھے۔"

غرض جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مرحبا کہہ کر میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے قریب بلایا، آپ نے مجھے اپنے برابر بٹھایا اور میرے لئے اپنی چادر بچھا کر مجھے اس پر بٹھایا پھر آپ نے مجھے یہ دعا دی۔

"اے اللہ! وائل ابن حجر اور اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔"

اس کے بعد آپ منبر پر چڑھے اور مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"لوگو! یہ وائل ابن حجر ہیں جو حضر موت جیسی دور دراز سرزمین سے اسلام کی محبت کی خاطر آئے ہیں"۔

میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے آپ کے ظہور کی خبر ملی تو اس وقت میں ایک بڑی حکومت کا مالک تھا مگر پھر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رحمت تھی کہ میں نے اس سب عیش و آرام کو ٹھکرادیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پسند کرلیا۔"

آپ نے فرمایا۔

"تو نے ٹھیک کہا۔ اے اللہ! وائل ابن حجر، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔"

غرض یہ وائل ابن حجرؓ کہتے ہیں کہ میرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ میرے پاس ایک بت تھا جو یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ ایک روز جبکہ میں سو رہا تھا مجھے اچانک ایک آواز آئی جو اس کمرے سے آرہی تھی جہاں وہ بت رکھا ہوا تھا۔ میں فوراً گھبرا کر بت کے پاس آیا اور اس کو سجدہ کیا۔ اسی وقت کسی کہنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

وَاعَجَباً لوائل ابن حجر ۔ نحال یدری وھو لیس یدری

تعجب ہے وائل ابن حجر پر جو اپنے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے حالانکہ وہ بے خبر ہے۔

ماذا یرجی من نحیت صحر ۔ لیس بذی نفع و لاضر

یہ کیا توقع رکھتا ہے ان پتھر کے تراشے ہوئے بتوں سے جن سے نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔

لو کان ذاحجر اطاع امری

کاش یہ بت پرست میری بات مانتا۔

یہ سن کر میں نے کہا۔

نصیحت کرنے والے۔ میں نے تمہاری آواز سن لی۔ اب تم مجھے کیا حکم دیتے ہو"۔

اس نے کہا

ارجل الی یثرب ذات النخل ۔ تدین دین الصائم المصلی

ترجمہ: تو یثرب کے نخلستانوں کی طرف جا اور اس نے نبی کا دین اختیار کر جو روزے رکھنے والا اور نمازیں پڑھنے والا ہے۔

محمّد النّبی خَیرُ الرسل

یعنی نبی کریم محمد ﷺ جو سب پیغمبروں میں بہترین اور افضل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ پھر خود میں نے آگے بڑھ کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اس کے بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا (جبکہ یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو پہلے ہی ان کے متعلق خبر دیدی تھی)۔

اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اگر یہ آواز (جو وائل ابن حجر نے سنی) اس بت کے اندر سے آئی تھی تو یہ واقعہ اس عنوان کے مطابق نہیں ہے جس کے متعلق واقعات ذکر ہو رہے ہیں (کیونکہ یہاں جو واقعات بیان ہو رہے ہیں وہ وہ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق فضاؤں میں گونجنے والی ان دیکھے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ واقعات پیچھے گزر چکے ہیں جن میں بتوں کے اندر سے آنے والی آوازیں سنی گئیں)۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس میں وائل کے ساتھ معاویہ کا بھی ذکر ہے جس کو ہم نے طول

کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

## آنحضرت ﷺ کے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے سنی جانے والی باتیں

آپ کے ظہور کے متعلق بعض وحشی جانوروں نے بھی کلام کیا ہے۔ ایسے واقعات میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک وہاں ایک بھیڑیا آگیا اور وہ ایک بکری پر جھپٹا۔ چرواہا بکری کو بچانے کے لئے دوڑ کر بھیڑیئے اور بکری کے درمیان آگیا۔ وہ بھیڑیا (بجائے چرواہے پر حملہ کرنے یا بھاگ جانے کے) اسی وقت اپنی پچھلی ٹانگوں پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا؟"

یہ سن کر وہ چرواہا (سخت حیران ہوا اور) کہنے لگا۔

"مجھے تو یہ حیرت ہے کہ ایک بھیڑیا مجھ سے انسانوں کی طرح بات کر رہا ہے!"

اس پر اس بھیڑیئے نے کہا۔

"کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور عمدہ بات بتلاؤں۔ کہ رسول اللہ ﷺ جو حرّہ کے دونوں مقامات کے درمیان میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو یثرب میں ہیں لوگوں کو گزشتہ واقعات کی خبریں دے رہے ہیں۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ پچھلی باتیں بتلاتے ہیں اور اسی طرح وہ باتیں بھی جو تمہارے بعد یعنی آئندہ زمانے میں پیش آنے والی ہیں۔!"

**جانوروں کا کلام کرنا علامات قیامت میں سے ہے**...... (آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں چرواہے کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ تحقیق اور تصدیق کے لئے) بکریاں گھر پہنچا کر مدینہ منورہ پہنچا اگلے دن جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اس بھیڑیئے کی بات آپ سے بیان کی۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"چرواہا سچ کہتا ہے۔ بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وحشی درندے انسانوں سے کلام کریں گے (جیسا کہ قیامت کے قریب مکے میں ظاہر ہونے والے جانور کا حال سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ ابواب میں بیان بھی ہو چکا ہے)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ قیامت اس وقت تک ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک کہ انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ تک بھی بات نہیں کرے گا۔ تسمہ سے مراد وہ فیتہ ہے جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے اور اسی طرح اس کے چابک کی گانٹھ اور ایک قول کے مطابق تسمہ کے ایک حصہ کو کہتے ہیں اور اس کو ہتلا نہیں دے گا کہ اس کے گھر والے کیا کیا کر رہے ہیں۔"

(ی) ایک روایت میں ہے کہ اس چرواہے کی بات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کی ہدایت کی جائے (جب سب لوگ آگئے تو) آپ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور چرواہے کو حکم دیا کہ لوگوں کو اپنا واقعہ سناؤ۔ چنانچہ اس نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ چرواہا ایک یہودی تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بھیڑیئے نے چرواہے سے یہ کہا تھا۔

"مگر تو تو مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ یہاں اپنی بکریاں لئے کھڑا ہوا ہے اور اس عظیم نبی کی طرف توجہ نہیں دی جس سے بڑی شان کا نبی آج تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جن کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت کے لوگ ان کی صحابہ کو جنگیں کرتے ہوئے شوق سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تیرے اور اس نبی کے درمیان صرف اس گھاٹی کا فاصلہ ہے۔ اس لئے جا اور اللہ تعالیٰ کے لشکر میں شامل ہو جا۔"

یہ سن کر چرواہے نے کہا۔

"پھر میری بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا؟"

بھیڑیئے نے کہا۔

"جب تک تو واپس آئے ان کی رکھوالی میں کروں گا"۔

چرواہے نے اسی وقت بکریاں اس بھیڑیئے کے سپرد کیں اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"اپنی بکریوں کے پاس واپس جاؤ تم ان کو اتنی ہی پاؤ گے جتنی چھوڑ کر آئے تھے (یعنی بھیڑیئے نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں کھایا ہوگا)"

چنانچہ چرواہا وہاں واپس پہنچا تو اس نے بکریوں کو جوں کا توں پایا (اور بھیڑیا بھی وہاں موجود تھا) پھر اس نے ایک بکری بھیڑیئے کے لئے کاٹی۔

اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اور حضرت سعید ابن جبیر کا وہ واقعہ بھی جو اس سے پہلے بیان ہوا آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بھی بعد کے ہیں آپ کے ظہور کے وقت کے نہیں ہیں جبکہ بیان ان واقعات کا چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے ہیں۔ اس چرواہے کے متعلق کتاب نور میں ہے کہ میں اسکے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔

(قال) بھیڑیوں نے بہت سے موقعوں پر انسانوں سے کلام کیا ہے ایسے تمام واقعات کی تفصیل میری اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے جو بخاری کی شرح کی صورت میں ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ صحابہ میں جن سے بھیڑیوں نے کلام کیا ہے وہ تین ہیں۔ حضرت رافع ابن عُمیرؓ، حضرت سلمہ ابن اکوعؓ اور حضرت وہبان اوس رضی اللہ عنہم۔

## آنحضرت ﷺ کے متعلق درختوں سے آنے والی صدائیں

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان سے کسی نے سوال کیا۔

"کیا اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی بھی دیکھی تھی؟"

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ جاہلیت کے زمانے میں ایک دن میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی شاخیں مجھ پر جھکنے لگیں یہاں تک کہ ایک شاخ جھک کر بالکل میرے سر تک آگئی۔ میں سر اٹھا کر اس کی طرف (حیرانی سے) دیکھنے اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی وقت مجھے اس درخت میں سے آواز آئی۔

"یہ نبی فلاں فلاں وقت میں ظاہر ہوں گے اس لئے تم ان کی طرف بڑھنے میں سب سے زیادہ خوش نصیب بننے کی کوشش کرنا۔" واللہ اعلم۔

# شہاب ثاقب کے ذریعہ آسمانی خبروں کی سُن گُن لینے پر پابندی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ظہور اور نبوت کا وقت آگیا تو شیطانوں کو آسمانوں کی خبریں سننے سے روک دیا گیا اور آسمان میں جن جگہوں پر یہ شیاطین جا کر بیٹھتے اور سُن گُن لیتے تھے ان کو وہاں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ستارے مار مار کر روکا جانے لگا۔ چنانچہ جنّات اس تبدیلی سے سمجھ گئے کہ انسانوں میں ضرور کوئی نئی بات ظہور میں آئی ہے۔

جب آپ کا ظہور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ جب شیاطین کو آسمانی خبروں کی سن گن لینے سے روک دیا گیا تو انہوں نے کہا۔

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا

الآیہ ۹-۸ پ ۲۹ سورۂ جن ع ۱

ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمان کی خبروں کی تلاشی موافق عادت سابقہ کے لینا چاہا سو ہم نے اس کو سخت پہروں یعنی محافظ فرشتوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور اس کے قبل ہم آسمان کی خبریں سننے کے موقعوں میں خبر سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے۔

**شیاطین سے آسمانوں کی حفاظت**...... یعنی جب ہم نے آسمانوں میں ہونے والی باتوں کی سُن گُن لینے کی کوشش کی تو ہم نے دیکھا کہ آسمان کی زبردست حفاظت کی جا رہی ہے اور نہایت طاقتور فرشتے اس کی پاسبانی کر رہے ہیں اور سن گن لینے والوں کو شہابوں اور ستاروں سے مار مار کر بھگایا جا رہا ہے جبکہ اس سے پہلے ہم وہاں بیٹھ کر آسمانوں میں ہونے والی باتوں کی سُن گُن لے لیا کرتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ جو بھی وہاں کی باتیں سننا چاہتا ہے تو اس پر ستاروں کی بوچھاڑ پڑتی ہے جس کے لئے وہ نگہبانوں کو اپنی گھات میں بیٹھا ہوا پاتا ہے۔ اگر ان جنّات میں سے کوئی آہستگی اور چوری سے بھی وہاں پہنچ کر کچھ خبریں لینا چاہتا ہے تو بھی (آسمانوں کی زبردست نگرانی کی وجہ سے) وہ شہابوں اور ستاروں کی بوچھاڑ اپنے پیچھے آتی ہوئی پاتا ہے جو اس کا کام تمام کر دیتی ہے یا اس کا چہرہ جھلس دیتی ہے اور یا اس کے ہوش و حواس ختم کر دیتی ہے تاکہ وہ کاہنوں کے پاس پہنچ کر ان کو کچھ نہ بتلا سکے۔ یہ سب انتظامات اور پاسبانی اس لئے ہے تاکہ ان شیطانی خبروں کی وجہ سے وحی کے نازل ہونے کے زمانے سے لے کر اس کے پورا ہونے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت تک لوگوں کو وحی کے متعلق کہیں کوئی مغالطہ نہ ہو سکے۔ یعنی کم عقل اور کم سمجھ لوگوں کے دماغوں میں وحی اور ان کاہنوں کی خبروں کی وجہ سے

کوئی شبہ نہ پیدا ہو سکے اور یہ نہ سمجھنے لگیں کہ کہانت پھر شروع ہو گئی ہے جس کی بنیاد چوری چھپے سنی ہوئی آسمانی خبروں پر ہوتی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ آسمانوں کی حفاظت آپ کی زندگی یعنی وحی کے زمانے میں بھی ہو اور آپ کی وفات کے بعد بھی ہو (کیونکہ اسلامی شریعت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وحی کا فیضان جاری رہے گا) چنانچہ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے۔

"آج کے بعد کہانت کبھی نہیں ہو گی۔"

(خلاصہ یہ ہے کہ ستاروں کے ذریعہ جنّات اور شیاطین کو مارنے اور آسمانوں سے دور رکھنے کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت سے شروع ہوا جس کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ وحی کے زمانے میں اور اس کے بعد کے دور میں بھی اگر کاہنوں کی طرف سے بھی شیطانی خبروں اور پیشین گوئیوں کا سلسلہ جاری رہا تو لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں طرح طرح کے شبے اور شک سر ابھاریں گے اور کم سمجھ لوگوں کو خاص طور پر مغالطے پیدا ہوں گے)۔

## ستارے ٹوٹنے پر عمرو ابن اُمیّہ کی رائے

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عرب میں پہلے لوگ جنہوں نے ستاروں کو ٹوٹتے (یعنی ان کے ذریعہ شیطانوں کو مارے جاتے ہوئے) دیکھا وہ بنی ثقیف کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ یہ نئی بات دیکھ کر گھبرائے اور فوراً اپنے ایک عالم کے پاس آئے جس کا نام عمرو ابن اُمیّہ تھا۔ یہ شخص عرب میں انتہائی عقلمند اور سمجھ دار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ یہ اندھا تھا اور لوگوں کو ہونے والے واقعات کے متعلق خبریں دیا کرتا تھا۔ غرض ان لوگوں نے عمرو سے آکر کہا۔

"اے عمرو! کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی سنا کہ آسمانوں میں ستارے پھینکنے اور مارنے کی جیسی عجیب اور نئی بات پیش آرہی ہے؟"

اس نے کہا

"بے شک۔ (سنا ہے) اس لئے دیکھو! اگر یہ ٹوٹنے والے ستارے وہ مشہور ستارے ہیں جن کے ذریعہ خشکی اور سمندروں میں لوگ راستے یعنی سمتیں معلوم کرتے ہیں اور جن سے گرمی اور سردی کے موسموں کا پتہ چلایا جاتا ہے (یعنی مریخ زہرہ وغیرہ وغیرہ) تو سمجھ لو کہ اس دنیا کے انجام اور اس مخلوق کے تباہ ہونے کا وقت آچکا ہے۔ لیکن اگر یہ مشہور ستارے اپنی جگہوں پر موجود ہیں اور ٹوٹنے والے ستارے ان کے علاوہ دوسرے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اور نیا واقعہ پیش آنے والا ہے جو اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے لانا چاہتا ہے۔"

ستاروں کے ذریعہ موسموں وغیرہ کا پتہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مخصوص ستارہ مغرب میں چھپ جاتا ہے تو اسی وقت مشرق میں اس کے مقابل ایک نیا ستارہ ابھرتا ہے اور یہ دور ہر تیرہ دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس تبدیلی کو عربی میں نوء کہتے ہیں (جس سے نجومی مختلف اندازے لگاتے اور پیشین گوئیاں کرتے

ہیں)نوء کا مطلب ایک ستارے کا مغرب میں چھپنا اور اس کے رقیب ستارے کا مشرق سے ابھرنا ہوتا ہے جو اسی تیرہ دن کی مدّت میں ہوتا ہے۔

عرب کے لوگ بارشوں، ہواؤں اور گرمی و سردی کے ہونے کو ان ہی ستاروں میں سے چھپنے والے ستارے یا ابھرنے والے ستارے کی تاثیر کہتے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ :-

"فلاں نوء یعنی ڈوبنے یا ابھرنے والے ستارے کے ذریعہ ہمارے یہاں بارش ہوگی۔"

اس مسئلے پر معاہدۂ حدیبیہ کے بیان میں تفصیل سے بحث آئے گی۔

(غرض اس تفصیل کے بعد عمرو ابن امیہؓ کے متعلق مزید بتلاتے ہیں جس کے پاس بنی ثقیف کے لوگ ستاروں کے ٹوٹنے کا واقعہ دیکھ کر گئے تھے) ایک روایت کے مطابق عمرو نے یہ کہا تھا کہ (اگر وہ ٹوٹنے والے ستارے مشہور ستاروں میں سے نہیں ہیں تو)

"یہ کوئی ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے لانا چاہتا ہے اور کوئی نبی عرب میں ظاہر ہونے والا ہے جس کے بارے میں چرچے بھی ہیں۔"

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ستاروں کے ذریعہ تو شیطانوں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت سے پہلے بھی مارا اور بھگایا گیا ہے یعنی آپ کی ولادت کے وقت بھی ایسا ہو چکا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ستاروں کے مارے جانے سے مراد یہ ہے کہ پہلے کے مقابلے میں اس وقت سے بہت زیادہ ستارے مارے جانے لگے (یعنی پہلے صرف مخصوص اوقات میں ایسا ہوا ہے جبکہ آپ کے ظہور کے وقت سے یہ واقعات بہت زیادہ ہونے لگے) یا یوں سمجھئے کہ آپ کے ظہور کے وقت سے یہ فرق ہوا کہ مارے جانے والے ستارے اپنے نشانوں پر پڑنے لگے خطا نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ بعض محدّثین نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی یعنی آپ کے ظہور کا وقت قریب آگیا تو شیطانوں کو ستاروں کے ذریعہ اتنا زیادہ مارا اور بھگایا جانے لگا کہ اس سے پہلے کبھی یہ واقعات اتنی کثرت سے نہیں ہوتے تھے (چنانچہ لوگوں نے یہ حادثہ دیکھا تو وہ حیران اور خوفزدہ ہوئے اور) عبدیالیل ثقفی کے پاس آئے جو اندھا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے کہا۔

ان واقعات کی وجہ سے لوگ بہت خوفزدہ اور پریشان ہیں اور (اللہ تعالیٰ کو راضی کرانے کے لئے) اپنے غلاموں کو آزاد کر رہے ہیں اور اپنے مویشیوں کو سیبہ بنا رہے ہیں (یعنی ناک کان کتر کر بتوں کے نام پر چھوڑ رہے ہیں جس کی تفصیل سیرت حلبیہ اردو گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے)"

عبدیالیل نے کہا۔

"جلدی مت کرو بلکہ دیکھو۔ اگر یہ وہ مشہور ستارے ہیں جن میں سے خشکی اور تری میں سمتیں دیکھی جاتی ہیں اور موسم کے متعلق پیشین گوئی کی جاتی ہے تب تو لوگوں کے فنا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اور اگر یہ وہ مشہور ستارے نہیں ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نیا اور اہم واقعہ ظاہر ہونے والا ہے۔"

اب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ٹوٹنے والے ستارے وہ مشہور ستارے نہیں تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقعات کسی نئے واقعہ کی علامت ہیں۔

(ی) امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ستارے آسمان کا سہارا ہیں کہ جب ستارے نہیں رہیں گے تو آسمان سے وہ تمام مصیبتیں نازل ہوں گی جن سے مخلوق کو ڈرایا گیا ہے۔ اسی طرح میں اپنے صحابہ کا سہارا ہوں جب میں نہیں رہوں گا تو صحابہ کے سامنے وہ ساری چیزیں آئیں گی جن سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اور میرے صحابہ میری امت کے لئے سہارا ہیں جب صحابہ نہیں رہیں گے تو امت میں وہ ساری خرابیاں ظاہر ہوں گی جن سے انہیں ڈرایا گیا ہے"۔

(غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کو عمرو ابن امیہ نے ایک نبی کی آمد کی خبر دی تو) اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق سن لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے بعد تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ ابوسفیان ابن حرب طائف پہنچے (جہاں کا یہ قبیلہ بنی ثقیف تھا) انہوں نے آکر لوگوں کو خبر دی اور کہا۔

## شہاب پھینکنے کا سلسلہ ظہور کے وقت شروع ہوا

"محمد ابن عبداللہ یہ دعویٰ لے کر کھڑا ہوا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا نبی ہے"۔

(گزشتہ سطروں کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب آیا تو اس وقت شیطانوں اور جنّات کو شہاب اور ستارے مار کر آسمانوں میں پہنچنے سے روک دیا گیا مگر ایک روایت حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں جو اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ "جب وہ دن آیا جس میں آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو شیطانوں کو شہاب مار کر آسمانوں کی خبروں کی سُن گُن لینے سے روک دیا گیا۔"

ادھر بنی ثقیف کے متعلق پیچھے کی سطروں میں دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک کے مطابق انہوں نے عمرو ابن امیہ سے آکر ستاروں کے ٹوٹنے کے متعلق سوال کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے عبدیالیل سے اس بارے میں پوچھا تھا۔ بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ انہوں نے ان دونوں آدمیوں سے اس بارے میں سوال کیا ہو۔ اور یہ کہ دونوں اندھے رہے ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہو لیکن جس شخص سے ان لوگوں نے جاکر سوال کیا اس کے نام میں راویوں کا اختلاف ہو گیا ہو چنانچہ بعض راویوں نے اس کو عمرو بن امیہ کہا اور بعض نے عبدیالیل ابن عمرو کہا۔

یہ واقعہ جیسا کہ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ظہور کے وقت کا ہے اس واقعہ سے وہ روایت غلط ہو جاتی ہے جسے علامہ ماوردی نے شیخ نجم غیطی سے نقل کیا ہے جو ہمارے اکابر میں سے کسی کے شیخ ہیں۔ انہوں نے اسی اپنی روایت کو قبول بھی کیا ہے جو یہ ہے۔

ستاروں کے مارنے کا سبب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی پیدائش سے بھی پہلے ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ ان نئے حادثات کی وجہ سے عرب کے اکثر لوگ بہت زیادہ گھبرا گئے اور وہ اپنے ایک اندھے کاہن کے پاس پہنچے۔ یہ شخص ان کو نئے ظاہر ہونے والے واقعات کے بارے میں خبریں دیا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے جاکر ستاروں کے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

"تم لوگ بارہ برجوں کو دیکھو۔ اگر ان میں سے بھی کوئی ٹوٹ چکا ہے تو سمجھو کہ دنیا کا آخر آپہنچا ہے۔

لیکن اگر ان میں سے کوئی کم نہیں ہوا ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم اور نیا انقلاب ظاہر ہونے والا ہے۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ظہور وہی عظیم اور نیا انقلاب تھا"۔

علامہ ماوردی کی یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ جن روایتوں میں ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات آپ کی بعثت اور ظہور کے وقت بتلائے گئے ہیں وہاں ظہور سے مراد آپ کی پیدائش ہے (لیکن یہ صحیح نہیں ہے) لہٰذا اس روایت سے ولادت کا لفظ ہٹانا ہوگا جس کے بعد بات صاف ہو جاتی ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ستاروں کا کثرت سے ٹوٹنا آپ کی نبوت اور ظہور کے وقت ہوا ہے نہ کہ آپ کی پیدائش کے وقت۔

اسی طرح بنی لہب کے لوگ بھی ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات دیکھ کر گھبرا گئے تھے چنانچہ ابو لہب یا لُہیب ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے کہانت کے متعلق تذکرہ کیا میں نے عرض کیا۔

**خطر کاہن کا حیرت ناک واقعہ**...... "آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ ہم وہ پہلے لوگ ہیں جن کو آسمانوں کی حفاظت شروع ہونے اور جنّات کو آسمانوں کی خبروں کی سُن گُن لینے سے روک دیئے جانے کا پتہ چلا۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ ہم لوگ ایک دفعہ ایک کاہن کے پاس پہنچے جس کا نام خطر ابن مالک تھا۔ خطر کے بارے میں کتاب نور میں ہے کہ مجھے اس کے تفصیلی حالات کا پتہ نہیں چل سکا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ آیا وہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ غرض یہ ایک بہت بوڑھا آدمی تھا اس کی عمر دو سو اسّی (۲۸۰) سال ہو چکی تھی یہ ہمارے سب سے بڑے کاہنوں میں سے تھا۔ ہم نے اس سے کہا:۔

"اے خطر! کیا تمہیں ان ستاروں کے متعلق بھی کچھ معلومات ہیں جو آج کل مارے جا رہے ہیں۔ ہم لوگ اس حادثہ سے بہت گھبرا رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ نہ معلوم انجام کیا ہوگا!؟"

اس نے کہا۔

"میرے پاس صبح کو۔ یعنی منہ اندھیرے اخیر رات میں آنا۔ اس وقت میں تمہیں بتلاؤں گا کہ واقعہ کیا ہے آیا اس میں کوئی خیر ہے یا برائی ہے۔ اور آیا یہ امن و سکون کی علامت ہے یا پریشانی اور خوف کی۔"

ابو لہب (جن سے مراد آپ کا چچا ابو لہب نہیں ہے) کہتے ہیں کہ اس دن ہم اس کاہن کے پاس سے لوٹ گئے۔ اگلے دن اخیر رات میں ہم پھر اس کے پاس آئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا آسمان کی طرف آنکھیں لگائے گھور رہا ہے۔ ہم نے فوراً اس کو پکارا۔ اپنا نام سن کر اس نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ ذرا خاموش رہو چنانچہ ہم رک گئے۔ اسی وقت آسمان میں ایک بڑا ستارہ ٹوٹا اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑے زور سے چیخا۔

"لگ گیا۔ اس کے لگ گیا۔ اس کے انجام نے اس کی عقل خبط کر دی۔ اس کے عذاب نے اس کو جلد ہی آلیا۔ شہاب نے اس کو جلا ڈالا۔ وہ خبر لانے والا تھا مگر اس سے پہلے اس کو بیکار کر دیا گیا۔ افسوس ہے اس کی حالت پر۔ اس کو مصیبتوں نے گھیر لیا۔ اس پر بار بار تباہی آئی۔ اس کے راستے بند کر دیئے گئے اور اس کے حالات کو ہی بگاڑ ڈالا۔"

(مطلب یہ ہے کہ آسمان میں ہونے والی ان تبدیلیوں کا سبب معلوم کرنے کے لئے اس کاہن نے اپنے تابع جن کو بھیجا کہ وہ آسمانوں سے اس کے متعلق کچھ سُن گُن لے کر آئے جس وقت وہ کاہن اس جن کو

آسمان میں منڈلاتے دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک شہاب مارا گیا جو اس جن کے لگا اور وہ جل کر ہلاک ہو گیا جس پر اس کاہن کی چیخ نکلی اور پھر اس نے غم و افسوس کے ساتھ یہ جملے کہے جو اوپر بیان کئے گئے)۔

**خطر کاہن کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے متعلق اطلاع**......اس کے بعد وہ بہت دیر تک خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

"اے بنی قحطان کے گروہ! میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں۔ اور کعبے اور ارکان یعنی حجر اسود کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اور اس امن کے گہوارے یعنی مکہ شہر کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہم خدمت گزار ہیں۔ کہ جنّات کو آسمانی خبروں کی سُن گُن لینے کی ممانعت ہو گئی ہے۔ طاقت ور ستاروں کے ذریعہ آسمانوں کی جنّات سے حفاظت کی جارہی ہے۔ یہ سارا اہتمام اس عظیم الشان نبی کی وجہ سے کیا جارہا ہے جو وحی اور کتاب الٰہی کے ساتھ ظاہر ہوں گے اور ہدایت اور قرآن جیسا عظیم صحیفہ لے کر آئیں گے۔ اور جن کے ظہور کی وجہ سے بتوں کی پوجا باطل اور ختم ہو جائے گی۔"

ابو لہب کہتے ہیں۔ یہ سن کر ہم نے اس سے کہا۔

تمہارا بُرا ہو اے خطر! تم تو بہت بڑے معاملے کی خبر دے رہے ہو مگر پھر تم اپنی قوم کے لوگوں کو کیا مشورہ دیتے ہو"؟

اس نے کہا

اری لقومی ما اری لنفسی . ان یتبعوا خیر نبی الانس

ترجمہ: اپنی قوم کے بارے میں میری وہی رائے ہے جو خود اپنے متعلق ہے کہ وہ انسانوں کے اس بہترین پیغمبر کی پیروی کریں۔

برھانه مثل شعاع الشمس . یبعث فی مکة دار الحمس

ان کی نشانیاں اور علامتیں سورج کی روشنی کی طرح صاف ہیں اور وہ مکے جیسے قریش کے مرکز میں ظاہر ہوں گے۔

بمحکم التنزیل غیر اللبس

اور مضبوط اور معتبر آسمانی کتاب لے کر۔

(ان شعروں میں مکے کو دار الحمس کہا گیا ہے۔ حمس سے مراد قریش اور وہ لوگ ہیں جو قریشی لڑکیوں کے علاوہ دوسروں کے پیٹ سے پیدا ہوئے حمس سے مراد شدّت اور سختی ہے مراد ہے دین میں شدّت) قریش کے لوگ عرب کے معزز خاندانوں میں بھی اگر اپنی لڑکیاں بیاہتے تھے تو اس شرط پر کہ ان کی اولاد میں حمس باقی رہنا چاہئے۔ قریش کے لوگ عرب کے قبیلوں میں اپنے حمس اور شدّت کے لئے مشہور تھے۔ اسی بناء پر انہوں نے جنگ وجدل سے ہاتھ اٹھالیا تھا کہ اس کے ذریعہ خوں ریزی اور بدکاری پیدا ہوتی ہے چنانچہ قریش کے لوگ تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

اسی لئے قریش کو حمس کہا جاتا تھا۔ ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ یہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ حماسہ کے معنی شدّت ہی کے ہیں۔

غرض (خطر کے یہ شعر سن کر) ہم نے اس سے کہا۔

"اے خطر! وہ نبی کون شخص ہے"؟
اس نے کہا
"زندگی اور اپنی جان کی قسم۔ وہ قریش میں سے ہوگا۔ اس کے حکم اور احکام حق[1] اور سچائی سے ہٹے ہوئے نہیں ہوں گے۔ اس کے مزاج اور عادتوں میں کوئی برائی نہیں ہوگی۔ وہ لشکر کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ وہ لشکر آل قحطان اور آل ایش کے ہوں گے"۔
یہاں آل قحطان سے مراد مدینے کے انصاری مسلمان ہیں۔ چنانچہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے اس ارشاد میں آل قحطان فرمایا ہے۔
"قحطان کی اولاد میں ایمان گھر بنائے ہوئے ہے"۔
آل ایش سے مراد یا تو جنات کا ایک مومن اور مسلمان قبیلہ ہے جو اپنے آپ کو ایش کی اولاد بتاتے ہیں جو جنات میں ایک بڑا شخص تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایش سے مراد مہاجر صحابہ ہیں۔ (ی) کیونکہ مہاجرین کے بارے میں ایش کا لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ ان مہاجروں میں ایش ہے۔ کیونکہ ایش کا لفظ تعریف کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ فلاں شخص ایش ہے جو اس جملے کا مخفف ہے کہ ای شئی ھو یعنی وہ اتنا بلند اور عظمت والا ہے کہ اس کی بلندی اور بڑائی ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے۔
ایک روایت میں ایش کے بجائے ریش کا لفظ آتا ہے۔ غرض اس پر ہم نے خطر کاہن سے کہا۔
"اب ہمیں یہ بھی بتاؤ کہ وہ بنی قریش کی کس شاخ میں سے ہوگا"؟
اس نے کہا۔
"قسم ہے اس بیت اللہ کی جس کے ساتھ حجر اسود اور چاہ زمزم[2] ہیں۔ وہ بنی ہاشم کی نسل میں سے ہوگا جو شریف اور معزز خاندان ہے اور وہ پیغمبر جنگوں کے ساتھ ظاہر ہوگا اور ہر ظالم کو ہلاک کرے گا"۔
اس کے بعد اس کاہن نے کہا۔
"یہی وہ خبر ہے جو مجھے جنات کے سردار نے دی ہے۔" پھر اس نے مزید کہا۔ "اللہ اکبر۔ حق آکر ظاہر ہو گیا جنات کے آسمانی خبریں حاصل کرنے کا سلسلہ ٹوٹ گیا"۔
اتنا کہہ کر وہ پھر خاموش ہو گیا اور اس پر مدہوشی سی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد وہ تین دن بعد چونکا اور تب اس نے کہا۔

لا الہ الا اللہ...... اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔
ابولہب سے یہ واقعہ سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"سبحان اللہ۔ اس نے بالکل اس طرح کلام کیا جیسے وہ شخص کرتا ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔

---

[1] یہاں طیش کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ اس کے احکام میں طیش نہیں ہوگا جس کا مطلب ہے حق سے گریز نہیں ہوگا۔ عربی میں کہا جاتا ہے کہ طَاشَ السَّھمُ عَنِ الْھَدَف یعنی تیر اپنے نشانے سے ہٹ کر لگا۔

[2] یہاں احائم کا لفظ استعمال ہوا ہے جو احوم کی جمع ہے اور خود احوام احوم کی جمع ہے جس کے معنی کنویں کے پانی کے ہیں یہاں مراد زمزم کا کنواں ہے۔ یا پھر یہاں احائم سے مراد حوائم ہے جو ان پرندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو پانی پر منڈلا رہے ہوں۔ اس طرح یہاں مراد مکے کے کبوتر ہوں گے۔

(ی)اور وہ قیامت کے دن تنہا ہی ایک امت کے برابر بنا کر اٹھایا جائے گا۔ (ی)یعنی ایک پوری جماعت کی حیثیت میں۔ جیسا کہ اس کی نظیر پہلے بھی بیان ہو چکی ہے"۔

**ستارے ٹوٹنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد**...... (قال)اسی طرح ایک وہ واقعہ ہے جس کو مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا ہے اور ابن عباس نے انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔

"ایک روز جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ستارہ ٹوٹا جس سے آسمان میں ایک دم روشنی ہوئی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے دریافت فرمایا۔

"جاہلیت کے زمانے میں یعنی نبوت سے پہلے جب اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹتا تھا تو تم لوگ کیا کہا کرتے تھے"؟

لوگوں نے کہا

"یارسول اللہ! اس وقت جب ہم ستارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

"نہیں یہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کو سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس تسبیح کو سن کر ان سے نچلے درجہ میں جو فرشتے ہیں وہ بھی تسبیح کرتے ہیں، پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے نیچے والے تسبیح بیان کرتے ہیں پھر اسی طرح ایک سے دوسرے تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے فرشتے سنتے ہیں اور تسبیح بیان کرتے ہیں پھر اوپر کے فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

"تم نے اس وقت یہ تسبیح کیوں کی"......؟

وہ جواب میں کہتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے ایسا ایسا فیصلہ فرمایا ہے جو وہاں ظاہر ہونے والا ہے"۔

**شیاطین کو آسمانی خبریں کیسے ملتی تھیں**...... پھر یہ بات بھی اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے کی طرف اترتی ہے اور ہر اوپر کے آسمان والے اپنے سے نیچے والوں کو اس کی اطلاع دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ اسی وقت شیاطین جو وہاں منڈلاتے رہتے تھے فرشتوں کی باتوں سے اس خبر کے کچھ ٹکڑے چوری سے سن لیتے تھے اور پھر زمین پر آکر کاہنوں کو بتلا دیتے تھے۔ چنانچہ اس خبر میں سے کچھ باتیں درست نکلتی تھیں اور کچھ غلط نکلتی تھیں (کیونکہ شیاطین پوری اور صحیح خبر سن نہیں پاتے تھے اس لئے اڑتی اڑتی جو خبر ان کے کانوں میں پڑ جاتی تھی وہ اس کو اپنے دماغ سے جوڑتے اور کاہنوں کو آکر بتلاتے تھے۔ اسی لئے ساری بات سچ نہیں نکلتی تھی)۔

بخاری میں اس بارے میں یہ روایت ہے

"جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف و رعب سے اس طرح اپنے پَر پھڑپھڑاتے ہیں جیسے چکنے پتھر پر زنجیر ماری جاتی ہے۔ پھر جب ان کی گھبراہٹ کچھ کم ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔

"تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے"؟

جواب میں وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو بڑی اور زبردست شان والا ہے یہ یہ فرمایا ہے۔

اس کو کچھ نہ کچھ سُن گُن لینے والے شیاطین بھی سن لیتے تھے۔ ادھر محافظ فرشتے ان سُن گُن لے کر جانے والوں کے شہاب مارتے ہیں۔ اب کبھی اس بھاگنے والے جن کے وہ شہاب لگ جاتا تھا اور وہ جس کو خبر دینے جارہا تھا اس کے پاس نہیں پہنچ پاتا تھا کیونکہ ستارہ اس کو پھونک دیتا تھا۔ (حدیث)۔

یہاں فرشتوں کا یہ قول جو ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور اس کے بعد وہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے ایسا ایسا فیصلہ فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ۔ جاہلیت کے زمانے میں جب ستارے ٹوٹتے تھے تو تم کیا سمجھا کرتے تھے۔ ان سب باتوں سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیانی زمانے یعنی فترت کے دور میں بھی غیبی خبروں کی حفاظت کے لئے اسی طرح شیاطین پر شہاب پھینکے جاتے تھے یعنی آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے مگر آگے حضرت ابی ابن کعبؓ کی روایت سے حدیث آرہی ہے جو اس کے خلاف ہے۔

آپ کے ظہور کے بعد کہانت ختم ہو گئی..... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے"۔

صحابہ نے عرض کیا۔

"مگر یارسول اللہ! کبھی کبھی وہ لوگ ہمیں ایسی باتیں بتلایا کرتے تھے جو درست ثابت ہوتی تھیں!"

آپ نے فرمایا۔

"اس قسم کی خبریں انہیں جنوں سے ملتی تھیں جن کو جنّات (آسمانوں میں سے) اچک لایا کرتے تھے اور پھر ان کو اپنے کاہن تک پہنچادیا کرتے تھے مگر اس خبر میں وہ اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ باتیں بھی ملادیا کرتے تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان شہابوں کے ذریعہ آسمانوں تک پہنچنے سے روک دیا جو ان پر پھینکے جاتے ہیں اس لئے اب کہانت ختم ہو گئی اور آج کوئی کہانت باقی نہیں ہے"۔

(ی) بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

فرشتے بادلوں میں اپنے درمیان وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو زمین پر پیش آنے والی ہوتی ہیں شیاطین (جو فضاؤں میں منڈلاتے پھرتے ہیں) ان باتوں کو سن لیتے ہیں اور پھر زمین پر آکر ان کو اپنے کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں اور ان میں سینکڑوں جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملادیتے ہیں"۔

مگر (ان سب روایتوں کے ساتھ ساتھ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فترت کے دور میں یعنی آنحضرت ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے شیاطین پر ستارے پھینکے جاتے رہے ہیں) ایک روایت یہ بھی ہے جو حضرت ابی ابن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ :۔

"جب سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا اس وقت سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کے وقت تک بالکل شہاب نہیں پھینکے گئے اور آپ کے ظہور کے بعد پھینکے گئے۔ چنانچہ جب قریش نے یہ واقعہ دیکھا جو اس

سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا تو وہ گھبرا کر عبدیالیل کے پاس پہنچے۔" (جس کے بعد کی تفصیلات گزر چکی ہیں)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے شہاب نہیں پھینکے گئے یہاں ظہور کے قریبی زمانے میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے لہٰذا یہ گزشتہ روایت کے خلاف نہیں ہوتی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے پہلے ستارے پھینکے جاتے تھے۔ یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے اور ان کے بعد کے رسولوں کے زمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔

یہ قول علامہ زہری کے اس قول کے مطابق ہے کہ آسمانوں میں شیاطین کے پہنچنے کی ممانعت اور ان کے شہاب مارنا گزشتہ زمانوں میں ظہور سے پہلے کے دور میں ہوا ہے۔ (ی) یعنی رسولوں کے زمانوں میں نہ کہ فترت کے زمانوں میں جو کہ دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ قول تفسیر کشاف کا بھی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے نبیوں کے زمانوں میں بھی شیاطین پر شہاب پھینکے گئے ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے اور اکثر مفسرین کا قول یہی ہے۔ یہ شہاب اس لئے پھینکے جاتے تاکہ رسولوں پر نازل ہونے والی وحی کی حفاظت ہو سکے۔

اب جہاں تک ان زمانوں کا تعلق ہے جن میں نبی اور رسول نہیں رہے جو رسولوں کے درمیان فترت کا زمانہ کہلاتا ہے تو ان زمانوں میں شیاطین آسمانوں میں کچھ مخصوص ٹھکانوں پر پہنچ کر وہاں کی باتوں کی کچھ سُن گُن لیتے تھے اور پھر ان خبروں کو اپنے کاہنوں تک پہنچا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی تخلیق و پیدائش کے دو فائدے ذکر فرمائے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ
وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ

الآیہ پ ۲۹ سورۂ ملک ع ۱

ترجمہ: اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیطان کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ الآیہ پ ۲۳ سورۂ صفٰت ع ۱

ترجمہ: ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔

اب ان ستاروں کا شیطانوں کے لئے سزا ہونا جو ہے وہ گزشتہ سے پیوستہ زمانوں تک کے دوسرے نبیوں کے مقابلے میں خاص طور پر صرف آنحضرت ﷺ کے ظہور کے قریبی وقت سے ہوا۔ چونکہ شہاب پھینکنے کی غرض یہ تھی کہ شیاطین کو چوری چھپے آسمانی خبریں سننے سے روکا جاسکے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کے ظہور سے پہلے شہاب نہیں مارے گئے۔ اس دور میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے"۔

اس قول کی موافقت ابن اسحاق کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی رسالت کا زمانہ

قریب آگیا اور آپ ﷺ کے ظہور کا وقت آپہنچا تو شیاطین کو آسمانوں تک پہنچنے سے روک دیا گیا۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ :۔

"جب وہ دن آگیا جس میں آنحضرت ﷺ کو نبوت ملنے والی تھی تو شیطانوں کو آسمان خبریں سننے سے روک دیا گیا اور ان پر شہاب مارے گئے۔ شیطانوں نے اس تبدیلی کا ابلیس سے ذکر کیا۔ اس نے کہا۔

"شاید ارض مقدس یعنی فلسطین میں تمہارے مقابلے پر کوئی نبی ظاہر کیا گیا ہے"۔

خاص طور پر ارض مقدس کا نام اس لئے لیا کہ یہ سرزمین ہمیشہ نبیوں اور رسولوں کا مرکز رہی ہے۔ ادھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے نزدیک بھی شہاب کا پھینکا جانا کسی نبی کے ظہور کی علامت رہا ہے۔

چنانچہ شیاطین ارض مقدس کی طرف تحقیق کے لئے گئے۔ واپس آکر انہوں نے کہا

"اس سرزمین میں کوئی نبی ظاہر نہیں ہوا"۔

اس کے بعد خود ابلیس مکے کی طرف گیا کیونکہ نبیوں کے مرکز کے بعد اسی سرزمین میں کسی نبی کے ظہور کا امکان ہو سکتا تھا۔ وہاں اس نے غار حرا میں آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دیکھا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور ان سے بولا۔

"احمد ﷺ کا ظہور ہو گیا ہے اور جبرئیل ان کے ساتھ ہیں"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب شیاطین نے ابلیس کو آکر بتلایا کہ ان کو آسمانوں میں پہنچنے کی ممانعت ہو گئی ہے تو اس نے ان سے کہا۔

"یہ کوئی نئی بات زمین میں ظاہر ہوئی ہے اس لئے تم ہر علاقے کی مٹی میرے پاس لے کر آؤ"

چنانچہ شیاطین سب جگہوں کی مٹی لے کر آئے تو وہ ان کو سونگھ سونگھ کر دیکھنے لگا۔ جب اس نے مکے کی مٹی سونگھی تو فوراً بولا۔

"یہ نیا واقعہ اسی سرزمین میں ہوا ہے"۔

شیاطین فوراً مکے کی طرف آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے جب شیاطین آگئے ہوں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ لینے کے باوجود ابلیس سے آکر نہ کہا ہو اس لئے ابلیس خود گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابلیس ان شیاطین سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع ملنے کے باوجود خود بھی گیا ہو تاکہ اسے یقین ہو سکے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت شہاب پھینکے جانے لگے تھے یعنی ظہور کے وقت کے قریب ایسا ہونے لگا تھا ظہور سے پہلے کے زمانے میں جس میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے ایسا نہیں ہوتا تھا (جبکہ پچھلے صفحات میں یہ بات گزری ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت ایسا ہوا) اسی لئے آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس اور اس کے چیلوں کے ساتھ شہاب پھینکے جانے کا واقعہ ماننے میں مشکل پیدا ہوتی ہے اسی لئے پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ ممکن ہے راوی نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ بات کہی ہو۔

ادھر اس بعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ شیطانوں پر شہاب کا پھینکا جانا آنحضرت ﷺ کے ظہور کی علامت ہے جب کہ اس سے پہلی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شہاب کا پھینکا جانا ابلیس کے نزدیک آپ کے ظہور کی علامت تھا (اسی لئے اس نے شیاطین سے کہا کہ شاید ارض مقدسہ میں تمہارے خلاف نبی کا ظہور ہو چکا ہے) لیکن دونوں روایتوں سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ ابلیس کو نہ تو آپ ﷺ کے سراپا کا علم تھا اور نہ آپ کے ظہور کی جگہ کی خبر تھی۔ واللہ اعلم۔

قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اپنے ان شعروں میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آسمانوں میں شیطانوں کے داخلے پر پابندی آپ ﷺ کے ظہور کے وقت لگی۔

بَعَثَ اللّٰهُ عِنْدَ مَبْعَثِهِ الشُّهُبَ . حِرَاسًا وَ ضَاقَ عَنْهَا الفضاء

ترجمہ: آپ کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ نے بے شمار شہابوں سے آسمانی خبروں کی حفاظت فرمائی۔

تَطْرُدُ الجِنَّ عَنْ مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ . كَمَا يَطْرُدُ الذِّئَابَ الرِّعَاءُ

جنہوں نے جنات و شیاطین کو ان کے سن گن لینے کے ٹھکانوں سے اس طرح دھکیل دیا جس طرح چرواہے بھیڑیوں کو دھکیل دیتے ہیں۔

فَمَحَتْ اٰيَةَ الكِهَانَةِ اٰيَا . تٌ مِنَ الْوَحْيِ مَالَهُنَّ انمحاءُ

اور اس طرح وحی کی نشانیوں نے کہانت کی نشانیوں کو نیست و نابود کر دیا جبکہ خود وحی کی نشانیاں مٹنے والی چیز نہیں ہیں۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے وقت اللہ تعالیٰ نے جنات سے آسمانوں کی حفاظت کی خاطر ان پر آگ کے شعلے برسائے۔ یہ شعلے تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ انہوں نے آسمانوں میں پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا۔ ان شہابوں نے جنات کو آسمانوں میں ان کے ٹھکانوں سے ڈھکیل دیا جہاں بیٹھ کر وہ فرشتوں کے درمیان ہونے والی غیب کی وہ باتیں چھپ کر سنا کرتے تھے جو زمین میں پیش آنے والی ہوتی تھیں۔ ان شہابوں نے اتنی تیزی کے ساتھ شیاطین کو دھکیل دیا جتنی شدت کے ساتھ چرواہے ان بھیڑیوں کو دھکیلتے ہیں جو ان کی بکریوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس لئے اس زبردست حفاظت اور دھتکار کی وجہ سے وحی کے آثار نے کہانت کے آثار کو نیست و نابود کر دیا جو غیب کی باتوں سے متعلق ہوتے تھے اب جہاں تک خود وحی کے ان آثار کا تعلق ہے تو یہ کبھی نہ مٹنے والے ہیں بلکہ قیامت تک باقی رہیں گے۔

یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر شہاب پھینکے جانے سے مراد وحی کی حفاظت ہے تو یہ سلسلہ صرف آپ کے ظہور (یعنی وحی نازل ہونی شروع ہونے) کے وقت سے ہونا چاہئے۔ ظہور سے پہلے اور آپ کی ولادت کے وقت بالکل نہیں ہونا چاہئے۔

پھر ایک اشکال اور ہے کہ اگر شہاب پھینک جانے کا یہ سلسلہ آپ کے ظہور سے پہلے موجود تھا اور ظہور کے وقت تک مسلسل رہا تو پھر ظہور کے وقت شہاب دیکھ کر عربوں کو گھبرانا نہیں چاہئے تھا۔

پہلے اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے شہاب پھینکے جانے کی اصلی غرض تو وحی کی حفاظت ہی ہو لیکن وحی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے یہ شہاب بطور نبوت کی نشانیوں یعنی ارہاص کے اور کاہنوں وغیرہ کو اس طرف متوجہ کرنے اور اس سے خوف زدہ کرنے کیلئے شروع کیا گیا ہو۔ لہٰذا آپ کی ولادت اور ظہور کے قریب شہاب کا وجود کسی اشکال کا سبب نہیں رہتا۔

جہاں تک دوسرے اشکال کا تعلق ہے وہ اشکال ابی ابن کعبؓ کی پیچھے بیان ہونے والی روایت ہی سے تعلق رکھتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے وقت سے شہاب کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو شہاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے کہا ہے کہ جب قریش نے (جنہوں نے یہ بات کبھی نہیں دیکھی تھی) یہ انوکھا سلسلہ دیکھا تو وہ گھبرا کر اپنے کاہن عبدیالیل کے پاس گئے (تو گویا یہ اشکال اصل میں حضرت ابی ابن کعبؓ کی روایت سے ہی پیدا ہوتا ہے)۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے شہاب کا جو سلسلہ تھا وہ اس سلسلے سے مختلف ہو جو ظہور کے بعد شروع ہوا اور یہ فرق یا تو اس طرح کا ہو کہ ظہور سے پہلے شہاب کا جو سلسلہ تھا وہ بہت کم تھا اور ظہور کے بعد جو شروع ہوا وہ بہت زیادہ تھا۔ اور یا اس طرح کا فرق ہو کہ ظہور کے بعد شہاب ہر طرف سے پھینکے جانے لگے۔ اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سلسلہ ایک ہی جانب سے تھا۔ یا پھر ان میں یہ فرق رہا ہو کہ ظہور کے بعد شیاطین پر جو شہاب پھینکے جانے شروع ہوئے وہ ہمیشہ نشانے پر لگنے لگے جبکہ ظہور سے پہلے کے سلسلے میں جو شہاب پھینکے جاتے تھے وہ کبھی نہیں بھی لگتے تھے۔ غرض اس کے نتیجے میں کچھ شیاطین وہیں ختم ہونے لگے تھے، بعض کے صرف چہرے جھلس جاتے اور بعض کے ہوش حواس خراب ہو جاتے۔ (ی) جس کے بعد وہ بھوت پریت بن کر لوگوں کو جنگلوں اور دیہات میں پریشان کرنے لگے۔

اب اسی بناء پر عرب گھبرا گئے کیونکہ اس سے پہلے شہاب ہر طرف سے بھی نہیں پھینکے جاتے تھے۔ اتنے زیادہ بھی نہیں پھینکے جاتے تھے اور اکثر نشانے پر بھی نہیں لگتے تھے اسی لئے شیاطین آسمان میں اپنے ٹھکانوں پر اکثر ایک سے زائد بار پہنچتے رہتے تھے اور وہاں غیب کی باتوں کی سن گن لے کر اپنے کاہن کو بتلادیا کرتے تھے۔ (ی) اسی لئے آپ کے ظہور سے پہلے کہانت کا سلسلہ بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ آپ کے ظہور کے وقت تک باقی رہا جبکہ آپ کے ظہور کے وقت بالکل ختم ہو گیا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ آج کہانت کا نام و نشان باقی نہیں ہے۔

مگر یہ ساری بحث صرف اسی صورت میں ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو مان لیا جائے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت بھی شہاب پھینکے گئے تھے (کیونکہ اگر اس روایت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر یہ اشکال پیدا نہیں ہوتے بلکہ بات صاف رہتی ہے کہ آپ کے ظہور سے پہلے کے زمانے میں شہاب کا سلسلہ بالکل نہیں تھا بلکہ جب ظہور کا زمانہ قریب آیا تو شہاب پھینکے جانے شروع ہوئے)۔

(اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شہاب کے ذریعہ وحی کی حفاظت مقصود تھی مگر ایک روایت ایسی ہے کہ وحی کی حفاظت کا انتظام اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرمایا تھا) وہ روایت جو کتاب اتقان میں حضرت سعید ابن جبیر سے بیان کی گئی ہے یہ ہے :۔

"حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی آنحضرت ﷺ کے پاس قرآن پاک کی آیات یعنی وحی لے کر آتے تو ہمیشہ ان کے ساتھ چار فرشتے اور ہوتے تھے جو محافظ کی حیثیت سے ساتھ آیا کرتے تھے"۔

اسی طرح کتاب ینبوع میں ابن جریر کی روایت ہے کہ :۔

"جب بھی جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر اترا کرتے تھے تو ان کے ساتھ ہمیشہ کچھ محافظ فرشتے ہوتے

تھے جو جبرئیل علیہ السلام اور اس نبی کو جس کے پاس وہ وحی آتی تھی اپنے گھیرے میں لے لیا کرتے تھے اور شیاطین کو ان دونوں کے قریب آنے سے دھکیلتے رہتے تھے تاکہ شیاطین اس وحی کو نہ سن سکیں جو جبرئیل علیہ السلام اس نبی کے پاس غیب سے لاکر پہنچا رہے ہیں۔اور پھر اس وحی کو اپنے کاہنوں تک نہ پہنچا سکیں۔

## جلد اول نصف اول مکمل ہوئی

## بہترین اسلامی کتابیں

قصص القرآن مولانا محمد حفظ الرحمٰن ۴ جلد
مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ اردو) ۵ جلد
معارف الحدیث۔ مولانا محمد منظور نعمانی ، جلد
تجرید صحیح بخاری مترجم عربی اردو کامل مجلد
شرح حصن حصین مترجم مولانا محمد عاشق الٰہی
شرح اربعین، امام نوویؒ " " " مجلد
حجۃ اللہ البالغہ اردو، شاہ ولی اللہ دہلویؒ مجلد
بہشتی زیور مدلل مکمل مولانا اشرف علیؒ مجلد
فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مفتی محمد شفیعؒ ۲ جلد
علم الفقہ کامل مولانا عبد الشکور لکھنویؒ
عقائد علمائے دیوبند و حسام الحرمین مجلد
احیاء العلوم اردو، امام محمد غزالیؒ ۴ جلد
کیمیائے سعادت اردو " " مجلد
مجالس الابرار، اردو، شیخ احمد رومی مجلد
مجالس حکیم الامت مفتی محمد شفیعؒ
مومن کے ماہ و سال، اردو، شیخ عبد الحق دہلویؒ مجلد
اسلام کا نظام مساجد، مولانا ظفیر الدین مجلد
اسلام کا نظام عفت و عصمت " " "
اسلام کا نظام اراضی و عشر و خراج، مفتی محمد شفیعؒ
علمی کشکول منتخب مضامین " "
احکام اسلام عقل کی نظر میں، مولانا اشرف علی

## مستند اسلامی کتابیں

ارواح ثلاثہ (حکایات اولیا) مولانا اشرف علیؒ
آیات بینات، محسن الملک (تردید شیعہ) ۲ جلد
تحفۂ اثنا عشریہ اردو، شاہ عبد العزیزؒ (تردید شیعہ) مجلد
تاریخ ارض القرآن، سید سلیمان ندویؒ مجلد
تاریخ فقہ اسلامی اردو، شیخ محمد خضریؒ مجلد
تذکرہ غوثیہ، سید غوث علی شاہ قلندرؒ مجلد
تذکرہ مجدد الف ثانی، مولانا محمد منظور نعمانی "
عیسائیت کیا ہے؟ مولانا محمد تقی عثمانی
مسلمانوں کا نظم مملکت، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مجلد
لطائف علمیہ ترجمہ کتاب الاذکیا، ابن جوزی "
کلیات امدادیہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ "
المنجد عربی اردو، جامع لغات مجلد
المعجم اردو عربی " " "
بیان اللسان عربی اردو مستند لغات مجلد
قاموس القرآن (مکمل قرآنی لغات) "
جامع اللغات (اردو کی مستند لغت) "
شمس المعارف (تعویذات) ابن الابونی مجلد
اصلی جواہر خمسہ کامل (تعویذات) "
بیاض یعقوبی (تعویذات، مولانا محمد یعقوب "
علاج الغربا حکیم غلام امام
بیماریوں کا گھریلو علاج، طبیبہ ام الفضل

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان